مَعدِنُ الحقائق

شرح اردو

کنزُ الدّقائق

مع جدید اضافات

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت کراچی

مَعدِنُ الحقائق

مَعدِنُ الحقائِق

شرح اردو

کنزُالدَّقائِق

مع جدید اضافات

جلد اوّل

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 468 صفحات

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست مضامین مقدمہ معدن الحقائق شرح کنز الدقائق

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انَّ ازهیٰ رَوضةٍ كلّلت تيجانُها لآ لی الغيث السَّجيم . واَبهیٰ حديقةٍ روايحُ نشرِها اطيبُ من عرفِ النَّسيم ، حمدُه تعالیٰ الذیٓ زين نحور هٰذه الامة المحمدية ، بِعقودِ شريعته المرضية ، واَرشدها بسراج العناية الی مراقی الفلاح ، وبنور الايضاح الی امداد الفتّاح ، لا يُكتنهُ كُنهَهُ فی البداية والنهاية، وهو غاية كل بناية ، واَعطَر من اَنفاس الرِّياضِ باكرهَا الغمامُ ، واَنظر من حدايق الغياض ، نَمتْ عليها ساجعات الحمام، صلوٰة الله وسلامه علیٰ سيد نا محمد صاحب المعراج كاشف خزائن الاسرار ، الاٰتی بالدررِاللّوامع وغُررالافكار ، وعلیٰ اٰله واصحابه المتمسكين بشرعه وخطابه ، المتطهرين عن النقائص بتيمم مسح وجوههم بصعيد بابه.

امابعد تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مقام ہے وہ اور کسی علم کو حاصل نہیں کیونکہ نجات اخروی وسعادت ابدی کا مدار شرعی اصول وضوابط کے مطابق زندگی بسر کرنے پر ہے جو علم فقہ کے بغیر ناممکن ہے، نیز صدہا کتب فقہیہ کے مابین کتاب کنز الدقائق مصنفہ ابوالبرکات حافظ الدین نسفی کا جو مقام ہے وہ بھی اہل علم پر مخفی نہیں، مگر یہ چونکہ نہایت مختصر اور غایت درجہ ادق کتاب ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اسکی ایسی شرح کیجائے جس کے ذریعہ طلباء نفس مطالب کے ساتھ ساتھ تشریح مسائل سے بھی واقف ہوسکیں۔

میں گو اصطلاحی طور پر مصنف یا مؤلف نہیں مگر مجھے فطری طور پر قلم وقرطاس سے لگاؤ اور ابتداء ہی سے طلباء کی علمی خدمات انجام دہی کا غیر معمولی ذوق ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ہزار ہا شکر ہے کہ ''نیل الامانی'' شرح مختصر المعانی اور ''تحفۃ الادب'' شرح نفحۃ العرب کی طرح میں اپنی یہ فقہی خدمت بھی پیش کرنیکی سعادت حاصل کر رہا ہوں......

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(فاضل دارالعلوم دیوبند)

مقدمہ

مبادی علوم

ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے جن کو مبادی سے تعبیر کرتے ہیں، مبادی علوم امورِ عشرہ مشہورہ کہلاتے ہیں یعنی علم کی تعریف، تعیین موضوع، بیان، غرض وغایت، تصدیق بالفائدہ، تعارف واضع علم، بیان وجہ تسمیہ وغیرہ۔ ابن ذکریؒ نے تحصیل المقاصد میں علوم عشرہ مذکورہ کو ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

فاول الابواب فی المبادی ☆ وتلک عشرة علی المراد

الحد والموضوع ثم الواضع ☆ والاسم واستمداد حکم الشارع

تصور المسائل الفضیلة ☆ ونسبة فائدة جلیلة

خیر القرون اور تفقہ فی الدین

تاجدار مدینہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دو قسم کے اصحاب تھے۔ ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ، انسؓ بن مالکؓ وغیرہ، دوسرے وہ جو نصوص میں تدبر اور غور وفکر کر کے احکام جزئیہ نکالتے اور استنباط وتفقہ پر ہی پوری طرح صرف ہمت کرتے رہتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ یہ لوگ احادیث کو پورے تثبت وتحقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام گرامی سرفہرست ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

خیر القرون کے مشاہیر اصحاب فضل وکمال اور کثیر الاحادیث ہونے کے ساتھ اجلہ فقہاء صحابہ میں سے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا تھا۔ "یرحمک اللہ فانک علیم۔" "اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے۔" آپ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عام اجازت تھی جب چاہو پردہ اٹھاؤ اور بلا روک ٹوک اندر چلے آؤ۔ حتی کہ صحابہ ان کو خاندان نبوت ہی کا ایک فرد سمجھنے لگے تھے۔ تکمیل علوم کے بعد حضورؐ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں ان کو درس وتعلیم کی اجازت عطاء فرمادی تھی اور قرآن وحدیث تعلیم مسائل ہر ایک کے لئے صراحت سے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ سے حاصل کرو۔ ایک بار آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں

(کنز العمال، اکمال خطیب)

علامہ ابن قیم نے "اعلام الموقعین" میں امام مسروق سے نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم کے اصحاب میں علوم کا سرچشمہ چھ اصحاب کو پایا۔ علیؓ، ابن مسعودؓ، عمرؓ، زیدؓ، ابو الدرداءؓ، ابیؓ، اور ان چھ کے علم کے خزانہ حضرت علیؓ وابن مسعودؓ کو پایا۔ ان دونوں کا ابر علم یثرب کی پہاڑیوں سے اٹھا۔ اور کوفہ کی وادیوں میں برسا۔ ان دونوں آفتاب وماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا۔ کوفہ میں آپ کے حلقۂ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے۔ جس وقت حضرت علیؓ کوفہ پہنچے۔ تو ابن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں کو لے کر استقبال کیا، تمام میدان طلبہ سے بھر گیا۔ حضرت علیؓ نے فرط مسرت سے فرمایا۔ ابن مسعود! تم نے تو کوفہ کو علم وفقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز ہو گیا، آخر میں آپ کوفہ سے مدینہ شریف چلے آئے تھے۔ وہیں آپ نے ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی۔ علقمہ بن قیس، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان صرف تین واسطوں سے واضع علم فقہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علمی خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت علقمہ بن قیس

فقیہ عراق متوفی ۶۲ھ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، اور دوسرے صحابہ کی زیارت سے مشرف اوران کے علوم سے فیضیاب ہیں۔ علوم قرآن، تجوید، فقہ کا مکمل استفادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کیا فراغت کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں سند فضیلت علماء کی میں نے جو کچھ پڑھا اور جو مجھے آتا ہے وہ سب علقمہ پڑھ چکے اوران کو آ گیا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم، اعمال، اخلاق وعادات کانمونہ تھے، اسی طرح ان امور میں علقمہ حضرت ابن مسعود کانمونہ تھے۔ ابوالمثنی فرماتے ہیں کہ، جس نے عبداللہ بن مسعود کو نہ دیکھا ہو وہ علقمہ کو دیکھ لے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی

فقیہ عراق مولود ۵۰ھ متوفی ۹۶ھ فن حدیث کے امام ہیں اور چند صحابہ کی زیارت سے بھی مشرف ہیں کوفہ میں بعہدۂ افتاء ممتاز تھے اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے ان کی جگہ یہی مسند علم پر بیٹھے۔ ابن شعیب سے منقول ہے کہ بصرہ، کوفہ حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ ابوالمثنی فرماتے ہیں کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل وکمال اور اعمال کانمونہ ہیں اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کانمونہ ہیں۔

حضرت حماد بن ابی سلیمان

فقیہ عراق متوفی ۱۲۰ھ امام حدیث اور حضرت ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں میں افقہ ہیں اور تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابراہیم نخعی کی حدیثوں کا حماد سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔ چنانچہ ابراہیم کے بعد ان کی مسند تعلیم پر بھی یہی بیٹھائے گئے۔ اور فقیہ عراق مشہور ہوئے۔ حضرت انس اور کبار محدثین زید بن وہب، سعید بن جبیر، عکرمہ، سعید بن المسیب، حسن بصری اور علامہ شعبی وغیرہ سے روایت رکھتے ہیں عاصم، شعبہ، ثوری، حماد بن مسلمہ، مسعر بن کدام اور ہشام جیسے ائمہ فن ان کے شاگرد ہیں۔ بخاری ومسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے اور سنن اربعہ میں تو ان کی روایات بکثرت موجود ہیں۔

واضع علم فقہ امام اعظم ابوحنیفہ

امام الائمہ، سراج الامۃ، سید الفقہاء والمجتہدین ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن مرزبان کوفی (رضی اللہ عنہ) آپ آباء واجداد رؤسا میں سے تھے۔ آپکا خاندان مالی اور اقتصادی اعتبار سے بھی اور جاہ وعزت کے لحاظ سے بھی نہایت مشہور خاندان تھا۔ ان کے والد ثابت جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے خاندان کے لئے دعاء فرمائی۔

تاریخ ولادت

سنہ ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو قرائن ودلائل سے ترجیح دی ہے۔ صاحب اکمال نے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں مانی ہے اور امام مالک کی پیدائش ۹۵ھ میں اسکے باوجود امام مالک کے ذکر خیر کی وجہ تقدیم کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "وقد بدأنابذكره لانه المقدم زماناً" فسبحان ربی لا يضل ولا ينسى۔

سکونت اور وطن عزیز

آپکا وطن عزیز کوفہ ہے جو حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا جس میں ہزاروں صحابہ مقیم رہے طبقات ابن سعد میں ایک ہزار سے زیادہ فقہاء کوفہ کا ذکر ہے جن میں ڈیڑھ سو صحابہ ہیں۔ کوفہ میں تین سو صحابہ تو بیعت الرضوان میں شریک ہونیوالے ہی تھے۔ اور ستر بدری تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد علوم نبوت کے تین مرکز تھے۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، مکہ کے صدر مدرس حضرت ابن عباسؓ تھے۔ مدینہ کے حضرت ابن عمر اور زید بن ثابت اور کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ

کوفہ میں چار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کے شاگرد تھے۔امام صاحب نے اتنے بڑے علمی مرکز میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔اور علمائے حرمین شریفین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے۔اسی لئے آپکے شیوخ کی تعداد چار ہزار تک آئی ہے۔

امام اعظم اور بشارت حدیث

حافظ ابونعیم نے ''حلیہ'' میں شیرازی نے ''القاب'' میں طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جس کی اصل صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بھی ہے۔مضمون حدیث کا یہ ہے کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو کچھ لوگ ابنائے فارس کے اسکو ضرور حاصل کر لینگے۔علامہ سیوطی حدیث کی تصحیح کے بعد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی فضیلت ومنقبت میں اس حدیث کے ہوتے ہوئے کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں۔

تحصیل علم

امام صاحب نے صغر سنی میں معمولی تعلیم حاصل کی اور بڑے ہوکر تجارت میں لگ گئے۔اسی اثناء میں ایک خواب دیکھا کہ ''میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کو کھول رہا ہوں۔اور آپکے جسد اطہر کو اپنے سینہ سے لگا رہا ہوں'' خواب سے لرزاں وترساں بیدار ہوئے۔کسی سے خواب بیان کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی مجبوراً ایک شخص کو بتا کر محمد بن سیرین کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا۔انہوں نے کہا کہ ''جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی صحیح خدمت کریگا۔اس سے آپ نہایت متاثر ہوئے اور تحصیل علم شروع کی۔سب سے پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے۔اس سے فراغت کے بعد فن حدیث کو شروع کیا اور حدیث اپنے دور کے مشاہیر محدثین اعرج،عطا بن ابی رباح،نافع،عاصم،علقمہ،عطیہ،یحیی بن سعید،ہشام بن عروہ وغیرہ سے سنی،حافظ ابن حجر مکی نے ''الخیرات الحسان'' میں لکھا ہے کہ آپ نے چار ہزار اساتذہ سے حدیث حاصل کی۔امام سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں اور امام موفق اور امام کردری نے ''مناقب'' میں امام صاحب کے بہت سے شیوخ واساتذہ کے نام مع نسب لکھے ہیں۔

تحصیل علم فقہ

جس طرح آپ کے اساتذۂ حدیث بے شمار ہیں اسی طرح علم فقہ بھی اپنے اپنے دور کے ہزاروں نامور فقہاء سالم بن عبداللہ سلیمان وغیرہ سے حاصل کیا ہے۔لیکن آپ کا فقہی استفادہ زیادہ تر حماد بن ابی سلیمان فقیہ سے وابستہ ہے۔آپ ان کی خدمت میں دس برس رہے ہیں۔ایک مرتبہ حضرت حماد امام صاحب کو اپنی جگہ بٹھا کر باہر گئے۔امام صاحب لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے رہے جن میں وہ مسائل بھی آئے جو استاد سے نہ سنے تھے،واپسی پر وہ مسائل استاد کی خدمت میں پیش کئے جن کی تعداد ساٹھ تھی۔استاد نے چالیس سے اتفاق کیا بیس سے اختلاف۔امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہونگا چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے کل زمانۂ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔اس بے پناہ صحبت کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دربارہ فقہ اقلیم شہرت وعظمت کے تاجدار بن گئے۔اور ۱۲۰ھ میں بعمر چالیس سال سند اجتہاد پر رونق افروز ہو گئے۔

مدوّن شریعت وواضع فقہ

اسلامی علوم کی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی،اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے عقائد،تفسیر،حدیث،فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی مگر چونکہ ایک خاص ترتیب وانداز کیساتھ زمانۂ نبوت ودور خلافت میں یہ علوم مدوّن نہ ہوئے تھے اور نہ ان کو فن کی حیثیت حاصل تھی اس لئے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے جب دوسری صدی ہجری میں تدوین وترتیب شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز وفکر کیساتھ ترتیب کی وہ ان کے مدوّن وبانی کہلائے۔اسی مناسبت سے امام ابوحنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدوّن کیا کیونکہ صحابہ وتابعین نے علم شریعت ابواب فقہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی۔ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا لیکن امام صاحب نے صحابہ وتابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونیکی وجہ سے علم شریعت کو

منتشر پایا۔ اور متاخرین کے سوءِ حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی چنانچہ آپ نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کے لئے منتخب کیا جو سب اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور بعد کے اجلّہ محدثین کے شیخ الشیوخ تھے اور یہ چالیس حضرات تو وہ تھے جو باقاعدہ تدوین فقہ کے کام میں ذمہ دارانہ حصّہ لیتے تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے محدثین وفقہاء بھی اکثر اوقات حدیثی وفقہی بحثوں کو سنتے اور ان میں اپنے اپنے علم وصوابدید کے موافق کہنے سننے کا برابر حق رکھتے تھے۔ امام صاحب نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا۔ یہ ایسا عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی اور یہ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تعمیل تھی جو طبرانی نے اوسط میں حضرت علی سے روایت کیا ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی ایسا امر پیش آئے جس مین امر و نہی منصوص نہ ملے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا: فقہاء و عابدین سے معلوم کرو اور کسی ایک کی رائے پر مت چلو۔

سلسلۃ الذھب

خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ سے صحابہ کو اور صحابہ سے تابعین کو، تابعین سے امام ابوحنیفہ کو، شامی میں لکھا ہے کہ فقہاء نے تدوین فقہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا۔ علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا۔ حماد نے اس کو مانڈا، یعنی اناج کو بھوسی سے الگ کیا، ابوحنیفہ نے اس کو پیسا، ابو یوسف نے اس کو گوندھا، محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب اسکے کھانیوالے ہیں۔ یعنی اجتہاد واستنباط کا طریقہ حضرت ابن مسعودؓ سے شروع ہوا، علقمہ نے اس کو تقویت پہنچائی ابراہیم نے اسکے فوائد متفرقہ کو جمع کیا، حماد نے فروع کو زیادہ کیا۔ امام اعظم نے اس کو کمال پر پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کی تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وجزئیات منقح کرا کر ابواب فقہ پر مرتب کرایا۔ پھر آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف، محمد، زفر نے اصولِ تفریع مرتب کئے اور فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث ورجال وغیرہ پر بہت سی کتابیں وجود میں آئیں چنانچہ اصول فقہ حنفی میں سب سے پہلے امام ابو یوسف نے کتابیں لکھیں اور اصول فقہ شافعی میں سب سے پہلے امام شافعی نے کتاب لکھی۔ وقد نظمہ بعضھم

الفقه زرع ابن مسعود و علقمة ÷ حصاده ثم ابراهيم دواس
نعدان طاحنه يعقوب عاجنه ÷ محمد خابز والآ كل الناس
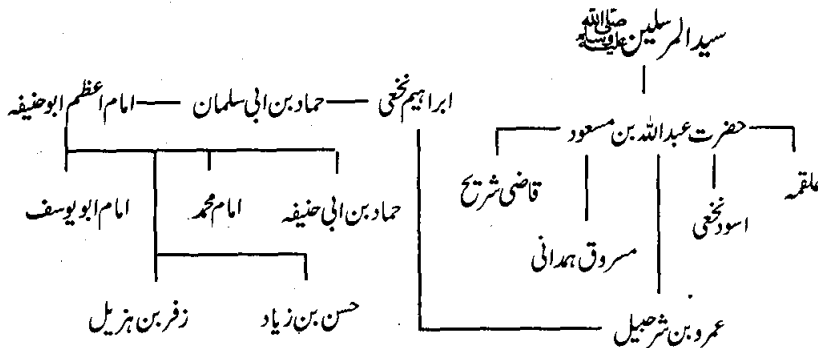
اخلاق وعادات

امام صاحب اخلاق وعادات کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ، زہد واتقاء میں بے مثل استقامت واستقلال میں بے نظیر، خلوص وللّٰہیت میں لاثانی نہایت ذہین وزکی اور دقت نظر کے مالک تھے۔ اکثر اوقات خاموش رہتے اور جب کوئی سوال کرتا تو ایسا تشفی بخش جواب دیتے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا، طبیعت میں آزادی، فکرو بے نیازی وفیاضی کوٹ کوٹ کر بھردی گئی تھی، حلم وعفو کی زندہ مثال اور حق گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

حلیہ مبارکہ

آپکا قد درمیانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز، آواز نہایت شیریں، ودلکش اور بلند تھی آنکھیں نرگسی چہرہ حسین، بدن معتدل اور نہایت موزوں، مزاج لطافت ونفاست پسند مگر خوف وخشیت ربانی سے بھرپور، کلام نہایت فصیح وبلیغ، قلب سوز وگداز سے معمور، دل اور سینہ انوار علوم نبوت کی عکس ریزیوں سے شمع جہاں افروز کی مانند روشن وتاباں۔

وصال پُر ملال

آپ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور بغداد میں خیزران کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر ایک قبہ اوراس کے قریب ایک مدرستہ بنوادیا۔

خیر القرون میں حنفی مذہب کا دور ودراز تک نفوذ وشیوع

فقہ حنفی کی تدوین چونکہ کسی ایک شخص نے نہیں کی بلکہ کبار فقہاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے کی ہے۔ نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اسلئے ابتداء ہی سے اس کا نفوذ وشیوع۔ زمین کے گوشہ گوشہ تک ہوگیا، بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، سمرقند، اصبہان، شیراز، آذربیجان، جرجان، زنجان، طوس، بسطام استرآباد، مرغینان، فرغانہ، دامغان، خوارزم، غزنہ، کرمان، ہند، سند، دکن، یمن، غرضیکہ کوئی جگہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں جہاں حنفی مذہب نہ پہنچ گیا ہو۔ نواب صدیق حسن خان نے "ریاض المرتاض" میں سد سکندری کا حال بیان کرتے ہوئے "مسالک الممالک" کے حوالے سے لکھا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے سد سکندری کا حال معلوم کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے ۲۲۸ھ میں برائے تفحص سلام نامی شخص کو جو چند زبانوں کا واقف تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دیکر روانہ کیا، یہ لوگ بلاد آرمینیہ، سامرہ ترخاں وغیرہ سے گذر کر ایسی زمین پر پہنچے۔ جہاں سے سخت بدبو نکلتی تھی پھر دو روز مزید چل کر ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں ان کو پہاڑ نظر آیا وہاں ایک قلعہ بھی تھا جس میں کچھ لوگ بھی تھے مگر آس پاس آبادکاری کے نشانات نہ تھے۔ یہ لوگ ۲۷ منزل وہاں سے اور آگے بڑھے اور ایک قلعہ پر پہنچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اوراس کی گھاٹیوں میں سد یاجوج ماجوج تھی۔ اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ کہنا یہ ہے کہ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے سب مسلمان تھے اور ان کا مذہب حنفی تھا زبان عربی وفارسی بولتے تھے۔

امام ابو یوسف

قاضی القضاۃ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد الانصاری البجلی۔ عام طور سے انکا سنہ ولادت ۱۱۳ھ بتایا جاتا ہے لیکن علامہ کوثری نے تاریخی دلائل سے ۹۳ھ قرار دیا ہے اس لحاظ سے آپ امام مالک سے دو سال بڑے تھے گھر کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے ان کے والد کی خواہش تھی کہ یہ فکر معاش کریں اور کوئی پیشہ سیکھیں لیکن ان کا شوق امام صاحب کے حلقہ درس میں کھینچ لاتا۔ والد زبردستی واپس لے آتے۔ بالآخر امام صاحب ان کے خرچ کے بھی متکفل ہوگئے اور یہ معاش کی طرف سے مستغنی ہوکر تحصیل علم میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا کہ استاد وقت ہوگئے بلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ آپ تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے لیکن زیادہ تر فقہ اور

قضاء میں مشہور ہوئے۔ چنانچہ ۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے ان کو قاضی بنایا اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ خلافت میں ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرلیا وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس امام صاحب کی صحبت میں رہا سترہ برس دنیا کے کام میں رہ چکا۔ میرا گمان ہے کہ اب میری موت قریب ہے اس قول کے چھ ماہ بعد ۱۸۲ھ میں بعمر ۸۹ سال وفات پائی۔

امام محمد

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی ان کا اصلی وطن دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام ''حرستا'' تھا۔ ان کے والد یہیں کے رہنے والے تھے، یہ شامی لشکر میں ملازم تھے اسی سلسلہ میں کچھ مدت تک ''واسطہ'' میں قیام کرنا پڑا، یہیں ۱۳۲ھ میں امام محمد پیدا ہوئے۔ پھر والدین مستقل طور پر کوفہ منتقل ہو گئے تھے یہیں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی چودہ سال کی عمر میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا۔ چار سال تک حاضر خدمت رہے مگر امام صاحب کا یہ اخیر دور تھا اسلئے امام صاحب کے انتقال کے بعد امام ابو یوسف سے تکمیل کی۔ اور بیس سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا۔ آپ باتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث کے ماہر اور لغت وادب کے نازش روزگار مسلم استاد تھے ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دنانیر ملے تھے جن سے آدھے علم لغت وشعر کی تحصیل میں اور آدھے فقہ وحدیث کی تحصیل میں صرف کر دیے۔ آپ نے بعمر ۵۷ھ ستاون سال ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

امام زفر

ابوالہذیل زفر بن ہذیل بن قیس بن سلیم عنبری ۱۱۰ھ بمقام اصبہان پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حاکم تھے شروع میں ان کو حدیث کا زائد شوق تھا بعد میں فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بیس سال سے زائد امام صاحب کی خدمت میں رہے، امام ابوحنیفہ ان کے متعلق اقیس اصحابی فرمایا کرتے تھے شعبان ۱۵۸ھ میں بعمر اڑتالیس سال وفات پائی۔

فقہ کی لغوی تحقیق

''الفقه حقيقة'' الشق و الفتح والفقية العالم الذى يشقّ الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما استغلق منها فقہ کے لغوی معنی کسی شئی کو کھولنا اور واضح کرنا ہے فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے۔ اور مغلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے (فائق للزمخشری) الفقه لغة العلم بالشئ ثم خصّ بعلم الشريعة فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جاننا ہے پھر یہ علم شریعت کیساتھ خاص ہوگیا (درمختار) فقہ الشئی (س) فقہا! فہمہ وفقہہ (ک) فقاہۃ! علم و کان فقیہا! فقہہ (س) فقہا!: کسی شئی کا جاننا اور سمجھنا، ففهه (ک) فقاہۃ: فقیہ ہونا۔ علم میں غالب ہونا ہے۔

(اقرب الموارد)

فقہ کے اصطلاحی معنی

علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں علم فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے'' العلم بالا حكام الشرعية الفرعية المكتسب من ادلتها التفصيلية''
فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کی ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔ احکام فرعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے احکام کی ادلہ مفصلہ چار ہیں قرآن پاک، حدیث، اجماع، قیاس، تعریف میں ''احکام'' کی قید سے علم ذوات وصفات اور ''الشرعیۃ'' کی قید سے احکام عقلی جیسے اس بات کا علم کہ عالم حادث ہے۔ اور احکام حسی جیسے اس بات کا علم کہ آگ جلانیوالی ہے اور احکام اصطلاحی جیسے اس بات کا علم کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ''الفرعیۃ'' کی قید سے احکام اصلی (جن کی بحث علم عقائد میں ہوتی ہے) علم فقہ کی تعریف سے خارج ہو گئے اور مطلب یہ ہوا کہ احکام شرعیہ فرعیہ کا جو علم کتاب اللہ یا سنت رسول یا اجماع امت یا قیاس صحیح سے حاصل ہو اس کو فقہ کہتے ہیں، اصولیین کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے یہاں حقیقی فقیہ صرف مجتہد ہی ہو سکتا ہے نہ

کہ مقلد کیونکہ مقلد کے لئے دلائل سے استدلال کرنا ضروری نہیں اس پر جو فقیہ کا اطلاق ہوتا ہے وہ صرف مجازاً ہوتا ہے فقہاء کے یہاں صرف مسائل یاد رکھنے کو فقہ کہتے ہیں جس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ تین مسئلے یاد ہوں چنانچہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص فقہاء کے لئے ثلث مال کی وصیت کرے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو شرعی مسائل میں نظر دقیق رکھتے ہوں۔ اور ان کو دلائل کے ساتھ جانتے ہوں اگرچہ وہ تین ہی مسئلے ہوں پس جس شخص کو بلا دلائل ہزار ہا مسئلے یاد ہوں وہ فقیہ نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ مسائل کو دلائل کے ساتھ محفوظ کرلے۔

اہل حقیقت اور حضراتِ صوفیائے کرام کے یہاں فقہ علم وعمل کی جامعیت کا نام ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''انما الفقیه المعرض عن الدنیا الزاهد فی الآخرة البصیر بعیوب نفسه'' فقیہ وہی شخص ہے جو دنیا سے روگرداں ہو اور امور اخرویہ میں رغبت کرنیوالا ہو اور اپنے ذاتی عیوب کا دانا و بنیا ہو یعنی عارف فقیہ کی عبادت بھی فقط خدا کے لئے ہوتی ہے نہ دوزخ کے خوف سے ہوتی ہے اور نہ بہشت کی طمع سے یہ لوگ جو بہشت کو مانگتے ہیں وہ تلذذ کے لئے نہیں بلکہ پروردگار کے دیدار کے لئے ''قال العارف۔

لیس قصدی من الجنان نعیما غیر انی اریدها لاراک

علم فقہ کا موضوع

ہر علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ کے سلب وثبوت سے بحث کی جائے جیسے علم نحو کا موضوع کلمہ ہے کہ علم نحو کلمہ کے ان عوارض واحوال سے بحث کرتا ہے جو اس کو معرب ومبنی ہونے کی حیثیت سے پیش آتے ہیں، علم فقہ کا موضوع مکلّف آدمی کا فعل وعمل ہے جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہوتی ہے۔ مثلاً اس کا صحیح ہونا صحیح نہ ہونا، فرض ہونا، فرض نہ ہونا، حلال یا حرام ہونا، حلال یا حرام نہ ہونا وغیرہ ہ مکلف سے مراد عاقل وبالغ ہے پس مجنون اور نابالغ بچہ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں، رہا ضمان تلف اور نفقہء زوجات وغیرہ سو اس کی ادائیگی کا خطاب ان کے اولیاء سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ مجنون اور نابالغ سے اور نابالغ کی عبادت صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا صحیح ہونا اور اس پر ثواب کا مرتب ہونا سو یہ عقلی چیز ہے جو از قبیل ربط احکام بالاسباب ہے یہی وجہ ہے کہ بچے ''اقیموا الصلوة اور فلیصمه'' کے مخاطب نہیں بچوں کو جو صوم وصلوٰۃ کا حکم کیا جاتا ہے وہ صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ بچے اس کے خوگر اور عادی ہوجائیں۔ اور بلوغ کے بعد اس کو ترک نہ کریں۔

علم فقہ کا مقصد

علم فقہ کا مقصد اور اسکی غرض وغایت سعادتِ دارین کی ظفریابی ہے۔ کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے۔ اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کریگا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

علم فقہ کا ماخذ

علم فقہ کا ماخذ کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع اور قیاس ہے، کتاب اللہ سے مراد کلام الٰہی (قرآن) ہے جو منجانب اللہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور مکتوب بین الدفتین اور متواتر بین الامۃ ہے۔ سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریرات ہیں۔ اور اقوالِ صحابہ تابعِ سنت ہیں۔ اجماع سے مراد اجماع صحابہ ہے (رضوان الله علیهم اجمعین) اور تعاملِ ناس تابع اجماع ہے۔ مثلاً کوئی شخص کفش دوز سے یہ کہے کہ میرے لئے دس روپے میں پندرہ روز کے اندر اندر اس قسم کا ایک جوتہ بنا دے تو یہ معاملہ سلم ہے (جو بیع کی ایک قسم ہے اور اس میں تعیینِ مدت ضروری ہے) لیکن اگر وہ مدت کو ذکر نہ کرے تو معاملہ استحساناً صحیح ہے کیونکہ لوگوں کا معاملہ یونہی جاری ہے۔ قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جو کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے مستنبط ہو، قیاس مستنبط من الکتاب کی مثال حرمت لواطت کو بحالتِ حیض حرمتِ وطی پر قیاس کرنا ہے۔ جو قول باری۔

''قل هو اذًى فاعتزلوا النسآء فی المحیض''

سے ثابت ہے اور علت حرمت اذی (پلیدی) ہے، قیاس مستنبط من السُّنة کی مثال چنے کے ایک قفیز کو دو قفیزوں کے عوض بیچنے کی

حرمت پر قیاس کرنا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الحنطة بالحنطة" مثلاً بمثلٍ والفضل "ربوا" سے ثابت ہے اور علت حرمت جنس وقدر ہے، قیاس مستنبط من الاجماع کی مثال حرمت مصاہرۃ میں وطی حلال پر وطی حرام کو قیاس کرنا ہے جیسے حرمت وطی ام مزنیہ کو حرمتِ وطی ام امۃ موطوءۃ پر قیاس کیا گیا ہے۔

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم

علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی۔ اتنی معلومات حاصل کرنا کہ جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہے فرض عین ہے اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور زائد از حاجت دوسروں کے نفع کے لئے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی مہالک ومحرمات سے بچیں، اور علم فقہ کی جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کو معلوم کرنا اور ان میں تبحر پیدا کرنا مندوب ومستحب ہے، البتہ مالدار پر مسائل زکوۃ وحج اور نکاح کرنیوالے پر مسائل نکاح اور طلاق دینے والے پر مسائل طلاق سوداگر پر مسائل بیوع، کاشتکار پر شرعی مسائل کاشت غرضیکہ جو شخص جس چیز کا شغل رکھتا ہو اس پر اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اس میں ارتکاب حرام سے محفوظ رہ سکے۔

مسائل فقہ

ہر وہ جملہ جس کا موضوع فعل مکلف ہو اور اس کا محمول احکام خمسہ فرض، واجب، حرام، مکروہ اور مباح میں سے کوئی ایک ہو وہ علم فقہ کا مسئلہ ہے جیسے یہ فعل فرض ہے یا واجب ہے یا حرام ہے اھ۔

علم فقہ کی فضیلت

علم فقہ تفسیر وحدیث اور عقائد کے بعد جملہ علوم سے افضل ہے جس کی شہادت قرآن اور حدیث ہر دو میں موجود ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا"

جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر دیدی گئی ارباب تفسیر کے ایک گروہ زمخشری وغیرہ نے حکمت کی تفسیر علم شرائع سے کی ہے اور علم شرائع علم فقہ ہی ہے۔

"وقال تعالیٰ وما کان المؤمنون لینفروا کآفة فلولا نفر من کل فرقة منھم طآئفة لیتفقھوا فی الدین"

اور مسلمان ایسے تو نہیں کہ سارے کوچ کریں سو ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ کیوں نہ نکلا تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ شیخ ابوحیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں طلب علم کے بارے میں ہے جس میں احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرنیکی رغبت دلائی گئی ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھه فی الدین" (متفق علیہ)

جس کے واسطے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں ان کو دین کی سمجھ عطاء کرتے ہیں۔

وقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم "فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" (ترمذی عن ابن عباس)

ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ "وقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم کونوا دراۃ ولاتکونوا رواۃ" (النصیحۃ للخطیب البغدادی) سمجھدار بنو محض روایت کرنیوالے مت بنو۔ قال الشاعر

اذا ما اعتز ذوعلم بعلم ۔ فعلم الفقه اولی باعتزاز
فکم طیب تفوح ولا کمسک ۔ وکم طیر یطیر ولا کباز

جب کوئی صاحب علم کسی علم سے فخر کرے تو علم فقہ اولیٰ بالافتخار ہے بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں لیکن مشک کی طرح نہیں اور بہت سے

پرندے اڑتے ہیں مگر باز کی طرح نہیں یعنی علم فقہ دیگر علوم کے مقابلہ میں ایسا ہی افضل ہے جیسے مشک دیگر خوشبوؤں کے مقابلہ میں۔ اور باز دیگر پرندوں کے مقابلہ میں۔ وقال آخر

وخیر علوم علم فقہ لانہ ÷ یکون الی کل المعالی توسلا
فان فقیہا واحدا متورعا ÷ علی الف ذی زھد تفضل واعتلی

جملہ علوم سے بہتر علم فقہ ہے۔ کہ وہ تمام مراتب عالیہ کا وسیلہ ہے اس واسطے کہ ایک متقی فقیہ ہزار زاہدوں پر عالی قدر ہے و لآخر۔

الفقہ افضل شیئ انت ذاخرہ ÷ من یدرس الفقہ لم تدرس مفاخرہ

طبقات فقہاء

فقہاء کے سات طبقے ہیں (۱)...... طبقہ مجتہد فی الشرع (جس کو بعض نے مجتہد مطلق سے تعبیر کیا ہے) اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے مقرر کردہ قواعد وقوانین پر ادلہ اربعہ کے ساتھ احکام مستنبط کرتے ہیں اور فروع واصول میں کسی کی تقلید نہیں کرتے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ مزنی، شعبی وغیرہ۔ (۲)...... طبقہ مجتہد فی المذہب (جس کو بعض نے مجتہد منتسب سے تعبیر کیا ہے) اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے اماموں کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور اصول وقواعد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسے امام ابو یوسف، محمد، زفر، حسن بن زیاد، حماد بن ابی حنیفہ ودیگر اصحاب امام اعظم احناف میں سے اور ابن الصلاح، ابن دقیق العید تقی الدین سبکی، تاج الدین سبکی، سراج بلقینی، ابن زملکان شوافع میں سے اور ابن عبد البر، ابو بکر بن العربی مالکیوں میں سے (حنابلہ سے اس طبقہ میں کوئی نہیں گذرا۔ (۳)...... طبقہ مجتہد فی المسائل۔ اس طبقہ کے فقہاء کا منصب یہ ہے کہ جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو ان کے احکام کو صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے مطابق مستنبط کرتے ہیں جیسے امام طحاوی خصاف۔ کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی وغیرہ (۴)...... طبقہ اصحاب تخریج اس طبقہ کے فقہاء کو فروع واصول میں گو کمال نظر ہوتا ہے مگر اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف مجمل قول کی تفصیل اور محتمل امرین کی تعیین ہے جیسے ابو بکر رازی، قاضی خان وغیرہ۔ (۵)...... طبقہ اصحاب ترجیح اس طبقہ کے فقہاء کی کارگذاری یہ ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں ان میں سے کون افضل ہے اور کون مفصول اس کو بتاتے ہیں کقولھم ھذا اولیٰ ھذا اصح روایۃ ھذا اوفق بالناس، جیسے امام قدوری، صاحب ہدایہ وغیرہ۔ (۶) طبقہ قادر علی التمیز اس طبقہ کے فقہاء ظاہر مذہب، ظاہر الروایہ، روایات نادرہ میں امتیاز اور قوی وضعیف کو ممتاز کر لیتے ہیں اور بس جیسے صاحب کنز صاحب وقایہ، صاحب مختار۔ صاحب مجمع، شمس الائمہ کردری، جمال الدین حصیری وغیرہ اصحاب متون مصنفین۔

طبقات مسائل حنفی

مسائل حنفیہ کے تین طبقے ہیں۔ اول طبقہ میں وہ مسائل ہیں جو ظاہر الروایات سے ثابت ہیں طبقہ دوم میں وہ مسائل ہیں جو نوادرات سے ثابت ہیں طبقہ سوم میں وہ مسائل ہیں جو متاخرین مشائخ نے اصول حنفیہ کے متعلق حسب ضرورت آپ اجتہاد کر کے ثابت کئے ہیں جن کو فتاویٰ اور واقعات کہتے ہیں۔

طبقات مسائل مفتی بہا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "عقد الجید" میں مفتی بہا مسائل کی تین قسمیں کی ہیں اول قسم وہ ہے جو ظاہر الروایات سے ثابت ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ فتوے بلا تامل قبول کئے جائیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو ائمہ ثلاثہ سے بروایت شاذہ مروی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں ورنہ نہیں تیسری قسم متاخرین کی تخریج ہے کہ اس پر جمہور متفق ہیں پس ان کو اصول اور کلام سلف کے نظائر سے مطابق کیا جائے۔ اگر مطابق ہوں تو قبول کیا جائے ورنہ ترک کیا جائے۔ انتہی کلامہ:

بعض امور مصطلحہ کی ضروری تشریح

(۱) ظاہر الروایات:۔

امام محمد کی وہ چھ کتابیں جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور اپنے متفق علیہ ومختلف فیہ سب مسائل لکھ دیئے یعنی مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیران کتابوں کو ظاہر الروایہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مصنف سے بروایت متواتر ومشہور ثابت ہوئی ہیں۔ قلوب پر ان کتابوں کا اعتماد قائم ہے۔ اور ان کے مسائل کو عام طور پر علمائے حنفیہ نے تسلیم کیا ہے۔

(۲) نوادرات:۔

جو ائمہ مجتہدین سے ظاہر الروایات کے سوا اور کتابوں سے ثابت ہیں جیسے رقیات یعنی وہ مسائل جو امام محمد نے شہر رقہ میں جمع کئے تھے اور کیسانیات یعنی وہ مسائل جو امام محمد نے ابن عمرو سلیمان بن شعیب کیسانی کو لکھوا دیئے تھے اور ہارونیات جو امام محمد نے ہارون الرشید کے عہد میں جمع کئے تھے اور کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔ اسی طرح جرجانیات ونوادر ابن رستم وغیرہ۔

(۳) نوازل وواقعات:۔

وہ مسائل جو متاخرین نے حسب ضرورت اجتہاد کر کے ثابت کئے ہیں جیسے نوازل سمرقندی۔ یہ اس طبقہ میں فقیہ محقق ابواللیث سمرقندی نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی ہے اس کے بعد اس میں اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مثلاً مجموع النوازل والواقعات للناطفی والصدر الشہید۔

(۴) قیاس:۔

لغت میں اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ یقال " قس الفعل بالفعل " اصطلاح میں قیاس ایک حکم کو اشتراک علت کی وجہ سے دوسری جگہ ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ " قیاس علت اور حکم میں فرع کو اصل کے ساتھ برابر کر دینے کا نام ہے جس پر قیاس کیا جائے اس کو مقیس علیہ اور اصل کہتے ہیں اور جس چیز کو قیاس کیا جائے اس کو مقیس اور فرع کہتے ہیں اور جو چیز دونوں میں مشترک ہو اس کو علت اور جو اثر مرتب ہو اس کو حکم کہتے ہیں۔

حجیت قیاس

قیاس کا حجت ہونا کتاب اللہ، سنتِ رسول۔ اجماع امت تینوں سے ثابت ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔" فاعتبروا یا اولی الابصار " اے نگاہ والو! (کفار کے حال کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو اعتبار کے معنی قیاس کے ہیں، یقال اعتبرت الشیئ بالشیئ، جبکہ ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، گویا یوں فرمایا گیا کہ ان کے حال پر اپنے حال کو قیاس کرو۔ اور قیاس عام ہے خواہ عذاب کا عذاب پر ہو یا فروع شرعیہ کا ان کے اصول پر ہو، امام ابوداؤد، ترمذی، دارمی نے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو دریافت فرمایا: معاذ! کیونکر فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا؛ کتاب اللہ سے آپ نے فرمایا؛ اگر کتاب اللہ میں نہ ملے عرض کیا: سنت رسولؐ سے آپ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ ملے، عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اس پر آپ نے فرمایا:" الحمد للہ الذی وفق رسول رسولؐ اللہ علی ما یحب ویرضاہ " پس حضور صلعم کا تصویب فرمانا اور خدا کی تعریف کرنا دلیل صریح ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ وسنت رسول میں مصرح نہ ہو تو قیاس کرنا جائز ہے اگر قیاس حجت نہ ہوتا تو حضور بجائے تصویب کے انکار فرماتے۔ اور بجائے شکر کے خدا سے

پناہ مانگتے۔ نیز سلف سے خلف تک جمہور مسلمین اس کو حجتِ شرعی کہتے آئے ہیں اور اہلِ اسلام کا اس کے دلیل شرعی ہونے پر اجماع ہے۔

شروط قیاس

صحتِ قیاس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱)...... جس اصل پر فرع کو قیاس کیا جائے وہ کسی دوسری نص سے مخصوص الحکم نہ ہو یعنی دوسری نص سے مخصوص الحکم نہ ہو یعنی دوسری نص سے یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حکم صرف اصل کے ساتھ مخصوص ہے جیسے تنہا حضرت خزیمہ کی گواہی پر آنحضرت صلعم کا فیصلہ فرمادینا حالانکہ گواہی کا نصاب دو عادل گواہ ہیں پس کسی دوسرے شخص کی تنہا گواہی کو خزیمہ کی گواہی پر قیاس کر کے معتبر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ خصوصی شرف حضرت خزیمہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲)...... اصل حکم خلاف قیاس نہ ہو مثلاً رمضان میں بھول کر کھالینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جس طرح بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح روزہ بھی فاسد ہو جانا چاہئے۔ ایسے ہی تعداد رکعات، نصاب زکوٰۃ وغیرہ سب احکام خلاف قیاس ہیں ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (۳)...... فرع میں کوئی نص صریح نہ ہو، ورنہ نص کی موجودگی میں قیاس لا حاصل ہوگا کیونکہ قیاس اگر نص کے موافق ہوا تو بے سود ہوگا اور مخالف ہوا تو مردود ہوگا۔ (۴)...... جس علت کی وجہ سے اصل میں حکم موجود ہو وہ سمجھ میں آنیوالی ہو اور فرع اس کی نظیر ہو اور حکم بھی متعدی ہو (۵)...... فرع میں مقیس علیہ کا حکم متغیر نہ ہو کہ اگر حکم مطلق ہو تو فرع میں مقید ہو جائے اور مقید ہو تو مطلق ہو جائے۔ (۶)...... قیاس نص صحیح معمول بہ کے معارض و منافی نہ ہو کیونکہ قیاس ظنی ہوتا ہے اور ظنی قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۵) استحسان۔:

درحقیقت قیاس ہی کی ایک نوع ہے جو ادلہ اربعہ میں داخل ہے اور کسی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر کے اس کو اختیار کیا جاتا ہے استحسان (قیاس خفی) اس دلیل کو کہتے ہیں جو قیاس جلی کے معارض ہو یعنی قیاس جلی ایک حکم کو چاہتا ہو اور اثر، اجماع ضرورت اور قیاس خفی اس کی ضد کو چاہتا ہو تو قیاس کو چھوڑ کر استحسان کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ استحسان بالاثر جیسے بیع سلم کہ قیاس مقتضی عدم جواز ہے کیونکہ سلم میں معدوم کی بیع ہوتی ہے حالانکہ بیع کے لئے مبیع کا موجود و مملوک اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے مگر اس قیاس کو قول نبی صلعم **من اسلف فی شیئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** "(صحیحین) کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ استحسان بالاجماع۔ جیسے کوئی شخص کفش دوز سے کہے کہ میرے لئے اس قسم کا جوتہ اتنی قیمت کا بنادے اور وہ مدت کو ذکر نہ کرے تو یہ از روئے قیاس ناجائز ہے لیکن تعاملِ ناس اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ استحسان بالضرورۃ جیسے طہارت ظروف کہ قیاس کی رو سے برتن ناپاک ہونے کے بعد پاک نہیں ہونا چاہئے کیونکہ برتن کو نچوڑنا ناممکن ہے لیکن ضرورت اور دفع حرج کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ استحسان بالقیاس الخفی جیسے پھاڑنے والے پرندوں کا جھوٹا کہ از روئے قیاس نجس ہے۔ جیسے پھاڑنے والے درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ کیونکہ ان کا گوشت حرام ہے اور لعاب گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن قیاس خفی کی وجہ سے اس قیاس جلی کو ترک کر دیا گیا۔ قیاس خفی یہ ہے کہ پرندے اپنی چونچ سے کھاتے ہیں اور چونچ پاک ہڈی ہے۔ بخلاف درندوں کے کہ وہ اپنی زبان سے کھاتے ہیں پس ان کا ناپاک لعاب پانی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔

(۶) تعبیرات حضرات ائمہ

ائمہ اربعہ: امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد۔ ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد۔ شیخین: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف۔ طرفین: امام ابوحنیفہ، امام محمد۔ صاحبین: امام ابو یوسف، امام محمد۔

جواہر پارے

اس عنوان کے ذیل میں ہم وہ مسائل پیش کر رہے ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے رجوع کیا ہے جو صدہا کتب فقہیہ سے پوری جانفشانی کے ساتھ نکالے گئے ہیں۔ جن کا حوالہ ہر مسئلہ کے آخر میں درج ہے۔

وہ مسائل جن میں امام اعظم سے رجوع ثابت ہے

(کتاب الطهارة)

(۱)...... مسح لحیہ کے سلسلہ میں امام صاحب سے چند روایتیں ہیں (۱) چوتھائی ڈاڑھی کا مسح کافی ہے۔ (۲) جو حصہ بشرہ سے ملانی ہے اس کا مسح کافی ہے۔ (۳) نہ اس سے مسح متعلق ہے نہ غسل۔ (۴) ڈاڑھی کا دھونا ضروری ہے۔ یہ آپکا آخری قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے
(فتح القدیر، بدائع الصنائع)

(۲)...... نبیذ تمر سے وضو کے متعلق آپ سے تین روایتیں ہیں (۱) نبیذ تمر سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے۔ (جامع صغیر، زیادات)
(۲) وضو بھی کرے اور تیمم بھی، امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ (۳) صرف تیمم کرے وضو نہ کرے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا قول یہی ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے رجوع کیا ہے (در مختار شامی۔ بدائع وغیرہ)

(۳)...... صاحبین کے یہاں فاقد الطہورین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نمازیوں کی طرح قیام وقعود، رکوع وسجود ادا کرے (قرات وغیرہ نہ کرے، امام صاحب نے بھی اسی کی طرف رجوع کر لیا۔ (فیض، در مختار وغیرہ)

(۴)...... باب المسح علی الخفین

مسح جوربین کے بارے میں آپ کا پہلا قول عدم جواز کا ہے پھر آپ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کہ اگر جوربین (پائتابے) سخت اور گاڑھے ہوں جن سے پانی نہ چھنتا ہو تو مسح جائز ہے۔ چنانچہ بدائع میں ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں جوربین پر مسح کر کیا اور اپنے تیمار داروں سے فرمایا کہ میں وہ فعل کر رہا ہوں جس سے لوگوں کو منع کرتا تھا اس سے لوگوں نے آپ کے رجوع پر استدلال کیا ہے۔ (ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، کافی، بدائع، شامی)

(۵)...... باب الحیض

امام شافعی کے یہاں حیض کی اکثر مدت پندرہ روز ہے امام صاحب بھی پہلے اسی کے قائل تھے، بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا دس دن ہیں۔ (عنایہ)

(۶)...... حیض کے زمانہ میں جب طہر دو خونوں کے درمیان متخلل ہو تو امام صاحب سے ایک روایت کے لحاظ سے وہ دم متوالی کے حکم میں ہے لیکن آپ کا آخری قول یہ ہے کہ اگر طہر پندرہ روز سے کم ہو تو وہ فاصل نہ ہوگا بلکہ دم متوالی کے حکم میں ہوگا۔ امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل ہیں۔ (ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۷) فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلوٰۃ

اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ فارسی زبان میں قرات قرآن جائز ہے۔ پھر آپ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا کہ نماز کے اندر فارسی میں قرات قرآن جائز نہیں۔ (ہدایہ، عنایہ، کفایہ، فتح، در مختار، شامی)

(۸)...... امام صاحب کے نزدیک سجدہ کرتے وقت ناک پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ شرنبلالیہ میں برھان سے منقول ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

(۹)...... باب الوتر والنوافل

وتر میں امام صاحب سے تین روایتیں ہیں۔ (۱) فرض ہے (رواہ حماد بن زید عنہ) (۲) سنت ہے (رواہ نوح بن ابی مریم المروزی فی الجامع عنہ) صاحبین اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (۳) واجب ہے (رواہ یوسف بن خالد) یہ آپکا قول ہے اور یہی صحیح ہے **محیط و فی الخانیه هو الاصح وفی المبسوط هو الظاهر من مذهبه**۔ (بدائع، شامی، فتح، عمدہ)

(۱۰)...... باب سجدۃ التلاوۃ

اگر کوئی شخص فارسی زبان میں آیت سجدہ تلاوت کرے اور کوئی دوسرا شخص سن لے اور اس کو بتادیا جائے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے تو امام صاحب کے نزدیک سامع پر سجدہ واجب ہو جائیگا خواہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے یا نہ سمجھتا ہو۔ صاحبین کے نزدیک پہلی صورت میں سجدہ واجب ہوگا نہ کہ دوسری صورت میں نہر الفائق میں سراج سے منقول ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

(۱۱)...... باب الجنائز

ایک شخص کی چند بیویاں ہیں اور ام ولد بھی ہے اس کا انتقال ہوگیا تو امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک اسکی ام ولد اس کو غسل دے سکتی ہے امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ (بدائع)

کتاب الزکوٰۃ

(۱۲)...... باب العاشر

اگر کوئی مضارب دوسو درہم لیکر عاشر کے پاس ہوکر گذرے تو اس سے عشر لیا جائیگا یہ آپکا پہلا قول ہے آخری قول یہ ہے کہ اس سے عشر نہیں لیا جائیگا صاحبین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ہدایہ)

(۱۳)...... اسی طرح اگر عبد ماذون اتنی رقم لیکر گذرے تو اس سے بھی عشر نہیں لیا جائیگا۔ امام صاحب کا مرجوع الیہ قول یہی ہے چنانچہ کتب فقہیہ میں اسکی تصریح تصحیح موجود ہے۔ (عنایہ، کفایہ اور ایضاح جامع صغیر للتمرتاشی، کافی)

(۱۴)...... باب الرکاز

زیبق کے متعلق آپکا پہلا قول یہ ہے کہ اس میں کچھ واجب نہیں (امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہے امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ہدایہ، کفایہ، عنایہ)

(۱۵)...... باب المصرف

ایک عورت کو شوہر کے انتقال کی خبر ملی اس نے کسی دوسرے کیساتھ نکاح کرلیا اس سے اولاد ہوئی اس کے بعد اس کا شوہر اول آگیا تو امام صاحب کے نزدیک شوہر ثانی اولاد مذکورہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے مگر یہ آپکا پہلا قول ہے بعد میں آپنے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ زکوۃ نہیں دے سکتا۔

(شامی عن الولوالجیہ)

کتاب الصوم

(۱۶)...... اگر کوئی شخص جماع کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور اس نے جماع کر لیا تو امام صاحب کے پہلے قول کے لحاظ سے اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں آخری قول کے اعتبار سے کفارہ نہیں ہے۔ صاحبین بھی یہی فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

کتاب الحج

(۱۷)...... امام صاحب اولاً اسکے قائل تھے کہ نفلی حج سے صدقہ افضل ہے۔ بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔ (درمختار، شامی)

کتاب الطلاق

(۱۸)...... امام صاحب کے نزدیک طلاق کے صریح الفاظ، انت طالق، انت مطلقۃ، طلقتک سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے گو طلاق دہندہ ایک سے زیادہ کی نیت کرے ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک جتنی طلاقوں کی نیت کریگا اتنی ہی واقع ہو جائیں گی۔ امام صاحب بھی پہلے یہی فرماتے تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ (فتح القدیر، شامی)

(۱۹)...... باب الایلاء

ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا پہلے آپ اسکے قائل تھے کہ اس سے کم میں بھی ایلاء ہو جاتا ہے پھر اس سے رجوع کر لیا[۱]۔ (عنایہ، کفایہ، فتح القدیر)

(۲۰)...... باب اللعان

اگر شوہر بیوی سے یہ کہے کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو زوجین کے درمیان لعان نہ ہوگا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے، امام زفر، احمد ثوری، حسن بصری، شعبی، ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور بھی اسی کے قائل ہیں صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر حمل کی نفی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو لعان ہوگا یہی مالکؒ کا قول ہے، امام صاحب کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ (ہدایہ، فتح القدیر)

(۲۱)...... فصل فی الاحداد

شوہر اور بیوی دونوں سفر میں گئے اور سفر کے درمیان کسی شہر میں جا کر شوہر نے طلاق دیدی تو اگر عورت کیساتھ کوئی محرم ہو تب بھی وہ امام صاحب کے نزدیک عدت سے قبل اس شہر سے نہیں نکل سکتی، صاحبین کے یہاں اس کی اجازت ہے، امام صاحب بھی اولا اسی کے قائل تھے بعد میں رجوع کر لیا۔ (فتح القدیر)

(۲۲)...... باب ثبوت النسب

ایک عورت کو شوہر کے انتقال کی خبر ملی عورت نے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی پھر اس کا پہلا شوہر آ گیا تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ اولاد شوہر اول کی قرار دیجائے گی بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اولاد شوہر ثانی کی ہوگی۔
(بحر، شامی، درمختار)

(۲۳)...... باب النفقۃ

شخص غائب کا کسی دوسرے آدمی پر کچھ قرض ہے یا اس کا کچھ مال کسی کے پاس بطور امانت ہے اور اسکی عورت بینہ سے ثابت

---

(۱) بقول ابن عباس اذا آلیٰ من امرأتہ شہرا او شہرین او ثلاثہ مالم یبلغ الحد فلیس بایلاء (ابن ابی شیبہ) ۱۲

کر رہی ہے کہ میں فلاں غائب کی بیوی ہوں اور مدیون یا مودع زوجیت کا انکار کر رہا ہے تو امام صاحب کے پہلے قول پر عورت کا بینہ مسموع ہوگا۔ اور مرجوع الیہ قول کے لحاظ سے بینہ مسموع نہ ہوگا صاحبین اسی کے قائل ہیں۔ (فتح، عنایہ)

(۲۴)...... شوہر غائب کا کوئی مال موجود نہیں اسکی عورت نے بینہ قائم کیا کہ میں فلاں غائب کی بیوی ہوں اور قاضی سے درخواست کی کہ شوہر غائب پر میرا نفقہ مقرر کر دیا جائے اور اس کے نام پر مجھے قرض لینے کی اجازت دیدی جائے تو امام صاحب کے قول کی رو سے قاضی اسکے نفقہ کا حکم کر دیگا یہی امام زفر کا قول ہے۔ مگر امام صاحب نے اس سے رجوع کر لیا پس قاضی نفقہ کا حکم نہ کریگا کیونکہ یہ قضا علی الغائب ہے جو جائز نہیں، صاحبین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فتح القدیر، عنایہ)

کتاب العتق

(۲۵)...... ایک شخص نے اپنے غلام کے متعلق کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ اسکے یہاں اس جیسا بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ اس کلام سے غلام آزاد ہو جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ آزاد نہ ہوگا صاحبین اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔

(ہدایہ عنایہ)

(۲۶)...... باب العتق علی جعل

ایک شخص نے اپنے غلام کو چار سالہ خدمت کی شرط پر آزاد کیا غلام نے قبول کر لیا۔ پھر آقا کا انتقال ہو گیا۔ تو امام صاحب کے پہلے قول میں غلام پر چار سالہ خدمت کی قیمت واجب ہوگی امام محمد نے اسی کو لیا ہے آخری قول یہ ہے کہ غلام کی قیمت واجب ہوگی اور وہ اپنے مال سے ادا کریگا امام ابو یوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے (ہدایہ، فتح، عنایہ)

(کتاب الایمان)

(۲۷)...... ایک شخص نے نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط پائی گئی تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے بعینہ نذر کو پورا کرنا ہوگا یہ آپ کا پہلا قول ہے۔ آخری قول میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر شرط ایسی ہو جس کا حصول مطلوب ہو جیسے ان شفی اللہ مریضی فعلی کذا تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا اور اگر شرط ایسی نہ ہو تو چاہے نذر پوری کرے چاہے قسم کا کفارہ دیدے (ہدایہ، فتح، شامی)

(۲۸)...... باب الیمین فی الاکل والشرب

ایک شخص نے قسم کھائی کہ سری نہ کھاؤنگا تو یمین ہر اس سری پر محمول ہوگی جو تنور میں داخل کی جاتی ہو اور شہر میں فروخت ہوتی ہو۔ صاحبین کے نزدیک خاص کر بکری کی سری پر محمول ہوگی مگر امام صاحب نے اس سے رجوع کر لیا اور یہ اختلاف دراصل اختلاف زمانہ پر مبنی ہے، صاحبین کے زمانہ میں عرفاً بکری کی سری مراد ہوتی تھی۔ اور امام صاحب کے زمانہ میں عام مراد ہوتی تھی۔

(ہدایہ فتح القدیر وغیرہ)

(۲۹)...... باب الیمین فی الطلاق والعتاق

ایک شخص نے اپنے باپ کو اپنے قسم کے کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خرید اتو امام صاحب کے نزدیک کفارہ ادا ہو جائیگا۔ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (فتح، عنایہ، شامی)

کتاب الحدود

(۳۰)...... باب الوطی الذی یوجب الحدّ والذی لا یوجبہ

ایک شخص کو بادشاہ نے زنا کرنے پر مجبور کر دیا اس نے زنا کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر حد قائم نہ ہوگی۔ امام زفر اور امام احمد کے نزدیک اس کو حد لگائی جائے گی امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔

(ہدایہ، فتح، بدائع عنایہ، شامی)

(۳۱)...... باب الشہادۃ علی الزنا والرجوع عنہا

ایک شخص کے متعلق گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ عورت موجود نہیں یا خود اس شخص نے کسی غائب عورت کے ساتھ زنا کرنے کا اقرار کر لیا تو باجماع ائمہ اربعہ اس پر حد زنا قائم ہوگی۔ امام صاحب اولاً عدم وجوب حد کے قائل تھے۔ بعد[1] میں آپ نے وجوب حد کی جانب رجوع کر لیا۔ (نقلہ ابو اللیث عنہ)

(۳۲)...... باب حدّ القذف

ایک حربی کافر امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان کو زنا کی تہمت لگائی تو امام صاحب کے پہلے قول کی رو سے اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ حد قذف میں حق اللہ غالب ہے مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا پس اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ ظاہر الروایہ یہی[2] ہے۔ (عنایہ، ہدایہ، شامی)

(کتاب السرقۃ)

(۳۳) فصل فی کیفیۃ القطع واثباتہ)

قطع ید کے لئے گواہوں کا بوقت قطع ید حاضر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ قطع ید نہ ہوگا مگر یہ آپکا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔

(شامی)

(۳۴)...... دو شخصوں نے چوری کی اور ان میں سے ایک غائب ہو گیا اور دو گواہوں نے ان کی چوری پر گواہی دی تو ائمہ اربعہ اور صاحبین کے نزدیک دوسرے شخص کا جو موجود ہے ہاتھ کاٹا جائیگا۔ امام صاحب اولاً عدم قطع کے[3] قائل تھے بعد میں رجوع کر لیا۔

(ہدایہ، فتح، شامی)۔

(۳۵) باب المرتدین

اگر سمجھدار بچہ مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو طرفین کے نزدیک اس کا ارتداد ارتداد بالغین کا سا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ارتداد صبی کا اعتبار نہیں۔ تاتارخانیہ میں ملتقی سے منقول ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (شامی)

....

(۱) لاحتمال ان تحضر فتدعی ما یسقط الحد من نکاح مثلاً ونحوہ ۱۲ اعمہ لان فیہ حق العبد ایضاً وقد التزم ایفاء حقوق العباد ۱۲

(۲) لان فیہ حق العبد ایضاً وقد التزم ایفاء حقوق العباد ۱۲

(۳) لانہ لو حضر ربما یدعی الشبہۃ والسرقۃ واحدۃ فتعمل فی حقہما ۱۲

(کتاب البیوع)

(۳۶) باب خیار الرؤیۃ

ایک شخص نے کوئی چیز بے دیکھے فروخت کردی تو امام صاحب اولاً عدم لزوم بیع کے قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا پس بیع لازم ہوگی اور بائع کے لئے خیار رؤیت ثابت نہ[1] ہوگا۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح، بدائع)

(کتاب الشہادۃ)

(۳۷) باب الرجوع عن الشہادۃ

اگر گواہ لوگ گواہی دینے کے بعد رجوع کرلیں تو امام صاحب کے نزدیک غیر کے حق میں ان کا رجوع کسی حالت میں بھی صحیح نہیں یہی صاحبین فرماتے ہیں پس گواہی کی وجہ سے جو فیصلہ ہو چکا ہو نہ وہ ٹوٹے گا اور نہ مال مقضی علیہ کو واپس کیا جائیگا لیکن آپ کا یہ قول مرجوع الیہ ہے اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ رجوع کنندگان کے حالات کو دیکھا جائیگا۔ اگر ان کے حالات ادائیگی شہادت کے بعد پہلے سے بہتر ہوں تو ان کا رجوع کرنا خود ان کے حق میں بھی صحیح ہوگا اور غیروں کے حق میں بھی۔ اور اگر ان کے حالات پہلے ہی جیسے ہوں یا پہلے سے بھی ابتر ہوں تو ان کو سزا دی جائے گی۔ اور سابق فیصلہ کو برقرار رکھا جائے گا۔ (خلاصہ، شامی، فتح)

(کتاب الدعویٰ)

(۳۸) باب التحالف

اگر بائع و مشتری ثمن اور مبیع ہر دو میں اختلاف کریں بائع کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ باندی ایک سو میں بیچی ہے اور مشتری کہے کہ یہ باندی اور اسکے ساتھ فلاں چیز پچاس میں بیچی ہے اور دونوں بینہ قائم کردیں تو ثمن کے بارے میں بائع کا بینہ معتبر ہوگا اور مبیع کے بارے میں مشتری کا، مگر یہ آپکا آخری قول ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ دونوں مشتری کو ایک سو پچاس میں دلائی جائیں گی۔ (نتائج الافکار، عنایہ)

(۳۹) باب دعوی الرجلین

ایک دیوار پر دو شخصوں کی کڑیاں ہیں۔ ایک کی ایک یا دو کڑیاں ہیں اور دوسرے کی تین یا تین سے زائد۔ تو امام صاحب کے پہلے قول پر دیوار دونوں میں مشترک ہوگی۔ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں۔ آخری قول میں دیوار تین کڑیوں والے کی ہے۔ (شامی)

(کتاب المضاربۃ)

(۴۰)...... ایک مضارب کے پاس دو ہزار درہم ہیں وہ رب المال سے کہتا ہے کہ تو نے مجھے ایک ہزار درہم دیئے تھے اور ایک ہزار کا مجھے نفع ہوا ہے رب المال کہتا ہے کہ میں نے تجھے دو ہزار درہم دیئے تھے تو امام صاحب کے نزدیک مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ یہی صاحبین کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف درحقیقت مقبوض کی مقدار میں اختلاف ہے اور اس صورت میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے خواہ وہ ضمین ہو یا امین ہو۔ امام صاحب کا یہ آخری قول ہے اور اولاً آپ اسکے قائل تھے کہ رب المال کا قول معتبر ہوگا یہی امام زفر کا قول ہے کیونکہ مضارب نفع میں شرکت کا مدعی ہے اور رب المال اس کا منکر ہے والقول قول المنکر۔ (ہدایہ، عنایہ، مجمع الانہر)

---

(۱) والدلیل قصۃ سیدنا عثمان بن عفانؓ۔

كتاب العارية

(۴۱)...... ایک شخص نے کوئی چیز عاریت پر لی اور معیر نے یہ شرط لگائی کہ اس کو فلاں شہر میں فلاں جگہ استعمال کرنا، مستعیر نے اسکے خلاف کیا اور متعین کردہ جگہ سے آگے بڑھ گیا اور واپسی سے پیشتر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو تاوان دینا پڑیگا یہ آپ کا آخری قول ہے اولاً آپ عدم ضمان کے قائل تھے۔ (بدائع)

(كتاب الاجارة)

(۴۲) باب الاجر متی یستحق

ایک شخص نے مکہ تک جانے کے لئے ایک اونٹ کرایہ پر لیا یا ایک سال کے لئے زمین کرایہ پر لی تو اونٹ والا ہر مرحلہ پر اور زمین والا ہر دن اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ ہر مرحلہ کی مسافت طے کرنا اور ہر دن نفع اٹھانا مقصود ہے۔ یہ آپ کا آخری قول ہے۔ اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ انقضاء مدت وانتہائے سفر سے پیشتر مطالبہ کا حق[1] نہیں۔ (ہدایہ، عنایہ، شامی، بدائع، مجمع الانہر)

(۴۳) باب ما یجوز من الاجارة وما یکون خلافا فیہا

ایک شخص نے ایک معین جگہ تک جانے کے لئے یا بوجھ لادنے کے لئے کوئی سواری کرایہ پر لی پھر معین جگہ سے آگے بڑھ گیا تو آگے بڑھتے ہی سواری اسکے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اگر وہ معین جگہ تک واپس آنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو کل قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔ لیکن اگر وہ معین جگہ تک پہنچ جائے اور پھر ہلاک ہو جائے تو ضمان سے بری ہوگا یا نہیں؟ امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ بری ہو جائے گا۔ امام زفر اور عیسیٰ بن ابان کا یہی قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ جب تک وہ سواری صحیح سالم مالک کے حوالے نہ کردے۔ (اس وقت تک بری نہ ہوگا۔ (بدائع)

(۴۴) باب الاجرة علیٰ احد الشرطین

ایک شخص نے کوئی دکان کرایہ پر لی موجر نے کہا اگر تو نے اس پر لوہار کو بٹھایا تو اجرت دس درہم ہوگی اور خراز کو بٹھایا تو پانچ درہم، یا کسی نے معین جگہ تک جانے کے لئے کوئی گھوڑا کرایہ پر لیا اور کہا کہ اگر اس پر جولادے تو اجرت اتنی ہوگی اور گیہوں لادے تو اتنی تو امام صاحب کے نزدیک اجارہ درست ہے صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اولاً امام صاحب بھی اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔

(بدائع)

کتاب المکاتب

(۴۵)...... مالک و مکاتب میں بدل کتابت کی مقدار یا اس کی جنس میں اختلاف ہوا مالک نے کہا کہ میں نے دو ہزار پر مکاتبت کی تھی مکاتب نے کہا نہیں ہزار پر کی تھی یا مالک نے کہا کہ مکاتبت اشرفیوں پر ہوئی تھی مکاتب نے کہا نہیں درہموں پر ہوئی تھی تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ دونوں قسم کھائیں گے اور معاملہ کو رد کردیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مکاتب کا قول معتبر ہوگا خواہ اس نے کچھ بدل کتابت ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ لانہ المستحق علیہ۔ (بدائع، شامی)

---

[1] لان المعقود علیہ جملة المنافع فی المدة فلا یتوزع الاجر علی اجزائہا ۱۲

کتاب الماذون

(۴۶)......ایک شخص نے اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دیدی تھی، اس سلسلہ میں اسکے ذمہ اتنا قرض آپڑا کہ اس نے اسکی کمائی اور اسکی قیمت سب کو گھیر لیا تو جو مال اسکے پاس ہو آقا اس کا مالک نہ ہوگا۔ اور اگر اسکی کمائی میں کوئی غلام ہو اور وہ اس کو آزاد کردے تو آزاد نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک آقا اسکی کمائی کا مالک ہوگا اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ مگر اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ اور عبد ماذون کا دین محیط نہ ہو تو بالاجماع غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ آپکا آخری قول ہے پہلا قول یہ ہے کہ نہ غلام آزاد ہوگا اور نہ آقا اسکی کمائی کا مالک ہوگا۔

(ہدایہ، کفایہ، شامی، تکملہ بحر)

(کتاب الشفعۃ)

(۴۷)......اگر کوئی گاؤں مع آراضی ومکانات فروخت کردیا گیا تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ ہر شفیع صرف اس حصہ کو لے سکتا ہے جو اس کی ملک سے متصل ہو۔ آخری قول یہ ہے کہ شفیع حق شفعہ کی وجہ سے کل کو لے سکتا ہے۔　(بدائع)

(کتاب الذبائح)

(۴۸)......امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز بکراہت تنزیہہ۔ امام صاحب نے وفات سے تین یوم قبل صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔　(غایۃ الاوطار، مجمع الانہر)

(کتاب الکراھیۃ)

(۴۹) فصل فی الاستبراء

ایک شخص نے باندی فروخت کی اور مشتری کے قبضہ سے پہلے اقالہ کرلیا تو امام صاحب اولاً اسکے قائل تھے کہ بائع پر استبراء رحم واجب ہے پھر عدم وجوب کی طرف رجوع کرلیا جو صاحبین کا قول ہے　(تکملہ بحر)

کتاب الجنایات

(۵۰)......امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ آزاد آدمی کے جس عضو کو تلف کردینے سے دیت لازم آتی ہو اگر وہی عضو غلام کا تلف کردیا جائے تو اس میں قیمت واجب ہوگی۔ اور جس عضو میں نصف دیت واجب ہوتی ہو اس میں نصف قیمت واجب ہوگی۔ اس روایت کے عموم سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غلام کا کان کاٹ لے یا اس کی بھوؤں مونڈ دے، اور بال نہ اُگیں تو اس میں نصف قیمت واجب ہوگی، چنانچہ امام صاحب سے حسن کی روایت بھی یہی ہے مگر آپ نے وجوب حکومت عدل کی طرف رجوع کرلیا[1]۔

(بدائع)

(۵۱)......اگر باپ نے یا وصی نے بچہ کو تادیباً مارا اور بچہ مرگیا تو امام صاحب کے نزدیک دونوں پر ضمان آئے گا صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر عرف وعادت کے مطابق مارا تو ضامن نہ ہوں گے امام صاحب نے اسی کی طرف رجوع کرلیا۔　(تتمہ درمختار، شامی)

کتاب الوصایا

(۵۲) ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کرکے اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کردیا جائے۔ وصی نے غلام فروخت کرکے ثمن پر قبضہ کیا اور وہ اسکے پاس سے ضائع ہوگیا پھر غلام مذکور کسی اور کا نکل آیا تو وصی ضامن ہوگا۔ لیکن وصی جتنا ضمان ادا کریگا وہ ترکہ سے

---

[1] قال محمد استقبح ابو حنیفہ ان یضمن فی اذن العبد نصف القیمۃ وہذا دلیل الرجوع ۱۲

وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ ترکہ سے وصول نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ وہ ترکہ سے وصول کر سکتا ہے۔ (ہدایہ)

(کتاب الفرائض)

(۵۳) باب ذوی الارحام

امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ جزء میت پر اصول میت مقدم ہیں لیکن آپ نے اس سے رجوع کر لیا پس اصول میت پر جزء میت مقدم ہوگا۔ (شامی)

(۵۴) فصل فی الحرقی والغرقی

کچھ لوگ آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر مر گئے اور ترتیب معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا تو ان کا مال ان کے زندہ ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا۔ یہ امام صاحب کا آخری قول ہے **وکان یقول اولا یرث بعضھم من بعض۔** (شامی)

وہ مسائل جن میں امام صاحب سے کئی بار رجوع ثابت ہے۔

(کتاب الزکوٰۃ)

(۵۵) فصلان، جملان، عجاجیل کی زکوٰۃ میں آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ان میں بھی وہی واجب ہے جو بڑوں میں واجب ہے۔ امام زفر اور امام مالک کا یہی قول ہے مگر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ ان سب میں صرف ایک واجب ہے۔ یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے لیکن بعد میں اس سے بھی رجوع کر لیا اور فرمایا کہ ان میں کچھ واجب نہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ بڑے جانور ہوں امام محمد نے اسی کو لیا ہے۔

(ہدایہ، فتح، عنایہ، کفایہ، بنایہ)

(کتاب الحدود)

(۵۶)...... اگر کسی کافر پر اس کے اسلام قبول کرنے سے پیشتر حد قذف جاری کی گئی تو اس کی شہادت مقبول ہوگی۔ اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد جاری ہوئی تو مقبول نہ ہوگی۔ یہ حکم تو متفق علیہ ہے لیکن اگر کچھ حد اسلام کے بعد جاری ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر ننانوے کوڑے لگائے گئے اور ایک کوڑا اسلام کے بعد تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی مگر یہ قول مرجوع عنہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اکثر حد اسلام کے بعد قائم ہوئی تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اقل اکثر کا تابع ہوتا ہے مگر اس سے بھی آپ کا رجوع ثابت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ ایک کوڑے کے بعد اسلام لے آیا اور باقی کوڑے اس کے بعد لگائے گئے تو اس کی شہادت مقبول ہوگی۔ (کفایہ)

(کتاب الاقرار)

(۵۷)...... ایک غلام محجور تھا اس نے دس درہموں کی چوری کا اقرار کیا جو اس کے پاس بعینہ موجود ہیں۔ آقا نے اسکی تکذیب کی اور کہا: نہیں درہم میرے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور درہم مسروق منہ کو واپس دیئے جائیں گے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ تو کاٹا جائے گا لیکن درہم آقا کو دیئے جائیں گے اور غلام آزادی کے بعد مسروق منہ کے لئے اتنی مقدار کا ضامن ہوگا اور امام طحاویؒ

نے اپنے استاذ ابن ابی عمران سے سماع نقل کیا ہے کہ یہ تینوں قول امام صاحب کے ہیں۔ پہلے قول کو امام محمد نے لیا جو مرجوع عنہ ہے۔ دوسرے قول کو امام ابو یوسفؒ نے لیا یہ بھی مرجوع عنہ ہے پس آپکا تیسرا قول برقرار رہا۔

(ہدایہ، عنایہ، بنایہ، فتح القدیر)

(کتاب الشفعۃ)

(۵۸)...... مشتری نے بصفقۂ واحدہ ایک مکان مع ساز و سامان خرید لیا تو شفیع مکان مع ساز و سامان لے یا چھوڑ دے یہ آپکا پہلا قول ہے جو مرجوع عنہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مکان و سامان میں سے کسی ایک کو لے لے۔ اس سے بھی آپ نے رجوع کر لیا۔ پس آخری قول یہ ہے کہ صرف مکان لے جس کا وہ شفیع ہے ذکرہ شمس الائمۃ السرخسی فی شرحہ (تکملہ بحر)

وہ مسائل جن میں امام صاحب سے بنقول معتبرہ رجوع ثابت نہیں

(کتاب الطہارۃ)

(۱)...... اگر خون کی قے ہو تو اس میں چند روایتیں ہیں۔ (۱) روایت معلیٰ کہ ناقض وضو ہے قلیل ہو یا کثیر، جامد ہو یا سیال۔ (۲) روایت حسن کہ اگر سیال ہو تو ناقض ہے قلیل ہو یا کثیر اور جامد ہو تو ناقض نہیں جب تک کہ منہ بھر نہ ہو۔ (۳) روایت رستم کہ ناقض نہیں جب تک کہ منہ بھر نہ ہو، جامد ہو یا سیال، قلیل ہو یا کثیر، مشائخ نے اسی کی تصحیح کی ہے اور نمبر ۱، نمبر ۲ کو رجوع پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم

(بدائع)

(۲)...... مسح جبیرہ کی صفت میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف صرف مجروح میں ہے اور مکسور میں بالاتفاق واجب ہے اور بعض نے اختلاف کی نفی کی ہے امام قدوریؒ نے تجرید میں ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے مذہب سے صحیح یہ ہے کہ فرض نہیں ہے، صاحب خلاصہ نے صاحبین کے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے شرح مجمع، عیون اور شامی میں بھی یہی ہے، مگر علامہ ابن الہمام نے رجوع کی نفی کی ہے فانہ قال لم یشتھر شھرۃ نقیضہ عنہ (فتح القدیر)

کتاب الصلوٰۃ

(۳)...... صاحبین کے نزدیک عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہو جائے اور امام صاحب کے نزدیک اسوقت ہوتا ہے جب سایہ دو چند ہو جائے۔ ظاہر الروایہ یہی ہے۔ عام اصحاب متون اور جمیع ارباب شروح نیز اکثر اصحاب فتاوٰی اور محققین احناف (صاحب بدائع، صاحب ہدایہ، صاحب فتح، صاحب بحر، صاحب تصحیح وغیرہ) کا اس پر اتفاق ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی معتمد علیہ سند کے ساتھ امام صاحب سے رجوع ثابت نہیں اور صحیح قول وہی ہے جو ظاہر الروایہ ہے)۔

(۴)...... امام صاحب کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے اور اسد بن عمرو کی روایت کے لحاظ سے شفق احمر غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے جو صاحبین کا قول ہے لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے امام ابو المفاخر سدیدی نے شرح منظومہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع ذکر کیا ہے مگر ابن الہمام صاحب بحر وغیرہ محققین نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ کسی معتبر قول سے رجوع ثابت نہیں۔ قال العلامہ قاسم فی تصحیح القدوری ان رجوعہ لم یثبت۔

(۵)......امام کو چاہئے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت پہلے ملائکہ حفظہ کی نیت کرے پھر مردوں کی اور عورتوں کی۔ اصل میں یوں ہی مذکور ہے اور جامع صغیر میں حفظہ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بعض مشائخ نے تو یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ میں دونوں روائتیں ہیں اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ اولاً امام صاحب تفضیل ملائکہ کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی شافی دلیل سے رجوع ثابت نہیں)۔

(۶)......امام صاحب کے نزدیک مردہ کو غسل دیتے وقت استنجاء کرایا جائے۔ صاحبین کے نزدیک اسکی ضرورت نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کر لیا کیونکہ ظاہر الروایہ میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مگر رجوع پر کوئی قابلِ اعتماد دلیل موجود نہیں):۔

(کتاب الاجارۃ)

(۷)......اگر مستاجر کے مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان لازم ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عادت کے خلاف مار لگائی یا لگام کھینچی تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔ غایۃ البیان میں بحوالہ تتمہ مذکور ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ رجوع ثابت نہیں قال لانّ مسئلة الدابة جرى عليها اصحاب المتون فلو ثبت رجوع الامام فيها لما مشوا على خلافه لان ما رجع عنه المجتهد لم يكن مذهباً له)۔

(وہ مسائل جن میں امام ابو یوسفؒ سے رجوع ثابت ہے)

(کتاب الطہارۃ)

(۱)......مسح لحیہ کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کے کئی قول ہیں۔ اول یہ کہ اگر ڈاڑھی کے کسی حصہ پر بھی مسح نہ کیا تب بھی وضو ہو جائے گا دوم یہ کہ پوری ڈاڑھی کا استیعاب ضروری ہے۔ یہ دونوں قول مرجوع عنہ ہیں صحیح یہ ہے کہ کل کا دھونا ضروری ہے۔ (فتح القدیر، بدائع)۔

(۲)......کنویں میں پھولا یا پھٹا جانور ملا اور یہ معلوم نہیں کہ کب گرا ہے تو امام صاحب کے نزدیک تین دن تین رات سے کنویں کو ناپاک کہا جائے گا۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا (حاشیہ کنز لمولینا محمد احسن)؛

(۳) باب التیمم

اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ تیمم مٹی اور بالو کے ساتھ جائز ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ صرف مٹی کے ساتھ جائز ہے اور کسی چیز سے جائز نہیں۔ (عنایہ، مبسوط، بدائع، فتح)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۴) باب الاذان

طرفین کے نزدیک اذان قبل از وقت جائز نہیں۔ امام ابو یوسفؒ بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ اگر فجر کی اذان شب کے نصف آخر میں کہی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں وبہ قال الشافعی (بدائع)

(۵) فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصّلوٰۃ

طرفین کے نزدیک نماز شروع کرتے وقت انی وجهت وجهی للذی الخ نہ پڑھے نہ تکبیر سے پہلے اور نہ اسکے بعد امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں رجوع کر لیا اور فرمایا کہ تسبیح کے ساتھ یہ بھی ملالے (ہدایہ، بدائع)۔

(۶) باب الوتر والنوافل

ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور شفع ثانی شروع کرنے سے پہلے نماز فاسد کردی تو اُخریین کی قضاء نہ کرے یہ آپ کا آخری قول ہے پہلا قول یہ تھا کہ اُخریین کی بھی قضاء لازم ہے (خلاصہ، ہدایہ، عنایہ، فتح، شامی)

(۷) باب صلوۃ الخوف

آپ کا پہلا قول یہ ہے کہ نماز خوف مطلقاً مشروع ہے جیسا کہ طرفین فرماتے ہیں بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص تھی (کفایہ، عنایہ، فتح القدیر، بدائع)

(کتاب الزکوٰۃ)

(۸)......زید کا عمرو پر کچھ قرض ہے اور عمرو کو اس کا اقرار ہے اور قاضی نے عمرو کو مفلس قرار دے دیا تو امام صاحب کے نزدیک زید پر اس قرض کی زکوۃ واجب نہیں، صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسف کو تحقق افلاس میں امام محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حکم زکوۃ میں امام صاحب کے ساتھ علامہ ابن الہمام نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے آخری قول عدم وجوب زکوۃ کا ہے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۹) باب الرکاز

امام ابو یوسف اولاً زیبق میں خمس کے قائل تھے اس کے بعد فرمایا کہ اس میں کچھ واجب نہیں۔ (عنایہ، کفایہ، فتح)۔

(۱۰) باب المصرف

ایک شخص نے تحرّی کے ساتھ مصرف زکوۃ سمجھتے ہوئے کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار تھا تو طرفین کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ بعد میں آپؒ نے رجوع کرلیا پس آپ کے یہاں اعادۂ زکوۃ واجب ہے (عنایہ)۔

کتاب الحج

(۱۱)......عرفہ کے دن عرفات میں جو امام خطبہ دیتا ہے اس میں طرفین کے نزدیک اذان اس وقت ہونی چاہئے جب امام منبر پر پہنچ جائے جیسے جمعہ کے خطبہ میں ہوتی ہے ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے، اولاً آپ اسکے قائل تھے اذان امام کے آنے سے پیشتر ہونی چاہئے۔ جب اذان ہو چکے تب امام منبر پر آئے اور خطبہ پڑھے (ہدایہ، فتح، بدائع)

کتاب النکاح

(۱۲)......طرفین کے یہاں شطر عقد ماوراء مجلس پر موقوف نہیں ہوتا، امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں موقوف ہونے کے قائل ہوگئے۔ (فتح القدیر، عنایہ)

(۱۳)......ایک شخص نے کسی کو حکم کیا کہ کسی عورت سے میری شادی کردے اس نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے شادی کردی تو طرفین کے نزدیک کوئی عورت لازم نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف اولاً اسکے قائل تھے کہ غیر معین طور کسی ایک سے نکاح صحیح ہے شوہر کسی ایک کو معین کرلے گا بعد میں آپ نے طرفین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح عنایہ کفایہ)۔

(۱۴)......شوہر گواہوں کے پاس ایک خط لایا جو مہر زدہ تھا اور اس نے کہا کہ میرا یہ خط فلاں عورت کے نام ہے سو تم لوگ اس پر گواہ رہنا تو امام صاحب کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا جب تک کہ گواہوں کو یہ معلوم نہ ہوجائے کہ خط کا مضمون کیا ہے۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے بلا شرط اعلام جائز مان لیا۔ (فتح القدیر)

(۱۵)......ایک عورت نے کسی کے متعلق دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی ہے اور بینہ سے ثابت کر دیا اور قاضی نے اس کو اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ واقعۃً اس نے اس سے شادی نہیں کی تھی تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ وبہ قال محمد والشافعی۔ (ہدایہ، فتح)

(۱۶) باب الاولیاء

اگر کسی چھوٹے بچے یا چھوٹی بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کر دیا تو یہ طرفین کے نزدیک بعد البلوغ مختار ہوں گے چاہیں نکاح باقی رکھیں چاہیں فسخ کرالیں۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ پس یہاں ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا (فتح القدیر)

(۱۷)......اگر ولی قریب غائب ہو اور غیبت منقطعہ ہو تو ولی بعید نکاح کرا سکتا ہے اب غیبت منقطعہ سے مراد کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتنے فاصلہ پر ہونا غیبت منقطعہ ہے کہ وہاں قافلے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ پہنچتے ہوں۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ جابلقا[1] سے جابلسا تک کا فاصلہ غیبت منقطعہ ہے امام ابو یوسف کا مرجوع الیہ قول یہی ہے (فتح القدیر)

(۱۸) باب المہر

ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور مہر متعین نہیں کیا پھر کسی مقدار کی تعیین پر دونوں راضی ہو گئے اور شوہر نے عورت سے صحبت کر لی یا اس کا انتقال ہو گیا تو عورت کو مقرر کردہ مہر ملے گا اور اگر دخول سے پیشتر طلاق ہو گئی تو عورت متعہ پائے گی، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ تھا کہ مقرر کردہ مقدار کا نصف ملے گا (ہدایہ، فتح)

(۱۹).... شوہر نے عقد نکاح کے بعد بیوی کے مہر میں اضافہ کر دیا اور دخول سے پیشتر طلاق دیدی تو زائد مقدار ساقط ہو جائے گی امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اصل مہر کے ساتھ اس میں بھی تنصیف ہوگی۔ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، فتح)

(۲۰)......ایک ذمی نے ذمیہ کے ساتھ معین شراب یا معین خنزیر کے عوض میں شادی کی پھر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک عورت کو شراب اور خنزیر ملے گا اور اگر شراب یا خنزیر معین نہ ہو تو مہر مثل ملے گا۔ امام ابو یوسف کے یہاں پہلے قول کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں قیمت دی جائے گی۔ یہی امام محمد کا قول ہے امام ابو یوسف کے دوسرے قول کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں مہر مثل دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں (ہدایہ، فتح)

(۲۱)......شوہر نے بیوی کے مہر مثل کے عوض میں کوئی شئے رہن رکھدی تو رہن رکھنا صحیح ہے۔ اب اگر وہ شئے ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت اتنی ہو جس سے اس کا مہر مثل پورا ادا ہو جاتا ہو تو عورت اپنا حق وصول کر چکی اور اگر شوہر نے قبل از دخول طلاق دی دیدے تو جو مقدار متعہ سے زائد ہو عورت اس کو واپس کرے گی اور اگر دخول سے پیشتر طلاق کے وقت شئے مرہون موجود ہو تو عورت متعہ وصول کرنے کے لئے اس کو روک نہیں سکتی۔ امام ابو یوسف کا یہ آخری قول ہے، پہلا قول یہ ہے کہ روک سکتی ہے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں۔

(فتح القدیر)

(۲۲) باب نکاح الکافر

اگر کوئی مجوسی اپنی ذی رحم محرم ماں، بیٹی، بہن وغیرہ سے شادی کر لے تو مرافعت یا اسلام کے بغیر ان میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اگر قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو وہ تفریق کر دے۔ (مبسوط، فتح)۔

---

[1] یہ دونوں دو گاؤں ہیں ایک مشرق میں دوسرے مغرب میں ۱۲

(کتاب الطلاق)

(۲۳)......شوہر نے بیوی سے کہا: "انت طالق واحدة اولا" تو امام صاحب کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری یہی قول ہے پہلے قول میں ایک طلاق رجعی ہوگی جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔
(ہدایہ، درمختار، فتح، شامی)

(۲۴)...... بیوی نے ہجرت کی اور اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہوا اس کے بعد شوہر نے ہجرت کی جبکہ بیوی عدت گذار رہی تھی، اور اس حالت میں شوہر نے اس کو طلاق دی تو صاحبین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ طلاق ہو جائیگی۔ (فتح القدیر)

(۲۵)......ایک شخص کی مدخولہ بیوی کسی کی باندی تھی اس نے اس کو خرید کر آزاد کیا پھر عدت کے زمانہ میں اس کو طلاق دی۔ تو صاحبین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کرلیا پس ان کے یہاں طلاق واقع ہو جائے گی۔ (فتح القدیر) وفی الشرنبلالیہ عکس ذلک (شامی)۔

(۲۶)......بیوی نے شوہر سے کہا مجھے ایک ہزار کے عوض ایک طلاق دے دے۔ شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ تو امام صاحب کے نزدیک عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہونگی اور صاحبین کے نزدیک تینوں واقع ہو جائیں گی۔ ایک طلاق ایک ہزار کے عوض اور دو بلا عوض امام جصاص نے علامہ کرخی سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا (بدائع)

(۲۷) باب اللعان

ایک عورت کیساتھ شبہۃً وطی کرلی گئی پھر شوہر نے اس کو تہمت لگادی تو اس پر لعان واجب نہیں اور اگر کسی اجنبی نے تہمت لگائی تو اس پر حد واجب نہیں۔ امام ابو یوسف اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ شوہر پر لعان اور اجنبی پر حد واجب[۱] ہوگی۔ (بدائع)۔

(۲۸) باب العدۃ

اگر اثنائے ماہ میں فرقت واقع ہو تو عورت عدت کیسے گزارے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ پوری عدت ایام سے گزارے۔ عدت طلاق ہو تو نوے دن اور عدت وفات ہو تو ایک سو تیس دن امام محمد فرماتے ہیں کہ جس ماہ میں فرقت واقع ہوئی ہے اس ماہ میں ایام سے گزارے اور باقی مہینوں کی عدت چاندوں کے لحاظ سے اور پہلے مہینے کے ایام آخری مہینے کے ایام سے پورے کرلے۔ امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام صاحب کے قول کے مثل اور دوسری امام محمد کے قول کے مثل اور یہی آپ کا آخری قول ہے (بدائع)

(۲۹)......ایک شخص کے نکاح میں دو بیویاں تھیں ایک آزاد ایک باندی، شوہر نے اپنی تندرستی کے زمانہ میں ان سے کہا کہ تم میں سے ایک کو دو طلاقیں ہیں اس کے بعد باندی آزاد ہوگئی اور شوہر بیمار ہوگیا اور بیماری کی حالت میں اس نے باندی کو طلاق کے لئے معین کردیا تو امام محمد کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی اور مطلقہ عورت وارث بھی ہوگی۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر وہ شخص باندی پر طلاق واقع کرنے کو اختیار کرتا ہے تو شوہر ثانی کیساتھ نکاح کئے بغیر اس کے لئے وہ عورت حلال نہ ہوگی (بدائع)

---

[۱] لان ہذا وطی یتعلق بہ ثبوت النسب ووجوب المہر فکان کالموجود فی النکاح فلا یزیل العفۃ عن الزنا۔۱۲

(کتاب العتاق)

(۳۰)......ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے جن میں سے ایک شریک کہتا ہے کہ باندی دوسرے کی ام ولد ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہے تو امام صاحب کے نزدیک باندی ایک روز منکر کی خدمت کریگی اور ایک روز توقف کرے گی۔ امام ابو یوسف پہلے اسکے قائل تھے کہ منکر شخص باندی سے اسکی نصف قیمت میں سعایت کرائے گا۔ اور باندی آزاد ہو جائے گی امام محمد کا یہی قول ہے پھر امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح، شامی، بدائع)

(۳۱) باب الاستیلاد

ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ان میں سے یک دعویٰ کرتا ہے کہ دوسرے شریک نے اس کو مدبر کردیا۔ دوسرا شریک اس کا منکر ہے تو امام صاحب کے نزدیک شاہد کو اختیار ہے چاہے وہ بھی مدبر بنادے اور چاہے مدبر نہ بنائے بہر دو صورت باندی ایک روز اس کی خدمت کرے گی۔ ایک روز منکر کی اور چاہے باندی سے اس کی نصف قیمت میں سعایت کرالے۔ امام ابو یوسف نے اولا اس کو ام ولد کے درجہ میں قرار دیا بعد میں رجوع کرلیا وقال توقف کما قال ابو حنیفة الا فی تبعیض التدبیر (بدائع)

(کتاب الایمان)

(۳۲) باب الیمین فی الدخول والسکنیٰ)

ایک آدمی نے قسم کھائی "لا آوی مع فلان اوفی مکان او دار اوبیت" پھر مکان میں ٹھہر گیا تو امام محمد کے نزدیک حانث ہو جائے گا ٹھہرنا کم ہو یا زائد، دن میں ہو یا رات میں اور اگر اس نے ایک دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی تو اس کی نیت پر محمول ہوگا امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ اگر رات کے اکثر حصہ میں ٹھہرے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں (بدائع)

(۳۳) باب الیمین فی الطلاق والعتاق

ایک شخص نے طلاق کو شرط پر معلق کرتے ہوئے وسط کلام میں حرف نداء استعمال کیا اور کہا: انت طالق یا زانیة ان دخلت الدار تو امام محمد کے نزدیک طلاق دخول دار پر معلق ہوگی اور اس شخص کو قاذف قرار دیا جائے گا اور لعان واجب ہوگا امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ قاذف نہ ہوگا پس لعان بھی واجب نہ ہوگا (بدائع)

(۳۴) باب الیمین فی البیع والشراء

ایک شخص نے قسم کھائی کہ اون نہ خریدوں گا پھر اس نے بھیڑ خریدی جس پر اون تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر یہ قسم کھائی کہ دودھ نہ خریدونگا۔ پھر بکری خریدی جس کے تھنوں میں دودھ تھا تو حانث نہ ہوگا۔ یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا فسوّی بینهما (بدائع)

(کتاب الحدود)

(۳۵)......جس شخص پر حد واجب ہو تو حد کے کوڑے اس کے پورے بدن پر لگائے جائیں گے بجز اس کے سر اور چہرے اور شرمگاہ کے، امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ سر پر بھی مارے جائیں گے۔ (ہدایہ، فتح)۔

(۳۶) باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبه

ایک حربی مستامن نے کسی مسلمان یا ذمی عورت کیساتھ زنا کیا تو امام صاحب کے نزدیک مسلمہ اور ذمیہ دونوں پر حد لازم ہوگی اور حربی پر

نہ ہوگی، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ کسی پر حد نہ ہوگی۔ یہی امام محمد کا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ سب پر حد لازم ہے۔ (ہدایہ، فتح)

(۳۷) باب القذف

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدود و قصاص میں کفیل نہیں لیا جائے گا امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ کفیل لیا جائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں و لھذا لا یحبس عند ھما فی دعوی حد القذف و القصاص. (فتح)

(کتاب السرقۃ)

(۳۸)...... اگر چور ایک مرتبہ چوری کا اقرار کر لے تو طرفین کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا امام ابو یوسف اولاً یہ فرماتے تھے کہ کم از کم دو مرتبہ اقرار کرے تب ہاتھ کاٹا جائے بعد میں آپ نے طرفین کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ کفایہ، شامی)

(کتاب السیر والجھاد)

(۳۹) باب الغنائم وقسمتہا

اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص دار الحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کی کچھ زمین ہو اور مسلمانوں کا دار الحرب پر قبضہ ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس کی زمین مال غنیمت میں داخل ہوگی امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ اس کی زمین کا حکم دیگر اموال کا سا ہے یعنی زمین اسی کی رہے گی مال غنیمت میں داخل نہ ہوگی۔ امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ (ہدایہ عنایہ، فتح)

(کتاب الشرکۃ)

(۴۰)...... امام محمد کے نزدیک مروجہ پیسوں کے ساتھ شرکت جائز ہے امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ شرکت صرف دراہم و دنانیر کے ساتھ جائز ہے پیسوں کے ساتھ جائز نہیں (فتح القدیر)

(کتاب البیوع)

(۴۱)...... ایک شخص نے دو چیزیں خریدیں جن میں سے ایک کم قیمت کی ہے اور ایک بیش قیمت۔ بائع نے بیش قیمت چیز کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا اور مشتری نے کم قیمت والی کے ہلاک ہونے کا۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ دونوں سے قسم لی جائے گی اور جو قسم سے انکار کرے گا دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا اور اگر دونوں قسم کھالیں تو دونوں میں سے ہر ایک کی نصف نصف قیمت لازم ہوگی پھر آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کہ مشتری کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔ (بدائع)

(۴۲) باب البیع الفاسد

ایک شخص نے دو ہزار کے عوض میں ایک باندی فروخت کی جس کے گلے میں ایک ہزار روپیہ کی قیمت کا ہار تھا اور باندی کی قیمت بھی ہزار تھی اب خریدار نے ایک ہزار روپیہ نقد دیا تو یہ ہار کی قیمت ہوگی اسی طرح اگر کسی نے باندی دو ہزار میں اسی طرح خریدی کہ ایک ہزار نقد دے گا اور ایک ہزار ادھار تو ایک ہزار جو فی الحال دے گا وہ ہار کی قیمت ہوگی۔ اور گر کل ثمن ادھار ہو تو امام صاحب کے نزدیک باندی اور ہار دونوں کی بیع فاسد ہوگی۔ صاحبین کے یہاں صرف ہار کی بیع فاسد ہوگی مگر امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (مبسوط، فتح، عنایہ)

(۴۳)...... بائع نے مشتری سے کہا کہ میں اس ڈھیر سے یہ برتن بھر کر ایک درہم میں فروخت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے اور اگر بیع سلم کی

صورت ہو تو جائز نہیں امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ دونوں صورتوں میں بیع ناجائز ہے امام ابو یوسف اولاً عدم جواز کے قائل تھے بعد میں جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ (بدائع)

(۴۴)......ایک شخص نے بطریق بیع فاسد ایک مکان فروخت کیا۔ مشتری نے اس میں عمارت بنالی یا درخت لگالئے۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر مکان کی قیمت واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر مکان واپس کر دیا جائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (ہدایہ، ایضاح، کفایہ، عنایہ)

(۴۵) فصل فی التصرّف فی المبیع والثمن قبل القبض

امام صاحب کے نزدیک قبضہ سے پہلے زمین فروخت کرنا جائز ہے امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلے آپ عدمِ جواز کے قائل تھے امام محمدؒ امام شافعی بھی عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ (فتح)

(۴۶) باب الربوا

تر گیہوں کو تر گیہوں کے عوض میں یا خشک کے عوض اور پختہ کھجور کو پختہ یا خشک کے عوض میں اور انگور کو انگور یا کشمش کے عوض میں متماثلاً فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ ہے کہ جائز نہیں امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (مبسوط، فتح)

(۴۷) فصل فی بیع الفضولی

ایک شخص نے دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دی اور مالک مر گیا تو اسکے ورثہ کی اجازت سے بیع جائز نہ ہوگی لیکن اگر مالک نے اپنی زندگی میں جائز کر دیا ہو اور بیع کا حال معلوم نہ ہو تو امام محمد کے نزدیک بیع جائز ہوگی امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ بوقت اجازت مبیع قائم تھی اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی (ہدایہ، عنایہ، فتح، بحر، شامی)

(۴۸)......ایک شخص نے کسی کے مکان کا صحن فروخت کر ڈالا اور مشتری نے اس کو اپنی بنا میں داخل کر لیا اس کے بعد بیچنے والے نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو غصب کر کے فروخت کیا تھا تو امام صاحب کے نزدیک بائع اس کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک ضامن ہوگا امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ، عنایہ، فتح مجمع الانہر، شامی)۔

(۴۹) باب السلم

اگر عاقدین سلم میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں گے اور ابتداء مطلوب سے ہوگی، یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ پہلے طالب قسم کھائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(کتاب الصرف)

(۵۰)......اگر قبضے سے پہلے چلتے پیسے بند ہو جائیں تو امام صاحب کے نزدیک وہی پیسے ملیں گے امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ معاملہ کے دن ان کی جو قیمت تھی وہ ملے گی (ملتقی، بزازیہ، ذخیرہ، شامی)۔

(کتاب الکفالۃ)

(۵۱)......طرفین کے نزدیک کفالہ تنہا کفیل کے ذریعہ تام نہیں ہوتا بلکہ مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کے یہاں ایجاب اور قبول دونوں رکن ہے۔ اولاً امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں۔

صرف کفیل سے بھی تام ہو جائے گا۔ امام مالک، امام احمد، امام شافعی، کا بھی (ایک) قول یہی ہے (ہدایہ، کفایہ، فتح[1])۔

(۵۲)...... ایک کفیل بالنفس نے کہا کہ اگر فلاں نے کل روپیہ ادا کیا تو مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں (یعنی میں ادا کروں گا اور یہ قید نہیں لگائی کہ جو روپیہ اس کے ذمہ ہے وہ میں دوں گا۔ اب کل کا دن گذر گیا اور فلاں نے روپیہ ادا نہیں کیا بلکہ صاف کہدیا کہ میرے ذمہ کچھ ہے ہی نہیں لیکن طالب ایک ہزار کا مدعی ہے ادھر کفیل بھی اصیل پر روپیہ کے وجوب کا منکر ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک کفیل پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ یہی امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے آخری قول یہ ہے کہ کفیل پر کچھ واجب نہیں۔ (خلاصہ، فتح، شامی)

(۵۲) باب الاستحقاق

امام محمد کے نزدیک اثبات نتائج کے لئے مستحق کا حاضر ہونا شرط ہے۔ امام صاحب کے نزدیک شرط نہیں۔ امام ابو یوسف اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (ذخیرہ، شامی)

(کتاب القضاء)

(۵۳)...... قاضی کے لئے شاہد کو اس طرح تلقین کرنا کہ وہ شہادت سے متعلقہ امور کا علم حاصل کرلے مکروہ ہے کیونکہ اس میں احد الخصمین کی اعانت ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور تلقین شاہد کو مستحسن قرار دیا بشرطیکہ مظنۂ تہمت نہ ہو (عنایہ)

(۵۴) باب کتاب القاضی الی القاضی

ایک قاضی دوسرے قاضی کے پاس جو خط بھیجے وہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر مقبول نہ ہوگا۔ پھر قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خط گواہوں کو پڑھ کر سنائے یا اس کے مضمون سے مطلع کرے اسکے بعد گواہوں کی موجودگی میں خط پر مہر لگا کر سر بند کردے تاکہ کسی کو ترمیم و تنسیخ کا وہم پیدا نہ ہو۔ یہ سب چیزیں طرفین کے نزدیک شرط ہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح، بحر)۔

(۵۵)...... امام صاحب کے یہاں اصل یہ ہے کہ قاضی ظاہراً جس چیز کی حلت کا فیصلہ کرے وہ باطناً بھی حلال ہوگی، اسی طرح جس چیز کی حرمت کا فیصلہ کرے وہ حرام ہوگی مثلاً ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت منکر ہے مگر اس شخص نے جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کردیا اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کردیا تو امام صاحب کے نزدیک عورت اس شخص کو وطی کا موقع دے سکتی ہے اور وہ اس سے وطی کرسکتا ہے امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ نہ عورت کے حق میں وطی حلال ہے نہ مرد کے حق میں امام محمد، امام زفر، امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (کفایہ، عنایہ)۔

(۵۶)...... امام ابو یوسف اولاً اس کے قائل تھے کہ بینہ اور اقرار کے ذریعہ غائب کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائیگا بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا فیقضی فیہما جمیعاً (فتح القدیر)

---

[1] وفی البدائع ما یخالف ما فی الفتح والکفایہ ۱۲

(کتاب الشهادة)

(۵۷) ایک شخص نے کسی معاملہ میں گواہی دی حاکم نے خفیہ طور پر لوگوں سے اس کے حالات دریافت کیئے تو سب نے اس کی تعدیل کی۔ اس کے بعد اس نے پھر کسی معاملہ میں گواہی دی تو اب دوبارہ تعدیل کی ضرورت نہیں۔ الّا یہ کہ دونوں شہادتوں کے درمیان طویل زمانہ گذر جائے۔ اب طویل وقفہ کی مدت امام محمد کے نزدیک ایک ماہ ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سال مگر یہ قول مرجوع عنہ ہے بعد میں آپ نے چھ ماہ کی مدت کو طویل وقفہ مانا ہے۔ (فتح القدیر)

(۵۸)......نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے علاوہ دیگر امور میں شاہد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بے دیکھی چیز کے متعلق گواہی دے، امام ابو یوسف نے آخری قول میں ولاء کا بھی استثناء کیا ہے فالشهادة فيه بالتسامع مقبولة ايضاً۔ (ہدایہ، بدائع، فتح، عنایہ)

(کتاب الوكالة)

(۵۹) باب الوكالة بالخصومة والقبض

ایک وکیل بالخصومۃ نے قاضی کے روبرو اپنے مؤکل کے خلاف کسی چیز کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور اگر قاضی کے علاوہ کسی اور کے سامنے اقرار کیا تو صحیح نہ ہوگا یہ طرفین کے نزدیک ہے، امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں صحیح نہ ہوگا، امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے دونوں میں اقرار کو صحیح مانا ہے۔ (ہدایہ، نتائج الافکار، مجمع الانہر)

(کتاب الدعویٰ)

(۶۰) باب التحالف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو اور قسم کی ضرورت واقع ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اولاً بائع سے قسم لی جائے گی۔ یہ آپ کا پہلا قول ہے اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ پہلے مشتری سے قسم لے جائے گی امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے۔ (ہدایہ عنایہ، نتائج الافکار، بحر، مجمع الانہر)

(۶۱) فصل فيمن لا يكون خصماً

مدعا علیہ نے کہا: میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت یا بطور رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے یا اس نے مجھے اجرت پر دی ہے اور اس پر بینہ بھی قائم کر دیا تو اس کے اور مدعی کے درمیان خصومت نہ ہوگی مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اگر وہ شخص نیک ہو تب تو خصومت نہ ہوگی اور اگر وہ مکاری میں مشہور ہو تو خصومت ہوگی (نتائج الافکار، ہدایہ، شامی)

(۶۲) باب ما يدعيه الرجلان

دو آدمیوں نے ایک چیز کی ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو امام محمد کے نزدیک دونوں کیلئے فیصلہ ہوگا اور تاریخ کا اعتبار نہ ہوگا امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ اس چیز کا حقدار سابق تاریخ والا ہوگا۔

(امالی، نتائج الافکار، عنایہ)

(کتاب الاقرار)

(۶۳) باب الاستثناء ومافی معناہ

ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں شخص کے غلام کی قیمت کے ایک ہزار درہم ہیں جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا اور اس نے غلام کو معین نہیں کیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک مقر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے اور قبضہ کی نفی میں اس کی تصدیق نہ ہوگی خواہ وہ "لم اقبضہ" متصلاً کہے یا منفصلاً نیز مقر لہ غلام کی فروختگی میں اس کی تصدیق کرے یا تکذیب۔ امام ابو یوسف پہلے اس کے قائل تھے کہ اگر وہ "لم اقبضہ" متصلاً کہتا ہے تو تصدیق کی جائے گی ورنہ نہیں بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ مقر لہ سے ایک ہزار درہم کا سبب دریافت کیا جائیگا۔ اگر اس میں وہ اس کی تصدیق کرے اور قبضہ میں تکذیب تو مقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ خواہ "لم اقبضہ" متصلاً کہے یا منفصلاً اور اگر وہ فروختگی میں اس کی تکذیب کرے اور کسی اور طریق سے ایک ہزار کا دعویٰ کرے تو متصلاً استثناء کرنے کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی اور منفصلاً استثناء کی صورت میں تصدیق نہ ہوگی۔ امام محمد کا یہی قول ہے (بدائع)

(۶۴)...... ایک شخص نے مقر لہ کو مجہول رکھتے ہوئے یوں اقرار کیا "لاحد ہذین علی کذا" تو اقرار صحیح ہے اب مقر سے قسم لے جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو دونوں کے دعوؤں سے بری ہو جائے گا۔ اب اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں اور مقر سے وہ شئے لینا چاہیں تو امام محمد کے نزدیک لے سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا **فلا یصح اصطلا حہما بعد الحلف عندہ** ۔(شامی)

(کتاب الصلح)

(۶۵)...... ایک شخص نے اپنے حق کے عوض میں کسی ایسی شئے پر صلح کر لی جو وصف کے لحاظ سے اسکے حق کی بہ نسبت خوب تر ہے اور مقدار میں اس سے کمتر ہے مثلاً کسی شخص پر اس کے کم چلنے والے ہزار درہم تھے اس نے پانچ سو کھرے درہموں پر صلح کر لی تو طرفین کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف پہلے جواز کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ (بدائع)

(۶۶)...... مودِع نے مودَع پر دعویٰ کیا کہ تو نے میری چیز خود ضائع کی ہے مودع نے کہا کہ میں نے تجھ کو واپس کر دی تھی یا وہ خود ضائع ہو گئی اس کے بعد دونوں نے کسی چیز پر صلح کر لی تو امام صاحب کے نزدیک صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ صلح مذکور جائز ہے یہی امام محمد کا قول ہے۔ (خانیہ، شامی)

(کتاب المضاربۃ)

(۶۷) باب المضارب یضارب

ایک شخص کے پاس مضاربت کا مال تھا اس نے وہ مال کسی دوسرے کو مضاربت پر دیدیا۔ حالانکہ صاحب مال نے اس کو اجازت نہیں دی تھی تو وہ صرف مال دینے سے ضامن نہ ہوگا پھر جب تک کچھ نفع نہ ہو اس وقت تک مضارب ثانی کوئی تصرف نہ کرے گا۔ نفع حاصل ہونے کے بعد مضارب اول مال کا ضامن ہوگا۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی کوئی تصرف کرے گا تو مضارب اول مال کا ضامن ہوگا نفع ہو یا نہ ہو ظاہر الروایہ یہی ہے مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مضارب اول صرف مال دینے ہی سے ضامن ہوگا۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں۔ (عنایہ)

(کتاب الاجارۃ)

(۶۸)......ایک شخص نے مکہ تک جانے کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا تو امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اجرت کا استحقاق پوری مسافت طے کرنے کے بعد ہوگا۔ آخری قول یہ ہے کہ جب ایک تہائی یا نصف راستہ طے کر لے تو اس کے حساب سے اجرت دیدے۔ (بدائع)

(۶۹)......موجر نے مستاجر سے اجرت کے ذریعہ عقد صرف کر لیا بایں طور کہ اجرت میں دراہم پانے والا تھا اس نے دینار لے لئے تو امام ابو یوسف پہلے اس کے جواز کے قائل تھے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں بعد میں آپ نے بطلان عقد کی طرف رجوع کر لیا (بدائع)

(کتاب المکاتب)

(۷۰) باب موت المکاتب وعجزہ

مکاتب غلام نے کوئی جنایت کی اور اس پر اس کی کتابت کی حالت میں موجب جنایت کا فیصلہ بدل کتابت سے کر دیا گیا۔ پھر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جنایت کا تاوان اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا امام ابو یوسف پہلے اس کے قائل تھے کہ اس پر قیمت واجب ہوگی اور فروخت نہیں کیا جائے گا یہی امام زفر کا قول ہے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار، مجمع الانہر)

(کتاب الوَلاءِ)

(۷۱)......اگر پہلے آقا کا انتقال ہو جائے پھر آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کی میراث لڑکوں کو ملے گی نہ کہ اس کی لڑکیوں کو نیز عورتوں کے لئے ولاء نہیں ہوتی (لا ما استثناہ فی الحدیث) مثلاً ایک عورت نے غلام آزاد کیا اور ایک لڑکا اور باپ چھوڑ کر مر گئی پھر آزاد شدہ غلام مر گیا تو طرفین کے نزدیک اس کی میراث صرف لڑکے کو ملے گی۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور باقی بیٹے کو۔ (عنایہ)

(کتاب الحَجر)

(۷۲)......سفیہ وغیر رشید شخص نے اپنا غلام آزاد کیا تو صاحبین کے نزدیک عتق نافذ ہوگا اب امام محمد کے نزدیک غلام اپنی قیمت میں سعایت کریگا امام ابو یوسف پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم سعایت کی طرف رجوع کر لیا۔ (تکملہ، بحر، مجمع الانہر)

(کتاب الغصب)

(۷۳)......ایک شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضے میں رہتی ہوئی ہلاک ہو گئی تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف پہلے وجوب ضمان کے قائل تھے۔ امام محمد اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار، کافی، تکملہ، بحر، مجمع الانہر)

(۷۴)......ایک شخص نے کسی کا مکان غصب کیا اور اس میں رہنے لگا مکان منہدم ہو گیا لیکن اس کے رہنے یا اس کے کسی اور عمل سے منہدم نہیں ہوا تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے۔ (عنایہ)

(کتاب الشفعۃ)

(۷۵) باب طلب الشفعۃ

طلب شفعہ کے وکیل نے مئوکل کے خلاف اقرار کیا اور کہا کہ مئوکل نے شفعہ طلب نہیں کیا تھا اگر اس نے یہ اقرار قاضی کی مجلس میں کیا ہو تب تو صحیح ہوگا۔ ورنہ صحیح نہ ہوگا یہ شرط طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپنے علی الاطلاق صحت اقرار کی طرف رجوع کر لیا (شامی)۔

(۷۶)......ایک شخص نے کھجور کا باغ مع زمین خریدا اور اس کے قبضے میں رہتے ہوئے باغ میں پھل آیا مشتری نے پھل توڑ لیا تو اب اگر شفیع لینا چاہے تو کل ثمن کے ساتھ لے گا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے پہلا قول یہ تھا کہ پھلوں کی قیمت ساقط ہو جائے گی۔

(تکملہ بحر)

(۷۷)......اگر کوئی زمین ثمن موجل کے ساتھ فروخت کی جائے تو طرفین کے نزدیک شفیع کو اختیار ہوگا چاہے ثمن حال کے ساتھ لے اور چاہے صبر کرلے یہاں تک کہ مدت گذر جائے اور مدت گذر جانے کے بعد لے لیکن اگر اس نے شفعہ طلب نہ کیا خاموش رہا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مدت گذرنے کے بعد لے سکتا ہے گو اس نے فی الحال شفعہ طلب نہ کیا ہو۔ (ہدایہ عنایہ، نتائج الافکار، تکملہ بحر)

(کتاب القسمۃ)

(۷۸) ایک زمین چند شریکوں کے درمیان مشترک تھی جو ان کے مطالبہ پر تقسیم کر دی گئی اس کے بعد شرکاء میں اختلاف ہوا مثلاً کسی نے کہا کہ مجھے میرا پورا حصہ نہیں ملا اور تقسیم کنندگان نے گواہی دی کہ ہر ایک اپنا پورا حصہ لے چکا تو امام صاحب کے نزدیک تقسیم کنندگان کی گواہی مقبول ہوگی امام محمد کے نزدیک مقبول نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ، مجمع الانہر، تکملہ بحر)

کتاب الذبائح

(۷۹)......ذبیحہ حلال ہونے کے لئے جن چار رگوں کا کاٹنا ضروری ہے اگر ان میں سے تین رگیں کاٹ دی گئیں تو امام صاحب کے نزدیک ذبیحہ حلال ہو جائے گا، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کہ حلقوم، مرئی اور واحد الودجین کا کٹنا ضروری ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، تکملہ بحر، مجمع الانہر)

(۸۰)......ایک شخص نے شکار کے سر پر مارا اور طولاً یا عرضاً اس کے دو ٹکڑے کر دیئے تو طرفین کے یہاں کل شکار کھایا جا سکتا ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ جو حصہ جدا ہو گیا ہو وہ نہ کھایا جائے۔ (بدائع)

کتاب الاشربۃ

(۸۱) نبیذ زبیب یعنی چھوارے کا جوشیدہ پانی جو جھاگ آور ہو۔ امام صاحب کے یہاں اس کا اتنی مقدار میں پینا حلال ہے جو نشہ آور نہ ہو۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ اس کا پینا حلال نہیں۔ (عنایہ، کفایہ، فتح)

(کتاب الجنایات)

(۸۲) باب ما یُحدِثُ الرجلُ فی الطریق

ایک شخص نے کنواں کھودا اس میں کوئی گر کر مر گیا۔ اب کنواں کھودنے والے اور میت کے ورثہ میں اختلاف ہوا، کنواں کھودنے والے نے کہا کہ یہ اس میں قصداً گرا ہے ورثہ نے کہا بلا قصد گرا ہے تو امام ابو یوسف کے پہلے قول پر ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور مرجوع الیہ قول پر حافر بئر کا قول معتبر ہوگا۔ یہی امام محمد کا قول ہے۔ (بدائع)

(۸۳) فصل اگر کسی نے غلام کو خطاءً قتل کر دیا تو طرفین کے نزدیک اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی لیکن دس ہزار سے زائد نہ ہوگی بلکہ دس ہزار سے بھی دس درہم کم کئے جائیں گے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ قیمت واجب ہوگی، کم ہو یا زائد۔ (ہدایہ، عنایہ)

کتاب الفرائض

(۸۴)...... معتق کا انتقال ہوا اور اس نے اپنے آقا کا باپ اور آقا کا بیٹا چھوڑا تو طرفین کے نزدیک معتق کا کل مال آقا کے بیٹے کو ملے گا۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ باپ کو سدس ملے گا اور باقی بیٹے کو (شامی)

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف نے استحسان سے قیاس کی طرف رجوع کیا ہے

(کتاب الصّلوٰۃ)

(۸۵) باب سجدۃ التلاوۃ

اگر دو رکعتوں میں آیت سجدہ مکرر تلاوت کی تو از روئے استحسان ہر ایک کے لئے سجدہ لازم ہے امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے اور قیاس کے لحاظ سے صرف ایک سجدہ کافی ہے امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف نے بھی اسی کی طرف رجوع کر لیا۔

(کتاب الرھن)

(۸۶)...... جو چیز مہر مثل کے عوض میں رہن ہو وہ قیاس کی رو سے متعہ کے عوض میں رہن نہیں ہوتی، امام ابو یوسف کا آخری قول یہی ہے اور استحسان کے لحاظ سے وہ چیز متعہ کے عوض میں بھی رہن ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے۔

(کتاب الجنایات)

(۸۷)...... غلام نے کوئی فیما دون النفس جنایت کی اور آقا نے فدیہ دینا منظور کر لیا۔ پھر مجنی علیہ مر گیا تو قیاس کے اعتبار سے آقا کو دوبارہ اختیار ملنا چاہئے۔ امام ابو یوسف کا آخری قول یہی ہے لیکن استحسان کے اعتبار سے آقا کو دوبارہ اختیار نہیں ہے امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے۔

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف سے رجوع مرتین ثابت ہے

(کتاب النکاح)

(۸۸) باب الاولیاء

[1] اگر کوئی آزاد عاقلہ بالغہ عورت بخوشی کسی کے ساتھ نکاح کرلے تو امام صاحب کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔ خواہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ، ظاہر المذہب یہی ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کفوء کے ساتھ جائز ہے غیر کفوء میں جائز نہیں۔ امام ابو یوسف سے تین روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ اگر اس کا کوئی ولی ہو تو مطلقاً جائز نہیں۔ مگر آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ دوم یہ کہ کفوء میں جائز ہے۔ غیر کفوء میں جائز نہیں پھر اس سے بھی رجوع کرلیا۔ سوم یہ کہ علی الاطلاق جائز ہے یہ آپ کا آخری قول ہے۔ امام محمد سے بھی ظاہر الروایہ کی طرف رجوع ثابت ہے، فالحاصل ان الجواز ثابت علی الاطلاق بالاتفاق ہذا علی ما ذکرہ السرخسی (فتح القدیر)۔

(کتاب الاشربۃ)

(۸۹) [2] جو، گیہوں، شہد، جوار اور انجیر سے جو شرابیں تیار کی جاتی ہیں امام صاحب کے یہاں ان کا پینا جائز ہے کم ہوں یا زائد، پختہ ہوں یا خام، امام محمد کے یہاں حرام ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر وہ دس روز تک رہ سکتی ہوں اور خراب نہ ہوتی ہوں تو مکروہ ہے۔ مگر بعد میں آپ نے دس روز کی قید بھی ختم کردی اور امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا (ہدایہ، بدائع)۔

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف سے بنقول معتبرہ رجوع ثابت نہیں

(کتاب النکاح)

(۱) باب المہر

ایک شخص نے کسی عورت سے معین غلام پر شادی کی بعد میں وہ آزاد نکلا تو طرفین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غلام کی قیمت واجب ہوگی (ہدایہ)۔

حاکم نے ذکر کیا ہے کہ حر کی صورت میں امام ابو یوسف کا پہلا قول وہی ہے جو طرفین کا ہے۔ ابن الہمام کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں (فتح القدیر)

(کتاب البیوع)

(۲)...... ایک شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ اگر تین دن تک ثمن نہ دے سکا تو بیع نہیں تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے اور اگر چار دن کی شرط لگائی تو صحیح نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام ابو یوسف پہلے قول کے لحاظ سے امام صاحب کے ساتھ ہیں اور مرجوع الیہ قول کے لحاظ سے امام محمد کے ساتھ ہیں کذا فی غایۃ البیان، شرح مجمع میں ہے کہ امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ آپ امام صاحب کے ساتھ ہیں، صاحب ہدایہ نے بھی آپ کو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے وکثیر من المشائخ حکموا علی قولہ بالاضطراب (بحر، فتح)

(کتاب الوصایا)

(۳)...... اگر وصی اپنا مال بچہ کے ہاتھ فروخت کرے یا بچہ سے مال خریدے تو امام صاحب کے نزدیک خرید و فروخت صحیح ہے بشرطیکہ اس میں بچہ کا نفع ہی نفع ہو، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (تکملہ بحر)

(کتاب الخنثیٰ)

(۴)...... امام صاحب کے یہاں خنثیٰ کے لئے اقل النصیبین ہے۔ نہایہ اور کفایہ میں ہے کہ امام محمد امام صاحب کے ساتھ ہیں اور امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے لیکن بعد میں آپ نے نصف النصیبین کی طرف رجوع کرلیا۔ علامہ شامی اور صاحب سراجیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ جو قول امام صاحب کا ہے وہی صاحبین کا ہے قال الشامی "اعلم ان ہذا (ای نصف النصیبین) قول الشعبی ولما کان من اشیاخ ابی حنیفة ولہ فی ہذا الباب قول مبہم اختلف ابو یوسف ومحمد فی تخریجہ فلیس ہو قولا لہما اھ" (شامی)

وہ مسائل جن میں امام محمد سے رجوع ثابت ہے

(کتاب الطہارۃ)

(۱)...... امام محمد کے پہلے قول پر بڑا حوض وہ ہے جو دہ در دہ ہو مگر بعد آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا وقال لا اوقت فیہ شیئاً۔ (بحر الرائق)۔

(۲) باب الانجاس وتطہیرہا

اگر موزے پر جسم والی نجاست لگ جائے اور خشک ہو جائے تو رگڑ دینے سے موزہ پاک ہو جاتا ہے اور امام محمد کے نزدیک پاک نہیں ہوتا مگر جب آپ ری پہنچے۔ اور عام راستے نجاست آلود پائے تو آپ نے رجوع کرلیا۔ بلکہ لید کے متعلق تو یہاں تک فرمایا کہ اس میں رگڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (ہدایہ، نہایہ، محیط، فتح، عنایہ)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۳) باب سجود السہو

اگر سری نماز میں اکثر فاتحہ کی قراءت بالجہر کی تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ یہ آپکا پہلا قول ہے۔، مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ اگر قراءت بالجہر بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ کی تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ نہیں (عنایہ)۔

(کتاب النکاح)

(۴) باب الاولیاء والاکفاء

آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح شیخین کے نزدیک ولی کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے ظاہر الروایہ یہی ہے امام محمد سے روایت ہے کہ ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے مگر بعد میں آپ نے ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح)

(۵) باب المہر)

اگر شوہر صغیر ہو یا مجنون یا بے ہوش ہو یا میاں بیوی کے پاس شوہر کی باندی موجود ہو تو یہ خلوتِ صحیحہ سے مانع نہیں مگر امام محمد نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ شوہر کا دیوانہ یا بے ہوش ہونا اور اس کی دوسری بیوی یا اس کی باندی کا وہاں موجود ہونا خلوتِ صحیحہ سے مانع ہے۔ (بدائع، فتح)

(کتاب الطلاق)

(۶) باب تعلیق الطلاق

ایک شخص نے طلاق کو معلق کرتے ہوئے وسط کلام میں حرف نداء استعمال کیا اور کہا۔ انت طالق یا زانیۃ ان دخلت الدار، تو امام محمد نے جامع میں ذکر کیا ہے کہ طلاق دخول دار پر معلق ہوگی اور وہ شخص قاذف نہ ہوگا اور نہ لعان واجب ہوگا۔ لیکن آپکا آخری قول یہ ہے کہ وہ شخص قاذف قرار دیا جائے گا اور لعان واجب ہوگا۔ (بدائع)

(۷) باب الرجعۃ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس کے مقام براز کی طرف بنظر شہوت دیکھا تو امام محمد کے پہلے قول میں اس سے رجعت ثابت ہو جائیگی مگر بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا کہ رجعت ثابت نہ ہوگی۔ (فتح، بدائع)

(۸) باب العدۃ

ایک شخص نے کہا: میں جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے اس کے بعد اس نے نکاح کیا اور عورت پر طلاق پڑ گئی۔ پھر نکاح سے چھ ماہ بعد عورت کے بچہ ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا، امام زفر فرماتے ہیں کہ نسب ثابت نہ ہوگا پہلے امام محمد بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ (بدائع)

(کتاب العتاق)

(۹) باب العبد الذی یعتق بعضہ

ایک شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تو پہلا بچہ مذکر جنے تو تو آزاد ہے باندی کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون سا بچہ پیدا ہوا تو شیخینؒ کے نزدیک نصف باندی اور نصف لڑکی آزاد ہو جائے گی اور لڑکا غلام رہے گا۔، امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے فرمایا کہ ان میں کسی کی آزادی کا فیصلہ نہ ہوگا۔ (فتح)

(کتاب الایمان)

(۱۰) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے غلام یا اس کی بیوی یا اس کے دوست سے بات نہ کروں گا اس شخص نے غلام فروخت کردیا یا عورت کو طلاق بائن دیدی یا اس کا دوست دشمن ہو گیا اور حالف نے ان سے بات کرلی تو حانث نہ ہوگا۔ امام محمد کا پہلا قول یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد یا دشمن ہو جانے کے بعد فلاں کی عورت یا اس کے دوست سے بات کی تو حانث ہو جائے گا۔ بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح)

(کتاب الوکالۃ)

(۱۱) باب عزل الوکیل

اگر وکیل پر ایک دن رات تک دیوانگی طاری رہے تو ایک روایت پر شیخین کے نزدیک وہ وکالت سے معزول ہو جائے گا۔ امام محمد کے تین قول ہیں۔ (۱) جو اوپر مذکور ہوا۔ (۲) ایک ماہ تک دیوانہ رہے تو معزول ہو جائے گا۔ (۳) ایک سال تک دیوانہ رہے تب معزول ہوگا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار)

(کتاب الدعویٰ)

(۱۲) باب مایدعیہ الرجلان

دو آدمیوں نے ایک چیز کی ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو شیخین کے نزدیک اس چیز کا حقدار سابق تاریخ والا ہوگا۔ امام محمد کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ دونوں کے لئے فیصلہ ہوگا اور تاریخ کا اعتبار نہ ہوگا۔ (نتائج)

(۱۳)...... ایک خارج شخص نے ملک مؤرخ پر بینہ قائم کیا اور قابض نے ثابت کیا کہ میں اس تاریخ سے پہلے ہی اس کا مالک ہو چکا ہوں تو شیخین کے نزدیک قابض کا بینہ مقبول ہوگا۔ امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ وقال لا اقبل من ذی الید بینۃ (ہدایہ، عنایہ، نہایہ، نتائج الافکار، معراج)

(کتاب الاقرار)

(۱۴)...... بائع نے اولاً اقرار کیا کہ میں نے ثمن پر قبضہ کر لیا تھا بعد میں کہتا ہے کہ میں نے قبضہ نہیں کیا تھا یا اولا کسی شئے کی فروختگی کا اقرار کیا اس کے بعد کہتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے یا کسی مقروض نے اقرار کیا کہ میں نے قرض پر قبضہ کرایا تھا اس کے بعد کہتا ہے میں نے جھوٹ بولا تھا تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان سب صورتوں میں مقر کی تصدیق کی جائے گی۔ اور مقر لہ سے قسم لی جائے گی۔ طرفین کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی۔ مگر بعد میں امام محمد نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (بحر)

(کتاب الاجارۃ)

(۱۵) باب الاجر متی یستحق

اگر اجرت میں کوئی معین شئے ہو تو اس میں نفس عقد سے تملک ثابت نہیں ہوتا اور اگر اجرت دین ہو تو نفس عقد سے تملک ثابت ہو جاتا ہے یہ امام محمد کا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ استیفاء منفعت سے پیشتر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا اجرت عین ہو یا دین (نہایہ) حاشیہ چلپی)۔

(۱۶) باب ضمان الاجیر

ایک شخص نے گھی کی مشکیزہ منتقل کرنے کے لئے ایک حمال کو اجرت پر لیا اور حمال کے سر پر رکھنے کے لئے دونوں نے اٹھائی مشکیزہ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گھی گر گیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک حمال ضامن نہ ہوگا اور اگر حمال اس کے گھر تک لے آیا اور دونوں نے مل کر سر سے اتاری اور پھر گھی گر گیا تو حمال ضامن ہوگا۔ امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم ضمان کی طرف رجوع کر لیا۔

(بدائع، شامی)

(کتاب المزارعۃ)

(۱۷)......اگر عقد مزارعت میں عاقدین کی جانب سے تبن (بھوسہ) کے متعلق سکوت ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک عقد فاسد ہے۔ امام محمد کے نزدیک جائز۔ (اس صورت میں بھوسہ بیج والے کا ہوگا) مگر بعد میں آپ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (بدائع)

(کتاب الکراھیۃ)

(۱۸) فصل فی الاستبراء

خرید کردہ باندی کے ساتھ وطی جائز ہونے کے لئے استبراء رحم ضروری ہے اگر باندی ذوات الحیض میں سے ہو تو استبراء رحم حیض کے ذریعہ سے ہوگا اور ذوات الاشہر میں سے ہو تو استبراء رحم مہینوں کے ذریعہ سے ہوگا اور اگر اس کا طہر ممتد ہو جائے تو امام محمد کا پہلا قول یہ ہے کہ دس دن چار ماہ انتظار کرے آخری قول یہ ہے کہ پانچ دن دو ماہ انتظار کرے۔ (شامی)

وہ مسائل جن میں امام محمد سے رجوع مرتین ثابت ہے۔

(۱۹)......قاضی نے ایک شخص سے کہا کہ میں نے فلاں شخص پر رجم یا قطع ید کا فیصلہ کر دیا سو تو اس کو سنگسار کر دے یا اسکا ہاتھ کاٹ دے، تو اس شخص کے لئے تعمیل کی گنجائش ہے یعنی وہ اس کا ہاتھ کاٹ سکتا ہے مگر امام محمد نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ جب تک وہ شخص حجت ثبوت کا معائنہ نہ کر لے اس وقت تک اس کے لئے اقدام جائز نہیں۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے لیکن اس کے بعد پھر امام محمد نے شیخین کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ قال صاحب البحر لکن رایت بعد ذلک فی شرح ادب القضاء للصدر الشهيد انه صح رجوعه، الی قول ابی حنیفة وابی یوسف رواه ہشام عنہ۔ (ہدایہ عنایہ، فتح القدیر، بحر رائق، شامی)

(۲۰)......ایک شخص نے کسی ایسی چیز کا اقرار کیا جس سے اس کا رجوع کرنا صحیح نہیں جیسے بیع اور قرض وغیرہ اور ایک قاضی نے دوسرے قاضی کو اس کے اقرار کی خبر دی تو شیخین کے نزدیک قاضی کی خبر قبول کی جائے گی۔ امام محمد کا بھی پہلا قول یہی ہے لیکن آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ جب تک قاضی کے ساتھ کوئی دوسرا شاہد گواہی نہ دے اس وقت تک قاضی کی خبر مقبول نہ ہوگی اس کے بعد پھر آپ نے شیخین کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (شامی)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انمول موتی

صاحب کتاب نے اپنی اس مختصر میں دو باتوں کا خاص اہتمام کیا ہے اول یہ کہ اس میں بالالتزام وہی مسائل ذکر کئے ہیں جو ائمہ احناف سے ظاہر الروایہ ہیں قال صاحب البحر فی ذیل مسئلة " فما کان ینبغی للمؤلف ذکرہ فی المتن لانه موضوع لظاهر الروایة اھ" (بحرص نمبر ۷/۲۳۲)

دوم یہ کہ اس میں زیادہ تر ائمہ ثلاثہ کے وہی اقوال لئے ہیں جو مفتی بہا ہیں مگر کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو غیر ظاہر الروایہ اور غیر مفتی بہا ہیں) لیکن وہ کون کون سے مسائل ہیں جن کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا جاسکے کہ یہ غیر ظاہر الروایہ ہیں اور یہ غیر مفتی بہا ہیں۔ یہ مسئلہ نہایت اہم اور دقت طلب ہے کیونکہ نہ اس کے متعلق کسی شرح میں تعرض ہے اور نہ حواشی میں اسکی نشاندہی ہے بجز چند مسائل کے جن کے متعلق ارباب حواشی نے مختلف مقامات میں کہا ہے کہ یہ غیر ظاہر الروائیہ یا غیر مفتی بہا ہیں۔ میں فن فقہ سے گو تہی مایہ ہوں اور میرا مطالعہ بھی نہایت محدود مطالعہ ہے تاہم میں نے اپنی وسعت کے مطابق بڑی کاوش اور نہایت عرق ریزی کے بعد صدہا کتب فقہیہ کے مطالعہ سے وہ مسائل ترتیب کے ساتھ مع حوالجات جمع کئے ہیں جو غیر ظاہر الروایہ یا غیر مفتی بہا ہیں بغرض افادہ ہدیہ ناظرین ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ مجھے اپنی کوتاہ نظر کا اعتراف ہے اس لئے یہ میری نظر آخری نظر قرار نہیں دی جاسکتی۔ بہت ممکن ہے کسی مسئلہ سے میری نظر چوک گئی ہو، پس معدودہ مسائل کے علاوہ جملہ مسائل کتاب کو مفتی بہا سمجھ کو معمول بہا خیال کر لینا زیبا نہیں بلکہ کسی جید عالم اور ماہر فن مفتی کی طرف مراجعت ضروری ہے۔

کنز الدقائق اور اس کے غیر ظاہر الروایہ مسائل

(کتاب الطهارة)

(۱) ومسح ربع راسه

الخ صفحہ نمبر ۱/۷۸ مسح راس میں چوتھائی سر کی مقدار غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ میں ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

(عنایہ ص ۱/۱۱)

(۲) کالتسمیة

الخ ص ۱/۷۹ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے یا مستحب؟ امام طحاوی اور دیگر متاخرین فقہاء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مسنون ہے لیکن صاحب ہدایہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (شامی ص ۱/۷۸)

(۳) لا ببعر فی ابل

الخ ۱/۹۲ کنویں میں ایک دو مینگنی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا مصنف نے اس کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ خشک ہو یا تر ٹوٹی ہو یا صحیح سالم بہر صورت یہی حکم ہے مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ رطب اور منکسر، لید اور گوبر مفسد ماء ہے۔

(فتح القدیر ص ۱/۹۹)

(۴) والعرق کالسور

الخ صفحہ ۱/۹۵ یعنی ہر جانور کے پسینہ کا وہی حکم ہے جو اس کے جھوٹے کا حکم۔ اس تعمیم سے گدھے کا پسینہ مشکوک ہوا کیونکہ بقول جمہور گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن فتاوی قاضی خان میں ہے کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے گدھے کا پسینہ پاک ہے۔

(شامی (ص ۱/۱۵۹)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۵) باب سجود السہو) وہو الیہ اقرب

الخ ص ۱/۱۶۲ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ بھول جائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ اقرب الی القعود ہے یا اقرب الی القیام۔ اگر اقرب الی القعود ہو تو اس کو بیٹھ جانا چاہئے اس صورت میں سجدۂ سہو نہ ہوگا اور اگر اقرب الی القیام ہو تو کھڑا ہو جانا چاہئے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور سیدھا کھڑا ہو گیا ہو تو نہ بیٹھے۔

(شامی ص ۱/۵۳۲)

(۶) باب صلوٰۃ المریض) والآخرت

الخ ص ۱/۱۶۴ اگر بیمار آدمی اشارہ سے بھی عاجز ہو جائے تو اسکے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی ہاں مؤخر ہو جائے گی۔ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عجز ایک دن رات سے زائد ہو تب بھی نماز ساقط نہ ہوگی ہاں مؤخر ہو جائے گی۔ لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ زائد ہونیکی صورت میں نماز ساقط ہو جائے گی، صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اور قاضی خاں، صاحب محیط، شیخ الاسلام، فخر الاسلام وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے (شامی ص ۱/۵۳۳)

(۷) باب صلوۃ المسافر) بخلاف اہل الاخبیۃ

الخ ص ۱/۱۶۸ اگر اہل اخباء جنگل میں اقامت کی نیت کریں تو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ نیت صحیح ہے وہ مقیم ہو جائیں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے جنگل میں نیت اقامت صحیح نہیں۔

(فتح و عنایہ ص ۱/۳۹۸)

(۸) (باب صلوۃ الجمعۃ) والاذن العام

الخ ص ۱/۱۷۲ جمعہ کے لئے اذن عام کا شرط ہونا نوادرات میں سے ہے۔ ظاہر الروایہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی یہ شرط ذکر نہیں کی۔ بحر ص ۲/۱۶۳، شامی ص ۱/۵۷۰)

(۹) باب الجنائز) بثناء بعد الاولیٰ

الخ ص ۱/۱۸۸ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھنا غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ میں الحمد پڑھنا بھی مذکور ہے۔ (عنایہ ص ۱/۴۵۹)

(کتاب الصوم)

(۱۰) باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ) بدواء وصل الٰی جوفہ

الخ ص ۱/۲۲۳ اگر روزے دار نے دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ دوا خشک ہو یا تر، مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے خشک اور تر دوا میں فرق ہے واکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول۔
(فتح ص ۲/۲۴۷، عنایہ ۲/۲۷۳)

(۱۱) فصل فی العوارض) وللمتطوع بغیر عذرٍ

الخ ص ۱/۲۲۶ بلا عذر نفلی روزہ افطار کرنے کا جواز غیر ظاہر الروایہ میں ہے۔ ظاہر الروایہ میں بلا عذر افطار جائز نہیں۔
(فتح ۲/۸۶، بحر ص ۲/۳۰۹، مجمع الانہر ص ۱/۲۵۲)

(۱۲) باب الاعتکاف فی مسجد بصوم

الخ ص ۱/۲۲۹ بصوم سے شرط صحت اعتکاف کی طرف اشارہ ہے خواہ اعتکاف نفلی ہو یا واجب۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے۔ ظاہر الروایہ میں نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں (فتح ص ۲/۱۰۷، عنایہ ص ۲/۱۰۹)

(کتاب النکاح)

(۱۳) فصل فی الاکفاء) وحرفۃً

الخ ص ۱/۲۸۹ کفاءت کے سلسلہ میں حرفت اور پیشہ کا اعتبار غیر ظاہر الروایہ میں ہے۔ ظاہر الروایہ میں اس کا اعتبار نہیں۔
(فتح القدیر ۲/۴۲۴)

(کتاب الطلاق)

(۱۴) باب النفقۃ) بقدر حالہما

الخ ص ۱/۳۶۹ شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے جس میں دونوں کی حالت کا اعتبار ہے یعنی دونوں مالدار ہوں تو مالداری کا نفقہ واجب ہوگا اور دونوں تنگدست ہوں تو ناداری کا نفقہ واجب ہوگا اور صرف شوہر یا صرف بیوی مالدار ہو تو درمیانی قسم کا نفقہ واجب ہوگا۔ لیکن ظاہر الروایہ میں صرف شوہر کا حال معتبر ہے۔ (فتح وعنایہ ص ۳/۳۲۲، شامی ص ۲/۱۱۴۱ وص ۲/۶۶۳)

(کتاب الایمان)

(۱۵) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام) حلف لایتکلم فقرأ القرآن

الخ ص ۱/۳۹۴ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کلام نہ کروں گا پھر اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی یا تسبیح پڑھی تو حانث نہ ہوگا خواہ نماز میں پڑھے یا نماز سے باہر پڑھے مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر نماز سے باہر پڑھے گا تو حانث ہو جائے گا۔
(درمختار وشامی ص ۳/۱۰۷)

(کتاب الحدود)

(۱۶) باب قطع الطریق) اوقطع الطریق لیلاً او نہاراً

الخ ص ۱/۴۳۱ اگر کوئی شخص رات میں راہزنی کرلے خواہ ہتھیار کے ساتھ ہو یا بلا ہتھیار ہو یا دن میں ہتھیار کیساتھ راہزنی کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک حد جاری ہوگی۔ مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ میں حد جاری ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ راہزنی بقدر مسافت سفر یہ آبادی سے دور جنگل میں ہو۔ (شامی ص ۳/۲۱۹)

(کتاب السیر)

(۱۷) باب الغنائم وقسمتہا) والفداء

الخ ص ۱/۴۳۶ قبل از تمامی جنگ مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنے کے جواز عدم جواز میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں۔ مصنف نے عدم جواز کو لیا ہے۔ جو غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ فداء اسیر مسلم جائز ہے۔ سیر کبیر میں اسکی تصریح موجود ہے، صاحبین کا قول اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۷۷ در المنتقی ص ۱/۶۴۹، مجمع الانہر ص ۱/۶۴۹، فتح وعنایہ ۴/۳۰۶، شامی ۳/۲۳۶)

(۱۸) فصل فی الجزیہ) وراہب لایخالط

الخ س ۱/۴۵۰ راہب پر جزیہ کا نہ ہونا غیر ظاہر الروایہ ہے، ظاہر الروایہ میں جزیہ ہے جبکہ وہ عمل پر قادر ہو۔

(ہدایہ ص ۱/۵۷۶، غایۃ الاوطار ۲/۵۰۳ مجمع الانہر ص ۱/۶۸۰، شامی ۳/۲۷۷)

۱۹) باب المرتدین) ویحبس ثلاثۃ ایام

الخ ۱/۴۵۲ مصنف نے سہ روزہ حبس کو مطلق رکھ کے یہ بتایا ہے کہ تین روز کی مہلت دینا مستحب ہے خواہ مرتد طلب کرے یا نہ کرے یہ شیخین سے ایک روایت ہے۔ ظاہر الروایہ ہے کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور مہلت نہ دی جائے گی الا یہ کہ وہ مہلت طلب کرے، واذا استمہل فظاہر المبسوط الوجوب (فی الامہال) وعن الامام الاستحباب مطلقاً

(شامی ۴/۲۹۴، بحر ۵/۱۳۵، ہدایہ ص ۱/۵۸۰، مجمع الانہر ص ۱/۶۸۸)۔

(کتاب اللقطۃ)

(۲۰) وعرف الی ان علم

الخ ص ۱/۴۵۸ پڑی ہوئی چیز پانے کا مفتی بہ حکم تو یہی ہے کہ اتنے روز تک اعلان کرے جس میں غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک اس کو تلاش نہ کرتا ہوگا، لیکن ظاہر الروایہ میں اس کی مدت ایک سال ہے خواہ وہ شئی کم ہو یا زائد

(بحر ص ۵/۱۲۴، فتح وعنایہ ص ۴/۴۲۵، شامی ص ۳/۳۲۹)

(کتاب المفقود)

(۲۱) وحکم بموتہ بعد تسعین سنۃ

الخ ص ۱/۶۰ ۹۰ سال کے بعد مفقود کی موت کا حکم لگانا گو مفتیٰ بہ ہے لیکن خلاف مذہب ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جب اس کے ہم عصر لوگ ختم ہو جائیں تب اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا۔ (ہدایہ ص ۱/۶۰۲، شامی ص ۳/۳۴۱، مجمع الانہر ۱/۷۲۱)

(کتاب الشرکۃ)

(۲۲) بغیر النقدین والتبر

الخ ص ۱/۶۲ شرکت مفاوضہ وشرکت عنان دراہم ودنانیر، پکی چاندی، غیر مسکوک سونے اور مروجہ پیسوں کیساتھ صحیح ہے انکے علاوہ کیساتھ صحیح نہیں۔ لیکن جامع صغیر میں ہے کہ پکی چاندی اور غیر مسکوک سونے کے ساتھ بھی صحیح نہیں مبسوط میں ہے کہ ظاہر الروایہ یہی ہے۔ (ہدایہ ص، فتح وعنایہ ص ۵/۱۶)

(۲۳) وخلاف الجنس

الخ ص ۱/۶۲ مصنف نے شرکتِ عنان میں اسکی تصریح کی ہے کہ اگر راس المال مختلف الجنس ہو تو شرکت عنان صحیح ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر شرکتِ مفاوضہ میں راس المال مختلف الجنس ہو تو شرکت صحیح نہ ہوگی مگر یہ شیخین سے ایک روایت ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ بھی صحیح ہے بشرطیکہ دونوں کے مال قیمتاً برابر ہوں، کذا فی القہستانی (مجمع الانہر ص ۱/۷۳۰)

(کتاب البیوع)

۲۴) والزیادۃ فیہ

الخ ۲/۹ ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ خواہ مبیع قائم ہو یا تلف ہو۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کے بعد ثمن میں اضافہ کرنا جائز نہیں۔ (ہدایہ ۲/۶۰، مجمع ۲/۸۱، بحر ۶/۱۳۰، فتح وعنایہ ۵/۲۷۲، شامی ص ۴/۱۷۴)

(کتاب القضاء)

(۲۵) فصل فی الحبس) واذا ثبت الحق للمدعی

ص ۲/۱۰۱ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ کو اس کا حق دینے کا حکم کرے اگر وہ دیدے تو فبہا ورنہ اس کو قید کر دے خواہ مدعی کا حق بذریعہ بینہ ثابت ہوا ہو یا بذریعہ اقرار، یہ ایک روایت ہے جس کو علامہ زیلعی نے مستحسن کہا ہے ظاہر الروایہ میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر مدعی کا حق بینہ کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو قاضی فوراً قید کر دے اور اگر اقرار سے ثابت ہوا ہو تو اسکو دینے کا حکم کرے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو قید کرا دے۔ ہذا ہو مختار الہدایہ والوقایۃ والمجمع (درمختار وشامی ۴/۳۲۸)

(۲۶) والمہر المعجل

الخ ص ۲/۱۰۱ دین مہر اور دین کفالہ کے عوض میں قید کرنا غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے اعتبار سے ان کے عوض میں قید نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی انفع المسائل عن المبسوط (شامی ص ۴/۳۳۰)

(۲۷) باب كتاب القاضى الى القاضى) ويكتب القاضى

الخ ص ۲/۱۰۳ اعیان منقولہ واعیان غیر منقولہ اور ہر اس حق میں ایک قاضی کا دوسرے قاضی کے پاس خط لکھنے کا جواز جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہو خلاف ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے اعیان منقولہ میں خط لکھنا جائز نہیں۔
(بحر ص ۷/۱، مجمع الانہر ص ۲/۱۶۵، شامی ص ۴/۳۶۵)

(كتاب الوكالة)

(۲۸) باب الوكالة بالخصومة والقبض) لايملك القبض

الخ ص ۲/۱۵۴ تقاضے اور خصومت کے وکیل کا مالک قبض نہ ہونا امام زفر کے قول پر ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ وہ قبضہ کا بھی مالک ہوتا ہے۔ (ہدایہ ص ۲/۱۷۸، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۴۷، بحر ص ۷/۱۹۴، مجمع الانہر ص ۲/۲۴۲، نتائج ص ۱/۹۸)

(كتاب الدعوىٰ)

(۲۹) لا بطلاق وعتاقٍ الا اذا الحّ الخصم

الخ ۲/۱۶۵ مدعی کے اصرار پر طلاق وعتاق کی قسم لینا غیر ظاہر الروایہ بلکہ قول ضعیف پر مبنی ہے **في البحر فماكان ينبغي للمؤلف ذكره في المتن لانه موضوع لظاهر الرواية مع انه ضعيف ايضًا، وفي الخانية وان ارادالمدعي تحليفه باالطلاق و العتاق في ظاهر الرواية لايجيبه الى ذالك لان التحليف بالطلاق و العتاق حرام و منهم من جوزهٔ في زماننا والصحيح مافي ظاهر الرواية اه** (بحر ص ۷/۲۳۲، مجمع الانہر ص ۲/۲۵۹، نتائج الافکار ۱/۱۷۵)

(كتاب الاجارة)

(۳۰) باب الاجارة الفاسدة) وكل شهر سكن ساعةً

الخ ۲/۲۳۸ اگر چند مہینوں کے لئے مکان کرایہ پر دیا اور کل مہینے بیان کر دیئے تو عقد صحیح ہے۔ اب جس مہینے کے شروع میں مستاجر ایک ساعت ٹھہرے گا اس میں بھی عقد لازم ہو جائے گا پس موجر مستاجر کو اس مکان سے نہیں نکال سکتا مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ہر ماہ کے شروع میں ایک دن رات تک اختیار ہوگا۔ (ہدایہ، نتائج الافکار وعنایہ ص ۷/۱۷۶، شامی ص ۵/۳۳)

(كتاب الاضحية)

(۳۱) ومقطوع اكثر الاذن

الخ ۲/۳۲۸ مفتی بہ تو یہی ہے کہ اکثر عضو کٹا ہو تو قربانی نہیں مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر تہائی سے زائد کٹا ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ (کذا فی البدائع (شامی ص ۵/۲۱۳)

(كتاب احياء الموات)

(۳۲) ولا يجوز احياء ما قرب من العامر

الخ ۲/۳۴۱ قرب کا اعتبار امام ابو یوسف کے قول پر مبنی ہے۔ ظاہر الروایہ میں حقیقت انتفاع کا اعتبار ہے قریب ہو یا بعید۔ یعنی اگر اہل قریہ اس سے نفع نہ اٹھاتے ہوں تو موات ہے ورنہ نہیں (غایۃ الاوطار ص ۴/۲۴۶، مجمع الانہر ۲/۵۵۷، شامی ص ۵/۲۸۷)

(کتاب الرھن)

(۳۳) باب الرہن یوضع علی ید عدل) اجر الوکیل علی بیعہ

الخ ص ۲/۳۶۵ اگر عقد رہن کے بعد وکالت کی شرط لگائی گئی اور راہن غائب ہو تو وکیل کو مرہون کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ قہستانی نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ زیلعی اور ذخیرہ وغیرہ میں بھی یہی ہے لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے، ظاہر الروایہ میں وکیل کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ذکرہ العلامۃ السرخسی فی المبسوط۔

(مجمع الانہر ص ۲/۶۰۲، غایۃ الاوطار ۴/۲۹۱، عنایہ ص ۸/۲۲۲)

(کتاب الجنایات)

(۳۴) فصل فی الشجاج) ولا قصاص فی غیر الموضحۃ

الخ ص ۲/۳۹۳ موضحہ کے علاوہ باقی زخموں میں قصاص کا نہ ہونا حسن کی روایت ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سمحاق میں بھی قصاص ہے۔ بعض حضرات نے اسی کو اصح کہا ہے۔

(ہدایہ ص ۳۴۸، عنایہ ص ۸/۳۱۲، مجمع الانہر ودر المنتقی ص ۲/۶۴۲، غایۃ الاوطار ص ۴/۳۴۹)۔

(کتاب الوصایا)

(۳۵) من وقت الوصیۃ الخ

اگر کسی نے حمل کی یا حمل کے لئے وصیت کی تو وصیت صحیح ہے بشرطیکہ حمل وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم ماہ میں پیدا ہو مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ میں موصی کی موت سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہونا معتبر ہے۔ کذا فی البدائع

(نتائج الافکار ص ۲/۴۳۶)

کنز الدقائق اور اس کے غیر مفتی بہا مسائل

(مسائل جلد اول)

(کتاب الطھارۃ)

(۱) ومباشرہ فاحشۃ

الخ ص ۱/۸۴ شیخین کے نزدیک مباشرۃ فاحشہ ناقض وضو ہے۔ صاحب تحفہ نے اسی کی تصحیح کی ہے اور یہی متون میں مذکور ہے۔ امام محمد صاحب کے یہاں ناقض وضو نہیں ہے تاوقتیکہ مذی وغیرہ خارج نہ ہو۔ صاحب حقائق نے اس کی تصحیح کی ہے۔ قال الشامیؒ فی شرح الشیخ اسماعیل عن شرح البرجندی واکثر الکتب متظافرۃ علی ان الصحیح المفتی بہ قول محمد

(شامی ص ۱/۱۰۳)

(۲) ونجسہا مذ ثلث

الخ ص ۱/۹۴ کنویں میں مرا ہوا جانور ملا اور یہ معلوم نہیں کہ کب گرا ہے سو اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا ہو تو تین دن تین رات سے کنوئیں کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر پھولا یا پھٹا ہوا نہ ہو تو ایک دن ایک رات سے ناپاک کہا جائے گا۔ یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے جو بتصریح صاحب بدائع مبنی بر استحسان ہے، برہان، نسفی، صدر الشریعۃ، موصلی نے اسی کو لائق اعتماد کہا ہے، لیکن صاحب جوہرہ نے کہا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ جب سے جانور کو دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنواں ناپاک مانا جائے گا، علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں فتاوی عتابی سے نقل کیا ہے کہ صاحبین ہی کا قول مختار ہے (شامی ۱/۱۵۳)

(۳) باب التیمم) وخوف فوت صلوٰۃ جنازۃ

الخ ص ۱/۱۰۰ نماز جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمم جائز ہے خواہ ولی جنازہ وہی ہو یا کوئی اور ہو ظاہر الروایہ یہی ہے لیکن حضرت حسن کی روایت میں جواز تیمم اس وقت ہے جب ولی جنازہ کوئی اور ہو صاحب ہدایہ، خانیہ، کافی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔
(فتح القدیر و عنایہ ص ۱/۹۶ وفی البرہان ان روایۃ الحسن ہہنا احسن اھ۔ شامی ص ۱/۱۶۹)۔

(۴) باب المسح علی الخفین) ویمسح علی کل العصابۃ

الخ ۱/۱۰۳ مسح جبیرہ کے متعلق صاحب خلاصہ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ (۱) استیعاب شرط ہے (۲) اکثر پر مسح کافی ہے، فتوی اسی پر ہے، قال المصنف فی الکافی "ویکتفی بالمسح علی اکثر ھافی الصحیح" (بحر ص ۱/۱۹۰، مجمع الانہر ص ۱/۵۱)

کتاب الصلوٰۃ

(۵) وہو البیاض

الخ ۱/۱۱۸ امام صاحب کے نزدیک مغرب کا وقت شفق ابیض تک رہتا ہے اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر تک، مجمع، نقایہ، وقایہ، درر، اصلاح، درر البحار، امداد، مواہب، برہان وغیرہ میں تصریح ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۱/۲۵۲)

(۶) باب صفۃ الصلوٰۃ) وکرہ باحدہما

الخ ص ۱/۱۳۶ امام صاحب کے نزدیک سجدہ کرتے وقت ناک پر اکتفا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، مجمع، شروح مجمع، وقایہ، شروح وقایہ، جوہرہ، عینی، بحر، نہر وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۱/۳۵۰)

(۷) باب صلوٰۃ المریض) والا اخرت

الخ ص ۱/۱۶۴ اگر بیمار آدمی اشارہ سے بھی نماز ادا نہ کر سکے تو نماز ساقط نہ ہوگی البتہ مؤخر کر دی جائے گی خواہ عجز شب و روز سے زائد ہو یا کم، لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ اگر عجز شب و روز سے زائد ہو تو نماز ساقط ہو جائے گی۔ (شامی ص ۱/۵۳۳)

(۸) باب صلوٰۃ العیدین) وسن بعد فجر عرفۃ الی ثمان

الخ ص ۱/۱۷۶ امام صاحب کے نزدیک تکبیرات تشریق آٹھ نمازوں تک ہیں صاحبین کے نزدیک تیرھویں کی عصر تک ہیں اسی پر فتوی ہے۔ (درمختار و شامی ص ۱/۵۸۸)

(۹) باب صلوٰۃ الاستسقاء) لاقلب رداء

الخ ص ۱/۱۸۰ امام محمد کے نزدیک نماز استسقاء میں قلب رداء ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔
(شامی ص ۱/۵۹۲، غایۃ الاوطار ص ۱/۳۹۴)

(کتاب الزکوٰۃ)

(۱۰) باب المصرف) وصح غیرہا

الخ ص ۱/۲۱۰ طرفین کے نزدیک ذمی کو زکوۃ کے علاوہ دیگر واجبات (صدقہ فطر، طعام، کفارات وغیرہ کو دینا صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح نہیں۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ (شامی ص ۲/۶۹ وص ۲/۲۲۰)

(۱۱) باب صدقۃ الفطر) اوزبیب

الخ ص ۱/۱۱ امام صاحب کے نزدیک کشمش میں صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہے اور صاحبین کے نزدیک ایک صاع ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۱/۴۸۹)

(کتاب الصوم)

(۱۲) والا فجمع عظیم

الخ ص ۱/۱۱۷ اگر مطلع صاف ہو تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے جماعت عظیمہ کی شہادت ضروری ہے لیکن امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف دو آدمیوں کی شہادت کافی ہے۔ آج کل فتویٰ کے لئے یہی روایت متعین ہے۔ (شامی ۲/۹۵)

(۱۳) فصل وللمتطوع بغیر عذر فی روایۃ

الخ ص ۱/۲۲۶ کافی وغیرہ میں ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ متطوع کے لئے بلا عذر افطار جائز نہیں۔ (فتح القدیر ص ۲/۸)

(کتاب الحج)

(۱۴) فصل) ضمن مرسلہ

الخ ص ۱/۲۶۲ ایک شخص نے شکار پکڑا اس کے بعد احرام باندھ لیا اور کسی دوسرے شخص نے اس کا شکار چھوڑ دیا تو امام صاحب کے نزدیک مرسل ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا، صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے۔ لہذا فتوی اسی پر ہونا چاہئے کیونکہ فتوی استحسان پر ہوتا ہے، بجز چند مسائل کے جو اس سے مستثنی ہیں اور یہ ان میں سے نہیں ہے (کذافی البحر (شامی ص ۲/۲۲۸)

(کتاب النکاح)

(۱۵) فصل فی المحرمات) ولہ وطی امرأۃ

الخ ص ۱/۲۸۴ حکم جواز وطی امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک اسکی گنجائش نہیں اسی پر فتوی ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۲، بحر ۳/۱۱۶)

(۱۶) باب الاولیاء والاکفاء) نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی

الخ ص ۱/۲۸۵ اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت بلا اجازت ولی نکاح کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الاطلاق جائز ہے۔ ظاہر المذہب یہی ہے لیکن حضرت حسن کی روایت یہ ہے کہ غیر کفوء میں جائز نہیں اسی پر فتوی ہے۔ بشرطیکہ اسکے ولی کو غیر کفوء کے ساتھ نکاح کرنے پر اعتراض نہ ہو۔ (درمختار و شامی ص ۲/۳۰۵)

(۱۷) والقول لہا ان اختلفا فی السکوت

الخ ص ۱/۲۸۸ زوجین میں اختلاف ہوا شوہر نے کہا کہ تو نکاح کی اطلاع پانے پر خاموش رہی تھی، بیوی نے کہا میں نے انکار کردیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ امام صاحب کے یہاں بلاقسم اور صاحبین کے یہاں قسم کے ساتھ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار و شامی ص ۲/۳۱۱)

(۱۸) ولا بعد التزوج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر

الخ ص ۱/۲۸۸ مقدار غیبت میں مختلف اقوال ہیں بعض میں مسافت قصر یہ پر فتوی ہے اور بعض میں اس پر کہ اگر ولی قریب اتنی دور ہو کہ اگر اس کی رائے حاصل کی جائے یا اس کے آنے کا انتظار کیا جائے تو کفوء فوت ہوجائے۔ صاحب بحر نے اسی کو ترجیح دی ہے (درمختار و شامی ص ۲/۳۲۳)

(۱۹) فصل فی الاکفاء) ودیانۃ

الخ ص ۱/۱۸۹ شیخین کے نزدیک دینداری میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے۔ امام محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں الا یہ کہ لوگ اس سے ٹھٹھا کرتے ہوں، فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے کذا فی التاتارخانیہ والمقدسی والمحیط۔ (فتح القدیر ص ۱/۴۲۳، شامی ص ۲/۳۲۸)

(۲۰) باب المہر) وتعلیم القرآن

الخ ص ۱/۲۹۲ فتح القدیر میں ہے کہ مفتی بہ قول پر تعلیم قرآن کا مہر ہونا صحیح ہے (غایۃ الاوطار ص ۲/۴۴)

(۲۱) فالقول لورثتہ

الخ ص ۱/۲۹۶ اگر زوجین کی موت کے بعد مہر کی مقدار میں اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک ورثہ زوج کا قول معتبر ہوگا اور اصل مہر میں اختلاف ہو تو منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا فتوٰی اسی پر ہے۔
(بحر ص ۲/۱۹۷، در ص ۱/۳۴۸، غایۃ الاوطار ص ۲/۵۸)

(کتاب الطلاق)

(۲۲) باب تفویض الطلاق وقع الثلاث بلانیۃ

الخ ص ۱/۳۲۴ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن ہوگی۔ مفتی بہ یہی ہے۔
(بحر ص ۳/۳۳۹، غایۃ الاوطار ص ۲/۱۳۰)

(۲۳) باب الایلاء) وکذب ان نوی الکذب

الخ ص ۱/۳۴۲ کسی نے اپنی بیوی سے کہا: انت علی حرام اور اس سے جھوٹ کا ارادہ کیا تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے اسکی تصدیق کی جائے گی لیکن فتوی اس پر ہے کہ قضاءً اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ (فتح القدیر ص ۳/۱۹۷، درمختار و شامی ص ۲/۵۶۸)

(۲۴) باب الخلع) انت طالق وعلیک الف

الخ ص ۱/۳۴۴ امام صاحب کے نزدیک طلاق اور آزادی بلا بدل واقع ہوگی بیوی اور غلام قبول کرے یا نہ کرے، صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر انہوں نے قبول کرلیا تو طلاق اور آزادی واقع ہوگی اور مال بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، حاوی قدسی میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/۱۸۳)

(۲۵) باب العنین) وقلن بکر خیرت

الخ ص ۱/۳۵۶ ظاہر الروایہ میں عورت کا اختیار مجلس پر موقوف نہیں مصنف نے اسی کو لیا ہے مگر فتوی اس پر ہے کہ اختیار مجلس پر موقوف رہے گا۔ کذا فی البحر والمحیط والواقعات۔ (شامی ص ۲/۶۱۲)

(۲۶) باب الحضانۃ) وبہا حتی تحیض

الخ ص ۱/۳۶۸ ماں اور دادی کے پاس لڑکی کا بلوغ تک رہنا ظاہر الروایہ ہے فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ جب وہ قابلِ شہوت ہو چلے تو باپ کی پرورش میں رہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۴۹، بحر ص ۴/۱۸۴، درر ص ۱/۴۱۲، مجمع الانہر ص ۱/۴۹۰، درمختار وشامی ص ۲/۶۹۸)

(۲۷) باب النفقۃ) ومریضۃ لم تزف

الخ ص ۱/۳۶۹ اگر عورت بیمار ہو اور ابھی شوہر کے گھر نہ آئی ہو تو اس کو نفقہ نہ ملے گا فتوی اس پر ہے کہ اگر عورت شوہر کی طلب پر خود کو نہ روکے تو نفقہ ملے گا خواہ شوہر کے گھر آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ (شامی ص ۲/۶۶۵)

(۲۸) ولا تجبر امہ لترضع

الخ ص ۱/۳۷۲ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا گو دودھ پلانے کے لئے وہی متعین ہو بایں طور کہ اسکے علاوہ کوئی اور دودھ پلانے والی عورت نہ ملے یا بچہ کسی اور عورت کی پستان قبول نہ کرے لیکن فتوی اس پر ہے کہ متعین ہونے کی صورت میں دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا کذافی الخانیہ والمجتبیٰ وفی فتح القدیر ھو الاصوب۔

(درمختار وشامی ص ۲/۶۹۳)

(۲۹) والامر بیعہ

الخ ص ۱/۳۷۲ غلام کا نفقہ آقا پر واجب ہے۔ اگر وہ نہ دے تو غلام اپنی کمائی میں سے خرچ کرے اور اگر وہ کمانے سے عاجز ہو تو امام صاحب کے نزدک قاضی آقا کو حکم کرے گا کہ غلام بیچ ڈال۔ صاحبین کے نزدیک حکم کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی خود ہی فروخت کر دیگا، فتوی اسی پر ہے۔ (درمختار وشامی ۲/۷۰۶)

(کتاب العتاق)

(۳۰) باب العبد یعتق بعضہ) لا الوطی

الخ ص ۱/۳۷۸ دو باندیوں میں سے ایک کو غیر معین طور پر آزاد کیا پھر ایک سے وطی کی تو امام صاحب کے نزدیک یہ وطی عتق مبہم کا بیان ہے اور ان دونوں کے ساتھ وطی کرنا بھی حلال ہے۔ صاحبین کے نزدیک دوسری باندی آزاد ہو جائے گی اور اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہ ہوگا فتویٰ اسی پر ہے۔ کذافی الطحطاوی۔

(ہدایہ ۱/۴۴۵، بحر ص ۴/۲۷۰، مجمع الانہر ص ۱/۵۳۲، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۰۶، شامی ص ۳/۲۴)

(۳۱) ولو شہدا انہ حر

الخ ص ۱/۳۷۸ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنی دو باندیوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو گواہی عتق مبہم پر ہے جو امام صاحب

کے یہاں مسموع نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک عتق مبہم محرم شرمگاہ نہیں ہے مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ اس مقام میں امام صاحب کے قول پر فتوی دینا جائز نہیں۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/۳۰۷)

(کتاب الایمان)

(۳۲) باب الیمین فی الدخول والخروج والاتیان وغیر ذلک) والواقف علی السطح داخل

الخ ص ۱/۳۹۰ یہ عربوں کے حق میں ہے اہل عجم کے عرف میں واقف سطح کو داخل دار نہیں کہتے لہذا حانث نہ ہوگا۔ فتوی اسی پر ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۳۴۶، بحر ص ۴/۳۲۷، مجمع الانہر ص ۱/۵۵۸، شامی ص ۳/۷۷)

(۳۳) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام) ولحم الخنزیر

الخ ص ۱/۳۹۲ خنزیر اور آدمی کے گوشت سے حانث ہونا کوفیوں کے عرف پر ہے۔ ہمارے یہاں ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ اسی پر فتوی ہے۔

(فتح القدیر ص ۴/۴۸، حاشیہ عنایہ ص ۴/۴۷، بحر ص ۴/۳۴۸، مجمع الانہر ص ۱/۵۴۶، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۵۷، درر ص ۲/۵۱)

(۳۴) لا العنب والرمان

الخ ص ۱/۳۹۲ امام صاحب کے نزدیک عنب و رمان اور رطب فواکہ میں داخل نہیں پس ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا فتوی اسی پر ہے۔ (شامی ص ۲/۹۷)

(۳۵) والادام ما یصطبغ

الخ ص ۱/۳۹۲ فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ سالن ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۳۶۰، بحر ص ۳/۳۵، مجمع الانہر ص ۱/۵۷۰، درر ص ۲/۵۱، شامی ص ۳/۹۷)

(۳۶) ودہر مجمل

الخ ص ۱/۳۹۵ نکرہ ہونے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک لفظ دہر کی کوئی تحدید نہیں صاحبین کے نزدیک چھ ماہ پر محمول ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔ (حاشیہ اعزاز ص ۱/۱۶۱)

(۳۷) باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج والصلوٰۃ والصوم وغیرہا) قالت تزوجت

الخ ص ۱/۴۰۱ بیوی نے کہا تو نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ شوہر نے جواب دیا۔ کل امرأۃ لی طالق تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے محلفہ عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ طلاق نہ ہوگی۔ علامہ سرخسی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ وفی جامع قاضی خان وبہ اخذ عامۃ مشائخنا، وفی شرح التلخیص قال البزدوی فی شرحہ ان الفتویٰ علیہ۔

(درمختار و شامی ص ۱/۱۲۷)

(کتاب الحدود)

(۳۸) باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ) وبالزنا بمستاجرۃ

الخ ص ۱/۴۱۱ عورت کو زنا کے لئے اجرت پر لیا تو حد واجب ہوگی یا نہیں؟ فتح القدیر میں وجوب کو ترجیح دی ہے۔

(مجمع الانہر ص ۱/۶۰۳، بحر ص ۵/۲۰، غایۃ الاوطار ص ۲/۴۱۶)

(۳۹) وبمحرم نکحها

الخ ص ۱/۴۳۱ صاحبین کے نزدیک محرمہ عورت کیساتھ نکاح کر کے وطی کرنے سے حد واجب ہے۔اسی پر فتوی ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۶۵، مجمع الانہر ص ۱/۶۳۹، درمختار وشامی ص ۳/۴۱۹)

(کتاب السرقۃ)

(۴۰) باب قطع الطریق) اوقطع الطریق لیلاً اونہاراً

الخ ص ۱/۴۳۱ اگر کوئی شخص رات میں راہزنی کرے خواہ ہتھیار کے ساتھ ہو یا بلا ہتھیار ہو یا دن میں ہتھیار کیساتھ راہزنی کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک حد جاری ہوگی۔اسی پر فتوی ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۶۵، مجمع الانہر ص ۱/۶۳۹، درمختار وشامی ص ۳/۴۱۹)

(کتاب الوقف)

(۴۱) والملک یزول بالقضاء

الخ ص ۱/۴۶۶ زوال ملک واقف کے لئے قضائے قاضی کی ضرورت امام صاحب کے یہاں ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں اسی پر فتوی ہے۔وفی فتح القدیر انه الحق۔
(بحر ص ۵/۲۱۰، غایۃ الاوطار ص ۲/۵۶۶، مجمع الانہر ص ۱/ص ۷۴۱، درمختار وشامی ص ۳/۳۶۹)

(۴۲) ولا یقسمہ بین مستحقی الوقف

الخ ص ۱/۴۶۶ امام محمد کے نزدیک وقف کی ٹوٹ پھوٹ مستحقین وقف کے درمیان تقسیم کرنا صحیح نہیں۔امام ابویوسف کے نزدیک صحیح ہے۔قال الصدر الشهید والفتوی علی قول ابی یوسف ترغیباً للناس فی الوقف (غایۃ ص ۵/۵۶)

(۴۳) فصل) ومن بنی سقایۃ

الخ ص ۱/۴۶۸ اگر کوئی شخص پانی کی پاؤیا خانقاہ یا مقبرہ وغیرہ بنائے تو جب تک حاکم وقت اس کا حکم نہ کرے اس وقت تک امام صاحب کے نزدیک ملک زائل نہ ہوگی پس وہ حکم حاکم سے پیشتر رجوع کرسکتا ہے مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ زوال ملک کے لئے حکم حاکم ضروری نہیں پس وہ رجوع نہیں کرسکتا ہے۔(فتح ص ۵/۶۷)

مسائل جلد ثانی

(کتاب البیوع)

(۴۴) ومن باع صبرۃ کل صاعٍ

الخ ص ۲/۱۳ ایک شخص نے غلہ کا ڈھیر اس طرح بیچا کہ ہر صاع ایک درہم میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک بیع صرف ایک صاع میں صحیح ہوگی باقی میں فاسد۔اور اگر ایک تھان اس طرح بیچا کہ ہر گز ایک درہم میں ہے تو ایک گز میں بھی بیع جائز نہ ہوگی۔صاحبین کے نزدیک

دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے۔ منہر الفائق میں عیون سے اور شرنبلالیہ میں بُرھان سے اور قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار وشامی ص ۴/۳۱)

(۴۵) وفسد بیع عشرۃ اذرع

الخ ص ۲/۱۳ ایک شخص کا مکان سوگز ہے اس نے اس میں سے دس گز فروخت کیا تو امام صاحب کے نزدیک بیع ناجائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز ہے یہی صحیح ہے۔ (درمختار وشامی ص ۴/۳۴)

(۴۶) باب خیار الرویۃ) وظاہر الثوب

الخ ص ۲/۲۶ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے یہاں لپٹے ہوئے کپڑے اور مکان کے ظاہر کو دیکھ لینا کافی ہے۔ امام زفر کے یہاں کافی نہیں یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (غایۃ ص ۳/۴۹، مجمع ص ۲/۳۶، درمختار وشامی ص ۴/۷۰)

(۴۷) باب خیار العیب) اوکان طعاما فاکلہ اوبعضہ

الخ ص ۲/۲۸ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ بقدر نقصان رجوع کرسکتا ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۳/۵۹، بحر ص ۶/۵۹، مجمع الانہر ص ۲/۴۷، فتح وعنایہ ص ۵/۱۶۳، درمختار وشامی ص ۴/۸۷)

(۴۸) باب البیع الفاسد) والنحل

الخ ص ۲/۳۵ شہد کی مکھی کی بیع کا ناجائز ہونا شیخین کے قول پر ہے۔ اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ کہ جائز ہے کذافی الذخیرہ والمحیط والنوازل (غایۃ الاوطار ص ۳/۷۹، بحر ص ۶/۸۵، مجمع الانہر ص ۲/۵۸)

(۴۹) باب التولیۃ والمرابحۃ) فان اتلف فعلم

الخ ص ۲/۴۷ کسی نے کپڑے کا ایک تھان ایک ہزار میں ادھار خریدا اور بطریق مرابحہ گیارہ سو میں فروخت کیا۔ مشتری نے اس کو معیوب کردیا۔ پھر معلوم ہوا کہ بائع نے ادھار خریدا تھا تو بقول فقیہ ابوجعفر فتوی کے لئے مختار یہ ہے کہ ادھار اور نقد کے لحاظ سے قیمت میں جو فرق ہو مشتری اتنی مقدار واپس لے لے۔ (بحر ص ۶/۱۲۵، مجمع الانہر ص ۲/۷۸، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۱۲)

(۵۰) باب الربوا) ویستقرض الخبز

الخ ص ۲/۵۶ روٹی قرض لینے کے سلسلے میں مصنف نے امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے کہ وزن کے لحاظ سے لی جائے، عدد کے اعتبار سے نہ لی جائے۔ علامہ زیلعی نے اسی پر فتوی ذکر کیا ہے لیکن شرح مجمع میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ اسی کو کمال الدین نے مستحسن جانا ہے اور اسی پر صاحب تنویر نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔

(مجمع الانہر ص ۲/۸۹، بحر ۶/۱۴۷، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۳۲، فتح القدیر ص ۵/۲۹۹، شامی ص ۴/۱۹۶)

(۵۱) باب السَّلَم) واللحم

الخ ص ۲/۶۳ امام صاحب کے نزدیک گوشت میں بیع سلم صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک صحیح ہے، بشرطیکہ جنس، نوع، صفت، موضع، مقدار وغیرہ بیان کردی جائے (بحر، شرح مجمع، مجمع، عیون، حقائق وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے)۔

(بحر ص ۶/۱۷۲، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۴۴، مجمع الانہر ص ۲/۹۹)

(۵۲) باب المتفرقات) وان قضى زيوفا

الخ ص ۲/۶۹ کھروں کے عوض کھوٹے درہموں سے حق کا ادا ہو جانا طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسی جیسے کھوٹے دیکر اپنے کھرے واپس لے لے۔ کہا گیا ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔
(بحر ص ۶/۱۹۲، مجمع الانہر ص ۲/۱۱۰، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۵۶، شامی ص ۴/۴۶)

(کتاب الصرف)

(۵۳) قبل دفعہ بطل البیع

الخ ص ۲/۷۶ اگر ادائیگی سے پہلے دراہم مغشوشہ یا فلوس نافقہ کا رواج ختم ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی بلکہ ان کی قیمت واجب ہوگی۔ اب امام ابو یوسف کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن بیع ہوئی تھی اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت کا جس دن ان کا رواج ختم ہوا ہے، ذخیرہ، خلاصہ، عینی، شرح کنز وغیرہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے اور محیط، تتمۂ حقائق میں امام محمد کے قول پر، بہر حال فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ نہ کہ امام صاحب کے قول پر۔
(غایۃ الاوطار ص ۳/۱۶۹، فتح و عنایہ ص ۵/۳۸۳، شامی ص ۴/۲۵، بحر ص ۶/۲۱۹)

(کتاب القضاء)

(۵۴) باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ) وینفذ القضاء بشہادۃ الزور

الخ ص ۲/۱۰۵ جھوٹے گواہوں کے ذریعہ عقود و فسوخ میں قاضی کے فیصلہ کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا امام صاحب کے نزدیک ہے، صاحبین امام زفر، ائمہ ثلاثہ، کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوگا۔ محیط، برہان، شرنبلالیہ، مجمع الانہر، در المنتقی، بحر وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے (فتح القدیر ص ۵/۴۹۱، غایۃ الاوطار ص ۳/۲۳۷، بحر ص ۷/۱۶، مجمع الانہر ص ۲/۱۷۰، درمختار و شامی ص ۴/۳۴۷)

کتاب الشہادۃ

(۵۵) ولا یعمل شاہد

الخ ص ۲/۱۲۰ امام صاحب کے نزدیک شاہد اور قاضی اور راوی حدیث کو اپنے نوشتہ پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کو واقعہ خوب محفوظ نہ ہو، صاحبین کے نزدیک جائز ہے پھر بعض نے کہا کہ امام محمد کے نزدیک تینوں کے لئے جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف قاضی اور راوی کے لئے جائز ہے شاہد کے لئے جائز نہیں۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، اجناس میں بھی ایسا ہی ہے اور بزازیہ میں بھی اسی پر جزم و یقین ظاہر کیا ہے **وفی المبتغی من وجد خطه وعرفه ونسی الشهادة وسعه ان یشهد اذا کان فی حوزه وبه ناخذه وفی السراج "وماقاله هو المعمول علیه" وفی المخ" وقولهما هو الصحیح" وفی الحقائق وعلیه الفتوی وفی العیون والفتوی علی قولهما**۔ بہر کیف امام صاحب کا قول غیر مفتی بہ ہے۔
(بحر ص ۷/۷۹، مجمع الانہر ص ۲/۱۹۲، شامی ص ۴/۳۶۸)۔

(کتاب الوکالۃ)

(۵۶) برضا الخصم

الخ ص ۲/۱۴۲ امام صاحب کے یہاں توکیل بالخصومۃ کے لزوم کے لئے خصم کی رضامندی ضروری ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے

نزدیک ضروری نہیں، فقیہ ابواللیث کا فتوی صاحبین کے قول پر ہے اسی کو عتابی نے پسند کیا ہے اور اسی کی نہایہ میں تصحیح ہے، فتاوی قاضی خان میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم صفار نے اسی کو لیا ہے خزانۃ المفتیین میں ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے۔

(بحر ص ۷/۱۰۸، نتائج الافکار ص ۱/۸، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۲۷)۔

(کتاب الدعوی)

(۵۷) الا اذا الح الخصم

الخ ص ۲/۱۶۵ اگر مدعی طلاق یا عتاق کی قسم کھلانے پر اصرار کرے تب بھی اکثر مشائخ کے نزدیک ان کی قسم کھلانا جائز نہیں۔ قاضی خان نے اسی کی تصحیح کی ہے خزانۃ المفتیین اور منیۃ المفتی میں بھی ایسا ہی ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ فتوی عدم تحلیف پر ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ اصرار کی صورت میں گنجائش ہے۔ (مجمع الانہر ص ۲/۲۵۹، بحر ص ۷/۲۳۲، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۷۱)۔

(کتاب الودیعۃ)

(۵۸) فان حفظہا بغیر ہم

الخ ص ۲/۲۱۵ مودع ودیعت کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور سے حفاظت کرائے اور ودیعت ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا لیکن امام محمد سے روایت ہے کہ اگر وہ ایسے شخص سے حفاظت کرائے جو اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے جیسے اس کا وکیل شریک معاوضہ، شریک عنان تو ضامن نہ ہوگا، ابن ملک وغیرہ نے اسی پر فتوی دیا ہے۔

(درمختار و شامی ص ۴/۵۱۶)،

(کتاب الاجارۃ)

(۵۹) بعد الاقامۃ

الخ ص ۲/۲۳۳ امام صاحب کے نزدیک خشت ساز کی مزدوری اینٹیں کھڑی کر دینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ تہ بتہ جما کر چٹا لگا دے۔ کہا گیا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ **کذافی مجمع الانہر، وبقولہما یفتی ذکرہ ابن الکمال معزیا للعیون۔**

(در المنتقی ص ۲/۳۷۳، مجمع الانہر ص ۲/۳۷۳، شامی ص ۵/۱۱)

(۶۰) باب ما یجوز من الاجارۃ وما یکون خلافا فیہا) وبالضرب

الخ ص ۲/۲۳۶ اگر مستاجر کے مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عادت وعرف کے خلاف مارا یا لگام کھینچی تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے (درمختار)

(۶۱) الکل

الخ ص ۲/۲۳۶ مستاجر نے چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس پر ایسا پالان لادا جو اس جیسے جانور پر نہیں لادا جاتا اور چوپایہ ہلاک ہو گیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک کل قیمت کا تاوان لیا جائے گا۔ اور صاحبین کے نزدیک بقدر[1] مازاد کا علامہ شرنبلالی نے نقل کیا ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۵/۲۶)

---

[1] افاذا کان السرج یاخذ من ظہر الدابۃ قدر شبرین والاکاف قدر اربعۃ اشیاء یضمن بحسابہ وقیل یعتبر بالوزن ۱۲

(۶۲) باب الاجارۃ الفاسدۃ) کل شہر سکن ساعۃ منہ

الخ ص ۲/۲۳۸ اگر چند ماہ کے لئے مکان کرایہ پر دیا اور کل مہینے بیان کر دیئے تو عقد صحیح ہے اور جس مہینہ میں مستاجر ایک ساعت ٹھہرے اس میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا اب موجر اس کو مکان سے نہیں نکال سکتا۔ مگر فتوی اس پر ہے کہ ہر ماہ کے شروع میں ایک دن ایک رات تک اختیار ہوگا ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔ (درمختار وشامی ص ۵/۳۳)

(۶۳) باب اجارۃ العبد) والاجر وعدمہ

الخ ص ۲/۲۴۷ اگر مالک کہے کہ تو نے مفت کام کیا ہے اور اجیر کہے کہ اجرت پر کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مالک کا قول معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ان میں اجرت کیساتھ معاملہ ہوتا رہا ہو تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اجرت لینے میں مشہور ہو تو اجیر کا قول معتبر ہوگا ورنہ مالک کا نہایہ، کفایہ، غایہ، شرح شاہان، زیلعی، تبیین، تنویر وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ (حاشیہ عنایہ ص ۷/۲۱۹، مجمع ص ۲/۳۹۸)

(کتاب الحجر)

(۶۴) لا بسفہ

الخ ص ۲/۲۷۲ امام صاحب کے یہاں عاقل بالغ شخص بوجہ سفاہت محجور نہیں ہوتا۔ صاحبین کے نزدیک محجور ہوتا ہے۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار ص)

(۶۵) ودین

الخ ص ۲/۲۷۲ امام صاحب کے یہاں مدیون پر حجر نہیں۔ صاحبین کے نزدیک ہے اسی پر فتویٰ ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۴/۸۹، مجمع الانہر ص ۲/۴۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۸۳)۔

(۶۶) ولم یبع عرضہ وعقارۃ

الخ ص ۲/۲۷۲ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک قاضی بسلسلہ دین مدیون کا سامان اور اس کی زمین فروخت کر سکتا ہے۔ اسی پر فتوی ہے (درمختار وشامی ص ۵/۹۸، مجمع الانہر ص ۲/۴۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۸۳)۔

(کتاب الغصب)

(۶۷) فقیمۃ یوم الخصومۃ

الخ ص ۲/۲۸۱ ایک شخص نے کسی کی مثلی چیز غصب کر لی اور اس جیسی چیز کا ملنا ختم ہو گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی جس میں امام صاحب کے نزدیک خصومت کے دن کا اعتبار ہوگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کا اور امام محمد کے نزدیک اس دن کا جس دن وہ منقطع ہوئی ہے۔ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۵/۱۲۰)

(۶۸) وملک فی یدہ لم یضمنہ

الخ ص ۲/۲۸۳ ایک شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضہ میں رہتی ہوئی ضائع ہو گئی تو شیخین کے نزدیک وہ ضامن نہ

ہوگا۔امام محمد کے نزدیک ضامن ہوگا۔مسئلہ اوقاف میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ قال الکمال، الفتوی علی ضمان العقار فی ثلاثۃ اشیاء اھ (درمختار وشامی ص ۱۲۲/۵، غایۃ الاوطار ص ۱۰۶/۴، مجمع ص ۴۵۸/۲، تکملہ بحر ص ۱۱۱/۸)

(۶۹) فصل) ومن کسر مغزفًا

الخ ص ۲۸۸/۲ اگر کوئی شخص کسی کے آلات لہو باجے وغیرہ توڑ دے تو امام صاحب کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ کذا فی البحر (شامی ص ۲۲۸/۲، تکملہ بحر ص ۱۲۵/۸، مجمع ص ۴۶۹/۲، غایۃ ص ۱۱۸/۴)

(کتاب الشفعۃ)

(۷۰) باب طلب الشفعۃ والخصومۃ فیہا) ثم لاتسقط بالتاخیر

الخ ص ۲۹۴/۲ جب شفیع کو مکان یا زمین کی فروختگی کا علم ہو تو اس کو مجلس علم میں اس بات پر گواہ قائم کرنا ضروری ہے کہ میں اس کو لینا چاہتا ہوں پھر زمین یا مشتری یا بائع کے پاس گواہ بنائے پھر قاضی کے پاس۔ اب اگر قاضی کے پاس طلب میں تاخیر ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہ ہوگا ظاہر الروایہ یہی ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر ایک ماہ تک تاخیر کی تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا علامہ عینی صاحب ہدایہ صاحب کافی نے کہا ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صاحب ذخیرہ، برھان، مغنی، قاضی خاں کی تصحیح ہدایہ سے اصح ہے اور آجکل فتوی امام محمد کے قول پر ہے منافع، محیط ذخیرہ، خلاصہ، منیۃ المفتی، مضمرات، مختارات، النوازل، وقایہ نقایہ، مغنی میں بھی یہی ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

(نتائج الافکار ص ۴۲۱/۲، مجمع الانہر ص ۴۷۵/۲، درمختار وشامی ص ۱۴۸/۵)

(۷۱) باب ماتبطل بہ الشفعۃ) ولا یکرہ الحیلۃ

الخ ص ۳۰۴/۲ حیلہ کی دو صورتیں ہیں ایک برائے اسقاط اور ایک برائے ثبوت، بعض کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں مصنف نے اسی کو لیا ہے لیکن درمختار وعنایہ اور تاتارخانیہ وغیرہ میں ہے کہ حیلہ برائے اسقاط بالاجماع مکروہ ہے اور حیلہ برائے دفع امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ باب شفعہ میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور باب زکوٰہ میں امام محمد کے قول پر (غایۃ الاوطار ص ۱۴۸/۴، مجمع ص ۴۸۶/۲)

(کتاب المزارعۃ)

(۷۲) فان شرطاہ علی العامل فسدت

الخ ص ۳۱۴/۲ اگر عامل پر زمین میں بیج ڈالنے، کھیتی کاٹنے، گاہنے اور اڑانے کی شرط لگالی تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے مزارعت فاسد ہے۔ لیکن امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ صحیح ہے اسی پر فتوی ہے وھو اختیار مشائخ بلخ، قال شمس الائمہ السرخسی ھذاھو الاصح (ہدایہ ص، غایۃ الاوطار ص ۱۵۸/۴، مجمع الانہر ص ۵۰۱/۲، تکملہ بحر ص ۱۶۳/۸)

(کتاب الذبائح)

(۷۳) فصل فیما یحل اکلہ ومالایحل والخیل

الخ ص ۳۲۰/۲ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حلال نہیں صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر بکراہت تنزیہیہ، فتوی صاحبین کے قول پر ہے (درمختار وشامی ص ۲۰۰/۵)

(کتاب احیاء الموات)

(۷۴) ولا حریم للنہر

الخ ص ۲/۳۴۲ جو نہر کبیر دوسرے کی ملک میں واقع ہو، امام صاحب کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہے۔ یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ پر چڑھ سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جاسکے۔ پھر امام محمد کے نزدیک مینڈھ کا اندازہ بقدر عرض نہر ہے (ہر طرف سے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک بقدر نصف بطن نہر، قہستانی میں کرمانی سے اور برجندی میں نوازل سے منقول ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے، و ہکذا فی الفتاوی الکبری۔

(مجمع الانہر ص ۲/۵۶۰ و ص ۲/۵۶۱، غایۃ الاوطار ص ۴/۲۵۴۹، تکملہ بحر ص ۸/۲۱۲)

(کتاب الاشربۃ)

(۷۵) والحلال منہا اربعۃ

الخ ص ۲/۳۵۰ نبیذ تمر اور نبیذ زبیب (جب ان کو قدرے پکا لیا جائے) اور خلیطین اور شہد، جو، جوار، گیہوں، انجیر کی نبیذ (پکائی جائے یا نہ پکائی جائے) شیخین کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ اتنی پئے جس سے نشہ ہونے کا گمان غالب نہ ہو۔ نیز پینا بھی بطریق لہو و طرب نہ ہو بلکہ ہضم طعام، حق تعالی کی طاعت پر قوت حاصل کرنا یا دوا کرنا مقصود ہو امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے خواہ کسی نوع سے ہو۔ نیز قلیل ہو یا کثیر، زیلعی، کفایہ، حموی، بزازیہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۴/۲۶۰، مجمع و ملتقی ص ۲/۵۷۲)

(کتاب الجنایات)

(۷۶) باب ما یحدث الرجل فی الطریق) ضمن ان کان فی غیر الصلوٰۃ

الخ ص ۲/۳۹۸ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کوئی آدمی اس سے الجھ کر گرا اور مر گیا تو امام صاحب کے نزدیک جالس ضامن نہ ہوگا اگر وہ نماز میں ہو ورنہ ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہوگا۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے عینی شرح ہدایہ میں ہے "بہ اخذ مشائخنا" ذخیرہ میں ہے۔ "بقولہما یفتی" وفی الشرنبلالیہ معزیا للزیلعی عن الحلوانی" اکثر المشائخ اخذوا بقولہما و علیہ الفتوی۔

(درمختار شامی ص ۵/۳۹۴، غایۃ الاوطار ص ۴/۳۵۹)

(کتاب الفرائض)

(۷۷) لعدم الرد علیہما

الخ ص ۲/۴۵۵ ذوی الفروض کو ان کا حق دینے کے بعد جو مال بچ جائے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو باقیماندہ مال زوجین کے علاوہ دیگر اصحاب فروض کو ان کے حصوں کے مطابق دیدیا جائے گا، قنیہ، زیلعی، نہایہ، مستصفے وغیرہ میں فتوی اس پر ہے کہ دیگر اصحاب فروض کی طرح زوجین کو بھی دیا جائے گا۔ (شامی ص ۵/۵۲۰)

وہ مسائل جن میں ہر دو قولوں پر فتویٰ منقول ہے

(کتاب الصلوٰۃ)

(۱) باب صفۃ الصلوٰۃ) وتطال اولی الفجر فقط

الخ ص ۱/۱۳۸ شیخین کے نزدیک ہر نماز کی جملہ رکعات میں مساوات ہونی چاہئے البتہ فجر کی پہلی رکعت کا بقدر ثلث یا بقدر نصف طویل ہونا مسنون ہے۔ امام محمد کے نزدیک ہر نماز میں یہی حکم ہے یہاں تک کہ تراویح میں بھی پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہونی چاہئے۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ مجتبیٰ میں بھی ایسا ہی ہے تاتارخانیہ میں ہے کہ فتویٰ کے لئے یہی ماخوذ ہے خلاصہ میں ہے کہ یہی احب ہے ابن الہمام بھی اسی کی طرف مائل ہیں لیکن حلیہ میں ہے کہ شیخین کا قول پسندیدہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے بحر اور شرنبلالیہ میں بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ واعتمد قولھما فی الکنز و الملتقی و المختار و الھدایہ۔

(شامی ص ۱/۳۸۰)

(کتاب الرضاع)

(۲) فی ثلاثین شہراً

الخ ص ۱/۳۰۶ امام صاحب کے نزدیک مدت رضاع اڑھائی سال ہے اور صاحبین کے نزدیک دو سال۔ دونوں قولوں پر فتویٰ منقول ہے۔ (بحر ص ۳/۲۳۹، غایۃ الاوطار ص ۲/۸۱، مجمع الانہر ۱/۳۷۵، درمختار و شامی ص ۲/۴۱۳)

(کتاب الایمان)

(۳) باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنیٰ والاتیان وغیر ذلک) لایسکن ہٰذہ الدار

الخ ص ۱/۳۹۰ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے منتقل ہو گیا لیکن اس نے اپنا ساز و سامان منتقل نہیں کیا یا کچھ منتقل کر لیا اور کچھ باقی رہ گیا تو امام صاحب کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک کل سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی باقی رہ گئی تو حانث ہو جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک اتنا سامان منتقل کر لینا کافی ہے۔ جو رہائش کے لئے ضروری ہو، امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینے کا اعتبار ہے فقیہ ابواللیث نے امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے اور صاحب ہدایہ نے امام محمد کے قول کو راجح کہا ہے اور بعض نے اس پر فتویٰ بھی نقل کیا ہے صاحب محیط صاحب فوائد ظہیریہ صاحب کافی نے تصریح کی ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (درمختار و شامی ص ۳/۷۹)

(کتاب الکفالۃ)

(۴) وبلا قبول الطالب

الخ ص ۲/۸۶ طرفین کے نزدیک کفالت بدون قبولیت مکفول لہ صحیح نہیں، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مکفول لہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو صحیح ہے درر بزازیہ تلخیص، الجامع الکبیر بحر وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے لیکن منح میں طرطوسی سے منقول ہے کہ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے یہی انفع المسائل میں ہے شیخ قاسم نے تصحیح میں کہا ہے کہ محبوبی و نسفی وغیرہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔ (درمختار و شامی ص ۴/۲۸۰، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۸۶، مجمع الانہر ص ۲/۱۳۷)

(کتاب الشھادۃ)

(۵) ویسأل عن الشھو دسرًّا وعلناً

الخ ص ۲/۱۱۸ اصاحبین، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک قاضی کے لئے خفیہ وظاہرہ ہر دواعتبار سے شہود کی عدالت کے متعلق پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے امام صاحب کے نزدیک غیر حدود وقصاص میں قاضی بدون طعن مدعا علیہ شہود کی ظاہری عدالت پر اکتفا کر سکتا ہے۔ ہدایہ، فتح، عنایہ، مجمع میں ہے کہ فتوے صاحبین کے قول پر ہے فی الاختیار انہ یسأل سرا وعلانیۃ وعلیہ الفتوی لیکن صاحب بحر نے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے کہ صرف پوشیدہ طور پر پوچھ گچھ کرے اسی پر فتوی ہے مضمرات میں بھی اسی پر فتوی ہے قہستانی نے کہا کہ امام محمد سے مروی ہے کہ تزکیہ علانیہ تو فتنہ اور بلا ہے صاحب ہدایہ نے بھی چند سطر بعد یہی ذکر کیا ہے۔

(ہدایہ ص ۲/۱۴۱، فتح وعنایہ ص ۶/۱۳، مجمع الانہر ص ۲/۱۸۹، بحر ص ۷/۷۰)۔

(کتاب الوکالۃ)

(۶) باب الوکالۃ بالخصومۃ والقبض) لایملک القبض

الخ ص ۲/۱۵۴ تقاضے کے وکیل کا مالک قبض نہ ہونا امام زفر کے قول پر ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن صاحب بحر نے فتاوی صغری سے نقل کیا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے اگر کسی ایسے شہر میں ہو جہاں سوداگروں میں یہ رواج ہو کہ تقاضہ کرنیوالا ہی قابض ہوتا ہو تو وہ قبض دین کا مالک ہوگا ورنہ نہیں۔ منح الغفار میں سراجیہ سے قہستانی میں مضمرات سے منقول ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔

(بحر ص ۷/۱۹۴، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۴۷، درر ص ۲/۲۴۱، درمختار وشامی ص ۴/۴۲۱)

کتاب الدعوی)

(۷) وکفت ثلثۃ

الخ ص ۲/۱۵۸ طرفین کے نزدیک زمین کے دعوی میں حدود ثلثہ ذکر کردینا کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دو کا ذکر بھی کافی ہے امام زفر کے نزدیک حدود اربعہ ذکر کرنا ضروری ہے حموی میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے لیکن علامہ شامی نے کہا ہے کہ فتوی امام زفر کے خلاف پر ہے وعبارتہ **فان المفتی بہ خلاف قول زفر فیھا وھو قول ائمتنا الثلاثہ وعلیہ المتون۔**

(غایۃ الاوطار ص ۳/۳۶۲، شامی)۔

(کتاب الاجارۃ)

(۸) باب ضمان الاجیر) والمتاع فی یدہ غیر مضمون

الخ ص ۲/۲۴۴ اگر اجیر مشترک کے پاس سے سامان ضائع ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ درمختار وقاضی خاں وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے فتح زیلعی نہایہ شامی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نصف قیمت پر صلح کرلی جائے گی۔ (نتائج الافکار ص ۲/۲۰۲)

(کتاب الذبائح)

(۹) فصل فیما یحل اکلہ ومالا یحل) وذبح مالا یوکل یطھر لحمہ وجلدہ

الخ ص ۲/۳۲۳ اگر غیر ماکول جانور ذبح کرلیا جائے تو جس طرح ذبح کرنے سے اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے اسی طرح اس کا گوشت

بھی پاک ہو جاتا ہے صاحب کنز و درر نے اسی کو لیا ہے۔ اور صاحب ہدایہ، صاحب تحفہ، صاحب بدائع نے اسی کی تصحیح کی ہے فیض میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے لیکن شراح ہدایہ وغیرہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ گوشت پاک نہ ہوگا۔ برھان میں بھی یہی ہے صاحب معراج نے کہا ہے کہ یہ محققین کا قول ہے در مختار میں ہے ہذا اصح مایفتی بہ، تکملہ بحر میں ہے ہوا الصحیح۔ (شامی ص ۱/۱۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۱۷۲)

ترجمہ صاحب کنز الدقائق

نام و نسب اور سکونت

عبداللہ نام، ابوالبرکات کنیت، والد کا نام احمد اور دادا کا نام محمود ہے۔ (نسف (بفتحتین) کے باشندے تھے جو ماوراء النہر میں بلاد سغد سے ایک شہر کا نام ہے اس نسبت سے انہیں نسفی کہتے ہیں آپ بڑے عابد و زاہد متقی امام کامل فقہ اصول میں یگانہ روزگار اور مشہور متون نگار مصنفین میں سے تھے۔

تحصیل علوم

امام نسفی نے بڑے جلیل القدر و بلند پایہ محدثین و فقہاء شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری، حمید الدین ضریر، بدر الدین خواہر زادہ وغیرہم سے علوم کی تحصیل کی اور آپ سے علامہ سغناقی وغیرہ نے سماع کیا۔

صاحب جواہر کی غلطی

صاحب جواہر مضیہ نے حرف عین میں امام نسفی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حافظ۔ موصوف نے علم فقہ علامہ کردری سے حاصل کیا ہے۔ اور احمد بن عتابی سے زیادات کی روایت کی ہے ملا علی قاری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے علامہ کفوی فرماتے ہیں کہ صاحب جواہر نے تصریح کی ہے کہ عتابی کی وفات ۵۸۶ھ میں ہوئی ہے اور امام نسفی کی وفات ۷۰۱ھ (یا ۷۱۱ھ) میں ہوئی ہے پس امام نسفی متوفی ۷۰۱ھ کی روایت علامہ عتابی متوفی ۵۸۶ھ سے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

صاحب کنز کا فقہی مقام

ابن کمال پاشا نے آپ کو فقہاء کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے جو روایات ضعیفہ کو قویہ سے تمیز کر سکتے ہیں بعض حضرات نے مجتہدین فی المذہب میں سے مانا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح اجتہاد مطلق کا درجہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا ہے اسی طرح اجتہاد فی المذہب آپ پر ختم ہو گیا ہے، قائل مذکور نے اس پر تفریع کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ علامہ بحر العلوم نے شرح تحریر الاصول اور شرح مسلم الثبوت میں اس قول کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ہرگز قابل اعتناء نہیں بلکہ یہ قول بلا شک و ریب رجماً بالغیب ہے۔

امام نسفی کے علمی کارنامے

امام نسفی بڑے بلند پایہ مصنفین میں سے ہیں بالخصوص متن نگاری تو انکی کلاہ افتخار کا طرۂ امتیاز ہے فروع میں متن (۱) وافی اور اس کی شرح (۲) کافی فقہ میں مشہور متن کنز الدقائق (۳)، اصول میں متداول و مقبول متن (۴) المنار اور اسکی شرح کشف الاسرار (۵)، مصفی (۶) شرح منظومہ نسفیہ، مستصفی (۷)، شرح فقہ نافع، اعتماد (۸)، شرح عمدہ، (۹) مدارک التنزیل وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہے۔

صاحب کشف الظنون نے شروح ہدایہ کے ذیل میں امام نسفی کی شرح ہدایہ کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن طبقات تقی الدین میں بخط ابن شحنہ مرقوم ہے کہ "ان کی کوئی شرح ہدایہ معروف نہیں ہے" علامہ اتقانی نے "غایۃ البیان" میں ذکر کیا ہے کہ امام نسفی نے چاہا تھا کہ ہدایہ کی شرح لکھوں لیکن جب ان کے ہم عصر عالم تاج الشریعہ نے یہ سنا اور فرمایا کہ ان کے لئے یہ زیبا نہیں تو امام نسفی نے اپنے اس ارادہ کو ختم کر دیا اور

ہدایہ کے مثل ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام وافی ہے۔ پھر اس کی شرح کی جس کا نام کافی ہے فکانہ شرح ہدایہ۔

کنز الدقائق کی جامعیت

بظاہر کنز وغیرہ متون کی کتابیں جو آجکل موٹے موٹے حروف اور طویل الذیل حواشی کے ساتھ چھپی ہوئی ہیں دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی بڑی کتاب ہے لیکن جن حروف میں آجکل اخبارات و جرائد یومیہ وغیرہ شائع ہوتے ہیں ان ہی حروف میں مثلاً کنز کو اگر لکھا جائے تو بلا مبالغہ کسی معمولی سی نوٹ بک میں پوری کتاب آسکتی ہے ان متون کی نوعیت میرے خیال میں ان یادداشتوں کی سی ہے جو لیکچر وغیرہ دینے کے لئے نوٹ کر لیتے ہیں اسلاف نے اسکی عجیب مشق بہم پہنچائی تھی، دس دس صفحات میں جس کی تفصیل آسکتی ہے اسی مضمون کو وہ سطر دو سطر میں اس طرح بند کر سکتے تھے کہ سارے مفصل مضمون پر وہ عبارت حاوی ہو سکتی تھی یہ ایک کمال تھا جسے اب نقص ٹھہرایا گیا ہے قضاء وافتاء کے کام کرنیوالے حضرات ان یادداشتوں کو زبانی یاد کر لیتے تھے نتیجہ یہ تھا کہ سارے ابواب اور مضمون کے عنوان انہیں محفوظ رہتے تھے۔

کنز الدقائق اور اس کی شروحات

یوں تو متن مذکور اپنی جامعیت اور ترتیب و تہذیب کے ساتھ ساتھ حسن اختصار کی وجہ سے یوم تصنیف سے لیکر آج تک ہمیشہ ہی ارباب قلم کا منظور نظر رہا ہے اور مختلف اہل علم حضرات: زیلعی، عینی، حلبی، مقدسی، کرمانی وغیرہ نے اس پر قلم اٹھایا ہے۔ اور بیسیوں شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں جن کی فہرست آخر میں درج ہے لیکن علامہ ابن نجیم مصری کی شرح، البحر الرائق، کشف مغلقات، توضیح معضلات اور تشریحات اور تفریعات میں اپنی نظیر آپ ہے ولنعم ما قال المنصور السلبسی

علی الکنز فی الفقه الشروح کثیرة	بحار تفید الطالبین لآلیا
ولکن بهذا البحر صارت سواقیا	ومن ورد البحر استقل السواقیا

مسامحات کنز

(۱) وغسل فمه وانفه بمیاه

الخ ص ۱/۹،۷ اسکے لحاظ سے وافی کی عبارت "غسل فمه بمیاه و انفه بمیاه" بہتر ہے کیونکہ مضمضہ واستنشاق ہر دو کے لئے نیا پانی لینے پر دال ہے۔ (بحر ص ۱/۲۲)

(۲) ویتوضؤ بماء السماء

الخ ص ۱/۱۸۸ اس کے بجائے یتطہر بہتر تھا تاکہ غسل جنابت وغیرہ کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ اعزازیہ ص ۱۱)

(۳) یتطهر البدن

الخ ص ۱/۱۱۲ اسکے بجائے المتنجس بہتر تھا کہ ہر شئے نجس کو شامل ہو جاتا۔ (حاشیہ اعزازیہ ص ۲۳)

(۴) والقومة

الخ ص ۱/۱۳۰ الرفع منه، کے بعد "القومة" زائد ہے۔ کیونکہ رکوع سے اٹھنا ہی قومہ ہے۔ (بحر ص ۱/۳۲۱)

(۵) وعد الآی والتسبیح

الخ ص ۱/ ۱۵۲ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے نماز میں آیتیں شمار کرنا مکروہ ہے صاحبین سے ایک روایت ہے کہ مکروہ نہیں مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب ہاتھ یا دھاگے وغیرہ کے ذریعہ سے ہو۔ اور اگر دل ہی دل میں شمار کرے تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ پس بالید یا بخیط وغیرہ کی ساتھ مقید کرنا ضروری ہے۔ (فتح و عنایہ ص ۱/ ۲۹۶)

(۶) والخطبة قبلها

الخ ص ۱/ ۱۷۲ ای قبل صلوة الجمعة ، ولوقال" فيه، ای فی وقت الظهر لكان اولى لانه شرط حتى اوخطب قبله وصلى فيه لم تصح (بحر ص ۲/ ۱۵۸)

(۷) وكره للمعذورو المسجون اداء الظهر بجماعة

الخ ص ۱/ ۱۷۴ للمعذور و المسجون کو حذف کر دینا بہتر تھا کیونکہ جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا علی الاطلاق مکروہ ہے۔ (بحر ص ۲/ ۱۶۶)

(۸) وصومه احب

الخ ص ۱/ ۲۲۴ لوقال" وصومهما احب ان لم يضرهما" لكان اولى لشموله (بحر ص ۲/ ۳۰۴)

(۹) وكره تاخيره عن ايام النحر

الخ ص ۱/ ۲۴۸ لوقال وكره تاخيرهما" لكان اولى ليفيد حكم الحلق كالطواف (بحر ص ۲/ ۳۷۴)

(۱۰) غير انها تكشف وجهها لا راسها

الخ ص ۱/ ۲۴۹ كان الاولى ان يقول "غير انها لاتكشف راسها" ولايذكر الوجه لانها لاتخالف الرجل فى الوجه وانما تخالفه فى الراس فيكون فى ذكره تطويل (بحر ص)

(۱۱) ولا يشعر

الخ ص ۱/ ۲۵۴ على الاطلاق اشعار کی نفی کرنا مناسب نہیں۔

(۱۲) ولا قران لمكى ولا تمتع

الخ ص ۱/ ۲۵۴ علی الاطلاق تمتع و قران کی نفی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ سے تمتع و قران صحیح نہیں حالانکہ اختلاف حلت میں ہے نہ کہ صحت میں۔

(۱۳) باب الحج عن الغير

الخ ص ۱/ ۲۷۰ لفظ غیر پر الف لام داخل کرنا از روئے سماع غیر مستند ہے کیونکہ لفظ غیر بلزوم الاضافۃ ہوتا ہے فھو واقع علی غیر وجہ الصحۃ[۱] (منہل، فتح، طحطاوی)

---

[۱] واجاب عنه ابن العابدين فی ردالمحتار فارجع اليه ۱۲

(۱۴) ویسقط المھر بقتل السید

الخ ص ۱/۲۹۸ سید کو مطلق رکھا ہے جو بالغ ونابالغ ہر دو کو شامل ہے حالانکہ اگر آقا نابالغ ہو تو راجح قول پر مہر ساقط نہیں ہوتا پس السید کیساتھ المکلف کی قید ضروری ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/۶۷، بحر ص ۳/۲۱۳، مجمع الانہر ص ۱/۳۶۶، درر ص ۱/۳۵۱)۔

(۱۵) لا بقتل الحرة نفسھا

الخ ص ۱/۲۹۸ یہ دو اعتبار سے محل گفتگو ہے اول یہ کہ یہاں الحرۃ کی قید ہے حالانکہ اگر باندی خود کو قتل کر لے تب بھی مہر ساقط نہیں ہوتا (ھو الصحیح کما فی الخانیۃ) دوم یہ کہ قتل کی نسبت حرۃ کی طرف کی ہے حالانکہ اگر حرہ کا کوئی وارث حرہ کو قتل کر دے تب بھی مہر ساقط نہیں ہوتا۔ (بحر ص ۳/۲۱۴، درر ص ۱/۳۵۱)

(۱۶) والمنکوحۃ تاالحیض للموت وغیرہ

الخ ص ۱/۳۶۰ ان کی عدت میں بھی وہی تفصیل ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے مصنف نے سابق پر اعتماد کرتے ہوئے ذکر نہیں کی مگر ذکر کرنا بہتر تھا ایسے موقع پر اتنا اختصار کرنا درست نہیں جس سے مطلب ہی خبط ہو جائے۔

(۱۷) والمرئی منھا

الخ ص ۱/۳۶۰ اگر یہ قید نہ ہوتی تو کلام سب صورتوں کو شامل ہو جاتا۔ (بحر ص ۴/۱۵۶، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۲۳)۔

(۱۸) الابعذر ۔

الخ ص ۱/۳۶۲ یہ استثناء سب کے بعد میں ہونا چاہئے تھا کیونکہ عذر کیوجہ سے سب چیزیں مباح ہیں۔

(۱۹) وصح التعریض

الخ ص ۱/۳۶۲ تعمیم صحیح نہیں کیونکہ مطلقہ سے تعریض بالاجماع جائز نہیں پس ''معتدۃ الوفات'' کے ساتھ مقید کرنا ضروری تھا۔
(بحر ص ۴/۱۶۵، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۳۰، مجمع الانہر ص ۱/۴۸، درر ص ۱/۴۰۴)

(۲۰) والمراھقۃ لاقل من تسعۃ

الخ اگر مراہقہ نو ماہ سے کم میں بچہ جنے تو ثبوت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ (۱) مراہقہ مدخولہ ہو (۲) اس نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو (۳) اپنے حاملہ ہونے کا دعوی نہ کیا ہو مصنف نے ایک بھی شرط ذکر نہیں کی۔ ایسا اختصار کس کام کا جو مقصود میں خلل انداز ہو۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۳۵ و ص ۳/۲۳۶، بحر ص ۴/۱۷۳)

(۲۱) ومحبوسۃ بدین

الخ ص ۱/۳۷۹ اگر بدین کی قید نہ ہوتی تو بہتر تھا کیونکہ اگر عورت قرض کیوجہ سے محبوس نہ ہو بلکہ ظلماً محبوس ہو تب بھی نفقہ واجب نہیں۔ کذا فی الذخیرۃ (درالمنتقی ص ۱/۴۹۷، مجمع الانہر ص ۱/۴۹۷، بحر ص ۴/۱۹۷)۔

(۲۲) الاان یاذن القاضی بالاستدانۃ

الخ ص ۲/۳۷ یہاں ایک قید ضروری ہے اور وہ یہ کہ حکم قرض ہو جانے کے بعد بالفعل قرض لے بھی لے۔ اگر بالفعل قرض نہ لیا اور اپنے پاس سے خرچ کیا تو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ پس یہاں یوں کہنا چاہئے تھا ''الاان یستدین بامر قاضی''۔
(بحر ص ۴/۲۴۴، مجمع الانہر ص ۱/۵۱۲، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۸۲)۔

(۲۳) ہو اثبات القوۃ

الخ ص ۱/۳۷۷ عتاق کی تعریف اثبات کیساتھ نامناسب ہے۔ کیونکہ عتق اور عتاق مصدر بمعنی وقوع حریت ہے اس لئے تعریف ثبوت قوت کیساتھ ہونی چاہئے ہاں جن نسخوں میں عنوان "کتاب الاعتاق" ہے ان کے لحاظ سے تعریف بجا ہے۔

(۲۴) والولد یتبع الام

الخ ص ۱/۳۷۳ لفظ ولد کے بجائے الحمل یا الجنین ہونا چاہئے کیونکہ ملک، حریت، رقیت وغیرہ اوصاف میں حمل تابع ہوتا ہے نہ کہ ولد یہاں تک کہ اگر ولادت کے بعد ماں کو آزاد کیا تو بچہ آزاد نہ ہوگا۔

(۲۵) من ملک ابنہ

الخ ۱/۳۷۶ ابن کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ ہر اس قریب کا یہی حکم ہے جو خریدنے سے آزاد ہو جائے پس اگر ابن کے بجائے قریبہ ہوتا تو بہتر تھا کہ کلام میں شمولیت آجاتی۔

(۲۶) انت حر بعد موت فلان

الخ ص ۱/۳۸۲ مصنف نے اس کو مدبر مقید کی صورتوں کیساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ یہ تدبیر نہیں نہ مطلق نہ مقید۔

(بحر ص ۴/۲۹۰، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۱۸، مجمع الانہر ص ۱/۵۴۴)

(۲۷) ولو اسلمت ام ولد النصرانی

۳۸۴ اس میں دو خامیاں ہیں ایک یہ کہ عرض اسلام کی قید متروک ہے حالانکہ نصرانی کی ام ولد پر وجوب سعایت اسی صورت میں ہے کہ جب نصرانی اسلام قبول نہ کرے ورنہ وہ اسکی ام ولد ہے ہی دوسرے یہ کہ قیمت کو مطلق رکھا ہے۔ حالانکہ ثلث قیمت میں سعایت واجب ہے۔

(۲۸) من حرم ملکہ

الخ ص ۱/۳۸۸ اس کے بجائے من حرم شیئاً ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ اعیان افعال، ملک ذاتی، ملک غیر، حلال حرام سب کو شامل ہو جاتا۔

(۲۹) وریحہا موجود

الخ ص ۱/۴۱۶ ریحہا موجودۃ ہونا چاہئے کیونکہ ریح مونث سماعی ہے (غایت البیان، منح، باقانی)

(۳۰) وقتل اب مشرک

الخ ص ۱/۴۳۳ لو قال "وقتل اصلہ المشرک" لکان اولیٰ لان ھذا الحکم لا یخص الاب (حاشیہ کنز نمبر ۱۴، ۱۸۴)

(۳۱) وحرم ردہم

الخ ص ۱/۴۳۶ کافر قیدیوں کو دار الحرب واپس کرنا یا تو بعوض ہوگا یا بلا عوض، اگر بالعوض ہو تو وہ فداء میں داخل ہے اور بلا عوض ہو تو وہ من میں داخل ہے۔ پس ردہم الی دار الحرب" کی ضرورت نہیں۔ (تامل)

(۳۲) ودینا

الخ ص ۱/۴۶۲ تصرفات میں مساوات کا ہونا دینی مساوات کو مستلزم ہے اس لئے لفظ دیناً بڑھانے کی ضرورت نہیں الا ان یقال انما صرح بما علم التزاما لمکان الاختلاف فیہ۔

(۳۳) لا اسہم

الخ ص ۲/۱۳ اسہام کی صورت میں بیع کا فاسد نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ بائع نے گھر کے کل سہام بیان کردیئے ہوں ورنہ بالاتفاق بیع فاسد ہے پس "وفسد بیع عشرة اذرع من مائة ذراع من دار لاسهم" ہونا چاہئے تھا لان اختصاره اداه الی الاحجاف۔

(۳۴) فان وطئها له ان یردها

الخ ص ۲/۲۰ زوجہ مذکورہ کو بلا قید ثیوبت ذکر کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک واپسی کا جواز اس وقت ہے جب وہ ثیبہ ہو اگر باکرہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی واپس نہیں کرسکتا۔ لان الوطی ینقصها ولیس له الرد بعد ما تعیب عنده۔

(۳۵) والاخذ بشفعة

الخ ص ۲/۲۲ اس کے بجائے اگر طلب "الشفعه [1] بها" کہتا تو بہتر تھا کیونکہ بیع طلب شفعہ ہی سے تمام ہو جاتی گو اس نے ابھی لیا نہ ہو۔ (کذا فی المعراج)

(۳۶) ولو شرط المشتری الخیار لغیره صح

الخ ص ۲/۲۲ اگر اسکے بجائے مصنف یوں کہتا "ولو شرط احد المتعاقدین الخیار الاجنبی صح" تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ اجنبی کے لئے خیار کی شرط کرنا مشتری کیساتھ خاص نہیں بائع بھی شرط کرسکتا ہے ولیخرج اشتراط احد هما الاخر فان قوله "لغیره" صادق بالبائع ولیس بمراد۔

(۳۷) وداخل الدار الخ

الخ ص ۲/۲۶ مصنف نے رؤیت دار کے سلسلہ میں امام زفر کا قول اور رؤیت ثوب میں ائمہ ثلاثہ کا قول اختیار کیا ہے حالانکہ دونوں مسئلوں میں مختار قول امام زفر کا ہے فکان ینبغی له ان یختاره فی الثوب ایضا (بحر)

(۳۸) ومن اشتری مارای خیر ان تغیر والا لا

الخ ص ۲/۲۶ اسکے بجائے یوں کہنا چاہئے تھا "ومن اشتری مارأی فلاخیار له الا اذا تغیر" کیونکہ دیکھی ہوئی چیز خریدنے میں اصل عدم خیار ہے۔ (بحر ص ۳۶۶)

(۳۹) فی قدر المقبوض

الخ ص ۲/۳۰ اگر مصنف اس قید کو ذکر نہ کرتا تو بہتر تھا کیونکہ اختلاف مقدار مبیع میں ہو یا اسکی صفت میں یا تعین میں بہرحال قابض ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

(۴۰) لا المزروع

الخ ص ۲/۴۹ علی الاطلاق حرمت تصرف کی نفی کرنا صحیح نہیں اسواسطے کہ مبیع مزروع میں پیمائش سے قبل تصرف کا جائز ہونا اس وقت ہے جب ہر گز کا نرخ جدا جدا بیان نہ کیا ہو ورنہ جائز نہیں۔ (زیلعی)

---

[1] ای بدار فیها خیار الشرط ۱۲

(۴۱)لو مالحا

الخ ص ۲/۶۳ ملیح اور مملوح نمک آلو دمچھلی کو کہتے ہیں اس کے لئے سمک مالح بھی بولتے ہیں مگر یہ غیر فصیح اور ردی لغت ہے۔ فی المغرب سمک مليح ومملوح وهو القديد الذى فيه الملح ولايقال مالح الا فى لغة ردئية۔(بحر ۶/۱۷۲)

(۴۲)وبلاقبول الطالب

الخ ص ۲/۸۶ بالخصوص طالب کو مجلس عقد میں کفالت قبول کرنا کفالہ کے نافذ ہونے کے لئے شرط ہے اور مجلس ایجاب میں اصل قبول کا ہونا۔ شرط صحت ہے فلو حذف " الطالب " لكان اولى كمافعل فى الاصلاح ونبه عليه فى الايضاح۔
(بحر ص ۶/۲۵۲، مجمع ص ۲/۱۳۷)

(۴۳)اذا كان المقطوع

الخ ص ۲/۱۱۴ اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر مقریوں کہے کہ اخذ مال یا قطع ید کا تحقق قبل از تقلید یا قاضی کے معزول ہونے کے بعد ہوا ہے تب بھی بقول صحیح قاضی ہی کا قول معتبر ہے۔

(ہدایہ ص ۲/۱۳۷، بحر ص ۷/۵۹، مجمع الانہر ص ۲/۱۸۴، غایۃ الاوطار ص ۳/۲۶۸)۔

(۴۴)وتعديل الخصم لايصح

الخ ص ۲/۱۱۸ اگر مدعا علیہ ان لوگوں میں سے ہو جن کی طرف تعدیل میں رجوع ہوتا ہے تو اسکی تعدیل صحیح ہے بزازیہ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے فكان ينبغى للمصنف ان يقيده بقوله وتعديل الخصم الذى لم يرجع اليه فى التعديل لايصح كما قيده به صاحب المنح والتنوير۔(مجمع الانہر ص ۲/۱۹۰)

(۴۵)مالم يشهد عليه

الخ ص ۲/۱۱۸ لو قال مالم يشهد عليها كما فى الهدا يه وغيرها لكان اولى لمافى الخزانة لوقال اشهد على بكذا اوشهد على ماشهدت كان باطلا ولابدا ن يقول اشهد على شهادتى "(بحر ص ۷/۷۸)۔

(۴۶)ادعى دارًا ارثًا

الخ ص ۱/۱۲۹ مصنف نے ارث کو ملک مقید کی مثال میں ذکر کیا حالانکہ ارث بقول مشہور ملک مطلق کی مانند ہے صاحب بحر نے فتح القدیر سے یہی نقل کیا ہے اور اسی پر بزازیہ اور خلاصہ میں جزم و یقین ہے (بحر ص ۷/۱۱۶، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۱۰)۔

(۴۷)منذ شهر

الخ ص ۲/۱۳۱ اگر شاہدین نے زندہ شخص کے قبضہ یا اسکے تصرف کی گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں خواہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ایک مہینہ یا ایک سال سے قبضہ تھا یا نہ کہا ہو پس منذ شہر کی قید نہ ہوتی تو بہتر تھا۔(غایۃ الاوطار ص ۳/۳۱۴، بحر ص ۷/۱۳۷)

(۴۸)ولم يضمنا فى البيع

الخ ص ۲/۱۳۹ اسکے بجائے ولم يضمنا البيع والشراء الا مانقص اوزاد" بہتر تھا کیونکہ اس میں وہ صورت بھی داخل ہو جاتی جس میں مشہود علیہ مشتری ہو کیونکہ اس صورت میں شہود پر اس قدر کا ضمان آئے گا جو قیمت سے زائد ہو۔(بحر ص ۷/۱۴۶)

(۴۹)بكل مايعتقده بنفسه

الخ ص۲/۱۴۲ اسکے بجائے ''بکل مایباشرہ'' بہتر تھا کہ عقد وغیرہ عقد (خصومت) سب کو شامل ہو جاتا فکان مستغنیاً عن افراد بعض الاشیاء (بحر ص۷/۱۰۷)

(۵۰) صح ان سمی ثمناً

الخ ص۲/۱۴۴ الو قال" ان بین نو عاً اوسمی ثمناً کان اولی لان الو کالۃ صحیحۃ ببیان النوع کعبد رومی حبشی وان لم یسم الثمن (بحر ۷/۱۶۸)

(۵۱) ردہ علی الآمر

الخ ص۲/۱۵۱ الوقال" فھوردعلی الموکل " لکان اولی لان الوکیل لایحتاج الی خصومۃ مع الموکل الااذاکان عیبًا یحدث مثلہ (بحر ص۷/۱۸۷)

(۵۲) وردودیعتہ

الخ ص۲/۱۸۲ الوقال وردعین لکان اولی فانہ لافرق بین ردالودیعۃ والعاریۃ والمغصوب والبیع فاسدًا کما صرح بہ فی الخلاصہ (بحر ص۷/۹۱۹۱)

(۵۳) لوورث عبداً

الخ ص۲/۱۶۵ اسکے بجائے یوں کہنا بہتر تھا ''لوادعی علی الوارث عیناً اودینا کہ یہ میت پر دعویٰ دین کو بھی شامل ہو جاتا۔ (بحر ص۷/۲۲۶)

(۵۴) اختلفا فی قدر الثمن

الخ ص۲/۱۶۷ الفظ قدر کو حذف کر دینا بہتر تھا کیونکہ جو حکم مقدار ثمن کے اختلاف میں ہے وہی حکم وصف وجنس کے اختلاف میں ہے کمافی الہدایہ۔ (بحر ص۷/۲۳۹، مجمع الانہر ص۲/۲۶۲)

(۵۵) ولم یرضیا

الخ ص۲/۱۶۷ اسکے بجائے یوں ہونا چاہئے تھا ''ولم یرض واحد منہما بدعوی صاحبہ'' کیونکہ تحالف کے لئے کسی ایک کی عدم رضا شرط ہے نہ کہ دونوں کی۔ (بحر ص۷/۲۳۹، مجمع ص۲/۲۶۳)

(۵۶) بمازادعلی قیمتہ

الخ ص۲/۱۹۸ قیمت سے زائد پر امام صاحب کے نزدیک صلح کا جائز ہونا اس وقت ہے جب قاضی نے قیمت دینے کا حکم نہ کیا ہو اس سے پہلے ہی صلح ہوگئی ہو ورنہ بالاجماع صلح جائز نہیں پس بمازادعلی قیمتہ کو ''قبل قضاء القاضی'' کیساتھ مقید کرنا چاہیئے۔
(ہدایہ ص۲/۲۴۳، مجمع الانہر ص۲/۳۱۳)

(۵۷) الصلح عما استحق

الخ ص۲/۲۰۱ کنز کے اکثر نسخوں میں یہی ہے لیکن یہ سہو ہے صحیح یوں ہے ''الصلح علی ما استحق''۔ (حاشیہ اعزازیہ ص۴)

(۵۸) صح علیہ

الخ ص۲/۲۰۱ یہ اس وقت ہے جب مدیون نے دائن سے مخفی طور پر کہا ہو اگر اس نے علی الاعلان کہا کہ جب تک تو مہلت نہ دے گا یا کچھ معاف نہ کرے گا اس وقت تک میں تیرے دین کا اقرار نہ کروں گا تو مال فی الحال لیا جائے گا پس یوں کہنا چاہئے تھا ومن قال لآخر سرّاً لا اقر

(ہدایہ ص ۲/ ۱۳۷، مجمع س ۲/ ۳۱۷)

(۵۹) فلہ اجرہ بحسابہ

الخ ص ۲/ ۲۴۳ یہ اس وقت جب اجیر کو اہل وعیال کے عدد پہلے معلوم ہوں ورنہ پوری اجرت ملے گی جیسا کہ ہدایہ برہان، درر تبیین اور عینی وغیرہ میں مصرح ہے فلو قیدہ بقولہ لو کونوا معلومین والا فکلّہ" لکان اولی اور خلاصہ وقہستانی میں ہے کہ اگر اجیر کو انکی شمار معلوم نہ ہو تو اجارہ ہی فاسد ہو جائے گا (مجمع الانہر ص ۲/ ۳۷۴، بحر ص ۷/ ۳۳۰)۔

(۶۰) دفعا للفساد

الخ ص ۲/ ۲۴۲ الاولی ان یقول رفعًا لان الدفع قبل التحقق والثبوت والرفع بعدہ وهو المناسب ههنا۔ (طحطاوی)

(۶۱) کتاب المکاتب

الخ ص ۲/ ۲۵۱ مکاتب کے بجائے کتابۃ ہونا چاہئے تھا کیونکہ فقہ میں مکلّف کے افعال سے بحث ہوتی ہے اور فعل کتابتہ ہے نہ کہ مکاتب الا ان یجعل المکاتب مصدرا میمیًا کمافی البرجندی (درر المنتقی ص ۲/ ۴۰۵)

(۶۲) وعزم ان وطی

الخ ص ۲/ ۲۵۱ لوقال "فعزل" لکان اولی انه تفریع علی مابین من خروج المکاتب من یدالمولی (تکملہ)

(۶۳) فیبطل تحریرہ

الخ ص ۲/ ۶۷۸ لوقال "فیتوقف تحریرہ" لکان اولی لان غایة تصرف فضولی. (تکملہ بحر ص ۸/ ۱۰۰)

(۶۴) وحمل الدابۃ

الخ ص ۲/ ۲۸۱ اس کے بجائے "تحمیل الدابۃ" ہونا چاہئے کیونکہ حمل دونوں مفعولوں کی طرف متعدی بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ ایک کی طرف متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف بواسطہ جر تقول حملت المتاع علی الدابۃ پس حمل مصدر کی اضافت متاع کی طرف صحیح ہے نہ کہ دابتہ کی طرف۔ فتقول حمل المتاع ولا تقول حمل الدابۃ ہاں اگر حمل مضعف ہو تو دونوں مفعولوں کی طرف متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے تقول حملت المتاع الدابۃ اس وقت اسکے مصدر کی اضافت دابہ کی طرف صحیح ہوتی ہے تقول تحمیل الدبۃ (تکملہ فتح القدیر ص ۷/ ۳۶۳)

(۶۵) ولو برہنا

الخ ص ۲/ ۳۰۵ یہ عبارت جامع صغیر کی ہے اور دعوی الملک جو اس سے پہلے مذکور ہے قدوری کی روایت ہے دونوں کا تعلق دعوی ملک مطلق سے ہے پس مسئلہ مکرر ہوا جو مختصر کی شان کے خلاف ہے (تکملہ بحر، عینی شرح کنز، مجمع الانہر)

(۶۶) وجنایۃ علیہما وعلی مالہما ہدر

الخ ص ۲/ ۳۶۸ اگر مرہون غلام راہن یا مرتہن پر جنایت کرے تو جنایت رائگاں ہوگی لیکن یہ اس وقت ہے جب جنایت موجب قصاص نہ ہو ورنہ قصاص لیا جائے گا پس غیر موجب قصاص ہونے کی قید کا ہونا ضروری تھا۔

(مجمع درر ص ۲/ ۲۰۸، تکملہ بحر ص ۸/ ۲۷۱، غایہ ص ۴/ ۲۹۹، عنایہ ص ۸/ ۲۳۳)

فہرست شروحات وحواشی کتاب کنز الدقائق

۱۔البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	زین العابدین ابن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
۲۔تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین ابومحمد عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۳۔رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	قاضی بدر الدین عینی	۸۵۵ھ
۴۔المطلب الفائق کنز الدقائق	علامہ بدرلدین محمد بن عبدالرحمٰن العیسی الدبدریری	
۵۔النہر الفائق شرح کنز الدقائق	سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر	
۶۔المستخلص	ابراہیم بن محمد القاری الحنفی	
۷۔الفرائد فی حل المسائل والقواعد	مصطفٰے بن بالی المعروف ببالی زادہ	
۸۔ فتح مسالک الرمز فی شرح مناسک الکنز	عبدالرحمٰن عیسی العمری	
۹۔شرح کنز الدقائق	معین الدین الہروی المعروف بملا مسکین	
۱۰۔شرح کنز الدقائق	قاضی عبدالبر بن محمد المعروف بابن الشحنہ الحلبی	۹۲۱ھ
۱۱۔شرح کنز الدقائق	الخطاب بن ابی القاسم القرہ حصاری	۷۳۰ھ
۱۲۔شرح کنز الدقائق	شمس الدین محمد بن علی القوج حصاری	
۱۳۔شرح کنز الدقائق	قاضی زین الدین عبدالرحیم بن محمود العینی	۸۶۴ھ
۱۴۔شرح کنز الدقائق	علی بن محمد الشہیر بابن غانم القدسی	۱۰۰۴ھ
۱۵۔شرح کنز الدقائق	شیخ قوام الدین ابوالفتوح مسعود بن ابراہیم الکرمانی	۷۴۸ھ
۱۶۔شرح کنز الدقائق	ابن سلطان قطب الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عمر الصالحی	۹۸۷ھ
۱۷۔شرح کنز الدقائق	ابوحامد محمد بن احمد بن الضیاء المکی	۸۵۸ھ
۱۸۔حاشیہ کنز الدقائق	شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی بن محمد مزاج علی	۱۳۷۴ھ
۱۹حاشیہ کنز الدقائق	مولانا محمد احسن الصدیقی النانوتوی	۱۳۱۲ھ
۲۰۔احسن المسائل ترجمہ اردو کنز	مولانا محمد احسن الصدیقی النانوتوی	

صاحبِ کنز کی تاریخ وفات

امام نسفی کی تاریخ وفات میں شدید اختلاف ہے، شیخ قوام الدین اتقانی اور ملا علی قاری نے ۷۱۰ھ ذکر کی ہے۔ اور بعض حضرات نے ۷۰۱ھ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اپنے رسالہ "الامل فی بیان الوصل والفصل" میں ۷۱۰ھ کے بعد مانی ہے۔ شیخ حموی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ انکی وفات ماہ ربیع الاول ۷۱۱ھ میں جمعہ کی شب میں ہوتی ہے۔ علامہ اتقانی نے جائے وفات شہر "ایذج" بتایا ہے اور جائے دفن "الجلال" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تَمَّتِ المقدَّمَةُ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالمِنَّة

محمد حنیف گنگوہی غفرلہ ولوالدیہ

فہرست مضامین کتاب معدن الحقائق شرح اردو کنز الدقائق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْعِلْمَ فِی الْاَعْصَارِ وَ اَعْلٰی حِزْبَهٗ وَ الْاَنْصَارِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عزت بخشی ہے علم دین کو ہر زمانہ میں اور رتبہ بلند کیا ہے گروہ اہل علم کا اور اس کے مددگاروں کا۔

قولہ...... بسم اللہ الخ ماتن نے آغاز کتاب تسمیہ وتحمید ہر دو کیساتھ کیا ہے۔ جس میں اقتداءِ قرآن کے ساتھ ساتھ اتباع حدیث بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" کل امر ذی بال" اہ جس کام کی ابتداء بسم اللہ (اور ایک روایت میں ہے کہ (الحمد للہ) سے نہ کی گئی ہو وہ بے برکت ہوتا ہے، مدنی ابن مسعود راوی نسائی، ابوداؤد، خطیب بغدادی نے روایت کی تخریج اور ابن ماجہ ابن حبان، ابن صلاح، ابوعوانہ وغیرہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے اس لئے علماء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے۔

قولہ...... الحمد للہ الخ حمد کے معنی ہیں ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے اس میں الف لام جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی ماہیت وحقیقت حمد اللہ کیساتھ خاص ہے اور عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی وہ حمد جو اللہ نے اپنی ذات صفات کی کی ہے فی الحدیث "انت کما اثنیت علی نفسک" اور استغراق کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی تمام محامد اللہ کیساتھ مختص ہیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ، صاحب کشاف نے پہلی صورت اختیار کی ہے کیونکہ مصادر پر داخل ہونے والے الف لام میں اصل جنسیت ہی ہے (مطول) صاب مجمع نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ عہد استغراق پر مقدم ہے، جمہور نے تیسری صورت کو پسند کیا ہے بہر سہ تقدیر عبارت اختصاص حمد پر دال ہے۔ سوال لفظ حمد صفت پر دال ہے اور لفظ اللہ ذات پر اور ذات طبعاً مقدم ہے لہذا ذکراً بھی مقدم کرنا چاہئے۔ جواب حمد کی تقدیم اہتمام مقام کی وجہ سے ہے لہ مقام مقام حمد ہے اور بلاغت مقتضی مقام کی رعایت ہی کا نام ہے۔

سوال تقدیم ظرف کی صورت مفید اختصاص ہے۔ جواب صاحب کشاف وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ الحمد للہ میں بھی اختصاص پر دلالت ہے۔ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے اصل میں الٰہ تھا بمعنی مالوہ (معبود) جیسے کتاب بمعنی مکتوب (والتفصیل فی شرحنا نیل الامانی)

قولہ...... اعز العلم الخ اس سے علم شرائع یعنی علم فقہ مراد ہے کیونکہ مقصود بالتالیف علم فقہ ہی ہے اور اعزاز علم سے مراد ہر عامل کے قلب میں علم فقہ کی عظمت ووقعت پیدا کرنا ہے۔ اعصار عصر کی جمع ہے بمعنی زمانہ۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فعل مفتوح الفاء صحیح و ساکن العین کی جمع افعال کے وزن پر شاذ ہے۔ قیاس کی رو سے افعل کے وزن پر ہونی چاہئے۔ قال ابن مالک الفعل اسما صح عینا افعل" پھر مصنف نے اس کو کیوں اختیار کیا؟ جواب: جب جمع قلت محلی بلام استغراق ہو تو وہ جمع کثرت کے مساوی ہوتی ہے۔ (ذکرہ الحموی)

قولہ...... واعلیٰ حزبہ الخ اعلیٰ باب افعال کی ماضی ہے بلند کرنا۔ حزب: اصل میں قطعہ شئی کو کہتے ہیں یہاں جماعت و گروہ مراد ہے ضمیر مجرور علم کی طرف راجع ہے۔ انصار خلاف قیاس ناصر کی جمع ہے۔ اس کی جمع فواعل کے وزن پر آنی چاہئے جیسے فارس و فوارس (وقد حققناہ فی نیل الامانی) شیخ حموی فرماتے ہیں کہ اس کو نصیر کی جمع ماننا بہتر ہے کیونکہ یہ یا تو صفت مشبہ ہے جو مقتضی ثبوت ہے یا صیغہ مبالغہ ہے جو مفید معنی کثرت ہے اور ناصران دونوں سے خالی ہے جملہ "واعلی حزبہ اھ" میں آیت "یرفع اللّٰہ الذین امنوا امنکم والذین اوتوا العلم درجات" کی طرف اشارہ ہے۔

وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْمُخْتَصِّ بِهٰذَاالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْامِنْهُ بِحَظٍّ جَسِيْمٍ

اور رحمت کاملہ نازل ہو اللہ کے رسول ﷺ پر جو مخصوص ہیں اس فضل عظیم کیساتھ اور آپ کی آل پر جو کامیاب ہوئی ہے اس کے بڑے حصہ کیساتھ

قوله...... والصلوٰة الخ اسکی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو بمعنی رحمت اور جب ملائکہ کی طرف ہو تو بمعنی استغفار اور جب مومنین کی طرف ہو تو بمعنی دعا ہوتا ہے گویا رحمت، استغفار، دعا ہرسہ صلوٰۃ کے افراد ہیں پس یہ معنی مشترک فیہ (تعظیم) کے لئے ہے نہ یہ کہ باوضاع متعددہ معانی متغایرہ کے لئے موضوع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ مشترک معنوی ہے جیسے حیوان نہ کہ مشترک لفظی جیسے لفظ عین پس آیت ''ان اللّٰہ و ملائکته اه پر جو یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس میں مشترک لفظ کو باستعمال واحد اس کے دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے یہ اشکال ختم ہو گیا۔

تنبیہ:...... ماتن نے صلوٰۃ کیساتھ سلام کو ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہ بتانا ہے کہ ترک سلام مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے اور بتقدیر تسلیم کراہت کا تعلق تلفظ سے ہے نہ کہ خط و کتابت سے ولعله اتی بهما تلفظا و اکتفیٰ بالصلوٰة کتابة

قوله...... علی رسوله الخ مشہور یہ ہے کہ رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے نہ کہ اس کا عکس لیکن تحقیق یہ ہے کہ نبی اور رسول میں عموم وخصوص من وجہ ہے، رسول کے لئے صاحب کتاب وشریعت جدید ہونا ضروری ہے، لہذا رسول خاص ہے مگر چونکہ فرشتوں اور انسانوں میں سے نبی غیر نبی پر رسول کا اطلاق ہوا ہے۔ اس لئے رسول عام ہے برخلاف نبی کے کہ وہ صرف صاحب وحی انسانوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے وہ خاص ہے۔ البتہ صاحب کتاب وغیر صاحبِ کتاب دونوں پر بولا جاتا ہے اس لحاظ سے عام ہے۔

قوله و علیٰ...... الخ ماتن نے اہل بیت پر درود بھیجتے ہوئے لفظ علی کو ذکر کر کے شیعہ پر رد کیا ہے جو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور حدیث ''من فصل بینی و بین آلی بعلی لم ینل شفاعتی'' کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو شخص میرے اور میری آل کے درمیان لفظ علیٰ سے فصل کریگا، وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔ رد کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث موضوع ہے اور بتقدیر صحت اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص آپ کے اور آپکی آل کے درمیان حضرت علی کے ذریعہ فصل کرے گا اور ان کو نہ مانیگا وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔

قوله...... اله الخ آل کی اصل اہل ہے ہاء کو ہمزہ سے بدلکر ہمزہ ثانیہ کو اجتماع ہمزتین کی بنا پر الف سے بدل دیا۔ سوال ہاء کو ہمزہ سے بدلنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قلب وابدال کا مقصد ثقیل کو خفیف کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے اور یہاں اس کا عکس ہو گیا کیونکہ ہمزہ ہاء کی نسبت ثقیل تر ہے جواب: ہاء کو ہمزہ کی جانب منتقل کرنے سے مقصود بالذات ہمزہ ثقیلہ نہیں بلکہ خفیف مطلق یعنی الف کی طرف منتقل کرنے کے لئے وسیلہ بنانا اس واسطے کہ ہاء کو ابتداءً الف سے بدلنا معہود نہیں بخلاف ہمزہ کے کہ اس کا الف سے بدلنا معہود ہے جیسے اراق، ماء کہ اصل میں ہراق، ماہ تھے۔ آل کی اصل جو اہل قرار دی گئی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ اسکی تصغیر اہیل آتی ہے۔

سوال: اہیل تو خود آل پر موقوف ہے کیونکہ وہ اسکی تصغیر ہے اور مصغر مکبر کی فرع ہوتی ہے پس آل اہیل پر موقوف ہوا اور اہیل آل پر اور یہی دور ہے جواب دور اس وقت لازم آتا جب توقف کی جہت متحد ہوتی اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مصغر کا مکبر پر موقوف ہونا وجود وتحقیق کے اعتبار سے ہے اور مکبر کا مصغر پر موقوف ہونا حروف اصلیہ کی معرفت کی جہت سے ہے۔ پھر لفظ آل گو اپنی اصل اہل کے اعتبار سے عام ہے۔ مگر استعمال کے اعتبار سے اس میں دو تخصیصیں پیدا ہو گئیں اول یہ اسکی اضافت غیر عاقل کی جانب نہیں ہوتی یعنی آل اسلام اور آل مصر نہیں کہا جاتا بلکہ اہل اسلام اور اہل مصر کہتے ہیں دوم یہ کہ عاقل کی جانب بھی اس وقت اضافت ہوتی ہے جب اس کے لئے کوئی شرافت ہو خواہ دینی و دنیوی دونوں ہوں جیسے آل نبی یا صرف دنیوی جیسے آل فرعون:

محمد حنیف گنگوہی

قَالَ مَوْلَانَا الْحِبْرُ النِّحْرِيْرُ مُحْرِزُ قَصَبَاتِ السَّبْقِ فِي التَّقْرِيْرِ وَ التَّحْرِيْرِ عَلَمُ الْهُدیٰ
کہا ہے مولانا نے جوایک عالم ، پختہ کار ، تقریر و تحریر میں سبقت لیجانیوالے ، ہدایت کے علم بردار،

عَلَّامَةُ الْوَرىٰ مَالِكُ اَزِمَّةِ الْفُتْيَا مُظْهِرُ كَلِمَاتِ اللّٰهِ الْعُلْيَا كَشَّافُ الْحَقَآئِقِ
مخلوق میں نہایت واقف کار، فتاویٰ کی باگ ڈوروں کے مالک، باری تعالیٰ کے کلمات عالیہ کے ظاہر کرنے والے حقیقتوں کو خوب کھولنے والے،

مُبَيِّنُ الدَّقَائِقِ سُلْطَانُ عُلَمَآءِ الشَّرْقِ وَالصِّيْنِ حَافِظُ الْحَقِّ وَالْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ شَمْسُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ
باریکیوں کونمایاں کرنے والے ، مشرق ومغرب کے علماء کے سرتاج ، ملت ومذہب کے محافظ

وَارِثُ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ابُوالْبَرَكَاتِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَبْنَ مَحْمُوْدِ النَّسَفِيُّ
اور انبیاء ومرسلین کے وارث ہیں جن کی کنیت ابوالبرکات اور نام عبداللہ ہے احمد بن محمود کے بیٹے اورنسف کے رہنے والے ہیں،

مَتَّعَ اللّٰهُ الْمُقْتَبِسِيْنَ بِدَوَامِ بَقَآئِهٖ لَمَّا رَاَيْتُ الْهِمَمَ مَآئِلَةً اِلَى الْمُخْتَصَرَاتِ
استفادہ کاموقع نصیب فرمائے خداوند تعالیٰ مستفیدین کوآپ کی درازی عمر کیساتھ کہ جب دیکھیں میں نے ہمتیں مائل مختصرات کی طرف

وَالطَّبَائِعَ رَاغِبَةً عَنِ الْمُطَوَّلَاتِ اَرَدْتُّ اَنْ اُلَخِّصَ الْوَافِيَ بِذِكْرِ مَا عَمَّ وُقُوْعُهٗ
اور طبیعتیں اعراض کرنے والیاں مطولات سے توخلاصہ کرناچاہا میں نے کتاب وافی کاان مسائل کوذکر کرنیکے ساتھ جن کاوقوع عام

وَكَثُرَ وُجُوْدُهٗ لِتَتَكَثَّرَ فَائِدَتُهٗ وَتَتَوَفَّرَ عَآئِدَتُهٗ فَشَرَعْتُ فِيْهِ
اور وجود بکثرت ہوتاہے تاکہ اس کافائدہ بڑھے اور نفع زائد ہو، پس شروع کردی میں نے اس کی تلخیص

بَعْدَ الْتِمَاسِ طَآئِفَةٍ مِّنْ اَعْيَانِ الْاَفَاضِلِ وَاَفَاضِلِ الْاَعْيَانِ الَّذِيْنَ هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْاَنْسَانِ لِلْعَيْنِ وَالْعَيْنِ لِلْاِنْسَانِ
اصحاب فضل وکمال علماء کی ایک جماعت کی درخواست پر جو مثل پتلی کے ہیں آنکھ کے لئے اور آنکھ کی مانند ہیں انسان کے لئے

مَعَ مَابِيْ مِنَ الْعَوآئِقِ وَسَمَّيْتُهٗ بِكَنْزِ الدَّقَائِقِ
ان موانع ومشاغل کے ہوتے ہوئے جن میں میں پھنسا ہواتھا اور نام رکھ دیا میں نے اس کا کنزالدقائق

وَهُوَ وَاِنْ خَلَا عَنِ الْعَوِيْصَاتِ وَ الْمُعْضَلَاتِ فَقَدْ تَحَلّٰى بِمَسَآئِلِ الْفَتَاوىٰ وَالْوَاقِعَاتِ
اور یہ گو مشکل ودشوار مسائل سے خالی ہے مگر واقعات اور مفتی بہا مسائل سے مزین ہے

مُعْلِمًا بِتِلْكَ الْعَلَامَاتِ وَزِيَادَةِ الطَّآءِ لِلْاِطْلَاقَاتِ
درانحالیکہ نشاندہی کرنے والاہوں ان علامات کیساتھ۔اور اشارہ کرنے والاہوں طاء کی زیادتی کیساتھ اطلاقات کی طرف

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلْاِتْمَامِ وَالْمُيَسِّرُ لِلْاِخْتِتَامِ
اللہ ہی توفیق دینے والاہے پورا کرنے کی اور وہی سہل کرنے والاہے اس کے اختتام کو

قولہ.....قال مولانا الخ یہاں سے بدوام بقاءٖ تک عبارت ماتن کے بعض تلامذہ کی ہے اصل مسودہ میں بقول ملا مسکین یہ عبارت تھی۔ ''قال العبد الضعيف الفقير الى الله الودود ابو البركات عبدالله بن احمد بن محمود النسفي غفر الله له ولوالديه واحسن اليهما واليه'' الحبر صالح عالم نحریر حاذق وماہر جمع نحاریر، محرز احراز سے اسم فاعل ہے جمع کرنا، قصبات جمع قصبہ اس چھوٹے سے تیر کو کہتے ہیں جودوڑ کے میدان کی آخری جانب میں اس لئے گاڑا جاتا ہے کہ جوآگے بڑھے وہ لیجائے علم کوہ طویل سردار قوم، ازمہ جمع زمام جس سے کوئی چیز باندھی جائے باگ، نکیل، لگام، فتیا فتوی جمع فتاویٰ، حافظ اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں جس کا علم ایک

لاکھ احادیث کو محیط ہو پھر حجۃ کا درجہ ہے وہ شخص جو تین لاکھ احادیث کا عالم ہو، اسکے بعد حاکم جس کو جمیع احادیث مرویہ متناسنداً جرحاً تعدیلاً تاویلاً تاریخاً ہر حیثیت سے محفوظ ہوں۔ ملت اور دین ذاتاً متحد ہیں اعتباراً مختلف، شریعت باین حیثیت کہ اسکی اطاعت ہوتی ہے دین کہلاتی ہے اور بایں حیثیت کہ وہ سب کو جمع کر دیتی ہے ملت کہلاتی ہے اور بایں حیثیت کہ وہ ہماری طرف راجع ہے مذہب کہلاتی ہے (قالہ الجرجانی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین منسوب الی اللہ ہوتا ہے اور ملت واضع شریعت کی طرف منسوب ہوتی ہے اور مذہب مجتہد کی طرف وارث الانبیاء یہ بلحاظ قول نبی صلعم ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' ہے النسفی شہر نسف (بکسر سین) کی طرف منسوب ہے۔ بوقت نسبت سین کو مفتوح بولتے ہیں جیسے صدف میں صدفی فتح کیساتھ بولتے ہیں۔ لما رأیت قال مولانا کا مقولہ ہے، اہم جمع ہمت قصد وارادہ۔ اردت لما کا جواب ہے۔ الوافی: مصنف کی ایک کتاب ہے۔ جو بترتیب عجیب و بترکیب غریب ہدایہ، قدوری، منظومہ، زیادات، واقعات، جامع صغیر جامع کبیر فتاوی وغیرہ کے مسائل کثیرہ پر مشتمل ہے کنز الدقائق اسی کا اختصار ہے، فشرعت میں فاء عاطفہ اردت پر معطوف ہے۔ اعیان جمع عین خیار شئی، افاضل جمع افضل اضافت بمعنی لام ہے اور ''اعیان الافاضل وافاضل الاعیان'' میں صنعت عکس وتبدیل ہے۔ انسان آنکھ کی پتلی، العوائق موانع خلا خلوًا خالی ہونا، عویصات جمع عوائض دشوار کام، المعضلات: جمع معضلۃ۔ نہایت مشکل مسئلہ اس سے مراد جامع صغیر یا جامع کبیر کے مسائل ہیں۔ معلماً بسکون عین۔ اعلم الشئی علامت لگانا۔ بتلک۔ ان علامات کی طرف اشارہ ہے جو وافی میں مذکور ہیں اور اسامی ائمہ سے ماخوذ ہیں یعنی 'ح' امام ابوحنیفہ کے لئے 'س' امام ابو یوسف کے لئے 'م' امام محمد کے لئے 'ز' امام زفر کے لئے۔ 'ک' امام مالک کے لئے 'ف' امام شافعی کے لئے، یہی علامتیں کنز میں مذکور ہیں۔ بجز آنکہ صرف 'ط' سے مسائل مطلقہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ علامت وافی میں نہیں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

کتاب الطهارة

فَرْضُ	الوضوءِ	غَسْلُ	وجهِهٖ
وضو کے فرض	(یہ ہیں)	نمازی کو	اپنا منہ دھونا

فرائض وضو کا بیان

توضیح اللغۃ:...... کتاب الطہارۃ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ہذا کتاب الطہارۃ۔ یا منصوب ہے ای ہاک کتاب الطہارۃ اوخذہ کتاب: لغۃً مصدر ہے بمعنی حروف جمع کرنا، یا فعال بمعنی مفعول ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس بہر دو تقدیر بمعنی مجموع ہے اور اصطلاحاً مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کو مستقل مان لیا گیا ہو خواہ وہ فی نفسہ مستقل ہو جیسے کتاب اللقطہ یا مابعد کا تابع ہو جیسے کتاب الطہارۃ طہارۃ بفتح طاء مصدر ہے بمعنی نظافت اور بضم طاء حصول طہارت کے بعد باقی ماندہ پانی اور بکسر طاء آلہ طہارت فرض وہ حکم شرعی جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فرض اعتقادی جس کا منکر کافر اور تارک فاسق و مستحق عقاب ہوتا ہے۔ (۲) فرض عملی جس کے بغیر عمل درست نہ ہو جیسے وتر کہ فائت وتر کی نماز فجر صحیح نہیں جبکہ اس کو یاد ہو کہ میں نے وتر کی نماز ادا نہیں کی۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الطہارۃ الخ ماتن نے دینی ارکان عبادات، معاملات، حدود وغیرہ میں سے سب سے پہلے عبادت کو ذکر کیا ہے کیونکہ عبودیت کے معنی عبادت ہی سے متحقق ہوتے ہیں پھر جملہ عبادتوں میں نماز کو مقدم کیا ہے کیونکہ نماز تمام عبادتوں میں اہم ہے۔ قال النبی صلعم "الصلوۃ عماد الدین" اھ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے اپنا دین قائم رکھا اور جس نے اسے منہدم کر دیا اس نے اپنے دین کو منہدم کر دیا۔ اسکے بعد نماز پر اس کی شرط کو مقدم کیا ہے کیونکہ بلا شرط مشروط کا تحقق نہیں ہوتا پھر شروط میں سے طہارۃ کو مقدم کیا ہے کیونکہ نماز کی کنجی طہارت ہے جس کے بغیر نماز کی حلت و اباحت حاصل نہیں ہو سکتی، قال النبی صلعم . مفتاح الصلوۃ الطہور۔

قولہ...... فرض الوضوء الخ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ صغریٰ (وضو) کبریٰ (غسل) ماتن نے وضو کو غسل پر مقدم کیا ہے کیونکہ آیت وضو اور تعلیم جبرئیل میں وضو ہی مقدم ہے۔ نیز بمقابلہ غسل وضو کی احتیاج بھی زیادہ ہوتی ہے، فرائض وضو چار ہیں۔ چہرہ کا اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک مرتبہ دھونا اور چوتھائی سر کا اور ڈاڑھی کا مسح کرنا۔

وَهُوَ مِنْ قُصَاصِ شَعْرِهٖ اِلٰى اَسْفَلِ ذَقَنِهٖ وَاِلٰى شَحْمَتَيِ الْاُذُنِ

ہ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے (طول میں) اور دونوں کانوں کی لو تک ہے (عرض میں)

يَدَيْهِ بِمِرْفَقَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِكَعْبَيْهِ وَمَسْحُ رُبُعِ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ

ور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت (دھونا) اور چوتھائی سر اور ڈاڑھی کا مسح کرنا

توضیح اللغۃ:...... قصاص۔ سر کے بال نکلنے کی منتہا آگے سے ہو یا پیچھے سے یا اطراف سے ذقن ٹھوڑی جمع اذقان۔ شحمۃ الاذن کان کی لو، مرفق کہنی۔ رجل پاؤں، کعب ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنا، مسح پانی کا تر ہاتھ پھیرنا لحیۃ ڈاڑھی۔

تشریح الفقہ:...... قولہ وہو من قصاص الخ چہرہ کی حد لمبائی میں سر کے بالوں کی آخری حد ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ اور چوڑائی ں ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ مصنف کی عبارت "وہو من قصاص اھ" کئی اعتبار سے مخدوش ہے۔ (۱) لمبائی

میں چہرہ کی حد قصاص شعر سے ذکر کی ہے۔ حالانکہ اصل حد سطح پیشانی کے آغاز سے ہے۔ (۲) الی شحمتی الاذن، کا عطف "الی اسفل ذقنہ" پر ہے لہذا یہ اس کے حکم میں داخل ہوگا اور معنی یہ ہونگے کہ لمبائی میں چہرہ کی حد قصاص شعر سے ہے یہاں تک کہ وہ منتہی ہو ٹھوڑی کے نیچے تک اور منتہی ہو کانوں کی لو تک حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ (۳) الی شحمتی الاذن کے بجائے الی شحمتی الاذنین کہنا چاہئے تھا کیونکہ ایک کان میں دو لو نہیں ہوتیں بلکہ ہر ایک کان میں ایک لو ہوتی ہے۔ (۴) اس تعریف سے یہ لازم آتا ہے کہ آنکھ ناک منہ کے اندر کے حصہ کا دھونا ضروری ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۱)...... کا جواب یہ ہے کہ تعریف باعتبار غالب ہے اور (۲) کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں حذف ہے ای ویبتدأ فی العرض الی شحمتی الاذن اور (۳) کا جواب یہ ہے کہ اذن اسم جنس ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہوتا ہے پس شحمۃ کی اضافت تقدیراً دونوں کانوں کی طرف ہے اور (۴) کا جواب یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ کا دھونا دفع حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا نیز جو لوگ وجہ کی تعریف مایواجہ بہ الانسان کے ساتھ کرتے ہیں ان کے ہاں اشیاء مذکورہ چہرہ میں داخل ہی نہیں۔

قولہ...... ویدیہ بمر فقیہ الخ چہرہ کی حد بندی سے فراغت کے بعد ہاتھ پاؤں کی تحدید ہے جس کا بیان یہ ہے کہ آیت " وایدیکم الی المرافق" اھ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہاتھ پاؤں کے دھونے میں کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں اور امام زفر کے نزدیک خارج۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا داخل نہیں ہوتی جیسے دربارۂ صوم حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اتموا الصیام الی اللیل اس میں غایت یعنی رات مغیا یعنی روزہ میں بالاتفاق داخل نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں غایتوں میں فرق ہے لہذا ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہاتھ پاؤں کا اطلاق پورے اعضاء پر ہوتا ہے۔ اگر یہ حد نہ بتائی جاتی تو بظاہر تمام اعضاء ہی مراد ہوتے۔ اس لئے یہاں الی اسقاطِ غایت کے لئے نہیں بلکہ اسقاط ماوراء غایت کے لئے ہے یعنی کہنیاں اور ٹخنے حکم غسل میں داخل ہیں اور ان سے باہر کا حصہ خارج بخلاف روزہ کے کہ اس کا اطلاق ایک گھڑی کھانے پینے جماع سے رکنے پر بھی ہو سکتا ہے اس لئے وہاں الیٰ مدِ حکم کے لئے ہے نہ کہ اسقاط کے لئے یعنی روزہ کا حکم صبح سے کھینچ کر شام تک لانا ہے اور رات کو اس حکم سے خارج کرنا ہے۔

قولہ و مسح ربع الخ چوتھائی سر کے مسح کا ضروری ہونا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور پیشاب سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوئے بقدر پیشانی سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا (مسلم ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، دارقطنی بیہقی، طبرانی، احمد) یہ حدیث بلا اختلاف صحیح اور امام شافعی پر حجت ہے جو تین بالوں کے مسح کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالک پر جو تمام سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔

وَسُنَّتُهٗ غَسْلُ يَدَيْهِ اِلَى رُسْغَيْهِ ابْتِدَآءً كَالتَّسْمِيَةِ وَالسِّوَاكُ وَغَسْلُ فَمِهٖ وَاَنْفِهٖ بِمِيَاهٍ

اور وضو کی سنتیں اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے پہنچوں تک ابتداء جیسے بسم اللہ کہنا اور مسواک کرنا، منہ دھونا (یعنی کلی کرنا) اور ناک میں پانی دینا تین بار

سنن وضو کا بیان

توضیح اللغۃ:...... رسغیہ رسغ کا تثنیہ ہے، گٹا، پہنچا، تسمیہ بسم اللہ پڑھنا، فم، منہ، انف ناک، میاہ جمع ماء، پانی۔

تشریح الفقہ:...... قولہ وسنتہ الخ لغت میں سنت کے معنی مطلق طریقہ اور عادت کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفیں ہیں۔ مگر سب مخدوش ہیں، غایۃ البیان میں ہے کہ "سنت وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے پر عقاب ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ نفس سنت کی تعریف نہیں بلکہ تعریف بالحکم ہے شرح نقایہ میں ہے کہ سنت وہ ہے جو حضور صلعم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب یا مستحب نہ ہو، اس تعریف پر سنت مباح کو بھی شامل ہوئی حالانکہ سنت اور شئی ہے اور مباح اور۔ صاحب عنایہ فرماتے

ہیں کہ سنت دین اسلام کے جاری طریق کو کہتے ہیں، یہ تعریف فرض و واجب کو شامل ہے، اسی لئے کشف میں ''من غیر افتراض ولا وجوب'' کی قید لگائی گئی ہے، بہر کیف سنت کی تقریباً ہر تعریف محل کلام ہے پس بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''سنت دین اسلام کے اس جاری طریق کو کہتے ہیں جس پر حضور نے واجب کئے بغیر عمل کیا ہو اب اگر آپ کا یہ عمل بطریق ہمیشگی ہوا ہو تو سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی ترک کے ساتھ ہوا ہو تو غیر مؤکدہ ہے۔

قولہ غسل الخ وضو میں تیرہ سنتیں ہیں۔(۱) ابتداءِ وضو میں دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا کیونکہ ہاتھ آلہ طہارت ہے لہذا سنت کی ابتدا اسی کی پاکی سے ہونی چاہئے مصنف نے اس غسل کو استیقاظ من النوم کیساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ یہ خواب سے بیدار ہونیوالے کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وضو کرنیوالے کے لئے سنت ہے۔(۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا'' (منشاءِ حدیث نفی فضیلت ہے) مگر تسمیہ سے مراد خاص کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے بلکہ مطلق ذکر مراد ہے محیط میں ہے کہ اگر لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشہدان لا الہ الا اللہ'' کہہ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائیگی۔ البتہ دبوسی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اور اکمل وخبازی نے بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام'' کو افضل کہا ہے پھر صاحب ہدایہ نے آغاز وضو میں تسمیہ کو مستحب مانا اور اسی کو اصح کہا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کو مستحب کہنا کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس کی سنیت پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔ اگر ان کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو ان کا اقتضاء تو وجوب ہوتا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی بھی ہے لہذا اس کو سنت ہی کہنا صحیح ہے۔

قولہ...... والسواک الخ (۳) مسواک کرنا کیونکہ حضور نے اسکو پابندی کیساتھ کیا ہے نیز آپکا ارشاد ہے کہ ''اگر مجھے امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو ہر وضو کے لئے مسواک کا حکم دیتا (نسائی، ابن خزیمہ، مالک عن ابی ہریرہ) پھر مسواک کے مسنون ہونے میں تین قول ہیں۔(۱) مسواک سنت وضو ہے اکثر احناف اسی کے قائل ہیں۔(۲) سنت نماز ہے شوافع اسی کے قائل ہیں۔(۳) سنت دین ہے امام اعظم سے یہی منقول ہے۔

فائدہ:...... احادیث میں مسواک کے بڑے فضائل ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسواک کر کے ایک نماز کا ثواب بغیر مسواک ستر نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔(احمد، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی، ابونعیم عن عائشہ) مسواک منہ کو صاف کرنیوالی اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔(نسائی، احمد، تعلیق بخاری)

قولہ...... وغسل فمہ الخ (۴) منہ کو دھونا (۵) ناک کو دھونا ہر بار نئے پانی کیساتھ اس سے مراد کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا ہے مصنف نے مضمضہ اور استنشاق کے بجائے ''غسل فمہ وانفہ'' کہا ہے جس میں اختصار مطلوب ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ لفظ غسل میں استیعاب کی طرف اشارہ ہے ابن نجیم فرماتے ہیں کہ یہ چیز تو مضمضہ میں بھی موجود ہے فانہا اصطلاحاً استیعاب الماء جمیع الفم، کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے دو طریقے ہیں۔(۱) تین مرتبہ کلی ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ کرے پھر اسی طرح ناک میں پانی دے (طبرانی عن کعب بن عمرو یمانی) احناف کے ہاں یہی افضل ہے اور بروایت ابو یعلی و ترمذی امام شافعی بھی اسی کو افضل کہتے ہیں۔(۲) ہر چلو پانی سے ایک ساتھ مضمضہ اور استنشاق کرے، بروایت امام مزنی امام شافعی کے نزدیک یہی افضل ہے پس ہر دو طریق کی سنیت وعدم سنیت میں اختلاف نہیں بلکہ افضلیت وعدم افضلیت میں اختلاف ہے۔

وَتَخْلِيْلُ لِحْيَتِهٖ وَاَصَابِعِهٖ وَتَثْلِيْثُ الْغُسْلِ وَالنِّيَّةُ وَمَسْحُ كُلِّ رَاْسِهٖ مَرَّةً

اور ڈاڑھی کا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور (ہر عضو کو) تین بار دھونا اور نیت کرنا اور پورے سر کا ایک بار مسح کرنا

وَاُذُنَيْهِ بِمَآئِهٖ وَالتَّرْتِيْبُ الْمَنْصُوْصُ عَلَيْهِ وَالْوِلَاءُ

اور (سر کے بچے ہوئے پانی سے) دونوں کانوں کا مسح کرنا اور ترتیب منصوص کی رعایت رکھنا اور لگاتار دھونا۔

تشریح الفقہ :......قولہ و تخلیل لحیتہ الخ (٦) ڈاڑھی کا خلال کرنا، امام ابو یوسف اور امام شافعی اور ایک روایت میں امام محمد کے نزدیک اور اسی کو اصح کہا گیا ہے کیونکہ سترہ صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے خلال پر مواظبت فرمائی ہے نیز ابوداؤد میں حضرت انس سے روایت ہے کہ جب آپ وضو فرمایا کرتے تو ایک چلو پانی سے ڈاڑھی کا خلال کرلیا کرتے اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے امام اعظم نے اس کو مستحب مانا ہے۔

تنبیہ:......ابوداؤد کی روایت سے گو بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے اور سعید بن جبیر اور عبدالحکم مالکی اسی کے قائل بھی ہیں مگر چونکہ آیت وضو سے ظاہر لحیۃ کا دھونا فرض ثابت ہوا ہے خلال کا ثبوت خبر واحد سے ہے اس سے وجوب ثابت کرنے میں زیادتی علی الکتاب لازم آتی ہے اس لئے سنت قرار دینا انسب ہے۔

قولہ و اصابعہ الخ (٧) انگلیوں کا خلال کرنا کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اپنی انگلیوں کا خلال کیا کروتا کہ ان میں جہنم کی آگ داخل نہ ہونے پائے (دارقطنی عن ابی ہریرہ) ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں پنجہ کے طریق سے ڈالے اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی کو داہنے پاؤں کی چھنگلی میں اول ڈالے اور ترتیب وار تمام انگلیوں میں خلال کرتا چلا جائے تا آنکہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کردے۔

قولہ و تثلیث الخ (٨) ہر عضو کو تین دفعہ دھونا کیونکہ حضور صلعم نے وضو میں ایک ایک دفعہ اعضا کو دھوکر فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے کہ اسکے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرمائیں گے اور دو دو مرتبہ اعضا کو دھوکر فرمایا کہ "اس وضو پر اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا فرمائیں گے۔ اور تین تین مرتبہ دھوکر فرمایا کہ "یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اس سے جو کم وبیش کریگا وہ ظلم وتعدی کا مرتکب ہوگا۔ (دارقطنی، بیہقی، ابن ماجہ، طبرانی عن ابن عمر، ابن ماجہ عن ابی بن کعب، دارقطنی عن زید بن ثابت وابی ہریرہ والزیادۃ فی الاخیر عند ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

فائدہ :......اعضاء مغسولہ کا ایک ایک بار دھونا تو فرض ہے اور دوسری مرتبہ دھونا سنت ہے اور تیسری مرتبہ دھونا اکمل وضو ہے بعض حضرات دوسری دفعہ کو سنت اور تیسری دفعہ کو نفل اور بعض حضرات اس کا عکس کہتے ہیں۔ شیخ ابوبکر اسکاف تینوں دفعہ دھونے کو فرض کہتے ہیں۔

قولہ و نیتہ الخ (٩) نیت کرنا۔ نیت کا اطلاق لغۃً دل کے پختہ ارادہ پر آتا ہے اور شرعاً کسی کام میں اللہ کی طاعت یا تقرب کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اب وضو میں کاہے کی نیت کرے؟ سوتبیین میں ہے کہ جو عبادت بغیر طہارت درست نہ ہو اس کی نیت کرنا یا حدث دور کرنے کی نیت کرنا مراد ہے، فتح القدیر میں ہے کہ وضو میں رفع حدث کی نیت کرنی چاہئے۔ پھر احناف، سفیان ثوری اور اوزاعی، اور حسن کے نزدیک وضو میں نیت کرنا سنت ہے اور امام شافعی، مالک، احمد، ربیعہ زہری، لیث، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، داؤد ظاہری کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے "انما الاعمال بالنیات" تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وضو میں دو جہتیں ہیں ایک اس کا مستقل عبادت ہونا۔ دوسرے اس کا ذریعہ اور وسیلۂ نماز ہونا وضو بایں حیثیت کہ وہ عبادت ہے بلانیت درست نہیں یعنی متوضی کو بلانیت عبادتِ وضو کا ثواب حاصل نہ ہوگا لیکن نماز کا ذریعہ ہونا اس پر موقوف نہیں بلکہ طہارت بلانیت بھی حاصل ہوجائیگی کیونکہ پانی بذاتہ پاک کرنیوالی چیز ہے ارادہ ہو یا نہ ہو۔ والتفصیل فی المطولات۔

قولہ و مسح کل راسہ الخ (١٠) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس طرح اعضاءِ وضو کو تین نئے پانیوں سے دھونا سنت ہے اسی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ نئے پانیوں سے سنت ہوگا گویا سر کے مسح کو دوسرے اعضاء کے دھونے پر قیاس کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ممسوح کا قیاس ممسوح پر ہونا چاہئے نہ کہ مغسول پر امام شافعی کی نقلی دلیل حضرت عثمان کی حدیث ہے کہ انہوں نے تین بار سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے (مسلم، ابوداؤد) ہماری دلیل یہ ہے

کہ حضرت انس نے وضو میں تین تین دفعہ اعضا دھوئے اور سر کا مسح صرف ایک بار کیا۔ اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے (معجم اوسط طبرانی) اسی طرح عبداللہ بن زید کی حدیث ہے کہ حضور نے اپنے سرِ مبارک کا ایک بار مسح فرمایا۔ (صحیحین، سنن اربعہ)

قولہ و اذنیہ الخ (۱۱) دونوں کانوں کا مسح کرنا سر کے بقیہ پانی کے ساتھ امام اعظم اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور بقول ترمذی اکثر علماء کا قول یہی ہے امام شافعی اور ابوثور کے یہاں علیحدہ پانی سے تین بار کانوں کا مسح کرنا مسنون ہے۔ ان کا مستدل عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا۔ (بیہقی) احناف کی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ "کانوں کا تعلق سر سے ہے۔ جس سے مقصود بیانِ حکم ہے نہ طریق پیدائش، یہ حدیث متعدد طرق و اسانید کے ساتھ آٹھ صحابہ سے صحت کے طریقہ پر مروی ہے اس کے علاوہ ابن عباس کی روایت، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن مندہ نے اور ربیع بنت معوذ کی حدیث ابوداؤد طبرانی نے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نسائی نے نقل کی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح الاذنین مع الراس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا۔

قولہ و الترتیب الخ (۱۲) اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا جس کی تصریح قرآن پاک میں ہے کہ پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم پھر دونوں ہاتھوں کے دھونے کا پھر مسح کا اسکے بعد دونوں پاؤں کے دھونے کا پس اسی ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مسنون ہے، زہری، ربیعہ، نخعی، مکحول، عطاء، مالک، اوزاعی، ثوری، لیث، احناف اور بقول علامہ بغوی اکثر علماء کا یہی قول ہے امام شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور، قتادہ، ابوعبید کے یہاں ترتیب فرض ہے کیونکہ آیت وضو میں فاء تعقیب مع الوصل کیلئے ہے تو نماز کے ارادے اور منہ کے دھونے میں تعقیب اور ترتیب لفظ فاء کے ذریعہ ثابت ہوئی اور بقیہ اعضا کی ترتیب حرف واؤ سے مفہوم ہوئی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حرف واؤ باجماع اہل لغت مطلق جمع کے لئے ہے، پس فاء تعقیبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وضو کے ان جملہ اعضا کی تطہیر کا تحقق نماز کے ارادہ کے بعد ہونا چاہیئے۔

قولہ و الولاء الخ (۱۳) ولاء (بکسر واؤ) یعنی پے درپے وضو کرنا کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھوڈالے بعض حضرات نے موالاۃ میں اعتدال ہوا، اعتدال بدن اور عدم عذر کی قید لگائی ہے پس اگر ہوا یا بدن کی گرمی سے اثناء وضو میں خشکی طاری ہوگئی یا اثناء میں پانی ختم ہونے کی وجہ سے پانی لینے گیا اور عضو خشک ہوگیا تو یہ پے در پے دھونے کی سنت کے ادا ہونے سے مانع نہیں، امام مالک کے نزدیک موالاۃ فرض ہے وہ حضرت عمر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو وضو سے فارغ ہوچکا تھا اور اس کے پاؤں میں بقدر ناخن خشکی تھی۔ آپ نے اس کو وضو لوٹانے کے لئے فرمایا (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، احمد) ہماری دلیل وہ ہے جس کو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر بازار میں وضو کررہے تھے اور سر کا مسح کرچکے تھے کہ آپکو جنازہ کے لئے مدعو کیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور یہاں آکر اپنے موزوں پر مسح کیا، امام نووی نے شرح مہذب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے ۱۲۔

مَنْهُ	نَجِسٍ	خُرُوْجُ	وَيُنْقِضُهُ	رَقَبَتِهٖ	وَمَسْحُ	اَلتَّيَامُنُ	وَمُسْتَحَبُّهٗ
سے	نمازی	کا نکلنا	نجاست	کو	وضو	اور توڑ دیتا ہے	کا مسح کرنا ہے	گردن	اور	شروع کرنا	داہنے سے	کے مستحبات	اور وضو

وَقَیْءٌ مَّلَاءَ فَاهُ وَلَوْ مِرَّةً اَوْ عَلَقًا اَوْ طَعَامًا اَوْ مَآءً لَا بَلْغَمًا اَوْ دَمًا غَلَبَ عَلَيْهِ الْبُزَاقُ

اور منہ بھر قئے اگرچہ پت ہو یا جماہوا خون ہو یا کھانا ہو یا پانی ہو نہ کہ بلغم یا ایسا خون جس پر تھوک غالب ہو۔

مستحبات وضو کا بیان

توضیح اللغۃ: ...... مستحب اصولیین کے یہاں مستحب، مندوب، ادب فضیلت سب ایک ہی چیز ہے فقہا کے نزدیک مستحب وہ ہے جس کو آنحضرت صلعم نے گاہے کیا ہوگا ہے ترک کیا ہو۔ اور مندوب وہ ہے جس کو آپ نے تعلیم جواز کی خاطر ایک دوبار کیا ہو لیکن اس تعریف میں یہ قصور ہے کہ جس فعل میں شارع نے ترغیب دی ہے اور خود نہیں کیا وہ اس سے خارج ہوجاتا ہے، تیامن دائیں طرف سے شروع کرنا، رقبہ، گردن۔ ینقضہ نقض کی اضافت جب اجسام کی طرف ہوتی ہے تو اجسام کے اجزائے تالیفیہ کو جدا کردینا مقصود ہوتا ہے

اور جب اس کی اضافت معانی کی طرف کیجائے جیسے نقض وضو نقض عہد تو مراد یہ ہوتی ہے کہ جو فائدہ اس سے مقصود تھا وہ فوت ہو گیا مثلاً وضو کا فائدہ نماز کا مباح ہونا ہے وہ جاتا رہے۔ نجس بفتحتین اصطلاح میں عین نجاست کو کہتے ہیں اور بالکسر ناپاک کو کہتے ہیں لغۃً دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، ملاء بھر دینا، فاہ حالت نصبی میں ہے، مرۃ صفراء یا سوداء علق خون بستہ دم خون بزاق تھوک۔

تشریح الفقہ:......قولہ و مستحبہ الخ وضو کے مستحبات میں سے یہ ہے کہ اعضا کو دھوتے وقت داہنی طرف سے شروع کرے۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ طہارت میں اور جوتے پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں اور وضو کے مستحبات میں سے مسح رقبہ ہے، فتح القدیر میں ہے کہ دونوں ہاتھ کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے، اور حلق کا مسح بدعت ہے اور وائل بن حجر وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے گردن کے ظاہری حصہ پر مسح فرمایا ہے۔

تنبیہ: متون میں تیامن اور مسح رقبہ صرف دو مستحبات کا ذکر ملتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مستحبات وضو صرف دو ہی ہیں صاحب درمختار نے پندرہ، ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیس کے قریب اور صاحب خزائن الاسرار نے ساٹھ اور کچھ مستحبات گنائے ہیں۔

نواقض وضو کا بیان

قولہ وینقضہ الخ وضو کے بیان سے فراغت کے بعد نواقض وضو کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ وضو کرنیوالے کے بدن سے کسی ناپاک چیز کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے اسی طرح منہ بھر کر قے کا ہونا بھی وضو کو توڑ دیتا ہے اگرچہ پت ہو یا جما ہوا خون ہو یا کھانا ہو یا پانی ہو لیکن اگر بلغم یا خون ایسا ہو جس پر تھوک غالب ہو تو یہ وضو کو نہیں توڑتا۔

قولہ لا بلغماً الخ مصنف نے بلغم کی قی کو تعمیم کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قے کی تمام صورتوں کو شامل ہے بلغم کی قے معدہ سے برآمد ہونیوالی ہو یا دماغ کی جانب سے اترنیوالی ہو، منہ بھر کر ہو یا کم ہو کھانے کے ساتھ مخلوط ہو یا نہ ہو کسی صورت میں بھی ناقض وضو نہیں (الا یہ کہ کھانا منہ بھر کر ہو) البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک معدہ سے نکلنے والی منہ بھر کر بلغم کی قے ناقض وضو ہے۔

فائدہ: نواقض وضو تین طرح کے ہوتے ہیں، (۱) بدن سے خارج یا (۲) بدن میں داخل ہونے والی چیزیں (۳) انسانی احوال، اول کی دو صورتیں ہیں۔ یا صرف پیشاب پاخانہ کے مقام سے خارج ہونیوالی ہونگی یا کسی دوسرے حصہ بدن منہ زخم وغیرہ سے، بہر دو صورت ان کا خروج بطریق عادت ہو جیسے پیشاب، پاخانہ، تھوک۔ یا خلاف عادت ہو جیسے خون، پیپ، لہو، کیڑا وغیرہ، دوم کی بھی دو صورتیں ہیں۔ سبیلین سے داخل ہونگی جیسے حقنہ وغیرہ یا غیر سبیلین سے جیسے کھانا وغیرہ، سوم کی بھی دو صورتیں ہیں بطور عادت ہونگے جیسے سونا یا لا عادت جیسے قہقہہ لگانا، عقل کا مغلوب ہونا۔

وَالسَّبَبُ	يَجْتَمِعُ	مُتَفَرِّقَهُ	وَنَوْمُ	مُضْطَجِعٍ	وَمُتَوَرِّكٍ	وَاِغْمَاءٌ	وَجُنُوْنٌ	وَسُكْرَانٌ
اور سبب جمع کر دیتا ہے		متفرق قئے کو	اور سونا	لیٹنے والے	اور سرین پر ٹیک لگانے والے کا	اور بیہوشی	اور دیوانگی	اور نشہ

وَقَهْقَهَةُ	مُصَلٍّ	بَالِغٍ	وَلَوْ	عِنْدَ السَّلَامِ
اور کھلکھلانا	نمازی کا	بالغ	اگرچہ	سلام کے وقت ہو

توضیح اللغۃ: مضطجع کروٹ کے بل سونیوالا۔ متورک سرین پر سہارا دیکر سونیوالا، اغماء مدہوشی، جنون دیوانگی۔ سکر مستی، قہقہہ کھلکھلا کر ہنسنا۔

تشریح الفقہ:......قولہ والسبب الخ اور قے کا سبب یعنی جی کا متلانا کئی بار کی قئی کو جمع کر دیتا ہے یعنی اگر کسی نے بار بار تھوڑی تھوڑی قئی اس طرح کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کی مقدار ہو جائے تو ایسی صورت میں دیکھا جائیگا کہ قئی کا سبب یعنی جی کا متلانا

متحد ہے یا مختلف اگر متحد ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض وضو نہیں یہ تو امام محمد کے نزدیک ہے امام ابو یوسف اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر تھوڑی تھوڑی قئی ایک ہی مجلس میں ہوئی تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض وضو نہیں ہے۔

فائدہ:

چند بار تھوڑی تھوڑی قے آنیکی چار صورتیں ہیں (۱) مجلس اور سبب قئی ہر دو متحد ہوں اس صورت میں قئے بالاتفاق ناقض وضو ہے (۲) ہر دو مختلف ہوں اس صورت میں بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے (۳) مجلس متحد ہو اور سبب مختلف۔ اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض وضو ہے اور امام محمد کے نزدیک غیر ناقض (۴) سبب متحد ہو اور مجلس مختلف اس صورت میں امام محمد کے نزدیک ناقض ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک غیر ناقض۔

قولہ ونوم مضطجع الخ اور کروٹ کے بل سونا یا کولہے (یا سرین) پر سہارا دیکر سونا بھی ناقض وضو ہے کیونکہ اس طرح سونے میں جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور عادۃً کسی چیز کے نکلنے کا احتمال رہتا ہے اور جو بات عادۃً ہو وہ یقینی سی ہی ہوتی ہے اصل دلیل اس بارے میں یہ حدیث ہے آپ نے فرمایا کروٹ کے بل سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ اس وقت جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں (ابوداؤد، ترمذی مختصراً)

تنبیہ: اسرار والایضاح میں متورک کی صورت یہ لکھی ہے کہ کولھے پر سہارا دیکر سو جائے۔ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں ذکر کیا ہے کہ لفظ تورک مشترک ہے اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایک سرین یا ایک کہنی پر ٹیک لگا کر اس طرح سوئے کہ مخرج کھل جائے سونے کی یہ حالت ناقض وضو ہے اور مصنف کی مراد بھی یہی ہے دلیل ما علل بہ فی الکافی دوسرے یہ کہ دونوں پاؤں ایک جانب نکالکر اس طرح سوئے کہ دونوں سرین زمین پر جمے رہیں یہ صورت ناقض وضو نہیں ہے (خلاصہ درمختار) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صاحب احسن المسائل نے ترجمہ میں جو یہ کہا ہے کہ "دونوں سرین زمین پر ٹکا کر اور پاؤں داہنی طرف نکال کر سونا (بھی وضو کو توڑتا ہے) صحیح نہیں۔

فائدہ: سونے کی کل تیرہ حالتیں ہیں۔ (۱) کروٹ کے بل لیٹ کر۔ (۲) ایک سرین پر سہارا دیکر۔ (۳) تکیہ لگا کر، (۴) چہار زانو ہو کر۔ (۵) بیٹھ کر (۶) پاؤں پھیلا کر، (۷) منحنی ہو کر، (۸) کتے کی ہیئت پر، (۹) پیدل، (۱۰) سوار ہو کر، (۱۱) قیام یا (۱۲) رکوع یا (۱۳) سجود کی حالت میں سونا۔ پہلی تین حالتیں ناقض اور باقی غیر ناقض ہیں۔

قولہ واغماء الخ اور مدہوشی اور دیوانہ پن اور مست ہونا بھی ناقض وضو ہے کیونکہ ان حالتوں میں جوڑ بند کا ڈھیلا ہونا چت لیٹ کر سونے سے بھی زیادہ ہے لہذا یہ بطریق اولیٰ ناقض ہوگا، اغماء اور جنوں دونوں بیماریاں ہیں جن سے قوی میں فتور اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے فرق یہ ہے کہ جنون میں عقل بالکلیہ مسلوب ہو جاتی ہے اور اغماء میں بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔ بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے سکر سے مراد وہ سرور ہے جو بعض مسکر اور نشہ آور چیزوں کے استعمال سے عقل پر غالب ہو جاتا ہے اس میں بھی عقل غالب نہیں ہوتی۔

قولہ و قہقہۃ الخ اور عاقل بالغ نمازی کا کھلکھلا کر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے اگرچہ سلام پھیرنے کیوقت ہو۔ مصلیٰ میں صلوۃ سے مراد صلوۃ کاملہ ہے یعنی رکوع سجدہ والی نماز پس نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقض نہیں ہے۔ قہقہہ میں مقتضی قیاس تو یہی ہے کہ ناقض نہ ہو کیونکہ قہقہہ سے کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی اسی وجہ سے امام شافعی، مالک، احمد نقض وضو کے قائل نہیں ہیں۔ مگر قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں چھ صحابہ سے مرفوعاً روایت ہے اس لئے احناف ترک قیاس پر مجبور ہیں حافظ طبرانی نے بواسطہ ابوالعالیہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے میں گر گیا جو مسجد میں تھا پس بہت سے آدمی ہنس پڑے تو حضور نے ہنسنے والوں کو فرمایا کہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کریں۔

فائدہ: ہنسنے کی تین قسمیں ہیں (۱) قہقہہ اتنی آواز سے ہنسنا کہ خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اسکی آواز سن لیں۔ (۲) ضحک جس کو خود سن سکے دوسرے لوگ نہ سن سکیں یہ ناقض وضو نہیں لیکن مبطل صلوۃ ہے۔ (۳) تبسم جس میں بالکل آواز نہ ہو بلکہ صرف دانت کھل جائیں یہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ مبطل صلوٰۃ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمُبَاشَرَةٌ	فَاحِشَةٌ	لَاخُرُوجُ	دُوْدَةٍ	مِّنْ	جُرْحٍ	وَمَسُّ	ذَكَرٍ	وَ	امْرَأَةٍ
اور مباشرت	فاحشہ،	نہ کہ	کیڑے کا نکلنا	زخم	سے	اور چھونا	پیشاب گاہ کو	اور	عورت کو۔

توضیح اللغۃ: مباشرۃ فاحشہ شرمگاہ کا انتشار کے ساتھ دوسری شرمگاہ سے بلا حائل مل جانا۔ دودۃ کیڑا، جرح زخم مس چھونا۔

تشریح الفقہ: قولہ و مباشرۃ الخ اور مباشرت فاحشہ یعنی ایسی کھلی مباشرت کہ کسی آڑ کے بغیر دونوں شرمگاہیں مل جائیں ناقض وضو ہے کیونکہ ایسی حالت میں عموماً مذی نکل ہی جاتی ہے اس لئے غالب کو احتیاطاً متحقق کے درجہ میں اتار کر متحقق کا حکم دیدیا گیا۔

قولہ لاخروج الخ خروج نجس پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای لاینقض الوضوخروج دودۃ، زخم سے کیڑے کا نکلنا ناقض وضو نہیں اولاً اس لئے کہ کیڑا جاندار ہے جو باعتبار اصل طاہر ہے اور غیر سبیلین سے طاہر شئی کا نکلنا ناقض نہیں رہی وہ نجاست جو کیڑے کے بدن سے ہوتی ہے سو وہ قلیل ہے اور غیر سبیلین سے قلیل نجاست کا خروج ناقض نہیں۔ ثانیاً اس لئے کہ زخم میں کیڑا گوشت سے پیدا ہوتا ہے پس کیڑے کا نکلنا ایسا ہی ہے جیسے گوشت کے ٹکڑے کا گر جانا کہ ناقض وضو نہیں۔ مصنف نے ''من جرح'' کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ پیشاب یا پاخانہ کے مقام سے کیڑے کا نکلنا ناقض وضو ہے۔

قولہ ومس ذکر الخ عورت یا پیشاب گاہ کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے صحابہ میں سے حضرت عمر، علی ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن یاسر، زید بن ثابت، حذیفہ، عمران بن حسین، ابوالدرداء، سعید بن ابی وقاص اور تابعین میں سے حسن بصری، سعید بن المسیب اور فقہاء میں سفیان ثوری سب کی رائے یہی ہے امام مالک، شافعی، احمد نے باختلاف شرائط مس ذکر کو ناقض کہا ہے ان حضرات کی دلیل حضرت بسرہ بنت صفوان کی حدیث ہے۔ ''من مس ذکرا فلیتو ضأ'' پیشاب گاہ چھونے والے کو وضو کرنا چاہئے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی) ہماری دلیل حضرت طلق بن علی کی حدیث ہے کہ آنحضرت سے دریافت کیا گیا کہ انسان نماز کے درمیان اپنی پیشاب گاہ کو چھولیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''ھل ھو الا بضعة منک'' وہ بھی تو بدن کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) یعنی جس طرح بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں جاتا اسی طرح ذکر چھونے سے بھی نہیں جاتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اس باب میں احسن شئی کہا ہے۔ رہا مس امرأۃ کا مسئلہ سو ہمارے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں جاتا خواہ شہوت کیساتھ چھوئے یا بلا شہوت، امام شافعی کے نزدیک یہ بھی ناقض ہے شہوت کیساتھ ہو یا بلا شہوت، قصداً ہو یا بلا قصد، وہ آیت ''او لامستم النساء'' سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ لمس نساء جماع سے کنایہ ہے۔ عدم نقض وضو پر حضرت عائشہ کی حدیث کافی ہے فرماتی ہیں کہ جب میں رات کو سوتی ہوتی اور حجرہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی سجدہ گاہ پر میرے پاؤں ہوتے تو آپ سجدہ کرتے وقت مجھے دبا دیتے جس سے میں پاؤں سکیڑ لیتی۔ پھر جب آپ سجدہ سے فراغت کے بعد قیام فرماتے تو پاؤں پھیلا لیتی۔ ان دونوں گھروں میں چراغ بھی نہ تھے۔

(صحیحین)

وَفَرْضُ	الْغُسْلِ	غَسْلُ	فَمِهٖ	وَاَنْفِهٖ	وَبَدَنِهٖ	لَادَلْكُهٗ	وَاِدْخَالُ	الْمَآءِ	دَاخِلَ	الْجُلْدَۃِ	لِلْاَقْلَفِ
اور غسل کے	فرض	دھونا ہے	منہ	اور ناک کو	اور بدن کو	نہ کہ اس کو ملنا	اور	غیر مختون کو	زائد چمڑے	میں پانی	پہنچانا

وَسُنَّتُهٗ اَنْ يَّغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجَهٗ وَيُزِيْلَ النَّجَاسَةَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ
اور غسل کی سنتیں یہ ہیں کہ دھوئے اپنے ہاتھوں کو اور پیشاب گاہ کو اور نجاست کو اگر بدن پر ہو پھر وضو کرے
ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى سَآئِرِ بَدَنِهٖ ثَلٰثًا وَلاَ تَنْقُضُ ضَفِيْرَتَهَا اِنْ بَلَّ اَصْلُهَا
اس کے بعد پانی بہائے پورے بدن پر تین بار اور عورت اپنی چوٹی نہ کھولے اگر بالوں کی جڑ ترہوجائے
وَفُرِضَ عِنْدَ مَنِيٍّ ذِيْ دَفْقٍ وَشَهْوَةٍ عِنْدَ اِنْفِصَالِهٖ فَقَطْ
اور غسل فرض ہے کودنے والی منی کے نکلنے پر جبکہ وہ لذت کیساتھ جداہو
وَتَوَارِيْ حَشَفَةٍ فِيْ قُبُلٍ اَوْ دُبُرٍ عَلَيْهِمَا وَحَيْضٍ وَ نِفَاسٍ
اور سر ذکر کے چھپ جانے کےوقت پیشاب یا پاخانہ کے مقام میں دونوں پراور حیض ونفاس کے بند ہونے پر

غسل اور اسکے فرائض وسنن کا بیان

توضیح اللغۃ:......دلک رگڑنا، ملنا، اقلف غیر مختون، یفیض افاضۃً بہانا ضفیرۃ چوٹی، گندھے ہوئے، بال، بل تر کرنا ذی دفق اچھلنے والی، تواری چھپنا، حشفہ عضو تناسل کی سپاری، قبل عورت کی پیشاب گاہ، دبر پاخانہ کا مقام۔

تشریح الفقہ:......قولہ وفرض الغسل الخ غسل (واجب یعنی غسل جنابت، غسل حیض، غسل نفاس) کے فرائض تین ہیں۔(۱) منہ کا دھونا یعنی کلی کرنا۔(۲) ناک میں پانی دینا۔(۳) ایک مرتبہ تمام بدن کا دھونا اور بدن کو ملنا اور غیر مختون کو عضو کے زائد چمڑے میں پانی داخل کرنا فرض نہیں۔

فائدہ: دراصل غسل میں فرض تو صرف ایک ہی ہے یعنی بدن کے ہراس محل کا ایک بار دھونا جس کے دھونے میں کوئی مشقت نہ ہو اس میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا بھی داخل ہے لیکن چونکہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں امام شافعی کا اختلاف ہے کہ وہ ان کو سنت کہتے ہیں اس لئے مصنف نے الگ الگ ہر ایک کی تصریح کردی۔

موجبات غسل کا بیان

قولہ و فرض الخ اور غسل فرض ہے اس منی سے جو اچھل کر نکلے۔ اور اپنی جگہ سے جدا ہوتے وقت شہوت کے ساتھ جدا ہو خواہ منی مرد کی ہو یا عورت کی، بیداری میں نکلے یا بحالت خواب اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً منی کا نکلنا باعث غسل ہے شہوت کے ساتھ نکلے یا بلاشہوت کیونکہ حضور کا ارشاد ہے ''الماء من الماء'' غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔ (مسلم، احمد، بزار) ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''وان کنتم جنبا فاطھروا''، حکم جنبی کو بھی شامل ہے اور لغت میں جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں پس غسل کا وجوب بحالت جنابت ہوگا اور جنابت کا تحقق شہوت کیساتھ منی کے نکلنے سے ہوگا۔ رہی حدیث سو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے عموم پر نہیں ہے ورنہ مذی، ودی، پیشاب بھی اس میں داخل ہوجائیگا۔ جس کا کوئی قائل نہیں بلکہ خاص پانی مراد ہے اور وہی ہے جو آیت اور لغت کی تائید سے سمجھ میں آرہا یعنی شہوت کیساتھ نکلنے والی منی نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی رائے کے مطابق بقول امام ترمذی وطبرانی ''الماء من الماء'' کا حکم صرف حالت احتلام کے ساتھ مخصوص ہو۔ یا یہ کہ حکم ابتدائے اسلام میں ہو بعد کو منسوخ ہوگیا ہو چنانچہ تین احادیث میں صریح نسخ کا حکم وارد ہے۔ (۱) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ ''الماء من الماء'' کی رخصت ابتدائے اسلام میں تھی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) (۲) حضرت

عائشہ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع بلا انزال سے خود غسل فرمایا اور دوسروں کو بھی غسل کا حکم فرمایا (ابن حبان)) (۳) رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے ''الماء من الماء'' کے لحاظ سے جماع بلا انزال کے بارے میں عدم غسل کا حکم دیا تھا اسکے بعد غسل کا حکم فرمایا، محاربی نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔

قولہ ذی دفق الخ علامہ ابن نجیم مصری نے ذکر کیا ہے کہ اس عبارت پر دو اعتراض پڑتے ہیں اول یہ کہ یہ عورت کی منی کو شامل نہیں کیونکہ یہاں دفق کی قید لگی ہوئی ہے اور عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی بلکہ اس کی منی سینہ سے فرج کی طرف بلا دفق منتقل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ عبارت میں تناقض ہے اس واسطے کہ دفق کی شرط لگانا یہ بتا رہا ہے کہ خروجِ منی شہوت کیساتھ ہوگا اور ''عند انفصالہ'' اس کی نفی کر رہا ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ''منحۃ الخالق'' میں جواب کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں کہ لفظ دفق گو عموماً متعدی استعمال ہوتا ہے مگر یہاں دفق بمعنی دفوق لازم ہے ای ذی دفق۔ اور ''عند انفصالہ'' ظرف ''فرض'' کے متعلق ہے جیسے ''عند منی'' فرض کے متعلق ہے پس اس وقت شہوت عند الانفصال یا عند الخروج ہونے کے ساتھ مقید نہ ہوئی۔ یا یہ کہا جائے کہ ظرف اول (عند منی) بتقدیر مضاف فرض کے متعلق ہے ای عند خروج منی۔ اور ظرف ثانی عند انفصالہ دفق کے متعلق ہے بہر دو تقدیر شہوت کو ذکر کرنا اس چیز کی تصریح ہے جس کا علم التزاماً ہوا ہے اس صورت سے عبارت عورت کی منی کو بھی شامل رہتی ہے اور شہوت کے ذکر کا مستدرک ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ تأمل۔

تنبیہ: بضمن اعتراض جو یہ کہا گیا ہے کہ عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی بعض حضرات اس سے متفق نہیں، چنانچہ غایۃ البیان، جامع الرموز، معالم التنزیل وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا گیا کہ عورت کی منی بھی اچھل کر نکلتی ہے یہ اور بات ہے کہ وسعت محل کی بنا پر احساس نہیں ہوتا مولانا عبدالحئی لکھنوی نے ''السعایہ'' میں اس کو بسط کیساتھ ذکر کیا ہے۔

قولہ عند انفصالہ الخ صرف اپنے مستقر سے شہوت کیساتھ منی کے نکلنے کا اعتبار طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے پس اگر انفصال کیوقت شہوت ہو اور عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت باقی نہ رہے بلکہ ہیجان نفس سکون میں تبدیل ہو جائے تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط زائد نہ ہونیکی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) انفصال وظہور دونوں حالتوں میں شہوت کا وجود نہ ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں (۲) دونوں حالتوں میں شہوت موجود ہو اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہوگا (۳) انفصال کے وقت شہوت ہو اور ظہور کے وقت نہ ہو۔ یہ صورت نزاعی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں۔ طرفین کے نزدیک واجب ہے عدمِ وجوب مبنی بر قیاس ہے اور وجوب مبنی بر احتیاط۔

تنبیہ: فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ تاج الشریعہ وغیرہ محققین نے جو طرفین کے مذہب کو متون میں ذکر کیا ہے وہی ظاہر اصح اور احوط ہے اس بارے میں درمختار کا قول (جو انہوں نے بحوالہ قہستانی وفتاوی تاتارخانیہ نوازل سے نقل کیا ہے کہ ''وبقول ابی یوسف ناخذ لانہ الیسر علی المسلمین'' قلت ولا سیما فی الشتاء والسفر) لائق التفات نہیں اور نہ اس پر فتویٰ دینا جائز ہے الا یہ کہ حرج اور ضرورت ہو۔

قولہ و تواری حشفۃ الخ اور پیشاب یا پاخانہ کے مقام پر حشفہ کے چھپ جانے سے فاعل ومفعول ہر دو پر غسل فرض ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مرد عورت کی چار شاخوں (یعنی ہاتھ پیروں) کے درمیان بیٹھے۔ اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے (یعنی صحبت کرے) تو غسل واجب ہو جائیگا (بخاری، مسلم) امام مسلم کی روایت یہ بھی ہے کہ خواہ اس کو انزال بھی نہ ہوا ہو، اور حیض ونفاس کے منقطع ہونے پر بھی غسل فرض ہے۔ حیض ونفاس کے احکام مستقل طور پر آگے آرہے ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَا	مَذِيٌّ	وَوَدِيٌّ	وَاحْتِلَامٍ	بِلَا بَلَلٍ
نہ کہ	مذی اور	ودی کے نکلنے پر	اور	بدون تری احتلام ہونے پر۔

توضیح اللغة: ...... مذی ایک قسم کا سفید اور پتلا مادہ ہوتا ہے جو ملاعبت یا بوسہ لینے کے وقت بلا دفق نکلتا ہے ودی منی کے مشابہ قدرے گاڑھا ایک مادہ ہے جو پیشاب کے بعد ایک آدھ قطرہ نکلتا ہے۔ احتلام بدخوابی بلل تری۔

تشریح الفقہ: ...... قولہ لا مذی الخ منی پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای لا یفترض الغسل عند مذی اھ مذی اور ودی کے نکلنے پر غسل فرض نہیں بلکہ ان میں صرف وضو ہے حضرت علی کی مشہور روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے ہر مرد کو مذی آتی ہے سو اس کی وجہ سے عضو تناسل اور خصیے دھونے چاہئیں اور نماز جیسا وضو کرنا چاہئے۔ (طحاوی) اسحٰق بن راہویہ عن علی، ابوداؤد، احمد عن عبداللہ ابن سعد الانصاری طبرانی عن معقل بن یسار)۔ سوال ودی کیوجہ سے وضو واجب کرنے میں کیا فائدہ؟ جبکہ پیشاب کیوجہ سے وضو واجب ہو چکا (کیونکہ ودی کہتے ہی ہیں اس مادہ کو جو پیشاب کے بعد نکلے) جواب پیشاب کیوجہ سے وضو کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد ودی کی وجہ سے وضو واجب ہو بلکہ وضو دونوں کیوجہ سے لازم ہے اس کی نظیر رعاف بعد البول یا بول بعد الرعاف ہے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکسیر سے وضو نہیں کرونگا اسکے بعد اس کو نکسیر آئی پھر اس نے پیشاب کیا یا اس کا عکس ہوا تو وضو دونوں سے ثابت ہوگا اور وہ شخص حانث ہو جائیگا۔ (۲) وجوب وضو کا فائدہ اس شخص کے بارے میں ظاہر ہوگا۔ جس کو سلسل البول کی بیماری ہو کہ اس کا وضو ودی سے ٹوٹے گا نہ کہ پیشاب سے (۳) جس شخص نے پیشاب کے بعد ودی سے پہلے وضو کر لیا پھر ودی نکلی تو ودی کی وجہ سے اس پر دوبارہ وضو کرنا لازم ہوگا (۴) ودی کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جو پیشاب یا غسل جماعی کے بعد نکلے اس تعریف کی رو سے اعتراض ہی نہیں ہوتا۔

قولہ و احتلام الخ اور خواب میں صحبت کرنے سے غسل فرض نہیں ہے جبکہ وہ عضو پر رطوبت اور تری نہ دیکھے، بخاری اور مسلم میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ کی بیوی حضرت ام سلیم حضور کے پاس آئیں اور عرض کیا یارسول اللہ: مجھے احتلام ہوا ہے حق تعالیٰ حق سے شرم نہیں کرتا تو کیا عورت پر غسل ہے؟ جبکہ اسکو احتلام ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں جبکہ وہ پانی کو دیکھے یعنی منی نظر آئے۔

مسئلہ: ایک شخص خواب سے بیدار ہوا دیکھتا کیا ہے کہ اسکے کپڑے پر رطوبت موجود ہے اور احتلام یاد نہیں اب وہ سوچتا ہے یہ مذی ہے یا منی ہے اس صورت میں وہ کیا کرے؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اس مسئلہ کی چودہ صورتیں ہیں کیونکہ یا تو اس کو یقین ہوگا کہ وہ (۱) منی یا (۲) مذی یا (۳) ودی ہے یا (۴) اس کو شک ہوگا منی اور مذی میں یا (۵) منی او ودی میں یا (۶) مذی اور ودی میں یا (۷) تینوں میں۔ ان ساتوں صورتوں میں سے ہر صورت کیساتھ احتلام یاد ہوگا یا نہ ہوگا۔ یہ کل چودہ صورتیں ہوئیں پس اگر منی ہونے کا یقین (۱) ہو خواہ احتلام یاد ہو یا (۲) نہ ہو یا مذی کا یقین ہو اور (۳) احتلام یاد ہو یا (۴) شک ہو منی اور مذی میں یا (۵) منی اور ودی میں یا (۶) مذی اور ودی میں یا (۷) تینوں میں اور سب میں احتلام یاد ہو تو بالاتفاق غسل واجب ہے اور اگر ودی کا یقین ہو (۱) احتلام یاد ہو یا (۲) نہ ہو یا (۳) شک ہو مذی اور ودی میں یا (۴) یقین ہو مذی کا اور احتلام یاد نہ ہو تو بالاتفاق غسل واجب نہیں اور اگر (۱) شک ہو منی اور مذی میں یا (۲) منی اور ودی میں اور احتلام یاد نہ ہو یا (۳) شک ہو تینوں میں اور احتلام یاد نہ ہو تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے اور ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔ ان کل صورتوں کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔ نقشہ ص ۱۰۲ پر درج ہے ۱۲۔

نقشہ صور مختلفہ مسئلہ مستیقظ مع آراء ائمہ

شمار	صورت مسئلہ	حکم
۱	منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۲	منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۳	مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۴	منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۵	منی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۶	مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۷	مذی اور ودی اور منی میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۸	ودی ہونیکا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۹	ودی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۰	مذی ہونے کا یقینی ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۱	مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۲	مذی اور منی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔
۱۳	ودی اور منی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں
۱۴	ودی اور منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔

وَسُنَّ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْإِحْرَامِ وَعَرَفَةَ وَوَجَبَ لِلْمَيِّتِ

اور مسنون ہے جمعہ کے لئے اور عیدین کے لئے اور احرام کے لئے اور یوم عرفہ کے لئے اور ضروری ہے میت کے لئے

وَلِمَنْ اَسْلَمَ جُنُبًا وَاِلَّا ندب وَيَتَوَضَّأُ بِمَآءِ السَّمَآءِ وَالْعَيْنِ وَالْبَحْرِ

اور اس کے لئے جو ناپاکی کی حالت میں مسلمان ہوا ہو ورنہ مستحب ہے اور وضو کیا جا سکتا ہے بارش اور چشمہ اور دریا کے پانی سے

وَاِنْ غَيَّرَ طَاهِرٌ اَحَدَ اَوْصَافِهٖ اَوِ انْتَنَ بِالْمُكْثِ

اگرچہ بدل دے کوئی پاک چیز پانی کے ایک وصف کو یا بد بودار ہو جائے زیادہ دن ٹھہرنے کے باعث۔

غسل مسنون کا بیان

تشریح الفقہ :......قولہ وسن الخ جمعہ کے روز غسل کرنا جمہور علما کے نزدیک مسنون ہے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک واجب ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے "جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کرنا چاہئے۔ (بخاری و مسلم، ترمذی، ابن ماجہ عن عمرؓ) نیز حضرت ابو سعید خدریؓ آنحضرت صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ "غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے (بخاری مسلم عن ابی سعیدؓ بخاری مسلم طحاوی بزار عن ابی ہریرہ) ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ جمعہ کے روز وضو کر لینا بھی کافی ہے لیکن غسل افضل ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، عن سمرۃ ابن ماجہ، بزار طبرانی، عن انس، بیہقی بزار، عن الخدری، بزار، ابن عدی عن ابی ہریرہ ابن حمید، عبدالرزاق، ابن عدی، عن جابر طبرانی عن عبدالرحمٰن بن سمرہ، بیہقی عن ابن عباس) حدیث بالا سات صحابہ سے مروی ہے پس یا تو یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں "فلیغتسل" امر سے مراد افضلیت ہے اور جن روایات میں وجوب کی تصریح ہے اس سے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی یا یہ کہ وہ منسوخ

ہے جیسا کہ ابن عباس سے ابوداؤد کی ایک طویل روایت میں ہے۔

تنبیہ:

صاحب ہدایہ کا امام مالک کی طرف وجوبِ غسل کو منسوب کرنا غالباً کسی غیر معتبر کتاب سے نقل ہے ورنہ خود علامہ ابن عبد البر مالکی استدراک میں لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسلِ جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے اور ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ حدیث میں تو واجب کہا گیا ہے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آجائے وہ واجب ہی ہو نیز اشہب نے روایت کی ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے نہ کہ واجب۔

قولہ والعیدین الخ اور عیدین کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لئے غسل فرماتے تھے ابن ماجہ طبرانی) اور احرام باندھنے کے لئے بھی غسل مسنون ہے کیونکہ حضورؐ احرام باندھنے سے پہلے غسل فرماتے تھے (ترمذی، دار قطنی عن زید بن ثابت) اور وقوف عرفہ کے واسطے بھی غسل مسنون ہے۔ حضرت فاکہہ بن سعد صحابی فرماتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر، یوم نحر اور یوم عرفہ میں غسل فرماتے تھے۔ (بزار)

قولہ ووجب الخ اور مسلمانوں پر مردے کو غسل دینا واجب۔ یہاں واجب سے مراد فرض کفایہ ہے چنانچہ مصنف نے کتاب ''وافی میں اس کی تصریح کی ہے اور ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں اس کو بالاجماع کہا ہے الا یہ کہ مردہ خنثی مشکل ہو کہ اس کا غسل مختلف فیہ ہے۔

قولہ ولمن اسلم الخ لمن میں لام اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے ورنہ دونوں حالتیں مستوی ہو جائینگی۔ بلکہ لام بمعنی علیٰ ہے بقرینہ قول ماتن ''والاندب'' فالمعنی افترض الغسل علیٰ من اسلم حال کونہ جنبا اس عبارت سے مصنف کی کتاب ''الوافی'' کی عبارت ''وندب لمن اسلم ولم یکن جنباو الا لزم'' بہتر ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ناپاکی کی حالت میں مسلمان ہوا ہو اس کو غسل کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے سے ناپاک نہ ہو تو غسل مستحب ہے۔

فائدہ: یہاں تک غسل اور اقسام غسل کا بیان پورا ہو گیا کل اقسام کا خلاصہ یوں کرو کہ غسل کی تین قسمیں ہیں فرض سنت مستحب فرض غسل کی پانچ قسمیں ہیں انزال منی ادخال حشفہ، انقطاع حیض، انقطاع نفاس کی وجہ سے غسل کرنا اور مردے کو غسل دینا (ایک غسل اور فرض ہے وہ یہ کہ سارا بدن نجاست آلود ہو جائے یا بعض بدن پر نجاست لگ جائے اور نجاست کا مکان مخفی ہو مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔) غسل مسنون چار ہیں غسل جمعہ، غسل عیدین، غسل احرام، غسل وقوف بعرفہ مصنف نے غسل مستحب کا تذکرہ نہیں کیا غسل مستحب کی تقریباً اٹھارہ قسمیں ہیں جو در مختار میں مذکورہ ہیں۔

پانی کے احکام

قولہ ویتوضا الخ طہارت کے بیان سے فراغت کے بعد ان پانیوں کی تفصیل ہے جن سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے فرماتے ہیں کہ بارش، چشمہ سمندر کے پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے اگر چہ کوئی پاک چیز پانی کے اوصاف ثلثہ (رنگ بو، مزہ) میں سے کسی ایک کو بدل دے یا پانی زیادہ دن ٹھہرنے کی وجہ سے بدبودار ہو جائے۔ بارش کے پانی کے بارے میں ارشاد باری ہے ''ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا ہے اور حضورؐ کا ارشاد ہے ''پانی پاک چیز ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (احمد، شافعی، دار قطنی، حاکم، بیہقی، سنن اربعہ) حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ ''تاوقتیکہ اس کے رنگ، مزہ اور بو میں تبدیلی نہ پیدا ہو جائے یہ زیادتی محدثین کے یہاں محل کلام ہے سمندر کی بابت حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اس کا پانی پاک اور اس کا مردہ جانور (مچھلی) حلال ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد عن ابی ہریرہ، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی عن جابر، حاکم، دار قطنی عن علی، دار قطنی حاکم عن ابن عباس، ابن عمر، دار قطنی عن ابی بکر الصدیق، ابن عبد البر عن الفراسی)

لَا بِمَآءٍ تَغَيَّرَ بِكَثْرَةِ الْاَوْرَاقِ اَوْ بِالطَّبْخِ اَوِ اعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ اَوْ ثَمَرٍ

نہ کہ ایسے پانی سے جو بدل گیا ہو پتوں کی کثرت سے یا پکانے سے یا نچوڑا گیا ہو درخت سے یا پھل سے

اَوْ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ اَجْزَآءً وَ بِمَآءٍ دَآئِمٍ فِيْهِ نَجَسٌ اِنْ لَّمْ يَكُنْ عَشْرًا فِيْ عَشْرٍ

اور نہ اس پانی سے جس پر غالب ہوجائے دوسری چیز بلحاظ اجزاء اور ٹھہرے ہوئے پانی سے جس میں ناپاکی ہو اگر وہ دہ در دہ نہ ہو

وَاِلَّا فَهُوَ كَالْمَآءِ الْجَارِيْ وَهُوَ مَا يَذْهَبُ بِتِبْنَةٍ فَيَتَوَضَّأُ مِنْهُ اِنْ لَّمْ يُرَ اَثَرُهٗ وَهُوَ طَعْمٌ اَوْ لَوْنٌ اَوْرِيْحٌ

ورنہ وہ بہتے پانی کی طرح ہے اور وہ وہ ہے جو تنکا بہا لے جائے پس اس سے وضو کیا جاسکتا ہے اگر اس کا اثر یعنی مزہ یا رنگ یا بو معلوم نہ ہو

وَمَوْتُ مَا لَادَمَ لَهٗ فِيْهِ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنْبُوْرِ وَالْعَقْرَبِ وَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ لَايُنَجِّسُهٗ

اور پانی میں ایسے جانور کا مرجانا جس میں خون جاری نہ ہو جیسے مکھی اور مچھر اور بھڑ اور بچھو اور مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا پانی کو ناپاک نہیں کرتا

وَالْمَآءُ الْمُسْتَعْمَلُ لِقُرْبَةٍ اَوْلِرَفْعِ حَدَثٍ اِذَا اسْتَقَرَّ فِيْ مَكَانٍ طَاهِرٌ لَا مُطَهِّرٌ

اور جو پانی استعمال کیا گیا ہو ثواب کے لئے یا حکمی نجاست دور کرنے کے لئے جب وہ کسی جگہ میں ٹھہر جائے تو وہ خود پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے۔

توضیح اللغۃ: اوراق جمع ورق درخت کے پتے طبخ پکانا۔ اعتصر نچوڑ لیا گیا ثمر پھل دائم ٹھہرا ہوا تبنۃ تنکا طعم مزہ۔ بق پسو۔ ذباب مکھی زنبور، بھڑ عقرب بچھو، سمک مچھلی۔ ضفدع مینڈک۔ سرطان کیکڑا۔ اس کا نام عقرب الماء بھی ہے اور عوام اس کو سلطعون کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ لابماء الخ اس پانی سے وضو جائز نہیں جو بکثرت پتوں کے گرنے سے بدل گیا ہو مگر یہ اس وقت ہے جبکہ وہ پانی کے اطلاق سے نکل گیا ہو بایں طور کہ وہ گاڑھا ہو گیا ہو) اور اس پانی سے بھی وضو جائز نہیں جو کوئی چیز ملا کر پکانے سے متغیر ہو گیا ہو کیونکہ ابلا ہوا پانی آسمان سے اترنے کی حالت پر باقی نہیں رہا۔ یا کسی درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو جیسے گنے کا رس اور تربوز کا پانی کیونکہ یہ مطلق پانی کا فرد نہیں ہے۔ اعتصر مجہول سے معلوم ہوا کہ جو پانی خود بخود انگور وغیرہ سے ٹپک پڑے تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا قدرتی پانی ہے جو مصنوعی طریقہ کے بغیر نکل آیا ہے صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے البتہ فتاوی قاضی خان محیط کافی بحر، نہر، شرح منیہ وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی وضو جائز نہیں اور ایسے پانی سے بھی وضو جائز نہیں جس پر دوسری چیز کے اجزاء غالب ہو گئے ہوں جیسے شربت، ستو، سرکہ، شوربا کیونکہ ان پر عرفاً پانی کا اطلاق نہیں آتا۔ اور اس ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی وضو جائز نہیں جس میں ناپاکی ہو اور وہ دہ در دہ نہ ہو۔ ہاں وہ دردہ ہونیکی صورت میں وہ ایسا ہے جیسا بہتا پانی اور بہتے پانی کی تعریف یہ ہے کہ وہ خشک تنکا بہالے جائے پس ایسے پانی سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ دے اور اثر نجاست سے مراد اسکا مزہ، بو اور رنگ ہے۔

ماء مستعمل کا حکم

قولہ والماء المستعمل الخ اور جو پانی ثواب کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً کسی نے وضو پر وضو کیا ہو یا حکمی ناپاکی کے دور کرنے میں استعمال کیا گیا ہو مثلاً بے وضو ہو جانے پر اس سے وضو کیا ہو اور یہ پانی کسی جگہ زمین یا برتن وغیرہ میں ٹھہر گیا ہو تو یہ پانی خود تو پاک ہے کہ اگر بدن یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری نہیں لیکن پاک کرنیوالا نہیں لہذا اس سے دوبارہ وضو کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر مستعمل پانی سے کسی حقیقی نجاست کو دھویا جائے تو پاک ہو جائیگی۔

فائدہ: ماءِ مستعمل کے سلسلہ میں چار مقام میں گفتگو ہے (۱) سبب استعمال میں، مصنف نے اس کی طرف ''لقربۃ'' سے اشارہ کیا ہے (۲) ثبوت استعمال کے وقت میں، اس کی طرف ''اذا استقر فی مکان'' سے اشارہ ہے۔ (۳) ماءِ مستعمل کی صفت میں اس کی طرف

''طاہر'' سے اشارہ ہے (۴) ماءِ مستعمل کے حکم میں اس کی طرف ''لامطہر'' سے اشارہ ہے علامہ زیلعی کا حکم کو صفت کے تحت داخل کر کے ''طاہر لامطہر'' کو صفت کا بیان ماننا بعید از صواب ہے۔ مقام اول کی توضیح یہ ہے کہ پانی کا استعمال بہ نیت قربت ہو یا برائے رفع حدث بہر دوصورت بقول ابو عبداللہ جرجانی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا گویا سبب استعمال احدالامرین ہے امام ابو بکر رازی نے امام محمد کا اختلاف ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے یہاں اصل سبب استعمال صرف قربت ہے لیکن شمس الائمہ کا بیان ہے کہ امام محمد سے یہ روایت ثابت نہیں بلکہ ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے امام زفر کے نزدیک سبب صرف ازالہ حدث ہے تقرب ہو یا نہ ہو مقام ثانی کی تشریح یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک پانی عضو سے جدا نہ ہو اس وقت تک اس کو مستعمل نہیں کہا جا سکتا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل کہا جائے گا یا نہیں سو مشائخ بلخ اور مشائخ بخارا یہ کہتے ہیں کہ پانی عضو سے زائل ہونے کے بعد جب تک کسی جگہ پر نہ ٹھہر جائے اس وقت تک مستعمل نہیں کہا جائیگا سفیان ثوری فخر الاسلام، ابراہیم نخعی، ابوحفص کبیر، ظہیر الدین مرغینانی کا یہی مذہب ہے اسی کو مصنف نے اختیار کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں پسند کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عضو سے الگ ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جائیگا کیونکہ عضو سے الگ ہونے سے پہلے تو مجبوری کی وجہ سے مستعمل نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن عضو سے الگ ہونے کے بعد کوئی مجبوری نہیں ہے اسی کو صاحب محیط نے احناف کا مذہب بتایا ہے اور اسی پر محققین مشائخ ہیں مقام ثالث کی تحقیق یہ ہے کہ ماءِ مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک بروایت حسن بن زیاد نجس بنجاست غلیظہ ہے اور بروایت ابو یوسف نجس بنجاست خفیفہ ہے اور بروایت امام محمد طاہر ہے مشائخ نے امام محمد کی روایت کی تصحیح کی ہے فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی مختار ہے اور امام محمد کی عام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے محیط میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہی مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اسی پر فتویٰ ہے۔

مقام رابع کی تفصیل یہ ہے کہ امام محمد کا مذہب اور امام اعظم کی ایک روایت یہ ہے کہ مستعمل پانی پاک تو ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا یعنی دوبارہ اس سے وضو یا غسل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں حقیقی نجاست اس سے پاک کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے کہ اگر کوئی باوضو وضو کرے تو اس کا مستعمل پانی طاہر بھی ہے اور طہور بھی ہے اور اگر کوئی بے وضو کرے تو اس کا مستعمل پانی خود تو پاک ہوگا مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکے گا علامہ نووی نے امام شافعی کے دو قولوں میں سے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اسی پر مسائل کی تفریع کی ہے تیسرا قول امام مالک، امام شافعی، زہری، اوزاعی، ابوثور کا ہے کہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ہے کیونکہ طہور قطوع کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے بار بار پاک کرنیوالی چیز کو کہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ بلاشبہ پانی دوسری چیزوں کو پاک کرنیوالا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ طہور بمعنی مطہر ہے بلکہ اس لئے کہ آیت میں طاہر کی جگہ طہور کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ غفور و شکور کی طرح اس میں مبالغہ کے معنی ہیں۔ سیبویہ، خلیل، مبرد، اصمعی، ابن السکیت طہور کو مصدر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث **مفتاح الصلوة الطهور، طهور اناء احدكم، لاصلوة الابطهور** ''میں طہور اسی معنی میں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمَسْئَلَةُ الْبِئْرِ جُحْطٌ وَكُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ اِلَّا جِلْدُ الْخِنْزِيْرِ وَالْاٰدَمِيِّ

اور کنویں کا مسئلہ حروف جحط سے منضبط ہو سکتا ہے اور جو چمڑا دباغت دیدیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر اور آدمی کا چمڑا،

وَشَعْرُ الْاِنْسَانِ وَالْمَيْتَةِ وَعَظْمُهُمَا طَاهِرَانِ (فَصْلٌ) وَيُنْزَحُ الْبِئْرُ بِوُقُوْعِ النَّجَسِ

اور آدمی اور مردہ جانور کے بال اور ان کی ہڈیاں پاک ہیں اور کنویں کا پانی کھینچا جائے نجاست گرنے سے نہ کہ اونٹ

لَا بِبَعْرَتَيْ اِبِلٍ وَّ غَنَمٍ وَ خُرْءِ حَمَّامٍ وَ عُصْفُوْرٍ وَبَوْلُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ نَجِسٌ

اور بکری کی ایک آدھ مینگنی سے اور کبوتر یا چڑیا کی بیٹ سے اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب ناپاک ہے۔

توضیح اللغۃ:...... بیر کنواں۔ اہاب کچا چمڑا، شعر بال۔ عظم ہڈی، نزح کھینچنا' پانی نکالنا۔ بعرۃ مینگنی، خرؤ بیٹ، حمام کبوتر عصفور چڑیا۔

تشریح الفقہ:...... قولہ و مسئلۃ الخ مسئلۃ البئر مبتدا ہے اور ''جحط'' بنا بر خبر محل رفع میں ہے تقدیر عبارت یوں ہے مسئلۃ البئر یضبط فیھا بحروف جحط۔ یعنی کنویں کے مسئلہ میں جو تین مذہب ہیں ان کو حروف جحط کے ذریعہ ضبط کیا جاسکتا ہے۔ ج علامت نجاست ہے اور ح بحال خود رہنے کی اور ط طہارت کی۔ پھر ج سے مذہب امام اعظم کی طرف اور ح سے مذہب ابو یوسف کی اور ط سے مذہب امام محمد کی طرف اشارہ ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک جنبی نے کسی کنویں میں (جودہ دردہ نہ ہو) ڈول نکا لنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا درانحالیکہ نہ اس کے بدن پر کوئی حقیقی نجاست تھی اور نہ اس نے وضو یا غسل کی نیت کی تھی۔ نیز کنویں میں جا کر اس نے اپنے بدن کو بھی نہیں ملا۔ تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کنواں اور جنبی پاک ہے یا ناپاک؟ جواب یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ہر دو ناپاک ہیں اس لئے کہ ناپاک آدمی کے پانی میں گھستے ہی پانی بدن کے بعض حصہ سے لگا اور لگتے ہی اتنے حصہ کی جنابت دور ہوگئی جس سے پانی مستعمل ہوگیا۔ اور مستعمل پانی امام صاحب کے نزدیک ناپاک ہے اور جنبی اس لئے ناپاک ہے کہ بقیہ اعضا ناپاک اور مستعمل پانی میں گئے اور ناپاک پانی سے طہارت حاصل نہیں ہوتی امام ابو یوسف کے نزدیک کنواں بحال خود پاک اور آدمی بدستور ناپاک کیونکہ ان کے نزدیک اسقاط فرض کیلئے بدن پر پانی بہانا شرط ہے اور وہ پایا نہیں گیا لہذا پانی مستعمل نہ ہوا اور علی حالہ پاک رہا اور آدمی اس لئے ناپاک رہا کہ نہ رفع حدث پایا گیا اور نہ قصد قربت اور امام محمد کے نزدیک ہر دو پاک ہیں جنبی تو اس لئے کہ ان کے ہاں غسل میں پانی بہانا شرط نہیں پس پانی بہائے بغیر فرض جنابت ساقط ہو کر آدمی پاک ہوگیا اور پانی اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک مستعمل ہونے کی شرط نیت قربت ہے۔ جو یہاں نہیں پائی گئی لہذا پانی پاک رہا (لیکن) امام محمد کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالۂ حدث سے بھی پانی مستعمل ہوجاتا ہے۔ لیکن ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے لہذا آدمی بھی پاک رہے گا اور کنواں بھی مستعمل نہ ہوگا۔

قولہ و کل اھاب الخ ہر قسم کی کھال دباغت دینے سے پاک اور شرعاً قابل انتفاع ہوجاتی ہے اس پر نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اور اس کی مشکیزہ ڈولچی وغیرہ بنا کر وضو بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ''جو کچا چمڑا دباغت دیدیا جائے وہ پاک ہوجاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابن حبان، احمد، بزار) لیکن آدمی اور خنزیر کی کھال کہ یہ قابل انتفاع نہیں، خنزیر کی کھال تو اس لئے کہ وہ نجس العین ہے نیز وہ پرت پرت (تہ بہ تہ) ہونے کی وجہ سے دباغت پذیر نہیں ہے۔ رہی آدمی کی کھال سو اول تو وہ نہایت رقیق ہونیکی وجہ سے قابل دباغت نہیں ہے اور اگر دباغت دے بھی لیجائے تو اس کی تعظیم و توقیر کے سبب اس کا استعمال جائز نہیں۔

لطیفہ: مصنف نے استثناء میں پہلے خنزیر کو ذکر کیا ہے پھر آدمی کو اس واسطے کہ یہ ذلت و خواری کا مقام ہے یعنی اظہار نجاست کا۔ اس لئے یہاں ذلیل و خوار چیز کو پہلے بیان کرنا عین مقتضائے بلاغت ہے۔

فائدہ: چمڑے کی دباغت سے تین مسئلے متعلق ہیں (۱) اس کا پاک ہونا جس کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔ (۲) پوستین وغیرہ پہن کر نماز پڑھنے کا جائز ہونا اس کا تعلق کتاب الصلوۃ سے ہے (۳) چمڑے کی ڈولچی یا مشکیزہ وغیرہ میں پانی لینا اور اس سے وضو کا جائز ہونا اس کا تعلق احکام میاہ سے ہے اس مناسبت سے مصنف نے چمڑے کے مسائل کو پانی کے مسائل کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

قولہ و شعر الانسان الخ آدمی اور مردار کے بال، ہڈی پاک ہے مگر خنزیر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے اسی قسم کی دیگر اشیاء، کھر۔ سم، سینگ، اون، ناخن پر، چونچ غرض ہر ایسی چیز کا یہی حکم ہے۔ جس میں زندگی نہ پائی جاتی ہو۔ امام شافعی کے نزدیک یہ سب ناپاک ہیں ہماری دلیل باری عز اسمہ، کا اون، بال وغیرہ کو انعامات کی فہرست میں شمار کرانا ہے جو ان کے پاک ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ناپاک چیز سے امتنان نہیں ہوا کرتا نیز آنحضرتؐ نے اپنے موئے مبارک ابوطلحہ کو عنایت فرمائے تھے اور انہوں نے لوگوں میں تقسیم کئے تھے حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آپ نے حضرت فاطمہ کے لئے اونٹ کی ہڈی کا ایک ہار اور عاج یعنی ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے تھے۔

کنویں کے احکام

قولہ و تنزح الخ نزح کی اسناد بیر کی طرف مجازی ہے جیسے ''جری المیزاب'' جس سے کل پانی کے نکالنے میں مبالغہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے اگر دہ دردہ سے کم کنویں میں نجاست گر جائے تو باجماع سلف پورے کنویں کا پانی نکالا جائیگا۔ کنویں کے مسائل اثار ونقول اور اتباع سلف پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس ورائے پر پس اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک دو مینگنی گر جائے۔ (تین میں اختلاف ہے) تو بمقتضائے قیاس کنواں ناپاک ہو جانا چاہئے۔ لیکن استحساناً ناپاک نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور سے جنگلی کنوؤں کی منیں نہیں ہوتیں جو وقوع نجاست سے رکاوٹ بنیں اور مویشی آس پاس گوبر اور مینگیاں کیا ہی کرتے ہیں جو ہوائیں کنوؤں میں لا ڈالتی ہیں اس لئے تھوڑی سی نجاست کو نظر انداز کیا جائیگا۔ اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو اس سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک ناپاک ہو جائیگا۔ کیونکہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہوگئی۔ لہذا اس کا حال مرغی کی بیٹ جیسا ہوگا۔ جو بالاتفاق ناپاک ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مساجد میں کبوتروں کے رکھنے اور پالنے کا جمہور مسلمین کا دستور چلا آ رہا ہے۔ کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی جبکہ حضرت عائشہ وسمرہ سے ابوداؤد کی روایت میں گھروں میں مسجد بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم موجود ہے پس اجماع فعلی ان کی بیٹ کے ناپاک نہ ہونے کی دلیل ہے، رہا تھوڑی بہت بدبو کا ہونا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کیچڑ میں فی الجملہ بدبو ہوتی ہے حالانکہ وہ امام شافعی کے نزدیک ناپاک نہیں اسی طرح یہ بھی ناپاک نہیں ہونی چاہئے۔

قولہ و بول الخ اگرچہ یہ مسئلہ باب الانجاس سے متعلق ہے لیکن یہ واضح کرنے کے لئے کہ ماکول جانوروں کے پیشاب سے کنواں ناپاک ہو جائیگا۔ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے کہ ماکول جانوروں کا پیشاب شیخین کے نزدیک ناپاک اور امام محمد کے نزدیک پاک ہے اس سے اصل کے لحاظ سے شیخین کے نزدیک ان کا پیشاب گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائیگا اور کل پانی نکالا جائیگا۔ امام محمد کے نزدیک ناپاک نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ پیشاب پانی پر غالب نہ آ جائے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کو اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی (صحاح ستہ) شیخین کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور سے عذاب قبر اسی سے پیش آتا ہے (دار قطنی، حاکم، طبرانی، بیہقی) پھر امام صاحب کے نزدیک ماکول جانوروں کا پیشاب بطور دوا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اس سے حصول شفا یقینی نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بطور دوا اور امام محمد کے نزدیک ہر طرح روا ہے ۱۲۔

تنبیہ: قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور صاحب معراج الدرایہ نے جو یہ کہا ہے کہ حضورؐ نے عرینین کو صرف دودھ پینے کا حکم دیا تھا صحیح نہیں کیونکہ شرب ابوال کی روایت تو صحاح ستہ میں موجود ہے (۲) درمختار میں جو فیض سے نقل کیا ہے کہ چوہے کا پیشاب کنویں میں گر جائے تو بقول اصح پانی نہیں نکالنا چاہئے دلیل کے لحاظ سے ضعیف ہے جس کی کئی وجہیں ہیں (۱) چوہے کے پیشاب میں بدبو اور فساد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (۲) پیشاب کے عموم میں یہ بھی داخل ہے جس سے بچنا ضروری ہے (۳) چوہا غیر ماکول جانوروں میں سے ہے۔ (۴) چوہے کا پیشاب بلا اختلاف نجس ہے معلوم ہوا درمختار کی یہ نقل قابل اعتماد نہیں ہے۔

لَا مَالَمْ یَکُنْ حَدَثًا وَّ لَایُشْرَبُ اَصْلاً وَ عِشْرُوْنَ دَلْوًا وَّسطًا بِمَوْتِ نَحْوِفَارَۃٍ

نہ کہ وہ جو باعث حدث نہ ہو اور نہ پیا جائے بالکل اور بیس ڈول متوسط نکالے جائیں چوہے کے مانند جانور کے مرجانے سے

وَاَرْبَعُوْنَ بِنَحْوِ حَمَامَۃٍ وَکُلُّہٗ بِنَحْوِشَاۃٍ وَانْتِفَاخِ الْحَیْوَانِ اَوْ تَفَسُّخِہٖ وَمِائَتَانِ لَوْلَمْ یُمْکِنْ نَزْحُھَا

اور چالیس کبوتر کے برابر اور کل پانی بکری کے برابر جانور کے مرنے اور اس کے پھول یا پھٹ جانے سے اور دو سو اگر کل نکالنا ممکن نہ ہو

وَنَجَّسَھَا مُذْ ثَلٰثٍ فَارَۃٌ مُنْتَفِخَۃٌ اَوْمُتَفَسِّخَۃٌ جُھِلَ وَقْتُ وُقُوْعِھَا وَاِلَّا مُذْ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ

اور ناپاک کر دیتا ہے کنویں کو تین دن رات سے وہ پھولا یا پھٹا ہوا چوہا جسکے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو ورنہ ایک دن رات سے۔

توضیح اللغۃ : دلو ڈول، وسط درمیانی، فارۃ چوہا، حمامۃ کبوتر، شاۃ بکری، منتفخہ انتفاخ سے ہے، پھول جانا، متفسخہ تفسّخ سے ہے پھٹ جانا۔

تشریح الفقہ :قولہ لامالم یکن الخ اس کا عطف ''بول'' پر ہے ای مالا یکون حدثا لا یکون نجسا یعنی انسان کے بدن سے جس چیز کا نکلنا باعث حدث نہیں ہے وہ نجس بھی نہیں ہے جیسے تھوڑی قے، خون، پیپ وغیرہ جو اپنی جگہ سے بہا نہ ہو اگر یہ پانی میں گر جائے یا کپڑے یا بدن وغیرہ میں لگ جائے تو ناپاک نہ ہوگا۔ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ نجس ہو جائیگا امام اسکاف و ہندوانی دونوں امام محمد کے قول پر فتوی دیتے تھے لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے امام ابو یوسف کے قول کی تصحیح کی ہے السراج الوہاج میں ہے کہ اگر تھوڑی قے کپڑے اور بدن وغیرہ پر لگ جائے تو فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور اگر پانی وغیرہ میں گر جائے تو امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ وعشرون الخ اس کا عطف ''البیر'' پر ہے بایں معنی کہ اس سے مراد ماء البیر ہے اور ''وعشرون'' میں واؤ عاطفہ بقیہ معطوفات کی طرح اَوْ کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یوں ہے ''ینزح ماء البیر کلہ بوقوع نجس غیر حیوان او ینزح عشرون دلوا من ماء البیر بموت نحو فارۃ اھ'' حاصل آنکہ اگر کنویں میں چوہا یا اسکے مانند جانور (چڑیا، بھجنگا، ممولا، گرگٹ وغیرہ) گر کر مر جائے تو بیس ڈول نکالے جائیں گے حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ''اگر کنویں میں چوہا گر کر مر جائے اور فوراً نکال لیا جائے تب بھی بیس ڈول پانی نکالنا چاہئے۔ (طحاوی قالہ الشیخ علاؤ الدین) اور چڑیا وغیرہ جسامت میں چوہے کے برابر ہوتی ہے لہذا اس کا حکم بھی ویسا ہی ہے پھر بیس ڈول نکالنا واجبی حکم ہے اور تیس ڈول نکالنا استحبابی ہے اور اگر کبوتر یا اسکے مانند مرغی، بلی وغیرہ گر کر مر جائے تو چالیس ڈول نکالے جائیں گے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہی حکم ہے (طحاوی) اور اگر بکری یا آدمی گر کر مر جائے یا کوئی جانور پانی میں گر کر پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائیگا) چاہ زمزم میں حبشی کے مرجانے پر ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ نے یہی فتوی دیا تھا۔ (دار قطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، طحاوی) اور اگر کل پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالے جائیں گے۔ یہ امام محمد کا تخمینہ ہے۔ امام اعظم سے مروی ہے کہ اتنا پانی نکالا جائے کہ لوگ تھک کر مغلوب ہو جائیں۔ اور گویا پانی ان پر غالب آ جائے۔

قولہ ونجسھا الخ اگر کنویں میں کوئی جانور گر کر پھول گیا یا پھٹ گیا اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہیں تو تین دن تین رات قبل سے کنوئیں کو ناپاک کہا جائیگا۔ اور جتنی چیزیں اس مدت میں اس ناپاک پانی کے استعمال میں آئی ہیں پھر سے پاک کیا جائیگا اور اگر پھولا یا پھٹا نہ ہو تو ایک دن ایک رات قبل سے کنویں کو ناپاک کہیں گے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ جس وقت جانور کو کنویں میں دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنواں ناپاک تصور کیا جائیگا بقول بعض اسی پر فتوی ہے غایۃ البیان میں ہے کہ امام صاحب کا قول احوط ہے۔ اور صاحبین کا قول آسان تر لیکن علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اکثر کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نیز امام صاحب کی دلیل کے مرجوح ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا ہے۔ علامہ صباغی امور صلوۃ میں امام ابو حنیفہ کے قول پر اور اسکے ماسوا میں صاحبین کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

وَالْعِرقُ كَالسُّؤرِ وَ سُؤرُ الْاٰدَمِيِّ وَ الْفَرَسِ وَ مَايُؤكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ

اور پسینہ (کا حال) مثل جھوٹے کے ہے اور آدمی اور گھوڑے اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے

وَالْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ وَالْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَاةِ وَسِبَاعِ الطَّيْرِ

اور کتے اور خنزیر اور درندے چوپاؤں کا جھوٹا ناپاک ہے اور بلی اور کھلی پھرنے والی مرغی اور پھاڑنے والے پرندوں

وَسَوَاكِنِ الْبُيُوْتِ مَكْرُوْهٌ وَالْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ يَتَوَضَّأُ بِهٖ وَ يَتَيَمَّمُ

اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے پس اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی

اِنْ فُقِدَ الْمَاءُ وَاَیًّا قَدَّمَ صَحَّ بِخِلَافِ نَبِیْذِ التَّمرِ

اگر اور پانی نہ ہو اور جس کو پہلے کرے درست ہے بخلاف نبیذ تمر کے۔

توضیح اللغۃ: عرق پسینہ، سور جھوٹا، فرس گھوڑا، سباع درندے، بہائم چوپائے، ہرۃ بلی، دجاجۃ مرغی، مخلاۃ کھلی پھرنے والی، حمار گدھا، بغل خچر، نبیذ التمر شراب خرما۔

تشریح الفقہ: قولہ والعرق الخ ہر جانور کے پسینہ کا حکم وہی ہے جو اسکے جھوٹ کا ہے کیونکہ پسینہ اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوگا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پسینہ کا گوشت سے پیدا ہونا تو ظاہر ہے لیکن جھوٹ تو بچا ہوا کھانا یا پانی ہے گوشت سے اس کا کیا تعلق؟ جواب یہ ہے کہ حکم کے لحاظ سے سور سے مراد جھوٹ نہیں بلکہ لعاب ہے لعاب کے مخفی ہونے کی وجہ سے حکم کا مدار جھوٹ پر رکھ دیا گیا۔

قولہ مشکوک الخ پالتو گدھے کا جھوٹا اور اس خچر کا جھوٹا جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہو مشکوک ہے اکثر مشائخ کی عبارت یہی ہے ابو طاہر دباس اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ مشکوک کہنا صحیح نہیں کیونکہ احکام خداوندی میں سے کوئی حکم بھی مشکوک نہیں۔ پس ان کا جھوٹ پاک ہے اگر اس میں کپڑا ڈوب گیا تو اسکے ساتھ نماز جائز ہے البتہ اس میں احتیاط برتی گئی ہے اس لئے وضو اور تیمم دونوں کا حکم کیا جاتا ہے۔ اور بحالت قدرت اسکے استعمال سے منع کیا جاتا ہے مشائخ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشکوک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکا شرعی حکم معلوم نہیں کیونکہ حکم شرعی یعنی استعمال کا ضروری ہونا اور نجاست کا منتفی ہونا اور اسکے ساتھ تیمم کو ضم کرنا تو بلاشک معلوم ہے بلکہ شک سے مراد تعارض ادلہ کی بنا پر توقف ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ گدھے اور خچر کے گوشت کی اباحت وحرمت میں احادیث متعارض ہیں چنانچہ حضرت جابر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا تھا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی تھی (صحیحین) اور حضرت علی کی روایت ہے کہ آنحضرت نے گھوڑے، گدھے، خچر کے گوشت کی ممانعت فرمائی (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے زمانے میں آپ نے بعض کو پالتو گدھے کے گوشت کی اجازت دی تھی۔ شیخ الاسلام خواہرزادہ کہتے ہیں کہ یہ وجہ قوی نہیں کیونکہ جب محرم اور مبیح کا اجتماع ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص گوشت کے متعلق خبر دے کہ یہ آتش پرست کا ذبیحہ ہے اور دوسرا یہ بتائے کہ مسلمان کا ہے تو غلبہ حرمت کیوجہ سے اسکا کھانا حلال نہیں معلوم ہوا کہ گوشت بلا اشکال حرام ہے اور گوشت سے لعاب پیدا ہوتا ہے لہذا بلا اشکال نجس ہوا بعض حضرات نے اختلاف صحابہ کو وجہ اشکال مانا ہے کیونکہ ابن عمر کی روایت تو سورِ حمار کے ناپاک ہونے کی ہے اور ابن عباس کی روایت پاک ہونیکی ہے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ وجہ بھی قوی نہیں کیونکہ پانی کی طہارت ونجاست میں اختلاف کا ہونا باعث اشکال نہیں جیسے کوئی شخص ایک برتن کے بارے میں اطلاع دے کہ یہ ناپاک ہے اور دوسرا کہے کہ پاک ہے تو ایسی صورت میں دونوں خبریں مستوی ہوتی ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا پس اشکال کی بہتر وجہ ضرورت ہے کہ ان جانوروں کو اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھا جاتا ہے اور کونڈوں میں پانی پلایا جاتا ہے۔ اور ضرورت کا تحقق اسقاطِ نجاست میں مؤثر ہوتا ہے جیسے بلی اور چوہے کے مسئلے میں ہے البتہ گدھے کے بارے میں جو ضرورت ہے وہ اس ضرورت سے کم ہے جو بلی اور چوہے میں ہے اب اگر ضرورت کا قطعاً تحقق نہ ہوتا جیسے کتے اور درندوں میں ہے تب تو بلا اشکال نجاست کا حکم لگتا اور اگر ضرورت ایسی ہوتی جیسے بلی چوہے میں ہے تو اسقاط نجاست کا حکم لاگو ہوتا اور یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ ضرورت نہیں ہے اور موجب طہارت وموجب نجاست ہر دو مستوی ہیں لہذا دونوں ساقط ہوئے اور اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور اصل یہاں دو چیزیں ہیں پانی میں طہارت اور لعاب میں نجاست اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولیٰ ہے نہیں اسلئے معاملہ مشکل ہوگیا۔ پھر مشکوک فیہ میں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ خود ایسے پانی کی طہارت میں شبہ ہے

کیونکہ اگر یہ پانی پاک ہوتا تو پانی میں ملنے کے بعد پانی کے مقابلہ میں مغلوب ہونے کی صورت میں مطہر بھی ہونا چاہئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسکے مطہر ہونے میں شبہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص گدھے کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کرلے اور بعد میں اسکو مطلق پانی دستیاب ہو تو اسپر سر کو دھونا واجب نہیں۔ اگر اسکے پاک ہونے میں شبہ ہوتا تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا۔

قولہ یتوضأبہ الخ وضو کرنیوالا اگر گدھے اور خچر کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرلے اور ان میں سے جس کو چاہے پہلے کرلے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ پہلے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ پانی واجب الاستعمال ہے لہذا مطلق پانی کے مشابہ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے مطہر چونکہ صرف ایک ہے اسلئے دونوں کا جمع کرنا مفید ہوگا نہ کہ ترتیب۔

قولہ بخلاف النبیذ الخ پانی میں بھیگے ہوئے چھواروں کا آب زلال جس کو نبیذ تمر کہتے ہیں۔ اگر تھوڑے سے چھوارے ڈالکر معمولی سی مٹھاس آگئی تب تو بالاتفاق اس سے وضو جائز ہے لیکن اگر اتنے زیادہ چھوارے ڈال دیئے کہ پانی شیرہ کی طرح گاڑھا ہوگیا تو پھر بالاجماع اس سے وضو جائز نہیں۔ اور اگر چھوارے اتنے ہوں کہ مٹھاس تو کافی ہو مگر پانی کی رقت بھی باقی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ خود امام صاحب کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے وضو کرے تیمم کی اجازت نہیں۔ احکام القرآن میں ابوبکر رازی نے اسی کو مشہور روایت کہا ہے دوسرا قول نوح بن ابی مریم اور اسید بن عمرو اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ وضو جائز نہیں بلکہ تیمم کرنا چاہئے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف سب کا یہی قول ہے نبیذ تمر سے جواز وضو کی دلیل حدیث لیلۃ الجن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نہ ملنے پر نبیذ تمر سے وضو فرمایا تھا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دار قطنی، طحاوی، ابن عدی، عن ابن مسعودؓ) جن حضرات کے یہاں نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث لیلۃ الجن آیت تیمم سے منسوخ ہے۔ کیونکہ آیت تیمم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے اور واقعہ لیلۃ الجن مکہ میں پیش آیا ہے۔ امام محمد صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نبیذ تمر سے وضو کیساتھ تیمم بھی کرے کیونکہ حدیث لیلۃ الجن میں اول تو اضطراب ہے دوسرے آیت تیمم اور حدیث لیلۃ الجن میں تقدم و تأخر کا پتہ نہیں چلتا جس سے ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ کہا جاسکے۔ جواب یہ ہے کہ واقعہ لیلۃ الجن ایک دفعہ نہیں بلکہ چھ مرتبہ ہوا ہے جن میں سے دو دفعہ مکہ معظمہ میں ہوا ہے اور چار مرتبہ مدینہ وغیرہ میں پیش آیا ہے۔ پس بہت ممکن ہے نبیذ تمر سے وضو کا واقعہ مدینہ کا ہو جو آیت تیمم کے بعد میں پیش آیا لہذا نسخ کا دعوی صحیح نہیں۔ علرمہ، اوزاعی، حسن، اسحاق بھی جواز کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔

رہے حدیث لیلۃ الجن پر اعتراض سو اول تو ابن الہمام نے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ امام اعظم سے نبیذ تمر سے وضو کے سلسلہ میں رجوع ثابت ہے جس کے بعد گفتگو کی ضرورت ہی نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التیمّم

باب تیمّم کے بیان میں

قولہ باب التیمم الخ تیمم چونکہ وضو کا قائم مقام ہوتا ہے اس لئے مصنف وضو کے بیان سے فارغ ہو کر تیمم کا بیان شروع کر رہا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوتا ہے پھر اس میں کلام اللہ کی اتباع بھی ہے کیونکہ کلام الٰہی میں پہلے وضو کا بیان ہے پھر غسل کا اسکے بعد تیمم کا۔ لغت میں تیمم کے معنی مطلق قصد اور ارادے کے ہیں۔ قال تعالیٰ ''و لاتیمموا الخبیث'' شرعاً بہ نیت تقرب پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے مسح کرنے کو کہتے ہیں۔ صحیح اور متفق علیہ تعریف یہی ہے۔ تیمم کے ارکان اور اس کی شروط کا مفصل بیان تو آگے آرہا ہے یہاں اجمالی طور پر معلوم کر لینا چاہئے۔ سو تیمم کے دو رکن ہیں۔ (۱) دو مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا (۲) چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پورے طور پر استیعاب۔ تیمم کے لئے چھ شرطیں ہیں۔ (۱) نیت (۲) مسح (۳) کم از کم تین انگلیوں سے تیمم کرنا (۴) مٹی یا اس کے مثل کا ہونا (۵) زمین وغیرہ کا مطہر ہونا (۶) پانی کا نہ ملنا یا نقصان دہ ہونا۔ ابن وہبان نے اسلام کی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے نیز حیض و نفاس کا منقطع ہونا اور چہرہ اور ہاتھوں پر چربی وغیرہ کا نہ ہونا بھی شرط ہے جو مانع تیمم ہوں تیمم میں آٹھ سنتیں ہیں۔ (۱) شروع میں وضو کی طرح بسم اللہ پڑھنا (۲) دونوں ہتھیلیوں کے اندورنی حصہ کو زمین پر مارنا (۳) ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر آگے کی طرف کھینچنا (۴) پھر ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے ہوئے لوٹانا (۵) دونوں ہتھیلیوں کا جھاڑنا تاکہ زائد مٹی جھڑ جائے ورنہ مثلہ ہو جائیگا۔ (۶) انگلیاں کشادہ کر کے زمین پر مارنا تاکہ اگر غبار ہو تو انگلیوں کے درمیان میں آجائے (۷) ترتیب قائم رکھنا یعنی اول چہرہ پھر داہنے ہاتھ پھر بائیں ہاتھ پر مسح کرنا (۸) مسح میں اس طرح تسلسل رکھنا کہ اگر پانی سے اعضا دھوئے جاتے تو اتنی دیر میں پہلا عضو خشک نہ ہونے پاتا۔ تیمم کی مذکورہ بالا شرطیں اور سنتیں اس قطعہ میں منظوم ہیں۔

والا سلام شرط عذر و ضرب و نیته　　　ومسح و تعیمم صعید مطهر

وسنته سمی و بطن وفرج　　　ونفض ورتب وآل اقبل و تدبر

فائدہ: مشروعیت تیمم امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے ارشاد نبوی ہے ''جعلت لی الارض مسجد اوطهورا'' یعنی روئے زمین کو خاص طور پر ہمارے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے تیمم کی مشروعیت غزوہ مریسیع میں ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کا ہڈی کا ہار گم ہو گیا تھا آنحضرت نے لوگوں کو تلاش کرنے کیلئے فرمایا اس میں نماز کا وقت ہو گیا پانی موجود نہ تھا بعض لوگوں نے اس پریشان کن صورت حال کی شکایت صدیق اکبر سے کی کہ آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے آنحضرت صلعم اور دوسرے لوگوں کو زحمت انتظار گوارا کرنی پڑی صدیق اکبر نے یہ سنکر صاحبزادی کو برا بھلا کہا کہ تمہاری وجہ سے ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے۔ اس پر آیت تیمم نازل ہوئی اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کر کے ہمیشہ کے لئے ضرورتمند مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ اسید بن حضیرؓ فرمانے لگے کہ اے آل ابوبکر! تیمم کا یہ انعام تمہاری کچھ پہلی ہی خیر و برکت نہیں ہے بلکہ ام المومنین خداتم پر رحمت فرمائے جب کبھی آپ کے ساتھ کوئی ناگوار بات پیش آئی تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی ایسا انعام بھی رکھدیا جس میں مسلمانوں کے لئے سہولت اور آسانی ہو۔

يَتَيَمَّمُ	لِبُعْدِهِ	عَنْ	مَاءٍ	اَوْلِمَرَضٍ	اَوْبَرْدٍ	اَوْ	خَوْفِ	عَدُوٍّ	اَوْ	سَبُعٍ	اَوْ	عَطَشٍ
نمازی تیمم کرے	پانی سے	ایک میل دور ہونے		یا بیماری	یا سردی	یا دشمن			یا درندے		یا تشنگی کے اندیشہ	

اَوْ	فَقْدِ	آلَةٍ	مُسْتَوْعِباً	وَجْهَهُ	وَيَدَيْهِ	مَعَ	مِرْفَقَيْهِ	بِضَرْبَتَيْنِ
یا ڈول رسی وغیرہ کے نہ ہونے کی صورت میں			درانحالیکہ گھیرنے والا ہو	منہ کو	اور دونوں ہاتھوں کو	کہنیوں سمیت		دو ضربوں کے ساتھ

وَلَوْ جُنُباً اَوْ حَائِضاً بِطَاهِرٍ مِنْ جِنْسِ الاَرْضِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَقْعٌ وَبِهٖ بِلاَعِجْزٍ
اگرچہ ناپاک یا حائضہ ہو جنس زمین سے کسی پاک چیز پر گو اس پر غبار نہ ہو اور صرف غبار پر مٹی سے عاجز نہ ہونے کے باوجود

نَاوِيًا فَلَغَا تَيَمُّمُ كَافِرٍ لاَ وُضُوْئُهٗ
درانحالیکہ نیت کرنے والا ہو پس کافر کا تیمم لغو ہے نہ کہ اس کا وضو

توضیح اللغۃ: میل ایک ہزار باع کی مسافت (دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کی لمبائی) بردسردی، عدودشمن، سبع درندہ۔ عطش پیاس۔ فقد گم کرنا۔ آلہ مراد ڈول رسی وغیرہ مستوعباً استیعاب گھیرنا۔ نقع غبار۔ لغا لغو ہونا۔

حل ترکیب: یتیمم ای المکلف میلا بعد سے تمیز ہے۔ عن ماء بعد مصدر سے متعلق ہے اوکل مواضع میں تنویع وتقسیم کے لئے ہے لمرض تیمم سے متعلق ہے اوبرد سے اوفقد آلہ تک سب ''لمرض'' پر معطوف ہیں مستوعبا مصدر محذوف کی صفت ہے ای تیمم تیمما مستوعبا۔ علامہ زیلعی نے تیمم کی ضمیر فاعل سے حال ہونا بھی جائز رکھا ہے وجہ مستوعبا کا مفعول ہے ید یہ وجہ پر معطوف ہے۔ بضربتین تیمم یا مستوعبا سے متعلق ہے بظاہر علامہ عینی کے نزدیک باء محل جر میں ہے اور ضربتین کی صفت ہے اسی ضربتین ملتصقتین بظاہر۔ لیکن اکثر شروح میں تیمم سے متعلق مانا ہے ناویا تیمم کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ تیمم الخ جب نمازی پانی سے ایک میل دور ہو یا بیماری بڑھ جانیکا خطرہ ہو یا سردی کی وجہ سے بیمار پڑ جانیکا اندیشہ ہو یادشمن یا درندہ کا ڈر ہو یا پیاس کا خوف ہو یا پانی برآمد کرنیکا سامان ڈول رسی غیرہ مفقود ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرے اس طرح کہ جنس زمین پر جو پاک ہو گو اسپر غبار نہ ہو بہ نیت تیمم دو ضربوں کے ساتھ اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت گھیرنیوالا ہو اور اگر مٹی کے ہوتے ہوئے غبار سے تیمم کرلیا تب بھی درست ہے لیکن نیت کا ہونا ضروری ہے اور نیت اسی کی درست ہوسکتی ہے جو نیت کا اہل ہو پس کافر کا تیمم بیکار ہے کیونکہ اس میں نیت کی اہلیت نہیں ہاں اس کا وضو صحیح ہے کیونکہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن پاک میں پانی کی غیر موجودگی کو شرط نہیں فرمایا بلکہ مشکل سے دستیاب ہونے کو شرط قرار دیا ہے جس کا معیار کم از کم ایک میل دور قرار دی گئی ہے بعض نے کہا ہے کہ چلانے سے جہاں تک آواز پہنچے اتنی دوری کا اعتبار ہے اور بعض کے نزدیک بجانب سفر دو میل کی دوری ضروری ہے اور بعض نے ہر طرف دو میل کی دوری کہا ہے لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے ایک میل کی دوری کو مختار کہا ہے میل کے سلسلہ میں معتبر قول ابوالعباس احمد شہاب الدین بن ہائم کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک برید ۴ فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ ۳ میل کا اور ایک میل ۱۰۰۰ باع کا اور ایک باع چار گز کا اور ایک گز ۲۴ انگل کا اور ایک انگل ۶ جو کا اس طرح کہ ایک جو کی پیٹھ دو سرے جو کے پیٹ سے ملی ہو اور ایک جو خچر کے ۶ بالوں کا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک میل تہائی فرسخ کا ہوتا ہے جس کی مقدار چار ہزار گز ہے بعض حضرات نے کل مسافتوں کو ان اشعار میں جمع کیا ہے۔

ان البريد من الفراسخ اربع ولفرسخ فثلاث اميال ضعوا
والميل الف اى من الباعات قل والباع اربع اذرع تتبع
ثم الذراع من الا صابع اربع من بعدها العشرون ثم الا صبع
ست شعيرات فظهر شعيرة مهنا الى بطن الاخرى توضع
ثم الشعيرة ست شعرات فقل من شعر بغل ليس فيها مدفع

قوله من جنس الارض الخ طرفین کے نزدیک ہر ایسی چیز کے ساتھ تیمم جائز ہے جوزمین کی جنس سے ہو جنس زمین سے ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جلے اور پانی میں نہ گلے جیسے مٹی، ریت، پتھر، چونہ وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنی ہے کہ یہ نہ جلائے سے جلے نہ پگھلائے سے پگھلے پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں۔ اور جو چیزیں آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں جیسے درخت، پھل، پھول، گھاس، پھونس، غلہ وغیرہ یا پگھل کر نرم ہو جائیں جیسے لوہا، تانبہ، پیتل، سونا، چاندی، آبگینے وغیرہ تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہیں چونہ اس سے مستثنی ہے کہ اس سے تیمم کی اجازت ہے کانچ جو ریگ اور دوسری چیز سے مل کر بنتی ہے اس سے خارج ہو گئی اسی طرح منجمد پانی بھی نکل گیا البتہ لوہا وغیرہ جو کان میں ہو جس پر مٹی بھی لگ رہی ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ ہاتھ لگا کر کھینچنے سے مٹی کا اثر ظاہر ہو ورنہ جائز نہیں ہے گیرو گندک، فیروزہ، عقیق، بلخش سے بھی تیمم جائز ہے۔ (فتح، بحر، قاضی خان) جلی ہوئی زمین سے اصح قول پر تیمم جائز ہے (ظہریہ) جو چیزیں مٹی سے بنتی ہیں جیسے کوزہ طباق وغیرہ ان پر تیمم جائز ہے (فتح) البتہ روغنی برتن جن پر ایسا لک لگ رہا ہو جوزمین کی جنس سے نہ ہو تیمم جائز نہیں (خزانہ، فتح) پکی اینٹ سے صحیح قول پر تیمم جائز ہے (فتح، بحرتبیین) سرخ، سیاہ، سفید، زرد، سبز اور نمناک مٹی اور کیچڑ سے تیمم جائز ہے (ہدایہ، خلاصہ، تاتارخانیہ) پسے ہوئے یا سالم موتیوں سے تیمم جائز نہیں ہے (محیط) مشک، عنبر، کافور راکھ سے تیمم جائز نہیں ہے (ظہیریہ) پانی سے بنے ہوئے نمک سے بالاتفاق تیمم جائز نہیں ہے۔ البتہ پہاڑی نمک سے جواز کا فتوی ہے۔ (بحر) زمرد، زبرجد، یاقوت، مرجان سے تیمم جائز ہے (بحرتبیین) لیکن فتح القدیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں سے اور موتی سے تیمم جائز نہیں ہے صاحب تنویر بھی مرجان کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ پانی سے بنتا ہے محیط غایۃ البیان توشیخ: غایہ معراج الدرایہ تبیین، بحر کے مطابق جواز اظہر ہے لیکن مقتضی احتیاط عدم جواز ہے۔ یہ کل تفصیل طرفین کے مذہب پر ہے امام ابو یوسف کے دو قول ہیں اول تو انہوں نے مٹی اور ریت دونوں سے جواز مانا تھا لیکن بقول یعلی ان کا آخری قول صرف خالص مٹی کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف اگانے والی مٹی سے تیمم جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری "فتیمموا صعیداً طیباً" کی تفسیر ابن عباس نے اگانیوالی مٹی کے ساتھ کی ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ "صعید" کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی بالائی حصہ اصمعی، خلیل، ثعلب، ابن الاعرابی سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ زجاج نحوی، معانی القرآن" میں لکھتے ہیں کہ صعید کے معنی زمین کے بالائی حصہ کے ہیں خواہ مٹی اور ریت ہو یا پتھر وغیرہ۔ ائمہ لغت میں سے کسی نے اسکے خلاف نہیں کہا۔ باقی آیت میں لفظ صعید کیساتھ لفظ طیب کا بھی اضافہ ہے سو اس میں صاف ستھرے، حلال، اگانے سب معانی کا احتمال ہے۔ متعدد آیات میں یہ معانی مستعمل ہیں لیکن اس مقام پر بقول ابواسحاق اکثر کے نزدیک قرینہ مقامیہ کی وجہ سے طیب کے معنی طاہر اور پاک کے ہیں۔ رہے اگانے کے معنی سو اول تو یہ اس مقام کے مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ بقول اصح خود امام شافعی کے نزدیک اگانے کی شرط نہیں کیونکہ پاک مٹی سے تیمم جائز ہے اگرچہ اگانے والی نہ ہو اور ناپاک سے جائز نہیں گو اگانے والی ہو۔ اس لئے ان کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کی رو سے زمین شور سے تیمم جائز نہیں ہونا چاہئے جس میں اگانے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کیطرح امام نووی بھی جواز تیمم کے قائل ہیں (نور الدرایہ بتہذیب وترتیب)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَایَنْقُضُهٗ رِدَّتُهٗ بَلْ نَاقِضُ الْوُضُوْءِ وَقُدْرَةُ مَآءٍ فَضُلَ عَنْ حَاجَتِهٖ فَهِیَ تَمْنَعُ التَّیَمُّمَ

اور نہیں توڑتا ہے تیمم کو مرتد ہونا بلکہ ناقض وضو اور ضرورت سے زائد پانی پر قدرت حاصل ہونا توڑتا ہے اور پانی پر قدرت تیمم سے روکتی ہے

وَتَرْفَعُهٗ وَلِرَاجِی الْمَآءِ اَنْ یُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰی اٰخِرِ الْوَقْتِ وَصَحَّ قَبْلَ الْوَقْتِ وَلِفَرْضَیْنِ

اور اس کو ختم بھی کر دیتی ہے اور پانی کا امیدوار نماز کو مؤخر کر دے۔ اور صحیح ہے قبل از وقت اور دو فرضوں کے لئے

وَخَوْفِ فَوْتِ صَلٰوةِ جَنَازَةٍ اَوْعِیْدٍ وَّلَوْبِنَآءً لَا لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ

اور نماز جنازہ وعیدین کے فوت ہونے کے خوف سے اگرچہ بطور بناء ہی ہو نہ کہ جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے

وَلَمْ يُعِدْ اِنْ صَلّٰى بِهٖ وَنَسِيَ الْمَآءَ فِيْ رَحْلِهٖ وَيَطْلُبُهٗ غَلْوَةً اِنْ ظَنَّ قُرْبَهٗ

اور نہ لوٹائے اگر تیمم سے نماز پڑھ لی اور کجاوہ میں پانی بھول گیا اور پانی ایک تیر کی مقدار تلاش کرے اگر قریب ہونے کا گمان ہو

وَاِلَّا لَا وَيَطْلُبُهٗ مِنْ رَّفِيْقِهٖ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَاِنْ لَمْ يُعْطِهٖ اِلَّا بِثَمَنِ مِثْلِهٖ وَلَهٗ ثَمَنٌ

ورنہ نہیں اور رفیق سفر سے پانی طلب کرے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرے اور اگر وہ پانی کی واجبی قیمت کے بغیر نہ دے اور اس کے پاس دام ہوں

لَايَتَيَمَّمُ وَاِلَّا تَيَمَّمَ وَلَوْ اَكْثَرُهٗ مَجْرُوْحًا تَيَمَّمَ وَبِعَكْسِهٖ يَغْسِلُ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا

تو تیمم نہ کرے ورنہ تیمم کر لے اگر اکثر اعضاء زخمی ہوں تو تیمم کرے اور بصورت عکس[1] کو دھوئے اور دونوں میں جمع نہ کرے۔

توضیح اللغۃ: ......ردۃ ارتداد کا اسم ہے۔ دین سے پھر جانا، راجی امید رکھنے والا رحل کجاوہ غلوۃ چار سو گز فاصلہ کی مقدار

تشریح الفقہ: ......قولہ ولا ینقضہ الخ اگر کوئی مسلمان تیمم کر کے نعوذ باللہ مرتد ہو جائے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس ارتداد کی وجہ سے اس کا تیمم ختم نہ ہوگا۔ کیونکہ جس وقت نیت کی ضرورت تھی اس وقت صلاحیت موجود تھی بعد میں اگر صلاحیت نہیں رہی تو نیت کی ضرورت بھی نہیں رہی امام زفر کفر کی ابتدا وانتہا دونوں حالتوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور دونوں کو یکساں منافی تیمم سمجھتے ہیں اور اس کو چند مسائل پر قیاس کرتے ہیں پس ان کے یہاں ابتدائی کفر کی طرح کفر طاری بھی منافی تیمم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفر طاری نواقض طہارت میں سے نہیں ہے۔

قولہ بل ناقض الوضو الخ تیمم کو توڑنے والی چیزیں وہی ہیں جو وضو کو توڑنے والی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے پس اس کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور اتنے پانی پر قادر ہو جانا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جو اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے فاضل ہو۔ اور قدرت مذکورہ ابتداءً تیمم کرنے سے بھی مانع ہے کیونکہ اس وقت وہ فاقدِ ماء نہیں ہے بلکہ واجدِ ماء ہے۔

قولہ وراجی الماء الخ جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن پانی ملنے کی امید ہو تو اس کے لئے آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تاکہ نماز کی ادائیگی کمال طہارت کیساتھ ہو جائے یہ ایسا ہی ہے جیسے امیدوارِ جماعت کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے امام قدوری استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن شیخین سے غیر اصول کی روایت یہ ہے کہ تاخیر واجب ہے کیونکہ غالب رائے کا حکم متیقن جیسا ہوتا ہے ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے۔ اس لئے اس کا حکم تاوقتیکہ اسی کے برابر یقین نہ ہو زائل نہیں ہونا چاہئے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی تاخیر ہی اصح ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تیمم کے لئے آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا اس وقت ہے جبکہ پانی ملنے کا گمان غالب ہو صرف وہم اور شبہ کافی نہیں ہے۔ نیز آخر وقت سے مراد بھی وقت مستحب ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

قولہ وصح الخ تیمم وقت آنے سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک تیمم سے متعدد فرائض ونوافل وقتی وغیر وقتی ادا ہو سکتے ہیں نووی کی تصریح کے مطابق یہی قول ابن عباس، سعید بن المسیب، نخعی، حسن بصری، مزنی کا ہے لیکن امام شافعی ہر فرض کیلئے علیحدہ تیمم کے قائل ہیں۔ البتہ سنتوں کو فرائض کے تابع مانتے ہیں۔ اختلاف کا منشا یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے۔ پس وقت سے پہلے اور دو فرضوں کے واسطے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں وضو کی طرح پاک کرنیوالا ہے لہذا جب تک اس صفت پر رہے تیمم وضو جیسا عمل کریگا امام شافعی کی دلیل عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھنا سنت ہے۔ (دار قطنی، طبرانی) لیکن اس روایت میں دو طرح سے کلام ہے ایک تو اسناد میں حسن بن عمارہ ہے جس کو شعبہ، سفیان، احمد، نسائی، دار قطنی، ابن معین، علی بن المدینی، ساجی، جرجانی وغیرہ نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لئے

قابل حجت نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس میں صرف سنت کا بیان ہے ہماری دلیل حدیث ہے جس کو صحاح اور سنن میں بیان کیا گیا ہے کہ "پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا کام دیتی ہے خواہ دس سال پانی نہ ملے۔

قولہ وخوف فوت الخ اگر نماز جنازہ فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے کیونکہ نماز جنازہ کی قضا نہیں ہوتی مگر یہ اس وقت ہے جب جنازہ کا ولی کوئی دوسرا شخص ہو کیونکہ ولی جنازہ کے لئے اعادہ نماز کا حق ہوتا ہے۔ لہذا اسکے حق میں نماز فوت نہیں سمجھی جائیگی۔ نیز وضو میں مشغول ہونے سے اگر نماز عید چھوٹ جانیکا اندیشہ ہو تب بھی تیمم کی اجازت ہے اگر چہ بناً ہی کے طور پر ہو یعنی نماز تو وضو سے شروع کی تھی مگر نماز میں بے وضو ہو گیا تو اس کیلئے اجازت ہے کہ تیمم کر کے ایسی نماز کو پورا کرے۔ کیونکہ نماز عید کی بھی قضا نہیں ہے۔ لیکن نماز جمعہ اور وقتی نماز کے جاتے رہنے کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا بدل موجود ہے یعنی نماز جمعہ کا بدل ظہر اور وقتی نماز کا بدل اسکی قضا ہے۔

قولہ ولم یعد الخ اگر نمازی اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کے بعد پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب تک یاد داشت اور علم نہ ہو تو پانی پر قدرت شمار نہیں کی جاسکتی اور پانی کی موجودگی کا مطلب اس پر قدرت کا ہونا ہی ہے امام ابو یوسف نماز کے لوٹانے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ جب پانی موجود ہے تو پھر تیمم کیسے صحیح ہو سکتا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب اس نے پانی خود رکھا ہو یا اس کے حکم سے کسی دوسرے نے رکھا ہو۔

قولہ ویطلبہ غلوۃ الخ اگر نمازی کا غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہوگا تو پھر ایک غلوہ کی مقدار تک پانی تلاش کئے بغیر تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر غالب گمان نہ ہو تو طلب کرنا ضروری نہیں۔ غلوہ بقول ظہیر چار سو گز فاصلہ کی مقدار کو کہتے ہیں اور بقول حلبی تین سو گز کی مقدار ہے (ذخیرہ، مغرب) بعض نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جتنی دور تک تیر جائے وہ غلوہ کی مقدار ہے۔ (تبیین) بدائع میں لکھا ہے کہ اتنی دور تک تلاش کرنا اصح ہے کہ اس کا اپنا نقصان بھی نہ ہو اور ساتھیوں کو زحمتِ انتظار بھی نہ ہو۔

قولہ ویطلبہ من رفیقہ الخ اگر ساتھی کے پاس پانی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مانگنا واجب ہے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرلے۔ عینی نے تجرید سے نقل کیا ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا طرفین کے نزدیک واجب نہیں ہے حسن بن زیاد کا قول اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ باحیا اور غیرتمند شخص کو مانگنا بالخصوص معمولی چیز کا سوال کرنا ناگوار ہوتا ہے اور اگر ساتھی پانی کی اتنی قیمت طلب کرے جو قرب وجوار میں مناسب سمجھی جاتی ہے یا کچھ زیادہ بشرطیکہ دوگنی سے کم ہو اور اس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد دام بھی ہوں تو اس خرید کر وضو کرنا ضروری ہے ورنہ بالاجماع تیمم جائز ہے اور اگر نمازی کے اکثر اعضا جن کو دھونا چاہئے زخمی ہوں تو تیمم کرے اور اگر اکثر درست ہوں تو ان کو دھوئے لیکن یہ نہ کرے کہ مثلاً منہ کو دھولے اور ہاتھوں پر تیمم کرلے کیونکہ یہ تو بدل اور مبدل کے درمیان جمع کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے (**بخلاف الجمع بین التیمم وسؤر الحمار لان الفرض یتأدی باحد هما لا بهما فجمعنا بینهما لمکان الشک**) زیلعی۔

باب المسح علی الخفین

باب موزوں پر مسح کے بیان میں

صَحَّ وَلَوْ امْرَأَةً لاَ جُنُبًا اِنْ لَبِسَهُمَا عَلٰی وُضُوْءٍ تَامٍّ وَقْتَ الْحَدَثِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ
صحیح ہے اگر چہ عورت ہو نہ کہ جنبی اگر پہنا ہو ان کو ایسے وضو پر جو کامل ہو بوقت حدث ایک دن اور رات تک مقیم کے لئے

وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثًا مِنْ وَّقْتِ الْحَدَثِ عَلٰی ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطًا مَرَّةً بِثَلٰثِ اَصَابِعَ يَبْدَأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلَی السَّاقِ
اور مسافر کیلئے تین دن رات تک حدث کے وقت سے موزوں کے اوپر کی جانب ایک بار تین انگلیوں کیساتھ انگلیوں سے پنڈلیوں تک۔

تشریح الفقہ :...... قولہ باب المسح الخ مصنف علیہ الرحمۃ تیمم کے بعد موزوں کے مسح کو ذکر فرما رہے ہیں اس واسطے کہ دونوں طہارت مسح ہیں۔ نیز جس طرح تیمم وضو کا بدل ہے اسی طرح موزوں پر مسح کرنا پاؤں دھونے کا بدل ہے لیکن مصنف نے تیمم کو مقدم کیا ہے کیونکہ تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور موزوں پر مسح کا ثبوت حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے ہے۔

فائدہ:...... موزوں پر مسح کا جواز سنت سے ثابت ہے اور اس بارے میں روایات مشہور ہیں مبسوط میں امام اعظم کا قول موجود ہے کہ جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں کے مسح پر دلائل قائم نہیں ہوگئے اس وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مسح خفین اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔ اشراق میں حسن بصری سے منقول ہے ستر صحابہ نے مجھ سے روایت نقل کی۔ بدائع میں حسن سے منقول ہے کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح خفین کا قائل پایا ہے عینی کہتے ہیں کہ میں نے سرسٹھ صحابہ کی روایت تخریج کرنیوالے محدثین سمیت بیان کی ہے۔ غرضیکہ روافض و خوارج کے علاوہ تمام امت کا اجماع ہے کہ مسح خفین ثابت ہے جس میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت والجماعت کی تعریف پوچھی گئی آپ نے فرمایا: "ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتری المسح علی الخفین" حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی افضلیت کا معترف ہو اور حضرت عثمانؓ و علیؓ کا شیدائی ہو اور مسح خفین کا قائل ہو۔

قولہ صح الخ موزوں پر مسح کرنا درست ہے اگر چہ ماسح عورت ہو لیکن ناپاک کے لئے درست نہیں بشرطیکہ دونوں موزوں کو بوقت حدث کامل طہارت پر پہنا ہو گو پہننے کے وقت کامل نہ ہو مثلاً ایک شخص نے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر وضو تمام کرلیا اس کے بعد بے وضو ہوا تو اس شخص کا وضو بے وضو ہونے کے وقت کامل ہے اگر چہ موزہ پہننے کے وقت ناقص تھا پس یہ شخص مسح کرسکتا ہے اب اگر یہ مقیم ہے تو ایک دن رات تک اور مسافر ہے تو تین دن رات تک مسح کرسکتا ہے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ کی تینوں انگلیاں موزوں کے اوپر کی جانب پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر ایک بار پنڈلیوں تک کھینچے۔

فائدہ:...... مسح خفین کی مدت مذکورہ حضرت عمر، علی، جابر، صفوان، عوف بن مالک، ابوبکرہ وغیرہ صحابہ سے مروی ہے بعض حضرات نے وقت کی تحدید نہیں کی۔ لیکن عام علماء صحابہ، تابعین کے نزدیک وقت محدود ہے۔ امام شافعی کا ایک قول جس کو نووی قول قدیم اور ضعیف کہتے ہیں عدم توقیت کا ہے ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی نے ابن ابی عمارہ سے سات دن اور اس سے زیادہ کی روایت مرفوعاً نقل کی ہے جس کا جواب یہ ہے کہ خود ابوداؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی اسناد غیر ثابت مانی ہے۔

وَالْخَرْقُ الْكَبِيْرُ يَمْنَعُ وَهُوَ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الْقَدَمِ اَصْغَرِهَا وَيُجْمَعُ فِيْ خُفٍّ لاَفِيْهِمَا
اور زیادہ پھٹن مانع ہے اور وہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر ہے اور اس سے کم مانع نہیں اور جمع کی جائے گی ایک موزہ میں نہ کہ دونوں میں

بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ وَالْاِنْكِشَافِ وَيَنْقُضُهُ نَاقِضُ الْوُضُوْءِ وَنَزْعُ خُفٍّ وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ اِنْ لَّمْ يَخَفْ

بخلاف نجاست اور برہنگی کے اور توڑ دیتی ہے مسح کو وضو توڑ دینے والی چیز اور موزے کو نکالنا اور مدت کا گذرنا اگر اندیشہ نہ ہو

ذِهَابَ رِجْلَيْهِ فَقَطْ وَخُرُوْجُ اَكْثَرِ الْقَدَمِ نَزْعٌ وَلَوْ مَسَحَ مُقِيْمٌ

پاؤں کے جاتے رہنے کا سردی کے باعث اور ان کے بعد صرف پاؤں دھوڈالے اور اکثر قدم کا نکل جانا بھی نکالنا ہے اگر مقیم نے مسح کیا

فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلٰثًا وَلَوْ اَقَامَ مُسَافِرٌ بَعْدَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ نَزَعَ

پھر سفر شروع کردیا ایک دن رات ہونے سے قبل تو تین دن تک مسح کرے اور اگر مسافر ایک دن رات کے بعد مقیم ہوگیا تو اتار دے

وَاِلَّا يُتِمَّ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَصَحَّ عَلَى الْجُرْمُوْقِ وَالْجَوْرَبِ الْمُجَلَّدِ وَالْمُنَعَّلِ وَالثَّخِيْنَيْنِ لَا عَلٰى عِمَامَةٍ وَقَلَنْسُوَةٍ

ورنہ ایک دن رات پورا کرے اور صحیح ہے پائتابہ پر اور چمڑا چڑھی ہوئی اور سخت گاڑھی جرابوں پر نہ کہ پگڑی پر اور ٹوپی پر

وَالْبُرْقُعِ وَقُفَّازَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْجَبِيْرَةِ وَخِرْقَةِ الْقُرْحَةِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ كَالْغُسْلِ فَلَا يَتَوَقَّتُ

اور برقع پر اور دستانوں پر اور مسح ٹوٹی ہوئی ہڈی کی لکڑی پر اور زخم کی پٹی پر اور اسی طرح کی چیز پر دھونے کے حکم میں ہے کہ اس کے لئے وقت معین نہیں

وَيَجْمَعُ مَعَ الْغُسْلِ وَيَجُوْزُ وَاِنْ شَدَّهَا بِلَا وُضُوْءٍ وَيَمْسَحُ عَلٰى كُلِّ الْعِصَابَةِ سَوَآءٌ كَانَتْ تَحْتَهَا جِرَاحَةٌ اَوْ لَا

اور جمع کیا جاسکتا ہے دھونے کے ساتھ اور جائز ہے اگر چہ بے وضو باندھا ہو اور مسح کرے پوری پٹی پر اس کے نیچے زخم ہو یا نہ ہو

فَاِنْ سَقَطَتْ جَبِيْرَةٌ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ وَاِلَّا لَا وَلَا يَفْتَقِرُ اِلَى النِّيَّةِ فِيْ مَسْحِ الْخُفِّ وَالرَّاْسِ

پس اگر گر جائے اچھا ہونے کے باعث تو مسح باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں اور ضرورت نہیں ہے نیت کی موزے اور سر کے مسح میں۔

توضیح اللغۃ:...... خرق پھٹن، نزع کھینچنا، جرموق جو موزہ کے اوپر اس کی حفاظت کے لئے پہنتے ہیں۔ عوام اس کو کالوش کہتے ہیں۔ جورب جراب۔ مجلد چمڑا چڑھا ہوا۔ ثخین اتنا گاڑھا جس میں پانی نہ چھن سکے۔ عمامۃ پگڑی، قلنسوۃ ٹوپی، قفازین دستانے۔ جبیرۃ ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی، خرقہ پٹی قرحہ پرانا پھوڑا جس میں پیپ جمع ہو عصابۃ پٹی، جراحۃ زخم، برء اچھا ہو جانا۔

تشریح الفقہ:...... قولہ والخرق الکبیر الخ اور موزہ میں زیادہ پھٹن کا ہونا جس کی مقدار پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہے جواز مسح سے مانع ہے اور اس سے کم ہو تو مسح جائز ہے، امام زفر، امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اگر چہ پھٹن کم ہو کیونکہ اس حال میں جب ظاہر ہونے والے حصہ کو دھونا پڑیگا تو باقی حصہ کو بھی دھونا چاہئے ہم یہ کہتے ہیں کہ موزے عموماً پھٹن سے خالی نہیں ہوتے اس لئے ان کے نکالنے میں حرج لازم آئیگا۔

قولہ ویجمع الخ اگر ایک موزے میں کئی جگہ تھوڑی تھوڑی پھٹن ہو تو اس کو جمع کر کے مقدار کا اندازہ کیا جائیگا اگر سب مل کر تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے تو مانع مسح ہو گی ورنہ نہیں اور اگر دونوں موزوں میں ہو تو یکجا نہیں کیجائیگی بخلاف نجاست کے کہ وہ جمع کی جائیگی پس اگر دونوں موزوں کی نجاست ایک درہم کی مقدار ہو جائے تو پاک کئے بغیر مسح درست نہ ہوگا اسی طرح ستر کھلنے کا حال ہے۔

قولہ و صح علی الجرموق الخ پائتابہ پر مسح کرنا جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بدل کا اور بدل نہیں ہوتا، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے جرموقین پر مسح فرمایا ہے اور جوربین پر امام صاحب کے نزدیک مسح جائز نہیں الا یہ کہ مجلد یا منعل ہوں اور اگر اتنے گاڑھے ہوں جن میں پانی نہ چھنتا ہو تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہے کیونکہ آنحضرتؐ کے جوربین پر مسح کرنے کی روایت موجود ہے۔

قوله والمسح علی الجبیرة الخ زخم کی پھپھیوں پر مسح جائز ہے اگر چہ ان کو بغیر وضو باندھا ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسا ہی کیا ہے[۱] اور حضرت علی کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا[۲] نیز اس میں موزوں کے نکالنے سے زیادہ حرج ہوتا ہے اس لئے یہاں مسح بدرجہ اولیٰ مشروع ہونا چاہئے۔ پھر مسح جبیرہ کے لئے وقت کی کوئی تحدید نہیں۔ کیونکہ اس کا وقت معلوم نہیں ہے حتی کہ اگر زخم اچھا ہوئے بغیر پٹی کھل گئی تب بھی مسح باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ عذر موجود ہے اور پٹی پر مسح کرنا ایسا ہی ہے جیسے اسکے نچلے حصہ کو دھونا جب تک کہ یہ عذر باقی رہے ہاں اگر پٹی اچھا ہونیکی وجہ سے کھل گئی تو پھر مسح ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ عذر ختم ہو چکا ہے پھر زخم کی کل پٹی پر مسح کرنا ضروری نہیں بلکہ اکثر پٹی پر مسح کافی ہے۔ مصنف نے کافی میں یہی ذکر کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حسن کی روایت ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

---

(۱) دارقطنی عن ابن عمر، طبرانی عن ابی امامہ ۱۲

(۲) ابن ماجہ، بیہقی دارقطنی عن حسین بن علی ۱۲

باب الحیض

باب حیض کے بیان میں

قولہ باب الحیض الخ جن احداث کا وقوع بکثرت ہوتا ہے ان سے فراغت کے بعد مصنف ان احداث کو بیان فرمار ہے ہیں جن کا وقوع کم ہوتا ہے یعنی حیض نفاس استحاضہ، پھر حیض چونکہ اصل ہے اور اس کا وقوع بھی بکثرت ہوتا ہے بخلاف نفاس اور استحاضہ کے کہ ان کا وقوع ہمیشہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نفاس بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے اور استحاضہ بیمار عورت کو ہوتا ہے نہ کہ ہر عورت کو اس لئے عنوان میں صرف حیض کو ذکر کیا ہے۔

فائدہ: حاکم اور ابن المنذر حضرت ابن عباس سے اسناد صحیح کیساتھ روایت کرتے ہیں کہ حیض کی ابتدا حضرت حوا کو اسوقت سے ہوئی جبکہ ان کو جنت سے اتارا گیا تھا۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حیض کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر مقرر فرمایا ہے بعض سلف کا خیال یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں رونما ہوا (بخاری تعلیقاً) شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ سب سے پہلے حیض کے احکام بنی اسرائیل پر آئے۔ چنانچہ اسناد صحیح کیساتھ حضرت ابن مسعود سے عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مرد عورت سب یکجا نماز پڑھا کرتے تھے اسی میں عورت مرد ایک دوسرے سے تعلقات قائم کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حیض کی وجہ سے پابندی لگادی اور ان کو مساجد میں آنے سے روک دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اسی کو مؤید ہے۔ (نور الدرایہ ص ۹۳/۳)

تنبیہ: حیض کا باب نہایت غامض اور دقیق ترین باب ہے اور اس کے مسائل مہمات دین میں سے ہیں۔ اس واسطے کہ عورت کے حق میں بہت سے امور دینیہ کی صحت وعدم صحت کا مدار مسائل حیض کی معرفت پر ہے مثلاً طہارت نماز، روزہ، قراۃ قرآن، اعتکاف، حج، بلوغ، وطئی، طلاق، عدت، استبراءِ رحم وغیرہ، اسی وجہ سے محققین علماء وفقہاء نے مسائلِ حیض میں غایت اعتناء سے کام لیا ہے اور امام محمد نے تو مسائل حیض پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس لئے نہایت اہتمام کیساتھ مسائلِ حیض کی معلومات فراہم کیجائیں اور ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ الموفق۔

هُوَ دَمٌ يَنْفُضُهُ رَحِمُ امْرَاةٍ بَالِغَةٍ سَلِيْمَةٍ عَنْ دَآءٍ وَّ صِغَرٍ وَّاَقَلُّهُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ

حیض وہ خون ہے جس کو ایسی عورت کا رحم پھینکے جو بیماری اور کم سنی سے سلامت ہو اس کی کمترمدت تین دن ہیں

وَاَكْثَرُهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَمَا نَقَصَ اَوْ زَادَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ

اور زیادہ سے زیادہ دس اور جو اس سے کم زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

توضیح اللغۃ: ...... ینفضہ (ن) نفضاً جھاڑنا، پھینکنا، داء بیماری، صغر کم سنی۔

تشریح الفقہ: ...... قولہ ھو دم الخ حیض سے متعلق دس باتیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) لغوی، (۲) شرعی معنی (۳) سبب، (۴) رکن، (۵) شرط، (۶) مقدار، (۷) رنگت، (۸) عمر، (۹) زمانہ، (۱۰) ثبوت حکم، سو لغت میں حیض کے معنی سیلان (بہنے) کے آتے ہیں۔ یقال حاض السیل والوادی، وادی بہہ پڑی، حاضت المراۃ حیضاً، محیضاً محاضاً فھی حائض، عورت کا خون جاری ہوگیا حیض کی تعبیر اہل عرب کے یہاں دیگر اسماء سے بھی ہوتی ہے ابن نجیم نے دس نام گنائے ہیں طمث، ضحک، اکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک طمس، طلم، نفاس، حیض کے شرعی معنی خود مصنف نے ان الفاظ میں ذکر کئے ہیں۔ ھو دم الخ ھو ضمیر حیض کی طرف راجع ہے اور حیض گو مؤنث سماعی ہے لیکن عموماً مذکر ہی استعمال ہوتا ہے دم جنس کی درجہ میں ہے جس میں ہر قسم کا خون داخل ہے اور رحم امراۃ بمنزلہ فصل کے ہے جس سے نکسیر،

زخم، رگ، مقعد وغیرہ سے بہنے والے خون خارج ہو گئے۔ سلیمۃ عن داء سے نفاس خارج ہو گیا۔ کیونکہ نفاسہ مریضہ کے حکم میں ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کے تبرعات کا اعتبار ثلث مال سے ہوتا ہے نیز رحم میں پھنسی اور زخم ہو جانے کی وجہ سے جو خون خارج ہو اس سے بھی احتراز ہو گیا، صغر کی قید سے وہ خون نکل گیا جو نو سال سے کم عمر میں آئے گا وہ بھی حیض نہیں ہے۔ استحاضہ ہے تعریف کا حاصل یہ نکلا کہ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ایسی عورت کے رحم سے بہے جو مرض اور کم سنی سے سلامت ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کیفیت کا نام ہے جو اس قسم کے خون آنے پر پیش آتی ہے تو اب حیض کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ ایک شرعی مانع ہے جو بغیر ولادت رحم سے خون آنے پیش آتا ہے جس کی وجہ سے عورت بعض امور شرعیہ سے روک دی جاتی ہے حضرت حوا کا شجر ممنوعہ کھا کر اطاعت الٰہی کی خلاف ورزی کرنا اس کا باعث اور سبب ہے رحم سے خون کا بر آمد ہونا رکن کہلائے گا۔ اور شرط یہ ہے کہ اس خون سے پہلے نصاب طہر یعنی پندرہ دن مکمل گذر چکے ہوں اور یہ خون تین دن سے کم نہ ہو رہی مقدار سو اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ وقت نو سال کے بعد سے ہے اور ثبوت حکم خون کے بر آمد ہونے سے شروع ہوگا۔ رنگ اور احکام کا بیان مصنف علیہ الرحمۃ خود کر رہے ہیں۔

کم و بیش مدتِ حیض کا بیان

قولہ و اقلہ الخ احناف کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن تین رات ہے اور بقول صدر الشہید اسی پر فتویٰ ہے امام شافعی، احمد کے نزدیک ایک دن رات ہے امام مالک کے یہاں کم کی کوئی حد نہیں۔ اور حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس روز ہے اور جو اس سے کم یا زائد ہو وہ استحاضہ ہے امام شافعی کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت ۱۵ دن ہیں ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں کے حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں (طبرانی، دار قطنی عن ابی امامہ، دار قطنی عن واثلہ، ابن عدی عن معاذ وانس، ابن الجوزی عن الخدری) عطاء وغیرہ نے بعض عورتوں کے قصے بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے مدت العمر تین دن سے کم یا دس روز سے زیادہ حیض کا دیکھنا بیان کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ایسی مجہول عورتوں کی بنیاد پر شرعی تقدیر کا مدار مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف ایک روایت کے لحاظ سے ڈھائی دن سے زیادہ خون کو بھی (اکثر کو کل کے قائم مقام مانتے ہوئے) حیض شمار کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرعی عدد کی تنصیص کے بعد کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ قیاس کی رو سے ڈیڑھ دن سے زائد پر بھی للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری ہونا چاہئے۔

محمد حنیف گنگوہی غفرلہ

وَمَاسِوَی الْبَیَاضِ الْخَالِصِ حَیْضٌ یَمْنَعُ صَلوٰۃً وَّصَوْمًا وَتَقْضِیْہِ دُوْنَھَا وَدُخُوْلَ الْمَسْجِدِ

اور خالص سفیدی کے علاوہ سب حیض ہے اور نماز روزہ سے مانع ہے اور قضاء کرے روزہ کی نہ کہ نماز کی، مانع ہے دخول مسجد سے

وَالطَّوَافَ وَقِرْبَانَ مَاتَحْتَ الْاِزَارِ وَقِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ وَمَسَّہٗ اِلَّابِغِلَافٍ وَمَنَعَ الْحَدَثُ

اور طواف سے اور ناف سے زانو تک نزدیکی سے اور قرآن پڑھنے اور اس کو ہاتھ لگانے سے مگر غلاف کیساتھ اور مانع ہے بے وضو ہونا

الْمَسَّ وَمَنَعَھُمَا الْجَنَابَۃُ وَالنِّفَاسُ وَتُوْطَأُ بِلَاغُسْلٍ بِتَصَرُّمٍ لِاَکْثَرِہٖ وَلَا لِاَقَلِّہٖ لَا

چھونے سے اور جنابت و نفاس مانع ہے دونوں سے اور صحبت کی جا سکتی ہے بلا غسل اکثر مدت پر منقطع ہونے کی صورت میں نہ کہ کمتر مدت پر

حَتّٰی تَغْتَسِلَ اَوْیَمْضِیَ عَلَیْھَا اَدْنٰی وَقْتُ صَلوٰۃٍ

یہاں تک کہ عورت غسل کرے یا اس پر نماز کا کمتر وقت گذر جائے۔

حیض کی رنگتوں کا بیان

توضیح اللغۃ: قربان قریب ہونا، پاس جانا، ازار تہبند، مس چھونا۔ غلاف جزدان۔ تو طا وطی سے مضارع مجہول ہے۔ تصرم منقطع ہونا۔

تشریح الفقہ: قولہ و ماسوی البیاض الخ حائضہ عورت ایام حیض میں سرخ، زرد، گدلا، سیاہ، سبز، مٹیالا جس رنگ کا بھی خون دیکھے سب حیض شمار ہوگا یہاں تک کہ خالص سفید رطوبت آنے لگے، سرخ اور سیاہ رنگ کا خون تو بالاجماع حیض ہے گہرا زرد رنگ بھی اصح قول پر حیض ہے البتہ ہلکا زرد گدلا مٹیالا ہمارے نزدیک حیض ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مٹیالا پن حیض نہیں جب تک کہ وہ خون کے بعد نہ ہو کیونکہ اگر میلے پن کا تعلق رحم سے مانا جائے تو گدلا پن صاف خون کے بعد آنا چاہیئے تھا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ خالص سفید رنگ کے علاوہ سب رنگوں کو حیض شمار کرتی تھیں اور اس قسم کی چیزوں کا تعلق صرف سماع سے ہو سکتا ہے۔ نیز رحم الٹا اور اوندھا ہوتا ہے جس سے اولاً گدلی چیز آنی چاہیئے۔ جس طرح ٹھلیا کی تلی میں اگر سوراخ کر دیا جائے تو بعینہ یہی حال ہوتا ہے البتہ سبز رنگ کے خون میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت حیض کے قابل ہے تب تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائیگا اور فساد غذا پر محمول کیا جائیگا اور اگر عورت زیادہ عمر رسیدہ ہے اور ہمیشہ سبز رنگ ہی آتا ہے تو وہ حیض شمار نہ ہوگا بلکہ رحم کی خرابی پر محمول کیا جائیگا۔ مذکورہ بالا خونوں کے حیض ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ جس کو علقمہ بن ابی علقمہ نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے کہ عورتیں ڈبوں میں کرسف رکھ کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر نماز کے بارے میں دریافت کیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا جواب یہ ہوتا کہ جلدی نہ کرو جبتک سفید رنگ نہ آنے لگے۔ یعنی پاک نہ ہو جاؤ۔ (بخاری، تعلیقاً) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فتویٰ دیا ہوگا کیونکہ اصولی قاعدہ کے لحاظ سے غیر قیاسی چیزوں میں صحابی کا قول بمنزلہ مرفوع روایت کے ہوتا ہے۔

حیض کے احکام

قولہ یمنع صلوۃ الخ یہاں سے مصنف علام حیض کے احکام بیان فرما رہے ہیں، حیض کے گیارہ احکام ہیں۔ جن میں سے سات تو حیض و نفاس دونوں میں مشترک ہیں اور چار حیض کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مصنف نے یہاں مشترک احکام بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) حیض مانع صلوۃ ہے۔ (۲) حیض مانع صوم ہے لیکن روزوں کی قضا لازم ہے۔ نماز کی قضا بھی نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم حیض سے پاک ہو کر روزوں کی قضا کر لیا کرتے تھے نمازوں کی قضا نہیں ہوتی تھی۔ (صحاح) نیز روزے تو سال بھر میں ایک ہی مہینے رمضان کے ہوتے ہیں بالفرض اگر حائضہ نے پورے دس روزے نہیں رکھے تب بھی گیارہ مہینے میں بآسانی فی مہینہ ایک روزہ رکھ کر ایک مہینہ بچتا ہے بخلاف ہر مہینہ کی نماز کے کہ پچاس نمازوں کے حساب سے سال بھر کی قضا نمازیں چھ سو ہوتی ہیں گویا ہر مہینہ میں دس روز متواتر دہری نمازیں پڑھے تب صرف پانچ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں اکہری نمازیں پڑھنی پڑینگی۔ اس کے بعد پھر دوسرے حیض کی نمازیں قضاء ہونا شروع ہو جائینگی۔ اس طرح مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو دونی نمازیں پڑھنی پڑینگی اور یہ "مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" کے خلاف ہے۔ (۳) حائضہ کے لئے مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "لا احل المسجد لحائض و لا جنب" میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا۔ یعنی مسجد میں داخل ہونیکی اجازت نہیں دیتا، (نیز حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے بلند آواز سے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ کے لئے مسجد حلال نہیں ہے (ابن ماجہ، طبرانی) امام شافعی عبور و مرور کے طور پر مسجد میں حائضہ کا داخلہ جائز مانتے ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ (۴) حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ طواف کعبہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد میں داخلہ کا ممنوع ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے (۵) شیخین، امام شافعی، امام مالک کے نزدیک

حائضہ عورت کی ناف سے زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا بھی جائز نہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''لاتقربو هن حتي يطهرن'' امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم مرد پر حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں صحابہ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا کہ ''وطی کے علاوہ اس سے سب باتیں حلال ہیں۔ (مسلم) شیخین وغیرہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن سعد کی روایت ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حالت حیض میں بیوی سے کیا چیز حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرے لئے ازار سے اوپر کا حصہ حلال ہے (ابوداؤد) (۶) حائضہ کے لئے قرآن پاک پڑھنا بھی ممنوع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی) امام مالک حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ (۷) حائضہ کیلئے قرآن شریف کو چھونا بھی ناجائز ہے ہاں غلاف کیساتھ جائز ہے ارشاد نبوی ہے کہ ''قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک شخص'' (نسائی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، طبرانی، بیہقی، احمد) حیض کے باقی چار احکام یہ ہیں۔ (۱) حیض کے ذریعہ عدت پوری ہوتی ہے (۲) استبراء رحم ہوتا ہے۔ (۳) بلوغ معلوم ہوتا ہے۔ (۴) سنی اور بدعی طلاق میں اسی کے ذریعہ فرق ہوتا ہے۔

قوله: وتوطأ الخ اگر حیض پورے دس دن گذرنے پر بند ہو تو غسل سے پہلے عورت کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں بڑھ سکتا۔ ہاں بغیر نہائے ایسا کرنا غیر مستحب ہے (ولا تقربوهن حتي يطهرن) میں قرأت تشدید پر عورت کے پاس جانے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کی بنیاد پر) لیکن اگر دس روز سے کم میں رک جائے تو وطی جائز نہیں ہے تاوقتیکہ عورت غسل نہ کرلے۔ کیونکہ خون کا کبھی ادرار ہوتا ہے اور کبھی انقطاع۔ اس لئے غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب کو ترجیح دی جاسکے اور اگر عورت غسل نہیں کرسکی لیکن اس پر نماز کا ادنی وقت اس طرح گذر گیا کہ وہ اس میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی، ایسی حالت میں اس سے ہم بستری جائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ نماز فرض ہو چکی ہے اس لئے حکماً اس کو پاک مانا جائیگا۔ اور اگر حیض عادت سے کم مگر تین دن سے زیادہ میں بند ہوا تو جب تک ایام عادت پورے نہ گذر جائیں عورت کے پاس نہیں جاسکتا۔ اگرچہ وہ غسل بھی کرلے۔ کیونکہ عادت کے اندر پھر حیض کے آنے کا احتمال غالب ہے۔ لہذا پرہیز کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

فائدہ:

نماز کے ادنی وقت سے مراد آخری جز ہے جو بقدر غسل وتحریمہ ہو۔ اول حصہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا منشا یہ ہے کہ نماز اس کے ذمہ واجب ہو جانی چاہئے اور نماز کا وجوب وقت نکلنے پر ہوتا ہے نہ کہ شروع ہونے پر۔ (کذا فی الکافی)

وَالطُّهْرُ الْمُتَخَلِّلُ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي الْمُدَّةِ حَيْضٌ وَ نِفَاسٌ وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَة عَشَرَ يَوْمًا وَلاَ حَدَّ لِاَكْثَرِهٖ

اور پاک ہو جانا دو خونوں کے درمیان خون کی مدت میں حیض اور نفاس ہی ہے، اور پاک رہنے کی کمتر مدت پندرہ دن ہیں اور زائد کی کوئی حد نہیں

اِلَّا عِنْدَ نَصْبِ الْعَادَةِ فِيْ زَمَان الِاسْتِمْرَار

مگر عادت مقرر ہونے کے وقت ہمیشہ خون جاری رہنے کے زمانہ میں۔

طہر متخلل کا بیان

توضیح اللغۃ: ......قوله والطهر المتخلل الخ جو پاکی دو خونوں کے درمیان واقع ہو اس کو مسلسل خون کی طرح شمار کیا جائیگا۔ اور مدت حیض میں حیض اور مدت نفاس میں نفاس قرار دیا جائیگا۔ طہر کی کم از کم مدت پندرہ روز ہے جو بقول صاحب ''کامل وتہذیب'' بالاجماع ہے۔ ابوثور کہتے ہیں کہ میرے خیال میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے عینی نے بیان کیا ہے کہ ثوری اور شافعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام نووی نے احمد، اسحٰق، مالک کا اختلاف ذکر کیا ہے سو ہو سکتا ہے قائلین اجماع کی مراد یہ ہو کہ صحابہ اور تابعین کے درمیان اس

بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بہر کیف طہر صحیح کی کمتر مدت پندرہ روز ہے۔لیکن اکثر کی کوئی تحدید نہیں۔ ساری عمر بھی رہ سکتا ہے الا یہ کہ خون مستمر ہو جائے اور عورت کی کوئی عادت مقرر ہو تو اس صورت میں اس کی عادت کے مطابق تحدید کر لی جائیگی۔

فائدہ: طہر متخلل کے سلسلہ میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں۔(۱) امام ابو یوسف کی روایت ہے کہ اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ نیز دس دن کے اندر ہو یا باہر تو طہر متخلل حیض ہوگا، اگر عورت مبتدأہ ہے تو پورے دس دن اور معتادہ ہے تو ایام عادت کو حیض شمار کیا جائیگا مثال یہ ہے۔

معتادہ		مبتدأہ	
خ ططططططططططط خ		خ طططططططططط	ططططط خ
ایام عادت حیض......باقی استحاضہ		دس دن حیض	استحاضہ

(۲) امام محمد کی روایت کہ دس دن یا کم کے حیض میں دونوں طرف خون محیط ہو تو دس دن حیض کے ہونگے۔عورت مبتدأہ ہو یا معتادہ جیسے پہلی اور دسویں تاریخ میں خون آئے اور نویں تک طہر یا ساتویں تک طہر پھر آٹھویں کو خون تو پہلی صورت میں دس دن اور دوسری صورت میں آٹھوں روز حیض ہونگے مثال یہ ہے۔

خ طططططططط خ   خ طططططط خ

(۳) ابن المبارک کی روایت کہ کیفیت مذکورہ کے ساتھ ساتھ دونوں طرف کا خون مجموعی طور پر ادنی نصاب حیض تک پہنچ جانا چاہئے۔یعنی تین دن ہونے چاہئیں۔ پس اگر پہلی اور دسویں تاریخ کو خون اور درمیان میں طہر ہو تو کچھ بھی حیض نہ ہوگا۔اور اگر پہلی دوسری کو شروع میں اور دسویں کو آخر میں خون آجائے تو کل حیض ہوگا مثال یہ ہے۔

خ خ ططططططط خ

اس میں دونوں طرف کے خون مل کر تین دن ہو جاتے ہیں۔

(۴) حسن بن زیاد کی روایت کہ جو طہر تین روز یا زیادہ کا ہوگا وہ فاصل رہیگا اور کم ہو تو حیض شمار ہوگا۔

(۵) امام محمد کا مذہب جس میں تیسرے قول کی شرطوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیانی طہر بھی اتنی مقدار میں ہو جتنا دونوں طرف کے خون کا مجموعہ ہے یا اس سے کم ہو علامہ تاج الشریعہ نے شرح ہدایہ میں ایک ایسی جامع مثال لکھی ہے جس میں پانچوں اقوال آجائیں مثلاً مبتدأہ کو پہلی تاریخ میں خون پھر چودہ روز طہر پھر سولہویں کو خون پھر ایک روز خون آٹھ روز طہر پھر ایک روز خون سات روز طہر پھر دو روز خون تین روز طہر پھر ایک روز خون تین روز طہر پھر ایک دن خون دو روز طہر اور ایک روز خون آئے تو یہ کل ۴۵ روز ہوئے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

خ طططططططططط	ططططط	خ ططططططط خ	ططططططط	ط خ خ ططط خ ططط	خ طط خ
حیض بروایت ابو یوسف	حیض بروایت حسن بن زیاد	مذہب امام محمد	حیض بروایت امام محمد	بروایت امام محمد	بروایت ابن المبارک

اس میں ابو یوسف کے قول پر پہلا عشرہ اور چوتھی دہائی یعنی سات روز والے طہر میں سے ایک روز خون، تین دن طہر ایک دن خون پھر تین دن طہر کی مدت حیض شمار ہوگی، گویا چوتھی دہائی شروع بھی طہر سے ہوئی اور ختم بھی طہر پر ہوئی امام محمد کی روایت پر اول کے چودہ دن طہر کے بعد جو دس دن ہیں جن میں دونوں طرف خون ہے حیض ہونگے اور ابن لمبارک کی روایت پر سات روز طہر جس کے اول میں ایک روز اور بعد میں دو روز خون ملا کر مجموعہ دس روز حیض ہیں اور امام محمد کے مذہب پر دو دن آخر خون سے لے کر چھٹے خون تک بقول اصح

روز حیض کے ہونگے اور حسن بن زیاد کی روایت پر آخر کے چار روز صرف حیض اور باقی استحاضہ ہونگے۔ (نور الدرایہ مختصراً)
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَدَمُ الاِسْتِحَاضَةِ كَرُعَافِ الدَّآئِمِ لَا يَمْنَعُ صَوْمًا وَّ صَلٰوةً وَّوَطْيًا وَّلَوْ زَادَ الدَّمُ عَلٰى اَكْثَرِ الْحَيْضِ وَالنِّفَاس

اور خون استحاضہ دائمی نکسیر کی طرح روزہ و نماز اور صحبت سے مانع نہیں، اور اگر بڑھ جائے خون اکثر مدت حیض ونفاس پر

فَمَا زَادَ عَلٰى عَادَتِهَا اسْتِحَاضَةٌ وَلَوْمُبْتَدَأَةً فَحَيْضُهَا عَشْرَةٌ وَّنِفَاسُهَا اَرْبَعُوْن

تو جوزائد ہو وہ استحاضہ ہے اور اگر عورت کو پہلے ہی پہل استحاضہ ہوجائے تو اس کا حیض دس دن اور نفاس چالیس روز ہوگا۔

دم استحاضہ کا بیان

توضیح اللغۃ: ...... دم استحاضہ بیماری کا خون، رعاف نکسیر۔ مبتدأہ وہ عورت جس کو ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو۔

تشریح الفقہ: ...... قولہ ودم الاستحاضۃ الخ نکسیر کی طرح استحاضہ کا خون بھی نماز، روزہ اور ہمبستری سے مانع نہیں ہے کیونکہ حضور صلعم نے فاطمہ بنت جحش سے ارشاد فرمایا تھا کہ "وضو کر کے نماز پڑھتی رہ اگر چہ خون بوریہ پر ٹپکتا رہے۔ (ابن ماجہ) اور جب نماز کا حکم معلوم ہوگیا تو روزہ اور صحبت کا حکم بھی دلالۃً اجماع سے ثابت ہوگیا اور حیض میں دس سے زیادہ اور نفاس میں چالیس روز سے زیادہ خون آجائے درانحالیکہ مقررہ عادت اس سے کم تھی تو معینہ عادت کے مطابق ہی حیض ونفاس سمجھا جائیگا اور زائد خون استحاضہ ہوگا کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ "مستحاضہ زمانہ حیض تک نماز چھوڑے رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن جد عدی، طبرانی، ابن حبان عن عائشہ، دارقطنی عن ام سلمہ) نیز مقررہ عادت سے زائد مدت ایسی ہی ہے جیسے دس دن سے زائد۔ اسلئے ایک کو دوسرے کیساتھ لاحق کر دیا جائیگا۔ اور اگر کوئی عورت ابتدائی طور پر بالغ ہونے کے ساتھ استحاضہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا حیض ہر مہینہ دس دن اور نفاس چالیس دن ہوگا اور باقی استحاضہ کیونکہ دس روز یقینی طور پر حیض اور چالیس روز یقینی طور پر نفاس ہے۔

فائدہ: عورت کے تین حال ہوتے ہیں (۱) مبتدأہ جس کو ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو۔ (۲) معتادہ جس کی حیض کے بارے میں کوئی عادت ہو اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی ایک ہی لگی بندھی مقررہ عادت ہو۔ دوسری وہ جسکی مختلف عادت ہو کبھی پانچ اور کبھی سات دن حیض آتا ہو۔ اگر مبتدأہ کا حیض دس روز سے بڑھ گیا تو بالاتفاق دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا۔ اور جس کی مقررہ عادت ہو اگر اس کا خون دس دن سے زائد ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عادت کی طرف لوٹایا جائیگا مثلاً پانچ روز کی عادت تھی اور اس دفعہ بارہ روز خون آگیا تو پانچ روز حیض کے اور سات روز استحاضہ کے شمار ہونگے۔ اور اگر دس روز ہی پر ختم ہوگیا تو بالاتفاق دس روز حیض ہوگا۔ عورت مبتدأہ ہو یا معتادہ، متفقہ ہو یا مختلفہ اور یہ سمجھا جائیگا کہ اب کی بار عادت بدل گئی، اس واسطے کہ حدیث "المستحاضۃ" "تدع الخ" میں صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے نہ کہ پورے دس روز تک اور جب مفروضہ عورت کا خون دس سے بڑھ گیا تو وہ مستحاضہ ہوگئی جس کو صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے چونکہ اس کی عادت معروف ہے لہذا اس وقت تک نماز چھوڑ یگی اور یہی مدعا ہے۔

وَتَتَوَضَّأُ الْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ اَوِسْتِطْلَاقُ الْبَطْنِ اَوِانْفِلَاتُ الرِّيْحِ اَوْ رُعَافٌ دَآئِمٌ

اور وضو کرے مستحاضہ اور وہ شخص جس کا پیشاب جاری رہتا ہو یا بار بار پاخانہ لگتا ہو یا ہوا خارج ہوتی ہو یا دائمی نکسیر ہو

اَوْ جَرْحٌ لَايَرْقَأُ لِوَقْتِ كُلِّ فَرْضٍ وَيُصَلُّوْنَ بِهٖ فَرْضًا وَّنَفْلًا وَّيَبْطُلُ بِخُرُوْجِهٖ فَقَطْ

یا بند نہ ہونے والا زخم ہو ہر فرض نماز کے وقت اور نماز پڑھے اس وضو سے فرض اور نفل اور ختم ہوجائے گا وضو صرف وقت نکلنے سے،

وَهٰذَا اِذَا لَمْ يَمْضِ عَلَيْهِمْ وَقْتُ فَرْضٍ اِلَّا وَذٰلِكَ الْحَدَثُ يُوْجَدُ فِيْهِ وَالنِّفَاسُ دَمٌ يَعْقُبُ الْوَلَدَ

یہ اس وقت ہے جب نہ گذرے اس پر کسی فرض نماز کا وقت مگر یہ کہ حدث اس میں موجود ہو اور نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے

وَدَمُ الْحَامِلِ اسْتِحَاضَةٌ وَالسِّقْطُ اِنْ ظَهَرَ بَعْضُ خَلْقِهٖ وَلَدٌ وَلَاحَدَّ لِاَقَلِّهٖ

اور حاملہ کا خون استحاضہ ہے اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضاء بن گئے ہوں پورے بچہ کے حکم میں ہے اور کمتر نفاس کی کوئی حد نہیں

وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَالزَّائِدُ اسْتِحَاضَةٌ وَنِفَاسُ التَّوْأَمَيْنِ مِنَ الْاَوَّلِ

اور اس کی اکثر مدت چالیس روز ہیں اور زائد استحاضہ ہے اور جڑواں بچوں کے ہونے سے نفاس اول سے ہوگا۔

مستحاضہ اور معذورین کا احکام

توضیح اللغۃ: سلسل البول ایک بیماری ہے جس میں پیشاب کے روکنے کی طاقت نہیں رہتی۔ استطلاق البطن پیٹ چلنا۔ یعنی بار بار پاخانہ لگنا۔ انفلات ریح خروج ہوا، رعاف نکسیر، جرح زخم، لا یرقاء بند نہ ہوتا ہو یعنی برابر خون جاری رہتا ہو۔ سقط ناتمام بچہ توأمین جڑواں۔

تشریح الفقہ:...... قولہ وتتوضاء الخ جس عورت کو استحاضہ کی شکایت ہو یا کسی کو ہر وقت پیشاب جاری رہنے کا عارضہ ہو یا ہر وقت پاخانہ لگتا ہو، یا ہوا خارج ہوتی ہو یا دائمی نکسیر ہو یا اچھا نہ ہونیوالا زخم ہو تو ان سب کو ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا چاہئے پھر اس وضو سے جتنے چاہے فرائض ونفل پڑے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کیلئے مستقل وضو کرے کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا چاہئے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ) نیز مستحاضہ عورت کے لئے طہارت کا اعتبار محض فرض نماز کی ضرورت سے ہوتا ہے لہذا فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد طہارت باقی نہیں رہنی چاہئے۔ ہماری دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر لینا چاہئے۔'' (ابن قدامہ فی المغنی، سرخسی فی المبسوط) اور پہلی روایت کی مراد بھی یہی ہے کیونکہ اس میں لام وقتیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے ''اتیتک لصلوۃ الظھر'' اور مراد ظہر کا وقت ہوتا ہے نیز آسانی کے لئے وقت کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا لہذا حکم بھی اسی پر دائر ہونا چاہئے پھر جب وقت نکل جائے تو معذورین کا وضو ٹوٹ جائیگا اور دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرنا پڑیگا۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے، امام زفر کے نزدیک صرف دخول وقت سے وضو ختم ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر دو سے امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ منافی طہارت چیزوں کے ہوتے ہوئے طہارت کا اعتبار محض ادائیگی فرض کی ضرورت سے ہے اور چونکہ وقت میں کوئی ساعت اس عذر سے خالی نہیں ہے اس لئے اس کے باوجود بھی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا اعتبار کر لیا گیا اور وقت آنے سے پہلے کوئی ضرورت نہیں اس لئے طہارت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ ضرورت وقت کے اندر ہی اندر محدود ہے لہذا وقت کے خارج ہونے اور داخل ہونے ہر دو سے وضو ٹوٹ جائیگا طرفین کی دلیل یہ ہے شریعت نے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا ہے لہذا وقت سے پہلے طہارت ہونی چاہئے جیسا کہ اداءِ حقیقی پر طہارت کا مقدم ہونا ضروری ہے تا کہ معذور وقت آتے ہی فوراً ادا کر سکے۔

قولہ و ھذا اذا الخ یعنی مستحاضہ اور معذورین کا حکم جو اوپر مذکورہ ہوا اس وقت ہے جب ان پر فرض کا کوئی وقت ایسا نہ گذرے جس میں عذر مذکورہ موجود نہ ہو ورنہ معذور نہ کہلائیں گے اور ان کا وضو عذر مذکورہ سے جاتا رہیگا۔

فائدہ: شروع میں عذر ثابت ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ عذر فرض نماز کے پورے وقت کا استیعاب کر لے۔ عام کتابوں میں ایسا ہی ہے جسکی تفسیر مصنف نے کافی میں یہ لکھی ہے کہ ہر نماز کا پورا وقت اسی عذر میں گزر جائے اور اتنی فرصت اور وقفہ نہ ملے کہ وضو کر کے نماز پڑھ لے اور یہ عذر پیش نہ آئے باقی ایک دولحہ موقوف رہنے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ بلا انقطاع پورے اتصال کے ساتھ عذر کا تسلسل تو بہت ہی نادر ہے پس استیعاب حکمی مراد ہوگا۔ اور بقائے عذر کی شرط یہ ہے کہ نماز کے پورے وقت کے کسی نہ کسی جزء میں عذر پایا جائے۔

نفاس کا بیان

قولہ و النفاس الخ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ کی پیدائش کے بعد آئے کیونکہ لفظ تنفس الرحم بالدم" سے ماخوذ ہے یعنی رحم نے خون اگل دیا۔ یا خروج النفس بمعنی بچہ یا خون کے نکلنے سے ماخوذ ہے اگر حاملہ عورت زمانہ حمل میں یا ولادت کے وقت بچہ برآمد ہونے سے قبل خون دیکھے تو وہ استحاضہ ہے اگر چہ ممتد ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک حیض ہے جس کو ان کے مذہب میں اصح قول قرار دیا گیا ہے وہ اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں بایں معنی کہ دونوں رحم ہی سے آتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ عادۃً بند ہو جاتا ہے۔ اور نفاس بچہ کی پیدائش کی وجہ سے رحم کا منہ کھلنے کے بعد آتا ہے اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضا بن گئے ہوں پورے بچہ کے حکم میں ہے لہذا عورت اس کی وجہ سے نافسہ ہو جائیگی۔ اور باندی ام ولد نیز اسکے بعد عدت بھی پوری ہو جائیگی۔ نفاس کی کم از کم مقدار کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ بچہ کا پہلے برآمد ہونا خون کے رحم سے آنے کی دلیل ہے۔ لہذا امتداد کو دلیل بنانے کی ضرورت نہیں اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز ہے جیسا کہ ام سلمہ کی روایت میں مذکور ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم دار قطنی، بیہقی) ساٹھ روز کی مدت مقرر کرنے میں یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے۔

قولہ: ونفاس التوأمین الخ اگر ایک ہی پیٹ سے دو بچے پیدا ہوں تو اس عورت کا نفاس شیخین کے نزدیک پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہو جائیگا اگر چہ دونوں کے درمیان چالیس روز کی مدت ہو۔ لیکن امام محمد کے نزدیک آخری بچہ کی پیدائش سے نفاس شروع ہوگا۔ امام زفر کا بھی یہی قول ہے کیونکہ پہلے بچہ کی ولادت کے بعد تو ابھی وہ حاملہ ہے پس ایسی حالت میں جس طرح حائضہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح نافسہ بھی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ عدت بالاجماع آخری بچہ سے شمار کی جاتی ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ رحم کی بندش کی وجہ سے حاملہ کو خون آ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور پہلے بچہ کی پیدائش کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ کھل چکا ہے اور خون آنے لگا ہے اس لئے وہ نفاس ہی ہوگا۔ رہا عدت کا مسئلہ سو اس کا تعلق وضع حمل سے ہے اور اسی کی طرف مضاف ہے لہذا مجموعہ حمل کو شامل ہوگا۔ آیت "**واو لات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن**" سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدت وضع حمل کے بعد پوری ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ حمل صرف پہلا بچہ نہیں ہے بلکہ ایک یا دو یا تین جتنے بچے ہیں سب حمل ہیں لہذا سب کے وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

فائدہ: اگر تین بچے اس طرح پیدا ہوئے کہ اول اور دوسرے بچہ کے درمیان چھ مہینے سے کم کی مدت ہے اسی طرح دوسرے اور تیسرے بچہ کی درمیانی مدت بھی چھ ماہ سے کم ہے لیکن پہلے اور تیسرے بچہ کے درمیان کا وقفہ چھ مہینے سے زائد ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ تینوں بچے بھی توائم ہی ہیں اور شیخین کے قول پر پہلے بچہ کی ولادت سے نفاس شمار ہوگا۔ امام مالک کا قول اور امام احمد کی اصح روایت اور امام شافعی کی اصح وجہ بنا بر تصحیح امام الحرمین اور امام غزالی یہی ہے اور ایک روایت امام شافعی اور امام احمد کی اور داؤد کا قول امام محمد کی تائید میں ہے کہ، اخیر بچہ سے نفاس شمار ہوگا۔

تنبیہ: جڑواں بچوں کیلئے یہ شرط ہے کہ دونوں کے درمیان پوری مدت حمل یعنی چھ مہینے حائل نہ ہوں ورنہ ایک پیٹ کے بچے نہیں سمجھے جائیں گے۔

باب الانجاس

باب نجاستوں کے بیان میں

يَطْهُرُ الْبَدَنُ وَالثَّوْبُ بِالْمَآءِ وَبِمَآئِعٍ مُزِيْلٍ كَالْخَلِّ وَمَآءِ الْوَرْدِ لَا الدُّهْنِ وَالْخُفُّ بِالدَّلْكِ

پاک ہوجاتا ہے بدن اور کپڑا پانی سے اور ہر بہتی زائل کرنے والی چیز سے جیسے سرکہ اور عرق گلاب نہ کہ تیل اور موزہ رگڑنے کے ساتھ

مِنْ نَّجَسٍ ذِيْ جِرْمٍ وَّاِلَّا يُغْسَلُ وَعَنْ مَّنِيٍّ يَّابِسٍ بِالْفَرْكِ وَاِلَّا يُغْسَلُ وَنَحْوُ السَّيْفِ بِالْمَسْحِ

جسم والی (گاڑھی) نجاست سے ورنہ دھویا جائے اور خشک منی کھرچنے کے ساتھ ورنہ دھوئی جائے اور تلوار جیسی چیزیں پونچھنے کیساتھ

وَالْاَرْضُ بِالْيُبْسِ وَذِهَابِ الْاَثَرِ لِلصَّلٰوةِ لَا لِلتَّيَمُّمِ وَعُفِيَ قَدْرُ دِرْهَمٍ كَعَرْضِ الْكَفِّ مِنْ نَّجَسٍ مُّغَلَّظٍ

اور زمین خشک ہونے اور اثر نجاست دور ہونے کے ساتھ نماز کے لئے نہ کہ تیمم کے لئے اور معاف ہے مقدار درہم ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر نجاست غلیظہ

كَالدَّمِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجَةِ وَبَوْلِ مَالَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَالرَّوْثِ وَالْخِثْيِ وَمَادُوْنَ رُبْعِ الثَّوْبِ

جیسے خون، شراب، مرغی کی بیٹ اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور لید اور گوبر اور معاف ہے چوتھائی کپڑے سے کم

مِنْ مُخَفَّفٍ كَبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَالْفَرَسِ وَخُرْءِ طَيْرٍ لَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَدَمِ السَّمَكِ

پھر نجاست خفیفہ جیسے ماکول اللحم اور گھوڑے کا پیشاب، غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ، مچھلی کا خون

وَلُعَابِ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ وَبَوْلٍ انْتَضَحَ كَرُءُوْسِ الْاِبَرِ

اور خچر اور گدھے کا تھوک اور سوئی کے ناکے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں۔

توضیح اللغۃ: انجاس جمع نجس۔ ناپاکی، مائع بہنے والی، مزیل زائل کرنیوالی، خل سرکہ، ماء الورد عرق گلاب، دہن تیل، دلک رگڑنا، جرم جثہ، یابس خشک، فرک کھرچنا، سیف تلوار، عرض چوڑائی، کف ہتھیلی، خمر شراب، خرء بیٹ، روث لید، خثی گوبر سمک مچھلی، انتضح مراد چھینٹیں لگ جانا، ابر سوئی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الانجاس الخ نجاست حکمیہ حیض، نفاس، جنابت اور ان کے ازالہ وضو غسل، تیمم، مسح سے فراغت کے بعد نجاست حقیقی اور اس سے تطہیر کے طریقوں کا بیان ہے انجاس نجس کی جمع ہے جو اصل کے لحاظ سے مصدر ہے۔ لیکن اسم کی صورت میں بھی مستعمل ہے، قال تعالیٰ "انما المشرکون نجس" تاج الشریعہ کہتے ہیں کہ انجاس جمع نجس بفتح نون وکسر جیم بمعنی ناپاک چیز اور نجس بفتحتین خود ناپاکی اور گندگی ہے یہاں اول معنی مراد ہیں جیسے ناپاک بدن، ناپاک کپڑا، ناپاک مکان، مصنف نے، کافی میں بیان کیا ہے کہ لفظ خبث کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے اور حدث کا اطلاق حکمی پر اور نجس کا اطلاق دونوں پر۔

قولہ یطہر البدن الخ بدن، کپڑا وغیرہ پانی کے ذریعہ بھی پاک ہوسکتا ہے اور ہر ایسی پاک بہنے والی چیز سے بھی جس سے نجاست کا ازالہ ممکن ہو جیسے سرکہ، عرق گلاب وغیرہ یہ شیخین کی رائے ہے۔ امام محمد، زفر، شافعی، مالک فرماتے ہیں کہ صرف پانی کے ذریعہ پاک ہوسکتا ہے کیونکہ جس سے پاک کیا جارہا ہے وہ ناپاک چیز سے ملتے ہی ناپاک ہوجائیگی اور ظاہر ہے کہ ناپاک چیز کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتی۔ مگر پانی کے سلسلہ میں اس قیاس کو مجبوراً ترک کرنا پڑتا ہے، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیزیں ناپاکی کو زائل کردیا کرتی ہیں اور پاکی کا مدار نجاست کے زوال ہی پر ہے رہا پاک کرنیوالی چیز کا ناپاک ہوجانا سو وہ مجاورت کی وجہ سے تھا لیکن جب اجزاء نجاست ہی ختم ہوگئے تو پاک کرنیوالی چیز ناپاک ہی رہی، بہرکیف شیخین کے نزدیک پانی کی طرح دوسری پاک اور مزیل چیزیں بھی مفید طہارت

ہیں جس کی کھلی دلیل حدیث عائشہ ہے کہ ''ہمارے پاس ایک کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا، اسی میں اگر حیض کی نوبت آتی اور خون لگ جاتا تو اپنا تھوک لگا کر ناخن سے کھرچ دیا جاتا اور خون صاف کر دیا جاتا''۔ (بخاری) ظاہر ہے اگر تھوک سے پاک نہ مانا جائے تو اس سے اور زیادتی ہو جائیگی۔

قولہ والخف الخ اگر موزہ پر دلدار نجاست لگ گئی جیسے گوبر، مینگنی، خون وغیرہ اور خشک ہو جانے پر اس کو زمین سے رگڑ دیا گیا تو موزہ استحساناً پاک ہو جائیگا اور اگر دلدار نہ ہو تو دھونا پڑیگا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ بہر دو صورت دھونا ہی پڑیگا اس واسطے کہ جو نجاست موزہ میں پیوست ہوگئی اس کو نہ خشک ہونا دور کر سکتا ہے نہ رگڑنا۔ شیخین کی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ''اگر موزوں میں کچھ گندگی لگ رہی ہو تو زمین پر رگڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ زمین ان کو پاک کر دیگی'' (ابوداؤد عن ابی ہریرہ والخدری وعائشہ، ابن حبان عنہما، حاکم عن ابی ہریرہ)۔

قولہ وبمنی الخ اور اگر منی لگ کر خشک ہو جائے تو کھرچنے سے پاک ہو جائیگا۔ اور اگر منی گیلی ہو تو دھونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''میں حضورؐ کے کپڑے سے اگر منی گیلی ہوتی تو دھو ڈالتی اور خشک ہوتی تو کھرچ دیتی'' (صحیح ابوعوانہ) ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ جو کچھ کرتی تھیں وہ آپ کے علم و دانست سے باہر نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ اسکو برقرار رہنے دیتے تھے شوافع منی کو پاک کہتے ہیں اور حدیث ابن عباس کو دلیل میں لاتے ہیں کہ ''آنحضرت سے منی کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ منی تھوک اور ناک کی ریزش کی طرح ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ کسی چھیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھ ڈالے؟ جواب یہ ہے کہ بقول علامہ بیہقی یہ ابن عباس پر موقوف ہے اور اگر رفع تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عمرؓ، عائشہؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن سمرہؓ وغیرہ سے بکثرت روایات موجود ہیں جن میں منی کا دھونا اور دھونے کا حکم دینا مذکور ہے حتی کہ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر جگہ معلوم نہ ہو تو کل کپڑا دھونا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے۔ شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ منی انسان کا مبدا تخلیق ہے اس سے ناپاک کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جواب یہ ہے انسان کی پیدائش خون سے ہوتی ہے اور خون منی سے بنتا ہے حالانکہ خون ناپاک ہے۔

قولہ ونحو السیف الخ اگر تلوار اور اس کے مانند چھری، خنجر، آئینہ وغیرہ میں نجاست لگ جائے تو پونچھنے سے پاک ہو جاتے ہیں کیونکہ نجاست انکے اندر تو گھس نہیں سکتی اور جو کچھ اوپر لگی ہے وہ پونچھنے سے صاف ہو جائیگی اور اگر زمین پر نجاست پڑ جائے اور زمین دھوپ میں اس طرح سوکھ جائے کہ نجاست کا اثر بھی باقی نہ رہے تو نماز کے لئے پاک ہو جاتی ہے۔ نہ کہ تیمم کے لئے اس میں امام شافعی کا ایک قول اور نووی کی رائے ہمارے موافق ہے۔ امام زفر، امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مزیل نجاست کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ اس لئے اس پر تیمم جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مزیل نجاست دھوپ کی حرارت ہے، نیز ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت کے زمانہ میں ہم رات کو مسجد میں سوتے تھے، کتے آکر مسجد میں پیشاب کر جاتے لیکن صحابہ کسی چیز پر پانی نہیں چھڑکتے تھے'' اگر زمین کا پاک ہونا خشک ہونے کے لحاظ سے معتبر نہ ہوتا تو اس کو ناپاک چھوڑ دینا لازم آتا حالانکہ مسجد کی تطہیر لازم ہے۔ رہا تیمّم سو اس میں مٹی کی پاکی بطور شرط نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

قولہ وعفی الخ اگر نجاست غلیظہ خون، شراب، مرغی کی بیٹ، غیر ماکول جانوروں کا پیشاب، لید، گوبر وغیرہ لگ جائے تو ایک درہم یعنی ہتھیلی بھر چوڑائی کی مقدار معاف ہے۔ اسکے ساتھ نماز ہو جائیگی اور اگر اس سے زائد ہو تو معاف نہیں۔ امام زفر، امام شافعی کے نزدیک تھوڑی اور زیادہ سب یکساں ہیں کیونکہ جس نص میں دھونے کا حکم ہے اس میں اسکی کوئی تفصیل نہیں ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ معمولی نجاست سے بچنا عادۃً ممکن نہیں ہے اس لئے اتنی نجاست کو معاف کرنا پڑیگا۔ اور اگر نجاست خفیفہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ، مچھلی کا خون، خچر اور گدھے کا لعاب، سوئی کے ناکے کے برابر آدمی کے پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو چوتھائی کپڑے سے کم کی مقدار معاف ہے۔

فائدہ: نجاست غلیظہ میں خون سے مراد انسان یا کسی جانور کا بہنے والا خون ہے جس سے بارہ خون مستثنٰی ہیں (۱) غیر سیال خون، (۲) شہید، (۳) لاغر گوشت، (۴) رگوں، (۵) کلیجہ، (۶) تلی، (۷) دل، (۸) مچھلی، (۹) پسو، (۱۰) مچھر، (۱۱) کھٹمل، (۱۲) جوں کا خون اور پیشاب سے مراد انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ہے۔ جن میں سے چمگاڈر اور چوہا مستثنٰی ہے۔ کیونکہ چمگاڈر کا پیشاب پاک ہے اور چوہے سے احتراز نہایت مشکل ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔

وَالنَّجَسُ الْمَرْئِیُّ یَطْهُرُ بِزَوَالِ عَیْنِهٖ اِلَّا مَا یَشُقُّ زَوَالُهٗ وَغَیْرُهٗ بِالْغَسْلِ ثَلٰثًا

اور نظر آنے والی ناپاکی پاک ہو جاتی ہے عین نجاست زائل ہونے کے ساتھ مگر یہ کہ اس کا زائل ہونا مشکل ہو اور اس کے علاوہ تین بار دھونے

وَالْعَصْرِ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ وَتَثْلِیْثِ الْجَفَافِ فِیْمَا لَا یَنْعَصِرُ فَصْلُ الْاِسْتِنْجَآءِ وَسُنَّ الْاِسْتِنْجَاءُ بِنَحْوِ حَجَرٍ مُنَقٍّ

اور ہر بار نچوڑنے کیساتھ اور تین بار خشک کرنے کیساتھ ان چیزوں میں جو نچڑ نہ سکتی ہوں اور مسنون ہے استنجاء مثل پتھر پاک کرنے والی چیزوں کیساتھ

وَمَاسُنَّ فِیْهِ عَدَدٌ وَغَسْلُهٗ بِالْمَآءِ اَحَبُّ وَیَجِبُ اِنْ جَاوَزَ النَّجَسُ الْمَخْرَجَ وَیُعْتَبَرُ الْقَدْرُ الْمَانِعُ

اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں اور پانی سے دھونا پسندیدہ ہے اور واجب ہے اگر نجاست مخرج سے بڑھ جائے اور اعتبار کیا جائے گا مقدار مانع کا

وَرَآءَ مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَآءِ لَا بِعَظْمٍ وَرَوْثٍ وَطَعَامٍ وَمِلْحٍ وَیَمِیْنٍ اِلَّا بِعُذْرٍ.

موضع استنجاء کے علاوہ نہ کہ ہڈی سے اور لید سے اور کھانے سے اور دائیں ہاتھ سے مگر عذر کی وجہ سے۔

توضیح اللغۃ: ...... مرئی نظر آنیوالی، عصر نچوڑنا، تثلیث تین مرتبہ کرنا جفاف خشک ہونا، حجر پتھر، منق صاف کرنیوالا عظم ہڈی روث لید، یمین داہنا ہاتھ۔

تشریح الفقہ: ...... قولہ والنجس المرئی الخ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک نظر آنیوالی۔ دوم نظر نہ آنیوالی، جو نجاست دکھائی دینے والی ہو اس کو پاک کرنا تو یہ ہے کہ بعینہ اس ناپاکی کو دور کر دیا جائے۔ کیونکہ ناپاکی کسی محل میں گندگی حلول کرنیکی وجہ سے آئی ہے لہذا اس گندگی کے دور کرنے ہی سے دور ہو سکتی ہے لا یہ کہ اس نجاست کا اتنا اثر اور نشان باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا دشوار ہو۔ کیونکہ حرج شرعاً مدفوع ہے اور جو نجاست دکھائی نہیں دیتی اس کا پاک کرنا یہ ہے کہ اس کو اتنا دھویا جائے کہ دھونیوالے کا غالب گمان یہ ہو کہ پاک ہو گیا ہے اور وہ تین مرتبہ ہے کیونکہ تین بار سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس سبب ظاہر کو طہارت کے قائم مقام مقرر کر دیا گیا لیکن ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے اور جس چیز کا نچوڑنا ممکن نہ ہو جیسے بوریا، بچھونا، لحاف وغیرہ تو وہ تین بار دھو کر خشک کرنے سے پاک ہو جائیگی۔

استنجے کا بیان

قولہ و سن الا ستنجاء الخ اور استنجاء مسنون ہے کسی پاک کرنیوالی چیز پتھر، اینٹ، ڈھیلے وغیرہ کیساتھ اور چونکہ استنجے کا مقصد مقام کو صاف کرنا ہے اس لئے اس میں کوئی خاص تعداد مسنون نہیں ہے امام شافعی کے نزدیک طاق عدد تین پانچ سات مسنون ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تین پتھروں سے استنجا کرنا چاہئے"۔ (ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، احمد، دار قطنی ابن عدی، طبرانی) ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد ہے کہ "استنجے میں طاق عدد محفوظ رکھنا چاہئے جس نے لحاظ رکھا اس نے اچھا کیا ورنہ کوئی حرج نہیں" (ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، بیہقی، ابن حبان) امام شافعی نے جس روایت کو پیش کیا ہے اس کے ظاہری معنی متروک ہیں کیونکہ اگر تین رخ پتھر سے استنجاء کیا جائے تو بالاتفاق جائز ہے اور پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے کیونکہ آیت "فیه رجال یحبون ان یتطهروا واللّٰه یحب المطّهرین" اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جو پتھر کے بعد پانی کا بھی استعمال کرتے تھے اور اگر نجاست اپنے مقام سے متجاوز ہو جائے تو پانی کا استعمال ضروری ہے جس میں شیخین کے نزدیک مقام استنجے کے

علاوہ مقدار مانع کا اعتبار ہے کیونکہ خود مقام استنجے میں تو یہ مقدار ساقط الاعتبار ہے۔ امام محمد کے نزدیک مقام استنجے سمیت اس مقدار کا اعتبار ہے۔ اور ہڈی، لید، کھانے اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (صحیحین وسنن)

فائدہ:

ا استنجا کرتے وقت بائیں ٹانگ پر زور دیکر بیٹھے، قبلہ اور ہوا کے رخ نہ بیٹھے۔ چاند، سورج کے مقابل سے شرمگاہ چھپا کر بیٹھے۔ گرمیوں میں اول ڈھیلا آگے سے پیچھے اور دوسرا پیچھے سے آگے اور تیسرا آگے سے پیچھے کی جانب لائے اور جاڑوں میں اول پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور عورت ہمیشہ اس طرح کرے جس طرح مرد کے لئے گرمیوں میں بیان کیا گیا ہے۔

محمد حنیف گنگوہی

کتاب الصلوٰۃ

وَقْتُ الْفَجْرِ مِنَ الصُّبْحِ الصَّادِقِ اِلیٰ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَالظُّهْرِ مِنَ الزَّوَالِ اِلیٰ بُلُوْ غِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ سِوَی الْفَیْءِ

فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دو چند ہونے تک سایہ اصلی کے علاوہ۔

تشریح الفقہ :...... قولہ کتاب الصلوۃ الخ مصنف علیہ الرحمۃ شرائط نماز سے فراغت کے بعد احکام اور مسائل نماز شروع کر رہے ہیں۔ نماز اسلامی معاشرہ کی جان ہے اسی لئے قرآن میں دعوت ایمان کے بعد اقامت صلوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''بین الایمان والکفر ترک الصلوٰۃ'' (مسلم) ملت اسلامیہ اور ملت مشرکہ کے درمیان فرق و امتیاز صرف نماز ہے لغت کے اعتبار سے لفظ صلوٰۃ ''صلی'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ دکھا کر سیدھا کر دینا، اسلام میں اہم ترین عبادت کو بھی صلوٰۃ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ نفس کی اس کجی کو جو اسکی فطرت میں داخل ہے یہ عبادت دور کر دیتی ہے انسان اپنی اس کج نفسی کے ساتھ دربار باری میں کھڑا ہوتا ہے تو اسکی ہیبت وعظمت کی حرارت اور اسکی بزرگی و کبریائی اور اسکا جلال اس کجی کو دور کر دیتا ہے، نیز صلوۃ کے معنی رحمت اور دعا کے بھی ہیں پس یہ عبادت ایک پہلو سے حرارت ہے تو دوسرے پہلو سے رحمت ہے کہ اسکی وہ حرارت جو دنیا میں نفس پر شاق گذرتی ہے آخرت میں وہ رحمت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اوقات نماز کا بیان

قولہ وقت الفجر الخ نماز چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے لہذا ان پانچوں وقتوں کی تعیین ضروری ہے۔ اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ یہاں ان اوقات کی ابتدا وانتہا کے بارے میں تفصیلات ذکر کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ فجر کا اول وقت صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے ہوتا ہے جو افق آسمان کی چوڑائی میں پھیلی ہوتی ہے۔ اور فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب تک رہتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے پہلے روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی اور دوسرے روز اس وقت جبکہ خوب اچھی طرح چاندنا ہو گیا حتی کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہو گیا۔ اور فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو وقت ہے وہی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے وقت ہے[1] اور ظہر کی ابتدا زوال کے بعد سے ہوتی ہے کہ جب سورج آسمان کے وسط سے ذرا مغرب کی طرف ڈھل آتا ہے اور اس کی انتہا امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو یہ سایہ ایک مثل تک ہے جواب یہ ہے کہ ایک مثل خانہ کعبہ کے لحاظ سے ہے جو عین خط استوا پر واقع جہاں دوپہر کو بالکل سایہ ہی نہیں ہوتا۔ لیکن شمالی ملکوں میں کچھ نہ کچھ سایہ ہوتا ہے جو زوال پر بڑھتا رہتا ہے پس جب خانہ کعبہ میں جہاں بالکل سایہ اصلی نہیں ہوتا ایک مثل ہو جائے جن ملکوں میں سایہ اصلی ہی ایک مثل تک ہو تو اس پر جب ایک مثل کا اضافہ ہوگا تو یقیناً دو مثل ہو جائیں گے۔ صاحبین، امام زفر، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت۔ ایک مثل تک رہتا ہے۔ درمختار وغیرہ میں امام صاحب کے اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

---

(۱) ترمذی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، نسائی، احمد، ابن راہویہ عن جابر، بیہقی طبرانی عن ابن سعد، بزار عن ابی ہریرۃ عبدالرزاق عن عمرو بن حزم ۱۲

ضروری نقوش

سایہ اصلی کی بحث سمجھنے کے لئے پہلے حسب ذیل اصطلاحیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) قدم ہر شئے کے قد کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں جو ساٹھ دقیقہ کا ہوتا ہے۔ (۲) دقیقہ: ساٹھ آن کا ہوتا ہے۔ (۳) آن: جس میں گیارہ بار اللہ کہا جاسکے۔ (۴) ساعت یا گھڑی: ساٹھ پل کی ہوتی ہے۔ (۵) پل: ساٹھ ریزے کی ہوتی ہے۔ (۶) ریزہ: وقت کی وہ مقدار جس میں دو حرفی لفظ مثلاً ''ان'' کہا جاسکے۔

مندرجہ ذیل نقشہ میں ہمات مہینہ کا حساب اس طرح دیا ہے کہ ساون کا سایہ اصلی ڈیڑھ قدم بتایا ہے پھر اس سے پہلے تین مہینوں اور بعد کے تین مہینوں میں ایک ایک کا اضافہ ہونا بتایا ہے۔
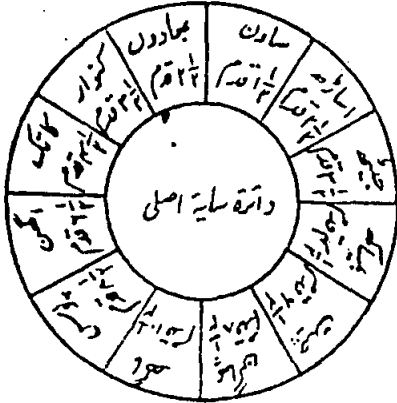
بیساکھ	جیٹھ	اساڑھ	ساون	بھادوں	کنوار	کاتک
۴ ۱/۲	۳ ۱/۲	۲ ۱/۲	۱ ۱/۲	۲ ۱/۲	۳ ۱/۲	۴ ۱/۲

ان سات مہینوں کے علاوہ باقی ماندہ مہینوں میں دو دو قدم دونوں طرف زیادہ بڑھائے جائیں۔

چیت	پھاگن	ماگھ	پوس	اگھن
۶ ۱/۲	۸ ۱/۲	۱۰ ۱/۲	۸ ۱/۲	۶ ۱/۲

سایہ اصلی معلوم کرنیکا بہتر طریقہ یہ ہے کہ (بالکل ہموار زمین پر ایک دائرہ بنالو اور دائرہ کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلے سر کی ایک لکڑی گاڑ دو، جب سورج طلوع کریگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلا ہوا ہوگا جوں جوں سورج چڑھیگا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائیگا۔ دائرہ کے محیط پر جب یہ سایہ پہنچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگادو جہاں سے سایہ اندر داخل ہو رہا ہے۔ پھر دوپہر کے بعد سایہ بڑھ کر دائرہ کے محیط سے نکلنا شروع ہوگا جس جگہ محیط سے یہ سایہ باہر نکلے اس جگہ بھی محیط پر نشان لگا لو پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملا دو۔ اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصہ کے نصف پر جو کہ ان دونوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کر کے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گذرے محیط تک پہنچا دو یہ خط ''نصف النہار'' کہلائیگا اور جو سایہ اس خط پر پڑیگا وہ سایہ اصلی کہلائے گا۔
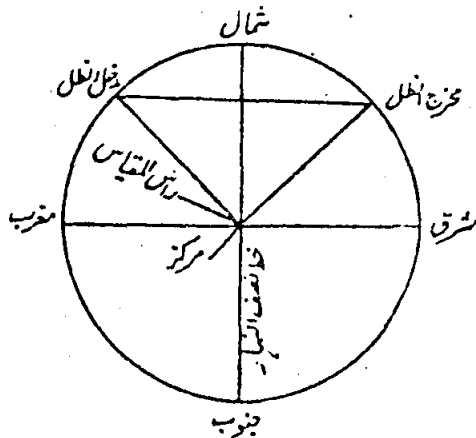
جدول اقدار سایۂ اصلی

تحویل آفتاب در بروج	۱ حمل	۲ ثور	۳ جوزا	۴ سرطان	۵ اسد	۶ سنبلہ	۷ میزان	۸ عقرب	۹ قوس	۱۰ جدی	۱۱ دلو	۱۲ حوت	عرض البلد	طول البلد
مطابق تحویل تاریخہائے عیسوی	مارچ ۲۱	اپریل ۲۱	مئی ۲۲	جون ۲۲	جولائی ۲۴	اگست ۲۴	ستمبر ۲۴	اکتوبر ۲۴	نومبر ۲۳	دسمبر ۲۲	جنوری ۲۰	فروری ۱۹		
اقدام	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	درجہ	درجہ
دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ
احمد نگر (بمبئی)	۲ ۲۵	۰ ۵۵	۰ ۲۰	۰ ۳۲	۰ ۲۰	۵۵	۲ ۲۵	۴ ۴	۵ ۴۷	۶ ۲۶	۵ ۴۷	۴ ۴	۱۹ ۵	۷۲ ۴۸
اورنگ آباد	۲ ۲۷	۱ ۷	:	۰ ۲۱	:	۱ ۷	۲ ۲۷	۴ ۲۲	۶ ۲	۶ ۴۵	۶ ۲	۴ ۲۲	۱۹ ۵۳	۷۵ ۲۳
سورت	۲ ۴۵	۱ ۱۳	۰ ۸	۰ ۱۴	۰ ۸	۱ ۱۳	۲ ۴۵	۴ ۲۳	۶ ۱۴	۷ ۰	۶ ۱۴	۴ ۲۳	۲۱ ۱۲	۷۲ ۵۲
کلکتہ	۲ ۵۰	۱ ۱۸	۰ ۱۳	۰ ۱۱	۰ ۱۳	۱ ۱۸	۲ ۵۰	۴ ۲۹	۶ ۲۱	۷ ۸	۶ ۲۱	۴ ۲۹	۲۲ ۳۴	۸۸ ۲۴
احمد آباد (گجرات)	۳ ۱	۱ ۲۷	۰ ۲۲	۰ ۱	۰ ۲۲	۱ ۲۷	۳ ۱	۴ ۵۱	۶ ۲۹	۶ ۲۷	۶ ۳۹	۴ ۵۱	۲۳ ۲	۷۲ ۳۸
مرشد آباد	۳ ۱۵	۱ ۴۱	۰ ۳۴	۰ ۱۲	۰ ۳۴	۱ ۴۱	۲ ۱۵	۵ ۱۱	۷ ۴	۷ ۵۶	۷ ۴	۵ ۱۱	۲۴ ۱۱	۸۸ ۱۹
الٰہ آباد	۳ ۲۵	۱ ۴۹	۰ ۴۲	۰ ۱۹	۴۲	۱ ۴۹	۳ ۲۵	۵ ۲۳	۷ ۱۹	۸ ۱۲	۷ ۱۹	۵ ۲۳	۲۵ ۲۸	۸۱ ۵۴
بنارس	۳ ۲۷	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۷	۵ ۲۶	۷ ۲۲	۸ ۱۴	۷ ۲۲	۵ ۲۶	۲۵ ۲۰	۸۳ ۰
پٹنہ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۵ ۳۷	۸۵ ۱۳
جون پور	۳ ۲۸	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۸	۵ ۲۷	۷ ۲۴	۸ ۱۷	۷ ۲۴	۵ ۲۷	۲۵ ۴۶	۸۲ ۴۴
لکھنؤ، فیض آباد	۳ ۳۰	۱ ۵۳	۰ ۴۶	۰ ۲۲	۴۶	۵۳	۳ ۳۰	۵ ۲۹	۷ ۲۷	۸ ۲۰	۷ ۲۷	۵ ۲۹	۲۶ ۵۵	۸۰ ۵۹
آگرہ	۳ ۳۲	۱ ۵۵	۰ ۴۸	۰ ۲۴	۰ ۴۸	۱ ۵۵	۳ ۳۲	۵ ۳۱	۷ ۲۹	۸ ۲۴	۷ ۲۹	۵ ۳۱	۲۷ ۱۰	۷۸ ۵
بدایوں	۳ ۳۸	۲ ۰	۰ ۵۳	۰ ۲۹	۵۳	۲ ۰	۳ ۳۸	۵ ۴۰	۷ ۴۳	۸ ۴۰	۷ ۴۳	۵ ۴۰	۲۸ ۲	۷۹ ۱۰
سنبھل	۳ ۴۸	۲ ۸	۰ ۵۹	۰ ۳۷	۵۹	۲ ۰۸	۳ ۴۸	۵ ۵۲	۷ ۵۹	۸ ۵۴	۷ ۵۹	۵ ۵۲	۲۸ ۳۵	۷۸ ۳۷
دہلی	۳ ۴۹	۲ ۱۰	۱ ۱	۰ ۳۸	۱ ۱	۲ ۱۰	۳ ۴۹	۵ ۵۴	۸ ۲	۸ ۵۸	۸ ۲	۵ ۵۴	۲۸ ۳۸	۷۷ ۱۳
پانی پت	۳ ۵۲	۲ ۱۱	۱ ۴	۰ ۴۰	۱ ۴	۲ ۱۱	۳ ۵۲	۵ ۵۸	۸ ۶	۹ ۲	۸ ۶	۵ ۵۸	۲۹ ۲۳	۷۷ ۱
ہردوار	۴ ۵	۲ ۲۳	۱ ۱۴	۰ ۵۰	۱ ۱۴	۲ ۲۳	۴ ۵	۶ ۱۵	۸ ۳۱	۹ ۳۵	۸ ۲۱	۶ ۱۵	۲۹ ۵۹	۷۸ ۳۷
سہارنپور	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳۰ ۰	۷۷ ۳۰
سرہند	۴ ۸	۲ ۲۵	۱ ۱۵	۰ ۵۱	۱ ۱۵	۲ ۲۵	۴ ۸	۶ ۱۸	۸ ۳۵	۹ ۴۱	۸ ۳۵	۶ ۱۸	۳۰ ۳۸	۷۶ ۲۹
لاہور	۴ ۲۲	۲ ۳۷	۱ ۲۶	۱ ۱	۱ ۲۶	۲ ۳۶	۴ ۲۲	۶ ۳۶	۹ ۰	۱۰ ۱۰	۹ ۰	۶ ۳۶	۳۱ ۲۷	۷۴ ۲۶
کابل	۴ ۴۹	۳ ۰	۱ ۴۷	۱ ۲۰	۱ ۴۷	۳	۴ ۴۹	۷ ۱۵	۹ ۵۵	۱۱ ۱۴	۹ ۵۵	۷ ۱۵	۳۴ ۳۰	۶۹ ۱۸

وَالْعَصْرِ مِنْهُ اِلَی الْغُرُوْبِ وَالْمَغْرِبِ مِنْهُ اِلٰی غُرُوْبِ الشَّفَقِ وَهُوَ الْبَیَاضُ الْعَشَآءِ وَالْوِتْرِ

اور عصر کا وقت دو مثل سے غروب تک اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے غروب شفق تک اور وہ سپیدی ہے اور عشاء اور وتر کا وقت

مِنْهُ اِلَی الصُّبْحِ وَلَایُقَدَّمُ الْعِشَآءُ لِلتَّرْتِیْبِ وَمَنْ لَّمْ یَجِدْ وَقْتَهَا لَمْ یَجِبَا

غروب شفق سے صبح تک اور نہ مقدم کیا جائے وتر کو عشاء پر ترتیب کی وجہ سے اور جو شخص انکا وقت نہ پائے اس پر عشاء و وتر واجب نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ والعصر منہ الخ اور عصر کا آغاز وقت ظہر کے اختتام پر ہوگا، انتہاء غروب آفتاب تک اور مغرب کا اول وقت آفتاب ڈوبنے کے بعد سے ہے اور آخری وقت غروب شفق تک ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف بقدر پانچ رکعات ہے دلیل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے دونوں دن ایک ہی وقت میں امامت فرمائی تھی، ہماری دلیل آپکا یہ ارشاد ہے کہ ''مغرب کا آخری وقت غروب شفق تک ہے'' (مسلم، ترمذی بمعناہ) پھر امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمایاں ہوتی ہے لغویین کی ایک جماعت نے جن میں مبرد و ثعلب بھی ہیں یہی بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق انس بن مالک، معاذ بن جبل، ام المومنین عائشہؓ ابن عباسؓ اسی کے قائل ہیں۔ صاحبین کے نزدیک خود وہ سرخی ہی مراد ہے اور یہی امام صاحب کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول ہے لغویین خلیل وفراء سے یہی منقول ہے اور صحابہ میں حضرت عمرؓ ابن عمر، علی، ابن مسعود اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''شفق سرخی ہے'' (مالک، دار قطنی، بیہقی فی المعرفہ) امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے ''مغرب کا آخری وقت کناروں پر سیاہی چھا جانے تک ہے۔ (ابوداؤد، ابن حبان بمعناہ) امام شافعی نے جو روایت پیش کی ہے وہ ابن عمر پر موقوف ہے جیسا کہ امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے۔ نیز امام مسلم کی روایت ''وقت الصلوۃ المغرب مالم یسقط نور الشفق'' بھی امام صاحبؒ کے نظریہ کی مؤید ہے کیونکہ نور کا اطلاق بیاض پر ہی ہوتا ہے نہ کہ سرخی پر، عشاء کا وقت شفق ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بلا کراہت نصف شب تک اور بطور جواز طلوع فجر تک باقی رہتا ہے یعنی جب سحر میں ابتدائی روشنی پھیلتی ہے اس وقت تک ادا کی جاسکتی ہے امام شافعی کے نزدیک تہائی رات کے بعد ادا نہ ہوگی۔ اور وتروں کا اول وقت عشاء کے بعد سے ہے اور آخری وقت فجر تک ہے حضورؐ کا ارشاد ''وتروں کو عشاء اور صبح کے درمیان پڑھنا چاہئے اس کی واضح دلیل ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم) اور ترتیب کی وجہ سے وتر کو عشاء پر مقدم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وتر کا وقت عشاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قولہ ومن لم یجد الخ جو شخص عشاء اور وتر کا وقت نہ پائے اس پر عشاء اور وتر کی نماز واجب نہیں جیسے اہل بلغار وغیرہ۔

فائدہ: یہ مسئلہ نہایت دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے بالخصوص آجکل کے سائنسی دور میں تو بہت ہی تحقیق طلب ہے اس لئے ہم طوالت کا خوف کئے بغیر اس مسئلہ کی پوری تحقیق عین الہدایہ مولفہ حضرت مولانا امیر علی صاحب سے پیش کرتے ہیں موصوف نے اس مسئلہ کی جو تحقیق شرح وبسط کیساتھ فرمائی ہے وہ لائق صد تحسین ہے (جزاہم اللہ خیر الجزاء) فرماتے ہیں کہ جن ملکوں میں عشاء اور وتر کا وقت نہیں ہوتا بلکہ شفق غروب ہونے سے پہلی ہی صبح ہو جاتی ہے تو وہاں عشاء اور وتر واجب ہونگے یا نہیں؟ اس میں دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ عشاء اور وتر دونوں فرض ہیں صبح ہونے پر بقدر عشاء اور وتر فرضی وقت کا اندازہ کر کے دونوں پڑھ لے پھر صبح کی نماز پڑھ لے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نمازیں فرض ہی نہیں ہیں۔

قطبین پر بسنے والے خطوں کے لئے نماز کی تحقیق

چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ شمالی جانب ملک صقالیہ میں ایک بہت بڑا شہر بلغار ہے۔ اور بقول بحر الرائق و امداد الفتاح گرمیوں کے شروع میں جب آفتاب کی تحویل برج سرطان میں ہوتی ہے تو وہاں ۲۳ گھنٹے آفتاب طلوع رہتا ہے اور صرف ایک گھنٹہ کے لئے غروب

ہوتا ہے چنانچہ ایک بلغاری کا بیان ہے کہ ان کے یہاں گرمیوں کے ایک چلہ میں شفق ہونے سے پہلے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے اور وہاں کے باشندے وقت کے ایک حصہ کو رات فرض کر کے روزہ میں ایک دو بار کھا لیتے ہیں بلکہ اس ملک سے بھی آگے کے باشندوں کا بیان ہے کہ وہاں اندھیرا بالکل نہیں ہوتا دن ہی رہتا ہے لیکن بعض ملک اس کے برخلاف ایسے بھی ہیں جہاں بجز چراغ کے روشنی ہی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ رات رہتی ہے، بہرحال قطبین کے قریب غروب آفتاب برائے نام ہوتا ہے جیسا کہ علم ہیئت جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

بہرحال ایک جماعت کے نزدیک جہاں عشاء اور وتر کا وقت نہیں ملتا۔ وہاں بھی دونوں نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ اور اندازہ سے وقت نکالا جائے، نیز یہ لوگ قضا کی نیت نہیں کرینگے۔ کیونکہ ادا کا وقت ہی موجود نہیں ہے برہان کبیر میں اس پر فتوی ہے اور ابن ہمام نے اور ابن الشحنہ نے اور صاحب تنویر نے اسی کو مختار، صحیح اور مذہب قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق ان لوگوں پر عشاء و وتر فرض نہیں ہیں کیونکہ وقت ہی موجود نہیں جو سبب فرضیت ہوتا ہے کنز، ملتقی الابحر، بقالی، حلوائی، مرغینانی، شرنبلالی، حلبی نے بھی اسی کی موافقت کی۔ بلکہ مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے کہ برہان الائمہ کے پاس جب اسطرح کے ملکوں سے استفسار آیا کہ یہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا تو کیا عشاء کی نماز پڑھنی چاہیے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ عشاء کی نماز واجب نہیں ہے۔ لیکن ظہیر الدین مرغینانی نے فتویٰ دیا کہ نماز واجب ہوگی پھر شمس الائمہ حلوائی کے پاس بھی بلغار سے اس مضمون کا استفسار آیا تو انہوں نے بھی عشاء واجب ہونے کا فتویٰ دیا۔ لیکن خوارزم میں سیف السنہ بقالی سے جب اس قسم کے استفسار کا جواب طلب کیا گیا تو انہوں نے لکھا واجب نہیں ہے اس فتویٰ کی اطلاع جب شمس الائمہ حلوائی کو ہوئی تو انہوں نے اپنے ایک لائق شاگرد کو بھیج کر ان سے دریافت کرایا کہ جو شخص پانچ فرض نمازوں میں سے ایک نماز کا انکار کر دے تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ بقالی سمجھ گئے کہ سوال کا منشا کیا ہے چنانچہ برجستہ فرمایا کہ اچھا ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت کٹ گئے ہوں یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹ گئے ہوں تو بتلاؤ کہ وضو کے چار فرضوں میں سے اس پر کتنے فرض رہ گئے؟ لائق شاگرد نے عرض کیا کہ چونکہ چار اعضاء میں سے ایک عضو تلف ہو چکا ہے اس لئے فرض بھی ایک کم ہو کر تین رہ گئے فرمایا یہی حال نمازوں کا بھی ہے جہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا وہاں عشاء کی نماز بھی فرض نہیں ہے۔ یہ جواب شمس الائمہ کو پہنچا تو نہ صرف یہ کہ پسند کیا بلکہ اپنے پہلے قول سے رجوع کر کے بقالی سے اتفاق کر لیا۔ لیکن ابن ہمام ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد برہان الکبیر کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور بقالی کو جواب دے رہے ہیں کہ ایک عضو کے تلف ہو جانے کے بعد محل فرض میں کمی ہو جانے اور نماز کے جعلی سبب یعنی وقت نہ ہونے میں فرق ہے کیونکہ نفس الامر میں وجوب تو سبب خفی سے ثابت ہے۔ مگر وقت کو ظاہری طور پر اس سبب خفی کی علامت مقرر کر دیا گیا پس اس ظاہری اور جعلی سبب کے نہ ہونے سے اصلی اور حقیقی سبب کا نفس الامر میں معدوم ہونا لازم نہیں آتا دار انحالیکہ اس کے موجود ہونے پر دوسری دلیل پائی جائے، چنانچہ یہاں مشہور احادیث معراج میں جن میں پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور پھر اس فرضیت کا پانچ میں تبدیل ہونا مذکور ہے۔ بعد میں یہی فرضیت تمام ممالک اور بلاد کے لئے رہی جیسا کہ آپ کی بعثت اور رسالت عامہ کا تقاضہ ہے کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں ہوئی۔ کہ فلاں جگہ چار نمازیں ہونگی اور فلاں جگہ پانچ، اسی طرح جب کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسے پانچ وقت کی نمازوں کے فرض ہونے پر ایمان لانا پڑتا ہے اس میں بھی کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

حدیث دجال: علیٰ ہذا احادیث خروج دجال ہیں جن میں صحابہ نے آنحضرت سے عرض کیا کہ دجال کتنے وقت زمین پر ٹھہریگا۔ فرمایا: چالیس روز تک، ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور ایک دن ایک مہینہ کے اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک سال کے برابر جو دن ہوگا کیا اس میں ایک روز کے برابر نماز پڑھنا کافی ہوگا؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ وقت کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھا کرنا (مسلم وغیرہ) ظاہر ہے کہ تین سو سے زیادہ عصر کی نمازیں ایسی ہونگی جو دو مثل بلکہ ایک مثل سے بھی پہلے پڑھی جائینگی کیونکہ ایک ہی دن میں سیکڑوں عصریں ایسی واجب ہونگی جو دو پہر اور آفتاب ڈھلنے سے پہلے پڑھنا پڑینگی۔ دوسری نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سیکڑوں مغرب اور عشاء اور فجر آفتاب

غروب ہونے سے پہلے واجب ہونگی۔

پس معلوم ہوا کہ وجوب کا اصلی سبب اوقات معلومہ نہیں ہیں جن کے نہ ہونے سے وجوب نماز نہ ہو بلکہ اصلی سبب وجوب خفی اور نفس الامری معنی ہیں۔ اوقات تو صرف علامات ہیں۔ اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس الامر میں پانچوں نمازیں ہر حال میں عموماً ہر شخص پر واجب ہیں۔ ان اوقات معلومہ پر ان کی تقسیم نہیں ہے کہ جب یہ اوقات ہوں تو تب ہی وجوب ہو بلکہ وجوب عام معلوم ہوتا ہے یہ اوقات ہوں یا نہ ہوں بہر صورت وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں اپنے بندوں پر فرض کردی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ پانچ نمازیں اصلی سبب وجوب کے لحاظ سے لازم ادا ہیں اگر چہ ان کے اوقات میں ردوبدل اور تغیر ہوتا رہے چنانچہ قضا کا واجب ہونا، رسبب ادا معدوم کے بعد ساقط الذمہ ہو جانا اس کا مؤید ہے۔

ملک بلغار وغیرہ

رہی یہ بات کہ بلغار جیسے ممالک کے باشندے جہاں ایک وقت ہی نہیں ملتا کیا نمازوں میں ان کو قضا کی نیت کرنی چاہیئے؟ تو صحیح یہ ہے کہ قضا کی نیت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ادا ہی کا وقت جب نہیں تو قضا کیسے کہلائیگی لیکن اس تقریر پر حلبی نے یہ گرفت کی ہے کہ جس طرح پانچ نمازوں کی فرضیت مسلم ہے اسی طرح ان کے اسباب وشروط بھی فرض ہیں پس اگر نماز کی فرضیت مع شرائط واسباب مراد ہے تو صحیح ہے لیکن ایسے ممالک میں وقت جو نماز کا سبب ہے ہے پایا نہیں جاتا اور اگر یہ مراد ہو کہ ہر فرد پر مطلق نمازیں واجب ہیں بلا لحاظ اسباب کے تو یہ درست نہیں کیونکہ حائضہ اگر طلوع آفتاب ہونے کے بعد پاک ہوتی ہے تو اس پر صرف چار نمازیں واجب ہونگی فجر کی نماز واجب نہیں، رہی حدیث دجال وہ خود خلاف قیاس ہے اس پر قیاس کیسے درست ہوسکتا ہے۔

حلبی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم شق اول کو اختیار کرتے ہیں یعنی نماز مع شرائط اسباب مراد ہے لیکن اوقات سبب اصلی نہیں ہوتے۔ بلکہ محض علامات ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث دجال اور احادیث معراج اور فرائض پنجگانہ کی صریح روایات اس امر کی تائید کررہی ہیں کہ اوقات سبب اصلی نہیں ہوتے۔ اور حدیث دجال خلاف قیاس نہیں ہے۔

علامہ حصکفی حدیث دجال کو خلاف قیاس تو نہیں کہتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث دجال اور مسئلہ ذیل میں فرق ہے وہ یہ کہ حدیث دجال میں ایک دن میں تین سو سے زیادہ عصر کی نمازوں کا وقت تو موجود ہے البتہ علامت موجود نہیں ہے۔ لیکن مسئلہ ذیل میں نہ زمانہ ہے نہ علامت۔ لیکن علامہ کا یہ فرمانا صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ زمانہ تو ایک ممتد چیز ہے جو مسلسل جاری ہے بلکہ دجال والے دن میں ان سیکڑوں عصروں کی علامت کا نشان تک نہیں ہے۔ برخلاف ان ممالک مذکورہ کے کہ ایک نماز کے علاوہ دوسرے اوقات کی علامتیں موجود ہیں اسی لئے طحاوی وغیرہ نے اس کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ وقت مقرر کرکے عشاء کے فرض ہونے کی دلیل بہت روشن ہے۔ ۱۲ انتہی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَنُدِبَ تَاخِيْرُ الْفَجْرِ وَظُهْرِ الصَّيْفِ وَالْعَصْرِ مَالَمْ يَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءِ اِلَى الثُّلُثِ

اور مستحب ہے فجر اور گرمیوں کی ظہر اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا جب تک کہ آفتاب متغیر نہ ہو اور عشا کو تہائی رات تک

وَالْوِتْرِ اِلٰى آخِرِ اللَّيْلِ لِمَنْ يَثِقُ بِالْاِنْتِبَاهِ وَتَعْجِيْلُ ظُهْرِ الشِّتَاءِ وَالْمَغْرِبِ

اور وتر کو آخر شب تک اس شخص کے لئے جس کو جاگنے پر اعتماد ہو، اور مستحب ہے جاڑوں کی ظہر اور مغرب

وَمَا فِيْهَا عَيْنٌ يَوْمَ غَيْنٍ وَيُؤَخِّرُ غَيْرَهُ فِيْهِ

اور ان نمازوں کو اول وقت میں پڑھنا جن میں عین ہے ابر کے دن ان کے سوا اور نمازوں کو ابر کے دن تاخیر سے پڑھا جائے۔

مستحب اوقات نماز کا بیان

توضیح اللغۃ: صیف موسم گرما، ثِق، اعتماد ہونا، انتباہ، بیدار ہونا شتا موسم سرما، غین بادل، (غیم) میں ایک لغت ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وندب الخ فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس طرح اجر وثواب بہت زیادہ ہوجاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان عن رافع بن خدیج بزار عن بلال وانس طبرانی عن قتادہ وابن مسعود، ابن حبان عن ابی ہریرہ) اور موسم گرما میں ظہر کی تاخیر مستحب ہے اتنی کہ دھوپ کی شدت اور حرارت میں خشکی پیدا ہوجائے۔ کیونکہ حضور صلعم سردیوں کے موسم میں ظہر کی نماز جلد پڑھا کرتے تھے اور گرمیوں میں ٹھنڈے وقت میں۔ (بخاری عن انس) نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ (بخاری عن الخذری، مسلم، عن ابی ہریرہ ولفظہ "بالصلوۃ") اور عصر کی تاخیر مستحب ہے اتنی کہ آفتاب کی رنگت میں فرق نہ آئے حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ "حضور صلعم عصر میں تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے"۔ (بخاری، دارقطنی) حاکم نے مستدرک میں زیاد بن عبداللہ نخعی سے حضرت علی کا اثر نقل کیا ہے زیاد کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی کیساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن نے آکر کہا۔ الصلوۃ یا امیر المومنین۔ آپنے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد اس نے پھر یہی کہا تو آپ نے جوش میں فرمایا کہ یہ کتا ہمیں سنت سکھلاتا ہے اس کے بعد آپ نے اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی جب ہم اپنی جگہ واپس آئے تو غروب آفتاب میں شک ہو رہا تھا اور عشاء کی تاخیر تہائی رات تک مستحب ہے۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو تہائی رات تک عشاء میں تاخیر کرتا" (ترمذی، ابن ماجہ، عن ابی ہریرہ، نسائی، عن زید بن خالد) اور وتر کی تاخیر آخر شب تک مستحب ہے مگر اس شخص کے لئے جس کو آخر شب میں بیدار ہونے پر اعتماد ہو کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ "جس کو اندیشہ ہے کہ رات کو اٹھ نہیں سکونگا اسکو اول شب ہی میں وتر پڑھ لینے چاہئیں اور جس کو آخر شب میں اٹھنے کی توقع ہو تو رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں"۔ (مسلم عن جابر) امام شافعی کے یہاں کل نمازوں میں تعجیل افضل ہے، دلیل یہ حدیث ہے۔ الصلوۃ فی اول الوقت رضوان اللّٰہ" اول وقت میں نماز پڑھنا اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے مگر یہ حدیث یعقوب بن الولید سے معروف ہے جس کے بارے میں ناقدین حدیث کی آراء ملاحظہ ہوں قال احمد" کان من الکذا بین الکبار" قال ابوداؤد لیس بثقۃ" قال النسائی" متروک الحدیث" قال ابو حاتم " کان یکذب" دارقطنی نے اسکی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے جس میں حسین بن حمید راوی ہے۔ اس کے بارے میں سنئے قال ابن عدی ھو منھم فیما یز و یہ وقال مطین" ھو کذاب بن کذاب ابن کذاب " ادلۂ احناف ہر نماز کے ذیل میں اوپر مذکور ہوچکیں۔

قولہ و مافیھا عین الخ اور جن نمازوں کے شروع میں عین ہے یعنی عصر اور عشاء ان کو ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے کیونکہ عصر کی تاخیر میں مکروہ وقت شروع ہوجانیکا اندیشہ ہے اور عشاء کی تاخیر میں بارش کے خطرہ سے تقلیل جماعت کا خوف ہے اور ان کے علاوہ یعنی فجر ظہر اور مغرب کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے کیونکہ ان میں کافی وقت ہوتا ہے لہذا تاخیر میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

وَمُنِعَ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَسَجْدَۃِ التِّلَاوَۃِ وَصَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ عِنْدَ الطُّلُوْعِ وَالْاِسْتِوَاءِ وَالْغُرُوْبِ اِلَّا عَصْرَیَوْمِہٖ

اور منع کیا گیا ہے نماز سے اور سجدۂ تلاوت سے اور نماز جنازہ سے طلوع واستواء اور غروب آفتاب کے وقت مگر اسی روز کی عصر

وَعَنِ التَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ لَا عَنْ قَضَاءِ فَائِتَۃٍ وَسَجْدَۃِ تِلَاوَۃٍ وَصَلٰوۃِ جَنَازَۃٍ

اور نفل پڑھنے سے نماز فجر اور عصر کے بعد نہ کہ قضا نماز اور سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ سے،

وَبَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ سُنَّةِ الْفَجْرِ وَقَبْلَ الْمَغْرِبِ وَوَقْتَ الْخُطْبَةِ
اور ممنوع ہے طلوع فجر کے بعد سنت فجر سے زیادہ اور مغرب سے پہلے اور خطبہ کے وقت
وَعَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي وَقْتٍ بِعُذْرٍ
اور منع کیا گیا ہے دونمازوں کوایک وقت میں جمع کرنے سے عذر کے باوجود۔

مکروہ اوقات نماز کا بیان

تشریح الفقہ:......قولہ و منع الخ طلوع آفتاب، زوال آفتاب، غروب آفتاب کے وقت فرض ونوافل، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ ممنوع ہے کیونکہ ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت متعدد صحابہ کی روایت سے ثابت ہے (صحاح ستہ عن البخاری عن عقبہ، صحیحین، موطا، نسائی عن ابن عمر، موطا، نسائی عن الصنابحی، ابوداؤد، نسائی عن عمرو بن عبسہ) البتہ آج کی عصر غروب کے قریب پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ وجوب نماز کا سبب وہی جز ہے جو وقت مشروع سے متصل ہے پس غروب کے وقت جیسی نماز عصر واجب ہوئی ویسی ہی ادا کرلی جائیگی۔ امام شافعی مکہ معظمہ کیساتھ فرائض کی تخصیص کرتے ہیں اور امام ابویوسف جمعہ کے روز زوال کے وقت نوافل مباح کہتے ہیں ممانعت والی احادیث ان حضرات پر حجت ہے۔

قولہ عن التنفل الخ اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے (بخاری عن معاویہ، ابن راہویہ، بیہقی عن علی، مسلم عن عمرو بن عبسہ) ہاں ان اوقات میں قضا نماز سجدۂ تلاوت نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کراہت تو حق فرض کیوجہ سے ہے۔ تاکہ پورا وقت فرائض ہی میں مشغول سمجھا جاسکے۔ فی نفسہ وقت میں کوئی خرابی نہیں ہے اور طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے بھی سنت فجر کے علاوہ نوافل مکروہ ہیں۔ ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے کہ "طلوع فجر کے بعد بجز دو رکعت کے اور کوئی نماز نہیں ہے (ترمذی، ابوداؤد) حضرت حفصہ سے مرفوع روایت ہے کہ فجر طلوع ہونے کے بعد آنحضرتؐ صرف دو رکعت نماز خفیف پڑھتے تھے۔ (مسلم) غروب آفتاب کے بعد فرض سے پہلے بھی نوافل مکروہ ہیں کیونکہ اس سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آئیگی۔ جو مکروہ تنزیہی ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف چلے اس وقت سے لیکر خطبہ سے فراغت تک بھی نوافل مکروہ تحریمی ہیں۔ ابن العربی نے اس کو جمہور کا قول بتایا ہے اور یہی صحیح ہے امام شافعی، احمد، اسحاق تحیۃ المسجد کی دو رکعت حضرت جابر کی حدیث کی وجہ سے جائز رکھتے ہیں، لیکن حضرت علی، بن عباسؓ، ابن عمر سے یہی مروی ہے کہ اس وقت میں صلوٰۃ وکلام مکروہ ہے۔

(ابن ابی شیبہ)

قولہ وعن الجمع الخ عذر کے باوجود بھی دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا ممنوع ہے۔ عذر سفر کا ہو یا مرض ومطر کا، البتہ حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ کی دو نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں، امام شافعی و مالک جائز کہتے ہیں کیونکہ حدیث سے اس کا ثبوت ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث سے جو ثابت ہے وہ صرف جمع صوری ہے یعنی ایک نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھنا، رہا حقیقۃً جمع کرنا سو ابن مسعود فرماتے ہیں کہ "قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز بجز اسکے وقت کے اور کسی وقت میں نہیں پڑھی مگر دو نمازیں یعنی ظہر وعصر عرفات میں اور مغرب وعشاء مزدلفہ میں۔

بَابُ الاذَان

باب اذان کے بیان میں

سُنَّ لِلْفَرَائِضِ بِلاتَرْجِيعٍ وَلَحْنٍ وَيَزِيْدُ بَعْدَ الْفَلاحِ فِيْ أَذَانِ الْفَجْرِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ

اذان مسنون ہے فرائض کے لئے بلاترجیع وبلاترنم اور زیادہ کرے حی علی الفلاح کے بعد فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم دومرتبہ

وَالْإِقَامَةُ مِثْلُهٗ وَيَزِيْدُ بَعْدَ فَلَاحِهَا قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِيْهِ وَيَتَحَدَّرُ فِيْهَا

اور تکبیر اذان کی طرح ہے اور زیادہ کرے اس میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دومرتبہ اور اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے اور تکبیر ذرا جلدی کہے

وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ وَلَايَتَكَلَّمُ فِيْهِمَا وَيَلْتَفِتُ يَمِيْنًا وَشِمَالاً بِالصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ وَيَسْتَدِيْرُ فِي الصَّوْمَعَةِ

اور دونوں میں قبلہ رخ رہے اور بات نہ کرے اور صلوۃ وفلاح کے وقت اپنا منہ دائیں اور بائیں پھرائے اور گھوم جائے اذان خانہ میں

وَيَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ وَيُثَوِّبُ وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا اِلَّا فِي الْمَغْرِب

اور انگلیاں کانوں میں رکھ لے اور تثویب کرے اور ان دونوں کے درمیان وقفہ کرے مگر مغرب میں

توضیح اللغۃ: ترجیع شہادتیں کو آہستہ کہکر دوبارہ آواز سے کہنا، لحن ترنم، ترسل ٹھہر ٹھہر کر کہے، یحدر ذرا جلدی کہے، صومعہ اذان خانہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الاذان الخ** اسباب وعلامات نماز یعنی اوقات کے بعد اعلان نماز کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے جس کو شریعت کی زبان میں اذان کہتے ہیں یہ زمان کے وزن پر مصدر ہے اور بعض کے نزدیک اسم مصدر ہے کیونکہ اس کی ماضی اذّن اور مصدر تاذین ہے لغۃ مطلق اعلان کو کہتے ہیں قال تعالیٰ ''اذان من اللہ ورسولہ'' شریعت میں چند مخصوص الفاظ کیساتھ خاص ساعتوں میں اوقات نماز شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔

قولہ سن الخ نماز پنجگانہ (اور جمعہ) کے لئے اذان بلاترجیع وبلاتصنع مسنون ہے ان کے علاوہ کے لئے سنت نہیں ہے۔ امام شافعی ترجیع کے قائل ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شہادتیں کو آہستہ کہکر دوبارہ بلند آواز سے کہا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے ابومحذورہ کو ترجیع کا حکم دیا تھا[1] جواب یہ کہ معجم طبرانی میں ابومحذورہ کی روایت میں ترجیع نہیں ہے پس دونوں متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہوئیں اور عبداللہ بن زید اور ابن عمر وغیرہ کی روایتیں قابل حجت رہیں جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے۔

قولہ ویستدیر الخ اگر مینار کشادہ ہو جس کی وجہ سے اپنی جگہ قدم جمائے رکھنے کے ساتھ اذان کا مقصود اصلی جو پوری طرح اعلان ہوتا ہے وہ حاصل نہ ہو تو روشندان یا دریچہ میں سے سر نکال کر باہر آواز پہنچانے میں کوئی حرج نہیں۔

قولہ ویثوب الخ تثویب تکرار اعلان کو کہتے ہیں جس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہا جائے عہد نبوی میں یہی تثویب تھی جو بدستور اب بھی سنت ہے، بعد میں علماء کوفہ نے اذان وتکبیر کے درمیان ''حی علی الفلاح'' کہنے کی تجویز کی، ان کے بعد مختلف لوگوں نے نماز فجر میں بطور تثویب دوسرے الفاظ تجویز کئے۔ مثلاً الصلوۃ الصلوۃ، قامت قامت، الصلوۃ جامعۃ، وغیرہ، متاخرین علماء نے اس تثویب کو دوسری نمازوں کے وقت بھی مستحسن قرار دیا۔ (شرح نقایہ) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امیر کیلئے کل نمازوں میں یہ الفاظ کہدیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ ''السلام علیک ایھاالامیر'' حی علی الصلوۃ الخ (اھ) لیکن متقدمین علماء اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں تثویب کے الفاظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو''[2]۔

---

(۱) صحاح ستہ غیر البخاری ۱۲ (۲) ابوداود، ترمذی ۱۲

وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ وَكَذٰلِكَ لِأُوْلَى الْفَوَائِتِ وَخُيِّرَ فِيهِ لِلْبَاقِي وَلَايُؤَذِّنُ قَبْلَ الْوَقْتِ

اوراذان کہے قضاء نماز کیلئے اور تکبیر کہے، اسی طرح پہلی قضاء نماز کے لئے باقی کے لئے اذان میں اختیار ہے اوراذان نہ دی جائے قبل از وقت

وَيُعَادُ فِيهِ وَكُرِهَ اَذَانُ الْجُنُبِ اِقَامَةُ الْمُحْدِثِ وَاَذَانُ الْمَرْأَةِ وَالْفَاسِقِ وَالْقَاعِدِ وَالسَّكْرَانِ وَالصَّبِيِّ

اور دوبارہ کہی جائے اور مکروہ ہے ناپاک کا اذان واقامت اور بے وضو کا تکبیر کہنا اور عورت، بدکار، بیٹھے ہوئے اور بیہوش کا اذان کہنا

لَا اَذَانُ الْعَبْدِ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْاَعْمٰى وَالْاَعْرَابِيِّ وَكُرِهَ تَرْكُهُمَا لِلْمُسَافِرِ

نہ کہ غلام، حرام زادے، اندھے اور گنوار کا اذان کہنا اور مسافر کو دونوں کا ترک کرنا مکروہ ہے

لَا لِمُصَلٍّ فِي بَيْتِهٖ فِي الْمِصْرِ وَنُدِبَا لَهُمَا لَا لِلنِّسَآءِ

نہ کہ شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے اور ان کے لئے دونوں مستحب ہیں نہ کہ عورتوں کے لئے

بَابُ شُرُوطِ الصَّلٰوةِ

باب نماز کی شرطوں کے بیان میں

وَهِيَ طَهَارَةُ بَدَنِهٖ مِنْ حَدَثٍ وَخُبْثٍ وَثَوْبِهٖ وَمَكَانِهٖ وَسَتْرُ عَوْرَتِهٖ وَهِيَ مَاتَحْتَ السُّرَّةِ اِلٰى تَحْتِ رُكْبَتِهٖ

اور وہ پاک ہونا ہے نمازی کا بدن حکمی و حقیقی نجاست سے اور اس کے کپڑے اور جگہ کا اور ستر عورت اور وہ ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک

توضیح اللغۃ:......قولہ ویؤذن الخ اور قضاء نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت کہنی چاہئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ لیلۃ التعریس کی صبح کو نماز فجر کی قضاء اذان واقامت کیساتھ ادا فرمائی تھی، امام شافعی صرف اقامت پر اکتفاء کرنے کو فرماتے ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس میں صرف اقامت کا ذکر ہے (مسلم) جواب یہ ہے کہ روایات صحیحہ میں اذان کا ذکر موجود ہے پس زیادتی والی روایات پر عمل اولیٰ ہوگا۔ اور اگر چند نمازیں قضا ہوں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کہنی چاہئے اور بقیہ نمازوں میں اختیار ہے چاہئے اذان واقامت دونوں کہے تاکہ قضاء بطرز ادا ہو جائے اور یا صرف اقامت پر اکتفا کرلے۔ کیونکہ اذان تو غائبین کی حاضری کے لئے کہی جاتی ہے اور یہاں سب حاضر ہیں۔ امام محمد سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلی نماز کے بعد والی نمازوں کے لئے اقامت ضرور کہنا چاہئے۔ اور بقول مشائخ امام اعظم اور ابو یوسف کا قول بھی یہی ہے۔ چنانچہ ابوبکر رازی سے اس روایت کی تصریح ہے۔ (عینی)

شروط نماز کا بیان

قولہ شروط الصلوۃ الخ جاننا چاہئے کہ جو چیز مشروع سے متعلق ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اسکی ماہیت میں داخل ہوگی یا خارج اگر داخل ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے رکوع وغیرہ اور اگر خارج ہو تو اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اس میں مؤثر ہوگی جیسے عقد نکاح برائے حلت یا غیر مؤثر، اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اس تک فی الجملہ موصل ہوگی جیسے وقت اس کو سبب سے تعبیر کرتے ہیں، یا غیر موصل اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو اس پر شئی موقوف ہوگی اسی کو شرط کہتے ہیں جیسے وضو وغیرہ یا موقوف نہ ہوگی اسی کو علامت کہتے ہیں جیسے اذان (منحۃ الخالق) شرط (بسکون العین) اصل میں مصدر ہے شرط (ن ض) شرطاً کسی چیز کو لازم کرنا اس کی جمع شروط ہے اور شرط (بالتحریک) بمعنی علامت ہے اس کی جمع اشراط آتی ہے (قاموس) قال تعالیٰ" فقد جاء اشراطها" ای علاماماتها، رہا لفظ شرائط سو وہ شریطۃ کی جمع ہے بمعنی پھٹے ہوئے کان والا اونٹ۔ (ضیاء العلوم)۔

اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جن لوگوں نے اس مقام پر متعلقات مشروع کو شرائط سے تعبیر کیا ہے وہ لغت کے بھی خلاف ہے کیونکہ شرائط شریطۃ کی جمع ہے جو یہاں مراد نہیں اور صرفی قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ فعل کی جمع فعائل کے وزن پر غیر محفوظ ہے بخلاف فرائض کے کہ اس کا مفرد فریضۃ ہے جیسے صحائف صحیفۃ کی جمع ہے، دوم یہ کہ صاحب نہر نے جو یہ کہا ہے کہ "وھی ای الشروط جمع شرط محرکا بمعنی العلامۃ لغۃ" یہ انکی بھول ہے کیونکہ شرط بمعنی علامت کی جمع اشراط ہے نہ کہ شروط، شرط کی پھر دو قسمیں ہیں حقیقی اور جعلی، شرط حقیقی وہ ہے جس پر شئی کا وجود فی الواقع موقوف ہو جعلی کی پھر دو قسمیں ہیں شرعی جس پر شئی کا وجود شرعاً موقوف ہو جیسے نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا اور نماز کے لئے طہارت کا ہونا، جعلی غیر شرعی وہ ہے جس میں شخص مکلف باجازت شرع اپنے تصرفات پر کسی چیز کا وجود معلق کرلے کقولہ "ان دخلت الدار فانت کذا" یہاں بقول علامہ شمنی شروط شرعیہ مراد ہیں۔ پھر شروط صلوٰۃ کی تین قسمیں ہیں شرط انعقاد، شرط دوام شرط بقاء قسم اول میں چار چیزیں ہیں نیت، تحریمہ، وقت خطبہ، قسم دوم میں بھی چار چیزیں ہیں حدث سے پاک ہونا، نجاست سے پاک ہونا، ستر عورت، استقبال قبلہ، قسم سوم میں صرف ایک چیز ہے یعنی قرأت۔ پھر یہ تینوں شرطیں ایک دوسرے میں متداخل ہیں کیونکہ ان میں عموم وخصوص مطلق ہے شرط دوام خاص ہے اور شرط انعقاد و شرط بقاء عام مثلاً طہارت جو شرط دوام ہے اگر ابتداء نماز میں اسکے وجود کا لحاظ کریں تو شرط انعقاد ہے اور اگر حالت بقاء میں اس کے وجود کو مشروط ہمیں تو شرط بقاء ہے اگر کل اقسام کو نقشہ میں ڈھالنا چاہو تو یہ صورت عمل میں لاؤ۔
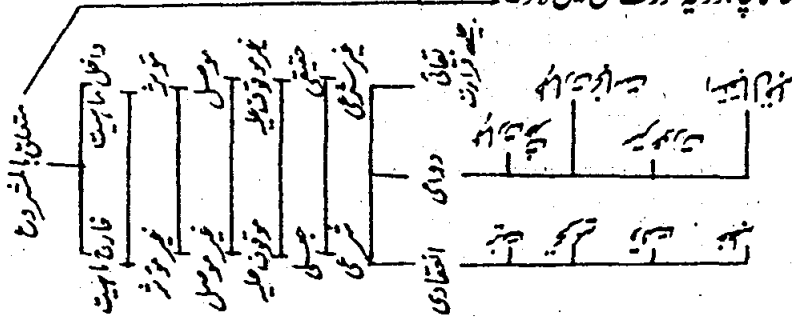
قولہ وہی طہارۃ الخ صحت نماز کے لئے نمازی کا بدن حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا اسکے کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کپڑے کا اعتبار اسی قدر ہے جو نمازی کے بدن سے متعلق ہو۔ چنانچہ جو کپڑا نمازی کی جنبش سے ہلتا ہو وہ اسکے بدن پر ہی شمار ہوگا جگہ کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ دونوں قدم کے نیچے اور مقام سجدہ پر قدر مانع نجاست نہ ہو، بعض نے دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے رکھنے کی جگہ پر نجاست نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے نیز نمازی کو اپنا ستر چھپانا بھی ضروری ہے جو احناف شوافع، احمد عام فقہاء کے نزدیک شرط ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "خذوا زینتکم عند کل مسجد" اے اولاد آدم! خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر ہے اسکی عبادت کے وقت خاص کر استعمال کرو، نیز حضور کا ارشاد ہے "بالغہ عورت کی نماز بلا اوڑھنی نہیں ہوتی حاکم، ابوداؤد) ایک روایت میں ہے کہ اللہ قبول نہیں کرتا اھ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن عائشۃ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، احمد، اسحٰق، عورت عول سے ہے بمعنی نقصان و عیب، شرمگاہ کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا کھولنا اور ظاہر کرنا، عار عیب قبیح اور بے حیائی ہے پھر شریعت میں مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گھٹنا داخل ستر ہے اور ناف خارج از ستر کیونکہ حضور کا ارشاد ہے، "مرد کے لئے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصہ عورت ہے۔" (حاکم عن عبداللہ بن جعفر) ایک روایت میں ہے کہ "ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے" (دارقطنی، احمد) معلوم ہوا کہ ناف ستر میں داخل نہیں۔ رہا گھٹنا سو ہم کلمہ الی کو مع کے معنی پر محمول کرتے ہیں تاکہ کلمہ حتی پر عمل ہو جائے جو دوسری روایت میں ہے اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے کہ گھٹنا داخل عورت ہے۔ (دارقطنی عن علی) امام شافعی واحمد ناف کو داخل عورت اور گھٹنے

کو خارج عورت مانتے ہیں۔ (امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت صرف فرج اور مقعد ہے اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد نماز میں کندھے کو ڈھکنا بھی شرط کہتے ہیں۔

وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ اِلَّاوَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا وَقَدَمَيْهَا وَكَشْفُ رُبُعِ سَاقِهَا يَمْنَعُ وَكَذَا الشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ

اور آزاد عورت کا کل بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں اور قدموں کے اور اس کی چوتھائی پنڈلی کا کھلنا منع ہے اسی طرح بال اور پیٹ اور ران

وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ وَالْاَمَةُ كَالرَّجُلِ وَظَهْرُهَا وَبَطْنُهَا عَوْرَةٌ وَلَوْ وَجَدَ ثَوْبًا وَرُبُعُهٗ طَاهِرٌ

اور شرمگاہ اور باندی مرد کے مثل ہے اور اس کی پیٹھ اور پیٹ بھی ستر ہے اور اگر کسی نے ایسا کپڑا پایا جس کا چوتھائی پاک ہے

وَصَلّٰى عُرْيَانًا لَمْ يَجُزْ وَخُيِّرَ اِنْ طَهُرَ اَقَلُّ مِنْ رُبُعِهٖ وَلَوْعَدِمَ ثَوْبًا قَاعِدًا مُوْمِيًا بِرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ

اور اس نے برہنہ نماز پڑھ لی تو درست نہ ہوگی اور مختار ہے اگر چوتھائی سے کم پاک ہو اور اگر کپڑا نہ ہو تو نماز بیٹھکر پڑھے اور رکوع وسجدہ

وَهُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَالنِّيَّةُ بِلاَ فَاصِلٍ وَالشَّرْطُ اَنْ يَّعْلَمَ بِقَلْبِهٖ

اشارے سے کرے یہ بہتر ہے کھڑے ہوکر رکوع اور سجدہ کرنے سے اور نیت کرنا بلافصل اور نیت میں ضروری یہ ہے کہ اپنے دل سے یہ جانے

اَیَّ صَلوٰةٍ يُصَلِّیْ وَيَكْفِيْهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ لِلنَّفْلِ وَالسُّنَّةِ وَالتَّرَاوِيْحِ وَلِلْفَرَآئِضِ شُرِطَ تَعْيِيْنُهٗ

کہ کونسی نماز پڑھتا ہے اور کافی ہے مطلق نیت نفل کے لئے اور سنت کے لئے اور تراویح کے لئے اور فرض کے لئے اس کو متعین کرنا ضروری ہے مثلا

كَالْعَصْرِ مَثَلاً وَالْمُقْتَدِیْ يَنْوِی الْمُتَابَعَةَ اَيْضًا وَلِلْجَنَازَةِ يَنْوِی الصَّلٰوةَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَالدُّعَآءَ لِلْمَيِّتِ

فرض عصر اور مقتدی متابعت کی بھی نیت کرے اور جنازہ میں نماز کی نیت خدا کے لئے کرے اور دعا کی نیت مردے کے لئے کرے۔

توضیح اللغۃ:......حرۃ آزاد عورت، ساق پنڈلی، شعر بال، بطن پیٹ، فخذ ران، العورۃ الغلیظۃ فرج، پیشاب گاہ، امۃ باندی، ظہر پیٹھ، عاری ننگا، مومی، اشارہ کرنیوالا، المتابعۃ اقتداء۔

تشریح الفقہ:......قولہ وبدن الحرۃ الخ آزاد عورت کا کل بدن عورت ہے سوائے اسکے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا" اور نہ دکھلائیں اپنی زینت مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اس کی تفسیر میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں "الا ماظھر منھا" استثناء میں داخل ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ بہت سی ضروریات دینی اور دنیاوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس ضرورت کا تحقق چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت قدمین میں کہیں زیادہ ہے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔

قولہ وکشف ربع الخ نماز میں عورت کی پنڈلی، بال، پیٹ، ران، عورت غلیظہ (قبل ودبر) کے چوتھائی حصہ کا کھل جانا جواز صلوٰۃ سے مانع ہے۔ ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے کم حصہ کھلا ہو تو اعادہ صلوٰۃ واجب نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو کثرت کا وصف اسی وقت دیا جاتا ہے۔ جب اس کا مقابل اس سے کم ہو جیسے چھ چار کے مقابلہ میں کثیر ہے اور چار چھ کے مقابلہ میں قلیل ہے تو جب تک پنڈلی وغیرہ کا کھلنا نصف سے کم ہو تو وہ اقل ہے۔ اس کو کثرت کا وصف نہیں دیا جاسکتا طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے سر کے مسح میں اور بحالت احرام چوتھائی سر کے منڈانے میں۔

قولہ والامۃ کالرجل الخ مرد کے جسم کا جتنا حصہ عورت ہے اتنا حصہ باندی کا بھی عورت ہے۔ مزید برآں اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی عورت ہے (اور پہلو پیٹ کے تابع ہے) اس کے علاوہ باندی کے باقی کل اعضاء ستر میں داخل نہیں۔ (بیہقی نے صفیہ بنت ابی عبید سے روایت کی ہے کہ ایک عورت خمار وجلباب (اوڑھنی وچادر) اوڑھے ہوئے نکلی تو حضرت عمر نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ کہا کہ فلاں

کی باندی ہے اور حضرت عمرؓ ہی کی اولاد میں سے کسی کا نام بتایا، آپ نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے اس عورت کو خمار وجلباب پہنا کر آزاد عورتوں سے مشابہ بنایا میں تو اس کو آزاد عورت خیال کر کے سزا دینے کا قصد کر چکا تھا، خبردار تم اپنی باندیوں کو آزاد عورتوں سے مشابہ مت بناؤ (وروی بمعناہ عبد الرزاق وابن ابی شیبہ ومحمد بن الحسن)

قولہ ولو وجد الخ اگر کوئی شخص ایسا کپڑا پاتا ہو جس کا چوتھائی یا اس سے زائد پاک ہو اور پھر بھی وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے تو بالاتفاق نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا کل کپڑا پاک ہے اور پاک کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو شیخین کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے ننگا ہو کر نماز پڑھے اور چاہے تو اس نجس کپڑے میں پڑھے اور یہی افضل ہے وجہ یہ ہے کہ ستر کا کھلنا اور نجاست کا ہونا دونوں جواز صلوٰۃ سے مانع ہیں اور حق مقدار میں بھی برابر ہیں۔ لہذا نماز کے حکم میں بھی دونوں برابر ہونگے۔ امام محمد کے نزدیک اس کو اختیار نہیں بلکہ اس صورت میں بھی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔ یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے ننگا ہی نماز پڑھے ان کا ظاہری مذہب یہی ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے سے صرف ایک فرض یعنی طہارت کا ترک لازم آتا ہے اور ننگے نماز پڑھنے میں کئی فرضوں کا ترک لازم آتا ہے۔

قولہ ولو عدم الخ اور اگر کسی کے پاس کپڑا ہی نہ ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے ادا کرے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک قوم کی کشتی ٹوٹ گئی تھی اور کشتی والے سمندر سے ننگے نکلے تھے وہ لوگ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتے تھے۔ عینی میں ہے کہ اس کے خلاف کوئی اثر مروی نہیں ہے، ابن عمر، ابن عباس، عطاء عکرمہ، قتادہ، اوزاعی، احمد سب سے یہی مروی ہے اور اگر کسی نے اس حال میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز تو ہے مگر پہلی صورت افضل ہے۔ اس واسطے کہ قیام صرف حق نماز ہے اور ستر عورت حق نماز وحق ناس ہر دو ہے۔

قولہ والنیۃ الخ صحت نماز کے لئے نیت کا ہونا بھی شرط ہے کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے جیسا کہ ابن المنذر وغیرہ نے بیان کیا ہے سراج ہندی نے شرح مغنی میں قول باری "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین" سے استدلال کیا ہے مگر بعض حضرات اس سے متفق نہیں کیونکہ ظاہرا عبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ اس کے بعد صلوٰۃ وزکوٰۃ کا اس پر عطف کیا گیا ہے صاحب ہدایہ وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "انما الاعمال بالنیات" سے استدلال کیا ہے علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعید ہے۔ اس واسطے کہ اصولیین نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت وظنی الدلالہ اور مفید سنت واستحباب ہے نہ کہ مفید فرضیت۔ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ حدیث مشہور ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے۔ نیت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنے دل سے اس کو جانے کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے اب اگر یہ نماز نفل، سنت، تراویح ہے تو مطلق نیت کافی ہے اور اگر فرض نماز ہے تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے کہ آیا عصر کی نماز ہے یا ظہر کی ہر نیت اس طرح ہونی چاہئے کہ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان فصل نہ ہو یعنی دل کی نیت کو تحریمہ سے ملا دے۔ امام کرخی نے تکبیر کے بعد نیت کو جائز کہا ہے بلکہ بعض مشائخ نے تو رکوع تک نیت کر لینے کی اجازت دی ہے مگر پہلا قول اصح ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ فَلِلْمَكِّيِّ فَرْضُهُ اِصَابَةُ عَيْنِهَا وَلِغَيْرِهٖ اِصَابَةُ جِهَتِهَا وَالْخَائِفُ يُصَلِّيْ

اور قبلہ رخ ہونا پس مکی کے لئے ٹھیک عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور غیر مکی کے لئے اسکی سمت کی طرف اور خوف رکھنے والا نماز پڑھے

اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ وَمَنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ تَحَرّٰى وَيُصَلِّيْ وَاِنْ اَخْطَأَ لَمْ يُعِدْ فَاِنْ عَلِمَ بِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ

جس طرف قادر ہو اور جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے تو غور وفکر کرے اور اگر غلطی کر جائے تب بھی نہ لوٹائے اور اگر غلطی نماز میں معلوم ہو جائے

اِسْتَدَارَ وَلَوْ تَحَرّٰى قَوْمٌ جِهَاتٍ وَجَهِلُوْا حَالَ اِمَامِهِمْ يُجْزِيْهِمْ

تو نماز ہی میں گھوم جائے اگر کچھ لوگوں نے چند مختلف سمتوں کی تحری کی اور اپنے امام کے حال سے بے خبر رہے تو ان کے لئے کافی ہے (نماز ہو جائے گی)

تشریح الفقہ :...... قولہ واستقبال القبلۃ الخ استقبال قبلہ بھی شرط ہے قال تعالیٰ ''فولّوا وجو ھکم شطرہ'' پھر واسکی طرف اپنے چہروں کو نیز حضور نے ایک جلد باز نمازی سے ارشاد فرمایا کہ ''جب تو نماز کے لئے اٹھے تو اچھی طرح وضو کر پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ'' (مسلم) اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ عبادت تو خدا کے لئے ہے اور خدا کے لئے کوئی جہت نہیں۔ پھر کعبہ کی طرف رخ کرنے کا ضروری ہونا چہ معنی دارد؟ اس واسطے کہ عبادت تو بے شک خدا ہی کے لئے لیکن بقول کسے......ع

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

ہر ملک، ہر قوم، ہر شخص کا ایک طبعی رجحان اور قلبی میلان ہوتا ہے جو اس کو کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونے کا داعی بنتا ہے، شریعت نے متبع ملت ابراہیمیہ کو غیر متبع سے ممتاز کرنے کیلئے اسی جہت کو متعین کردیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اس میں بندے کی آزمائش مقصود ہے کیونکہ عاقل بالغ شخص جو خدا کے حق میں جہت کو محال جانتا ہے اس کی اصل پیدائش اسکی مقتضی ہے کہ وہ نماز میں کسی خاص طرف منہ نہ کرے اللہ نے ایسی بات کا حکم کیا جو اسکی اصل پیدائش کے مقتضی کے خلاف ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حکم مانتا ہے یا نہیں، بہر کیف استقبال قبلہ ضروری ہے حقیقۃً ہو یا حکماً حقیقۃً جیسے اہل مکہ کے لئے عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتی کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اسکے لئے اسطرح پڑھنا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتی کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اسکے لئے اس طرح پڑھنا ضروری ہے کہ اگر دیوار دور کردی جائے تو کعبہ سامنے ہو جائے، حکماً جیسے کعبہ سے دور باشندگان کے لئے صرف جہت کعبہ شرط ہے جمہور علماء ثوری، ابن مبارک، احمد، اسحٰق، داؤد مزنی شافعی، احناف سب کا یہی قول ہے اور یہی ترمذی نے حضرت عمر، علی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

قولہ و الخائف الخ تحقیق مذکور کی بنا پر خائف کے حق میں استقبال شرط نہیں جس طرف قادر ہو نماز پڑھ لے، پھر خوف عام ہے جان، مال، دشمن، درندہ، راہزن کسی کا ہو، تبیین میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی اور کوئی تختہ پر رہ گیا اور قبلہ رخ ہونے میں غرق ہونے کا خوف ہے تو جدھر قادر ہو نماز پڑھ لے۔

قولہ و من اشتبھت الخ جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے کہ کس طرف ہے اور کوئی بتانے والا بھی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ علامات وغیرہ کے ذریعہ خوب غور کرے کہ قبلہ کس طرف ہو سکتا ہے اور جس طرف اس کا دل گواہی دے اسی طرف نماز پڑھ لے پھر اگر نماز کے بعد معلوم ہو کہ سمت چوک گیا تو اعادہ بھی نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر تحری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہو کہ پشت قبلہ کی طرف تھی تو اعادہ واجب ہے کیونکہ خطاء کا یقین ہو گیا ہم یہ کہتے ہیں کہ اسکی وسعت میں صرف تحری تھی اور بحکم شرع اس کے حق میں جہت تحری ہی قبلہ ہے لہذا اسکی نماز شرع کے مطابق ہوئی اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر تحری کرنیوالے کو سمت کا غلط ہونا نماز کے اندر معلوم ہو جائے تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف پھر جائے کیونکہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ بدلنے کا حکم سن کر اہل قباء رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے اور حضور نے اس کو برقرار رکھا تھا۔ (صحیحین)

قولہ و لو تحری الخ اگر اندھیری رات میں چند مقتدیوں نے تحری کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی تحری کے مطابق نماز پڑھی اور امام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا رخ کس طرف ہے تو ان کی نماز ہوگئی کیونکہ ان کے حق میں قبلہ جہت تحری ہے۔ رہی امام کی سمت کی مخالفت تو یہ مانع نہیں لیکن جس شخص کو اپنے امام کا حال معلوم ہو گیا یا وہ امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

باب نماز کی صفت کے بیان میں

فَرْضُهَا التَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَآءَ ةُ وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقُعُوْدُ الْاَخِيْرَةُ قَدْرَ التَّشَهُّدِ وَالْخُرُوْجُ بِصُنْعِهٖ

فرائض نماز تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد اور نمازی کا نماز سے اپنے فعل کیساتھ باہر ہونا ہے

توضیح اللغۃ:......**قولہ باب صفۃ الصلوٰۃ** الخ مقدمات نماز سے فراغت کے بعد مقصود کا آغاز ہے وصف اور صفت دونوں مصدر ہیں کہا جاتا ہے وصف الشئی وصفاً وصفۃ پس ہا واؤ کے عوض میں ہے جیسے وَعَدَ وَعدۃ، وَعَظ وعظۃ، وَزَنْ وزِنۃ (معراج الدرایۃ) وعدۃ میں ہے متکلمین کی اصطلاح میں وصف وہ ہے جو قائم بالواصف ہو۔ ہو قولہ ''زید عالم'' اور صفت وہ ہے جو قائم بالموصوف ہو (صحاح، عنایہ، نہایہ) یہاں صفت سے مراد نماز کے ذاتی اوصاف (یعنی اجزائے عقلیہ) ہیں جو اجزائے خارجیہ قیام، رکوع، سجود وغیرہ سب پر صادق ہیں۔ صاحب السراج الوہاج نے بیان کیا ہے کہ ثبوت شئے کے لئے چھ چیزیں ضروری ہیں: (۱) عین (ماہیت) (۲) رکن (جزء ماہیت) (۳) حکم (اثر ثابت) (۴) محل، (۵) شرط، (۶) سبب ان چھ چیزوں کے بغیر کسی شئے کا ثبوت نہیں ہوسکتا پس عین تو یہاں نماز ہے اور رکن قیام، قرأت، رکوع اور سجود ہے اور محل عاقل بالغ مکلف آدمی ہے اور شروط وہ ہیں جن کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے یعنی طہارت وغیرہ اور حکم جواز فساد اور ثواب ہے اور سبب اوقات ہیں۔

قولہ فرضہا الخ نماز میں کل سات چیزیں فرض ہیں (۱) تحریمہ قال تعالیٰ ''وربک فکبر'' یہاں باجماع مفسرین تکبیر سے مراد تکبیر افتتاح ہے وقال علیہ السلام'' مفتاح الصلوٰۃ الطہور و تحریمہا التکبیر'' نماز کی کنجی طہارت ہے اور تحریم تکبیر ہے (ابوداؤد وغیرہ عن علی) پھر یہ شرط ہے یا رکن؟ سو شیخین کے نزدیک تو یہ شرط ہے حاوی نے اس کو اصح روایت اور بدائع میں محققین مشائخ کا اور غایۃ البیان میں عام مشائخ کا قول بتایا ہے اور امام محمد، طحاوی، عصام بن یوسف کے نزدیک رکن ہے (۲) قیام قال تعالیٰ ''وقوموا للّٰہ قانتین'' کھڑے ہو جاؤ اللہ کیلئے بحالت خشوع یا بحالت خاموشی، باجماع مفسرین اس سے مراد قیام فی الصلوٰۃ ہے اور یہ باتفاق رکن ہے جبکہ قیام و سجدہ پر قادر ہو۔ (۳) قرأت قال تعالیٰ ''فاقرؤا ما تیسر من القرآن'' پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے پس فرض اس قدر ہے کہ جتنا آسان ہو جس کی مقدار بقول اصح ایک چھوٹی آیت ہے مگر ''مدھامتان'' جیسا ایک کلمہ نہ ہو ورنہ بقول اصح جائز نہیں پھر علامہ غزنوی صاحب حاوی گو اسکی رکنیت کے قائل نہیں مگر جمہور کے نزدیک رکن ہے یہ اور بات ہے کہ رکن زائد ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک مقتدی سے اور مدرک فی الرکوع سے ساقط ہے۔ (۴) رکوع (۵) سجدہ قال تعالیٰ ''ارکعوا واسجدوا'' ان کی فرضیت و رکنیت پر بھی اتفاق ہے (۶) قعدہ اخیرہ بقدر تشہد اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ارشاد فرمایا کہ ''جب اسے کہہ لو تو تمہاری نماز پوری ہو جائیگی (ابوداؤد، احمد) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا اسکے کرنے پر معلق ہے خواہ کچھ پڑھے یا نہ پڑھے پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور پڑھنا واجب ہے امام مالک، زہری، ابوبکر کے نزدیک سنت ہے مگر پہلا قول اصح ہے (۷) خروج بصنعہ یعنی نماز تمام ہونے کے بعد نمازی کا کسی اپنے اختیاری فعل سے باہر ہو جانا صاحب کتاب اس کو فرض شمار کر رہے ہیں لیکن فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ فرض نہیں ہے اور یہی صحیح ہے (عینی) زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق فرض نہیں ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ محققین اسی قول پر ہیں۔

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

وَوَاجِبُهَا قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ وَضَمُّ السُّوْرَةِ وَتَعْيِيْنُ الْقِرَاءَةِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَرِعَايَةُ التَّرْتِيْبِ فِيْ فِعْلٍ مُكَرَّرٍ

اور واجبات نماز قرأت فاتحہ ہے اور سورت ملانا اور پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے معین کرنا اور افعال مکررہ میں ترتیب کا لحاظ رکھنا

وَتَعْدِيْلُ الْاَرْكَانِ وَالْقُعُوْدُ الْاَوَّلُ وَالتَّشَهُّدُ وَلَفْظُ السَّلَامِ وَقُنُوْتُ الْوِتْرِ وَتَكْبِيْرَاتُ الْعِيْدَيْنِ وَالْجَهْرُ وَالْاِسْرَارُ

اور ارکان کو اچھی طرح ادا کرنا اور قعدۂ اولی اور تشہد اور لفظ السلام اھ اور دعاء قنوت وتر میں اور تکبیرات عیدین اور آواز سے اور آہستہ پڑھنا

فِيْمَا يُجْهَرُ وَيُسَرُّ وَسُنَّتُهَا رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي التَّحْرِيْمَةِ وَنَشْرُ اَصَابِعِهٖ وَجَهْرُ الْاِمَامِ بِالتَّكْبِيْرِ

جن نمازوں میں آواز سے اور آہستہ پڑھا جاتا ہے اور نماز کی سنتیں یہ ہیں تکبیر تحریمہ کے لئے دونوں ہاتھ اٹھانا انگلیوں کو کھلا رکھنا، امام کا با آواز بلند تکبیر کہنا،

وَالثَّنَاءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّاْمِيْنُ سِرًّا وَوَضْعُ يَمِيْنِهٖ عَلٰى يَسَارِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ وَتَكْبِيْرُ الرُّكُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ

سبحانک اھ اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین آہستہ پڑھنا، دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا، رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا،

وَتَسْبِيْحُهٗ ثَلٰثًا وَاَخْذُ رُكْبَتَيْهِ بِيَدَيْهِ وَتَفْرِيْجُ اَصَابِعِهٖ وَتَكْبِيْرُ السُّجُوْدِ وَتَسْبِيْحُهٗ ثَلٰثًا وَوَضْعُ رُكْبَتَيْهِ وَيَدَيْهِ

تین بار تسبیح رکوع کہنا، دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا، انگلیوں کو کھلا رکھنا، سجدہ کی تکبیر کہنا اس کی تسبیح تین بار کہنا، دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنا،

وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصْبُ الْيُمْنٰى وَالْقَوْمَةُ وَالْجَلْسَةُ وَالصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

بائیں پاؤں کو بچھانا اور دائیں کو کھڑا رکھنا رکوع سے کھڑا ہونا، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، حضور ﷺ پر درود بھیجنا،

وَالدُّعَاءُ وَاٰدَابُهَا نَظَرُهٗ اِلٰى مَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ وَكَظْمُ فَمِهٖ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ وَاِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيْرِ

دعا کرنا، آداب نماز یہ ہیں، نمازی کا اپنی سجدہ گاہ کو تاکتے رہنا، جمائی کے وقت منہ بند کرنا، بوقت تکبیر آستینوں میں سے ہاتھوں کو نکال لینا،

وَدَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ وَالْقِيَامُ حِيْنَ قِيْلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَشُرُوْعُ الْاِمَامِ مُذْ قِيْلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

جس قدر ہو سکے کھانسی کو ٹالنا، اٹھ جانا جب حی علی الفلاح کہا جائے، امام کا نماز شروع کر دینا جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے۔

واجبات نماز کا بیان

توضیح اللغۃ:...... ضم ملانا۔ تعدیل استوار و ہموار کرنا۔ جہر آواز سے قرأت کرنا۔ اسرار قرأت آہستہ کرنا۔ نشر پھیلانا۔ ثناء۔ سبحانک اللھم اھ پڑھنا۔ تعوذ اعوذ باللہ پڑھنا، تسمیہ بسم اللہ پڑھنا۔ تامین آمین کہنا، یمین دایاں، یسار بایاں سرہ ناف، افتراش بچھانا، نصب کھڑا کرنا، قومہ رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہونا، جلسہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا کظم بند کرنا تثاؤب جمائی لینا، کم آستین، سعال کھانسی۔

تشریح الفقہ: قولہ وواجبھا الخ واجب سے مردوہ ہے جس کو عمداً ترک کرنے سے گناہ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم آئے نہ کہ فساد۔ پس قہستانی کا یہ کہنا کہ ترک واجب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے باطل نہیں ہوتی غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ فقہا عبادات میں فاسد اور باطل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں بخلاف معاملات کے کہ معاملات میں فاسد اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی وصف مرغوب جاتا رہے اور باطل وہ جس کا کوئی رکن مفقود ہو جائے واجبات نماز گیارہ ہیں (۱) قرأت فاتحہ احناف کے نزدیک (امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "بلا قرأت فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔ (صحیحین) احناف کی دلیل قول باری "فاقرء وا ماتیسر من القرآن" ہے اور قول نبیؐ ثم اقرأ ماتیسر معک من القرآن" ہے جس میں مطلق قرأۃ کا حکم ہے پھر بقول اصح مکمل سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اگر ایک آیت بھی چھوڑ دی تو سجدہ واجب ہوگا بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ صاحبین کے نزدیک سورۂ فاتحہ نصف سے زائد واجب ہے پس نصف سے کم ترک کرنے میں سجدہ سہو واجب نہ ہوگا (۲) سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورہ کا یا کم از کم تین چھوٹی آیتوں کا ملانا بھی واجب ہے نیز فاتحہ کو سورۃ پر مقدم کرنا بھی واجب ہے اگر الحمد سے پہلے سورۃ کا کوئی لفظ اس قدر مقدم کر دیا کہ

ایک رکن ادا ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (نہر وشامی) مصنف نے اس کو صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ البتہ اسکی طرف اشارہ ضرور ہے کیونکہ شیٔ مضموم مضموم الیہ سے موخر ہی ہوتی ہے (۳) سورۂ فاتحہ و دیگر سورۃ کی قرأۃ کو فرض کی پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا (۴) جو افعال نماز میں مکرر مشروع ہیں ان میں ترتیب قائم رکھنا ایسے امور کی چار قسمیں ہیں اول جو کل نماز میں ایک ہی ہے جیسے قعدہ اخیرہ دوم جو ہر رکعت میں ایک ہے جیسے قیام سوم جو پوری نماز میں متعدد ہیں جیسے رکعات چہارم جو ہر رکعت میں متعدد ہیں جیسے سجود پس۔ (۱) میں ترتیب واجب ہے حتی کہ اگر قعدہ کے بعد اور سلام سے پہلے مفسد نماز پیش آنے سے قبل اس کو یاد آیا کہ سجدۂ تلاوت چھوٹ گیا تو اس کو ادا کرے اور قعدہ کا بھی اعادہ کرے اور سجدہ سہو بھی کرے اور اگر رکوع یاد آیا تو اس کو بعد والے سجود کیساتھ ادا کرے اور اگر قیام یا قرات یاد آئے تو پوری رکعت ادا کرے (۲) میں بھی ترتیب واجب ہے جیسے قیام و رکوع بلکہ قیام سے پہلے رکوع یا رکوع سے پہلے سجدہ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح (۳)، (۴) میں ترتیب واجب ہے (۵) امام اعظم و امام محمد کے نزدیک تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجدہ کو اس طرح اطمینان کے ساتھ ادا کرنا کہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر اعضاء میں سکون ہو جائے اور بدن کا ہر جوڑ ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہونیکے بعد اپنی جگہ برقرار رہے یہ بھی واجب ہے جرجانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ لذاتہ مقصود نہیں جواب یہ ہے کہ تعدیل ارکان کی مشروعیت تکمیل ارکان کی وجہ سے ہے لہذا التعدیل واجب ہوگی جیسے قرأت فاتحہ امام ابو یوسف امام شافعی و احمد کے نزدیک تعدیل فرض ہے کیونکہ حضور ؑ نے تعدیل ارکان کا لحاظ نہ رکھنے والے کے حق میں ارشاد فرمایا تھا کہ 'صل فانک لم تصل'' جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز پڑھی ہی نہیں ہماری دلیل قول باری ''ارکعوا واسجدوا'' ہے۔ جس میں رکوع اور سجدہ کا حکم ہے اور رکوع کے معنی انحناء (جھکنے) اور سجدہ کے معنی فروتنی کے ساتھ پست ہونے اور عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں پس رکنیت کا تعلق اتنی ہی مقدار سے ہوگا جس پر رکوع اور سجدہ کا اطلاق ہو سکے رہی حدیث مذکور سو اس میں نماز کے کاملہ نہ ہونیکی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے یہ فقرہ بھی ذکر کیا ہے کہ ''وا ذاانتقصت منها انتقص من صلوتک'' جو کچھ تو نے اس نماز سے کم کر دیا تو تو نے اپنی نماز سے کم کر دیا'' ان الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ نماز میں نقص آ جائیگا نہ یہ کہ بالکل ہی نہیں ہوگی اور جس چیز کے بغیر فعل شرعی ناقص رہے وہ وجوب یا سنت کا درجہ رکھتی ہے نہ کہ فرض کا (۶) قعدۂ اولی امام طحاوی و کرخی وغیرہ نے اس کو سنت مانا ہے لیکن جمہور کے نزدیک واجب ہے، محیط میں اسی کو اصح کہا ہے وجہ یہ ہے کہ حضور نے اس پر مداومت فرمائی ہے اور حضور کا کسی فعل پر مداومت فرمانا اس کے وجوب کی علامت ہے جبکہ عدم فرضیت پر دلیل قائم ہو اور یہاں عدم فرضیت کی دلیل موجود ہے چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پیچھے سے سبحان اللہ کہا گیا مگر آپ نہیں لوٹے اگر قعدہ اولی فرض ہوتا تو آپ ضرور لوٹ جاتے۔ (۷) قعدۂ اولی اور قعدہ ثانیہ ہر دو میں تشہد پڑھنا کیونکہ حضور نے اس پر بھی مداومت فرمائی ہے پھر حضرت عبداللہ بن مسعود سے آپ کے ارشاد ''قل التحیات الخ'' میں اول و ثانی کی کوئی قید نہیں اس لئے دونوں میں واجب ہوگا (۸) لفظ السلام کہنا (۹) قنوت وتر امام ابو حنیفہ کے نزدیک، صاحبین کے نزدیک سنت ہے جیسا کہ ان کے یہاں نفس وتر سنت ہے (۱۰) تکبیرات عیدین (۱۱) مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور فجر، جمعہ، عیدین میں قرأت بالجہر کرنا اور باقی میں آہستہ کرنا۔

قولہ ووضع یمینہ الخ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا احناف کے نزدیک سنت ہے کیونکہ حضرت علی کی روایت میں ایسا ہی ہے (ابوداؤد بروایت ابن داسہ، احمد، دارقطنی، بیہقی) نووی نے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں بطریق ابراہیم بن ادہم بلخی جو مشہور مشائخ میں سے ہیں زیر ناف باندھنا مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور اسکی اسناد میں کوئی کلام نہیں سوائے اسکے کہ علقمہ نے ابن مسعود سے سنا ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں ترمذی کی شہادت کافی ہے کہ سماع ثابت ہے پس روایت صحیح ہے امام شافعی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں اور انکی دلیل حضرت وائل بن حجر کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کر کے سینہ پر رکھا'' (ابن خزیمہ) جواب یہ ہے کہ اس میں بطریق تیقن صرف ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے جس سے سنت ثابت نہیں ہوتی بخلاف اثر بالا کے کہ اس میں سنت ہونے کی تصریح ہے علاوہ ازیں حضرت وائل کی حدیث کے جن الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری (ابوداؤد، نسائی) امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ دے، ابن المنذر نے ہاتھ باندھنا بھی نقل کیا ہے گویا ان کے یہاں چھوڑنا مختار اور باندھنا جائز ہے امام اوزاعی کے نزدیک دونوں برابر ہیں اثر مذکور ان سب پر حجت ہے علاوہ ازیں ہاتھ باندھنے کی دیگر صحیح احادیث بھی ثابت ہیں۔ (بخاری عن سہل بن سعد، دارقطنی عن ابن عباس، ترمذی، ابن ماجہ عن قبیصہ بن ہلب)

فَصْلٌ وَاِذَا اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَآءَ اُذُنَيْهِ وَلَوْشَرَعَ بِالتَّسْبِيْحِ اَوِ التَّهْلِيْلِ بِالْفَارِسِيَّةِ

فصل: جب نماز میں آنا چاہے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھائے اور اگر نماز سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کیساتھ شروع کی یا فارسی زبان میں

صَحَّ كَمَا لَوْ قَرَءَ بِهَا عَاجِزًا اَوْ ذَبَحَ وَسَمّٰى بِهَا

شروع کی تب بھی صحیح ہے جیسے عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں قرآن فارسی میں پڑھا یا ذبح کیا اور بسم اللہ فارسی میں پڑھی،

لَابِاللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَوَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى يَسَارِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ مُسْتَفْتِحًا وَتَعَوَّذَ سِرًّا لِلْقِرَآءَ ةِ

ہاں اللّٰھم اغفرلی کیساتھ درست نہ ہوگی اور رکھے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے ثناء پڑھتا ہوا اور اعوذ باللہ پڑھے آہستہ قرأت کے لئے

فَيَاْتِيْ بِهِ الْمَسْبُوْقُ لَا الْمُقْتَدِيْ وَيُؤَخِّرُهٗ عَنْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ وَيُسَمِّيْ سِرًّا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ

پس مسبوق پڑھے نہ کہ مقتدی اور مؤخر کرے اعوذ کو تکبیرات عیدین سے اور بسم اللہ پڑھے ہر رکعت میں آہستہ

وَهِيَ اٰيَةٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ سُوْرَتَيْنِ وَلَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ

اور وہ ایک آیت ہے قرآن کی جو سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی ہے اور نہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے

وَلَا مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ وَقَرَءَ الْفَاتِحَةَ وَسُوْرَةً مَّعَهَا اَوْثَلٰثَ اٰيَاتٍ

اور نہ کسی اور سورت کا اور پڑھے فاتحہ اور سورت یا تین آیتیں۔

توضیح اللغۃ:...... حذاء مقابل، تہلیل لا الہ الا اللہ کہنا، مستفتحًا در آنحالیکہ ثناء پڑھنے والا ہو، مسبوق جس سے نماز کا شروع حصہ فوت ہو گیا ہو۔

تشریح الفقہ:......قولہ حذاء اذنیہ الخ احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانیکی حد کانوں کی لو تک ہے اور امام شافعی کے یہاں کاندھوں تک اور ان کی دلیل حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے کہ ''انہوں نے اصحاب رسول کی ایک جماعت میں یہ فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز محفوظ ہے۔ میں نے آپکو دیکھا کہ جب (ابتدائی) تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ کاندھوں کے برابر اٹھاتے اھ'' (بخاری) احناف کی دلیل حضرت مالک بن حویرث کی حدیث ہے جو صحیحین میں ہے اور وائل بن حجر کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے اور سب حدیثوں میں تطبیق کے پیش نظر یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ ہتھیلی کاندھوں کے بالمقابل انگوٹھے کان کی لو کے سامنے اور انگلیوں کے سرے کان کے آخری حصہ تک پہنچ جائیں۔

قولہ ولو شرع الخ نماز شروع کرتے وقت خواہ فرض ہو یا نفل تکبیر تحریمہ ضروری ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ حدیث ''تحریمہا التکبیر'' پانچ صحابہ سے مروی ہے جس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن اگر کوئی شخص تکبیر یعنی اللہ اکبر کی بجائے دیگر اسمائے الٰہی مثلاً اللہ اجل، اللہ اعظم، الرحمٰن اکبر، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ میں سے کسی نام کے ساتھ شروع کرے تو کیا یہ بھی

جائز ہوگا؟ سو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کے نزدیک تو جائز ہے اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں سوائے اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کے۔ امام شافعی صرف پہلے دو کے ساتھ جائز مانتے ہیں۔ امام مالک کے یہاں افتتاح صلوٰۃ صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص ہے اور اگر کوئی شخص فارسی زبان میں نماز شروع کرے یا نماز میں بزبان فارسی قرأت کرے یا ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عجز بھی جائز ہے، صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عربی زبان میں اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور شیخ ابوبکر رازی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کا اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلینا ثابت ہے اور اسی پر اعتماد ہے (تحقیق الجہر بالبسملۃ)

قولہ وسمی سرا الخ امام اعظم، احمد، ثوری کے نزدیک الحمد کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے امام مالک کے نزدیک بسم اللہ فرض نمازوں میں الحمد یا سورۃ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ کو بھی آواز سے پڑھے، کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے (دارقطنی عن ابی ہریرہ وابن عباس وابن عمر بمعناہ، حاکم، عن علی وعمار) حضرت بریدہ، جابر بن عبداللہ، ام سلمہ، عائشہ سے بھی بسم اللہ کے جہر کی روایتیں ہیں لیکن کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کلام ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ نمونہ کے طور پر چند راویوں کا حال سن لو: دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے جس میں خالد بن الیاس راوی کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ "ھو منکر الحدیث" ابن معین کہتے ہیں کہ "لیس بشئی" نسائی کہتے ہیں "روی احادیث موضوعۃ" حضرت علی سے روایت کی ہے جس میں عمرو بن شمر روای ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ "کثیر الموضوعات" جوزجانی کہتے ہیں زائغ کذاب" بخاری کہتے ہیں "منکر الحدیث" نسائی، دارقطنی ازدی کہتے ہیں "متروک الحدیث" "ابن حبان کہتے ہیں" کان رافضیا یسب الصحابہ" جعفر جعفی جو عمرو بن شمر کے شیخ ہیں ان کی حالت سنئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ "مارأیت اکذب من جابر الجعفی" حاکم نے ابن عباس سے رعایت کی ہے اس میں عبداللہ بن عمرو بن حسان روای ہے۔ ان کے متعلق علی بن المدینی فرماتے ہیں۔ "کان یضع الحدیث" ابوحاتم کہتے ہیں "کان یکذب" ابن عدی کہتے ہیں "احادیثہ مقلوبات" غرضیکہ بسم اللہ کے جہر کی کوئی روایت بھی ضعف سے خالی نہیں اس لئے احناف ترک جہر کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت انس بن مالک کی روایت ہے جس کو بخاری اور مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان سب ہی کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو بھی بسم اللہ کی قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ نسائی احمد ابن حبان دارقطنی کی روایت کے الفاظ ہیں۔ **فکانو لایجھرون** الخ طبرانی، ابونعیم، ابن خزیمہ کی روایت کے الفاظ ہیں" **وکانوا یسرّون ببسم اللہ اہ**" زیلعی کہتے ہیں کہ **رجال ھذہ الرواۃ کلھم ثقات مخرج لھم فی الصحیح جمع**" امام ترمذی نے ترک جہر کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے" **والعمل علیہ عندا کثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منھم ابو بکرو عمرو عثمان وعلی و غیرھم ومن بعد ھم من التابعین و بہ یقول سفیان الثوری وابن لمبارک واحمد واسحق۔**

قولہ وھی آیۃ الخ تسمیہ سے متعلق چار مسئلے ہیں۔ (۱) یہ قرآن کا جزء ہے یا نہیں۔ (۲) سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا نہیں (۳) ہر سورہ کا جزء ہے یا نہیں۔ (۴) سورۂ فاتحہ کے ساتھ اس کو جہراً پڑھا جائے یا سرّاً مسئلہ (۴) کی تحقیق تو اوپر پیش کی جاچکی ہے[1] کی تحقیق یہ ہے کہ بعض لوگوں کا قول قرآن سے بسملہ کی نفی کا ہے جیسے امام مالک احناف کی ایک جماعت اور امام احمد کے بعض اصحاب اور منشاء نفی یہ ہے کہ قرآن کا ثبوت بلا دلیل قطعی اور بلا تواتر نہیں ہے لہذا بسملہ کو قرآن سے خارج ماننا پڑیگا قاضی ابوبکر باقلانی نے کچھ اسی قسم کی راہ لی ہے مگر یہ قول بالکل مردود اور ساقط الاعتبار ہے۔ اس واسطے کہ صحابہ کرام نے قرآن پاک کو ہر اس چیز سے خالی کردیا جو قرآن سے نہیں ہے

اور یہ بات بطریق نقل متواتر قطعی اور یقینی ہے کہ جو کچھ بین الدفتین ہے وہ قرآن ہے اگر ایک ایک آیت کو لے کر اس طرح تفریق کی جائے تو جو قرآن بین الدفتین مکتوب ہے خود اس کا کلام الٰہی ہونا بے وثوق ہو جائیگا۔ بہر کیف یہ قول کسی حدیث سے بھی قابل اعتنا اور مسموع نہیں ہو سکتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے اب سورۃ فاتحہ ہر سورت کا جز ہے یا نہیں؟ سو امام شافعی فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے یہی ایک روایت امام احمد سے ہے اور حضرت حمزہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہر سورت کا جزء ہے یہی قول حضرت عطاء، زہری، ابن کثیرؒ عاصم، کسائی کا ہے۔ امام شافعی کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے نماز میں قرأت شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھی۔ پھر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: "انی لاشبھکم صلوۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" (نسائی ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکمؒ دار قطنی بیہقی) جواب یہ ہے کہ اس روایت کا مدار نعیم مجمر پر ہے حضرت ابو ہریرہ کے آٹھ سو سے زائد شاگردوں کی بھاری جماعت میں سے کوئی بھی بسم اللہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ پھر یہ روایت بخاری اور مسلم کی صحیح روایت کے معارض کیسے ہو سکتی ہے جس میں بسم اللہ کا نام تک نہیں ہے۔ دوسری روایت دار قطنی کی ہے جسکا آغاز بایں طور ہے کہ "جب بندہ نے بسم اللہ پڑھی تو اللہ نے فرمایا کہ بندے نے مجھے یاد کیا اھ" جواب یہ ہے کہ اس روایت میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان راوی ہے۔ جس کو امام مالک، ہاشم بن عروہ، احمدؒ ابن معینؒ ابن حبانؒ ابوداؤدؒ نسائی وغیرہ نے متروک بلکہ کذاب کہا ہے نیز، یہی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے جس کا آغاز "الحمد للّٰہ" سے ہے پس دار قطنی کی روایت صحیح مسلم کی روایت کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتی شوافع کے مستدلات میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی روایتیں ہیں مگر سب ضعیف اور معلول ہیں، اسی لئے احناف، ابن المبارک، داؤد، احمد بن حنبل اور دیگر محققین اہل علم نے یہ کہا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء اور اسکی ایک آیت ہے لیکن کسی مخصوص سورہ فاتحہ کا جزء نہیں بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے نازل ہونے پر سورتوں کا فصل پہچانتے تھے (ابوداؤد، حاکم وقال انہ صحیح علی شرط الشیخین) امام ترمذی نے سورہ "تبارک الذی" کی فضیلت کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ایک سورۃ تیس آیت کی ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے یہاں تک جھگڑا کیا کہ اسکو چھڑا لیا" اس سورۃ میں بالاتفاق تیس آیتیں بسم اللہ کے علاوہ ہیں معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز نہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان سورۃ فاتحہ تقسیم ہے۔ پس نصف میرا ہے اور نصف میرے بندہ کا ہے بندہ کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا جب بندہ کہتا ہے "الحمد للّٰہ رب العالمین" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی اھ" حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کے خارج از فاتحہ ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا وضاحت ہو سکتی ہے کہ حدیث میں تقسیم الحمد سے شروع ہے نہ کہ بسم اللہ سے۔ سوال حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور سات کا عدد بسم اللہ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ جواب جب صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو چکا کہ تقسیم مذکور کا آغاز الحمد سے ہے تو پہلی آیت الحمد سے مانی جائیگی۔ اور "غیر المغضوب اھ" کو آخری آیت کہا جائیگا اس طرح سات آیتیں ہو جاتی ہیں۔

تنبیہ: بسم اللہ کے سلسلہ میں جو اختلاف اوپر مذکور ہوا کہ قرآن سے ہے یا نہیں سورت کا جزء ہے یا نہیں یہ اس بسم اللہ کے متعلق ہے جو اوائل سور میں مکتوب ہے رہا سورۃ نمل کی آیت "انہ من سلیمان اھ" کا بسملہ سو یہ بالاجماع سورہ نمل کا جزء ہے۔

وَأَمَّنَ الْإِمَامُ وَالْمَأْمُوْمُ سِرًّا وَكَبَّرَ بِلَا مَدٍّ وَرَكَعَ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهُ

اور آمین کہے امام اور مقتدی آہستہ اور تکبیر کہے ہمزہ اور باء کو بڑھائے بغیر اور رکوع کرے اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو کھول دے

وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ وَسَوّٰى رَأْسَهُ بِعَجُزِهٖ وَسَبَّحَ فِيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ

اور پیٹھ کو بچھادے اور سر کو برابر کرلے سرین کے اور تسبیح کہے اس میں تین بار پھر سر اٹھائے

توضیح اللغۃ:......امّن تامینا۔آمین کہنا۔ماموم مقتدی۔مد دراز کرنا،بسط بچھانا،پھیلانا،سوّی برابر کرنا،عجز سرین۔

تشریح الفقہ:......قولہ سرا الخ نفس آمین کہنے میں تو کسی کو اختلاف نہیں سب کے نزدیک مسنون ہے کیونکہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اختلاف اس میں ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کہیں یا ان میں سے کوئی ایک،سو امام مالک کی رائے یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کہے۔کیونکہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام تو اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کیجائے لہذا اس سے اختلاف مت کرو۔پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو اور جب ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو (مسلم وغیرہ) اس حدیث سے امام مالک یہ سمجھے کہ یہ تقسیم ہے لہذا امام کے حصہ میں اتمام قرائت ہے اور مقتدی کے حصہ میں آمین ہے مگر اس سے تقسیم سمجھنا صحیح نہیں۔کیونکہ اسی حدیث کے اخیر میں صراحت ہے کہ "فان الامام یقولها" امام بھی اسی کو کہتا ہے معلوم ہوا کہ تقسیم مراد نہیں اس لئے احناف کہتے ہیں کہ بعد ختم فاتحہ سب آمین کہیں خواہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو۔دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آمین آہستہ کہنا افضل ہے یا آواز کیساتھ۔سو ہمارے نزدیک مطلقاً آہستہ کہنا سنت ہے یہی امام شافعی کا قول جدید اور امام مالک کی ایک روایت ہے۔امام شافعی کا قول قدیم جو شوافع کا مذہب ہے یہ ہے کہ امام ومقتدی سب آمین بالجہر کہیں۔یہی امام احمد کا قول ہے دلیل حضرت وائل کی حدیث ہے کہ "جب حضور صلعم ولا الضالین کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے" (ابوداؤد بلفظ "رفع بها صوته" ترمذی بلفظ مد بها صوته) جواب یہ ہے کہ حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ سفیان نے بواسطہ سلمہ بن کہیل نقل کئے ہیں اور یہی روایت حضرت شعبہ نے بھی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "وخفض بها صوته" پس دونوں روایتیں متعارض ہیں اب یا تو دونوں میں تطبیق دیجائے اور یہ کہا جائے کہ نہ تو آپ بہت زور سے چلائے اور نہ آواز بالکل پست کی بلکہ قدرے آواز سے کہی اس صورت میں دونوں روایتوں کا مفہوم متحد ہو جائیگا۔یا پھر اذا تعارضا تساقطا کی رو سے کوئی دوسری قوی حدیث تلاش کیجائے،قائلین بالجہر کے پاس کوئی قوی روایت نہیں ہے۔ہمارے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعود کا اثر موجود ہے جس میں ثنا،تعوذ،تسمیہ آمین کے اخفاء کا حکم دیا گیا۔(عبد الرزاق)

فائدہ:

لفظ آمین میں کئی لغتیں ہیں (۱) آمین بروزن یاسین فقہا نے اسی کو اختیار کیا ہے (۲) امین بروزن قرین (۳) آمن بروزن ضامن یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔(۴) آمّین بروزن ضالین بقول صاحبین جائز ہے مگر سنت ادا نہ ہوگی۔(۵) آمّن (۶) اَمَّن (۷) اَمِنْ یہ تینوں ناجائز ہیں۔

قولہ بلا مد الخ تکبیر اس طرح کہنی چاہئے کہ اللہ کے الف کو خفیف فتحہ دیکر بڑھائے نہیں اور لام کو مد کرے اور ہاء کو پیش کیساتھ پڑھے اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو دراز نہ کرے ورنہ استفہام ہو جائیگا یعنی کیا اللہ بڑا ہے؟ اگر ایسا کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی البتہ آواز بڑھانے کے لئے لام پر مد کرنا جائز ہے لیکن اس میں بھی افراط نہ ہو۔نیز اکبر کی باء پر مد کرنا بھی بعض کے نزدیک مفسد نماز ہے کیونکہ اکبار کبر کی جمع ہے بمعنی ڈھول اور بعض نے شیطان کا نام کہا ہے۔بہر حال یہ بھی فحش غلطی ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

وَاكْتَفَى الْإِمَامُ بِالتَّسْمِيْعِ وَالْمُؤْتَمُّ بِالتَّحْمِيْدِ وَالْمُنْفَرِدُ يَجْمَعُهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ وَوَضَعَ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَدَيْهِ ثُمَّ وَجْهَهٗ بَيْنَ كَفَّيْهِ

اور اکتفا کرے امام سمع اللہ لمن حمدہ اور منفرد اور مقتدی ربنا لک الحمد پر پھر تکبیر کہے اور پہلے زمین پر گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان

بِعَكْسِ النُّهُوْضِ وَسَجَدَ بِاَنْفِهٖ وَجَبْهَتِهٖ وَكُرِهَ بِاَحَدِهِمَا وَبِكَوْرِ عِمَامَتِهٖ وَاَبْدٰى ضَبْعَيْهِ

اٹھنے کے برعکس اور سجدہ کرے ناک اور پیشانی ہر دو پر،ان میں سے ایک پر یا پگڑی کے پیچ پر مکروہ ہے اور ظاہر کرے دونوں پہلو کو

وَيُجَافِيْ بَطْنَهٗ عَنْ فَخِذَيْهِ وَوَجَّهَ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَالْقِبْلَةِ وَسَبَّحَ فِيْهِ ثَلٰثًا وَالْمَرْاَةُ تَنْخَفِضُ

اور علیحدہ رکھے پیٹ کو رانوں سے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے اور سجدہ میں تین بار تسبیح کہے اور عورت سجدہ پست کرے

وَتَلْزِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ مُكَبِّرًا وَجَلَسَ مُطْمَئِنًّا وَكَبَّرَ وَسَجَدَ مُطْمَئِنًّا

پس پیٹ کورانوں سے چمٹالے پھر تکبیر کہتا ہوا سراٹھائے اور مطمئن ہوکر بیٹھ جائے اور تکبیر کہے اور اطمینان کیساتھ دوسرا سجدہ کرے

وَكَبَّرَلِلنُّهُوْضِ بِلاَ اعْتِمَادٍ وَقُعُوْدٍ وَالثَّانِيَةُ كَالْاُوْلٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَايُثْنِيْ وَلَا يَتَعَوَّذُ وَلَايَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّافِيْ فَقَعَسٍ صَمْعَجٍ

اور اٹھنے کے لئے تکبیر کہے سہارالئے اور بیٹھے بغیر اور دوسری رکعت پہلی کی طرح ہے بجز آنکہ ثناء وتعوذ نہ پڑھے اور ہاتھ نہ اٹھائے مگر فقعس صمعج میں

فَاِذَا فَرَغَ مِنْ سَجْدَتَيِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ يُمْنَاهُ وَوَجَّهَ اَصَابِعَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ

اور جب فارغ ہوجائے دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھ جائے اور دائیں کو کھڑا کرلے اور اسکی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے

وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَبَسَطَ اَصَابِعَهٗ وَهِيَ تَتَوَرَّكُ وَقَرَءَ تَشَهُّدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَفِيْمَا بَعْدَ الْاُوْلَيَيْنِ

اور ہاتھوں کورانوں پر رکھ لے اور انگلیاں کھلی رکھے اور عورت تورک کرے اور تشہد پڑھے جو ابن مسعود سے مروی ہے اور پہلی دورکعتوں کے بعد میں

اِكْتَفٰى بِالْفَاتِحَةِ وَالْقُعُوْدُ الثَّانِيْ كَالْاَوَّلِ وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَدَعَا مَايُشْبِهُ الْقُرْآنَ اَوِ السُّنَّةَ

اکتفاء کرے فاتحہ پر اور دوسرا قاعدہ پہلے کی طرح ہے اور تشہد پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور ایسی دعا کرے جو مشابہ قرآن وحدیث ہو

لاَ كَلَامَ النَّاسِ فَسَلَّمَ مَعَ الْاِمَامِ كَالتَّحْرِيْمَةِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَيَسَارِهٖ نَاوِيًا لِلْقَوْمِ وَالْحَفَظَةِ وَالْاِمَامِ فِيْ جَانِبِ الْاَيْمَنِ

نہ کہ لوگوں کی گفتگو کے مشابہ ہو اور سلام پھیرے امام کے ساتھ تحریمہ کی طرح دائیں بائیں نیت کرتا ہوا قوم کی اور ملائکہ کی اور امام کی دائیں یا بائیں جانب

اَوِ الْاَيْسَرِ اَوْ فِيْهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا وَنَوَى الْاِمَامُ بِالتَّسْلِيْمَتَيْنِ وَجَهَرَ بِقِرَآءَةِ الْفَجْرِ وَاُوْلَيَيِ الْعِشَائَيْنِ

یا ان دونوں میں اگر ٹھیک امام کے پیچھے ہو اور نیت کرے امام قوم کی دونوں سلاموں میں اور قرأت آواز سے کرے فجر میں اور عشاء کی پہلی دورکعتوں میں

وَلَوْ قَضَاءً وَالْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَيُسِرُّ فِيْ غَيْرِهَا كَمُتَنَفِّلٍ بِالنَّهَارِ وَخُيِّرَ الْمُنْفَرِدُ فِيْمَا يُجْهَرُ كَمُتَنَفِّلٍ بِاللَّيْلِ

اگرچہ قضاء ہی ہو اور جمعہ میں اور عیدین میں اور ان کے علاوہ میں آہستہ کرے دن میں نفل پڑھنے والے کی طرح اور منفرد جہری نمازوں میں مختار ہے رات میں نفل پڑھنے والے کی طرح

توضیح اللغۃ: تسمیع سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہنا، نہوض اٹھنا، کور پگڑی کا پیچ ضبع بازو۔ بغل، جافی علیحدہ رکھے۔ تخفض پست کرے، تلزق چمٹالے، لایثنی: ثناء نہ پڑھے، افترش بچھالے۔ تورک سرین پر سہارالیکر بیٹھنا۔ حفظہ ملائکہ جو حفاظت کرتے ہیں۔ محاذی مقابل۔

تشریح الفقہ: قولہ واکتفی الا مام الخ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام صرف سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ومنفرد ربنا لک الحمد۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ امام بھی آہستہ سے ربنا لک الحمد کہہ لے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپؐ دونوں کو جمع کرتے تھے۔ (بخاری عن ابی ہریرہ وابن عمر، مسلم عنہ وابن ابی اوفی وعلی) امام صاحب کی دلیل ارشاد نبوی ہے کہ "جب امام سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو" (صحاح غیر ابن ماجہ عن ابی ہریرہ مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، احمد عن الاشعری، حاکم عن الخذری) اس روایت سے تقسیم معلوم ہوتی ہے کہ امام صرف سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مقتدی بھی سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے، اقطع نے امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے مگر غریب ہے۔

تنبیہ: منفرد کے حق میں تین اقوال ہیں (۱) صرف تسمیع، یہ معلّی کی روایت ہے جو بواسطۂ ابو یوسف امام صاحب سے مروی ہے۔ صاحب سراج نے شیخ الاسلام سے اسی کی تصحیح نقل کی ہے (۲) صرف ربنا الحمد ، مصنف نے کتاب کافی میں" اور صاحب مبسوط نے

اسی کی تصحیح نقل کی ہے اور اکثر مشائخ اسی پر عمل درآمد ہیں۔حلوانی اور طحاوی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ (۴) تسمیع و تحمید دونوں ، یہ حسن کی روایت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اصح قرار دیا ہے اور صدر الشہید نے کہا ہے۔ ''وعلیہ الاعتماد'' صاحب مجمع نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ دونوں کو جمع کرنا حضور صلعم سے ثابت ہے جس کا محمل حالت انفراد کے سوا اور کوئی نہیں، لہذا منفرد رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہو کر تحمید کہے۔

قولہ ولا یرفع یدیہ الخ آٹھ مواقع کے علاوہ پر ہاتھ نہ اٹھائے، مصنف نے ان آٹھ مواقع کی طرف بغرض اختصار ''فقعس صمعج'' کے حروف سے اشارہ کیا ہے فاء سے افتتاح صلوٰۃ قاف سے قنوت، عین سے عیدین، سین سے استلام حجر (حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت) ص سے صفا اور میم سے مروہ پہاڑی، عین سے عرفات، جیم سے جمرات کی رمی کی طرف اشارہ ہے۔ان مواقع میں رفع یدین کا ثبوت روایت ابن عباس سے ہے جس کو رسالہ ''رفع الیدین'' میں تعلیقاً طبرانی نے معجم میں بزار نے مسند میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حاکم و بیہقی نے سنن میں بتغیر الفاظ ذکر کیا ہے، سوال:۔ حدیث میں تو سات مواقع کا ذکر ہے اور یہاں آٹھ مذکور ہیں جواب: صفا و مروہ بلحاظ سعی موضع واحد کے حکم میں ہیں سوال: مواقع مذکورہ کے علاوہ کی علی الاطلاق نفی کرنا صحیح نہیں کیونکہ استسقاء اور دعاء وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جواب: یہاں علی الاطلاق نفی مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بطریق سنت مؤکدہ ہاتھ اٹھانے کے مواقع یہی ہیں پس رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ اٹھانا ہمارے یہاں مسنون نہیں۔

قولہ افترش الخ داہنا پاؤں کھڑا کرنا اور بایاں پاؤں بچھانا احناف کے نزدیک مسنون ہے ابو حمید کی روایت میں قعدہ اولیٰ میں بچھانا اور قعدہ ثانیہ میں تورک آیا ہے جو امام شافعی کا مسلک ہے امام مالک کے یہاں دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے امام احمد کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں افتراش، پاؤں بچھانا اور چار رکعت والی نماز کے پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے میں تورک مسنون ہے۔احناف نے افتراش کو اس لئے اختیار کیا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے اور اس کو تشہد میں سنت کہا گیا ہے پھر حضورؐ سے پہلے اور دوسرے قعدہ کی کیفیت میں کوئی فرق منقول نہیں جن احادیث میں آپؐ سے تورک منقول ہے وہ آپ کے ضعف و کبر سنی کا زمانہ تھا۔

قولہ وھی تتورک الخ عورت کے لئے تورک (بائیں سرین پر بیٹھنا اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکالنا اس لئے ہے کہ اس میں پردہ پوشی بھی زیادہ ہے اور عورت کے حق میں سہل تر بھی ہے۔

قولہ تشہد ابن مسعود الخ احادیث تشہد مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں عینی نے نو تشہدوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے امام شافعی کے یہاں ابن عباس کا تشہد اولیٰ ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، امام صاحب کے یہاں تشہد ابن مسعود اولیٰ ہے، (صحاح ستہ) وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کو ترمذی، خطابی، ابن المنذر، ابن عبدالبر نے اس باب میں اصح قرار دیا ہے پھر اس میں صیغہ امر ہے جو کم از کم استحباب کیلئے ہوتا ہے نیز اس میں الف لام استغراقی اور واؤ کی زیادتی ہے جو نئے کلام کیلئے آتا ہے اور اس تشہد میں تعلیم کی تاکید بھی موجود ہے۔

وَلَوْتَرَکَ السُّوْرَةَ فِیْ اُوْلَی الْعِشَاء قَرَءَ هَا فِی الْاُخْرَیَیْنِ مَعَ الْفَاتِحَةِ جَهْرًا وَلَوْتَرَکَ الْفَاتِحَةَ لَا

اور اگر چھوڑ دی سورت عشاء کی پہلی دو میں تو پڑھ لے اسکو پچھلی دو میں فاتحہ کے ساتھ جہرا اور اگر چھوڑ دیا فاتحہ کو تو اسکی قضاء نہ کرے

وَفَرْضُ الْقِرَآءَ ةِ اٰیَةٌ وَسُنَّتُهَا فِی السَّفَرِ الْفَاتِحَةُ وَاَیُّ سُوْرَةٍ شَآءَ وَفِی الْحَضَرِ طِوَالُ الْمُفَصَّلِ لَوْ فَجْرًا

اور فرض قرأت ایک آیت ہے اور مسنون قرأت سفر میں فاتحہ ہے اور ایک سورت جون سی چاہے اور اقامت میں طوال مفصل کی سورتیں ہیں اگر فجر ہو

اَوْظُهْرًا وَاَوْسَاطُهٗ لَوْعَصْرًا اَوْعِشَآءً وَقِصَارُهٗ لَوْ مَغْرِبًا وَيُطَالُ فِیْ اُوْلَی الْفَجْرِ فَقَطْ

یا ظہر ہو اور اوساط مفصل ہیں اگر عصر یا عشاء ہو اور قصار مفصل ہیں اگر مغرب ہو اور فجر میں پہلی رکعت کو دراز کیا جائے

وَلَمْ يَتَعَيَّنْ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لِلصَّلٰوةِ وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ بَلْ يَسْمَعُ وَيُنْصِتُ وَاِنْ قَرَأَ اٰيَةَ التَّرْغِيْبِ اَوِ التَّرْهِيْبِ

اور نماز کے لئے قرآن کی کوئی سورت متعین نہیں اور مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ سنتا رہے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت رغبت یا آیت خوف پڑھے

اَوْخَطَبَ اَوْصَلّٰی عَلَی النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالنَّائِيْ كَالْقَرِيْبِ

یا خطبہ پڑھنے والا خطبہ دے یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور دور بیٹھنے والا پاس والے کے حکم میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو ترک الخ اگر کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ کی قرأت کی۔ کسی اور سورت کی قرأت نہیں کی تو وہ آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ مع سورت پڑھے فاتحہ بطور معمول اور سورت بطور قضاء اور اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ چھوڑ دی صرف سورت کی قرأت کی تو آخر کی رکعتوں میں فاتحہ کا اعادہ یعنی فاتحہ کی قضاء نہ کرے۔ یہ حکم تو طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں قضاء نہ کرے کیونکہ سورۂ فاتحہ اور سورت میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر واجب ہے اور بلا دلیل واجب کی قضاء نہیں ہوتی اور یہاں قضاء کرنے کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا قضاء نہ ہوگی طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی مشروعیت اس طرح ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھے پھر سورت پس جس صورت میں اس نے پہلی دو رکعتوں میں صرف سورت پڑھی ہے اگر اخیر کی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قضاء کرلے گا تو ایسا ہو جائیگا کہ گویا پہلے سورۂ پڑھی پھر فاتحہ اور یہ خلاف موضوع ہے اور پہلی صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی لہٰذا اخیر کی رکعتوں میں قضاء ممکن ہے کہ معمول کے مطابق سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورت کی قضاء کرلے گا۔

فائدہ: اس مسئلہ میں چار قول ہیں اول تو یہی جو متن میں مذکور ہوا اور یہی ظاہر الروایہ ہے دوم اس کا عکس یعنی فاتحہ کو قضاء کرے نہ کہ سورۂ کو یہ شیخ عیسیٰ بن ابان کا قول ہے۔ سوم امام ابو یوسف کا قول کہ دونوں میں سے کسی کو قضاء نہ کرے چہارم یہ کہ فاتحہ وسورت ہر دو کو قضا کرے یہ حسن بن زیاد کی روایت ہے پھر بعض کے نزدیک قضاء میں سورت کو مقدم کرے اور بعض کے نزدیک فاتحہ کو مقدم کرے۔

قولہ و فرض القراءۃ الخ نماز میں قرأت کی کم سے کم مقدار جو فرض ہے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک آیت ہے چھوٹی ہو یا بڑی اور صاحبین کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے۔ کیونکہ اس سے کم کی صورت میں وہ قرأت کرنیوالا نہیں کہلائیگا۔ امام صاحب کی دلیل ارشاد باری ہے "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" یعنی اسقدر پڑھو جو آسان ہو قرآن سے اور سفر میں مسنون قرأت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اسکے ساتھ جو سورت چاہے پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت فرمائی۔ (ابو داؤد، ابن حبان، حاکم، احمد، ابن ابی شیبہ، طبرانی عن عقبہ بن عامر) اور اقامت کی حالت میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک مسنون ہے۔ اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج سے لم یکن تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے سورۂ ناس تک، حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس مقدار قرأت کی یہی تفصیل لکھ کر بھیجی تھی۔ (عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی)۔

بحث قرأت خلف الامام

قولہ ولا یقرأ المؤتم الخ یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کچھ پڑھے یا نہیں فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ فاتحہ پڑھے اور نہ سورت خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ یہی قول اکابر صحابہ کی ایک جماعت کا ہے اور تابعین میں سے ابن المسیب، عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر، زہری، شعبی، نخعی، اسود، ثوری، ابن ابی لیلیٰ اوزاعی، مالک، احمد، ابن عیینہ، ابن المبارک کا ہے مگر اوزاعی، مالک، ابن المبارک نماز جہری میں منع فرماتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک بلحاظ قول قدیم سری نماز میں اور باعتبار قول جدید سری ہو یا جہری ہر نماز میں مقتدی فاتحہ پڑھے۔ اور رافعی نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سری نماز میں بھی واجب نہیں ہے یہی قول لیث،

ابوثور، ثوری کا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ امام و مقتدی جس طرح دوسرے ارکان قیام، قعود، رکوع، سجود میں مشترک ہیں اسی طرح رکن قرأت میں بھی مشترک ہونے چاہئیں، نقلی دلیل حضرت عبادہ بن ثابت کی مرفوع حدیث ''لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب ہے اسکی نماز ہی نہیں جس نے فاتحہ نہ پڑھی (صحیحین) وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں علی الاطلاق قرأت فاتحہ کا وجوب ہے کیونکہ اس میں امام منفرد مقتدی وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ لہذا مقتدی پر بھی واجب ہے احناف کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے ''اذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا'' جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن پاک کے وقت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن کی تعظیم و احترام کے واسطے دیا ہے لیکن یہ حکم نماز میں جبکہ امام جہر کرے زیادہ تاکید کیساتھ مؤکد ہے چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام تو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کیجائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو''۔ شیخ عمادالدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ''واذاقرئ القرآن اه'' نماز کے بارے میں ہے اور یہی عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے سفیان ثوری نے ابوہاشم اسماعیل ابن کثیر کے واسطے سے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اور سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ شعبی، سدی، عبدالرحمٰن، زید سبھوں نے فرمایا ہے کہ مراد آیت میں نماز ہے بیہقی نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے دوسری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''من کان له امام فقرائة الامام له قراءة'' جس نمازی کا امام ہو تو اس امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے (ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، ابن عدی، طبرانی، احمد بن جابر، دارقطنی، مالک عن ابن عمر، طبرانی، ابن عدی عن، الخدری، دارقطنی عن ابی ہریرہ و ابن عباس، ابن حبان عن انس) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بطریق متعددہ حضرت جابر بن عبداللہ، بن عمر ابوسعید خدری وغیرہ سے مروی ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ خود حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ اور صحیح اسناد کیساتھ مرفوع ثابت ہے چنانچہ بقول حافظ ابن کثیر اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر سے مرفوع روایت کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں حضرت جابر سے موقوف روایت بھی ہے اور ظاہر ہے کہ امام احمد کا اس کو روایت کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ امام احمد نے ثلاثی روایت ثقہ راویوں سے روایت کی ہے جن میں کوئی کلام نہیں پس دارقطنی کا یہ کہنا غلط ہوا کہ حضرت جابر کی مرفوع روایت صحیح نہیں ضعیف ہے۔ نیز احمد بن منیع نے جو امام ترمذی وغیرہ کے شیخ ہیں اپنی مسند میں سفیان و شریک سے بخاری و مسلم کی شرط پر مرفوع روایت کیا ہے لہذا دارقطنی و بیہقی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سفیان و شریک نے اس حدیث کو ''عن عبدالله بن شداد عن النبی اه'' بلا ذکر جابر یعنی مرسلاً روایت کیا ہے۔

قوله والنائی الخ جو شخص منبر سے دور ہو اور آواز نہ سن پاتا ہو اس کو بھی خاموش رہنا چاہئے۔ کیونکہ سننا اور خاموش رہنا دو فرض ہیں اگر دوری کی وجہ سے سننا ممکن نہیں تو دوسرا فرض خاموش رہنا ممکن ہے لہذا اسی پر قائم رہے۔

محمد حنیف غفرلہ

بَابُ الاِمَامَةِ

باب امامت کے بیان میں

قوله باب الامامة: امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ، کبریٰ سیر کی کتابوں میں امامت کبریٰ کی تعریف یہ ہے، ہی استحقاق تصرف عام علی الانام "یعنی خلق خدا پر تصرف عام کا استحقاق امامت کبری ہے علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اس تعریف میں خلل ہے کیونکہ استحقاق تصرف امامت کا اثر ہے نہ کہ اس کی حقیقت پس صحیح وہ ہے جو مقاصد میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف سے نیابت کے طور پر لوگوں کا دینی و دنیاوی مصالح کی حفاظت کے لئے ریاست عامہ کو امامت کبریٰ کہتے ہیں" مسلمانوں کے لئے کسی قائد اور امام کا مقرر کرنا نہایت ضروری اور واجبات دین میں سے ہے۔ کیونکہ بہت سے واجبات شرعی امامت پر موقوف ہیں مثلاً احکام جاری کرنا۔ اعمال بد کی سزا دینا، دشمنوں کے خطرات سے مسلمانوں کی حفاظت کرنا۔ صدقات وصول کرنا۔ سرکشوں کی گردن پکڑنا۔ چور اور راہزنوں کو زیر کرنا، جمعہ اور عیدین کو قائم کرنا اثبات حقوق کے سلسلہ میں گواہیاں سننا، مال غنیمت تقسیم کرنا وغیرہ امامت صغریٰ امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز کے وابستہ ہونے کو کہتے ہیں جس کے لئے دس شرطیں ہیں۔ (۱) نیت اقتداء، اگر مقتدی نے اقتداء کی نیت نہ کی تو نماز نہ ہوگی۔ (۲) اتحاد مکان اگر امام اور مقتدی کے درمیان نہر حائل ہو تو نماز نہ ہوگی۔ (۳) اتحاد نماز اگر امام ظہر کی نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی عصر کی نیت کرلے تو نماز نہ ہوگی (۴) مقتدی کے اعتقاد میں امام کی نماز کا صحیح ہونا۔ اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز فاسد ہوگئی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ (۵) عورت کا برابر میں نہ ہونا کیونکہ عورت کی محاذات مفسد نماز ہے۔ (۶) مقتدی کی ایڑی کا امام سے آگے نہ ہونا اگر ایڑیاں برابر ہوں یا پاؤں بڑا ہونیکی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں آگے بڑھی ہوئی ہوں تو اقتداء درست ہے (۷) مقتدی کو اپنے امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کا علم ہونا خواہ امام کو دیکھنے سے ہو یا آواز سننے سے ہو یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر ہو (۸) مقتدی کو اپنے امام کا حال معلوم ہونا کہ وہ مقیم ہے یا مسافر خواہ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا بعد میں پاس اگر امام نے چار رکعت والی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ اس نے بھول کر دو پڑھیں یا سفر کی وجہ سے تو نماز نہ ہوگی۔ (۹) مقتدی کے لئے لائق امامت ہونا مثلاً اگر امام ارکان اشارہ سے ادا کرتا ہو تو مقتدی بھی اشارہ سے کرتا ہو یا مقتدی اشارہ کرنیوالا ہو اور امام رکوع اور سجدہ کرنیوالا ہو تو اقتداء درست ہوگی۔ یہ کل شرطیں صحت اقتداء کی ہیں اگر ان میں سے کوئی شرط فوت ہوگی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ پھر امامت کے لئے بھی کچھ شرطیں ہیں (۱) امام کا مسلمان ہونا۔ (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) مرد ہونا (۵) بقدر ما یجوز بہ الصلوۃ قاری ہونا (۶) اعذار مانعہ جریان، نکسیر، پیشاب، تتلاہٹ وغیرہ سے سلامت ہونا، اقتداء و امامت کی یہ کل سولہ شرطیں ہوئیں جن کو علامہ ابن عابدین نے ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

اِخی ان ترم ادراک شرط القدوة	فذالک عشر قداتاک معدوا
تاخر موتم وعلم انتقال من	به ائتم مع کون المکانین واحدا
وکون امام لیس دون تبیعه	بشرط وارکان ذینه الاقتداء
مشارکهٗ فی کل رکن علمه	بحال امام حل ام سارا مبعدا
وان لا تحاذبه التی معه اقتدت	وصحة ماصلی الامام من ابتداء
کذالک اتحاد الفرض بذا تمامها	دست شروط اللامامة فی المدی
بلوغ واسلام وعقل وذکورة	قراة مجزود وانتفار مانع اقتداء

اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَالْاَعْلَمُ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ ثُمَّ الْاَقْرَءُ ثُمَّ الْاَوْرَعُ ثُمَّ الْاَسَنُّ

جماعت سنت مؤکدہ ہے اور سب سے زیادہ عالم لائق تر ہے امامت کے پھر سب سے اچھا پڑھنے والا پھر سب سے زیادہ پرہیز گار پھر سب سے زیادہ عمر والا

تشریح الفقہ: قولہ الجماعۃ الخ جماعت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ فرض عین ہے یعنی ہر شخص پر فرض ہے یہ امام احمدؒ کا قول ہے مگر صحتِ نماز کے لئے شرط نہیں ہے فرض کفایہ ہے اگر بعض نے جماعت کرلی تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہے یہ قول امام شافعی اور ان کے جمہور اصحاب کا ہے۔ (۳) واجب ہے عام مشائخ حنفیہ کا یہی قول ہے چونکہ اس کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے اس واجب کو سنت کہتے ہیں(۴) سنت موکدہ ہے یہ بعض حضرات کا قول ہے جس کو مصنف نے اختیار کیا ہے۔

فائدہ: گھر یا بازار میں تنہا نماز پڑھنے سے مسجد میں جماعت کیساتھ پڑھنا پچیس گنا افضل ہے اور حدیث ابن عمر میں ۲۷ گنا مذکور ہے اور جس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے نماز فجر جماعت سے پڑھی تو گویا تمام رات نماز پڑھی (مسلم، ابوداؤد، ترمذی) مسجد میں جماعت کے لئے دور سے اندھیری رات میں آ کر انتظار کرنیوالے کے لئے زیادہ ثواب ہے۔ (صحیحین)

قولہ والاعلم احق الخ لوگوں میں جو عالم بالسنہ ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے اور سنت سے مراد احکام شرعیہ یعنی فقط احکام نماز ہے۔ بشرطیکہ اس قدر اچھی طرح پڑھ سکتا ہو جس سے نماز جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک بہتر قرأت کرنے والا اولی ہے جبکہ بقدر ضرورت نماز کا علم رکھتا ہو۔ اس لئے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور نماز میں علم کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آئے۔ عینی نے یہ قول دوسرے ائمہ کا بھی بتایا ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کی وجہ سے ہے۔ اور علم کی ضرورت تمام ارکان میں ہے لہذا تمام ارکان کی ضرورت مقدم ہوگی۔ پھر اگر تمام اہل جماعت اس علم میں برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ ''قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب کا بہتر قاری ہو پھر اگر یہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے (اصحاب ستہ غیر البخاری) اور صحابہ میں جو قاری قرآن ہوتا تھا وہ عالم بالسنۃ بھی ہوتا تھا اس لئے وہ سب کے سب علم میں برابر ہوتے تھے البتہ ادائیگی قرأت میں فرق تھا اس لئے حدیث میں قاری قرآن کو مقدم کرنے کا ذکر ہے اور آج کل اکثر و بیشتر قاری خوبی قرأت میں کامل ہوتے ہیں لیکن دین کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی۔ لہذا آجکل عالم ہی کو مقدم کرنا چاہئے۔ البتہ اگر علم میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو بہتر قاری ہو وہ مقدم ہوگا، اور اگر علم و قرأت میں بھی برابر ہوں تو جو اورع ہو وہ اولیٰ ہے ورع یہ ہے کہ جن چیزوں میں شرعاً شبہ ہو اگر چہ ان کا ارتکاب جائز ہو ان سے بھی پرہیز کرے اور تقوی یہ ہے کہ حرام و مکروہ تحریمی سے بچ جائے اور اگر ان میں بھی سب برابر ہوں تو جو ان میں عمر رسیدہ ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ہم میں سے نہیں جو اپنے بڑوں کی توقیر نہ کرے اور جب اس کو امام بنایا تو یہ اسکی توقیر ہوئی نیز معمر کو مقدم کرنے سے جماعت میں کثرت ہوگی اور جماعت کی کثرت اللہ کو پسندیدہ ہے اور اگر عمر میں سب برابر ہوں تو بہتر اخلاق والا اولیٰ ہے حدیث میں ہے کہ ''جو تم میں سے خوبی اخلاق میں بڑھ کر ہیں۔ وہ بہتر ہیں اور اگر اخلاق حسنہ میں بھی سب برابر ہوں تو بہتر حسب والا مقدم ہوگا۔ اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو حسین و جمیل چہرہ والا اولیٰ ہے پھر مصنف نے ''کافی'' میں خوبصورتی کی جو تفسیر کی ہے کہ ''نماز تہجد کی کثرت سے ہو'' یہ کچھ نہیں ہے بلکہ ظاہری معنی مراد ہیں اور اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو اشرف النسب اولیٰ ہے اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس کو قوم پسند کرے وہ اولیٰ ہے بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں قرعہ اندازی کیجائے اور بعض نے کہا ہے کہ مسافر سے مقیم اولیٰ ہے اسی طرح جس کا اسلام مقدم ہو وہ اولیٰ ہے۔

وَكُرِهَ اِمَامَةُ الْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْمُبْتَدِعِ وَوَلَدِالزِّنَا وَتَطْوِيْلُ الصَّلٰوةِ وَجَمَاعَةُ النِّسَآءِ

اور مکروہ ہے امامت غلام کی گنوار کی بدکار بدعتی کی نابینا ئی حرامزادے کی اور مکروہ ہے نماز کو لمبا کرنا اور مکروہ ہے عورتوں کی جماعت

فَاِنْ فَعَلْنَ تَقِفُ الْاِمَامُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاتِ وَيَقُوْمُ الْوَاحِدُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاِثْنَانِ خَلْفَهٗ

پس اگر جماعت کریں تو امام درمیان میں کھڑا ہو ننگوں کی جماعت کی طرح اور ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں اور دو ہوں تو اس کے پیچھے کھڑے ہوں۔

توضیح اللغۃ: عبد غلام، اعرابی دیہاتی، مبتدع بدعتی، اعمٰی نابینا، ولد الزنا حرامی، عراۃ عار کی جمع ہے بمعنی ننگا۔

تشریح الفقہ: قولہ و کرہ الخ غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر چہ اس کو آزاد کر دیا گیا ہو کیونکہ غلامی کی حالت میں اس کو تحصیل علم کی فرصت نہیں ملتی۔ دیہاتی و گنوار کی امامت بھی جہل ہی کی وجہ سے مکروہ ہے اسی طرح فاسق کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے دین کے معاملہ میں کچھ بھی اہتمام نہ کر سکے گا اور اس لئے بھی کہ امامت بلسان شرع ایک قسم کی تکریم ہے اور فاسق کی تکریم مکروہ ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس کی امامت جائز ہی نہیں، نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ نابینا ہونیکی وجہ سے پورے طور پر نجاست سے احتیاط نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ نجاست کا صرف احتمال ہے اس لئے اسکی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کسی ذریعے سے نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کر لیتا ہو تو بلا کراہت جائز ہے نیز اگر نابینا قوم کے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو وہ اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتومؓ اور عتبان بن مالک کو جو نابینا تھے جہاد میں جاتے وقت مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تھا اور امامت وغیرہ کا کام بھی انجام دیتے تھے مبتدع یعنی خلاف حق دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنیوالے کی امامت بھی مکروہ ہے ولد الزنا (حرامی) کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نہ تو اس کا باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا عزیز جو اس کا انتظام کرے بلکہ لوگ عادۃً شفقت کے بجائے اس سے نفرت کرتے ہیں اگر چہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا یہی امام شافعی کا قول اور امام مالک سے ایک روایت ہے دوسری روایت کے لحاظ سے مکروہ نہیں ہے یہی امام احمد اور ابن منذر کا قول ہے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا لوگوں کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب ان پر جہل کا غلبہ ہو اور قوم بھی ناپسند کرتی ہو اور ان کے علاوہ کوئی ان سے اولیٰ موجود بھی ہو۔ اور اگر یہ لوگ صاحب علم ہوں اور قوم پسند کرتی ہو تو بلا کراہت جائز ہے البتہ فاسق کو امام بنانا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں۔ اسکے باوجود اگر بنا دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ ہر نکوکار و بدکار کے پیچھے نماز پڑھ لو' (دارقطنی) ابن عمر و انس رضی اللہ عنہم نے حجاج ثقفی کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت بن مسعود نے ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھی جس نے ایک روز نشہ میں نماز پڑھائی۔

قولہ و تطویل الصلوۃ الخ اور امام کا نماز میں طول دینا بھی مکروہ ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص امامت کرے اس کو چاہئے کہ جماعت میں جو کمزور، بیمار، بوڑھے، حاجتمند لوگ ہیں ان جیسی نماز پڑھائے" یعنی ان کی رعایت رکھے۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ)

قولہ و جماعۃ النساء الخ محض عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے نفل ہو یا فرض کیونکہ جماعت کرنے میں ان کا امام آگے نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ درمیان میں کھڑا ہوگا جو مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور کا فعل دائمی آگے کھڑا ہونا تھا، ننگوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور اگر عورتیں یا ننگے جماعت کریں بھی تو امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔ کیونکہ آگے ہونے کی صورت میں کشف عورت زیادہ ہوگا۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کا کم کرنا واجب ہے۔

وَیَصِفُ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْیَانُ ثُمَّ الْخُنَاثیٰ ثُمَّ النِّسَآءُ فَاِنْ حَاذَتْهُ مُشْتَهَاةٌ فِیْ صَلٰوةٍ مُشْتَرَکَةٍ تَحْرِیْمَةً وَّاَدَآءً

اور صف بندی کی جائے مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی اور اگر مرد کے برابر بالغ عورت مطلق نماز میں کہ جو تحریمہ اور اداء کی

فِیْ مَکَانٍ مُّتَّحِدٍ بِلاَ حَائِلٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ اِنْ نَوَی الْاِمَامُ اِمَامَتَهَا وَلاَیَحْضُرْنَ الْجَمَاعَةَ

رو سے مشترک ہو ایک ہی جگہ بدون آڑ کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی اگر امام نے اسکی امامت کی نیت کر لی اور عورتیں جماعت میں نہ آئیں۔

توضیح اللغۃ: صبیان جمع صبی۔ بچہ، خناثی جمع خنثیٰ، ہیجڑا، حاذتہ محاذاۃ مقابل میں ہونا۔ مشتہاۃ شہوت والی عورت، حائل آڑ۔

تشریح الفقہ: قولہ و یصف الخ امام کے پیچھے سب سے پہلے مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی، کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے اصحاب علم و عقل مجھ سے قریب رہیں پھر وہ لوگ جوان سے ملتے ہوئے ہوں (مسلم عن ابن مسعود) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی صف بناتے تو مردوں کو لڑکوں کے آگے صف میں اور لڑکوں کو پیچھے اور عورتوں کو لڑکوں کے پیچھے کرتے۔

(حارث عن ابی مالکؓ)

قولہ وان حاذتہ الخ اگر کوئی عورت نماز میں آکر مرد کے برابر نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز کی تحریمہ میں مشترک ہوں تو ایسی صورت میں اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کر لی۔ تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ یہ مسئلہ مبنی بر استحسان ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی بھی نماز فاسد نہ ہو جیسے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوتی یہی امام شافعی کا قول ہے دلیل استحسان ارشاد نبوی ''اخروھن من حیث اخرھن اللہ'' ہے اس حدیث سے فرضیت کا ثبوت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے جو قطعی الدلالۃ ہوتی ہے پھر خاص کر مرد کی نماز اس۔ لئے فاسد ہے کہ اس امر کا مخاطب وہی ہے یعنی مردوں کو حکم ہے کہ تم عورتوں کو موخر کرو اور اس نے اس کے خلاف کیا لہذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی پھر عورت کی محاذاۃ کا مفسد صلوۃ ہونا ان شرطوں پر موقوف ہے۔ (۱) محاذاۃ مرد اور عورت میں ہو، اگر لڑکے اور عورت میں ہو یا مرد اور لڑکی میں ہو یا مرد اور خنثیٰ مشکل میں ہو تو یہ مفسد نہیں (۲) محاذیہ عورت مشتہاۃ ہو جس کی تعیین بعض لوگوں نے نو برس کیساتھ کی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچی ہوئی ہو یا قابل جماع ہو۔ (۳) عاقلہ ہو، محاذات مجنونہ مفسد نہیں۔ (۴) دونوں کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جس کا موٹاپا ایک انگل ہو۔ (۵) دونوں ساق اور ٹخنے محاذی ہوں (۶) اصل نماز رکوع و سجود والی ہو، پس نماز جنازہ میں محاذات مفسد نہیں (۷) محاذاۃ ایک رکن کامل میں ہو۔ (۸) امام نے عورت کے امام ہونے کی نیت کی ہو بلا نیت محاذات مفسد نہیں۔ (۹) ارکان میں دونوں مشترک ہوں اگر مرد و عورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان کو حدث ہوا اور وضو کر کے آکر پڑھنے لگے اور عورت اسکی محاذی ہوگئی پس اگر امام کی تیسری و چوتھی رکعات میں عورت محاذی ہو جوان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی اور اگر دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری و چوتھی میں جا کر عورت محاذی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۱۰) مکان متحد ہو محاذات مفسد ہونے کی یہ دس شرطیں ہیں پس مسئلہ محاذات کا حاصل یہ نکلا کہ ایسی عورت کا محاذی ہونا جو مشتہاۃ ہو اور اسکی امامت کی نیت مرد کے ساتھ نماز مطلقہ کے ایک رکن میں ہوگئی ہو درانحالیکہ دونوں تحریمہ و اداء میں مع اتحاد مکان کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر مشترک ہوں تو یہ مرد کی نماز کے لئے مفسد ہے۔

قولہ ولا یحضرن الخ ایسی جوان عورتوں کا جن سے جماع کی رغبت ہو جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے جب حضرت عمر کے منع کرنے پر عورتوں نے حضرت عائشہ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلعم اب جیسے نمازی کی حالت دیکھتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئیں اسی طرح تم کو بھی منع کیا جاتا۔

وَفَسَدَ اقْتِدَاءُ رَجُلٍ بِامْرَأَةٍ اَوْصَبِیٍّ وَطَاهِرٍ بِمَعْذُوْرٍ وَقَارِئٍ بِاُمِّیٍّ وَمُكْتَسٍ بِعَارٍ

اور فاسد ہے مرد کی اقتداء عورت یا بچے کے پیچھے اور طاہر کی معذور کے اور قاری کی ان پڑھ کے اور کپڑا پہنے ہوئے کی ننگے کے

وَغَيْرِ مُؤْمٍ بِمُؤْمٍ وَمُفْتَرِضٍ بِمُتَنَفِّلٍ وَبِمُفْتَرِضٍ اٰخَرَ لَا اِقْتِدَاۤءُ مُتَوَضٍّ بِمُتَيَمِّمٍ

اور بلا اشارہ پڑھنے والے کی اشارہ کنندہ کے اور فرض پڑھنے کی نفل یا دیگر فرض پڑھنے والے کے پیچھے، نہ کہ وضو کنندہ کی تیمم کنندہ کے پیچھے

وَغَاسِلٍ بِمَاسِحٍ وَقَائِمٍ بِقَاعِدٍ وَبِاَحْدَبَ وَمُؤْمٍ بِمِثْلِهٖ

اور دھونے والے کی مسح کرنے والے کے پیچھے اور کھڑا ہونے والے کی بیٹھنے والے کے اور کوزہ پشت کے پیچھے اور اشارہ کنندہ کی اپنے جیسے کے پیچھے

وَمُتَنَفِّلٍ بِمُفْتَرِضٍ وَاِنْ ظَهَرَ اَنَّ اِمَامَهٗ مُحْدِثٌ عَادَ وَاِنِ اقْتَدٰى اُمِّیٌّ وَقَارِئٌ بِاُمِّیٍّ

اور نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے پیچھے، اگر ظاہر ہوا کہ امام بے وضو تھا تو نماز لوٹائے اگر امی اور قاری نے کسی امی کی اقتداء کی

اَوِسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا فِی الْاُخْرَيَيْنِ فَسَدَتْ صَلٰوتُهُمْ.

یا پچھلی دو رکعتوں میں امی کو خلیفہ بنادیا تو سب کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

توضیح اللغۃ: امی ان پڑھ مکتس لباس پہننے والا، مراد ستر چھپانیوالا۔ عار ننگا، مومی اشارہ کیساتھ نماز پڑھنے والا، احدب کوزہ پشت کبڑا محدث ناپاک بے وضو۔

تشریح الفقہ: قولہ وفسد اقتداء الخ مرد کے لئے عورت کی اقتداء کرنا صحیح نہیں کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ امام کے لئے مرد ہونا شرط ہے عورت امام نہیں ہوسکتی، نابالغ بچہ کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نابالغ بچہ کی نماز نفل ہوتی ہے اور اقتداء مفترض خلف المتنفل جائز نہیں مشائخ بلخ نے نوافل مطلقہ اور تراویح میں بچہ کے پیچھے بالغ کی اقتداء کو جائز مانا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ فرض نماز ہو یا نفل واجب ہو سنت کسی میں بھی اقتداء صحیح نہیں معذور کے پیچھے غیر معذور کی نماز بھی صحیح نہیں کیونکہ مقتدی کی بہ نسبت امام کا اعلیٰ حال ہونا یا کم از کم برابر ہونا شرط ہے جیسا کہ ہم شروط حالات کے ذیل میں مفصل طور پر بیان کر کے آئے ہیں اور یہاں اس کا عکس ہے امام شافعی کے نزدیک اصح قول میں معذور کے پیچھے تندرست کی نماز جائز ہے۔ احناف میں سے امام زفر کا قول بھی یہی ہے اور قاری امی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ دیگر ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے اسی طرح ستر واجب ڈھانکنے والا ننگے کی اقتداء نہیں کرسکتا ہے کیونکہ امی اور ننگے کی حالت کی بہ نسبت قاری اور لباس پہننے والے کی حالت قوی ہے اور جس کی حالت قوی ہو وہ ہی امام بن سکتا ہے نیز غیر مومی یعنی رکوع اور سجدہ کرنیوالا اشارہ کرنیوالے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، زہری حسن، یحییٰ بن سعید، مجاہد سب کا یہی قول ہے، یہی امام مالک سے روایت ہے اور یہی امام احمد کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے اسواسطے کہ اقتداء ایک وجودی چیز ہے نہ کہ عدمی پس فرض میں اقتداء یہ ہے کہ مقتدی اپنے فرض کو امام کے فرض میں اقتداء کے طور پر مبنی کرے۔ حالانکہ صورت مفروضہ میں امام کے حق میں وصف فرضیت معدوم ہے کیونکہ وہ نفل پڑھ رہا ہے لہذا اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ اور ایک فرض پڑھنے والا دیگر فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شروط اقتداء میں سے یہ بھی ہے کہ امام اور مقتدی کی نماز متحد ہو اور یہاں اتحاد مفقود ہے لہذا اقتداء بے سود ہے۔

قولہ لا اقتداء الخ تیمم کرنیوالے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یہ شیخین کا قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور شیخین کے نزدیک تیمم پانی کا خلیفہ ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث شیخین کے مذہب کی موید ہے جس کو بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ لشکر کا

سردار بنا کر بھیجا جب لوگ واپس آئے تو آپ نے عمرو کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ نیک سیرت ہے لیکن ایک روز ہم کو حالت جنابت میں نماز پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو سے دریافت فرمایا تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں سردی کی رات میں محتلم ہوگیا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤنگا اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کے قول ''لاتلقوا بایدیکم الی التهلكة'' کو پڑھا اور تیمم کر کے نماز پڑھا دی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیساتھ فرمایا ''یا لک من فقیه عمر و بن العاص'' اور لوگوں کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔

وغاسل الخ اور پاؤں دھونیوالا موزوں پر مسح کرنیوالے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ موزہ قدم تک حدث کو پہنچنے نہیں دیتا اس لئے حدث سے پاؤں کی طہارت زائل نہ ہوگی اور موزوں پر جو کچھ حدث کا اثر ہوا اس کو مسح نے زائل کر دیا اس لئے موزے والے کی طہارت پاؤں دھونے والے کی طرح باقی ہے نیز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے، امام محمد کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں اقتداء صحیح نہیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے نیز صحیح حدیث میں ہے کہ ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' لیکن جمہور نے اس قیاس کو اس نص صریح کیوجہ سے ترک کر دیا جو صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی یعنی سب سے آخری ظہر کی نماز اتوار کے روز بیٹھ کر پڑھائی اور قوم نے آپکے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کی رہی حدیث مذکور سو بخاری نے تصریح کی ہے کہ یہ منسوخ ہے اور اشارہ کرنیوالا اپنے جیسے اشارہ کرنیوالے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں کی حالت برابر ہے۔ اور صحت اقتداء کے لئے حالت کی برابری معتبر ہے اور نفل پڑھنے والا فرض پڑنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے قوی ہے۔

قوله وان طهر الخ اگر نماز پڑھ لینے کے بعد امام کا حالت حدث میں نماز پڑھانا معلوم ہو تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اقتداء سے پہلے معلوم ہو جائے تو بالاجماع اقتداء کرنا جائز نہیں۔ پہلی صورت میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں ہر ایک کی نماز علیحدہ ہے ہماری دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے (ابوداؤد، ترمذی عن ابی ہریرہ) اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام قوم کی نمازوں کا صرف صحت وفساد کے اعتبار سے ذمہ دار ہے اور جب آدمی محدث اور جنبی ہو تو اسکی نماز بالاجماع باطل ہے لہذا امام جن کی نمازوں کا ضامن تھا انکی نمازیں بھی فاسد ہونگی۔ واما الحدیث ''واذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة من خلفه'' فغریب۔

قوله وان اقتدى الخ اگر امام امی ہو اور اسکے پیچھے کچھ لوگ قاری ہوں اور کچھ امی ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے صاحبین کے نزدیک امیوں کی نماز ہو جائیگی کیونکہ معذور کے پیچھے معذور کی نماز جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امی نے باوجود قدرت قرأت کے فرض قرأت کو ترک کیا ہے کیونکہ اس کے لئے وسعت تھی کہ وہ خود امام نہ بنتا بلکہ قاری کو امام بناتا۔ لہذا امام کی نماز فاسد ہے اور جب امام کی نماز فاسد ہوگئی تو سب کی فاسد ہوگئی۔ نیز اگر امام نے اولیین میں قرأت کی اور کسی عذر سے آخریین میں امی کو خلیفہ بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ امام زفر کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ فرض قرأت ادا ہو چکی ہے۔ اور اخریین میں قرأت نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مسنون ہے لہذا امی وقاری دونوں برابر ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقۃً نماز ہے اس لئے کوئی رکعت قرأت سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔ خواہ قرأت تحقیقاً ہو یا تقدیراً۔ چنانچہ اولیین میں قرأت تحقیقاً ہے اور اخریین میں تقدیراً۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ الْحَدَثِ فِی الصَّلوٰۃِ

باب نماز میں بے وضو ہو جانے کے بیان میں

مَنْ سَبَقَهُ حَدَثٌ تَوَضَّأَ وَبَنٰى اَوِسْتَخْلَفَ لَوْكَانَ اِمَامًا كَمَا لَوْ حَصَرَ عَنِ الْقِرَآءَ ةِ

جس شخص کا وضو (نماز میں) ٹوٹ جائے وہ وضو کر کے بنا کر لے اور خلیفہ بنادے اگر امام ہو جیسے اگر وہ قرأت سے عاجز ہو جائے (تو اس کو چاہئے کہ خلیفہ کر دے)

تشریح الفقہ :قولہ باب الحدث الخ حدث مزیل طہارت ایک وصف شرعی ہے جو اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے (غایۃ البیان) اور جب تک کسی مزیل نجاست کو استعمال نہ کیا جائے اعضاء کیساتھ قائم رہتا ہے اور جن چیزوں کے لئے طہارت شرط ہے ان کی ادائیگی سے مانع ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حدث ان عوارض میں سے ہے جو ہر حال میں مفسد صلوٰۃ نہیں بلکہ کبھی مفسد ہوتا ہے اور کبھی غیر مفسد اس لئے مصنف نے اسکی بحث کو مفسدات صلوٰۃ کی بحث پر مقدم کیا ہے حدث کی صورت میں ازسرنو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز میں جس جگہ وضو ٹوٹ جائے وضو کے بعد وہیں سے شروع کر سکتا ہے۔ جس کو شریعت کی زبان میں بنا کہتے ہیں مگر اس کی صحت کے لئے تیرہ شرطیں ہیں۔ حدث سماوی ہو یعنی حدث اور سبب حدث میں بندہ کو اختیار نہ ہو۔ اگر حدث اختیاری ہو تو بنا درست نہ ہوگی۔ (۲) نمازی کے بدن سے ہو۔ اگر خارج سے مانع صلوٰۃ نجاست لگ جائے تو بنا نہیں کر سکتا۔ (۳) موجب غسل نہ ہو۔ (۴) نادر الوقوع نہ ہو، اگر کھلکھلا کر ہنسا یا بے ہوش ہو گیا تو بنا روا نہیں، (۵) بحالت حدث رکن کامل کی ادائیگی نہ ہو۔ اگر سجدہ میں حدث ہوا اور اس نے بقصد ادا سر اٹھایا تو نماز ازسرنو پڑھنا پڑیگی۔ (۶) آمد و رفت کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کیا ہو، اگر وضو کرنے کے لئے گیا اور واپسی میں قرأت کرتا ہوا آیا تو بنا نہ ہو سکے گی۔ (۷) کسی مخالف نماز فعل کا وقوع نہ ہوا گر درمیان میں کھالیا پی لیا یا کسی سے بات کر لی تو بنا جائز نہ ہوگی۔ (۸) کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جسے نہ کرنے کی نمازی کو گنجائش ہو، اگر پانی پاس ہو اور وہ اس کو چھوڑ کر دور چلا جائے تو بنا درست نہ ہوگی۔ (۹) بلا عذر تاخیر نہ ہو۔ اگر ازدحام نہ ہونیکے باوجود ادائیگی رکن کی مقدار توقف کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (۱۰) حدث سابق کا ظہور نہ ہو اگر موزے پر مسح کی مدت گذر گئی تو بنا جائز نہ ہوگی۔ (۱۱) صاحب ترتیب کو کوئی فائتہ نماز یاد نہ آئے کیونکہ ترتیب والے کے لئے فائتہ نماز کا یاد آ جانا مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ (۱۲) مقتدی کا اپنی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ نماز کو پورا نہ کرنا۔ اگر مقتدی نے وضو کیا تو اسکو چاہئے کہ اسی جگہ آئے جہاں نماز پڑھ رہا تھا الا یہ کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہو البتہ منفرد کو اختیار ہے چاہے پہلی جگہ آئے چاہے وضو کی جگہ تمام کرے۔ (۱۳) امام کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو لائق امامت نہ ہو۔ اگر عورت کو یا نابالغ کو خلیفہ بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

قولہ من سبقہ الخ اگر کسی شخص کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وضو کرے اور جہاں تک نماز ہو چکی تھی وہیں سے شروع کر کے پوری کرلے اور اگر امام ہو تو کسی کو اپنا خلیفہ بنادے۔ نیز قرأت سے عاجز ہو جانے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں بمقتضائے قیاس بناء جائز نہیں۔ کیونکہ حدث منافی نماز ہے۔ نیز وضو کے لئے جانا قبلہ سے منحرف ہونا دونوں مفسد صلوٰۃ ہیں پس یہ حدث عمد کے مشابہ ہو گیا، نقلی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ”جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ لوٹ جائے اور وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے۔ نیز حضرت ابن عباس سے مرفوعاً ثابت ہے کہ ”جب تم میں سے کسی کو نکسیر آئے تو اسے چاہئے کہ لوٹ جائے۔ خون کو دھوئے، وضو کرے اور پھر ازسرنو نماز پڑھے“ ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ”جس شخص کو قے ہوئی یا نکسیر چھوٹی یا مذی نکل آئی تو وہ لوٹ جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پڑھے۔ جب تک کہ کلام نہ کیا ہو“۔ رہا امام شافعی کا استدلال سو اول تو پہلی حدیث میں اسکی تصریح نہیں کہ جب نماز کی طرف لوٹے تو بنا کرے یا نہ کرے دوم یہ کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ علی بن طلق کی حدیث صحت کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ اس میں مسلم بن مسلم ابو عبد الملک مجہول ہے رہی دوسری حدیث سو اسکی اسناد میں سلیمان بن ارقم راوی کو بخاری، احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہ نے متروک کہا ہے۔

وَاِنْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ بِظَنِّ الْحَدَثِ اَوْ جُنَّ اَوِاحْتَلَمَ اَوْ اُغْمِیَ عَلَیْهِ اِسْتَقْبَلَ وَاِنْ سَبَقَه حَدَثٌ بَعْدَالتَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ

اور اگر مسجد سے باہر ہوگیا بے وضو ہوجانے کے خیال سے یا دیوانہ ہوگیا یا بیہوش ہوگیا تو از سر نو پڑھے اور اگر حدث پیش آ گیا تشہد کے بعد تو وضو کرے

وَسَلَّمَ وَاسْتَخْلَفَ لَوْ اِمَامًا وَاِنْ تَعَمَّدَهُ اَوْ تَكَلَّمَ تَمَّتْ صَلوٰتُهُ وَبَطَلَتْ. اِنْ رَاٰى مُتَيَمِّمٌ مَآءً اَوْ تَمَّتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ

اور سلام پھیر دے اور اگر قصداً کیا یا بات کی تو اس کی نماز پوری ہوگئی اور باطل ہوجائیگی اگر دیکھ لے تیمم والا پانی یا پوری ہوجائے مسح کی مدت

اَوْ نَزَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيْرٍ اَوْ تَعَلَّمَ اُمِّیٌّ سُوْرَةً اَوْ وَجَدَ عَارٍ ثَوْبًا اَوْ قَدَرَ مُؤْمٍ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ اَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً

یا نکال دے موزے تھوڑے عمل سے یا سیکھ لے ان پڑھ کوئی سورت یا پالے ننگا کپڑا یا قادر ہوجائے رکوع سجدہ پر اشارہ کنندہ یا یاد آ جائے قضاء نماز

اَوِسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ

یا خلیفہ بنادے ان پڑھ کو یا آفتاب طلوع ہوجائے فجر کی نماز میں یا داخل ہوجائے عصر کا وقت جمعہ کی نماز میں

اَوْ سَقَطَتْ جَبِيْرَتُه' عَنْ بُرْءٍ اَوْ زَالَ عُذْرُ الْمَعْذُوْرِ

یا لکڑی گرجائے زخم اچھا ہونیکے باعث یا زائل ہوجائے معذور کا عذر

توضیح اللغۃ: **قوله وان خرج الخ** اگر کوئی شخص بگمان وقوع حدث مسجد سے نکل گیا پھر معلوم ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو وہ از سر نو نماز پڑھے اور اگر مسجد سے باہر نہ نکلا ہو تو بناء کر لے، امام محمد بمقتضائے قیاس یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی از سر نو پڑھے کیونکہ بلا عذر قبلہ سے انحراف پایا گیا وجہ استحسان یہ ہے کہ اس کا قبلہ سے پھرنا بغرض اصلاح نماز تھا پس قصد اصلاح کو اصلاح کیساتھ لاحق کر دیا گیا۔ اگر نماز میں جنون طاری ہوگیا یا احتلام ہوگیا یا بے ہوشی طاری ہوگئی تب بھی از سر نو پڑھے کیونکہ یہ احداث نادر الوقوع ہیں لہذا ان عوارض کے معنی میں نہ ہوئے جن میں نص وارد ہے۔

قوله وان سبقه الخ اگر تشہد کے بعد حدث لاحق ہو تو وضو کر کے آ کر سلام پھیر دے کیونکہ اسکے فرائض گو پورے ہوگئے مگر ایک واجب یعنی سلام پھیرنا باقی ہے اس واسطے کہ بلا طہارت نماز کی تحلیل نہیں ہوتی اور اگر تشہد کے بعد قصداً حدث کلام یا منافی نماز کوئی اور کام کیا ہو تو نماز پوری ہوگئی کیونکہ عمدی فعل سے تحلیل ہوگئی۔ ظاہر حدیث ابن مسعود ''اذاقلت هذا اه'' کا اقتضاء یہی ہے۔

قوله وبطلت الخ یہاں سے مسائل اثناعشر کا بیان ہے جن میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث پیش آنے سے امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہوجاتی ہے صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہوتی۔ (۱) متیمم نے پانی دیکھ لیا (مراد اسکے استعمال پر قادر ہوگیا) (۲) موزے پر مسح کی مدت پوری ہوگی۔ (۳) موزے بعمل قلیل نکال لئے۔ (۴) امی نے بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قرآن سے سیکھ لیا۔ (۵) ننگے نے ساتر ستر کوئی چیز پالی۔ (۶) اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدہ پر قادر ہوگیا۔ (۷) صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آ گئی۔ (۸) امام نے کسی امی کو خلیفہ بنادیا۔ (۹) فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہوگیا۔ (۱۰) جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہوگیا۔ (۱۱) زخم اچھا ہونے پر پٹی گر گئی۔ (۱۲) معذور کا عذر جاتا رہا۔ ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہوجائیگی کیونکہ یہ افعال اثناء نماز میں واقع ہوئے ہیں۔ جو مفسد ہیں اس لئے کہ ابھی ایک واجب یعنی سلام باقی ہے جو آخر نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسافر دو رکعت کے قعدہ اخیرہ کے بعد اقامت کی نیت کرلے تو اس کا فرض متغیر ہوجاتا ہے ابو سعید بروعی کا خروج بصنعه کو اصل قرار دینا صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے بعد ان کا پیش آنا گویا سلام کے بعد پیش آنا ہے اس لئے مفسد نہیں۔

ـــــ متون میں یہی مذکور ہے فخر الاسلام نے اختیار کیا ہے کہ بالاجماع نماز فاسد نہیں۔ کافی میں لکھا ہے کہ یہی اصح ہے اور کشف الغوامض ومبسوط میں بھی عدم فساد مذکور ہے ۱۲۔

وَصَحَّ اسْتِخْلَافُ الْمَسْبُوْقِ فَلَوْ اَتَمَّ صَلٰوةَ الْاِمَامِ قَدَّمَ مُدْرِكًا لِيُسَلِّمَ بِهِمْ وَتَفْسُدُ بِالْمُنَافِي صَلٰوتُهٗ

اور صحیح ہے نائب بنانا مسبوق کو پس اگر پوری کرادی امام کی نماز تو آگے کردے کسی مدرک کو تاکہ سلام پھیرے اور فاسد ہو جائیگی منافی صلوٰۃ سے اسکی نماز

دُوْنَ الْقَوْمِ كَمَا تَفْسُدُ بِقَهْقَهَةِ اِمَامِهٖ اِخْتِتَامِهٖ لَا بِخُرُوْجِهٖ مِنَ الْمَسْجِدِ وَكَلَامِهٖ

نہ کہ قوم کی جیسا کہ فاسد ہو جاتی ہے اسکے امام کے قہقہہ سے نماز تمام ہونیکے وقت نہ کہ امام کے مسجد سے نکل جانے اور بات کرنے سے

وَلَوْ اَحْدَثَ فِيْ رُكُوْعِهٖ اَوْ سُجُوْدِهٖ تَوَضَّأَ وَبَنٰى وَاَعَادَهُمَا وَلَوْ ذَكَرَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا سَجْدَةً فَسَجَدَهَا

اور اگر بے وضو ہو گیا رکوع میں یا سجدہ میں تو وضو کر کے بنا کرے اور رکوع سجدہ کو بھی لوٹائے اور اگر رکوع یا سجدہ میں سجدہ یاد آیا اور سجدہ کرلیا

لَمْ يُعِدْهُمَا وَتَعَيَّنَ الْمَامُوْمُ الْوَاحِدُ لِلْاِسْتِخْلَافِ بِلَا نِيَّةٍ

تو ان کو نہ لوٹائے اور متعین ہو جاتا ہے ایک مقتدی نائب ہونے کے لئے بدون نیت کے۔

تشریح الفقہ: قولہ وصح الخ مسبوق جس کی ایک یا ایک سے زائد رکعت چھوٹ گئی ہو وہ آکر امام کے ساتھ شریک ہوا پھر اتفاق سے امام کو کوئی حدث لاحق ہو گیا تو ایسی صورت میں کسی مدرک کو خلیفہ بنانا چاہئے مسبوق کو خلیفہ بنانا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ یہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد خود سلام نہیں پھیر سکتا ہے لامحالہ پھر کسی مدرک کو آگے کرنا پڑیگا لیکن اگر مسبوق کو خلیفہ بنا ہی دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صحتِ خلافت کے لئے مشارکت ہونی چاہئے اور یہاں تحریمہ میں باہم مشارکت موجود ہے اب اگر ایسا ہوا کہ مسبوق خلیفہ نے امام کی نماز مکمل کرنے کے بعد کوئی منافی نماز فعل کیا تو مسبوق مذکور کی اور مقتدیوں میں جو لوگ مسبوق ہوں ان سب کی نماز فاسد ہو جائیگی البتہ مقتدیوں میں جو لوگ مدرک ہیں جنہوں نے شروع سے آخر تک پوری نماز پائی ہے انکے حق میں چونکہ یہ منافی نماز فعل تکمیل ارکان کے بعد پایا گیا ہے۔ اس لئے ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یہ صورت امام اول کو پیش آجائے مثلاً اس نے شروع سے قعدہ اخیرہ تک نماز پوری کرنے کے بعد خروج مسجد یا کلام کئے بغیر قہقہہ لگایا تو ان تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائیگی جو شروع سے نماز میں شریک نہیں رہے لیکن خود امام کی اور ان لوگوں کی نماز فاسد نہ ہوگی جو شروع سے نماز میں شریک رہے ہوں۔

قولہ ولو احدث الخ اگر کسی کو رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہو جائے تو وضو کر کے بنا کرلے اور جس رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہوا ہے اس کا اعادہ کرے کیونکہ یہ رکن طہارت کیساتھ مکمل ادا نہیں ہوا۔ اور اگر رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر کوئی سجدہ ہے خواہ سجدۂ تلاوت ہو یا سجدہ نماز اور اس نے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھا کر چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کی تو ان دونوں صورتوں میں اس رکوع یا سجدہ کو نہ لوٹائے۔ کیونکہ نماز کے افعال مشروعہ مکررہ میں ترتیب شرط نہیں البتہ طہارت کیساتھ منتقل ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں پایا گیا ہاں امام ابو یوسف کے نزدیک رکوع کا اعادہ لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھانا فرض عملی ہے سوال مصنف نے اپنی کتاب ''وافی'' میں سجدہ تلاوت یا سجدہ قضاء والی صورت میں بھی یہی کہا ہے کہ جس رکوع یا سجدہ میں یاد آیا ہے اس کو لوٹائے جواب: بہتر تو یہی ہے کہ لوٹالے تاکہ حتی الامکان تمام افعال مرتب واقع ہو جائیں لیکن لوٹانا ضروری نہیں پس یہاں اصلیت کا بیان ہے اور وافی میں افضلیت کا بیان ہے۔

۱؎ اولم یتعرض لصلوٰۃ الامام المحدث لان فیہ اختلافا والصحیح انہ ان کان فرغ لاتفسد صلوٰۃ، وان لم یفرغ تفسد صلوٰۃ لانہ صار ماموما بالخلیفۃ بعد الخروج من المسجد ۱۲ بحر الرائق

۲؎ ای اذا کان خلف الامام شخص واحد فاحدث الامام تعین ذلک الواحد للامامۃ عینہ الامام بالنیۃ اولم یعینہ لما فیہ من صیانۃ الصلوٰۃ وتعیین الاول تقطع المز احمۃ ولا مزاحم وصار الامام موتما اذا خرج من المسجد ۱۲

بَابُ مَایُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ وَمَا یُکْرَہُ فِیْھَا

باب مفسدات ومکروہات نماز کے بیان میں

یُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ التَّکَلُّمُ وَالدُّعَاءُ بِمَا یَشْبَہُ کَلامَنَا وَالْاَنِیْنُ وَالتَّاَوُّہُ وَارْتِفَاعُ بُکَآئِہٖ مِنْ وَجْعٍ اَوْ مُصِیْبَۃٍ

فاسد کردیتا ہے نماز کو بات کرنا اور ایسی دعا کرنا جو ہمارے کلام کے مشابہ ہو اور کراہنا اور اوہ اوہ کرنا اور آواز سے رونا درد یا مصیبت کی وجہ سے

اِلَّا مِنْ ذِکْرِ جَنَّۃٍ اَوْنَارٍ وَالتَّنَحْنُحُ بِلَاعُذْرٍ وَجَوَابُ عَاطِسٍ بِیَرْحَمُکَ اللّٰہُ

نہ کہ جنت یا دوزخ کو یاد کر کے رونا اور بلاعذر کھنکھارنا اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کیساتھ جواب دینا۔

توضیح اللغۃ: انین کراہنا۔ تاؤہ اوہ اوہ کرنا، بکاء رونا، وجع درد، تنحنح کھنکھارنا، عاطس چھینکنے والا۔

قولہ باب مایفسد الخ عوارض واعذار دو قسم کے ہوتے ہیں سماوی واضطراری اور اکتسابی واختیاری، قسم اول کا بیان باب سابق میں ہو چکا۔ ثانی کی دو قسمیں ہیں۔ مفسدات وغیر مفسدات، اول کی پھر دو قسمیں ہیں قولی و فعلی اس باب میں عوارض اختیاریہ کو بیان کیا جائیگا۔

قولہ مایفسد الصلوۃ الخ نماز میں کلام کرنا مفسد صلوۃ ہے خواہ کلام کم ہو یا زائد عمداً ہو یا خطاء سہواً ہو یا نسیاناً، مجبوراً ہو یا اختیاراً مصلحۃً ہو یا بلا مصلحت امام شافعی کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔ جس کو نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے کہ اگر کلام عمداً اور بلا مصلحت ہو تو بالا جماع نماز فاسد ہے اور اگر نماز کی مصلحت کیلئے ہو مثلاً پانچویں رکعت کے لئے اٹھتے وقت امام سے کہا کہ چار ہو چکیں تو یہ بھی مفسد ہے یہی جمہور فقہا کا مذہب ہے۔ اور اگر زبردستی مجبور کئے جانے پر بولا تو امام شافعی کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مفسد ہے اور بھول چوک سے بولنا ان کے نزدیک مفسد نہیں الا یہ کہ طویل ہو، دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ نے میری امت سے خطاونسیان اور اس چیز کو اٹھالیا جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔ احناف کی دلیل حضور کا یہ اشاد ہے کہ ہماری نماز ایسی ہے کہ اس میں کلام وغیرہ کرنا زیبا نہیں یہ تو محض تسبیح وتہلیل، قرأت قرآن ہے امام مسلم نے یہ حدیث نسخ کلام کے باب میں معاویہ بن حکم سلمی سے طول کیساتھ روایت کی ہے حضرت زید بن ارقم وابن مسعود کی روایات میں تصریح ہے کہ ''پہلے لوگ نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے بعد میں اسکی ممانعت ہوگئی رہا امام شافعی کا استدلال سو اول تو اسکی صحت میں محدثین کو کلام ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکرات جعفر بن جبیر میں سے ہے ابن ماجہ طبرانی ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ غریب ہے ابو حاتم فرماتے ہیں کہ گویا یہ موضوع ہے عقیلی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل موضوع ہے بتقدیر صحت وثبوت ہماری حدیث اصح واعلی اور صریح مانع ہے۔ جس کا مقابلہ امام شافعی والی حدیث نہیں کر سکتی۔ اور اگر مساوات ہی تسلیم کرلیں تب بھی امام شافعی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ''ان اللہ وضع اہ'' میں وضع سے مراد گناہ دور کرنا ہے یعنی بھول چوک اور استکراہ پر گناہ اٹھا دیا نہ یہ کہ امت سے بھول چوک اور اکراہ کو دور کر دیا۔ کہ نہ کوئی بھولے گا نہ کسی پر زبردستی ہوگی کیونکہ حضور کا نماز میں بھولنا ثابت ہے معلوم ہوا کہ لفظ سے حقیقت مراد نہیں حکم اور وہ بھی اخروی مراد ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو خطاء قتل کر دیا تو نص قرآنی سے اسپر دیت وکفارہ واجب ہے اور اگر بھولے سے نماز کا کوئی رکن چھوڑ دیا تو بالا جماع نماز فاسد ہے، نشانہ پر تیر لگا رہا تھا چوک کر کسی کے لگ گیا تو گو گناہ نہیں لیکن دیت وکفارہ واجب ہے، امام مالک کے نزدیک کلام مصلحت مفسد نہیں اور نسیان وجہل ملحق بعمد ہیں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کلام مصلحت مفسد نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ مفسد ہے خلال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

عہ... ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم عن ابن عباس ۱۲

وَفَتْحُهٗ عَلٰى غَيْرِ اِمَامِهٖ وَالْجَوَابُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَرَدُّهٗ

اور اپنے امام کے سوا دوسرے کولقمہ دینا اور جواب میں لاالہ الا اللہ کہنا یا اس کا جواب دینا

تشریح الفقہ : **قولہ وفتحہ الخ** اور نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کولقمہ دینا بھی مفسد ہے مثلاً ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا وہ کہیں اٹک گیا قریب میں کوئی نماز پڑھ رہا تھا اس سے اس نے لقمہ چاہا نمازی نے بحالت نماز اس کو لقمہ دیدیا تو نماز فاسد ہوگئی کیونکہ یہ تو ایک قسم کا سیکھنا سکھانا ہوا لہذا یہ کلام ناس میں شمار ہوگا۔ پھر مبسوط میں اس فعل کے مکرر ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ یہ فعل نماز کے افعال میں سے نہیں ہے اس لئے قلیل معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں یہ شرط نہیں کیونکہ کلام تو بذات خود مفسد ہے اگرچہ قلیل ہو۔

فائدہ:

اپنے امام کولقمہ دینے کا کلام سے شمار نہ ہونا مبنی بر استحسان ہے ازروئے قیاس یہ بھی کلام ہونا چاہئے لیکن قیاس کو اس لئے ترک کر دیا گیا کہ مقتدی اپنی نماز کی اصلاح پر مجبور ہے اس لئے یہ لقمہ دینا معنی اسکی نماز کے افعال میں سے ہوگیا اور عمل نماز مفسد نہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز میں تھے آپ پر قرأت کا التباس ہوا فراغت کے بعد حضرت کعب سے فرمایا: تو ہمارے ساتھ حاضر تھا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تو نے لقمہ کیوں نہیں دیا" (ابوداؤد) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اماموں کو لقمہ دیتے تھے (حاکم) حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب امام تجھ سے لقمہ چاہے تو تو اس کو لقمہ دیدے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو لقمہ دیا تو انہوں نے لقمہ لے لیا، صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیت چھوٹ گئی فراغت کے بعد آپ نے لقمہ نہ دینے پر تنبیہ فرمائی۔

تنبیہ:

مقتدی کو چاہئے کہ امام کے بھولتے ہی فوراً لقمہ نہ دے بلکہ انتظار کرے ممکن ہے کہ امام کو یاد آئے، امام کو بھی چاہئے کہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ مثلاً یہ کہ بھولنے کے بعد بار بار پڑھتا رہے یا خاموش کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے اسکو چاہئے کہ اگر وہ ماتجوز بہ الصلوۃ قرأت کر چکا ہو تو رکوع کر دے۔ اور مقدار جواز امام اعظم کے نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں ہیں یہی مفتی بہ ہے بعض روایات میں قرأت استحباب کا اعتبار ہے اور اگر اتنی مقدار نہ ہوئی ہو تو جس آیت پر اٹکا ہے اس کو چھوڑ کر دوسری آیت سے شروع کر دے۔ بہرحال مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ مصنف نے کافی میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

قولہ والجواب الخ کسی نے دریافت کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی معبود ہے؟ نمازی نے جواب میں کہا: لا الہ الا اللہ پس اگر ان کلمات سے جواب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ حمد یا اپنے نماز میں ہونے کا اظہار کیا تو یہ بالاتفاق مفسد نماز ہے اور اگر جواب کا ارادہ کیا تو یہ کلام ہوگیا اور کلام مفسد نماز ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک یہ کلام مفسد نماز نہیں۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ اپنی وضع کے لحاظ سے ثناء وصفت ہے لہذا یہ اپنی اصل وضع پر رہے گا۔ اور نمازی کے ارادہ سے ثناء وصفت کے معنی متغیر نہ ہونگے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ بے شک کلمہ ثناء ہے لیکن اگر کوئی توحید کے متعلق دریافت کرے تو اس کا جواب بھی ہے پس یہ ان دونوں میں مشترک ہوا اور مشترک کے کسی ایک معنی کو کسی قرینہ کے ذریعہ مقرر کرنا ضروری ہے اس لئے اسکے قصد کو مرجح جواب مان کر کلمہ کو جواب قرار دیا جائیگا لہذا یہ کلام صرف جواب ہوا اور سوال وجواب مفسد نماز ہے سوال روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اندر آنے کی اجازت چاہی حضور صلعم نماز میں تھے تو آپنے "ادخلوھا بسلام اٰمنین" پڑھا جواب ممکن ہے۔ حضرتؐ اس آیت پر پہنچے ہوں تو آپ نے زور سے پڑھ دی تا کہ آپکا نماز میں ہونا ظاہر ہو جائے مگر یہ اس وقت ہے جب حدیث مذکور صحیح ہو ورنہ جواب کی کوئی حاجت نہیں۔ (قالہ شمس الائمہ السرخسی)

وَافْتِتَاحُ الْعَصْرِ اَوِ التَّطَوُّعِ لَا الظُّهْرِ بَعْدَ رَكْعَةِ الظُّهْرِ وَقِرَاءَتُهٗ مِنْ مُّصْحَفٍ وَاَكْلُهٗ وَشُرْبُهٗ وَلَوْ نَظَرَ اِلٰى مَكْتُوْبٍ

اور شروع کرنا نماز عصر یا نفل کا نہ کہ خود ظہر کا رکعت ظہر کے بعد اور نمازی کا قرآن دیکھ کر پڑھنا اور اس کا کھانا پینا اور اگر کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر سمجھ گیا

وَفَهِمَهٗ اَوْ اَكَلَ مَا بَيْنَ اَسْنَانِهٖ اَوْمَرَّ مَارٌّ فِيْ مَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ لَا تَفْسُدُ وَاِنْ اَثِمَ

یا دانتوں کے درمیان اٹکی ہوئی کوئی چیز کھائی یا کوئی اس کی سجدہ گاہ میں گذر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ گذرنے والا گنہ گار ہوگا

وَكُرِهَ عَبَثُهٗ بِثَوْبِهٖ اَوْبَدَنِهٖ وَقَلْبُ الْحَصٰى اِلَّا لِسُّجُوْدِ مَرَّةً وَفُرْقَعَةُ الْاَصَابِعِ وَالتَّخَصُّرُ وَالْاِلْتِفَاتُ

اور مکروہ ہے نمازی کا اپنے بدن اور کپڑے سے کھیلنا اور کنکریاں ہٹانا مگر سجدہ کے لئے ایک بار اور انگلیاں چٹخانا کولہے پر ہاتھ رکھنا اور ادھر ادھر دیکھنا

وَالْاِقْعَاءُ وَافْتِرَاشُ ذِرَاعَيْهِ وَرَدُّ السَّلَامِ بِيَدِهٖ وَالتَّرَبُّعُ بِلَا عُذْرٍ وَعَقْصُ شَعْرِهٖ وَلَفُّ ثَوْبِهٖ

کتے کی طرح بیٹھنا کہنیوں کو بچھانا ہاتھ سے سلام کا جواب دینا بلاعذر پالتی مار کر بیٹھنا بالو کو گوندھنا کپڑے کو زمین پر گرنے سے بچانا

وَسَدْلُهٗ وَالتَّثَاؤُبُ وَتَغْمِيْضُ عَيْنَيْهِ وَقِيَامُ اِمَامِهٖ فِي الطَّاقِ لَا سُجُوْدُهٗ فِيْهِ

اور اس کو لٹکانا، جمائی لینا، آنکھیں بند کرنا ، امام کا محراب میں کھڑا ہونا نہ کہ اس کا محراب میں سجدہ کرنا

توضیح اللغۃ: اسنان جمع سن دانت، مار گزرنیوالا، اثم گناہ، عبث کھیلنا، حصی کنکریاں، فرقعۃ چٹخانا، تخصر پہلو پر ہاتھ رکھنا اقعاء کتے کی طرح بیٹھنا، ذراع کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ، تربع چہار زانو ہو کر بیٹھنا، عقص بالوں کو گوندھنا، چوٹی بنانا، سدل لٹکانا، تثاؤب جمائی لینا، تغمیض آنکھیں بند کرنا، طاق محراب۔

تشریح الفقہ: قولہ و افتتاح العصر الخ ایک رکعت ظہر پڑھنے کے بعد عصر یا نفل شروع کر دینا بھی مبطل صلوۃ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا اور ایک رکعت پڑھ چکا تھا ظہر پڑھتے پڑھتے عصر کی یا نفل کی نیت کر لی اور اب عصر یا نفل پڑھنے لگا۔ تو اس صورت میں ظہر کی نماز ختم ہو جائیگی۔ اور اگر ایک رکعت ظہر پڑھ لینے کے بعد تکبیر تحریمہ کہکر پھر ظہر شروع کرنے کی نیت کی تو ظہر سے خارج نہ ہوگا اور پہلی رکعت جو پڑھ چکا وہ فرض ظہر ہی میں شمار ہوگی۔

قولہ و قراءتہ الخ نمازی کا قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا بھی مفسد صلوۃ ہے۔ خواہ نمازی امام ہو یا مقتدی یا منفرد، امام محمد نے ''اصل'' میں اور شیخ ابن حزم نے ''محلی'' میں کہا ہے کہ سعید بن میسب حسن بصری، شعبی، سلمی کا قول اور علماء ظاہریہ کا مذہب یہی ہے۔ پھر جامع صغیر و مختصر قدوری میں یہ تفصیل نہیں کہ تھوڑے اور بہت پڑھنے میں حکم جدا ہے۔ مگر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر پوری آیت یا زائد از آیت مصحف سے دیکھ کر پڑھے تو امام اعظم کے نزدیک مفسد ہے ورنہ نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مقدار فاتحہ مفسد ہے اور اس سے کم غیر مفسد، مگر ظاہر یہ ہے کہ قلیل و کثیر کا امام اعظم کے نزدیک مفسد ہونا اور صاحبین کے نزدیک مفسد نہ ہونا برابر ہے۔ اور اسی لئے مصنف نے یہاں مطلق رکھا ہے اور ''کافی'' میں تصریح کی ہے کہ ہر حال میں مفسد ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت قرآن خود ایک عبادت ہے جو ایک دوسری عبادت کیساتھ مل گئی ہے نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا آزاد کیا ہوا ذکوان نامی غلام ماہ رمضان میں حضرت ام المؤمنین کی امامت کرتا اور مصحف میں دیکھ کر پڑھا کرتا تھا (مگر اس روایت کے لئے ثبوت چاہئے رہا نماز میں قرآن کو اٹھانیکا اشکال سو حضور صلعم نے امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر اٹھایا تھا۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اتار دیتے۔ اور جب کھڑے ہوتے تو کندھے پر لے لیتے۔ جب یہ عمل کثیر نہ ہوا تو قرآن اٹھانا بھی عمل کثیر نہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا گویا اس سے سیکھنا ہے پس یہ ایسے ہی ہوا جیسے کسی دوسرے آدمی سے نماز میں سیکھتا گیا اور یہ بالاتفاق مفسد ہے لہذا مصحف سے دیکھ کر پڑھنا بھی مفسد ہے، امام شافعی واحمد کا قول صاحبین جیسا ہے۔ بلکہ بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتفاق سے اس نے نماز میں اوراق بھی لوٹ لئے تب بھی فساد نہیں جیسا کہ نووی نے ذکر کیا ہے۔ (عینی)

وَانفِرَادُ الْاِمَامِ عَلَى الدُّكَانِ وَعَكْسُهٗ وَلُبْسُ ثَوْبٍ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ اَوْيَكُوْنُ فَوْقَ رَأْسِهٖ اَوْبَيْنَ يَدَيْهِ اَوْبِحِذَآئِهٖ صُوْرَةٌ
تنہا امام کا دکان پر کھڑا ہونا اور اس کا عکس ایسا کپڑا پہننا جس میں تصویریں ہوں اور یہ کہ ہو اسکے سر پر یا اس کے سامنے یا اس کے برابر کوئی تصویر

اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَغِيْرَةً اَوْمَقْطُوْعَةَ الرَّأْسِ اَوْلِغَيْرِ ذِىْ رُوْحٍ وَعَدُّ الْاٰىِ وَالتَّسْبِيْحِ لَاقَتْلُ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ
الا یہ کہ بہت چھوٹی یا سر کٹی ہوئی یا بے جان کی تصویر ہو آیتوں اور تسبیحوں کو شمار کرنا اور مکروہ نہیں ہے سانپ اور بچھو کو مارنا

وَالصَّلٰوةُ اِلٰى ظَهْرِ قَاعِدٍ يَّتَحَدَّثُ وَاِلٰى مُصْحَفٍ اَوْسَيْفٍ مُعَلَّقٍ اَوْ شَمْعٍ اَوْ سِرَاجٍ
اور بیٹھے ہوئے باتیں کرنے والے کی پشت کی طرف یا قرآن کی طرف یا لٹکی ہوئی تلوار کی طرف یا شمع یا چراغ کی طرف نماز پڑھنا

اَوْعَلٰى بِسَاطٍ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ اِنْ لَّمْ يَسْجُدْ عَلَيْهَا فَصْلٌ كُرِهَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَآءِ
اور ایسے بستر پر نماز پڑھنا جس میں تصویریں ہوں اگر تصویروں پر سجدہ نہ کرے۔ (فصل) مکروہ ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا بیت الخلاء میں

وَاسْتِدْبَارُهَا وَغَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ وَالْوَطْئُ فَوْقَهٗ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّىْ لَافَوْقَ بَيْتٍ فِيْهِ مَسْجِدٌ
اور اسکی طرف پشت کرنا اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا اور اس کی چھت پر صحبت کرنا اور پیشاب پاخانہ نہ کہ ایسے گھر پر جس کے اندر مسجد ہو

وَلَا نَقْشُهٗ بِالْجَصِّ وَمَآءِ الذَّهَبِ
اور نہ مسجد کو گچ کرنا اور نہ سونے کے پانی سے منقش کرنا۔

توضیح اللغۃ: حذاء مقابل، عد شمار کرنا، آی جمع آیۃ، حیۃ سانپ، عقرب بچھو، سیف تلوار، شمع موم بتی، سراج چراغ، بساط بچھونا، خلاء پاخانہ، استدبار پشت کرنا، غلق بند کرنا، تخلی پاخانہ کرنے کے لئے علیحدہ ہونا، جص چونہ۔

تشریح الفقہ: قولہ کرہ استقبال الخ داخل صلوٰۃ کراہت سے فراغت کے بعد خارج از صلوۃ مکروہات کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ بول و براز کے وقت قبلہ رخ ہو کر شرمگاہ برہنہ کر کے نجاست خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ مرد ہو یا عورت آبادی میں ہو یا میدان میں اور امام صاحب کے نزدیک قبلہ کی طرف پشت کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے یہی روایت صحیح ہے اور یہی مجاہد و نخعی کا قول ہے دوسری روایت عدم کراہت کی ہے کیونکہ پشت کرنیوالے کی شرمگاہ قبلہ کے مقابل نہیں ہوتی اور جو نجاست نکلتی ہے وہ یا تو زمین کیطرف جاتی ہے یا قبلہ کے دوسرے رخ پر گرتی ہے امام احمد سے مشہور یہ ہے کہ استقبال ہر جگہ منع ہے اور استدبار عمارات میں جائز ہے۔ امام شافعی و شعبی فرماتے ہیں کہ اگر استنجاء کرنیوالے کے درمیان اور قبلہ کے درمیان آڑ ہو تو ہر دو جائز ہیں۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے ہر دو سے منع فرمایا ہے" (صحیحین) اور جن روایات میں اس کے خلاف ہے وہ حالت عذر پر محمول ہے۔

قولہ و غلق الخ مسجد کے دروازہ میں تالا ڈالنا اور بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے جو حرام ہے بعض کے نزدیک اگر مال ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اوقات نماز کے علاوہ تالا لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہی صحیح ہے جس طرح مسجد کے اندرونی حصہ میں بول و براز جماع وغیرہ حرام ہے۔ اسی مسجد کی چھت پر یہ چیزیں ناجائز ہیں۔ کیونکہ مسجد کا اور اسکی چھت کا حکم ایک ہے چنانچہ نیچے والے امام کے پیچھے چھت والوں کی اقتداء صحیح ہے۔ نیز چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر کر رکھی ہو تو اسکی چھت پر ان چیزوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ وہ جگہ حقیقی مسجد نہیں، قبلہ کی دیوار کے علاوہ مسجد کے محراب وغیرہ میں چونے اور سونے کے پانی وغیرہ سے نقش و نگار کرنا مکروہ نہیں۔ ظاہر عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نقش کرنیوالے کو نہ ثواب ہوگا نہ گناہ اور احادیث میں ہے کہ مسجدوں کی آرائش قیامت کے آثار میں سے ہے بعض کے نزدیک لہو و لعب میں ڈالنے والا نقش و نگار مکروہ ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ

باب وتر اور نوافل کے بیان میں

اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ وَهُوَثَلٰثُ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ وَقَنَتَ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَبَدًا بَعْدَ اَنْ كَبَّرَ

وتر واجب ہے جس کی تین رکعتیں ہیں ایک سلام کیساتھ اور دعاء قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ تکبیر کے بعد

وَقَرَءَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنْهُ بِفَاتِحَةٍ وَّسُوْرَةٍ

اور ہر رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے

تشریح الفقہ: قولہ باب الوتر الخ وتر لغت میں طاق عدد کو کہتے ہیں۔ ''اوتر ای صلی الوتر (مغرب) اصطلاح شرع میں تین رکعت والی مخصوص نماز کو کہتے ہیں۔'' جو عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے نفل لغۃً زیادتی کو کہتے ہیں جیسے نافلہ بمعنی فرعی اولاد کہ وہ حقیقی اولاد پر زائد ہوتی ہے اور نفل بمعنی غنیمت کہ یہ بھی اصل مال پر زائد ہوتی ہے شرع، میں نفل اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر عذاب نہ ہو۔

قولہ الوتر واجب الخ وتر کے متعلق امام صاحب سے تین روایتیں ہیں (۱) فرض ہے، احناف میں سے زفر، مالکیہ میں سے سحنون اصبغ اور ابن العربی کا یہی قول ہے۔ اسی کو ابن بطال نے حضرت ابن مسعودؓ حذیفہ اور ابراہیم نخعی سے حکایت کیا ہے اور یہی سخاوی کے نزدیک مختار ہے۔ (۲) سنت مؤکدہ ہے صاحبین اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ (۳) واجب ہے یہ آپکا آخری قول ہے جس کو محیط میں صحیح، خانیہ میں اصح، مبسوط، میں ظاہر مذہب قرار دیا ہے۔ بعض مشائخ نے ان تینوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اعتقاداً واجب اور ثبوتاً سنت جن حضرات نے وتر کو سنت مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں سنت کی علامتیں پائی جاتی ہیں مثلاً اس کے لئے اذان واقامت کا نہ ہونا، منکر وتر کی تکفیر نہ ہونا وتر کے واجب ہونے کی دلیل مرفوع روایت ہے کہ ''وتر حق واجب ہے سو جس نے وتر ادا نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں ہے'' یہی جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:۔ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ ابو المسیب راوی ثقہ ہے۔ ابن معین وغیرہ نے بھی توثیق کی ہے دوسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لو۔'' اس میں خطاب بصیغہ امر ہے جس کا مقتضی واجب ہے اس لئے اس کی قضاء کا وجوب بالاجماع ثابت ہے۔ تیسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''وتر ہر مسلمان پر واجب ہے'' چوتھی دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ حضور باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کے ساتھ تمہاری امداد کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ سو اس نماز کو تمہارے لئے عشاء و طلوع فجر کے درمیان کر دیا ہے''۔

رہا یہ سوال کہ اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوتی سو جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے نہیں ہے اور دلالت قطعی بھی نہیں ہے۔ اس لئے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ اور اس کے لئے اذان کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ اس کی ادائیگی عشاء کے وقت میں ہوتی ہے۔ لہذا عشاء کی اذان واقامت پر اکتفاء کیا جاتا ہے علاوہ ازیں واجب کے لئے اذان کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے جیسے صلوٰۃ عیدین۔

(تعداد رکعات وتر)

قولہ وھو ثلث رکعاتٍ الخ وتر کی رکعات بقول مختار تین ہیں۔ کیونکہ احادیث و آثار اسی تعداد کو بتاتے ہیں اور یہی رکعات مغرب کے موافق ہے۔ بخلاف ایک و پانچ کے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور جہاں تک روایت ظنی کو قطعی سے موافقت ہو وہی اولیٰ

عہ... ابوداؤد، حاکم عن بریدہ ۱۲ عہ... مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن الخدری، سہ... بزار عن ابن مسعود ۱۲ اللعہ ۱۰
ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، احمد، دار قطنی، طبرانی، ابن عدی عن خارجہ، طبرانی عن عمرو و عقبہ و ابن عباس والخدری ۱۲۔

واقوی ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی '' رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (نسائی عن عائشہ) حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ مع سبح اسم ربک الا علیٰ اور دوسری میں قل یاَیہاالکٰفرون اور تیسری میں قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق ، قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان) اسی کے مثل امام طحاوی نے حضرت ابن عباس وسعید بن عبدالرحمٰن سے اور امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے حضرت حسن بصری نے تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرنا چاہئے۔

ابوداؤد نے عبداللہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعات کیساتھ وتر کرتے تھے فرمایا کہ چار اور تین کیساتھ، چھ اور تین کیساتھ، آٹھ اور تین کیساتھ، دس اور تین کے ساتھ اور سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ کیساتھ وتر نہیں کرتے تھے اس حدیث میں وتر کی تین رکعات کی صراحت ہے۔ عینی نے لکھا ہے کہ اکثر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن بطال نے مدینہ کے فقہاء سبعہ کا بھی یہی قول ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا ہے کہ یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے اور اس میں کلام نہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں۔ چنانچہ یہی ایک قول امام شافعی کا ہے لیکن روضہ میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ایتار کی سنت طاق عدد یعنی ایک سے گیارہ تک کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اس کے بعد پھر ایک رکعت پڑھے اس طرح تین رکعات پوری کرے۔ یہی ایک قول امام مالک کا بھی ہے۔ جواہر مالکیہ میں ہے کہ وتر ایک رکعت ہے اور وہ سنت ہے حاوی میں ہے کہ وتر سنت ہے اور بقول ابوبکر واجب ہے جس کی کم از کم تین اور زائد از زائد گیارہ رکعات ہیں ان تمام کے جواب میں ہمارے لئے حدیث عائشہؓ حجت ہے۔

قولہ وقنت الخ اور وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھے، شرح ارشاد میں ہے کہ امام شافعی سے اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ ان کے اصحاب میں اختلاف ہے۔ بعض قبل الرکوع کہتے ہیں اور بعض بعد الرکوع لیکن ان کے مذہب میں بعد الرکوع ہی صحیح ہے۔ امام احمد سے بھی دونوں کا جواز منقول ہے۔ امام شافعی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے وتر کے آخر میں قنوت پڑھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی عن علی) امام ابوحنیفہ کا استدلال چند احادیث صحیحہ سے ہے۔

(۱) حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت تین رکعت سے وتر کرتے تھے۔ اول میں سورۂ اعلیٰ دوم میں کافروں سوم میں اخلاص پڑھتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (نسائی، ابن ماجہ) (۲) حضور نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا'' (ابن ابی شیبہ، دار قطنی، خطیب بغدادی، عن ابن مسعود، ابونعیم عن ابن عباس، طبرانی عن ابن عمر) (۳) صحیح بخاری میں عاصم احول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس سے قنوت وتر کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: قبل الرکوع یا بعد الرکوع؟ فرمایا قبل الرکوع میں نے عرض کیا فلاں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بعد الرکوع ہے۔ فرمایا: اس نے جھوٹ خبر دی ہے کیونکہ رکوع کے بعد تو آنحضرت صلعم نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھا تھا۔ رہا امام شافعی کا استدلال جو لفظ '' آخر'' سے بعد الرکوع مراد لیتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز نصف سے زائد پر آخر کہلاتی ہے۔ لہٰذا تیسری رکعت کے رکوع سے قبل بھی آخر کا اطلاق صحیح ہے۔

قولہ ابدا الخ جمہور کے نزدیک وتر میں قنوت ہمیشہ پڑھنا واجب ہے۔ اور شوافع کے یہاں صرف رمضان کے نصف آخری میں اور وہ بھی بطور استحباب ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت حسن کو قنوت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: اسکو اپنے وتر میں قائم کر، اس میں رمضان کے نصف آخر کی قید نہیں ہے شوافع کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تھا تو ابی بن کعب نے بیس روز تک نماز پڑھائی تھی اور نصف آخر میں قنوت پڑھا۔ (ابوداؤد) نیز مرفوع روایت ہے کہ آپ نصف آخر رمضان میں قنوت پڑھتے تھے۔ (ابن عدی عن انس) جواب یہ ہے کہ علامہ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ یہ دونوں طریق ضعیف ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَا يَقْنُتُ لِغَيْرِهٖ وَيَتَّبِعُ الْمُؤْتَمُّ قَانِتَ الْوِتْرِ لَا الْفَجْرِ

اور قنوت نہ پڑھے دیگر نمازوں میں اور مقتدی پیروی کرے قنوت وتر پڑھنے والے کی نہ کہ قنوت فجر پڑھنے والے کی

(فَصْلٌ فِي السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ) اَلسُّنَّةُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ رَكْعَتَانِ

اور سنت فجر سے قبل اور ظہر کے بعد اور مغرب وعشاء کے بعد دو رکعتیں ہیں

وَقَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا اَرْبَعٌ وَنُدِبَ الْاَرْبَعُ قَبْلَ الْعَصْرِ وَالْعِشَآءِ وَبَعْدَهٗ وَسِتَّةٌ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

اور ظہر سے قبل اور جمعہ سے قبل اور اسکے بعد چار ہیں اور مستحب ہیں چار عصر اور عشاء سے قبل اور عشاء کے بعد اور چھ مغرب کے بعد

وَكُرِهَ الزِّيَادَةُ عَلٰى اَرْبَعٍ بِتَسْلِيْمَةٍ فِيْ نَفْلِ النَّهَارِ وَعَلٰى ثَمَانٍ لَيْلاً

اور مکروہ ہے ایک سلام کیساتھ چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا دن کی نفلوں میں اور آٹھ سے زیادہ رات کی نفلوں میں

وَالْاَفْضَلُ فِيْهِمَا الْاَرْبَعُ وَطُوْلُ الْقِيَامِ اَحَبُّ مِنْ كَثْرَةِ السُّجُوْدِ

اور افضل دونوں میں چار چار رکعتیں ہیں اور دیر تک کھڑا رہنا پسندیدہ ہے بہ نسبت زیادہ سجدہ کرنے کے

سنن ونوافل کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولا یقنت الخ اور غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ احناف کے نزدیک وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فجر میں قنوت ہے جو خلفاء راشدین، عمار بن یاسر، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس، ابوہریرہ، براء بن عازب، انس، سہل بن سعد، معاویہ، عائشہ سے ثابت ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر فجر میں قنوت پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا۔ اسحاق بن راہویہ نے یہ اسی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت انس سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ بعض قبیلہ عرب پر بددعاء کی پھر چھوڑ دیا۔ تو حضرت انس نے انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت فجر میں برابر قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قنوت درحقیقت قنوت نازلہ تھا جو منسوخ ہوگیا کیونکہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ نماز فجر میں قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا۔ نہ اس سے پہلے پڑھا تھا۔ نہ اس کے بعد پڑھا۔ (بزار، طبرانی، ابن ابی شیبہ) رہا حضرت انس کا انکار سو اول تو اس کی اسناد میں ابوجعفر رازی راوی ہے جس کے متعلق امام احمد یحیٰی علی بن مدینی، ابوزرعہ، ابن حبان کو کلام ہے لیکن تنقیح میں ہے کہ دوسروں نے اس کی توثیق بھی کی ہے بالجملہ حدیث بدرجہ حسن قرار پانے کے بعد حضرت انس سے صحیحین وغیرہ میں ایک ماہ قنوت فجر مروی ہے اور ابوداؤد ونسائی میں تصریح ہے کہ ایک ماہ کے بعد ترک کردیا، دوم یہ کہ قیس بن ربیع نے عاصم بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں کیونکہ آنحضرت نے صرف ایک ماہ تک چند قبیلہ عرب مشرکین .... پر بددعا کی تھی، نیز ابن ماجہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں قنوت سے ممانعت کردی تھی۔ حضرت غالب کہتے ہیں کہ میں دوماہ تک انس بن مالک کے پاس رہا مگر حضرت انس نے فجر کی نماز میں کبھی قنوت نہیں پڑھا۔ (طبرانی عن شیبان) یہ صریح ہے کہ خود حضرت انس نہیں پڑھتے تھے، بیہقی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ابن عمر نے صبح کی نماز پڑھی میں نے کہا: آپ قنوت نہیں پڑھتے؟ فرمایا کہ کسی صحابی سے یاد نہیں رکھتا۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور بیہقی نے جو یہ کہا ہے کہ ابن عمر کو یاد نہیں رہا۔ یہ بالکل محال سی بات ہے کہ روز صبح کو نماز پڑھی جائے اور پھر بھول جائیں۔

---

[۱] ای اربعۃ اربعۃ وھو غیر منصرف للموصف والعدل لانہ معدول عن اربعۃ اربعۃ ۱۲

[۲] اعلم ان کتب الحنفیۃ مشحونۃ بہذہ المسئلۃ ورووا لہا حدیثا یعارضہ حدیث آخر واختلف النقل عن ائمتنا ایضا والذی اختارہ صاحب البحران کثرۃ الرکعات افضل من طول القیام۔

وَالْقِرَآءَةُ فَرْضٌ فِيْ رَكْعَتَي الْفَرْضِ وَكُلِّ النَّفْلِ وَلَزِمَ النَّفْلُ بِالشُّرُوْعِ وَلَوْ عِنْدَ الْغُرُوْبِ وَالطُّلُوْعِ وَالزَّوَالِ

اور قرأت فرض ہے فرض کی دو رکعتوں میں اور نفل کی کل رکعتوں میں اور لازم ہو جاتی ہے نفل نماز شروع کرنے سے اگرچہ غروب یا طلوع آفتاب

وَقَضٰى رَكْعَتَيْنِ لَوْ نَوٰى اَرْبَعًا وَاَفْسَدَهٗ بَعْدَ الْقُعُوْدِ الْاَوَّلِ اَوْ قَبْلَهٗ قَرَءَ اَوْ لَمْ يَقْرَءْ فِيْهِنَّ شَيْئًا

کے وقت ہو اور دو رکعتیں قضاء کرے اگر چار کی نیت کی ہو اور قعود اول کے بعد یا اس سے پہلے فاسد کر دیا ہو یا کسی رکعت میں بھی قرأت نہ کی ہو

اَوْقَرَءَ فِي الْاُوْلَيَيْنِ اَوِالْاُخْرَيَيْنِ وَاَرْبَعًا لَوْقَرَءَ فِيْ اِحْدَى الْاُوْلَيَيْنِ وَاِحْدَى الْاُخْرَيَيْنِ

یا پہلی دو میں یا پچھلی دو میں قرأت کی ہو اور چار قضاء کرے اگر پہلی یا پچھلی دو میں سے ایک رکعت میں قرأت کی ہو۔

قرأت وترکِ قرأت کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ والقراءة الخ فرض نماز کی دو رکعت میں قرأت فرض ہے اور اس کا اول کی دو رکعتوں میں ہونا واجب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر رکعت میں واجب ہے دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ”قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوتی“ (مسلم عن ابی ہریرہ) وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأت واجب ہوئی۔ لیکن یہ حدیث از قسم آحاد ہے جس سے فرضیت قطعی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ صرف وجوب ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی ہر رکعت میں نہیں۔ امام مالک کا قول اور ان کی دلیل بھی یہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ تین رکعت میں قرأت کو کافی سمجھتے ہیں کیونکہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اس لحاظ سے مغرب میں دو ہی رکعت میں قرأت کافی ہو جائیگی۔ ہماری دلیل ارشاد باری ”فاقرؤوا ما تیسر من القرآن“ ہے پڑھ جو آسان ہو قرآن سے اس میں اقرؤوا امر ہے جس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی فعل کا حکم دیا جائے تو ایک بار کر لینے میں اس کی تعمیل ہو جاتی ہے بار بار کا تقاضا نہیں ہوتا۔ لہذا نماز میں فرض قرأت ایک بار میں ادا ہو گیا رہا دوسری رکعت میں فرض ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ دلالت نص پہلی رکعت کیساتھ دوسری رکعت کو مقتضی ہے کیونکہ دونوں رکعتیں ہر طرح سے ہم شکل یعنی اصل ارکان میں یکساں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت بھی شرعاً مراد ہے۔ اب رہیں اخیر کی رکعتیں تو وہ چند باتوں میں اولین سے جدا ہیں۔ (۱) سفر میں دونوں ساقط ہو جاتی ہیں (۲) اولین میں جہر اور اخریین میں اخفاء ہوتا ہے۔ (۳) آخریین میں صرف فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اولین میں فاتحہ مع سورت جب ان تمام باتوں میں فرق ہے تو اولین کے ساتھ آخرین کا الحاق نہیں ہو سکتا۔ بالجملہ پہلی رکعت صراحۃ النص اور دوسری رکعت دلالۃ النص کی وجہ سے صیغہ امر کے تحت میں داخل ہوئیں اور آخرین افتراق کی وجہ سے خارج۔

قولہ و قضی رکعتیں الخ چار رکعت والی نفل نماز میں قرأت کے لحاظ سے سولہ صورتیں نکلتی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا حکم ائمہ ثلاثہ کے جداگانہ اصول معلوم کرنے پر موقوف ہے۔ لہذا پہلے اصول معلوم کرو پھر ہر ایک کا حکم دریافت کرو۔ سو امام محمد کے یہاں اصل یہ ہے کہ پہلی ایک یا دونوں رکعتوں میں قرأت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ تحریمہ تو افعال کے لئے باندھا جاتا ہے۔ اور جب اول دوگانہ کے افعال باطل ہو گئے تو تحریمہ بھی باطل ہو گیا۔ اور دوسرا دوگانہ چونکہ اول پر مبنی ہوتا ہے اس لئے جب پہلا تحریمہ باطل ہو گیا۔ تو اس پر ثانی کی بنا بھی نہ ہوگی، امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں بھی ترک قرأت سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا البتہ ادا فاسد ہو جاتی ہے یعنی تحریمہ تو باطل نہیں ہوگا لیکن نماز بھی ادا نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ قرأت ایک رکن زائد ہے۔ چنانچہ بلا قرأت نماز پائے جانے کی نظیر موجود ہے۔ مثلاً گونگے کی نماز بلا قرأت صحیح ہے معلوم ہوا کہ قرأت قدرت کے وقت شرط ہے کہ قدرت والے کے حق میں بلا قرأت ادا صحیح نہ ہوگی۔ اور ادا کا فاسد ہونا اس کے چھوڑ دینے سے کم ہے۔ لہذا اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوگا اور جب اول شفعہ کا تحریمہ باقی رہا تو اس پر شفعہ ثانی کی بناء بھی صحیح ہوگی گویا دونوں شفعوں کا تحریمہ باقی رکھتے ہوئے ادا کو فاسد کیا ہے لہذا چاروں کی قضاء لازم ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہوتا ہے اگر اول دو رکعتوں میں سے کسی

ایک میں قرأت کی اور ایک میں ترک کی تو اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے اور ترک قرأت سے فساد آتا ہے۔ پھر دونوں رکعتوں میں ترک قرأت سے نماز بالا جماع فاسد ہے اور ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے سے بعض کے نزدیک فاسد ہے اور بعض کے نزدیک فاسد نہیں ہے لہذا ہم نے اس میں احتیاط سے کام لیا کہ وجوب قضاء کے حق میں فاسد ہونے کا حکم دیا اور شفعہ دوم لازم ہونے کے حق میں بقاء تحریمہ کا حکم دیا۔ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے کہ قضاء واجب ہو اور تحریمہ باطل نہ ہوتا کہ دوسرا شفعہ لازم ہو جائے جب یہ اصول ذہن نشین ہو گئے۔ تو اب یہ دیکھو کہ اس مسئلہ کی سولہ صورتیں ہیں (۱) چاروں میں قرأت کی (۲) چاروں میں قرأت ترک کی۔ (۳) شفعہ اول میں ترک کی۔ (۴) شفعہ دوم میں ترک کی۔ (۵) صرف پہلی رکعت میں ترک کی۔ (۶) صرف دوسری رکعت میں ترک کی۔ (۷) صرف تیسری رکعت میں ترک کی۔ (۸) صرف چوتھی رکعت میں ترک کی۔ (۹) پہلی تین میں ترک کی۔ (۱۰) پہلی دو میں اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۱) پہلی اور تیسری و چوتھی میں ترک کی۔ (۱۲) دوسری، تیسری اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۳) پہلی اور تیسری میں ترک کی۔ (۱۴) پہلی اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۵) دوسری اور تیسری میں ترک کی۔ (۱۶) دوسری اور چوتھی میں ترک کی پہلی صورت کے بعد یہ پندرہ صورتیں ترک قرأت کی ہیں جن میں سے (۲)، (۳)، (۴) میں طرفین کے نزدیک صرف دو رکعت کی قضاء واجب ہے کیونکہ شفعہ اول میں ترک قرأت سے طرفین کے نزدیک تحریمہ باطل ہو گیا۔ اس لئے دوسرے شفعہ کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا لہذا صرف اول شفعہ کی قضاء واجب ہو گی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ تحریمہ باطل نہیں ہوا اس لئے شفعہ ثانی شروع کرنا صحیح ہوا۔ اور چونکہ ترک قرأت کیوجہ سے فساد آ گیا لہذا چاروں کی قضاء کرے کل صورتوں کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

نمبر شمار	رکعت اول	رکعت دوم	رکعت سوم	رکعت چہارم	بیان لزوم قضاء رکعات
۱	ق	ق	ق	ق	بالاتفاق قضاء نہیں
۲	خ	خ	خ	خ	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۳	خ	خ	ق	خ	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۴	خ	خ	خ	ق	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۵	ق	ق	خ	خ	آخرین بالا جماع
۶	خ	خ	ق	ق	اولین بالا جماع
۷	خ	ق	ق	ق	اولین بالا جماع
۸	ق	خ	ق	ق	اولین بالا جماع
۹	ق	ق	خ	ق	آخرین بالا جماع
۱۰	ق	ق	ق	خ	آخرین بالا جماع
۱۱	ق	خ	خ	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۲	خ	ق	خ	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۳	ق	خ	ق	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۴	خ	ق	خ	ق	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۵	ق	خ	خ	ق	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۶	خ	ق	ق	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد

وَلَایُصَلّٰی بَعْدَ صَلٰوۃٍ مِّثْلُھَا وَیَتَنَفَّلُ قَاعِدًا مَعَ قُدْرَۃِ الْقِیَامِ اِبْتِدَآءً وَّبِنَآءً وَّرَاکِبًا خَارِجَ الْمِصْرِ

نماز کے بعد اسی جیسی نماز نہ پڑھی جائے اور نفل پڑھ سکتا ہے بیٹھکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود ابتداء بھی اور بناء بھی اور سوار ہوکر شہر سے باہر

مُوْمِیًا اِلٰی اَیِّ جِھَۃٍ تَوَجَّھَتْ دَآبَّتُہٗ وَبَنٰی بِنُزُوْلِہٖ لَابِعَکْسِہٖ (فَصْلٌ فِی التَّرَاوِیْحِ) سُنَّ فِیْ رَمَضَانَ

اشارہ کیساتھ جس طرف بھی اس کی سواری جاتی ہو اور بناء کرلے اتر کر نہ کہ اس کے برعکس (فصل تراویح کے بیان میں) مسنون ہے رمضان میں

عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً بِعَشْرِ تَسْلِیْمَاتٍ وَوَقْتُھَا بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَہٗ بِجَمَاعَۃٍ وَالْخَتْمُ مَرَّۃً

بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ عشاء کے بعد وتر سے پہلے (اور اس کے بعد بھی آئی ہیں) جماعت کے ساتھ اور ایک مرتبہ ختم کرنا

وَّجَلْسَۃٌ بَعْدَ کُلِّ اَرْبَعٍ بِقَدْرِھَا وَیُوْتِرُ بِجَمَاعَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ فَقَطْ

ہرچار پر اسی کے بقدر بیٹھنے کے ساتھ اور وتر صرف رمضان میں جماعت سے پڑھے۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولا یصلی الخ** یہ ایک اثر کا مضمون ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''لایصلی علی اثر صلوۃ مثلھا'' نماز کے بعد اسی جیسی نماز نہ پڑھی جائے۔ (ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود) ظاہر ہے کہ فجر کی دو سنتوں کے بعد دو فرض پڑھے جاتے ہیں۔ جو کیفاً گو مثل نہیں لیکن کماً مثل ہیں، اسی طرح ظہر کی چار سنتوں کے بعد چار فرض اور ظہر کے دوسفری فرضوں کے بعد دو سنتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اثر مذکور اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس سے کوئی خاص معنی مراد ہیں سوم امام محمد نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نماز مثلاً ظہر ادا کرنے کے بعد نفل دو رکعت قرأت کیساتھ اور دو رکعت بلا قرأت نہ پڑھی جائے حتی کہ چاروں فرض کی طرح ہو جائیں بلکہ چاروں رکعتیں قرأت کیساتھ پڑھے تاکہ مثل فرض نہ ہوں۔ اس قول پر اثر مذکور نفل کی تمام رکعات میں قرأت کا بیان ہوگا۔ قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر اس کو پہلی جماعت کے بعد اسی کی ہیئت پر ایک ہی وقت اور ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت نہ کرنے پر، یا فرض نماز کو بلا تیقن فساد محض وسوسہ کی وجہ سے دوبارہ نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے تو بہت عمدہ بات ہوگی چنانچہ سلیمان بن یسار نے روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر کے پاس تھا لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں نے کہ: آپ ان کے کیساتھ نہیں پڑھتے؟ فرمایا میں پڑھ چکا ہوں۔ میں نے حضور سے سنا ہے کہ ''کسی نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ مت پڑھو'' (ابوداؤد، نسائی، طحاوی، ابن حزم، احمد، دارقطنی بیہقی، ابن حبان، خزیمہ)

قولہ وبنی بنزولہ الخ سواری پر نماز شروع کی تو اتر کر بناء کرنا جائز ہے۔ اور اگر زمیں پر شروع کی تو سواری پر بناء کرنا جائز نہیں۔ یہ حکم ظاہر الروایہ میں متفق علیہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سواری کی حالت میں تحریمہ کا انعقاد رکوع وسجود کے وجوب بالفعل کی صورت میں نہیں ہے۔ بخلاف زمیں پر شروع کرنے کے کہ اس حالت میں تحریمہ کا انعقاد بالفعل رکوع وسجود کیساتھ ہے کیونکہ تحریمہ سے نفل نماز واجب ہو جاتی ہے اور وہ حقیقۃً رکوع اور سجدہ کرسکتا ہے پس اس نے رکوع وسجود کو وجوداً بالفعل ادا کرنے کا تحریمہ باندھا لہذا جو کچھ اس پر لازم ہوا ہے اس کو کسی عذر کے بغیر چھوڑنے کا اختیار نہیں۔ لہذا سوار ہوکر بناء نہیں کرسکتا ہے۔

تراویح کا بیان

قولہ و سن فی رمضان الخ ماہ رمضان میں بیس رکعات تراویح دس سلام اور پانچ ترویحوں کے ساتھ بعد العشاء قبل از وتر جماعت کیساتھ سنت موکدہ کفایہ ہے۔ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے امام احمد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جماعت مستحب اور افضل ہے یہی عام علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ اور اسی کو مبسوط میں اصح کہا ہے بیس رکعات تراویح ہمارا امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ اور یہی جمہور علما کا قول ہے کیونکہ موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں تیئس رکعات کیساتھ قیام کرتے تھے'' ابن قدامہ حنبلی نے کہا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو حکم دیا جس نے رمضان میں بیس رکعات پڑھائی اور کہا کہ یہ بمنزلہ اجماع ہے پھر تراویح میں اکثر مشائخ کے نزدیک ایک بار قرآن ختم کرنا سنت ہے پس ایک ختم کو قوم کے کسل کیوجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ بخلاف التحیات کے بعد کی ادعیہ کے کہ ان کو ترک کرسکتا ہے۔

بَابُ اِدْرَاکِ الْفَرِیْضَۃِ

باب فرض نماز میں ملنے کے بیان میں

مَنْ صَلّٰی رَکْعَۃً مِّنَ الظُّھْرِ فَاُقِیْمَ یُتِمُّ شَفْعًا وَیَقْتَدِیْ وَلَوْ صَلّٰی ثَلَاثًا یُتِمُّ وَیَقْتَدِیْ تَطَوُّعًا

ظہر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا کہ تکبیر ہوگئی تو دو پوری کر کے اقتداء کرلے اور اگر تین پڑھ چکا تھا تو پوری کر کے نفل کی نیت سے اقتدا کرلے

فَاِنْ صَلّٰی رَکْعَۃً مِّنَ الْفَجْرِ اَوِ الْمَغْرِبِ فَاُقِیْمَ یُنْقِضُ وَیَقْتَدِیْ وَکُرِہَ خُرُوْجُہٗ مِنْ مَّسْجِدٍ اُذِّنَ فِیْہِ حَتّٰی یُصَلِّیَ

پس اگر فجر یا مغرب کی ایک رکعت پڑھنے پر تکبیر ہوگئی تو توڑ کر اقتدا کرلے اور مکروہ ہے ایسی مسجد سے نکلنا جس میں اذان ہوگئی ہو یہاں تک کہ نماز

وَاِنْ صَلّٰی لَا اِلَّا فِی الظُّھْرِ وَالْعِشَآءِ اِنْ شَرَعَ فِی الْاِقَامَۃِ

پڑھ لے اور اگر اس سے قبل نماز پڑھ چکا ہو تو مکروہ نہیں مگر ظہر اور عشاء میں جبکہ تکبیر شروع ہوگئی ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ صلی رکعۃ الخ اداء فریضہ کے قصد سے تنہا نماز شروع کی اور رکعت پوری ہونے سے پہلے اسی نماز کے لئے اقامت کہی گئی یعنی جماعت شروع ہوگئی تو اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہوجائے اور اگر ایک رکعت پڑھ چکا تو اب دیکھا جائیگا کہ کونسی نماز ہے اگر ظہر کی ہے تو ایک رکعت اور پڑھ کر سلام پھیر کے جماعت میں شریک ہوجائے۔ تاکہ پڑھی ہوئی رکعت باطل ہونے سے بھی محفوظ ہوجائے اور فضیلت جماعت بھی حاصل ہوجائے۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں اور اگر تین پڑھ چکا تو چاروں پوری کر کے جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہوجائے۔ کیونکہ تین پڑھنے کے بعد ٹوٹ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ اکثر ہو چکی ہے اور اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے اور چونکہ پہلی نماز میں فرض کی نیت کی تھی اس لئے وہ فرض ہوگی اور جماعت میں نفل کی نیت ہوگی۔ البتہ اگر تیسری رکعت کو سجدہ کیساتھ مقید نہیں کیا تو توڑ سکتا ہے اب چاہے تو بیٹھ کر سلام پھیرے اور چاہے تو کھڑے کھڑے امام کیساتھ شامل ہونے کی سی تکبیر کہہ کر شامل ہوجائے۔ یہی مختار اور اصح ہے اور یہی حکم عشاء میں ہے۔

قولہ فان صلی رکعۃ الخ اور اگر فجر کی نماز ہے اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو توڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے کیونکہ اگر وہ ایک رکعت اور پڑھتا ہے تو اس کا فرض پورا ہوجائیگا اور جماعت میں شریک نہ ہوسکے گا کیونکہ فجر کے بعد نفل مشروع نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایہ میں مغرب کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حدیث ابن عمر میں مرفوعاً فجر و مغرب کا استثناء ہے۔ یہی امام مالک کا قول ہے امام شافعی و امام احمد فرماتے ہیں کہ مغرب کی جماعت میں شامل ہو کر تین رکعت امام کیساتھ پڑھنے کے بعد ایک رکعت تنہا پڑھ لے تاکہ چار رکعات نفل مشروع طریقہ پر ہوجائے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تین ہی پر امام کیساتھ سلام پھیر دے۔ شمس الائمہ سرخسی نے اسی کو اختیار کیا ہے وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے یہاں تین رکعت نفل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحبین کے یہاں وتر سنت ہے جو نفل کا درجہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تین رکعت نفل مشروع نہیں۔

قولہ و کرہ الخ کسی مسجد میں ہو اور اذان ہوجائے یا اذان ہونے کے بعد مسجد میں آئے تو بغیر نماز پڑھے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت ہے (احمد عن ابی ہریرہ) البتہ چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اول یہ کہ پہلے اپنی نماز پڑھ چکا ہو۔ دوم یہ کہ اس سے متعلق کسی دوسری جگہ کا انتظام ہو۔ اور اسکے نہ جانے سے جماعت میں خلل ہو۔ سوم یہ کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھنے کے لئے جاتا ہو۔ کہ ان صورتوں میں نکلنا بظاہر گو ترک ہے مگر بباطن تکمیل ہے۔ اسی طرح اپنے شیخ حدیث و فقہ کے استاذ کی جماعت یا وعظ کے لئے بالاتفاق جائز ہے، نیز اگر کسی ضرورت سے بارادۂ واپسی نکلے تب بھی جائز ہے اور اگر نماز پڑھ چکا ہے اور وقت ظہر یا عشاء کا ہے تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر اقامت شروع ہوجائے تو اس وقت نکلنا مکروہ ہے کیونکہ ان دو نمازوں کے بعد نفل مکروہ نہیں ہیں۔

وَمَنْ خَافَ فَوْتَ الْفَجْرِ اِنْ اَدّٰی سُنَّتَهٗ اِئْتَمَّ اَیْ اِقْتَدٰی وَتَرَکَهَا وَاِلَّا لَا وَلَمْ تُقْضَ اِلَّا تَبَعًا

جس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر سنت فجر ادا کرے گا تو نماز فجر فوت ہو جائے گی تو سنتیں چھوڑ کر اقتدا کرلے ورنہ نہیں اور قضا نہ کی جائے مگر فرض کیساتھ

وَقَضَی الَّتِیْ قَبْلَ الظُّهْرِ فِیْ وَقْتِهٖ قَبْلَ الشُّفْعَةِ وَلَمْ یُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ بِاِدْرَاکِ رَکْعَةٍ بَلْ اَدْرَکَ فَضْلَهَا

اور ظہر سے قبل کی سنتیں اسکے وقت میں دو سے پہلے قضا کیجائیں اور ایک رکعت ملنے سے ظہر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی بلکہ جماعت کا ثواب پالیا

وَیَتَطَوَّعُ قَبْلَ الْفَرْضِ اِنْ اَمِنَ فَوْتَ الْوَقْتِ وَاِلَّا لَا وَاِنْ اَدْرَکَ اِمَامَهٗ رَاکِعًا فَکَبَّرَ وَوَقَفَ حَتّٰی

اور فرض سے پہلے نفل پڑھ سکتا ہے اگر وقتیہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ نہیں اگر امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر توقف کیا یہاں تک کہ

رَفَعَ رَأْسَهٗ لَمْ یُدْرِکْ تِلْکَ الرَّکْعَةَ وَلَوْ رَکَعَ مُقْتَدِیًا فَاَدْرَکَ اِمَامَهٗ فِیْهِ صَحَّ

امام نے سر اٹھا لیا تو اس نے رکعت نہیں پائی اور اگر مقتدی نے رکوع کیا اور امام نے اس کو رکوع میں پالیا تو صحیح ہے۔

قولہ ومن خاف الخ نماز فجر کے لئے مسجد میں آیا دیکھا جماعت فجر ہو رہی ہے اور اس نے ابھی سنت فجر نہیں پڑھی تو اگر سنت پڑھ کر شامل ہونے میں کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو مسجد کے دروازہ کے پاس سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ کیونکہ سنت فجر کی بڑی فضیلت ہے۔ اس لئے سنت اور جماعت ہر دو فضیلتوں کو جمع کرلے۔ اور ایک رکعت پالینے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت پائی اس نے فجر پالی اور اگر دونوں رکعتیں فوت ہو جانیکا خوف ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے۔

قولہ ولم تقض الخ اگر کسی شخص کی فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب سے پہلے قضاء نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوگانہ محض نفل رہ جائیگا۔ اور محض نفل فجر کے بعد مکروہ ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بھی قضاء نہ کرے کیونکہ شیخین کے نزدیک بلا تبعیت فرض نوافل کی قضاء نہیں ہے۔ امام محمد کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ زوال کے وقت تک قضاء کرلے۔ شیخ حلوائی اور فضلی نے بیان کیا ہے کہ شیخین کے نزدیک بھی پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مزنی کے نزدیک یہی مختار ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے دوگانہ سنت کو لیلۃ التعریس کے شروع دن میں آفتاب بلند ہونے کے بعد قضاء کیا تھا، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضاء کیجائے کیونکہ قضاء مخصوص بواجب ہے، رہا قضاء دوگانہ جو حدیث میں مذکور ہے سو وہ فرض کے تابع ہو کر وارد ہوا ہے دوگانہ فجر کے علاوہ باقی سنتیں وقت کے بعد تنہا قضا نہیں کی جائیں گی۔ اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضاء کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

قولہ و قضی التی الخ اگر کسی شخص کی ظہر سے پہلے والی چار سنتیں فوت ہو گئیں تو ان کو ظہر کی بعد والی دو سنتوں پر مقدم کرے یا مؤخر؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ چار رکعت کو مقدم کرے، یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے، امام محمد کے نزدیک دو رکعت سنت کو مقدم کرے کیونکہ ان کا حق یہی ہے کہ وہ فرض سے متصل رہیں۔ **وقیل الخلاف بالعکس۔**

قولہ وان ادرک الخ اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا اور تحریمہ باندھ کر توقف کیا۔ اتنے میں امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اسکو وہ رکعت نہیں ملی۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ رکوع کو قیام سے مشابہت ہے۔ اس لئے اس نے جب رکوع سے قیام پایا تو گویا رکوع کو پالیا۔ لہذا رکعت مل گئی۔ یہی قول سفیان ثوری ابن مبارک، اور ابن ابی لیلیٰ کا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ افعال نماز میں امام کے ساتھ مشارکت شرط ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مصرح ہے اور یہ شرط نہ رکوع میں پائی گئی نہ قیام میں۔ لہذا اس کو مدرک رکعت نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا اتنے میں امام نے بھی رکوع کرلیا اور دونوں رکوع میں شریک ہو گئے تو اس نے رکعت پالی اور اس کی نماز صحیح ہے۔

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

باب قضا نمازیں ادا کرنیکے بیان میں

اَلتَّرْتِیْبُ بَیْنَ الْفَائِتَةِ وَالْوَقْتِیَّةِ وَبَیْنَ الْفَوَائِتِ مُسْتَحَقٌّ وَ یَسْقُطُ التَّرْتِیْبُ بِضِیْقِ الْوَقْتِ وَالنِّسْیَان

قضا اور وقتی نمازوں میں اور چند قضا نمازوں میں ترتیب ضروری ہے اور تنگی وقت اور نسیان

وَصَیْرُوْرَتِهَا سِتًّا وَلَمْ یَعُدْ بِعَوْدِهَا اِلَی الْقِلَّةِ

اور قضا نمازوں کے پانچ سے زائد ہونے سے ساقط ہوجاتی ہے اور بہت سی قضا نمازوں کے کم ہونے سے ترتیب نہیں لوٹتی

فَلَوْ صَلّٰی فَرْضًا ذَاکِرًا فَائِتَةً وَلَوْ وِتْرًا فَسَدَ فَرْضُهٗ مَوْقُوْفًا

پس اگر کوئی فرض نماز پڑھے قضا یاد ہوتے ہوئے اگرچہ وہ وتر ہی ہو تو فرض فاسد ہوجائے گا بفساد موقوف۔

تشریح الفقہ :قولہ الترتیب الخ مامور بہ کی تین قسمیں ہیں اداء، اعادہ، قضاء، مصنف ادا نماز کے احکام سے فراغت کے بعد قضاء کو بیان فرمارہے ہیں کیونکہ قضاء فرع اداء ہے فرماتے ہیں کہ چند فائتہ نمازوں کے درمیان اور وقتیہ اور چند فائتہ (یعنی پانچ سے کم) نمازوں کے درمیان ترتیب قائم رکھنا مستحق یعنی فرض عملی ہے لہذا اگر ظہر وعصر ومغرب قضاء ہوگئیں اور عشاء کے وقت ادا کرنا چاہے تو اول ظہر پھر عصر پھر مغرب پڑھے تاکہ قضاؤں میں ترتیب رہے پھر وقتی فرض یعنی عشاء پڑھے۔نخعی، مالک، احمد، لیث، ربیعہ سب کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ترتیب مستحب ہے۔طاؤس، ابوثور وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔انکی دلیل یہ ہے کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے لہذا وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا مگر بدلیل جیسے ایمان عام عبادات کے لئے اور صوم اعتکاف کے لئے شرط ہے جواب یہ ہے کہ ہم صحت وقتیہ کے لئے فائتہ کو شرط نہیں کہتے بلکہ ہمارے نزدیک فائتہ مقدم واجب ہے۔اور وقتیہ مؤخر دلیل ارشاد نبوی ہے کہ"جو شخص سوگیا یا نماز بھول گیا پھر ایسے وقت یاد آئی کہ وہ امام کے پیچھے ہے تو جس میں وہ موجود ہے اس کو پڑھ لے اسکے بعد اس کو پڑھے جو یاد آئی پھر جو امام کے پیچھے پڑھی تھی۔اس کا اعادہ کرے، مالک، بیہقی اور دار قطنی نے ثقہ راویوں کیساتھ ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے، نیز حضورؐ کی چار نمازیں غزوہ خندق کی مشغولیت کے موقعہ پر قضاء ہوگئیں تو آپ نے ان کو ترتیب ہی کیساتھ ادا فرمایا لیکن چند صورتوں میں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔(۱) تنگی وقت مثلاً عشاء فوت ہوئی اور فجر کے وقت آفتاب طلوع ہونے میں اتنا وقت باقی ہے کہ قضاء عشاء میں فجر پڑھنے کا وقت نہ رہیگا۔تو فجر کو مقدم کرے۔(۲) وقتیہ پڑھتے وقت فائتہ کو بھول جانا۔(۳) فائتہ نمازیں حد کثرت یعنی چھ نمازوں کو تعداد کو پہنچ جائیں۔وجہ سقوط یہ ہے کہ وقتیہ کو عمداً وقت سے فوت نہ کرنا فرض قطعی ہے اور فائتہ کو مقدم کرنا فرض عملی ہے پس جب وقت تنگ ہو یا فوات کیثرہ ہوں یہاں تک کہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم آتا ہو تو قطعی کو مقدم کیا جائیگا اگر فوات چھ سے کم ہیں اور وقت میں سب کی گنجائش نہیں تو جتنی کی گنجائش ہو مقدم کرکے وقتیہ پڑھ لے۔

قولہ ولم یعد الخ ایک شخص کی ایک ماہ کی نمازیں چھوٹ گئیں وہ برابر قضاء کرتا رہا یہانتک کہ چند نمازیں اور قضا کرنا رہ گئیں یعنی چھ سے کم رہ گئیں۔تو اصح یہ ہے کہ ترتیب نہیں لوٹیگی، امام ابوحفص کبیر فرماتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے امام محمد سے مروی ہے کہ ترتیب پھر لوٹ آئیگی۔

قولہ فلو صلی الخ اگر فائتہ نماز (گو وتر ہی ہو) یاد رکھتے ہوئے وقتیہ نماز پڑھی تو فرض فاسد ہوجائیگا مگر بفساد موقوف اسکی تشریح یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکا تو اسکے یاد ہوتے ہوئے عصر کی نماز پڑھیگا تو فاسد ہوگی اسی طرح پانچ سے کم تک سب نمازیں فاسد ہونگی۔اب امام ابو یوسف کے نزدیک تو وہ سب نفل ہوجائیں گی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ابھی توقف ہوگا کہ اگر اسکے بعد اور پانچ نمازیں پڑھتا رہا اور فاسد ہوتی رہیں تو کثرت کیوجہ سے ترتیب ساقط ہوکر نفل ہوجائیں گی اور امام محمد کے نزدیک اصل نماز ہی رائیگاں ہوجائیگی۔

بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ

باب سجدۂ سہو کے بیان میں

يَجِبُ بَعْدَ السَّلَامِ سَجْدَتَانِ بِتَشَهُّدٍ وَتَسْلِيْمٍ بِتَرْكِ وَاجِبٍ وَاِنْ تَكَرَّرَ بِسَهْوِ اِمَامِهِ لَا بِسَهْوِهِ

واجب ہیں سلام کے بعد دو سجدے تشہد اور سلام کے ساتھ ترک واجب کی وجہ سے گو ترک واجب مکرر ہو جائے امام کی بھول سے نہ کہ مقتدی کی،

فَاِنْ سَهَى عَنِ الْقُعُوْدِ الْاَوَّلِ وَهُوَ اِلَيْهِ اَقْرَبُ عَادَ وَاِلَّا لَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ سَهَى عَنِ الْاَخِيْرَةِ عَادَ مَالَمْ

اگر پہلا قاعدہ بھول کر اٹھ گیا اور ابھی قعدہ کے قریب ہے تو لوٹ جائے ورنہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے اور اگر آخری قعدہ بھول گیا تو سجدہ نہ کرنے تک

يَسْجُدْ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ فَاِنْ سَجَدَ بَطَلَ فَرْضُهُ بِرَفْعِهِ وَصَارَتْ نَفْلًا فَيَضُمُّ سَادِسَةً فَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ

لوٹ جائے اور سجدۂ سہو کرلے اور اگر سجدہ کر چکا تو سر اٹھاتے ہی فرض باطل ہو کر نفل ہو جائیگی پس چھٹی رکعت ملالے اور اگر چوتھی میں بیٹھکر اٹھ گیا

عَادَ وَسَلَّمَ وَاِنْ سَجَدَ لِلْخَامِسَةِ تَمَّ فَرْضُهُ وَضَمَّ سَادِسَةً لِتَصِيْرَ رَكْعَتَانِ نَفْلًا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ

تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض پورا ہو گیا اب چھٹی اور ملالے تا کہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں اور سجدہ سہو کرلے

وَلَوْسَجَدَ لِلسَّهْوِفِيْ شَفْعِ التَّطَوُّعِ لَمْ يَبْنِ شَفْعًا اٰخَرَ عَلَيْهِ وَلَوْ سَلَّمَ السَّاهِيْ فَاقْتَدٰى بِهٖ غَيْرُهٗ

اگر کسی نے نفل کی دو رکعت میں سجدۂ سہو کیا تو ان پر اور دو رکعتیں بنا نہ کرے ایک بھولنے والے نے سلام پھیرا کسی نے اس کی اقتدا کرلی

فَاِنْ سَجَدَ صَحَّ وَاِلَّا لَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ سَلَّمَ لِلْقَطْعِ وَاِنْ شَكَّ اَنَّهٗ كَمْ صَلّٰى وَهُوَ اَوَّلُ مَرَّةٍ

تو اگر اس نے سجدۂ سہو کرلیا تو اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے اگرچہ نماز تمام کرنے کی نیت سے سلام پھیرا ہو، اگر نمازی کو پہلی بار شک ہوا

اِسْتَانَفَ وَاِنْ كَثُرَ تَحَرّٰى وَاِلَّا اَخَذَ بِالْاَقَلِّ تَوَهَّمَ مُصَلِّي الظُّهْرِ اَنَّهٗ اَتَمَّهَا

کہ کتنی پڑھی ہیں تو از سر نو پڑھے اور اگر شک بکثرت ہو تو تحری کرے ورنہ اقل کو لے لے، ظہر پڑھنے والے کو خیال ہوا کہ میں نے نماز پوری کرلی

فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَتَمَّهَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ

پس اس نے سلام پھیر دیا پھر معلوم ہوا کہ دو پڑھی ہیں تو پوری کرلے اور سجدۂ سہو کرے۔

تشریح الفقہ : قولہ باب سجود السھو الخ نوافل و فرائض، اداء و قضاء نمازوں کے بیان سے فراغت کے بعد اس چیز کا بیان ہے جس سے نماز کے نقصان کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ سجدۂ سہو ہے جس سے متعلق چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔(۱) اگر نماز میں سہو ہو جائے خواہ نماز فرض ہو یا نفل تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بصیغۂ امر ہے جس کا مقتضی وجوب ہے۔(۲) ہمارے نزدیک اس کا محل سلام کے بعد ہے خواہ سہو زیادتی کیساتھ ہو یا نقصان کیساتھ امام شافعی کے نزدیک بہر دو صورت سلام سے پہلے ہے۔ امام مالک کے نزدیک بصورت نقصان سلام سے قبل اور بصورت زیادتی سلام کے بعد ہے۔(۳) سجدۂ سہو کا وجوب کسی واجب کے ترک کے سبب سے ہوتا ہے۔ خواہ ترک واجب بصوت تقدیم ہو یا بصورت تاخیر۔

قولہ یجب الخ اگر نماز میں ایک یا ایک سے زائد واجب ترک ہو جائے مثلاً قرأت فاتحہ، قنوت، تشہد یا تکبیرات عیدین چھوٹ جائیں تو سلام کے بعد دو سجدے واجب ہیں تشہد اور سلام کیساتھ یعنی قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور دونوں سجدوں کے بعد دوبار تشہد اور درود وغیرہ پڑھ کر آخری سلام پھیرے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرے۔ (گو سلام کے بعد بھی جائز ہے) ان کی دلیل آنحضرت کا فعل ہے کہ ''آپ نے ظہر کی نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تکبیر کہی اور سلام

سے پہلے دو سجدے کئے'' (صحاح عن عبداللہ بن مالک بن بحینہ) ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ'' ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔'' (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی، احمد، طبرانی، عبدالرزاق عن ثوبان) رہا امام شافعی کا استدلال سو جواب یہ ہے کہ صحاح ستہ میں حضرت ذوالیدین سے مروی ہے کہ آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کئے، نیز صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے عصر کی تین رکعات پر سلام پھیر دیا تھا اس میں یہ ہے کہ کہ پھر آپ نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرا۔ پھر دو سجدے کئے پھر تحلیل کا سلام پھیرا۔ پھر آپکے فعل کی دونوں راویتیں متعارض ہیں لہذا آپ کی قولی احادیث سے تمسک باقی رہا۔ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، پھر یہ بھی یاد رہے کہ مقتدی پر صرف اسکے امام کے سہو سے سجدہ واجب ہوگا اور اگر امام کے پیچھے مقتدی کو سہو ہو گیا تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

قولہ عن القعود الاول الخ اگر کوئی شخص بھول کر کھڑا ہونے لگا اور ایسی حالت میں یاد آیا کہ ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ کر قعدہ کر کے تشہد پڑھ لے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے قریب کے حکم میں ہوتی ہے پس یہاں بھی کھڑے ہونے کی حالت بیٹھنے کے حکم میں ہے اور اصح یہ ہے کہ نیچا دھڑ آدھا سیدھا اور پیٹھ خم ہو تو بیٹھک کے قریب ہے۔ پھر اس صورت میں اصح قول پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔ کیونکہ شرع نے اس کو کھڑا ہونیوالا شمار نہیں کیا البتہ اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے۔ کیونکہ اب وہ کھڑے ہونے کے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں بالاتفاق سجدۂ سہو ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو لوٹ آئے ورنہ نہیں اور حدیث میں جو آیا ہے کہ آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے تسبیح پڑھی تو آپ بیٹھ گئے اسی پر محمول ہے کہ اس وقت آپ سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔

قولہ وان سہی عن الاخیر الخ اور اگر کوئی قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے لئے سجدۂ سے پہلے پہلے لوٹ آئے۔ اور قعدہ کیساتھ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے۔ لوٹنا تو اس لئے ہے کہ یہ برائے اصلاح نماز ہے۔ اور سجدۂ سہو اس لئے ہے کہ واجب قطعی (فرض قعدۂ اخیرہ) میں تاخیر کی ہے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ہمارے نزدیک فرضیت باطل ہوگئی۔ امام محمد، شافعی، مالک اس کے خلاف ہیں۔ دلیل بطلان یہ ہے کہ اس نے اتمام فرض سے قبل نفلی فعل شروع کر کے سجدہ سے مستحکم کر دیا اور تکمیل فرض سے قبل فرض سے نکل جانا اس کے بطلان کے لئے لازم ہے۔ بس فرضیت کے ختم ہو جانے اور اصل نماز کے پائے جانے کی وجہ سے شیخین کے نزدیک وہ نماز نفل ہوگئی۔ لہذا اس زائد رکعت کیساتھ ایک رکعت اور ملا لے تاکہ نفل جفت ہو جائے اور نہ ملائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس نے اس کو قصداً شروع نہیں کیا نیز اس پر سجدۂ سہو بھی نہیں۔

قولہ وان قعد فی الرابعۃ الخ اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں کے سجدۂ سے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور ملا لے۔ اگر فجر و عصر و مغرب ہی ہو اس صورت میں اس کی فرض نماز بھی پوری ہو جائے گی۔ اور دو رکعتیں نفل بن جائینگی۔ فرض اس لئے پورا ہو گیا کہ کوئی رکن یا فرض نہیں چھوٹا صرف لفظ سلام باقی تھا جو واجب ہے۔ جس کی تکمیل سجدۂ سہو سے ہوگئی اور ایک رکعت اور ملانے کا حکم اس لئے ہے کہ تنہا ایک رکعت پڑھنے سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ (ابن عبدالبر)۔

قولہ ولو سجد الخ کسی نے نفل کی دو رکعت پڑھیں اور کسی وجہ سے سجدۂ سہو کیا تو وہ اسی تحریمہ سے اور نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ بناء کرنے سے سجدۂ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو جائیگا بخلاف مسافر کے کہ اگر وہ دو رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کے بعد اقامت کی نیت کر لے تو وہ دوسرا دوگانہ ملا کر چار پڑھ سکتا ہے حالانکہ درمیان میں سجدۂ سہو ہے اس واسطے کہ اگر وہ بناء نہیں کریگا تو اسکی پوری نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اب اس کے ذمہ چار رکعت فرض ہوگئیں۔

بَابُ صَلوٰةِ الْمَرِيْضِ

باب بیمار کی نماز کے بیان میں

مَنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْقِيَامُ اَوْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ صَلّٰى قَاعِدًا يَّرْكَعُ وَيَسْجُدُ اَوْمُوْمِيًا اِنْ تَعَذَّرَ الْقُعُوْدُ

جس پر کھڑا ہونا دشوار ہو یا مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو بیٹھکر رکوع وسجدہ کیساتھ پڑھے اور اگر رکوع سجدہ بھی مشکل ہو تو اشارہ سے پڑھے

وَجَعَلَ سُجُوْدَهٗ اَخْفَضَ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ فَاِنْ فَعَلَ

اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور کوئی چیز اس کے منہ کے سامنے اونچی نہ کی جائے کہ وہ اس پر سجدہ کرے اور اگر ایسا کیا

وَهُوَ يُخْفِضُ رَاْسَهٗ صَحَّ وَاِلَّا لَا وَاِنْ تَعَذَّرَ الْقُعُوْدُ اَوْمَاَ مُسْتَلْقِيًا اَوْعَلٰى جَنْبِهٖ وَاِلَّا اُخِّرَتْ

اور اس نے سجدہ میں سر زیادہ جھکالیا تب بھی صحیح ہے ورنہ نہیں اور اگر بیٹھا بھی نہ جائے تو چت یا کروٹ پر لیٹ کر اشارہ کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو نماز

وَلَمْ يُوْمِ بِعَيْنَيْهِ وَقَلْبِهٖ وَحَاجِبَيْهِ وَاِنْ تَعَذَّرَ الرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ لَا الْقِيَامُ اَوْمٰى قَاعِدًا وَلَوْ مَرِضَ فِيْ صَلوٰتِهٖ

ملتوی کی جائے اور آنکھوں سے اور دل اور بھوں سے اشارہ نہ کرے اور اگر رکوع سجدہ دشوار ہونہ کہ قیام تو بیٹھکر اشارہ سے پڑھے۔ اور اگر نماز میں

يُتِمُّ بِمَا قَدَرَ وَلَوْ صَلّٰى قَاعِدًا يَّرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَصَحَّ بَنٰى وَلَوْكَانَ مُوْمِيًا لَا

بیمار ہو جائے تو جس طرح ہو سکے پوری کرلے اگر بیٹھکر رکوع سجدہ سے پڑھ رہا تھا پھر چنگا ہو گیا تو بناء کرلے اور اگر اشارہ کنندہ تھا تو نہیں،

وَلِلْمُتَطَوِّعِ اَنْ يَّتَّكِئَ عَلٰى شَيْءٍ اِنْ اَعْيٰى وَلَوْ صَلّٰى فِيْ فُلْكٍ قَاعِدًا بِلَا عُذْرٍ صَحَّ

نفل پڑھنے والے کے لئے سہارے کی اجازت ہے اگر تھک گیا ہو اگر کشتی میں بلاعذر بیٹھکر نماز پڑھے تو درست ہے

وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ اَوْ جُنَّ خَمْسَ صَلَوَاتٍ قَضٰى وَلَوْ اَكْثَرَ لَا

جو شخص بیہوش ہو جائے یا پانچ نمازوں تک دیوانہ ہو جائے تو قضاء کرے اور اگر زائد ہو تو نہیں۔

توضیح اللغۃ: اخفض زیادہ پست مستلقیاً چت لیٹ کر، جنب پہلو، حاجب ابروبھوں، اعیا تھک جائے فلک کشتی، اغمی بیہوشی طاری ہوگئی۔

تشریح الفقہ: **قولہ من تعذر الخ** اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو یا قیام کرنے سے مرض کی زیادتی کا یا دیر میں اچھا ہونے کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ ٹیک لگا کر کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر رکوع وسجدہ بھی متعذر ہو جائے تو قبلہ رخ لیٹ کر گھٹنوں کو کھڑا کر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔ کیونکہ آیت یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم" کے متعلق ابن مسعود، ابن عمر اور جابر فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں ہے یعنی اگر قیام پر قادر ہوں تو کھڑے ہو کر اور قیام سے عاجز ہوں تو بیٹھ کر اور بیٹھنے سے بھی عاجز ہوں تو اپنے پہلوؤں پر لیٹ کر نیز حضرت عمران بن حصین کو بواسیر کی شکایت تھی نماز کے متعلق حضور سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر پڑھ (صحاح غیر مسلم)

پھر مریض اگر اشارہ سے نماز پڑھتا ہو تو اسکی پیشانی کی طرف کوئی ایسی چیز اونچی نہ کیجائے جس پر وہ سجدہ کرے کیونکہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لائے دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھ رہا ہے آپ نے تکیہ لیکر پھینک دیا۔ اس نے ایک لکڑی پکڑلی کہ اس پر نماز پڑھے آپ نے اسکو بھی پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ اگر تجھ کو طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھ ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجدہ کو رکوع سے پست کر (بزار، بیہقی عن جابر، طبرانی عن ابن عمر)

قولہ والا اخرت الخ اور اگر مریض کو سر سے اشارہ کر کے بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دے آنکھ یا بھوؤں یا دل

سے اشارہ کر کے نماز پڑھنا صحیح نہیں یہی اصح ہے۔ امام ابوحنیفہ سے غیر ظاہر الروایہ میں صرف بھوؤں سے اشارہ کا جواز ہے امام ابو یوسف سے روایات مختلف ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد سے مروی ہے کہ آنکھوں سے پھر بھوؤں سے پھر دل سے اشارہ جائز ہے۔ امام محمد سے آنکھوں سے اشارہ کے جواز میں شک اور قلب سے اشارہ میں عدم جواز مروی ہے اور بھوؤں کا ذکر نہیں۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک بھی ان چیزوں سے اشارہ جائز ہے۔ لیکن جب سر سے اشارہ پر قدرت ہو جائے تو اعادہ ضروری ہے۔ لیکن ظاہر الروایہ میں ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ حضور کا ارشاد گذر چکا کہ ''جب رکوع وسجود کی قدرت نہ ہو تو سر سے اشارہ کر۔ سوال اس میں سر کے علاوہ دوسری چیزوں سے ممانعت نہیں ہے جواب دوسری چیزوں سے اشارہ کا ثبوت ہونا چاہئے۔ اور وہ کسی روایت میں نہیں ہے۔'' مصنف کے قول ''اخرت'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز بالکل معاف نہ ہوگی۔ بلکہ فوراً ادا کرنے سے انتہائی عاجز ہونے کی بنا پر مہلت ہے۔ اگر تندرست ہونے کے بعد وقت پائے تو چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء لازم ہے۔

قولہ وان تعذر الخ اگر مریض قیام کر سکتا ہو لیکن رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو یا فقط سجود پر قدرت نہ ہو تب بھی اس پر قیام کرنا لازم نہیں چاہے کھڑے ہو کر پڑھے چاہے بیٹھ کر اور بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ قیام اس لئے لازم تھا کہ اس کے ذریعہ رکوع وسجدہ ادا کیا جا سکے۔ اور جب وہ اس قیام پر قادر نہیں جس کے بعد سجدہ ہو سکے تو اب وہ رکوع وسجدہ کا ذریعہ نہ بن سکا اس لئے نمازی کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہوگا۔ اور ایسی حالت میں بیٹھ کر پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کیساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ بخلاف کھڑے ہو کر اشارہ کے ساتھ سجدہ کرنے کے کہ وہ زمین سے بہت دور ہے۔

قولہ وان اغمی الخ جس شخص کو پانچ نمازوں سے کم تک بے ہوشی طاری ہو تو وہ ان نمازوں کی قضاء کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں تو اس پر قضا نہیں یہ حکم مبنی بر استحسان ہے مقتضی قیاس تو یہ ہے کہ بے ہوش ہونے والے پر قضا نہ ہو جبکہ بے ہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا کیونکہ عجز متحقق ہو گیا اس لئے بے ہوشی جنون کے مشابہ ہوگئی، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب بے ہوشی کی مدت دراز ہو جائیگی تو قضائیں بہت ہو جائیں گی۔ اور وہ ان کی قضا کرنے کی وجہ سے حرج میں پڑ جائیگا۔ اور جب مدت کم ہوگی تو قضا نمازیں کم ہونگی جن کی قضا میں کوئی حرج لازم نہیں آتا اور کثرت کی مقدار یہ ہے کہ قضا نمازیں ایک دن اور ایک رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ مکرر کی حد میں داخل ہو جائیں گی۔

قولہ ولو صلی فی فلک الخ چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اگر چہ کوئی عذر یعنی بیماری وغیرہ بھی نہ ہو، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا بھی یہی قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت ہے تو بلا وجہ قیام کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ کشتی میں اکثر وبیشتر چکر آتا ہے اور جو چیز اکثر وبیشتر واقع ہو وہ متحقق کے مثل ہوتی ہے جیسے سفر میں قصر کی رخصت اس وجہ سے ہے کہ اکثر وبیشتر مشقت لاحق ہوتی ہے۔ اگر کسی کو مشقت لاحق نہ ہو تب بھی قصر کا حکم ہے اسی طرح کشتی میں چکر آنا غالب ہے اس لئے وہ ہر شخص کے حق میں موجود متحقق اعتبار کیا جائیگا۔ لہذا بیٹھ کر پڑھنا جائز ہوا لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ دراصل اس میں علماء اجتہاد کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ترک قیام جائز نہیں پس بہتر یہی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

فائدہ: حکم مذکورہ عام ہے خواہ کشتی سے باہر نکل سکتا ہو یا نہ، البتہ اگر نکل سکتا ہو تو باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں نماز پورے اطمینان کیساتھ ادا کر سکے گا لیکن اگر نکل سکنے کے باوجود کشتی ہی میں نماز پڑھ لی تب بھی جائز ہے چنانچہ ابن حزم نے محلی میں حدیث ابن سیرین سے ذکر کیا ہے کہ ہم کو صحابی نے کشتی میں نماز پڑھائی اس حالت میں کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اگر چاہتے تو کشتی سے باہر نکل سکتے تھے۔ (نور الدرایہ)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ سُجُوْدِ التِّلاوَةِ

باب سجدۂ تلاوت کے بیان میں

يَجِبُ بِاَرْبَعَ عَشَرَ اٰيَةً مِنْهَا اُوْلَى الْحجّ وَصٓ عَلٰى مَنْ تَلَاهَا وَلَوْ اِمَامًا
سجدہ واجب ہے چودہ آیتوں میں سے کوئی آیت پڑھنے سے جن میں سے ایک حج کی پہلی آیت سجدہ ہے اور دوسری صٓ کی ہے پڑھنے والے پر گو امام ہو

اَوْسَمِعَ وَلَوْ غَيْرَ قَاصِدٍ اَوْمُؤْتَمًّا لَا بِتِلَاوَتِهٖ وَلَوْ سَمِعَهَا الْمُصَلِّيْ مِنْ غَيْرِهٖ سَجَدَهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ
اور سننے والے پر گو بلا ارادہ سنے یا مقتدی ہو نہ کہ مقتدی کی تلاوت سے اگر نمازی نے کسی دوسرے سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز کے بعد سجدہ کرے

وَلَوْ سَجَدَ فِيْهَا اَعَادَهَا لَا الصَّلٰوةُ وَلَوْ سَمِعَ مِنَ اِمَامِهٖ فَأْتَمَّ قَبْلَ اَنْ يَّسْجُدَ
اور اگر نماز ہی میں سجدہ کیا تو سجدہ کو لوٹائے نہ کہ نماز کو اگر کسی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی اور سجدہ کرنے سے پہلے اسکی اقتداء کر لی

سَجَدَ مَعَهٗ وَبَعْدَهٗ لَا وَاِنْ لَّمْ يَقْتَدِ بِهٖ سَجَدَهَا وَلَمْ تُقْضَ الصَّلٰوتِيَّةُ خَارِجَهَا
تو امام کیساتھ وہ بھی سجدہ کرے اور اگر سجدہ کے بعد اقتداء کی تو سجدہ نہ کرے اور اگر اقتداء ہی نہیں کی تو خود سجدہ کرے اور نماز میں واجب شدہ سجدہ

وَلَوْ تَلَا خَارِجَ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ لَهٗ وَاَعَادَهَا فِيْهَا سَجَدَ اُخْرٰى وَاِنْ لَّمْ يَسْجُدْ اَوَّلًا كَفَتْهُ سَجْدَةٌ وَّاحِدَةٌ
خارج نماز قضاء نہیں ہوگا اگر خارج نماز تلاوت کی اور سجدہ کر لیا پھر نماز میں لوٹایا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر اولا سجدہ نہ کیا ہو تو ایک ہی کافی ہے

كَمَنْ كَرَّرَهَا فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ وَكَيْفِيَّتُهٗ اَنْ يَّسْجُدَ بِشَرَائِطِ الصَّلٰوةِ بَيْنَ التَّكْبِيْرَتَيْنِ
جیسے وہ شخص جو ایک ہی مجلس میں کئی بار پڑھے نہ کہ دو مجلسوں میں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرے شرائط نماز کے ساتھ دو تکبیروں کے درمیان

بِلَارَفْعِ يَدٍ وَتَشَهُّدٍ وَتَسْلِيْمٍ وَكُرِهَ اَنْ يَّقْرَءَ سُوْرَةً وَيَدَعَ اٰيَةَ السَّجْدَةِ لَا عَكْسُهٗ
رفع یدین اور تشہد وسلام کے بغیر اور مکروہ ہے یہ کہ پڑھے سورت اور چھوڑ دے آیت سجدہ نہ کہ اس کا عکس۔

قولہ یجب الخ قرآن میں کل چودہ سجدے ہیں۔(۱) سورۂ اعراف میں ''یسجدون'' پر (۲) رعد میں ''وللہ یسجد من فی السمٰوٰت'' ختم آیت پر۔ (۳) نحل میں ''ویفعلون ما یومرون'' پر (۴) بنی اسرائیل میں ''یخرون للاذقان اھ'' ختم آیت پر (۵) مریم میں ''سجداً وبکیّا'' پر (۶) حج کا پہلا سجدہ ''الم تر ان اللہ یسجد لہ اھ'' ختم آیت پر (۷) فرقان میں ''واذا قیل لہم اسجدوا للرحمٰن اھ'' (۸) نمل میں ''رب العرش العظیم'' پر (۹) السجدہ میں ''خروا سجدا اھ ختم آیت پر (۱۰) صٓ میں ''وخر راکعا واناب پر (۱۱) ''حم السجدۃ'' میں ''لا یسأمون'' پر (۱۲) نجم میں ''فاسجدوا للہ واعبدوا'' پر (۱۳) انشقت میں ''واذا قرئ علیہم اھ'' ختم آیت پر (۱۴) اقرأ میں واسجد واقترب'' پر ان مواضع میں سجدہ کرنا واجب ہے تلاوت کرنیوالا ہو یا سننے والا ہو امام ہو یا مقتدی قصد کرے یا نہ کرے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ''سجدہ اس پر ہے جس نے اس کو سنا اور اس پر جس نے اس کو پڑھا۔

قولہ ولو سمعھا الخ اگر نمازی نے کسی غیر نمازی سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے خواہ سننے والا نمازی امام ہو یا مقتدی اور نماز ہی میں سجدہ اس لئے نہ کرے کہ اس آیت کا سننا اس کے لئے افعال نماز میں سے نہیں ہے مگر چونکہ اس کا سبب یعنی سننا

عہ.. ابن ابی شیبہ بخاری، عبد الرزاق ولیس فیہ علی من تلا ۱۲

متحقق ہو چکا اس لئے سجدہ کرنا ضروری ہے اگر نماز ہی میں ادا کرلیا تو ادا نہ ہوگا کیونکہ یہ ادا ناقص ہے اور جو چیز ناقص ادا ہوتی ہے اس کا اعادہ ضروری ہوتا ہے لہذا نماز کے بعد اعادہ ضروری ہوگا۔ اگر امام نے سجدہ کی آیت پڑھی اور اس کو کسی ایسے شخص نے سنا جو امام کیساتھ نماز میں نہیں ہے پھر اس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کی اقتداء کی تو امام کیساتھ وہ بھی سجدہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ نہ سنتا تو بھی سجدہ کرنا واجب تھا لہذا اب تو بدرجہ اولیٰ واجب ہے اگر وہ امام کے ساتھ سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا تو واجب نہیں۔ کیونکہ وہ رکعت پانے کی وجہ سے سجدہ پانیوالا ہو گیا۔ اور اگر امام کے ساتھ نماز میں داخل نہیں ہوا تو یہ سجدہ کرے کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا۔

قولہ ولو تلا الخ خارج نماز آیت سجدہ پڑھی اور اتفاق سے سجدہ نہیں کیا پھر کوئی فرض یا نفل نماز شروع کی اور اسی آیت سجدہ کو دوبارہ نماز میں پڑھ کر سجدہ کیا تو پہلا سجدہ بھی ادا ہو گیا اگر چہ پہلے سجدہ کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ نماز والا سجدہ بوجہ افضلیت پہلے سجدہ سے قوی ہے لہذا وہ پہلے سجدہ کو اپنے تابع کرلے گا۔ اور اگر نماز میں پڑھنے سے پہلے سجدہ کرلیا تو نماز میں دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ مجلس بدل گئی اور نماز والا سجدہ قوی ہے اور پہلا ضعیف لہذا یہ سجدہ پہلے سجدہ کے تابع نہ ہوگا۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِر

باب مسافر کی نماز کے بیان میں

قولہ باب صلوۃ المسافر الخ مصنف علیہ الرحمۃ اس باب کو سجدۂ تلاوت کے بعد لا رہے ہیں اس واسطے کہ ان دونوں میں ایک خاص مناسبت ہے اور یہ کہ یہ دونوں عارضی ہیں تلاوت بھی امر عارض ہے اور سفر بھی امر عارض ہے لیکن مصنف نے سجدۂ تلاوت کو مقدم کیا ہے اور اس باب کو مؤخر۔ اس واسطے کہ تلاوت میں اصل اس کا عبادت ہونا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ریاو نمود اور شہرت طلبی یا جنابت و ناپاکی کی وجہ سے عبادت نہ رہے اور سفر میں اصل اباحت ہے گو وہ حج وغیرہ کی وجہ سے عبادت بھی ہو جاتا ہے اور جو چیز باعتبار اصل عبادت ہو اس کا امر مباح پر مقدم ہونا ظاہر ہے اس لئے مصنف نے سجدۂ تلاوت کے احکام کو مقدم کیا اور صلوۃ مسافر کے احکام کو مؤخر نیز سفر کے چند احکام بدلے ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز میں قصر ہونا، روزہ افطار کرنا، موزہ پر مسح کی مدت کا تین دن تین رات تک بڑھ جانا، جمعہ، عیدین اور قربانی کا واجب نہ ہونا وغیرہ۔ اس لئے بھی اس کو مؤخر کرنا مناسب ہے لغت میں سفر کے معنی ظہور کے ہیں یقال سفر (ن) سفوراً۔ واسفر الصبح۔ صبح روشن ہوگئی۔ انسفر الغیم بادل چھٹ گیا۔ چونکہ سفر میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا یہ کہ اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں۔ پھر مطلق سفر سے احکام نہیں بدلتے بلکہ جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسی مسافت کا قصد کرے جو عادۃً تین دن تین رات میں طے ہو۔ خواہ اونٹ کی رفتار ہو یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی اور تین دن بھی ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹے موسم کے معتبر ہیں جیسے ہمارے یہاں ایام سرما، پھر صبح سے رات تک مسلسل چلنا بھی شرط نہیں بلکہ ہر روز صبح سے وقت زوال تک ہر مرحلہ پر پہنچ کر استراحت و آرام کر کے تین دن اور تین رات میں مسافت کا طے ہونا معتبر ہے۔ بعض مشائخ نے سفر شرعی کا اندازہ تین فرسخ سے کیا ہے فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اس حساب سے سفر شرعی کا اندازہ چھتیس ہزار قدم کا ہوا۔ بعض نے مقدار سفر اکیس فرسخ اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے پندرہ اور بعض نے دس فرسخ قرار دی ہے درایہ شرح ہدایہ میں اٹھارہ پر اور مجتبیٰ میں اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ پر ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان تمام اقوال کو ضعیف کہکر یہ بتایا ہے کہ قصر کا مدار اس مسافت پر ہے جو اوسط چال سے تین روز میں طے ہو۔

مَنْ جَاوَزَ بُيُوْتَ مِصْرِهٖ مُرِيْدًا سَيْرًا وَّسَطًا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِيْ بَرٍّ اَوْبَحْرٍ اَوْ جَبَلٍ قَصَرَ الْفَرْضَ الرُّبَاعِيَّ

جو شخص گذر جائے شہر کے گھروں سے بارادۂ سفر میانہ تین دن تین رات جنگل یا دریا یا پہاڑ میں تو وہ چار رکعت والے فرض کو دو پڑھے

فَلَوْاَتَمَّ وَقَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ صَحَّ وَاِلَّا لاَ حَتّٰى يَدْخُلَ مِصْرَهٗ اَوْيَنْوِيَ اِقَامَةَ نِصْفِ شَهْرٍ بِبَلْدَةٍ اَوْقَرْيَةٍ

اور اگر پوری پڑھیں اور دو رکعت میں بیٹھ گیا تو صحیح ہے ورنہ نہیں یہاں تک کہ اپنے شہر میں داخل ہو یا کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے

لاَبِمَكَّةَ وَمِنًى وَقَصَرَ اِنْ نَوٰى اَقَلَّ مِنْهُ اَوْ لَمْ يَنْوِ وَبَقِيَ سِنِيْنَ اَوْنَوٰى عَسْكَرٌ ذٰلِكَ بِاَرْضِ الْحَرْبِ

نہ کہ مکہ اور منیٰ میں اور قصر کرے اگر اس سے کم کی نیت کی یا نیت بالکل نہیں کی اور برسوں تک رہتا رہا، یا لشکر نے دارالحرب میں اس کی نیت کی

وَاِنْ حَاصَرُوْا فِيْهَا مِصْرًا اَوْحَاصَرُوْا اَهْلَ الْبَغْيِ فِيْ دَارِنَا فِيْ غَيْرِهٖ بِخِلاَفِ اَهْلِ الْاَخْبِيَةِ وَاِنِ اقْتَدٰى مُسَافِرٌ بِمُقِيْمٍ

اگرچہ محاصرہ کئے ہوئے ہوں شہر کا یا باغیوں کا دارالاسلام میں غیر شہر میں بخلاف خانہ بدوشوں کے، اگر مسافر کسی مقیم کی اقتداء کرلے

فِي الْوَقْتِ صَحَّ وَاَتَمَّ وَبَعْدَهٗ لاَ وَبِعَكْسِهٖ صَحَّ فِيْهِمَا

نماز کے وقت میں تو یہ درست ہے اب مسافر پوری پڑھے اور وقت کے بعد درست نہیں اور بصورت عکس دونوں میں صحیح ہے

وَيَبْطُلُ الْوَطَنُ الْاَصْلِيُّ بِمِثْلِهٖ لاَ السَّفَرِ وَوَطَنُ الْاِقَامَةِ بِمِثْلِهٖ وَالْاَصْلِيِّ

اور وطن اصلی اپنے مثل سے باطل ہوجاتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن اقامت اپنے مثل سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے

وَفَائِتَةُ السَّفَرِ وَالْحَضَرِ تُقْضٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعًا وَالْمُعْتَبَرُ فِيْهِ اٰخِرُ الْوَقْتِ وَالْعَاصِيْ كَغَيْرِهٖ

سفر و حضر کی قضاء نمازیں دو اور چار رکعتیں پڑھی جائیں اور معتبر اس میں نماز کا آخر وقت ہے اور گنہ گار دوسروں جیسا ہے

وَيُعْتَبَرُ نِيَّةُ الْاِقَامَةِ فِي السَّفَرِ مِنَ الْاَصْلِ دُوْنَ التَّبَعِ اَيِ الْمَرْءَةِ وَالْعَبْدِ وَالْجُنْدِيِّ

اور اقامت و سفر کی نیت کا اعتبار اصل سے ہے نہ کہ تابع سے جیسے عورت اور غلام اور سپاہی

توضیح اللغۃ: جاوز آگے بڑھ جائے، مصر شہر، وسط درمیانی، بر خشکی، جبل پہاڑ، قصر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھے، قریہ بستی، سنین جمع سنہ سال، عسکر لشکر، حصروا گھیرا ڈال دیا۔ اہل البغی حاکم کے نافرمان، اہل الاخبیہ: خانہ بدوش، حضر اقامت، جندی لشکر۔

تشریح الفقہ: قولہ من جاوز الخ سفر سے چار باتیں متعلق ہیں۔ (۱) قصر کی ابتداء کہاں سے ہو۔ (۲) شروط قصر (۳) حکم سفر (۴) مدت قصر۔ مصنف نے ''من جاوز بیوت مصر'' سے (۱) کو اور ''مریدا'' ''سیرا اھ'' سے (۲) کو قصر الفرض الرباعی'' سے (۳) کو اور ''حتی یدخل مصرہ'' سے (۴) کو بیان کیا ہے، ان نمبرات کی تشریح یہ ہے کہ قصر کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب کہ مسافر اپنے مسکن سے نکل کر شہروں کے گھروں سے متجاوز ہوجائے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ (بخاری و مسلم عن انس) نیز حضرت علی کا ارشاد ہے کہ ''اگر ہم اس خص[1] سے گذر جائیں تو ضرور قصر کریں گے۔ (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق) (۲) سفر کی رخصت حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتنی مسافت کے قصد پر نکلے جو وسط چال کیساتھ تین روز میں طے ہو اگر اس کا ارادہ نہیں کیا تو اس کو کبھی سفر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگرچہ ہزاروں کوس کی مسافت طے کر جائے مثلاً ایک شخص نے اپنے بھاگے ہوئے غلام یا قرضدار کو تلاش کرنے کے لئے نکلا اور کسی روز اس نے اتنی مسافت پر جا کر جستجو کا قصد نہ کیا تو وہ مسافر نہیں۔ (۳) ہمارے نزدیک رباعی نماز میں مسافر پر حتمی طور سے دو رکعت فرض ہے۔ یہی قول صحابہ میں سے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، جابر، ابن عباس، ابن عمر کا ہے اور بقول علامہ بغوی یہی اکثر علماء کا قول ہے، امام شافعی، امام مالک، امام احمد کے نزدیک اصل

[1] خص بمعنی نرکل کا جھونپڑا ۱۲

فرض چار ہی رکعتیں ہیں۔ لیکن قصر کی اجازت ہے جیسے روزہ فرض ہے لیکن مشقت کی وجہ سے سفر میں افطار کی اجازت ہے۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ کہ نماز سفر دو رکعت، نماز بقرعید دو رکعت، نماز عید دو رکعت، نماز جمعہ دو رکعت یہ نمازیں پوری ہیں قصر نہیں بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان) حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں نماز پوری پڑھنے والا ایسا ہے جیسے حضر میں قصر کرنیوالا (دارقطنی) (۴) جو شخص شرعاً مسافر ہو وہ برابر قصر کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مدت سفر پوری کرنے سے پہلے واپسی وطن کا ارادہ کرے۔ یا مدت سفر پوری کر کے وطن آ جائے یا مدت پوری ہونے کے بعد دوسرے مقام میں داخل ہو کر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ بشرطیکہ یہ مقام دارالحرب کا نہ ہو اور وہ خود کسی کا تابع نہ ہو اور نیت میں کوئی تردد نہ ہو۔

قولہ بخلاف اھل الاخبیۃ الخ اہل خبیہ سے مراد عرب کے بدو اور قوم کرد و ترکمان اور ریوڑ والے ہیں جو بالوں کے خیموں اور سرکیوں میں رہا کرتے ہیں اور جابجا ڈیرے لئے پھرتے ہیں گاؤں کی طرح کہیں جم کر آباد نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں نے کسی جگہ پندرہ روز اقامت کی نیت کر لی تو بقول اصح ان کی نیت صحیح ہے امام ابو یوسف سے یہی روایت ہے اور محیط میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ وان اقتدی الخ اگر مسافر نے وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کی تو اقتداء صحیح ہے اور اب وہ چار رکعت پوری پڑھے کیونکہ اتباع امام کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے لیکن صحت اقتداء کے لئے ابتداء میں وقت اداء کا ہونا ضروری ہے۔ اگر خروج وقت کے بعد اقتداء کی تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا اور اگر اس کا عکس ہو یعنی کوئی مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو یہ بہر دو صورت صحیح ہے وقت میں ہو یا غیر وقت میں۔

قولہ و یبطل الوطن الخ وطن دو ہیں۔ وطن اصلی۔ وطن اقامت، وطن اصلی وہ آبادی ہے جہاں آدمی پیدا ہوا ہے نیز وہ بھی وطن اصلی ہے جہاں اس نے شادی کی اور زندگی گذارنے کا قصد کیا، وطن اقامت وہ ہے جہاں سفر میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ کی نیت سے ٹھہر گیا ہو۔ وطن اصلی اپنے مثل سے ختم ہو جاتا ہے۔ نہ کہ سفر سے یعنی جس معنی کے لحاظ سے ایک وطن اصلی تھا اگر اس کو چھوڑ کر اسی معنی میں دوسرا وطن بنا لیا تو پہلا وطن اصلی ختم ہو گیا۔ مثلاً ایک شخص کا وطن اصلی سہارنپور تھا وہ اس کو چھوڑ کر مرادآباد منتقل ہو گیا۔ اور اس کو وطن بنا لیا۔ پھر اس نے اس جدید وطن سے وطن اول کی طرف سفر کیا تو وہاں جا کر قصر کریگا کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہیں رہا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا۔ اور نماز کے بعد فرمایا: اے اہلِ مکہ! تم اپنی نماز پوری کر لو۔ ہم تو مسافر ہیں اور وطن اقامت اپنے مثل وطن اقامت، سفر، وطن اصلی سب سے ختم ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے سفر میں کسی مقام پر پندرہ روز وطن اقامت بنا لیا تھا پھر اسے چھوڑ کر دوسری جگہ پندرہ روز اقامت کی یا وہاں سے سفر کیا یا وہاں سے اپنے وطن اصلی میں چلا گیا تو وہ وطن اقامت ختم ہو گیا اگر وہاں جائے تو قصر کرے۔

قولہ والعاصی کغیرہ الخ رخصت سفر میں مطیع و فرمانبردار کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ مطیع و نافرمان دونوں یکساں ہیں پس جس طرح حلال تجارت، طلب علم، حج بیت اللہ کے لئے سفر کرنیوالا دو رکعت پڑھتا ہے اسی طرح جو شخص شراب لینے یا چوری کرنے یا کسی پر ظلم کرنے کے لئے شرعی مسافت طے کرے وہ بھی دو ہی رکعت پڑھیگا امام شافعی کے یہاں نافرمان کے لئے سفر کی رخصت نہیں کیونکہ رخصت رحمت و انعام ہے اور نافرمان مستحق عذاب ہے یہی قول امام مالک و امام احمد کا ہے، ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے کہ آیت "فمن کان منکم مریضا اوعلی سفراھ" اور حدیث "فرض المسافر رکعتان" میں مطیع کی کوئی تخصیص نہیں لہذا ہر مسافر کا یہی حکم ہوگا، عاصی ہو یا مطیع، نیز عاصی کے لئے اپنے سفر میں بالاجماع عمدہ عمدہ کھانے کھانا مباح ہے۔ حالانکہ وہ اس سے معصیت کی قوت حاصل کر رہا ہے۔

قولہ و تعتبر نیۃ الاقامۃ الخ اقامت کے سلسلہ میں اسی کی نیت کا اعتبار ہے جو خود مختار ہو دوسرے کا تابع نہ ہو اگر دوسرے کا تابع ہو تو وہ اپنی نیت سے مقیم نہ ہوگا جیسے بیوی اپنے شوہر کے تابع ہے اور غلام اپنے آقا کے اور شاگرد اپنے استاد کے اور مزدور و نوکر اپنے مستاجر کے اور وظیفہ خوار سپاہی اپنے سردار لشکر کے اختیار میں ہیں۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ

باب نماز جمعہ کے بیان میں

قولہ باب الخ باب سابق کیساتھ اس باب کی مناسبت تنصیف ہے۔ کہ مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے، البتہ یہاں تنصیف ایک خاص نماز میں ہے۔ یعنی ظہر میں اور مسافر کی ہر چہار رکعت والی نماز میں تنصیف ہے پس باب سابق عام ہوا اور باب لاحق خاص اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے۔ جمعہ کی نماز حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک ہی نہیں بلکہ جمیع مسلمین کے نزدیک فرض ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے حتی کہ اس کا منکر کافر ہے بلکہ ہمارے ائمہ نے تو تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے۔ کیونکہ ہم کو جمعہ کے لئے فرض ظہر چھوڑنے کا حکم ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ "یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ[عہ]" اگر ذکر سے مراد نماز ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر خطبہ مراد ہے کہ اسکا اہتمام مقصود ہے کہ ایسے وقت چلو کہ خطبہ بھی سن سکو۔ اور جب خطبہ سننا فرض ہوا تو نماز بدرجہ اولیٰ فرض ہوئی اور حدیث میں ہے جمعہ ہر مسلمان پر جماعت میں حق واجب ہے سوائے چار کے یعنی غلام، عورت، نابالغ اور بیمار کے[عہ]۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد صحیحین کے مطابق ہے تمیم داری کی حدیث میں بھی حق واجب ہے اور مسافر کا بھی استثناء ہے کہ ترک جمعہ پر شدید مذمت وارد ہے۔ حتی کہ بلا عذر ترک کرنیوالے کو منافق کہا گیا ہے، بعض جہلاء مذہب حنفیہ کی طرف عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں جس کا منشاء قدوری کی یہ عبارت ہے۔ "فان صلی الظھر فی منزلہ یوم الجمعۃ و لاعذر لہ کرہ" حالانکہ اس سے قدوری کی مراد حرمت ہے۔

قولہ الجمعۃ الخ زمانہ جاہلیت میں لوگ جمعہ کو عروبہ کہتے تھے سب سے پہلے کعب بن لوی نے جمعہ کیساتھ موسوم کیا۔ لفظ جمعہ میں بقول واحدی وقراء میم کا ضمہ، فتحہ اور سکون تینوں جائز ہیں مگر میم کے ضمہ کے ساتھ (جمعہ) فصیح لغت ہے۔ یہ اجتماع سے ہے جیسے فرقۃ افتراق سے ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں خصائل خیر بکثرت جمع فرمائے ہیں۔ اس لئے اس کو جمعہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس روز خلقت آدم کی تکمیل فرمائی اس لئے جمعہ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت میں بچھڑنے کے بعد زمیں پر اسی روز پہلی بار حواء سے آدم کی ملاقات ہوئی اور علامہ طیبی کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ اس لئے پڑا کہ اس کے اندر عظیم الشان باتیں واقع ہوئیں یا ہونگی۔ اس کے پچاس سے زائد فضائل احادیث سے ثابت ہیں حضور صلعم سے آیت، "وشاہد ومشہود" کی تفسیر یہ ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر آفتاب طلوع ہوا جمعہ ہے۔ اسی روز آدم پیدا کیے گئے۔ اسی روز جنت میں داخل ہوئے۔ اسی روز جنت سے زمیں پر اتارے گئے۔ اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ اسی روز آدم کی دعاء قبول ہوئی۔ اسی روز دنیا سے انتقال ہوا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے روز صبح سے طلوع آفتاب تک قیامت کے ڈر سے خائف نہ رہتا ہو علاوہ جن وانس کے۔

فائدہ: جمعہ کے لئے بارہ شرطیں ہیں۔ چھ (۶) وجوب کی اور چھ (۶) صحت کی۔ وجوب کی شرطیں یہ ہیں۔ آزاد ہونا۔ مرد ہونا۔ مقیم ہونا۔ تندرست ہونا، پاؤں اور آنکھوں کا سلامت ہونا، صحت کی شرطیں یہ ہیں شہر ہونا۔ سلطان یا اس کا نائب ہونا، وقت کا ہونا، جماعت، خطبہ، عام اجازت، یہ بارہ شرطیں فارسی کے اس قطعہ میں جمع ہیں۔

شرط وجوب عقل واقامت بلوغ داں   بیعذری است مردی و آزادی بعد ازاں

سلطان وقت وخطبہ وجماعت ہم اذان وشہر   یادش پی اداکن ومگذار رائگاں

ان سب کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے۔

عہ...... ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلو اور خرید وفروخت چھوڑ دو ۱۲۔

عہ...... ابوداؤد ۱۲ عہ...... بیہقی فی الکبریٰ عن ابی ہریرہ ۱۲ عہ...... مالک، ابوداؤد عن ابی ہریرہ ۱۲

شَرْطُ اَدَائِهَا الْمِصْرُ وَهُوَ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ اَمِيْرٌ وَّقَاضٍ يُنَفِّذُ الْاَحْكَامَ وَيُقِيْمُ الْحُدُوْدَ اَوْ مُصَلَّاهُ

ادائیگی جمعہ کی شرط مصر ہے اور مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم یا قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود جاری کرتا ہو یا عیدگاہ کا ہونا

وَمِنىٰ مِصْرٌ لَاعَرَفَاتٌ وَتُؤَدّٰى فِيْ مِصْرٍ فِيْ مَوَاضِعَ

اور منیٰ شہر ہے نہ کہ عرفات اور ادا کیا جاسکتا ہے شہر میں چند جگہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ شرط ادائہا الخ** شروط جمعہ کا تفصیلی بیان ہے ادا جمعہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ مصر جامع اور شہر ہو پس جنگل میں اور گاؤں میں جمعہ ادا نہ ہوگا۔ حضرت علی، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مجاہد، ابن سیرین، سفیان ثوری سب کا یہی قول ہے۔ کیونکہ حضرت علی کی روایت ہے کہ ''نہیں ہے جمعہ اور تشریق اور نماز عید و بقرعید مگر شہر جامع میں'' (ابن شیبہ، عبدالرزاق)۔ ابن حزم نے اس کی اسناد صحیح مانی ہے اور کہا ہے کہ حضرت خدیفہ سے بھی یہی مروی ہے امام شافعی دیہات میں بھی جمعہ واجب کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ''مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد پہلا جمعہ صوبہ بحرین کے قریہ'' جواثا'' میں ہوا ہے جواب یہ ہے کہ لفظ قریہ جیسے گاؤں کے معنی میں آتا ہے ویسے ہی شہر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ آیت ''**وقالو الولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم**'' میں مکہ اور طائف کو اور آیت ''**تلک القری نقص علیک من انبائھا**'' اور **تلک القری اھلکناھم**'' میں قوم ہود قوم صالح، قوم لوط، قوم فرعون کی آبادیوں کو قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب اہل شہر تھے، نیز صحاح میں ہے کہ جواثا صوبہ بحرین میں ایک حصن تھا معلوم ہوا کہ جواثا مصر جامع تھا۔

قولہ وھو کل موضع الخ مصر جامع سے مراد کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) مصر جامع ہر ایسا مقام ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرتا ہو یعنی احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو، یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے یہی ظاہر مذہب ہے۔ مصر جامع ہر وہ مقام ہے کہ اگر وہاں کے تمام وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہے اس کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سب کی سمائی نہ ہو (مجتبیٰ) (یہ بھی امام ابو یوسف ہی سے مروی ہے، محمد بن شجاع بلخی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ولوالجیہ میں اسی کو صحیح کہا ہے امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ مصر جامع وہ مقام ہے جس میں گلیاں، بازار ہوں اور حاکم ہو جو ظالم و مظلوم کا انصاف کرے۔ عالم ہو جو واقعات میں فتوی دے۔ بالجملہ مصر جامع کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں۔ مصنف نے جو قول ذکر کیا ہے۔ یہی ظاہر درست ہے۔

قولہ او مصلاۃ الخ یا مصر جامع کی عیدگاہ ہو، اس سے مراد فنا شہر ہے۔ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مصالح شہر جیسے گھڑ دوڑ تیر اندازی نماز عید، مردوں کی تدفین اور چراگاہ وغیرہ کے لئے بنائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ مصر جامع کے باہر مصلی یعنی فناء مصر تک میں جمعہ جائز ہے۔

قولہ ومنا الخ ایام حج میں منیٰ کا حکم شہر جیسا ہے کہ اس میں جمعہ جائز ہے بشرطیکہ جمعہ پڑھنے والے مجمع کا سردار مستقل حاکم ہو محض امیر حج نہ ہو، امام محمد، شافعی، احمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ منیٰ ایک گاؤں ہے اسی لئے اس میں بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ حالانکہ وہاں حاجیوں کا مجمع ہوتا ہے شیخین یہ فرماتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ شہر بن جاتا ہے۔ جس میں بازار، گلیاں، سلطان یا اسکا نائب ہوتا ہے۔ اور نماز عید کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ لوگ افعال حج میں مشغول رہتے ہیں پس نماز عید میں جہت تخفیف ساقط ہوگئی (طحاوی) البتہ عرفات بالکل جنگل میدان ہے۔ اس میں جمعہ جائز نہیں۔

قولہ و تودی الخ ایک شہر کی متعدد مساجد میں جمعہ جائز ہے۔ دو مسجدوں میں ہو یا دو سے زیادہ میں شہر چھوٹا ہو یا بڑا یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے وجہ یہ ہے کہ حدیث ''لاجمعۃ الا فی مصر'' مطلق ہے، جس میں صرف شہر ہونیکی شرط ہے۔ نیز جو لوگ مسجد سے بہت فاصلہ پر ہونگے۔ ان کو بہت مسافت طے کرنا ہوگی جس میں کھلا حرج ہے۔ امام صاحب سے متعدد جگہوں میں عدم جواز بھی مروی ہے۔ طحاوی، تمرتاشی، صاحب مختار وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے امام شافعی کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت اور امام مالک سے یہی مشہور ہے۔ کیونکہ صحابہ سے چند جگہوں پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔

وَالسُّلطَانُ اَوْ نَائِبُهُ وَوَقْتُ الظُّهرِ فَتَبطُلُ بِخُرُوْجِهٖ وَالْخُطبَةُ قَبْلَهَا وَسُنَّ خُطْبَتَانِ بِجَلْسَةٍ بَيْنَهُمَا

اور بادشاہ یا اسکے نائب کا ہونا اور وقت ظہر کا ہونا پس باطل ہو جائیگا اسکے نکل جانے سے اور جمعہ سے پہلے خطبہ کا ہونا اور مسنون ہیں دو خطبے ایک بیٹھک سے

بِطَهَارَةٍ قَائِمًا وَكَفَتْ تَحْمِيدَةٌ اَوْ تَهْلِيلَةٌ اَوْتَسْبِيحَةٌ وَالْجَمَاعَةُ وَهُمْ ثَلٰثَةٌ

انکے درمیان طہارت کیساتھ کھڑے ہوکر اور کافی ہے الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا اور جماعت کا ہونا اور وہ تین آدمی ہیں امام کے علاوہ

فَاِنْ نَفَرُوْا قَبْلَ سُجُوْدِهٖ بَطَلَتْ وَالْاِذْنُ الْعَامُّ وَشَرْطُ وُجُوْبِهَا الْاِقَامَةُ وَالصِّحَّةُ وَالْحُرِّيَّةُ وَالذُّكُوْرَةُ وَالْبُلُوْغُ

پس اگر سجدہ سے پیشتر سب بھاگ جائیں تو جمعہ باطل ہو جائیگا اور اذن عام کا ہونا اور وجوب جمعہ کی شرط مقیم ہونا تندرست ہونا آزاد ہونا مرد ہونا

وَسَلَامَةُ الْعَيْنَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَمَنْ لَّاجُمُعَةَ عَلَيْهِ اِنْ اَدَّاهَا جَازَ مِنْ فَرْضِ الْوَقْتِ

آنکھوں اور پاؤں کا سلامت ہونا ہے اور جس پر جمعہ نہیں اگر وہ ادا کرلے تو وقتی فرض کے بدلے میں ادا ہو جائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ والسطان الخ صحت اداء جمعہ کے لئے دوسری شرط سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ہے کیونکہ جمعہ ایک جماعت عظیم کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور جماعت میں ہر شخص اپنی رائے کا مجاز ہوتا ہے اس لئے بہت سے اختلاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک کہے گا کہ میں امامت کرونگا دوسرا کہے گا نہیں میں کرونگا۔ ایک گروہ کہے گا کہ ہم فلاں بزرگ کو امامت کیلئے آگے بڑھائیں گے دوسرا گروہ کہے گا کہ ہم فلاں کو امام بنائیں گے۔ ایک کہے گا کہ ہماری مسجد میں جمعہ قائم ہو دوسرا کہے گا کہ ہماری مسجد میں قائم ہو۔ ایک فریق ایک وقت متعین کریگا دوسرا فریق کہے گا کہ نہیں اس کے کچھ دیر بعد ہونا چاہئے۔ غرضیکہ شیطان کو مختلف طریق سے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے گا اور جمعہ کا مقصد جو دلوں میں الفت قائم کرنا ہے وہ فوت ہو جائیگا۔ اس لئے شاہ وقت یا اسکے نائب کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس قسم کے اختلاف سے امن ہو سکے۔

قولہ ووقت الظہر الخ تیسری شرط وقت ظہر کا ہونا ہے کہ جمعہ کی ادائیگی ظہر کے وقت میں ہوگی اس کے بعد نہ ہوگی پس اگر جمعہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کا وقت نکل گیا اور وہ ابھی سلام نہیں پھیر سکا تو جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ از سر نو ظہر کی نماز پڑھنا پڑیگی۔ کیونکہ سلام پھیرنے تک ظہر کا وقت باقی رہنا شرط ہے۔ البتہ صاحبین کے نزدیک بقدر تشہد بیٹھ لینے کے بعد وقت نکلنے سے نماز جمعہ پوری ہو جائیگی۔ وقت ظہر کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھاتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا (بخاری عن انس) نیز حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث ہے کہ "ہم لوگ جمعہ پڑھتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا" (مسلم) جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور یہی امام اشافعی کا مذہب ہے۔ شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ قبل از زوال جمعہ جائز نہیں۔ امام احمد سے اسکا جواز منقول ہے کیونکہ حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ "ہم لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے درانحالیکہ دیواروں کا ایسا سایہ نہ ہوتا کہ اس سے سایہ لیں (صحیحین) جواب یہ ہے کہ حضرت سلمہ کی پہلی حدیث میں وقت زوال مصرح ہے اس لئے اس حدیث کو اول وقت پر محمول کیا جائیگا۔ یعنی مدینہ کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کا سایہ اس قدر نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چل سکیں۔

قولہ والخطبۃ الخ چوتھی شرط خطبہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے عمر بھر کوئی جمعہ خطبہ کے بغیر نہیں پڑھا۔ (بیہقی) خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں۔ اور باقی سنن وآداب ہیں، پہلا فرض یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد ہو۔ اگر خطبہ کے بغیر جمعہ پڑھا یا خطبہ زوال سے پیشتر پڑھا یا نماز کے بعد پڑھا تو جائز نہیں ہے۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ خطبہ میں اللہ کا ذکر ہو جس کی ادائیگی امام صاحب کے نزدیک الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ سے بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ خطبہ ہی کے قصد سے ہو مگر کراہت کے ساتھ اور صاحبین کے نزدیک ذکر طویل کا ہونا ضروری ہے جو کم از کم التحیات کے برابر ہو۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مطلق ذکر ہے جو قلیل و کثیر سب کو

شامل ہے اور وجہ کراہت مخالفت سنت ہے پھر یہ کراہت بعض کے نزدیک تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی قہستانی کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے خطبہ میں تقریباً ۱۵ سنتیں ہیں طہارت کا ہونا، بحالت قیام ہونا، دوخطبوں کے درمیان ایک بیٹھک کا ہونا۔ اتنی آواز سے پڑھنا کہ قوم سن لے، الحمد للہ سے شروع کرنا، شہادتین کو ادا کرنا درود پڑھنا، وعظ و نصیحت کرنا، قرآن کی کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا وغیرہ۔

قولہ والجماعۃ الخ پانچویں جماعت کا ہونا ہے جس کا کم تر عدد امام صاحب کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں، امام زفر لیث، اوزاعی، مزنی کا بھی یہی قول ہے، صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی کافی ہیں۔ حضرت حسن بصری بھی یہی فرماتے ہیں۔ پس جب امام کے ساتھ دو آدمی ہوئے تو جماعت پائی گئی طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا مستقل شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے۔ لہذا امام کا شمار جماعت میں نہ ہوگا۔ بلکہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ آیت ''اذا نودی للصلوۃ الخ'' کا مقتضی یہ ہے کہ ایک ذکر کرنیوالا ہو اور وہ امام ہے اور کم از کم تین ساعی ہوں کیونکہ تثنیہ میں گو من وجہ اجتماع کے معنی ہیں لیکن وہ مطلقاً جمع نہیں ہے امام شافعی کے نزدیک کم از کم چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے کیونکہ حضرت کعب بن مالک کی حدیث ہے کہ ''اسعد بن زرارہ نے مدینہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھا (ابن ماجہ) نیز حضرت جابر کی حدیث ہے کہ سنت جاری ہوئی کہ ہر چالیس وزائد میں جمعہ ہے۔ (بیہقی) اور ابوامامہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جمعہ نہیں مگر چالیس آدمیوں کیساتھ جواب یہ ہے کہ اول تو حضرت سعد بن زرارہ کا جمعہ پڑھنا آنحضرت صلعم کے آنے سے قبل تھا۔ دوسرے یہ کہ اس میں اس پر دلالت نہیں کہ اس سے کم میں جمعہ جائز نہیں۔ دوسری روایت کو خود امام نووی نے ضعیف کہا ہے تیسری روایت کی کوئی اصل نہیں موضوع ہے۔

قولہ فان نفروا الخ نماز جمعہ میں جو لوگ امام کیساتھ تھے اگر وہ امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سب چلے جائیں تو امام صاحب کے نزدیک جمعہ باطل ہو جائیگا اور از سر نو ظہر پڑھنا پڑیگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امام نے نماز شروع کر لی تھی تب یہ لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو امام جمعہ پڑھ لے کیونکہ جماعت تو انعقاد جمعہ کے لئے شرط ہے نہ کہ تمام ادا کے لئے لہذا اس کا آخر تک ہونا ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بے شک جماعت انعقاد جمعہ کے لئے شرط ہے لیکن نماز کا انعقاد پوری ایک رکعت پر ہوگا کیونکہ ایک رکعت سے کم نماز نہیں ہوتی۔ اور رکعت کا اختتام سجدہ پر ہوتا ہے لہذا ایک رکعت کے سجدہ تک جماعت کا باقی رہنا ضروری ہے۔

قولہ والاذن العام الخ چھٹی شرط یہ ہے کہ امام یا اسکے نائب کی طرف سے اذن عام ہو مگر صریح اذن مشروط نہیں بلکہ جامع مسجد کے دروازوں کا کھلا رکھنا اور آنیوالوں سے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونا کافی ہے صاحب ہدایہ نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ظاہر الروایہ نہیں بلکہ نوادرات میں سے ہے۔

قولہ وشرط وجوبہا الخ وجوب جمعہ کے لئے بھی چھ (۶) شرطیں ہیں۔ (۱) مقیم ہونا، مسافر پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ اس کو حاضری جمعہ سے حرج لاحق ہوگا۔ (۲) مرد ہونا۔ عورت پر واجب نہیں کیونکہ اس پر دیانۃً اپنے شوہر کی خدمت واجب ہے اور اگر شوہر نہ ہو تب بھی عورت کو جماعت میں آنا ممنوع ہے۔ (۳) تندرست ہونا (۴) دونوں آنکھوں کا سلامت ہونا (۵) آزاد ہونا (۶) دونوں پاؤں کا سلامت ہونا۔

وَلِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمَّ فِيْهَا وَتَنْعَقِدُ بِهِمْ وَمَنْ لَّاعُذْرَ لَهٗ لَوْصَلَّى الظُّهْرَ قَبْلَهَا كُرِهَ

مسافر، غلام اور بیمار کے لئے جمعہ میں امامت کرنا جائز ہے اور ان سے جمعہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اگر غیر معذور جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے تو مکروہ ہے

فَاِنْ سَعٰى اِلَيْهَا بَطَلَ وَكُرِهَ لِلْمَعْذُوْرِ وَالْمَسْجُوْنِ اَدَاءُ الظُّهْرِ بِجَمَاعَةٍ فِي الْمِصْرِ

پھر اگر جمعہ کے لئے جائے تو ظہر کی نماز باطل ہو جائیگی اور معذور اور قیدی کے لئے شہر میں ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے

مَنْ اَدْرَكَهَا فِي التَّشَهُّدِ اَوْ سُجُوْدِ السَّهْوِ اَتَمَّ جُمُعَةً وَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوةَ وَلَا كَلَامَ وَيَجِبُ السَّعْيُ

جوشخص جمعہ تشہد میں یا سجدۂ سہو میں پالے تو جمعہ پورا کرلے جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت نہ نماز ہے نہ بات چیت اور جمعہ کے لئے چلنا

وَتَرْكُ الْبَيْعِ بِالْاَذَانِ الْاَوَّلِ فَاِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ اُذِّنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاُقِيْمَ بَعْدَ تَمَامِ الْخُطْبَةِ

اور خرید وفروخت ترک کرنا پہلی اذان پر ضروری ہے پھر جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اور خطبہ تمام ہونے پر تکبیر کہی جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ وللمسافر الخ مسافر، غلام اور بیمار جمعہ میں امامت کرسکتا ہے، امام زفر کے نزدیک نہیں کرسکتا کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں۔ لہذا عورتوں اور بچوں کی طرح ان کی بھی امامت جائز نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل جمعہ تو فرض عین ہے مگر اندھے اور مسافر وغیرہ کے لئے حرج اور مشقت کی وجہ سے رخصت اور حاضر نہ ہونے کی اجازت ہے پس جب یہ لوگ حاضر ہوگئے تو ان کی نماز فرض ہی واقع ہوگی۔ رہا عورتوں اور بچوں پر قیاس سو یہ صحیح نہیں کیونکہ بچہ میں امامت کی اہلیت نہیں اور عورت مردوں کی امامت کے لائق نہیں۔ مسافر وغلام ومریض کے جمع ہونے سے جماعت جمعہ بھی منعقد ہوجائیگی کیونکہ جب یہ لوگ امامت کے لائق ہیں تو جماعت واقتدا کے لئے بطریق اولیٰ لائق ہونگے۔

قولہ ومن لاعذر لہ الخ اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ظہر کی نماز پڑھ لی جبکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو یہ اس کے حق میں مکروہ یعنی حرام ہے۔ ہاں نماز جائز ہوجائیگی۔ امام اعظم اور صاحبین کا یہ قول ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے امام زفر کے نزدیک نماز بھی جائز نہ ہوگی یہی امام مالک، امام احمد اور غیر ظاہر الروایہ میں امام محمد کا اور امام شافعی کا جدید قول یہی ہے انکی دلیل یہ ہے کہ اصلی فرض جمعہ ہے اور ظہر بمنزلہ اس کے بدل کے ہے۔ اور جب تک اصل پر قدرت ہو بدل کی طرف رجوع جائز نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ اصلی فرض تو تمام لوگوں کے حق میں ظہر ہے لیکن قدرت والے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس ظہر کو اپنے ذمہ سے جمعہ ادا کرکے ساقط کرے پس ظہر ساقط کرنے کے لئے جمعہ ادا کرنا ہر فرد پر حسب قدرت فرض ہے اب اگر اسکے دل میں یہ آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اسی ارادہ سے جمعہ کی طرف متوجہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باہر نکلتے ہی اسکی نماز ظہر باطل ہوجائیگی۔ اگرچہ جمعہ پانے کی امید نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کیساتھ داخل ہوجائے اور تحریمہ باندھ لے کیونکہ سعی ظہر سے کم درجہ ہونیکی بنا پر ظہر کو اسکے پورا ہونے کے بعد نہیں توڑ سکے گی اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے پس جب اس نے جمعہ پالیا تو وہ ظہر کو توڑ دے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب تک امام جمعہ سے فارغ نہ ہوا اس وقت تک اس پر فرض متوجہ ہے کہ اسکے ساتھ ادا کرے یعنی چل کر جائے پس جب وہ اس فرض کے لئے چلا تو جو اس نے ظہر کی نماز پڑھی تھی وہ کالعدم ہوگئی۔ کیونکہ اس وقت میں دو فرض جمع نہیں ہیں۔

قولہ ویجب السعی الخ جمعہ کے روز اذان کے وقت نماز کے لئے چلنا ضروری اور خرید وفروخت میں مشغول ہونا حرام ہے لیکن اذان سے مراد اذان اول ہے یا اذان ثانی؟ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو اذان منبر کے سامنے دی جاتی ہے وہ مراد ہے یہی امام شافعی احمد اور اکثر فقہا کا قول ہے اسی کو فتاوی عثمانیہ میں مختار اور فتاوی مرغینانی وجوامع الفقہ میں صحیح کہا ہے کیونکہ آیت ''اذا نودی للصلوٰۃ الخ'' میں بوقت ندا سعی کا حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی اس سے پہلے کوئی اذان نہیں تھی۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ وہ اذان مراد ہے جو حضرت عثمان کے زمانہ میں اول ہوگئی جیسا کہ اب متوارث ہے بشرطیکہ وہ زوال کے بعد ہو اسی کو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور یہی مبسوط میں ہے وجہ یہ ہے کہ آیت میں ندا سے مراد اعلام یعنی آگاہ کیا جانا ہے کہ جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لئے آگاہ کیا جائے تو خرید وفروخت کو چھوڑ کر اس کی طرف چلو، پس زوال کے بعد جمعہ کے لئے جو پہلا اعلام ہے اسی پر حکم مرتب ہونا چاہیے یہی قول اوفق واحوط ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

باب دونوں عیدوں کی نماز کے بیان میں

تَجِبُ صَلٰوةُ الْعِيْدَيْنِ عَلٰى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ بِشَرَائِطِهَا سِوَى الْخُطْبَةِ وَنُدِبَ فِي الْفِطْرِ اَنْ يَّطْعَمَ

عید کی نماز اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے انہی شرطوں کے ساتھ سوائے خطبہ کے اور مستحب ہے عید الفطر میں یہ کہ کچھ کھائے

وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ اَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ

اور غسل کرے مسواک کرے خوشبو لگائے اپنے سب سے عمدہ کپڑے پہنے اور صدقۂ فطر ادا کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ باب جمعہ کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازیں جماعت عظیم کیساتھ پڑھی جاتی ہیں نیز نماز عید اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور سوائے خطبہ کے اور شرطیں بھی دونوں کی یکساں ہیں۔ (جمعہ میں خطبہ شرط اور مقدم ہے اور عیدین میں خطبہ مؤخر اور سنت ہے) لیکن مصنف نے جمعہ کو مقدم کیا ہے اس لئے کہ اسکا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بیشتر پڑھا جاتا ہے عید عود سے ہے۔ جس کے معنی ہیں لوٹنا، بار بار آنا چونکہ یہ مفہوم اس دن کے اندر موجود ہے اس لئے وہ دن جو ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے یوم عید کہلاتا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کے انعام بندوں پر عائد اور مکرر ہوتے ہیں یہ دن ہر سال مسرت اور خوشی کا پیغام لاتا ہے اور اس روز ہر شخص کی حسب حیثیت عزت وحرمت کا احساس ہر سال تازہ ہوتا ہے اللہ نے رمضان میں جو انسان کو کھانے پینے سے روک دیا تھا عید کے باعث اسکا انعام یعنی افطار بندوں پر رجوع کرتا ہے۔ اس اسلامی تقریب میں اتنے مختلف پہلوؤں سے عود کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے اسکو عید کہتے ہیں۔ پھر یوں بھی اہل عرب ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں قال الشاعر

عِيْدٌ وعِيْدٌ وعِيْدٌ صرنَ مجتمعة

وجهُ الحبيب ويوم العيد و الجمعة

آنحضرت صلعم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال جب روزے پہلی بار فرض ہوئے تو رمضان ختم ہونے کے بعد یکم شوال کو آپ نے سب سے پہلے نماز عید ادا کی، حضرت انس سے روایت ہے کہ اہل مدینہ کے دو دن کھیل کود کے تھے جب آپ تشریف لائے تو فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں سے بہتر دو دن بدل دیئے ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ۔ (ابوداؤد، نسائی)

قولہ تجب الخ جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز عید بھی واجب ہے۔ امام اعظم سے حسن بن زیاد کی روایت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس نماز پر مواظبت فرمائی۔ امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے امام محمد کے نزدیک سنت ہے یہی امام مالک وامام شافعی کا مذہب ہے۔ مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک نجدی اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے علاوہ اور بھی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو اپنی طرف سے بطور نفل پڑھے۔ جواب یہ ہے کہ آپکا ارشاد دیہاتی کے حق میں ہے اور ظاہر ہے کہ دیہاتی پر واجب نہیں نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت نماز عید واجب نہ ہوئی ہو اس کے بعد واجب ہوئی ہے۔

ثُمَّ یَتَوَجَّهُ اِلَی الْمُصَلّٰی غَیْرَ مُکَبِّرٍ وَّمُتَنَفِّلٍ قَبْلَهَا وَوَقْتُهَا مِنْ اِرْتِفَاعِ الشَّمْسِ اِلٰی زَوَالِهَا

پھر عیدگاہ کو چلے آواز کیساتھ تکبیر کہے بغیر اور اس سے قبل نفل نماز پڑھے بغیر، اور اس کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے

وَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ مُثْنِیًا قَبْلَ الزَّوَائِدِ وَهِیَ ثَلٰثُ تَکْبِیْرَاتٍ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ وَّیُوَالِیْ بَیْنَ الْقِرَآئَتَیْنِ

عید کی دو رکعتیں پڑھے اس طرح کہ تکبیرات زوائد سے پہلے ثناء پڑھے اور تکبیریں تین تین ہیں ہر رکعت میں اور دونوں قرأتوں میں اتصال کرے

وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ فِی الزَّوَائِدِ وَیَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَیْنِ یُعَلِّمُ فِیْهَا اَحْکَامَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَلَمْ تُقْضَ اِنْ فَاتَتْ مَعَ الْاِمَامِ

اور تکبیرات زوائد میں دونوں ہاتھ اٹھائے اسکے بعد دو خطبے پڑھے جس میں صدقۂ فطر کے احکام بیان کرے اور قضاء نہ کی جائے اگر امام کیساتھ نہ ملے

وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ اِلَی الْغَدِ فَقَطْ وَهِیَ اَحْکَامُ الْاَضْحٰی لٰکِنَّ هُنَا یُؤَخِّرُ الْاَکْلَ عَنْهَا وَیُکَبِّرُ فِی الطَّرِیْقِ جَهْرًا

اور مؤخر کی جاسکتی ہے عذر کے باعث کل تک صرف، یہی احکام عید الاضحیٰ کے ہیں لیکن اس میں کھانے کو مؤخر کرے نماز سے اور راستہ میں تکبیر آواز سے کہے

وَیُعَلِّمُ الْاُضْحِیَّةَ وَتَکْبِیْرَ التَّشْرِیْقِ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ اِلٰی ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ وَالتَّعْرِیْفُ لَیْسَ بِشَیْءٍ

اور قربانی اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے اور عذر کی وجہ سے تین دن تک مؤخر کی جائے اور تعریف کوئی چیز نہیں

وَسُنَّ بَعْدَ فَجْرِ عَرَفَةَ اِلٰی ثَمَانٍ مَرَّةً اَللّٰهُ اَکْبَرُ اِلٰی اٰخِرِهٖ بِشَرْطِ اِقَامَةٍ وَمِصْرٍ وَمَکْتُوْبَةٍ وَجَمَاعَةٍ مُسْتَحَبَّةٍ

اور مسنون ہے فجر عرفہ کے بعد سے آٹھ نمازوں تک ایک بار اللہ اکبر اخ کہنا بشرطیکہ مقیم ہو شہر ہو فرض نماز ہو جماعت مستحب کے بعد

وَبِالْاِقْتِدَاءِ یَجِبُ عَلَی الْمَرْأَةِ وَالْمُسَافِرِ

ہو اور اقتداء کی وجہ سے واجب ہوجاتی ہے عورت اور مسافر پر۔

توضیح اللغۃ: المصلّیٰ عیدگاہ، مثنیا ثناء (یعنی سبحانک اللھم اھ) پڑھنے والا، یوالی موالاۃ سے ہے، پے در پے کرنا۔ الطریق راستہ، اضحیۃ قربانی، التعریف مقام عرفات میں قیام کرنا، عرفات میں قیام کرنیوالوں کی مشابہت کرنا، عرفۃ، ذی الحجہ کی نویں تاریخ، ثمان آٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ غیر مکبر الخ نماز عید الفطر کیلئے جاتے وقت راستہ میں تکبیر کہے یا نہ کہے اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دو طرح سے منقول ہے۔ اول یہ کہ امام صاحب کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے۔ مگر آہستہ، صاحب خلاصہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن نجیم مصری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے۔ دوسرے یہ کہ اختلاف نفس تکبیر میں نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر کی صفت میں اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک تکبیر آہستہ کہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے بدائع، السراج الوہاج، ملتقی، نہایہ نہر الفائق، تاتارخانیہ، مواہب الرحمٰن، درر البحار وغیرہ میں یہی مذکور ہے اور یہی صحیح ہے مصنف کے قول غیر مکبر'' کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ مصنف نے مابعد میں کہا ہے عید الاضحیٰ کے احکام عید الفطر کی طرح ہیں۔ بجز آنکہ عید الاضحیٰ میں تکبیر با آواز بلند کہے'' اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ عید الفطر کو عید الاضحیٰ پر قیاس کیا ہے بس جیسے عید الاضحیٰ میں تکبیر بالاتفاق جہراً ہوتی ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی جہراً ہونی چاہئے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر میں اصل اخفا ہے باستثناء اس کے جس کو شارع نے جہر سے کیا ہو۔ پس جہاں شارع سے جہراً وارد ہو وہیں جہر ہوگا اور وہ عید الاضحیٰ ہے نہ کہ عید الفطر۔

قولہ ومتنفل الخ نماز عید سے قبل نفل نہ پڑھے گھر میں نہ عیدگاہ میں، نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے عید الفطر کے دن دوگانہ (عید) ادا کی۔ اور اس سے پہلے نماز نہیں پڑھی (صحیحین) ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ''نفی عیدگاہ کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ ابوسعید خدری کی روایت میں صراحت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز عید سے پیشتر کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے۔ ہاں نماز عید پڑھ کر مکان پر تشریف لاتے تب دو رکعت نفل پڑھتے (ابن ماجہ) درمختار میں ہے کہ نماز عید

سے قبل نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ میں۔ ہاں نماز عید کے بعد گھر میں اجازت ہے عیدگاہ میں نہیں۔

قولہ وھی ثلث الخ تکبیرات عیدین کے بارے میں تقریباً بارہ اقوال ہیں کیونکہ اس سلسلہ میں روایتیں کافی مختلف ہیں۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں چھ تکبیریں ہیں۔ کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں تکبیرات کی یہی تعداد مذکور ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام شافعی بھی امام مالک کے ساتھ ہیں۔ اتنی ترمیم کے ساتھ کہ پہلی رکعت کی سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں قراءت سے قبل سجدہ سے اٹھتے وقت کی تکبیر اس میں شامل ہے گویا ان کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیریں زائد ٹھہریں۔ ابن عباس، سعید بن المسیب اور نخعی کے نزدیک ہر رکعت میں نو تکبیریں ہیں۔ امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک ہر رکعت میں تین تکبیرین زائد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں تکبیرات زوائد یہی آئی ہیں۔ نیز حضرت سعید بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ عید الفطر اور عید قربان میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ نے فرمایا: جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں بھی کہا کرتے تھے، اس پر حضرت حذیفہ نے ان کی تصدیق کی۔ (ابوداؤد) یعنی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے چار تکبیریں تکبیر تحریمہ سمیت اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔ عینی نے لکھا ہے کہ یہی قول ابو موسی اشعری، حذیفہ بن الیمان، عقبہ بن عامر، ابن زبیر، ابو مسعود بدری، ابو سعید خدری، براء بن عازب، ابو ہریرہ، عمر بن الخطاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا ہے۔ ان کے علاوہ حسن بصری، سفیان ثوری اور ایک قول امام احمد کا بھی یہی ہے۔ حنفیہ کی تحقیق میں دوسرے تمام اقوال و آثار کی سند ضعیف اور مجروح ہے اور صحت و سند کے لحاظ سے ابن مسعود کا اثر زیادہ قوی ہے۔

قولہ والتعریف الخ لغت میں تعریف کے معنی مقام عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ عرفہ کے دن لوگ ایک میدان میں ان حاجیوں کے ساتھ مشابہت کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔ جو عرفہ کے دن عرفات میں ٹھہرتے ہیں بعض حضرات نے اس کو مستحب کہا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ ٹھہرنے کا عبادت ہونا تو ایک مخصوص جگہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور وہ مقام عرفات ہے کہ وہاں احرام حج کے ساتھ وقوف عبادت ہے۔ پس عرفات کے علاوہ کسی دوسری جگہ ٹھہرنا عبادت نہ ہوگا۔ ہدایہ، شرح منیہ، غایۃ البیان، درر البحار، نحر الفائق۔ درمختار سب میں مکروہ کہا ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ اجتماع اگر چہ وقوف اور سر کھولے بغیر ہو تب بھی مکروہ ہونا چاہیئے تاکہ عوام کے عقیدہ میں خرابی پیدا نہ ہو۔

قولہ الی ثمان الخ عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر کے بعد سے یوم نحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی نماز عصر کے بعد تک تکبیرات تشریق کہنا امام صاحب کا قول ہے۔ جو حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔ اور حسن بصری سے بھی منقول ہے۔ صاحبین کے نزدیک تکبیرات تشریق یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک کہی جائیں گی، حضرت علی، عمر، ابن عباس، عمار، ابن عمر، زید بن ثابت، ابو سعید، عثمان غنی، ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنھم) سب کا یہی قول ہے اور یہی سفیان ثوری، ابن عیینہ، احمد، ابو ثور کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔ پس امام صاحب نے اس سلسلہ میں اقل کو اختیار کیا۔ کیونکہ جہر سے تکبیر کہنا ایک قسم کی بدعت (اور نئی سی بات) ہے لہٰذا کم سے کم پر عمل کیا جائے گا۔ اور صاحبین نے اکثر کو لیا۔ کیونکہ اس میں کم والا قول بھی داخل ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے، اسی پر اکثر زمانوں میں عمل رہا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

باب سورج گرہن کی نماز کے بیان میں

يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ كَالنَّفْلِ اِمَامُ الْجُمُعَةِ بِلاَ جَهْرٍ وَخُطْبَةٍ ثُمَّ يَدْعُوْ حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ

نماز پڑھے دو رکعتیں نفل کی طرح امام جمعہ جہری قرأت اور خطبہ کے بغیر پھر دعا مانگے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوجائے

وَاِلَّا صَلُّوْا فُرَادٰى كَالْخُسُوْفِ وَالظُّلْمَةِ وَالرِّيْحِ وَالْفَزَعِ

ورنہ لوگ تنہا تنہا پڑھیں چاند گرہن تاریکی آندھی اور خوف کی طرح

توضیح اللغۃ: کسوف سورج گرہن، تنجلی روشن ہوجائے، فرادیٰ تنہا تنہا، خسوف چاند گرہن، ظلمۃ تاریکی، ریح آندھی، فزع گھبراہٹ دہشت

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نماز عید کیساتھ اس باب کی مناسبت یا تو باعتبار اتحاد ہے یا باعتبار تضاد، اتحاد سے مراد یہ ہے کہ نماز عید اور نماز کسوف دونوں میں جماعت کے ساتھ بلا اذان بلا تکبیر ہوتی ہے۔ تضاد سے مراد یہ ہے کہ......................انسان کے دو حال ہیں۔ ایک امن وسرور کا۔ دوسرا اندوہ خوف کا، عید امن وسرور کا وقت ہے اور گرہن خوف واندوہ کا، یا یہ کہ عید میں جماعت شرط ہے اور جہر سے پڑھنا واجب ہے بخلاف کسوف کے۔ لغت کے اعتبار سے کسوف سورج گرہن کو اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ **یقال کسفت الشمس تکسف کسوفاً و کسفها الله کسفاً. قال جریر یرثی عمر بن عبدالعزیز۔**

الشمس طالعة ليست بكا سفة: تبكي عليك بخوم الليل والقمرا - لیکن کبھی کبھی دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ فقہاء کی عبارات میں کسوف مخصوص بہ آفتاب ہے۔ اور خسوف مخصوص بہ ماہتاب۔

قولہ یصلی الخ جب سورج گرہن ہونے لگے تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے جس میں نہ قراءت جہراً ہو اور نہ خطبہ ہو۔ یہاں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ امام صاحب کے نزدیک جمعہ وعیدین کی طرح نماز کسوف وخسوف کی بھی دو رکعات ہیں۔ اور دیگر نمازوں کے مثل اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ دلیل حضرت عائشہ وغیرہا کی احادیث ہیں جن میں یہ ہے کہ "آپ نے دو رکعتوں میں چار سجدے کئے۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے۔ دراصل اس باب میں آنحضرت ﷺ سے متعدد ومختلف روایات وارد ہیں۔ بعض میں صرف ایک رکوع ہے بعض میں دو بعض میں تین بعض میں چار بعض میں پانچ حتی کہ دس رکوع تک کے ساتھ روایات ہیں۔ یہاں ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اجمالاً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ایک اور دو رکوع والی احادیث کے متعلق تو ہم عرض کر چکے۔ تین رکوع والی حدیث مسلم میں ہیں حضرت جابرؓ وعلیؓ سے مروی ہے۔ مگر حضرت علی کی روایت کے الفاظ مذکور نہیں، پانچ رکوع والی روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے ابوداؤد میں ہے۔ نیز ابوداؤد نے ہر رکعت میں دس رکوع اور دو سجدے بھی روایت کئے ہیں۔ اور ابن عبدالبر وابن حزم نے حضرت عائشہؓ سے بھی دس رکوع کی روایت ذکر کی ہے۔ ابن حزم نے "محلی" میں ان سب احادیث کو روایت کرنے بعد کہا ہے کہ "یہ احادیث نہایت صحیح ہیں۔ اور صحابہ وتابعین سے عمل ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ شوافع صرف دو رکوع کو لیتے ہیں۔ اور زیادہ کو جائز نہیں کہتے۔ بات اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد والی احادیث میں آپ کے فعل کی حکایت ہے۔ جس میں مشاہدہ کی غلطی، واقعہ کی مخصوص نوعیت، ذات گرامی کا امتیاز متعدد احتمالات ہوسکتے ہیں۔ پس آپ کی قولی

---

(۱) ائمہ ستہ عن عائشہ، بخاری، مسلم عن ابن عباس وابن العاص، بخاری عن اسماء، مسلم عن جابر ۱۲ (۲) ابوداؤد، نسائی، ترمذی (فی الشمائل) حاکم عن ابن عمرو بن العاص، ابوداؤد، نسائی عن سمرہ بن جندب، احمد، نسائی، حاکم عن النعمان بن بشیر، بخاری، نسائی، ابن حبان عن ابی بکرہ، ابوداؤد، حاکم، نسائی، بیہقی عن قبیصہ

احادیث جن میں آپ نے ایک ایک رکوع کیساتھ دونوں رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ فقہی قاعدہ کے اعتبار سے راجح ہوں گی کیوں کہ قولی حدیث میں امت کے لئے ایک واضح حکم ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں فعلی اور قولی حدیثوں میں کوئی تضاد ہو وہاں قولی حدیث ہی امت کے لئے قابل اتباع قرار دی جائے گی۔

دوسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قراءت سرًا ہے۔ یہی امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ صاحبین اور امام احمد کے نزدیک جہرًا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ نے خسوف میں قراءت زور سے پڑھی[1] امام صاحب کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز خسوف پڑھی تو آپ سے قراءت کا ایک حرف نہیں سنا"[2] اخفاء قراءت کی روایتیں چونکہ مردوں کی ہیں اس لئے ان کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ قرب کی وجہ سے ان پر حال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ احناف اور امام مالک کے نزدیک نماز کسوف میں خطبہ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ہے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الاِسْتِسْقَاءِ

باب طلب باران کی نماز کے بیان میں

لَہٗ صَلٰوۃٌ لَا بِجَمَاعَۃٍ وَ دُعَاءٌ وَاِسْتِغْفَارٌ لَا قَلْبُ رِدَاءٍ وَحُضُوْرُ ذِمِّیٍّ وَاِنَّمَا یَخْرُجُوْنَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ

اس کی نماز تو ہے مگر بلا جماعت یہ تو دعاء اور استغفار ہے نہ اس میں چادر لوٹنا ہے نہ اہل ذمہ کا موجود ہونا اور صرف تین روز تک نماز کیلئے نکلیں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ استقاء کے لغوی معنی پانی طلب کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خشک سالی کے موقعہ پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نماز استقاء اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں، جس کی ابتداء ۶ ھ میں ہوئی ہے۔ استقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا، جھیل، چشمہ وغیرہ نہ ہو جس سے سیرابی حاصل کی جاسکے۔ یا یہ چیزیں تو ہوں مگر لوگوں کی ضروریات کے لئے ناکافی ہوں۔ استقاء کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اجماع سب سے ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ **فقلت استغفروا ربکم الخ** میں نے کہا: اپنے رب سے مغفرت چاہو کہ وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر کثرت سے برسنے والا مینہ بھیجے گا۔ نیز حضور کا برائے استقاء نکلنا ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد خلفاء نے اور امت نے بلا نکیر ایسا کیا ہے۔

قولہ لہ صلوٰۃ الخ امام صاحب کے نزدیک استقاء کے لئے نماز جائز تو ہے لیکن مسنون نہیں، صاحبین اور امام مالک کے نزدیک مسنون ہے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے کیونکہ بقول علامہ عینی سترہ صحابہ سے نماز پڑھنے کی روایات ثابت ہیں[3] "امام صاحب فرماتے ہیں کہ سنت سے مراد وہ فعل ہوتا ہے جس کو آپ نے بطریق مواظبت کیا ہو۔ اور کبھی کبھی تعلیم جواز کے لئے ترک کیا ہو، نماز استقاء میں یہ بات نہیں کیونکہ متعدد روایات میں صرف دعا پر اکتفا کیا ہے چنانچہ غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضرت عمر کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی التجا پر دعا کے لئے دست مبارک اٹھائے۔ تو ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا پیدا ہوا اور اس نے جھوم کر پانی برسا دیا۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایک شخص نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! مویشی اور اونٹوں کا گلہ ہلاک ہوگیا۔ اور راہیں بند ہوگئیں۔ تو آپ نے دست مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی "اللھم اغثنا اللہ" (بخاری و مسلم)۔

قولہ لا قلب الخ استقاء میں امام صاحب کے نزدیک قلب رداء نہیں کیونکہ یہ تو ایک دعا ہے تو جس طرح دیگر ادعیہ میں قلب رداء

---

(۱) صحیحین عن عائشہ، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان عن اسماء۔ (۲) احمد، ابویعلی، ابونعیم، طبرانی، بیہقی عن ابن عباس، اصحاب سنن، حاکم، طحاوی، ابن حبان عن سمرہ ائمہ ستہ عن ابن زید بن عاصم، سنن اربعہ، حاکم، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس، طبرانی عن انس، ابن ماجہ، بیہقی طحاوی عن ابی ہریرہ، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم عن عائشہ۔

نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن امام محمد اور بقول صاحب محیط امام ابو یوسف اور امام مالک، شافعی، احمد فرماتے ہے کہ قلب رداء کرے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے قلب رداء ثابت ہے(۱)۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ قلب رداء کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پشت کی جانب لیجا کر داہنے ہاتھ بائیں پلو کا نچلا گوشہ اور بائیں ہاتھ سے داہنے پلو کا نچلا حصہ پکڑ کر دونوں ہاتھوں کو اس طرح گھمائے کہ دایاں پلو بائیں کاندھے پر اور بایاں پلو دائیں کاندھے پر آجائے۔ اس طرح چادر کی ہیئت منقلب ہو جائے گی جس میں خشک سالی کو خوشحالی سے بدلنے کا شگون ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

باب خوف کی نماز کے بیان میں

اِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَبُعٍ وَقَفَ الْاِمَامُ طَائِفَةً بِاِزَآءِ الْعَدُوِّ وَصَلّٰی بِطَائِفَةٍ رَكْعَةً

جب خوف بڑھ جائے دشمن سے ہو یا درندہ سے تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کردے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے

وَ رَكْعَتَيْنِ لَوْ مُقِيماً وَمَضَتْ هٰذِهٖ اِلَى العدوِّ وَجَآئَتْ تِلْكَ الطَّآئِفَةُ فَصَلّٰی بِهِمْ مَّابَقِیَ وَسَلَّمَ وَذَهَبُوْا اِلَيْهِمْ

اور دو رکعت اگر مقیم ہو اور یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور سامنے والا گروہ آئے پھر ان کو باقی پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ گروہ چلا جائے

وَجَآئَتِ الْاُوْلٰی وَاَتَمُّوْا بِلاَ قِرَائَةٍ وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا ثُمَّ الْاُخْرٰی وَاَتَمُّوْا بِقِرَآئَةٍ

اور پہلا گروہ آکر بلا قرأت نماز پوری کر کے سلام پھیر دے اور چلا جائے اور دوسرا گروہ آئے قرأت کے ساتھ پوری کرے

وَصَلّٰی فِی الْمَغْرِبِ بِالْاُوْلٰی رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَمَنْ قَاتَلَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ وَاِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ

اور مغرب میں امام پہلے گروہ کو دو اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور جو شخص قتال کریگا اس کی نماز باطل ہو جائیگی اور اگر خوف اور بڑھ جائے

صَلُّوْا رُكْبَانًا فُرَادٰی بِالْاِيْمَآءِ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ قَدَرُوْا وَلَمْ تَجُزْ بِلاَ حُضُوْرِ عَدُوٍّ

تو لوگ سوار ہو کر تنہا تنہا اشارے کیساتھ پڑھیں جس طرف بھی قادر ہوں اور دشمن موجود نہ ہو تو نماز خوف جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ: عدو دشمن، سبع درندہ، طائفۃ جماعت، بازاء مقابلہ میں، رکبانا سوار ہونے کی حالت میں، فرادی تنہا تنہا ایماء اشارہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ سابق کیساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں کی مشروعیت عارض خوف کیوجہ سے ہے اور تقدیم استسقاء کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عارض (انقطاع مطر) سماوی ہے اور یہاں اختیاری ہے۔ یعنی جہاد جس کا سبب کافر کا کفر ہے۔ نماز ایک ایسا بنیادی فریضہ ہے کہ جب تک انسان کے ہوش وحواس قائم ہیں شب وروز میں پانچ بار ادا کرنا ضروری ہے۔ کسی حالت میں بھی ترک جائز نہیں۔ لیکن انسانی زندگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ نماز ادا کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ بعض اوقات محال ہو جاتا ہے، زمانہ امن وامان میں اطمینان کیساتھ ادا کر لینا بہت آسان ہے لیکن زمانہ جنگ اور خوف وخطر کی حالت میں سکون کیساتھ نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات چند منٹ نماز کے لئے فارغ کرنے کا مطلب دشمن کو قابو دینے کے مرادف ہو سکتا ہے مگر اس طرح کے ہنگامی حالات میں بھی نماز یک قلم موقوف نہیں کی گئی البتہ اس کی ادائیگی کے طریق میں ایسی سہولت پیدا کر دی گئی کہ جہاں اس فریضہ کا ترک نہ ہونے پائے وہاں دشمن کو بھی غلبہ پانے کا موقع نہ ملے۔ صلوۃ خوف کا حکم قرآن کے پانچویں پارے میں بہت صراحت کیساتھ آیا ہے۔ اور اس کی

(۱) ائمہ ستہ، احمد عن ابن زید بن عاصم، حاکم، دار قطنی عن جابر، طبرانی عن انس

تفصیل احادیث میں موجود ہے' البتہ اس سلسلہ میں کچھ علماء نے بعض قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ یہ صرف حالت سفر کے لئے ہے۔ حالت اقامت میں تخفیف کا حکم نہیں ہے۔ امام مالک کی ایک رائے یہی ہے۔ بعض کے نزدیک حکم تخفیف صرف عہد رسالت تک تھا۔ کہ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امام نہیں بن سکتا۔ آپ کے بعد یکے بعد دیگرے دو امام نماز پڑھا سکتے ہیں۔ لہٰذا اب اس کی ضرورت نہیں' امام مزنی' حسن بن زیاد اور امام ابو یوسف کا خیال یہی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم عام ہے۔ نہ آپ کی حیات تک محدود ہے نہ سفر کے ساتھ مخصوص کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ذات الرقاع بطن نخلہ' عسفان' ذی قرد چار جگہوں میں صلوٰۃ خوف پڑھی ہے (۱) بعض حضرات نے دس جگہوں کے متعلق لکھا ہے۔ اور علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ امداد الفتاح میں حاوی سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف چوبیس مرتبہ پڑھی ہے' آپ کے بعد متعدد صحابہ نے مختلف مواقع پر ادا کی ہے چنانچہ حضرت سعید بن العاص کیساتھ طبرستان کی فتح میں حضرت حذیفہ نے سردار کی اجازت سے ایک ایک رکعت کر کے نماز خوف پڑھائی۔ (ابوداؤد' نسائی) عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابل پر جہاد کرنے میں نماز خوف پڑھائی اور حضرت علی نے لیلۃ الہریر وصفین میں مغرب کی نماز خوف پڑھائی (بیہقی) ابوموسیٰ اشعری نے اصبہان میں اور سعد بن ابی وقاص نے حضرت حذیفہ' ابن عمرو بن العاص' حسن بن علی کیساتھ طبرستان میں آنحضرت ﷺ کے بعد نماز خوف پڑھی۔ سوال اگر نماز خوف جائز ہوتی تو غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ کی نمازیں کیوں قضا ہوئیں؟ جواب غزوۂ خندق مقدم ہے اور نماز خوف مؤخر ہے جیسا کہ نسائی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بیہقی' دارمی' شافعی' ابویعلیٰ کی روایت سے ثابت ہے۔ وقال القاضی عیاض فی "الشفاء والصحیح ان حدیث الخندق کان قبل نزول الآیہ' صلوٰۃ خوف کا حکم آنے کے بعد تاخیر صلوٰۃ منسوخ قرار پائی۔ علاوہ ازیں غزوۂ خندق میں اس کی گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ امام ابو یوسف کے مقابلہ میں ان تمام حجتوں کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ مبسوط' ملتقی الابحر' مفید' ابونصر بغدادی کی شرح مختصر الکرخی میں منصوص ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے پس ہمارے اصحاب کے نزدیک بالاتفاق نماز خوف جائز ہے۔

قولہ اذا اشتد الخ نماز خوف کیلئے اشتداد خوف کی قید قدوری کی ہے اس کو مصنف نے لیا ہے مگر عام علماء کے نزدیک اشتداد شرط نہیں ہے چنانچہ تحفہ اور محیط میں نماز خوف جائز ہونے کے لئے صرف دشمن کا سامنے موجود ہونا شرط قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ حقیقۃً خوف مراد نہیں بلکہ دشمن کا موجود ہونا اس کے قائم مقام ہے جیسے رخصت قصر نفس سفر سے وابستہ ہے نہ کہ حقیقت مشقت سے چونکہ سفر سبب مشقت ہے اس لئے وہ مشقت کے قائم مقام ہے پس ایسے ہی دشمن کا موجود ہونا خوف کا قائم مقام ہے۔

قولہ وصلی بطائفۃ الخ جب دشمن یا درندہ وغیرہ کی وجہ سے خوف بڑھ جائے تو امام مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر کے ایک کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دے اور دوسرے کو ایک رکعت نماز پڑھائے اگر مسافر ہو اور دو رکعتیں پڑھائے اگر مقیم ہو اور یہ گروہ اپنی آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے اور جو گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا تھا وہ آئے اور امام ان کو نصف باقی پڑھائے اور خود سلام پھیر دے۔ امام کے سلام کے بعد یہ لوگ پھر دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں اور پہلا گروہ جو شروع کی ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا وہ آئے اور اپنی باقی نماز بلاقراءت پوری کرے کیونکہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قراءت نہیں ہے۔ نماز پوری کر کے یہ لوگ دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ کر اپنی بقیہ نماز قراءت کیساتھ پوری کرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور مسبوق پر قراءت لازم ہے۔ اور اگر مغرب کی نماز ہو تو امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر دوران نماز میں عمل کثیر کے ساتھ مقابلہ کریگا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نعم لو قاتل بعمل قلیل کالرمیۃ لا تفسد۔

حدیث ذات الرقاع اخرجہ البخاری ومسلم عن سہل بن ابی حثمہ وحدیث بطن نخلہ اخرجہ النسائی والطحاوی والطیالسی واحمد عن جابر وحدیث عسفان اخرجہ ابوداؤد والنسائی والطحاوی والبیہقی واحمد عن ابن الصامت وحدیث ذی قرد اخرجہ النسائی والطحاوی والحاکم عن ابن عباس

فائدہ: کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر حسب سہولت متعدد طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے۔ قدوری اور ابونصر بغدادی کی تصریح کے مطابق سولہ صورتوں سے آپ کی نماز منقول ہے اور ہر صورت جائز ہے۔ صرف راجح و مرجوح کی بات ہے۔ مصنف نے جو طریقہ ذکر کیا ہے اس کی اصل حضرت ابن مسعود کی روایت ہے جس کو ابوداؤد' بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اول تو اس میں خصیف راوی قوی نہیں دوم یہ کہ ابوعبیدہ نے ابن مسعود سے نہیں سنا' مبسوط وغیرہ میں حضرت ابن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے' صورت مزکور کو امام محمد نے کتاب الآ ثار میں ابن عباس کا قول بتایا ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں رائے کو دخل نہیں۔ لہٰذا ابن عباس کا یہ قول بمنزلہ مرفوع حدیث کے ہے۔

قولہ وان اشتدالخ اگر خوف حد سے بڑھ جائے اور بصورت مذکورہ نماز خوف ادا نہ کرسکیں تو پیادہ پا ہو کر تنہا تنہا نماز پڑھ لیں اور اگر سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ہو تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں اور اگر اس کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔

بَابُ الْجَنَائِزِ

باب جنازہ کے بیان میں

وُلِّیَ الْمُحْتَضَرُ الْقِبْلَةَ عَلٰی یَمِیْنِهٖ وَلُقِّنَ الشَّهَادَةَ فَاِنْ مَاتَ شُدَّ لِحْیَاهُ وَغُمِضَ عَیْنَاهُ

قریب المرگ کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر کے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے جب مرجائے تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں آنکھیں بند کر دی جائیں

وَوُضِعَ عَلٰی سَرِیْرٍ مُجَمَّرٍ وِتْرًا وَسُتِرَ عَوْرَتُهٗ وَجُرِّدَ وَوُضِّیَٔ بِلاَ مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ وَصُبَّ عَلَیْهِ مَآءٌ

اور طاق مرتبہ بسے ہوئے تختہ پر رکھا جائے، ستر چھپا دیا جائے کپڑے اتار دیئے جائیں اور بلامضمضہ واستنشاق وضو کرایا جائے اور اس پر وہ پانی بہایا جائے

مُغْلًی بِسِدْرٍ اَوْ حُرُضٍ وَاِلاَّ فَالْقُرَاحُ وَغُسِلَ رَأْسُهٗ وَلِحْیَتُهٗ بِالْخِطْمِیِّ وَاضْطُجِعَ عَلٰی یَسَارِهٖ فَیُغْسَلُ

جو بیری کے پتے یا اشنان سے جوش دیا گیا ہو ورنہ خالص پانی اور اس کا سر اور ڈاڑھی گل خیرو سے دھوئی جائے اور بائیں کروٹ پر لٹا کر اتنا

حَتّٰی یَصِلَ الْمَآءُ اِلٰی مَایَلِی التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ عَلٰی یَمِیْنِهٖ کَذٰلِکَ ثُمَّ اُجْلِسَ مُسْتَنِدًا اِلَیْهِ

دھویا جائے کہ پانی اس حصہ تک پہنچ جائے جو تختہ سے ملا ہو پھر اسی طرح دائیں کروٹ دے کر نہلایا جائے پھر اس کو سہارا دے کر بٹھلایا جائے

وَمُسِحَ بَطْنُهٗ رَقِیْقًا وَمَا خَرَجَ مِنْهُ غَسَلَهٗ وَلَمْ یُعِدْ غُسْلَهٗ وَنُشِفَ بِثَوْبٍ

اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا جائے اور جو کچھ نکلے اسے دھو دیا جائے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں اور کپڑے سے خشک کر دیا جائے

وَجُعِلَ الْحَنُوْطُ عَلٰی رَأْسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ وَالْکَافُوْرُ عَلٰی مَسَاجِدِهٖ وَلاَیُسَرَّحُ شَعْرُهٗ وَلِحْیَتُهٗ وَلاَیُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَ شَعْرُهٗ

اور اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو اور اعضاء سجدہ پر کافور لگا دیا جائے اسکے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور اس کے ناخن اور بال نہ کاٹے جائیں۔

توضیح اللغۃ: جنائز جمع جنازہ' میت جو پلنگ پر رکھی ہوئی ہو۔ وُلّی متوجہ کر دیا جائے۔ المحتضر قریب المرگ' لقن تلقیناً میت کے پاس کلمات خیر پڑھنا' شد باندھ دیا جائے' لحیاہ جبڑے' غمض بند کر دیا جائے' سریر تخت' مجمر دھونی دیا ہوا' وتر طاق عدد' ستر چھپا دیا جائے' عورۃ شرمگاہ' جرد کپڑوں سے ننگا کر دیا جائے' صبت بہا دیا جائے' مغلی جوش دیا ہوا' سدر بیری' حرض اشنان' القراح خالص پانی' خطمی ایک قسم کی گھاس ہے' گل خیرو' اضجع کروٹ پر لٹایا جائے' بطن شکم' پیٹ' رقیقاً آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ نشف خشک کر دیا جائے' حنوط ایک قسم کی خوشبو ہے' مساجد جمع مسجد: وہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ جیسے پیشانی' گھٹنے وغیرہ۔ لایسرح کنگھا نہ کیا جائے۔ لایقص نہ کاٹے جائیں' ظفر ناخن' شعر بال۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ خوف وقتال کبھی مفضی الی الموت ہو جاتے ہیں اس لئے مصنف نماز جنازہ کو نماز خوف کے بعد لا رہے ہیں۔ نیز اب تک جن نمازوں کا تذکرہ ہوا ہے ان کا تعلق انسان کی حیات سے ہے۔ مسلمان کے جنازہ کی نماز بھی ضروری ہے۔ اس لئے ان نمازوں کے بعد ایسی نماز کا ذکر بھی ضروری تھا جو اس دنیا سے سدھارنے کے بعد زمین کی آغوش میں قیامت تک جا چھپنے سے پہلے لازمی ہے۔ جنائز جنازہ کی جمع ہے اس میں جیم کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ لیکن جنازہ بکسر جیم زیادہ فصیح لغت ہے۔ جنازہ اس حالت کا نام ہے جب میت تخت یا پلنگ پر رکھی ہوئی ہو۔ بعض کے نزدیک جَنازہ میت کو اور جِنازہ اس تخت یا پلنگ اور تابوت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھ کر لیجاتے ہیں اور بعض کے نزدیک برعکس ہے۔

قولہ ولی الخ محتضر بصیغہ اسم مفعول ہے۔ وہ شخص جس پر موت حاضر ہو جائے۔ یا موت کے فرشتے آ موجود ہوں جب موت آتی ہے تو بالعموم اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بس اب چند لمحوں میں زندگی کا رشتہ منقطع ہونیوالا ہے، جو سانس کی آمد و رفت کی شکل میں قائم ہے۔ عام طور پر بستر مرگ پر مرنیوالوں کا حال دم مرگ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، ناک کا بانسہ پچک جاتا ہے اور کن پٹیاں اندر کو دھنس جاتی ہیں۔ جب آدمی پر یہ حالت طاری ہونا شروع ہو جائے تو اسکا منہ داہنی کروٹ پر قبلہ کی طرف پھرا دیا جائے۔ اور شہادتین کی تلقین کیجائے۔ شامی نے نہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ تلقین بالاتفاق مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اپنے مریضوں کو کلمۂ لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو" (صحاح غیر البخاری عن الخدری، مسلم عن ابی ہریرہ، طبرانی عقیلی عن جابر، نسائی، طبرانی عن عائشہ، ابونعیم عن واثلہ، ابن شاہین عن ابن عمر، ابن ماجہ، بزار عن عبداللہ بن جعفر، اصحاب سنن، مسلم، طبرانی عن ابن مسعود) اس میں مردے سے مراد وہی قریب المرگ ہے پھر بعض علماء کے نزدیک صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین کافی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد، حاکم عن معاذ) اور بعض کے نزدیک محمد رسول ﷺ کی تلقین بھی ہونی چاہیئے۔ کہ بدون اقرار رسالت صرف توحید کا اقرار مقبول نہیں۔ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ تعلیل کافر کے حق میں ہے مسلمان کیلئے اقرار توحید کافی ہے، تلقین کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس جو لوگ موجود ہوں ان کو یہ کلمہ اپنی زبان سے پڑھنا چاہئے تاکہ اس شخص کو خود پڑھنے کی رغبت ہو۔ مرنے والے پر پڑھنے کا تقاضا کرنا درست نہیں کہ اس وقت آدمی ایسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، جس سے زندگی میں اسے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا آس پاس کے لوگ پڑھیں گے تو مرنے والے کو بھی پڑھنے کا خیال آئے گا۔ اور توفیق تجدید کلمۂ توحید میسر آئے گی۔ اور خود اس سے پڑھنے کے لئے کہا جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں اس تقاضہ کو گراں سمجھ کر پڑھنے سے انکار کردے۔

قولہ فان مات الخ اور جب لب دم ہونے والا دنیا سے رخصت ہو جائے۔ تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں۔ اور آنکھیں بند کردی جائیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوسلمہ کے پاس تشریف لائے جبکہ انکا انتقال ہو چکا تھا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ تو آپ نے آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو بینائی اس کے ساتھ جاتی رہتی ہے۔ (مسلم عن ام سلمہ) پس بے ضرورت آنکھیں کھلی رکھنے سے کیا فائدہ؟ بلکہ بسا اوقات اس طرح آنکھیں دیر تک کھلی رہ جائیں تو میت کا چہرہ ڈراونا اور وحشتناک بن جاتا ہے۔ پھر اس کو ایسے تخت پر رکھا جائے جس پر طاق مرتبہ کسی برتن سے آگ رکھ کر خوشبو جلائی گئی ہو اور اس کی شرمگاہ کو ڈھانک دیا جائے اور کپڑے اتار کر بلا مضمضہ و استنشاق وضو کرایا جائے پھر اس کے بدن پر ایسا پانی بہایا جائے جس میں بیری کے پتے جوش دیئے گئے ہوں یا اشنان گھاس ڈالی گئی ہو، حضرت ام عطیہ کی حدیث جو صحیحین میں موجود ہے اس میں اس کا حکم ہے کیونکہ بیری کے پتے دافع عفونت ہوتے ہیں اور لاش جلدی خراب نہیں ہوتی۔ جسم کا میل خوب صاف ہو جاتا ہے۔ نیز اس سے اور کافور سے قبر کے اندر موذی جانور بھاگتے ہیں۔ اور اگر یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے۔ پھر مردہ کو اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے۔ تاکہ پانی اول اس کی دائیں جانب پر پڑے۔ پھر اس کو نہلایا جائے۔ یہاں تک کہ پانی بدن کے اس حصہ تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے۔ اسی طرح دائیں کروٹ پر

لٹا کر پانی ڈالا جائے۔ پھر نہلانے والا مردہ کو سہارے سے بٹھلا کر اس کے پیٹ کو سونتے۔ اور جو نجاست وغیرہ خارج ہو اس کو دھو ڈالے۔ دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ نہلانے کے بعد کسی کپڑے سے اس کے بدن کو خشک کر دیا جائے۔ اور اس کے سر اور ڈاڑھی پر حنوط خوشبو لگائی جائے اور اس کے سجدہ کی جگہوں (پیشانی، ناک، ہتھیلیوں، گھٹنوں، پاؤں) پر کافور ملا جائے۔ جیسا کہ ابن مسعود وغیرہ کے اثر سے ثابت ہے (ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابن مسعود، عبدالرزاق عن الحسن ابن علی) اور مردے کے (سر کے) بالوں میں اور ڈاڑھی (کے بالوں) میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن تراشے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں زینت کیلئے ہوتی ہیں اور مردہ ان تمام چیزوں سے مستغنی ہو چکا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث "علام تنصون میتکم" میں اس پر نکیر کی گئی ہے۔ (عبدالرزاق، محمد بن حسن، بیہقی تعلیقاً، قاسم بن سلام) نہر الفائق میں ہے کہ مرنے کے بعد تزئین جائز نہیں۔ اور اگر ناخن یا بال کاٹے جائیں تو مردے کے کفن میں رکھ دیئے جائیں (کذا فی القہستانی)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَكَفَنُهُ سُنَّةً اِزَارٌ وَ قَمِيصٌ وَ لِفَافَةٌ وَ كِفَايَةً اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ ضَرُورَةً مَايُوجَدُ وَلُفَّ مِنْ يَسَارِهٖ

مرد کا مسنون کفن چادر، پیراہن اور پوٹ کی چادر ہے اور کفن کفایہ ازار اور لفافہ ہے اور ضروری جو میسر ہو جائے اور لپیٹا جائے بائیں طرف سے

ثُمَّ مِنْ يَمِينِهٖ وَعُقِدَ اِنْ خِيفَ انْتِشَارُهٗ وَكَفَنُهَا سُنَّةً دِرْعٌ وَ اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ خِمَارٌ وَ خِرْقَةٌ

پھر دائیں طرف سے اور گرہ لگادی جائے اگر کھلنے کا اندیشہ ہو، عورت کا مسنون کفن قمیص، چادر، اوڑھنی، پوٹ کی چادر اور ایک پٹی ہے

تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَاهَا وَ كِفَايَةً اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ خِمَارٌ وَ تُلْبَسُ الدِّرْعَ اَوَّلاً ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ عَلٰى صَدْرِهَا

جو اسکی چھاتیوں پر لپیٹی جائے اور کفن کفایہ ازار و لفافہ اور اوڑھنی ہے اور پہنائی جائے کفنی اولاً پھر کر دیا جائے اسکے بالوں کو دو لٹیں اسکے سینہ پر

فَوْقَ الدِّرْعِ ثُمَّ الْخِمَارُ فَوْقَهٗ تَحْتَ اللِّفَافَةِ وَيُجَمَّرُ الْاَكْفَانُ اَوَّلاً وِتْراً

کفن کے اوپر پھر اوڑھنی اسکے اوپر پوٹ کی چادر کے نیچے اور بسالیا جائے کفن کے کپڑوں کو اولا طاق مرتبہ

توضیح اللغۃ: ازار تہبند، چادر، قمیص کفنی، لفافہ پوٹ کی چادر، لف لپیٹ دیا جائے، عقد باندھ دیا جائے، درع قمیص، خمار اوڑھنی، خرقہ پٹی، تربط باندھا جائے، ثدی پستان، ضفیرۃ چوٹی، صدر سینہ، اکفان جمع کفن۔

تشریح الفقہ: قولہ و کفنہ الخ احناف کے نزدیک مرد کے لئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار یعنی چادر سر سے لیکر پاؤں تک، قمیص یعنی بلا آستین کفنی گردن سے پاؤں تک، لفافہ جسے پوٹ کی چادر کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا کفن تین ہی کپڑوں پر مشتمل تھا جیسا کہ حدیث[1] میں ہے، سوال حضرت عائشہ کی حدیث میں تو قمیص کی نفی ہے۔ جواب دوسری روایات میں قمیص کی صراحت[2] ہے، پس حضرت عائشہ کی حدیث میں قمیص کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ سلا ہوا قمیص نہیں تھا۔ بغیر سلا تھا جسے کفنی کہا جاتا ہے۔ اور عورت کی لئے پانچ کپڑے ہیں درع یعنی قمیص، ازار، اوڑھنی، پوٹ کی چادر، سینہ بند جس سے عورت کی چھاتیاں اور پیٹ باندھا جائے۔ قہستانی نے درع اور قمیص میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ درع کا گریبان چھاتی کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا مونڈھوں کی طرف اور کفن کفایہ مرد کیواسطے ازار اور لفافہ ہے اور عورت کے واسطے ازار، لفافہ اور اوڑھنی ہے۔ اور کفن ضرورت مرد و عورت کیواسطے وہ ہے جو میسر ہو۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر جب احد کی لڑائی میں شہید ہوئے تو انہیں ایک چادر میں کفنایا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا اور پاؤں گھاس سے چھپا دیئے گئے[3]

(۱) ائمہ ستہ ابن راہویہ عن عائشہ ۱۲

(۲) ابن عدی جابر بن سمرۃ، ابوداؤد عن جابر، ابوداؤد عن ابن عباس، محمد بن حسن عن ابراہیم، عبدالرزاق ابن سعد بن عن الحسن (۳) ائمہ ستہ سوی ابن ماجہ عن خباب ۱۲

فائدہ: اسلامی نقطہ نظر سے نوع انسانی مخلوقات الٰہی میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔ دنیا میں اس کی آمد پر بھی پورے احترام کا برتاؤ ہوتا ہے اور دنیا سے روانگی کے وقت بھی پورے اعزاز کیساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب تم اپنے کسی بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو (مسلم عن جابر) مگر چونکہ کفن کی حیثیت صرف اتنی ہی ہے کہ مردے کو اعزاز و اکرام کیساتھ آغوش زمین تک لیجایا جائے اس لئے کفن کے عمدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفن میت کے قد و قامت کے مطابق ہو، عمدہ اور سفید ہو، ناموری کے لئے بڑھیا سے بڑھیا کفن دینا شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں بلکہ مال ضائع کرنا ہے کیونکہ کفن کتنا ہی عمدہ ہو مٹی اسے باقی نہیں چھوڑتی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کفن میں غلو اور زیادتی نہ کرو کیونکہ وہ تو جلدی ختم ہو جائے گا۔[1]

فائدہ ثانیہ: اوپر جو یہ کہا گیا ہے کہ مرد کے لئے کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت حیات میں مرد کا ادنیٰ لباس دو ہی کپڑے ہوتے ہیں۔ اسی لئے اگر وہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے تو بلا کراہت درست ہے' پھر صاحب بحر لکھتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ان دو کپڑوں کی تعیین نہ کیجائے یعنی خواہ دو چادریں ہوں خواہ کفنی اور چادر ہو' کفن کفایہ میں کافی ہونی چاہئے۔ اور عورت کے کفن کفایہ کے متعلق شامی نے لکھا ہے کہ چونکہ عورت کا مدار ستر پر ہے اس لئے سوائے اوڑھنی کے چادریں ہوں تو بہتر ہے۔ کہ ان سے سر اور گردن چھپی رہے گی۔

تنبیہ: درمختار میں ہے کہ متاخرین فقہاء نے علماء اور سادات کے واسطے پگڑی کو مستحسن جانا ہے لیکن محیط میں ہے کہ پگڑی کسی حال میں نہ باندھی جائے۔ خواہ عالم ہو یا سید' زاہدی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اصح یہی ہے کہ عمامہ ہر حال میں مکروہ ہے۔ (کذافی الشامی) پھر غایۃ البیان میں مرقوم ہے کہ تین کپڑوں سے زائد میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ تین سے زائد کپڑے دینا مکروہ ہے۔ کذافی الطحطاوی۔

قولہ و کفنھا سنۃ الخ عورت کے کفن کا بیان تو اوپر ہو چکا لیکن شوہر پر اس کی بیوی کا کفن واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فتوے مختلف ہیں تجنیس اور مجمع میں ہے کہ اگر عورت کا مال نہ ہو تو کفن شوہر پر ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور شرح مجمع جو خود مصنف مجمع کی ہے اس میں ہے کہ اگر عورت کے پاس مال نہ ہو اور شوہر مالدار ہو تو اس پر اس کا کفن واجب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور خانیہ میں بلا قید فتویٰ مذکور ہے۔ یعنی عورت کے پاس مال ہو یا نہ ہو اور شوہر مفلس ہو یا مالدار ہر صورت میں اس کا کفن شوہر پر واجب ہے۔ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جس شخص پر مردہ کے نفقہ کے لئے حالت حیات میں جبر کیا جاتا ہے۔ اسی پر وفات کے بعد کفن کے لئے جبر ہوگا۔ (کذافی الشامی)

قولہ و تلبس الخ مرد کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پوٹ کی چادر بچھا کر دوسری چادر بچھائی جائے اور مردے کو قمیص پہنا کر دوسری چادر پر رکھ کر پہلے بایاں پھر داہنا پلہ لپیٹ دیا جائے پھر اسی طرح پوٹ کی چادر اور عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کفنی پہنا کر بالوں کو دو حصہ کر کے سینہ پر کفنی کے اوپر رکھ دیئے جائیں۔ اور بالوں کے اوپر اور چادر کے نیچے اوڑھنی کیجائے۔ پھر اسی طریقہ سے لپیٹ دیا جائے جو اوپر مذکور ہوا۔

(تنبیہ): مصنف نے سینہ بند کے متعلق کچھ نہیں کہا کہ وہ کہاں ہونا چاہئے۔ سو بحر الرائق میں لکھا ہے کہ پوٹ کی چادر کے اوپر رکھنا چاہئے۔ تاکہ کفن کھلنے نہ پائے۔ اور جوہرہ میں یہ ہے کہ اولاً ازار لپیٹ کر اس کے اوپر سینہ بند باندھا جائے اور اس کے اوپر پوٹ کی چادر لپیٹی جائے اور یہی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ابوداؤد عن علی ۱۲

(فَصلٌ) اَلسُّلطَانُ اَحَقُّ بِصَلٰوتِه وَهِيَ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَشَرْطُهَا اِسْلَامُ الْمَيِّتِ وَطَهَارَتُهٗ ثُمَّ الْقَاضِيْ اِنْ حَضَرَ

(فصل) بادشاہ لائق تر ہے اس کی نماز کے لئے اور وہ فرض کفایہ ہے اور اس کی شرط مردہ کا مسلمان اور پاک ہونا ہے پھر قاضی ہے اگر موجود ہو

ثُمَّ اِمَامُ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيُّ وَلَهٗ اَنْ يَّاْذَنَ لِغَيْرِهٖ فَاِنْ صَلّٰى غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِيُّ

پھر محلہ کا امام پھر اس کا ولی اور اس کو دوسرے کے لئے اجازت دینے کا حق ہے اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ کسی نے نماز پڑھ لی تو ولی لوٹا سکتا ہے

وَلَمْ يُصَلِّ غَيْرُهٗ بَعْدَهٗ وَاِنْ دُفِنَ بِلاَ صَلٰوةٍ صُلِّيَ عَلٰى قَبْرِهٖ مَالَمْ يَتَفَسَّخْ

ولی کے بعد کوئی اور نہ پڑھے اگر دفن کردیا بلا نماز تو نماز پڑھی جائے اسکی قبر پر جب تک کہ وہ نہ پھٹا ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ السلطان الخ نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے۔ بشرطیکہ وہ حاضر ہو کیونکہ حضرت حسن کے جنازہ کی نماز کے لئے حضرت حسین نے حضرت سعید بن العاص کو جو مدینہ کے والی تھے بڑھا کر یہ فرمایا تھا 'لولا السنۃ ماقدمتک' امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں' البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ولی مقدم ہے امام ابو حنیفہ سے حسن کی روایت بھی یہی ہے۔

قولہ وھی فرض الخ نماز جنازہ فرض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" وصل علیہم' قنیہ اور فوائد ناجیہ میں تصریح ہے کہ جو شخص نماز جنازہ کی فرضیت کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ منکر اجماع ہے البتہ فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک مقروض کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی تھی' بلکہ یہ فرمایا تھا کہ" صلوا علی صاحبکم' اگر فرض عین ہوتی۔ تو آپ انکار نہ فرماتے۔ پھر ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے۔ سوائے چار آدمیوں کے۔ اول باغی جو امیر وقت کی اطاعت سے باہر ہو۔ اگر یہ لڑائی میں مارا جائے تو نہ غسل دیا جائیگا نہ نماز پڑھی جائے گی۔ ہاں اگر لڑائی کے بعد مرے تو نماز پڑھی جائے گی۔ جو لوگ ظلم کرنے پر اپنی قوم کی حمایت کریں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ اور نہر الفائق میں قاتل احد الابوین کو بھی بغاۃ ہی کے ساتھ لاحق مانا ہے۔ دوم راہزن ڈکیت۔ سوم مکابر جو رات میں کسی جگہ کھڑا ہو جائے کہ جو شخص اس طرف کو نکلے اس کا مال چھین لے۔ چہارم گلا گھونٹنے والا جس نے کئی بار گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو۔ اگر یہ مقابلہ میں مارا جائے تو اس کا بھی باغیوں جیسا حکم ہے۔

قولہ وشرطھا الخ نماز جنازہ کے لئے اول تو مردہ کا مسلمان ہونا شرط ہے' کافر پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے" ولا تصل علی احد منہم اھ اور نہ نماز پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر' دوسرے اس کا پاک ہونا شرط ہے۔ غسل دیئے بغیر نماز درست نہیں۔ ہاں اگر بلا غسل دفن کر دیا گیا ہو اور قبر کھودے بغیر نکالنا ممکن نہ ہو تو ضرورۃً اس کی قبر پر نماز جائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں تیسری شرط یہ بھی ہے کہ مردہ امام کے سامنے زمین پر رکھا ہوا ہو۔ پس غائب پر نماز درست نہیں' اسی طرح جو مردہ گاڑی پر یا جانور پر یا لوگوں کے مونڈھوں پر اٹھایا ہوا ہو اس پر نماز درست نہیں۔ نیز اگر مردہ نمازی کے پیچھے رکھا ہو تو اس پر بھی نماز درست نہیں۔ سوال حضور اکرم ﷺ نے شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی پر غائبانہ نماز پڑھی ہے۔ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جواب شاہ نجاشی کی خبر مرگ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہوئی اور آپ ﷺ نے اصحاب کو خبر دیکر نماز پڑھی تو بہت ممکن ہے کہ حجابات دور کر کے جنازہ آپ کو دکھا دیا گیا ہو۔ غائب پر نماز پڑھنا آپ کی ذات کیساتھ خاص ہو۔ رہا یہ جواب کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے بقول علامہ شامی بعید از صواب ہے۔

قولہ ثم القاضی الخ بادشاہ نہ ہو تو قاضی نماز پڑھائے کیونکہ اس کے لئے ولایت عامہ ہے وہ بھی نہ ہو تو امام محلہ (لیکن درایہ میں ہے کہ جامع مسجد کا امام بہتر ہے) پھر بترتیب عصبات اولیاء میت حقدار ہیں مگر باپ بیٹے پر مقدم ہے۔ الا یہ کہ بیٹا عالم ہو کہ اس صورت میں بیٹا اولیٰ ہے۔

وَهِيَ اَرْبَعُ تَكْبِيرَاتٍ بِثَنَآءٍ بَعْدَ الْاُوْلٰى وَصَلٰوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الثَّانِيَةِ وَدُعَآءٍ بَعْدَ الثَّالِثَةِ

اور نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں ثناء کیساتھ پہلی تکبیر کے بعد اور حضور ﷺ پر درود کے ساتھ دوسری تکبیر کے بعد اور دعاء کیساتھ تیسری تکبیر کے بعد

وَتَسْلِيمَةٍ بَعْدَ الرَّابِعَةِ فَلَوْكَبَّرَ خَمْسًا لَمْ يُتْبَعْ وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِصَبِيٍّ وَ لَا لِمَجْنُوْنٍ وَيَقُوْلُ

اور دو سلاموں کیساتھ چوتھی کے بعد پس اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو پیروی نہ کی جائے اور بچہ اور مجنون کیلئے استغفار نہ کرے بلکہ یوں کہے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا وَيَنْتَظِرُ الْمَسْبُوْقُ لِيُكَبِّرَ مَعَهُ

الٰہی اسکو ہمارے لئے آگے بڑھنے والا اور اجر و ذخیرہ اور شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنادے اور انتظار کرے مسبوق تا کہ تکبیر کہے

لَا مَنْ كَانَ حَاضِراً فِي حَالَةِ التَّحْرِيمَةِ وَ يَقُوْمُ لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ وَ لَمْ يُصَلُّوْا رُكْبَاناً وَ لَا فِي مَسْجِدٍ

امام کیساتھ نہ وہ شخص جو موجود ہو تحریمہ کی حالت میں اور کھڑا ہو امام مرد و عورت کے سینہ کے مقابل اور نماز نہ پڑھیں سوار ہو کر اور نہ مسجد میں

توضیح اللغۃ: فرطاً آگے بڑھنے والا، پہلے پہنچ جانیوالا، ذخر جس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جائے۔ مشفع جس کی سفارش مقبول ہو۔ رکباناً سوار ہونے کی حالت میں۔

تشریح الفقہ: **قولہ وھی اربع الخ** نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقائم ہے۔ کیونکہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ چار تکبیریں کہتے تھے۔ (حاکم، دارقطنی، بیہقی، طبرانی، ابن حبان عن ابن عباس، دارقطنی، حازمی عن عمر حارث بن ابی اسامہ عن ابن عمر) سوال آنحضرت ﷺ سے پانچ اور سات تکبیریں بھی ثابت ہیں؟ جواب پانچ تکبیریں بنو ہاشم کے لئے اور سات تکبیریں بدریین کے لئے خاص تھیں۔ جیسا کہ ابونعیم کی تاریخ اصبہان میں حضرت ابن عباس سے بالتصریح مروی ہے، ان النبی ﷺ کان یکبر علی اہل بدر سبع تکبیرات وعلی بنی ہاشم خمس تکبیرات ثم کان آخر صلوتہ اربع تکبیرات الی ان خرج من الدنیا، سوال دیگر احادیث سے پانچ، چھ، سات، نو تکبیریں ثابت ہیں، اس سے ان کی نفی تو نہیں ہوتی جواب آنحضرت ﷺ نے نجاشی پر چار تکبیریں کہیں۔ اور پھر وفات شریف تک چار ہی کہتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں پانچ، چھ، سات، نو تکبیریں مذکور ہیں وہ آپ کے آخری فعل سے منسوخ ہیں۔ سوال ناسخ کے لئے مؤخر ہونا شرط ہے۔ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ واقعہ مؤخر ہے؟ جواب نجاشی کی موت کا قصہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے موجود ہے۔ اور ابوہریرہ متاخر اسلام ہیں اور نجاشی کی موت حضرت ابوہریرہ کے اسلام کے بعد ہے۔ نیز حضرت عمر، ابن عباس، ابن ابی اوفی، جابر کی روایات میں تاخیر کی صراحت موجود ہے۔

قولہ بثناء الخ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار اللہ اکبر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد احناف کے نزدیک ہاتھ نہ اٹھائے۔ علماء بلخ اور ائمہ ثلثہ کہتے ہیں کہ سب تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے۔ اور یہ ایک روایت امام اعظم سے بھی ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (دارقطنی عن ابن عباس وابی ہریرہ) رہی حدیث ابن عمر وہ مضطرب ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر اور حضرت علی سے یہ روایت بھی ہے کہ یہ حضرات صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ولئن صحت فلا تعارض فعل النبی ﷺ۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھے پھر دوسری تکبیر کہے اور درود پڑھے، تیسری تکبیر کے بعد "اللھم اغفر لحیّنا الخ" دعاء پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔ امام شافعی کے یہاں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ متعین ہے۔ ہمارے نزدیک بہ نیت دعاء جائز ہے۔ اور بہ نیت قراءت مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ سے قراءت فاتحہ ثابت نہیں ہے۔

قولہ ولا یستغفر الخ نماز جنازہ میں بچہ اور دیوانہ کے لئے مغفرت کی درخواست نہ کیجائے کیونکہ یہ مکلف ہی نہیں بلکہ یہ دعا پڑھے اللھم اجعلہ لنا فرطاً الخ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجنون سے مراد وہ ہے جو اصلی ہو یعنی موت تک اس کی عقل درست نہ ہوئی ہو۔

اور جو شخص بالغ ہونے کے بعد دیوانہ ہوا ہو۔ تو اس کے گناہ دیوانگی سے ساقط نہیں ہوتے تو اس کے لئے مغفرت مانگی جائے۔ پھر درمختار کے بعض نسخوں میں جو مرقوم ہے کہ ''دعاءِ بالغین کے بعد دعا مذکور پڑھے۔ یہ صحیح نہیں چنانچہ شیخ اسماعیل نے ذکر کیا ہے کہ متون وفتاویٰ کا مقتضی اور غرر الاذکار کی صریح عبارت یہ ہے کہ صغیر پر دعاءِ بالغین نہ پڑھی جائے بلکہ دعاءِ مذکور پر ہی اکتفا کیجائے۔ سوال دعا تو میت کے لئے ہوتی ہے اور اس دعا میں میت کا کوئی نفع نہیں بلکہ ماں باپ یا نمازیوں کا ہے۔ جواب پانی کا تیار کرنا اسی وقت ہوگا۔ جب وہ اول حوض پر پہنچے گا۔ تو اس میں اس کے لئے آگے بڑھنے کی دعا ہے۔ نیز قول فقہاء کے بموجب حسنات کا ثواب بچے کو ملتا ہے تو اس صورت میں بھی دعا اس کے لئے مفید ہوگی۔ واللہ اعلم۔

قولہ وینتظر الخ جس شخص کی کچھ تکبیریں امام کے ساتھ رہ گئی ہوں اور وہ بعد میں شریک ہوا ہو تو وہ طرفین کے نزدیک آتے ہی تکبیر نہ کہے۔ بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کی تکبیر کیساتھ شروع کرے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حاضر ہوتے ہی فوراً تکبیر کہے۔ اور شریک ہوجائے کیونکہ اس کی پہلی تکبیر تحریمہ ہے۔ اور مسبوق تکبیر تحریمہ کہتا ہی ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص تحریمہ کے وقت موجود ہو۔ اور امام کے ساتھ تکبیر نہ کہے کہ وہ بالاتفاق امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرتا' طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتوں کے ساتھ شروع نہیں کرتا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد ادا کرتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو بوقت تحریمہ موجود ہو کہ وہ تحریمہ کیوقت موجود ہونے کے باعث مدرک کے مانند ہے۔ امام کے بعد تکبیر کہنے کی صورت میں بھی گویا اس نے امام کیساتھ ہی کہی۔

قولہ ویقوم الخ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ امام اس کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔ کیونکہ سینہ موضع قلب ہے۔ جس میں نور ایمانی ہے۔ پس اس کے سینہ کے مقابل کھڑا ہونا اس کے ایمان کی وجہ سے شفاعت کی طرف اشارہ ہوگا' مگر یہ بطور استحباب ہے۔ اگر سینہ سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تو نماز ہوجائے گی۔ اور سوار ہو کر نماز نہ پڑھیں کیونکہ یہ من وجہ صلوٰۃ ہے لہٰذا بلا عذر قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ ہاں کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔

قولہ ولافی مسجد الخ میت کو حدود مسجد میں رکھ کر جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے بعض کے نزدیک تحریمی اور بعض کے نزدیک تنزیہی خواہ مسجد کے اندر صرف میت ہو اور قوم باہر ہو یا میت کیساتھ کچھ لوگ اندر ہوں اور کچھ باہر کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ 'جس نے مسجد کے اندر مردے پر نماز پڑھی اس کے لئے کچھ ثواب نہیں۔

(ابوداؤد' ابن عدی عن ابی ہریرۃ' ابن ماجہ عنہ ولفظہ''فلیس شئ' ابن ابی شیبہ عنہ ولفظہ' فلا صلوٰۃ لہ')

سوال ابن عدی نے اس روایت کو تومہ کے غلام حضرت صالح کے منکرات میں سے شمار کیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ حدیث باطل ہے۔ امام احمد بن حنبل' ابن المنذر' خطابی' بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ صالح راوی ضعیف ہے۔ امام شعبہ ان سے روایت کرنے سے روکتے تھے' امام مالک نے صاف کہا ہے کہ ضعیف ہیں۔ جواب صالح کے متعلق جرح مذکور صرف اس وجہ سے ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جن لوگوں نے ان سے اختلال سے قبل احادیث سنی ہیں۔ جیسے ابن جریج' زیاد بن سعد وغیرہ ان کی روایات بلاشبہ مقبول ہیں۔ اور ابن ابی ذئب راوی حدیث مذکور انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اس لئے ابن قیم نے 'الہدیٰ' میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ کیونکہ ابن ابی ذئب کی روایت سے ہے' اور صالح سے ابن ابی ذئب کا سماع قدیم ہے' یحیٰ بن معین نے صالح کی توثیق کی ہے۔ فرماتے ہیں ''صالح مولی التومۃ ثقۃ حجۃ' احمد بن حنبل فرماتے ہیں 'ما اعلم بہ باساً' ابن عدی کہتے ہیں' لاباس بہ اذا روی عنہ القدماء مثل ابن ابی جریج وزیاد بن سعد' سوال مسجد کے اندر سہل بن بیضاء پر آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔ (مسلم' اصحاب سنن' طحاوی عن عائشہ) پھر کراہت کی کیا وجہ؟ جواب امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سہل بن بیضاء پر آنحضرت ﷺ کا نماز پڑھنا منسوخ

ہے' ابتدا میں آپ نے مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد ترک فرما دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ کی ایک جماعت حضرت عائشہ پر نکیر نہ کرتی۔ حالانکہ اسی روایت میں نکیر موجود ہے۔

سوال حدیث مذکور الصدر من صلی علی میت فی المسجد' کے ظرف فی المسجد' میں تین احتمال ہیں۔ نمازی کا ظرف ہو' میت کا ظرف ہو' ہر دو کا ظرف ہو۔ بر تقدیر اول اس صورت میں کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ جس صورت میں نمازی مسجد سے باہر ہو اور میت مسجد کے اندر ہو۔ بر تقدیر ثانی اگر میت باہر ہو اور نمازی اندر ہو تو کراہت نہیں ہونی چاہیے۔ بر تقدیر ثالث کراہت نمازی اور میت دونوں کے اندر ہونے میں منحصر ہوگی۔ اگر ایک اندر ہو اور ایک باہر ہو تو کراہت نہیں ہونی چاہیے۔ بہرکیف حدیث مذکور سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدعا علی الاطلاق کراہت ہے۔

جواب بعض افعال تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں فعل کا اثر مفعول پر ظاہر ہوتا ہے جیسے ضرب' قتل اور بعض میں مفعول پر ظاہر نہیں ہوتا جیسے علم ذکر وغیرہ' اگر ظرف پہلی صورت میں لایا جائے تو وہ مفعول کا ظرف ہوتا ہے۔ خواہ اس میں فاعل ہو یا نہ ہو۔ مثلاً یوں کہیں' میں نے زید کو مسجد میں مارا' تو مسجد زید کے لئے ظرف ہے خواہ متکلم اس کے اندر ہو یا نہ ہو اور دوسری صورت میں ظرف کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے۔ خواہ اس میں مفعول ہو یا نہ ہو۔ مثلاً یوں کہیں' میں' نے زید کو مسجد میں یاد کیا۔ تو مسجد متکلم کا ظرف ہے۔ خواہ زید مسجد میں ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص حرم کے اندر شکار کو تیر مارے تو وہ قاتل صید حرم کہلائے گا۔ گو خود حرم سے باہر ہو۔ نماز جنازہ قسم دوم سے ہے۔ معلوم ہوا کہ مسجد نمازی کا ظرف ہے خواہ اس میں میت ہو یا نہ ہو۔ نجاشی کے خبر مرگ پر آنحضرت ﷺ کا مسجد سے نکل کر عیدگاہ میں نماز پڑھنا اس کا مؤید ہے۔ اس واسطے کہ اگر مسجد میں نماز جائز ہوتی۔ تو باہر نکلنے کے کوئی معنی ہی نہیں تھے۔ کیونکہ جنازہ مسجد میں نہ تھا اور جب نماز جنازہ ذکر و دعا ہونے کے باوجود مسجد میں جائز نہ ہوئی تو مردہ کو مسجد میں داخل کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمَنْ اسْتَهَلَّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَ اِلَّا لَا كَصَبِيٍّ سُبِيَ مَعَ اَحَدِ اَبَوَيْهِ اِلَّا اَنْ يُّسْلِمَ اَحَدُهُمَا اَوْ هُوَ

اور جس بچہ نے آواز کی اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں جیسے وہ بچہ جو قید کرلیا گیا ہو ماں باپ کے ساتھ الایہ کہ ماں یا باپ یا خود بچہ مسلمان ہو جائے

اَوْلَمْ يُسْبَ اَحَدُهُمَا مَعَهٗ وَ يَغْسِلُ وَلِيٌّ مُّسْلِمٌ لِلْكَافِرِ وَيُكَفِّنُهٗ وَيَدْفِنُهٗ وَيُؤْخَذُ سَرِيْرُهٗ بِقَوَائِمِهِ الْاَرْبَعِ وَيُعَجَّلُ بِهٖ

یا قید نہ کیا گیا ہو ماں باپ کو اسکے ساتھ مسلمان ولی کافر کو غسل دے سکتا ہے اور کفنا دفنا سکتا ہے، اور چار پائی کو اس کے چاروں پائے پکڑ کر ذرا جلدی

بِلَاخَبَبٍ وَكُرِهَ جُلُوْسٌ قَبْلَ وَضْعِهٖ وَالْمَشْيُ قُدَّامَهَا وَضَعْ مُقَدَّمَهَا عَلٰى يَمِيْنِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا

لے جائیں دوڑنے اور جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنے اور اس کے آگے چلنے کے بغیر اور رکھے اس کے سرہانے کو اپنے داہنے کندھے پر پھر اس کی پچھلی

ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلٰى يَسَارِكَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ وَيُدْخَلُ[1] مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَيَقُوْلُ وَاضِعُهٗ

جانب کو پھر پائنتی کی اگلی جانب کو اپنے بائیں پر پھر اس کی پچھلی جانب کو اور قبر کھود کر لحد بنائی جائے اور قبلہ کی طرف سے اتارا جائے اور رکھنے والا

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَيُوَجَّهُ اِلَى الْقِبْلَةِ وَيُحَلُّ الْعُقْدَةُ وَيُسَوَّى[2] اللَّبِنُ عَلَيْهِ وَالْقَصَبُ لَا الْاٰجُرُ وَالْخَشَبُ

کہے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ﷺ اور قبلہ رخ کر دیا جائے اور بند کھول دیا جائے اور رکھدی جائیں اس پر کچی اینٹیں یا نرکل نہ کہ پکی اینٹیں اور لکڑی

وَيُسَجّٰى قَبْرُهَا لَا قَبْرُهٗ وَيُهَالُ التُّرَابُ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَ لَا يُرَبَّعُ وَ لَا يُجَصَّصُ

اور چھپائی جائے عورت کی قبر نہ کہ مرد کی اور ڈالی جائے مٹی اور قبر کوہان نما بنائی جائے چوکھونٹی اور چونے کی نہ بنائی جائے

---

(۱) خلافاً للشافعی فان عندہ یسل سلاً لما روی خلافہ انہ ادخل القبر من قبل القبلۃ ولم یسل سلاً (ابوداؤد فی المراسیل، ابن ابی شیبۃ، ابن ماجہ)

(۲) لانہ علیہ السلام جعل علی قبرہ اللبن (مسلم)

وَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْقَبْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْاَرْضُ ۔ مَغْصُوْبَةً

اور مردہ کو قبر سے نہ نکالا جائے الا یہ کہ زمین چھینی ہوئی ہو۔

توضیح اللغۃ: استہل، الصبی۔ پیدائش کے وقت چلانا۔ سبی قید کیا گیا۔ قوائم جمع قائمۃ: پایہ، خبب دوڑنا۔ قدام آگے۔ یحفر حفر کھودنا۔ یلحد بغلی قبر بنائی جائے: تحل کھولد یا جائے۔ عقدہ گرہ، یسوی برابر کر دیا جائے، لبن کچی اینٹ۔ قصب: جس میں پورے اور گرہیں ہوں جیسے بانس، نرکل وغیرہ، آجر: پکی اینٹ۔ خشب لکڑی۔ یسجی کپڑے سے ڈھانک لیا جائے۔ یہال مٹی ڈال دی جائے۔ یسنم کوہان جیسی بنائے۔ لا یربع چوکور نہ بنائی جائے۔ لا یجصص گچ نہ کیا جائے، چونہ نہ لگایا جائے۔ جصص البناء گچ کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ومن استھل الخ** اگر کوئی بچہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے تو اگر اس سے کوئی ایسی علامت ظاہر ہوئی ہو جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جیسے اس کا رونا، چلانا وغیرہ تو اس پر نماز پڑھی جائیگی۔ یعنی شریعت میں ایسے بچہ کا حکم زندہ کا ہے لہذا اس کا نام بھی رکھا جائیگا۔ کیونکہ وہ آدم زاد ہے۔ اور نام رکھنے میں اس کا اعزاز ہے اور اس کا غسل اور کفن دیا جائیگا نماز بھی پڑھی جائیگی۔ اور وہ وارث و مورث بھی ہوگا۔ اور اگر ایسی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو (امام ابو یوسف کے نزدیک نام رکھا جائیگا۔ اور غسل بھی دیا جائیگا۔ لیکن) اسکی نماز نہیں پڑھی جائے گی جیسے اس بچہ پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ جس کو اس کے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ دار الحرب سے قید کر لیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ دنیوی احکام میں ماں باپ کا تابع ہے۔ ہاں اگر اسکے ماں باپ میں سے کوئی ایک یا خود وہ بچہ اسلام قبول کر لے تو پھر اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

قولہ ولی مسلم الخ اگر کوئی کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو وہ اس کو غسل دے۔ اور کفنا کر دفن کر دے۔ کیونکہ جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے انتقال کی اطلاع کی تو آپ نے حضرت علی کو یہی حکم فرمایا تھا (ابن سعد عن علی) لیکن کافر کے جنازہ میں طریق مسنون کی رعایت نہیں کیجائیگی۔ بلکہ اس کو اس طرح غسل دیا جائیگا جیسے ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں۔ پھر کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائیگا۔

قولہ بقوائمہ الخ جنازہ کو چار آدمی اپنے کندھوں پر اٹھائیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص جنازہ کو اٹھائے تو تخت کے چاروں پاؤں کو اٹھانا چاہئے (ابوداؤد طیالسی، ابن ماجہ، بیہقی عن ابن مسعود) امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو آدمی اٹھائیں۔ اگلا اپنی گردن پر اور پچھلا اپنے سینہ پر۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ (ابن سعد) جواب یہ ہے کہ یہ ازدحام ملائکہ کی وجہ سے تھا۔

قولہ ویعجل بہ الخ اور جنازہ کو جلد لے چلیں لیکن تیز نہ دوڑیں۔ بلکہ اتنی رفتار سے چلیں کہ میت چار پائی پر ادھر ادھر حرکت نہ کرے۔ حدیث میں وارد ہے کہ 'جنازہ کو جلد لیجاؤ کہ اگر وہ صالح تو جلد اس کو اچھی جگہ پہنچاؤ گے۔ اور اگر برا ہے تو جلد اپنی گردنوں سے برائی کو دور کرو گے' کذا فی الشامی۔

قولہ ولا یربع الخ اور قبر چورس نہ بنائی جائے چورس کرنے سے مراد یہ ہے کہ مٹی کو پھیلا کر چبوترہ کی شکل نہ کیا جائے بلکہ بیچ میں سے مثل کوہان اونچی کر دی جائے' امام محمد نے آثار میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو چورس کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں کے گچ کرنے' ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

قولہ ولا یخرج الخ مٹی دینے کے بعد مردہ کو قبر سے نہ نکالا جائے۔ الا یہ کو جس زمین میں اس کو دفن کیا گیا ہے وہ غصب کی ہوئی ہو یا شفعہ کے باعث اس کو دوسرے نے لے لی ہو۔ اور مالک یا شفیع اس زمین میں مردہ کا رہنا پسند نہ کرے۔

فائدہ: درمختار میں ہے کہ نفلوں کی بہ نسبت جنازہ کیساتھ جانا افضل ہے۔ اگر میت کیساتھ قرابت یا ہمسائیگی ہو یا مردہ نیک بخت مشہور ہو' وجہ افضلیت یہ ہے کہ جنازہ کیساتھ جانے میں زندہ اور مردہ دونوں کیساتھ سلوک ہے اس لئے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی جنازہ کو ۴۰ قدم اٹھائے تو اس کا اٹھانا ۴۰ گناہ کبیرہ کو دور کرتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الشَّهِيْدِ

باب شہید کے بیان میں

وَهُوَ مَنْ قَتَلَهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اَوِالْبَغْيِ اَوْ قُطَّاعُ الطَّرِيْقِ اَوْ وُجِدَ فِيْ مَعْرِكَةٍ وَبِهٖ اَثَرٌ اَوْ قَتَلَهُ مُسْلِمٌ ظُلْمًا

شہید وہ ہے جس کو قتل کر دیا ہو کافروں، باغیوں یا ڈاکوؤں نے یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور زخم کا نشان ہو یا مسلمان نے ظلما مار ڈالا ہو

وَلَمْ يَجِبْ بِهٖ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ بِلاَ غُسْلٍ وَيُدْفَنُ بِدَمِهٖ وَثِيَابِهٖ اِلاَّ مَالَيْسَ مِنَ الْكَفَنِ

اور دیت واجب نہ ہوئی ہو پس اسکو کفن دیا جائے اور نماز پڑھی جائے بلا غسل اور اس کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے مگر جو کپڑے

وَيُزَادُ وَيُنْقَصُ وَيُغْسَلُ اِنْ قُتِلَ جُنُبًا اَوْصَبِيًّا اَوِارْتَثَّ بِاَنْ اَكَلَ اَوْشَرِبَ اَوْنَامَ

کفن سے نہ ہوں اور کمی بیشی کی جائے اور غسل دیا جائے اگر مارا گیا ہو ناپا کی کی حالت میں یا لڑکپن میں یا نفع اٹھایا ہو بایں طور کہ کھایا پیا، سویا ہو

اَوْ تَدَاوٰى اَوْمَضٰى وَقْتُ صَلوٰةٍ وَهُوَيَعْقِلُ اَوْنُقِلَ مِنَ الْمَعْرِكَةِ حَيًّا اَوْ اَوْصٰى اَوْقُتِلَ فِي الْمِصْرِ وَلَمْ يُعْلَمْ

یا دوا کی ہو یا نماز کا وقت گذر گیا ہو اور وہ ہوش میں ہو یا میدان جنگ سے زندہ لایا گیا ہو یا اس نے وصیت کی ہو یا شہر میں مارا گیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو

اَنَّهٗ قُتِلَ بِحَدِيْدَةٍ ظُلْمًا اَوْقُتِلَ بِحَدٍّ اَوْقَوَدٍ لاَ لِبَغْيٍ وَقَطْعِ طَرِيْقٍ

کہ وہ ہتھیار سے ظلما مارا گیا ہے یا حد یا قصاص کے عوض میں نہ کہ بغاوت اور راہزنی کے سبب سے۔

توضیح اللغۃ: بغی فساد، نافرمانی، قطاع الطریق: ڈاکو، معرکہ میدان جنگ ارتث: ارتثاث لغۃً پرانا ہونا شرعاً مجروح کا منافع زندگی حاصل کرنا۔ حدیدہ لوہا، قود: قصاص۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مصنف نے شہید کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی اموات میں داخل اور اس کا ایک فرد ہے۔ اس واسطے کہ شہید کے لئے جو فضیلت، اجر و ثواب اور درجات ہیں وہ دوسرے مردوں کے لئے نہیں ہیں۔ پس اموات میں سے شہید کو علیحدہ ذکر کرنا ایسا ہے جیسے ملائکہ میں سے حضرت جبریل کو جلالت شان کے پیش نظر علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ شہید شہود یا شہادت سے ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے بایں معنی کہ فرشتے اس کی تعظیم کو آتے ہیں اور جنت اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یا بمعنی فاعل ہے بایں معنی کہ خون اور زخم اس کے شاہد ہیں۔

قولہ ھو من قتلہ الخ شہید کی دو قسمیں ہیں حقیقی، حکمی۔ حقیقی شہید تو راہ خدا میں جان دینے والے کو کہتے ہیں جو اسلام کی سر بلندی کی خاطر بالارادہ میدان جہاد میں اپنی جان نثار کرتا ہے۔ حکمی شہید کی دو قسمیں ہیں باعتبار حکم اخروی، شہید باعتبار حکم دنیاوی اول کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی وہ کثیر مقدار نہیں عطاء ہوتی جو حقیقی شہیدوں کے ثواب کی طرح عظیم و کثیر ہوتی ہے۔ علماء نے ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں اخروی شہداء کا ذکر ہے جن کی تعداد ۳۷ کے قریب ہے۔ اور ان کی تفصیل 'طوالع الانوار' حاشیہ در مختار میں موجود ہے۔ علامہ سیوطی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب 'ابواب السعادۃ فی اسباب الشہادۃ' کے نام سے لکھی ہے۔ یہاں جس شہید کے احکام مذکور ہیں وہ وہ ہے جس کو کسی حربی کافر یا باغی یا راہزن نے قتل کر دیا ہو یا میدان جنگ میں زخمی مردہ پایا گیا ہو۔ یا کسی مسلمان نے ناحق قتل کر دیا ہو اور نفس قتل کے سبب سے دیت واجب نہ ہو۔ ایسے شخص کو کفن دیا جائے گا اور غسل دیئے بغیر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اس کے خون آلود کپڑوں کیساتھ دفن کر دیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کو ان کے خون اور زخموں کیساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو[1] امام شافعی فرماتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانیوالی ہے۔ لہٰذا شہید پر نماز کی کوئی ضرورت نہیں اور جن روایات میں شہداء پر نماز پڑھنے

(۱) ...... احمد شافعی بیہقی عن عبد اللہ بن ثعلبہ ۱۲

کے لئے آیا ہے وہاں صلوٰۃ کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دعا۔ ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شہداءِ احد پر جنازہ جیسی نماز پڑھی۔ (صحیحین) پس اس حدیث کے ہوتے ہوئے ابن حبان کا قول "المراد بالصلوٰۃ الدعاء" کب مسموع ہو سکتا ہے۔[1]

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْكَعْبَةِ

باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں

صَحَّ فَرْضٌ وَنَفْلٌ فِيهَا وَفَوْقَهَا وَمَنْ جَعَلَ ظَهْرَهُ اِلٰى ظَهْرِ اِمَامِهٖ فِيهَا صَحَّ وَاِلٰى وَجْهِهٖ لَا

صحیح ہے فرض اور نفل نماز کعبہ میں اور اسکے اوپر اور جو شخص کعبہ میں اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو صحیح ہے اور امام کے چہرہ کی طرف کرے تو صحیح نہیں

وَاِنْ تَحَلَّقُوْا حَوْلَهَا صَحَّ لِمَنْ هُوَ اَقْرَبُ اِلَيْهَا مِنْ اِمَامِهٖ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي جَانِبِهٖ

اور اگر کعبہ کے گرد حلقہ کریں تو صحیح ہے اس شخص کی نماز جو کعبہ سے امام کی نسبت قریب تر ہو بشرطیکہ امام کی طرف نہ ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ترتیب کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس باب کو باب الجنائز پر مقدم کیا جاتا کیونکہ صلوٰۃ فی الکعبہ کا تعلق حالت حیات سے ہے اور جنائز متعلق بالممات ہے مگر مصنف نے اس خیال سے کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو مؤخر کیا ہے، پھر باب الشہید کیساتھ پیوست کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والا من وجہ مستقبل (قبلہ رخ) ہوتا ہے اور من وجہ مستدبر۔ اور شہید عند اللہ زندہ ہوتا ہے اور عند الناس مردہ۔

قولہ صح الخ خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے اوپر فرائض و نوافل سب نمازیں صحیح ہیں۔ اگرچہ سترہ بھی نہ ہو اس واسطے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ بلال، عثمان بن طلحہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ دیر تک اسی میں رہے جب حضرت بلال باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ حضرت بلال نے کہا آپ نے نماز پڑھی اسحال میں کہ دو ستون آپ کی بائیں جانب تھے اور ایک داہنی طرف اور تین آپ کی پشت کی جانب (بخاری، مسلم عن ابن عمر) پھر جس طرح اندر پڑھنا صحیح ہے اسی طرح اوپر بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک خانہ کعبہ کی عمارت قبلہ نہیں بلکہ اس بقعہ سے آسمان تک خلائی فضا قبلہ ہے۔ البتہ اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ تعظیم کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ اس کی ممانعت بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ، کمیلہ یعنی جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ، قبرستان شارع عام، حمام، نجاست ڈالنے کی جگہ، خانہ کعبہ کے اوپر (ترمذی ابن ماجہ، بیہقی، طحاوی عن ابن عمر، ابن ماجہ عن عمر) امام شافعی کے نزدیک نہ فرائض صحیح ہیں نہ نوافل، امام مالک کے نزدیک فرض نماز درست نہیں۔ دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ نے ستون کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیحین) جواب یہ ہے کہ مسلم میں ابن عباس کی روایت حضرت اسامہ سے ہے اور حضرت اسامہ سے خود اس کے خلاف مروی ہے۔ چنانچہ امام احمد نے مسند میں، ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔ نیز حضرت بلال کی روایت مثبت ہے لہٰذا وہ مقدم ہے۔ قالہ السہیلی فی روض الانف۔

قولہ و من جعل الخ جو شخص خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ وہ خود قبلہ کی طرف متوجہ ہے۔ اور اس کو اپنے امام کے بارے میں غلطی کا اعتقاد نہیں، لیکن اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کرے تو نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا اور خانہ کعبہ کے ارد گرد مقتدی حلقہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ بھی صحیح ہے اور جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے قریب تر ہو گا اس کی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ حکماً امام سے پیچھے ہے۔ اور اگر وہ شخص اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تو اس کی نماز نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

[1] ....علی ان الطاہر عن الذنوب لا یستغنی عن الدعاء کالنبی والصبی ۱۲

کِتَابُ الزَّکوٰۃِ

زکوٰۃ کا بیان

هِيَ تَمْلِيْكُ الْمَالِ مِنْ فَقِيْرٍ مُسْلِمٍ غَيْرُ هَاشِمِيٍّ وَلاَ مَوْلاَهُ بِشَرْطِ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى

زکوٰۃ مالک بنانا ہے مال کا مسلمان فقیر کو جو ہاشمی نہ ہو اور اس کا غلام نہ ہو بشرطیکہ مالک کی منفعت منقطع ہو جائے ہر طرح سے اللہ کی رضامندی کے لئے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ بدنیہ جیسے نماز' روزہ' مالیہ جیسے زکوٰۃ' بدنیہ و مالیہ ہر دو جیسے حج' ترتیب کے لحاظ سے نماز کے بعد روزہ کو بیان کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں۔ مگر قرآن پاک میں ۳۲[1] جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا مذکور ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں میں غایت ارتباط اور کمال اتصال ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ احکام نماز سے فراغت کے بعد احکام زکوٰۃ بیان فرما رہے ہیں' زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ جس کی فرضیت رمضان کے فرض ہونے سے پیشتر ۲ھ میں ہوئی ہے[2] اس کا ثبوت کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور اجماع تینوں سے ہے۔ قال تعالیٰ " اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ " حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ 'ادوا زکوٰۃ اموالکم'[3] اسی پر اجماع منعقد ہے۔ پس اس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور کی وفات کے بعد زکوٰۃ دینے سے باز رہنے والوں کو مرتد کہا اور ان سے جہاد کیا۔

قولہ ھی تملیک الخ لغت میں زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ یقال زکا الزرع کھیتی بڑھ گئی۔ چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے سال تمام پر مال سے حصہ معین دینے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک زکاء بمعنی پاکی سے مشتق ہے۔ قال تعالیٰ خیر امنہ زکوٰۃ چونکہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ " خذمن اموالھم صدقۃً تطھرھم وتزکیھم' اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں اور اسی لئے کہ ذبح کرنے سے نجس خون نکل جاتا ہے۔ مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں (ضیاء العلوم) نیز لغت میں اس کے معنی برکت کے بھی ہیں یقال زکت البقعۃ ای بورک فیھا' اس عمل کی تاثیر سے چونکہ مال میں برکت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں (غایہ) ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ' صدقہ مندوبہ' نفقہ' حق اور عفو سب پر ہوتا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے' ہی تملیک المال اھ یعنی زکوٰۃ...... مسلمان فقیر کو مال (کے اس حصہ) کا مالک بنا دینا ہے۔ (جس کو شارع نے معین کیا ہے) بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی اور اس کا آزاد کردہ غلام نہ ہو اور مالک بنانے والے کی منفعت ہر اعتبار سے منقطع ہو جائے۔ اور یہ مالک بنانا بہ نیت تعمیل حکم خداوندی ہو۔ تعریف میں پہلی قید تملیک ہے۔ کیونکہ آیت 'وآتوا الزکوٰۃ' میں لفظ ایتاء ہے اور ایتاء ہی تملیک ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ اس فعل مخصوص کا اسم ہے جیسا کہ محققین کی رائے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ زکوٰۃ وجوب کیساتھ متصف ہوتی ہے اور وجوب افعال کی صفت ہے نہ کہ ذوات کی' سوال مصنف کو 'تملیک المال' کے بعد 'علی وجہ لابد منہ' کی قید بھی لگانی چاہئے تھی۔ (یعنی ایسے طریقہ پر مالک بنایا جائے جواز روئے شرع ضروری ہے) تاکہ کفارہ خارج ہو جائے۔ کیونکہ کفارہ بطریق اباحت و بطریق تملیک ہر دو سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ پس بہ نیت ادائے زکوٰۃ کسی یتیم کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ جواب 'المال' میں الف لام برائے عہد ہے۔ اور شریعت میں مال زکوٰۃ کا اخراج بطریق تملیک ہی معہود ہے۔ پس قید زائد کی ضرورت نہیں۔ دوسری قید 'مسلم' ہے جس سے کافر خارج ہو گیا۔ کہ کافر کو مالک بنانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ حدیث 'تو خذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم' میں 'فقرائہم' کی ضمیر مسلمیں کی طرف راجع ہے۔ تیسری قید 'غیر ہاشمی' ہے اس سے بنو ہاشم خارج ہو گئے کہ ان کو مالک بنانے سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چوتھی قید 'بشرط قطع المنفعۃ' کے ذریعہ زکوٰۃ دہندہ کی اصل اور فرع ماں باپ' دادا' دادی' نانا نانی' بیٹا بیٹی' پوتا پوتی' نواسا نواسی خارج ہو گئے کہ ان کو دینے میں من وجہ زکوٰۃ دہندہ کی منفعت باقی رہتی ہے۔

---

(۲)...... اشار الیہ النووی فی باب السیر من الروضۃ ۱۲ (۳)...... ترمذی' ابن حبان' حاکم عن ابی امامۃ طبرانی عن ابی الدرداء ۱۲

(۱) صاحب نہر الفائق و بحر الرائق نے مناقب بزازیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ۸۲ جگہ کے متعلق لکھا ہے مگر یہ غلط ہے۔ طحطاوی

وَشَرْطُ وُجُوبِهَا الْعَقْلُ وَالْبُلُوْغُ وَالْإِسْلَامُ وَالْحُرِّيَّةُ وَمِلْكُ نِصَابٍ حَوْلِيٍّ فَارِغٍ عَنِ الدَّيْنِ وَحَاجَةٍ اَصْلِيَّةٍ

وجوب زکوٰۃ کی شرط عاقل بالغ مسلمان آزاد ہونا اور ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گذر گیا ہو اور قرض سے اور حاجت اصلی سے

نَامٍ وَلَوْ تَقْدِيْرًا وَشَرْطُ اَدَائِهَا نِيَّةٌ مُقَارِنَةٌ لِلْاَدَاءِ اَوْ لِعَزْلِ مَا وَجَبَ اَوِالتَّصَدُّقِ بِكُلِّهٖ

بچا ہوا ہو بڑھنے والا ہو اگر چہ تقدیراً ہو اور ادائیگی زکوۃ کی شرط نیت کا ہونا ہے دیتے وقت ہو یا واجب مقدار علیحدہ کرتے وقت یا کل مال خیرات کر ڈالنا ہے۔

توضیح اللغۃ: حریۃ آزادی' حولی اور جس پر ایک سال گزر جائے' دین قرض۔ نام بڑھنے والا' عزل علیحدہ کرنا۔

وجوب وادائیگی زکوۃ کی شرطوں کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ و شرط و جوبھا الخ یہاں وجوب سے مراد فرضیت ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ قطعی فریضہ محکمہ ہے حتی کہ اس کا منکر باتفاق علماء کافر ہے۔ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی پانچ شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا۔ پس مجنون اور بچہ پر زکوٰۃ نہیں جیسا کہ ان پر نماز فرض نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے رفع القلم عن ثلاثۃ النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم و عن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جارود' دارمی' طحاوی' حاکم عن عائشہ' حضرت علی و ابن عباس اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ' مالک' احمد فرماتے ہیں کہ ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ یہی حضرت عائشہ اور ابن عمر کا قول ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ مالی تاوان ہے پس جس طرح دیگر نفقات وغرامات' عشر وخراج اور صدقہ فطر وغیرہ کی ادائیگی ان کیلئے ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی ضروری ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے۔ پس اس کی ادائیگی بلا اختیار نہیں ہوسکتی۔ اور بچے اور مجنون کو عقل کے فقدان کی وجہ سے اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں بخلاف نفقات وغرامات کے کہ وہ حقوق العباد میں سے ہیں اور بخلاف عشر وخراج کے کہ وہ مؤنت ارضی ہے۔ اور بخلاف صدقہ فطر کے کہ وہ عبادت محضہ نہیں ہے۔ (۳) مسلمان ہونا' پس کافر پر زکوٰۃ نہیں۔ (اصلی ہو یا مرتد) کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور کافر سے عبادت متحقق نہیں ہوسکتی۔ نیز وہ فرعیات کا مخاطب ہی نہیں (۴) آزاد ہونا۔ پس عبد محض' مدبر' مکاتب' ام ولد پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ فرضیت زکوٰۃ کے لئے ملکیت ضروری ہے۔ اور یہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ اور مکاتب گو مالک ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت کامل نہیں ہوتی۔ ناتمام ہوتی ہے۔ (۵) نصاب حولی کا مالک ہونا۔ حولی حول بمعنی سال کی طرف منسوب ہے۔ جس پر پورا سال گزر جائے۔ اس کو حولی کہتے ہیں۔ سال گزرنے کی شرط اس لئے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے۔ (ابن ماجہ عن عائشہ' دارقطنی' بیہقی عن ابن عمر' احمد عن علی) پھر نصاب حولی کا قرضہ سے اور ضروریات اصلیہ سے فارغ ہونا ضروری ہے' ضروریات اصلیہ مثلاً روزمرہ کا خرچ مکان سکونت' سامان جنگ' سردی وگرمی کے کپڑے' پیشہ وروں کے اوزار' سامان خانہ داری' سواری کے جانور' اہل علم کے حق کتابیں وغیرہ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) اطلقہ فشمل الحال والموجل ولوصداق زوجتہ الموجل الی الطلاق اوالموت وقیل المہر الموجل لایمنع لانہ غیر مطالب بہ عادۃ بخلاف المعجل وقیل ان کان الزوج علی عزم الاداء منع والافلا لانہ لایعد دینا (کذافی غایۃ البیان) وفی المحیط واما الدین المعترض فی خلال الحول فانہ یمنع وجوب الزکوۃ بمنزلۃ ہلاکہ عند محمد وعند ابی یوسف لایمنع بمنزلۃ نقصانہ اھ

(۲) لانہ ج دخل الجزء الواجب فیہ فلا حاجۃ الی التعیین استحساناً ۱۲ زیلعی۔

(۳) لان الدفع یتفرق فیحرج باستحضار النیۃ عند کل دفع ۱۲ کشف۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ[1]

باب چرندوں کی زکوۃ کے بیان میں

وَهِيَ[2] الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعِي فِي اَكْثَرِ السَّنَةِ وَيَجِبُ فِي خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ اِبِلاً بِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مَادُوْنَهُ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ

سوائم وہ ہیں جو اکثر سال چرنے پر گزارہ کریں اور واجب ہے پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض اور اس سے کم کے اندر ہر پانچ میں ایک بکری ہے

شَاةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ سِتٍّ وَّاَرْبَعِيْنَ حِقَّةٌ وَفِيْ اِحْدٰى وَسِتِّيْنَ جَذَعَةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَّسَبْعِيْنَ بِنْتَا لَبُوْنٍ

اور چھتیس میں بنت لبون اور چھیالیس میں ایک حقہ اور اکسٹھ میں ایک جذعہ اور چھہتر میں دو بنت لبون

اِلٰى تِسْعِيْنَ وَفِيْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ حِقَّتَانِ اِلٰى مِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ اِلٰى مِائَةٍ وَّخَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ

اور اکیانوے میں دو حقے ایک سو بیس تک پھر پانچ میں ایک بکری ہے ایک سو پینتالیس تک

فَفِيْهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَّخَمْسِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ

پس اس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض ہے ایک سو پچاس میں تین حقے ہیں پھر ہر پانچ میں ایک بکری ہے

وَّفِيْ مِائَةٍ وَّخَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَّسِتٍّ وَّثَمَانِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ وَّبِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ مِائَةٍ

اور ایک سو پچھتر میں تین حقے اور ایک بنت مخاض ہے اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون ہے

وَّسِتٍّ وَّتِسْعِيْنَ اَرْبَعُ حِقَاقٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَدًا كَمَا بَعْدَ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ وَالْبُخْتُ كَالْعِرَابِ

اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے ہیں دو سو تک پھر نیا حساب کیا جائیگا جیسے ایک سو پچاس کے بعد کیا ہے بختی اونٹ عربی کے مثل ہے۔

توضیح اللغۃ: سوائم باہر چرنے والے جانور۔ سائمہ کی جمع ہے۔ الرعی گھاس چرنا۔ ابل اونٹ بنت مخاض۔ مخاض۔ دردزہ، بنت مخاض اونٹنی کا بچہ جو ایک سال کا ہو کر دوسرے میں لگ جائے۔ شاۃ بکری۔ بنت لبون: لبون دودھ والی بنت لبون۔ اونٹنی کا بچہ جو تیسرے سال میں لگ جائے۔ حقہ جو چوتھے سال میں لگ جائے۔ جذعۃ جو پانچویں سال میں لگ جائے۔ تستانف از سر نو کرنا، بخت: جمع بختی۔ بخت نصر کی طرف منسوب ہے۔ وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔ عراب جمع عربی۔ (للبہائم وللاناسی عرب) خالص عربی النسل اونٹ۔

تشریح الفقہ: قوله هي التي الخ سائمہ لغت میں چرنے والے کو کہتے ہیں اور شرعاً اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ میں مباح چرائی پر اکتفاء کرے۔ ایسے اونٹوں کا نصاب پانچ ہے۔ پس پچیس تک ہر پانچ میں ایک بکری ہے۔ اور 25 میں بنت مخاض اور 36 میں بنت لبون اور ۴۶ میں ایک حقہ اور ۶۱ میں ایک جذعہ اور ۷۶ میں دو بنت لبون اور ۹۱ میں ۱۲۰ تک دو حقے۔ اس کے بعد از سر نو حساب لگایا جائے گا۔ پس ہر پانچ میں ایک بکری ہوگی ۱۴۵ تک اور ۱۴۵ میں دو حقے ایک بنت مخاض اور ۱۵۰ میں تین حقے، اس کے بعد پھر استیناف ہوگا۔ اور ہر پانچ میں ایک بکری ہو کر ۱۷۵ میں تین حقے ایک بنت مخاض ہوگی۔ اور ۱۸۶ میں تین حقے اور بنت لبون اور ۱۹۶ میں چار حقے ۲۰۰ تک۔ اس کے بعد پھر اسی طرح حساب ہوگا جس طرح ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں ہوا تھا۔ پس ۲۰۵ میں چار حقے ایک بکری اور ۲۱۰ میں چار حقے دو بکری اور ۲۱۵ میں چار حقے تین بکری اور ۲۲۰ میں چار حقے چار بکری اور ۲۲۵ میں چار حقے ایک بنت مخاض اور ۲۳۶ میں چار حقے ایک بنت لبون اور ۲۴۶ میں پانچ حقے ۲۵۰ تک اور ۲۵۵ میں پانچ حقے ایک بکری اور ۲۶۰ میں پانچ حقے دو

---

(۱) قال فی المغرب سامت الماشیۃ رعت سوما واسامہا صاحبہا والسائمۃ عن الاصمعی کل ابل ترسل ترعی ولا تعلف فی الاہل۔۱۲۔ بحر۔

(۲) بیان للمعنی الفقہی لان اسم السائمۃ لا یزول بالعلف الیسیر ولانہ لا یمکن الاحتراز عنہ قید بالاکثر فلو علفہا نصف الحول لا تکون سائمۃ فلا زکوۃ فیہا۔۱۲

بکری۔ ۲۵۶ میں پانچ حقے تین بکری ۲۷۰ میں پانچ حقے چار بکری ۲۷۵ میں پانچ حقے ایک بنت مخاض۔ ۲۸۶ میں پانچ حقے ایک بنت لبون ۲۹۶ میں چھ حقے ۳۰۰ تک یہ تفصیل تو احناف کے یہاں ہے جو آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کے مکتوبات[۳] میں موجود ہے۔ امام مالک کے نزدیک ۱۲۰ کے بعد ہر چالیس میں بنت لبون ہے اور ہر پچاس میں ایک حقہ اور زائد میں کچھ نہیں جب تک کہ ۱۳۰ نہ ہوں پس ۱۳۰ میں ایک حقہ دو بنت لبون اور ۱۴۰ میں دو حقے ایک بنت لبون اور ۱۵۰ میں تین حقے اور ۱۶۰ میں چار بنت لبون اور ۱۷۰ میں ایک حقہ ۳ بنت لبون اور ۱۸۰ میں دو حقے اور دو بنت لبون اور ۱۹۰ میں تین حقے ایک بنت لبون ہے ۲۰۰ تک۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ۱۲۰ پر ایک زائد ہو جائے تو اس میں تین بنت لبون ہیں ۱۳۰ تک۔ باقی تفصیل وہی ہے جو امام مالک کے یہاں ہے پس انکے یہاں فریضہ ہر چالیس اور پچاس پر دائر ہے۔ امام اوزاعی سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔

(فَصلٌ فِي الْبَقَرِ) وَفِيْ ثَلٰثِيْنَ بَقَرًا تَبِيْعٌ ذُوْسَنَةٍ اَوْتَبِيْعَةٌ وَفِيْ اَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ ذُوْ سَنَتَيْنِ اَوْ مُسِنَّةٌ
(فصل گائے کی زکوۃ میں) تیس گایوں میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی اور چالیس میں دوسالہ بچھڑا یا بچھڑی
وَّفِيْمَا زَادَ بِحِسَابِهٖ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا تَبِيْعَانِ وَفِيْ سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ وَفِيْ ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ
اور جو زائد ہو اس میں اسی حساب سے ہے ساٹھ تک پس ساٹھ میں سے دو تبیع اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع اور اسی میں دو مسنے ہیں
فَالْفَرْضُ يَتَغَيَّرُ بِكُلِّ عَشْرٍ مِّنْ تَبِيْعٍ اِلٰى مُسِنَّةٍ وَالْجَامُوْسُ كَالْبَقَرِ
پس فریضہ بدلتا رہے گا ہر دہائی پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور بھینس گائے کے مثل ہے۔

گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان

توضیح اللغۃ: البقر بقر سے مشتق ہے بمعنی پھاڑنا۔ بقر بطنہ' شقہ' (مغرب) بیل چونکہ زمین پھاڑتا ہے اس لئے اس کو بقر کہتے ہیں باقور' بیقور' ابقور' بقر سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ بقر اسم جنس ہے۔ جس کا واحد بقرہ ہے نر ہو یا مادہ جیسے تمر اور تمرہ پس تا برائے وحدت ہے نہ کہ برائے تانیث (وفی ضیاء العلوم جماعۃ البقر مع رعاتہا) تبیع ایک سال کا بچھڑا' بچھڑی' مسن دوسال والا۔ جاموس بھینس۔

تشریح الفقہ: قولہ فی ثلثین الخ گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب تیس کا عدد ہے۔ پس تیس میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے۔ اور چالیس میں دوسالہ اور چالیس سے ساٹھ تک جو زائد ہو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ ہو گی یعنی ایک زائد ہو تو مسن کا چالیسواں حصہ۔ دو زائد ہوں تو بیسواں و ہکذا۔ یہ امام صاحب سے ابو یوسف کی روایت ہے۔ اور ظاہر الروایہ ہے۔ ابراہیم نخعی' مکحول' حماد بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ زیادہ میں کچھ نہیں۔ جب تک کہ پچاس نہ ہوں' پس پچاس میں ایک مسن اور اس کا چوتھائی حصہ ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جب تک ساٹھ نہ ہوں اسوقت تک زائد میں کچھ نہیں' یہی قول امام شافعی' مالک' احمد کا ہے۔ اور امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے۔ پس ساٹھ میں دو تبیعے ہیں۔ اور ستر میں ایک مسنہ ایک تبیع ہے۔ اور اسی میں دو مسنے اس کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا۔

فی الدیانات۔ ۱۲ فی المراسیل۔ ۱۲ [۳] مکتوب حضرت ابو بکر صدیق' بخاری مکتوب حضرت عمر' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مکتوب حضرت عمرو بن حزم نسائی' ابوداؤد۔

(فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ) وَفِيْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ وَّفِيْ مِائَةٍ وَّاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ شَاتَانِ وَفِيْ مِائَتَيْنِ وَوَاحِدٍ ثَلٰثُ شِيَاهٍ

(فصل بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں) چالیس بکریوں میں ایک بکری اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں اور دوسو ایک میں تین بکریاں

وَفِيْ اَرْبَعِمِائَةٍ اَرْبَعٌ ثُمَّ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ وَالْمَعْزُ كَالضَّأْنِ وَيُؤْخَذُ الثَّنِيُّ فِيْ زَكٰوتِهَا لَا الْجَذَعُ

اور چار سو میں چار بکریاں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور بھیڑ بکری کے مثل ہے اور لیا جائیگا دو دانت بکری کی زکوٰۃ میں نہ کہ ایک سال سے کم

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا بیان

توضیح اللغۃ: الغنم بکریاں (اس کیلئے اس لفظ سے واحد نہیں واحد کیلئے لفظ شاۃ ہے) شیاہ: جمع شاۃ بکری، معز بکری (اسم جنس ہے) ضان بھیڑ دنبہ۔

تشریح الفقہ: قولہ فی اربعین الخ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب چالیس ہے پس چالیس میں ایک بکری ہے اور ۱۲۱ میں دو بکریاں اور ۲۰۱ میں تین بکریاں اور ۴۰۰ میں چار بکریاں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور اس میں بھیڑ بکری دونوں برابر ہیں اور بکریوں کی زکوٰۃ میں ثنی لیا جائے گا جو پورے ایک سال کا ہوتا ہے۔ جذع جس پر اکثر سال گزر گیا ہو کافی نہ ہوگا۔ اونٹ، گائے، بیل، بکری، بھیڑ کی زکوٰۃ کی تفصیل ان نقشوں سے ذہن نشین کرو۔

نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب
اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل							
۵	ایک بکری	۲۰	چار بکریاں	۴۶	ایک حصہ	۹۱	دو حصے
۱۰	دو بکریاں	۲۵	بنت مخاض	۶۱	ایک جذعہ	۱۰۰	دو حصے
۱۵	تین بکریاں	۳۶	بنت لبون	۷۶	دو بنت لبون	۱۲۰	دو حصے
۱۲۵	ایک بکری دو حصے	۱۳۵	تین بکریاں دو حصے	۱۴۵	بنت مخاض دو حصے		
۱۳۰	دو بکریاں دو حصے	۱۴۰	چار بکریاں دو حصے	۱۵۰	تین حصے		
۱۵۵	ایک بکری تین حصے	۱۶۵	تین بکریاں تین حصے	۱۷۵	تین حصے ایک بنت مخاض	۱۹۶	چار حصے
۱۶۰	دو بکریاں تین حصے	۱۷۰	چار بکریاں تین حصے	۱۸۶	تین حصے ایک بنت لبون	۳۰۰	چار حصے
گائے بیل کی زکوٰۃ کی تفصیل							
۳۰	یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی	۶۰	یکسالہ دو بچھڑے	۸۰	دو بچھڑے دو سالہ	۱۰۰	ایک دو سالہ دو یک سالہ
۴۰	دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی	۷۰	ایک یک سالہ ایک دو سالہ	۹۰	تین بچھڑے یک سالہ		
بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کی تفصیل							
۴۰	ایک بکری	۲۰۱	تین بکریاں	۵۰۰	پانچ بکریاں		
۱۲۱	دو بکریاں	۴۰۰	چار بکریاں	۶۰۰	چھ بکریاں وھکذا		

وَ لاشَيْءَ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ وَالْحِمْلَانِ وَالْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيْلِ وَالْعَوَامِلِ وَالْعَلُوْفَةِ

اورکوئی چیز واجب نہیں گھوڑوں میں خچروں میں گدھوں میں صرف بکری اور اونٹ کے بچوں میں بچھڑوں میں کام کاج کے مویشیوں اور گھر پر کھانے

وَالْعَفْوِ وَ الْهَلَاکِ بَعْدَ الْوُجُوْبِ وَلَوْ وَجَبَ مُسِنٌّ وَلَمْ يُوْجَدْ دُفِعَ اَعْلٰى مِنْهَا

والوں میں مقدار عفو میں وجوب کے بعد ہلاک ہوجانے والوں میں اگر واجب ہو کوئی عمر والا اور وہ گلے میں موجود نہ ہو تو زائد عمر کا دیدے

وَاَخَذَ الْفَضْلَ اَوْدُوْنَهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ اَوْ دَفَعَ الْقِيْمَةَ وَيُؤْخَذُ الْوَسَطُ وَيُضَمُّ الْمُسْتَفَادُ مِنْ جِنْسِ النِّصَابِ اِلَيْهِ

اور اوپر اون لیلے یا کم عمر کا مع اوپر اون دیدے یا قیمت دیدے اور لیا جائے میانہ جانور اور ملا لیا جائے جنس نصاب سے حاصل ہونے والے کو نصاب کی طرف

وَلَوْ اَخَذَ الْخَرَاجَ وَالْعُشْرَ وَالزَّكٰوةَ بُغَاةٌ لَمْ تُؤْخَذْ[1] اُخْرٰى وَلَوْعَجَّلَ ذُوْ نِصَابٍ لِسِنِيْنَ اَوْلِنُصُبٍ صَحَّ

اور اگر لے لیں خراج اور عشر اور زکوٰۃ باغی لوگ تو دوبارہ نہ لیا جائے اور اگر پہلے دیدے مال والا چند سالوں کی یا چند نصابوں کی زکوٰۃ تو درست ہے

جانوروں کی زکوٰۃ کے مختلف مسائل

توضیح اللغۃ: خیل: گھوڑوں کا گروہ، بغال جمع بغل خچر، حمیر جمع حمار۔ پالتو گدھا، حملان جمع حمل، بکری کا بچہ۔ فصلان جمع فصیل: اونٹنی کا بچہ جو ایک سال سے کم کا ہو۔ عجاجیل: جمع عجول بمعنی عجل بچھڑا، عوامل جمع عاملۃ۔ کام کاج میں آنیوالی اونٹنی، علوفۃ گھر پر چارہ کھانیوالے جانور۔ عفو دو نصابوں کے درمیان کا عدد، سن ای ذات سن۔ دون: یعنی کمتر، گھٹیا، وسط درمیانی، مستفاد جو مال درمیان سال میں حاصل ہو بغاۃ جمع باغی: حاکم وقت کا نافرمان۔ سنین چند سال۔ نصب: جمع نصاب۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا شیئ الخ صاحبین کے نزدیک باہر چرنیوالے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان پر اس کے غلام میں اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ) اسی قول پر فتویٰ ہے (خانیہ، طحطاوی، اسرار، زیلعی ینابیع، جواہر، کافی) یہی قول امام شافعی، امام مالک، احمد کا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے یہاں اس میں تفصیل ہے کہ گھوڑے سائمہ ہونگے یا علوفہ ان میں سے ہر ایک برائے تجارت ہونگے یا نہیں، اگر تجارت کیلئے ہوں تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے سائمہ ہوں یا علوفہ، اور اگر تجارت کیلئے نہ ہوں تو یا بار برداری اور سواری کیلئے ہونگے یا کسی اور فائدے کیلئے۔ اگر بار برداری اور سواری کیلئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں اور اگر کسی اور فائدے کے لئے ہوں اور علوفہ ہوں تب بھی زکوٰۃ نہیں اور اگر سائمہ ہوں اور نر و مادین دونوں ہوں اور عربی النسل ہوں تو مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے اور چاہے تو سب کی قیمت لگا کر ہر دو سو سے پانچ درہم دے دے نفس وجوب تو اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار ہے یا دس دراہم" (دار قطنی بیہقی عن جابر) اور تخییر اسلئے ہے کہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ کے پاس لکھا تھا "خیر اربابھا ان ادوا من کل فرس دینار او الا فقوموھا وخذ من کل مائتی درھم خمسۃ دراھم" ابن ہمام نے فتح القدیر میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور صاحبین کی دلیل کا جواب بہ تبعیت صاحب ہدایہ یہ دیا ہے کہ حدیث "لیس علی المسلم فی عبدہ الخ" میں فرس سے مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ نہیں، حضرت زید بن ثابت سے یہی تاویل منقول ہے (اسرار)۔

قولہ والبغال الخ اور جنگل میں چرنیوالے خچر اور گدھوں میں بھی زکوٰۃ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کے بارے مجھ پر کوئی

---

(۱) قال فی الهدایه وافتوابان یعیدوهادون الخراج لا نهم مصارف لکونهم مقاتلة والزکوة مصر فها الفقراء ولا یصر فونها الیهم وقیل اذانوی بالدفع التصدق علیهم سقط عنه وکذا الدفع الی کل جائر لا نهم بما علیهم من التبعات فقراء والاول احوط ۲

چیز نازل نہیں ہوئی"۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ) مگر یہ اسوقت ہے جب یہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ اگر تجارت کے ہوں تو زکوۃ واجب ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں کیونکہ اسوقت زکوۃ کا تعلق مالیت سے ہوگا جیسے دیگر اموال تجارت میں زکوۃ کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے۔

قولہ والحملان الخ بکری اونٹ اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوۃ نہیں ہے یہ امام صاحب کا آخری قول ہے اسی کو امام محمد نے اختیار کیا ہے اور یہی ثوری و شعبی کا قول ہے اولاً امام صاحب یہی فرماتے تھے کہ جو بڑوں میں واجب ہے وہی چھوٹوں میں واجب ہے امام زفر اور امام مالک کا قول بھی یہی ہے امام صاحب کا تیسرا قول یہ ہیکہ انہی میں سے ایک دیدینا چاہئے امام ابو یوسف، شافعی، اوزاعی اسی کے قائل ہیں سوال اس مسئلے کی تو کوئی صورت ممکن ہی نہیں کیونکہ وجوب زکوۃ کیلئے حولان حول شرط ہیں اور جب بچوں پر ایک سال گزر گیا تو وہ چھوٹے کہاں رہے؟ جواب اسکی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ شروع سال میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی ہوں اور درمیان سال میں بڑے مرجائیں اور چھوٹوں پر سال گزر جائے تو سال تمام ہونے پر ان چھوٹوں میں زکوۃ نہیں، صاحب بحر نے اس کی اور صورتیں بھی لکھی ہیں لیکن اسکو اصح کہا ہے۔

قولہ والعوامل الخ کاروباری اور اکثر سال گھر پر رہ کر چارہ کھانیوالے جانوروں میں زکوۃ نہیں امام مالک اس میں ہمارے خلاف ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث "فی خمس ذود اہ اور حدیث" فی کل ثلاثین من البقر اہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے مقتضی وجوب ہیں ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہیکہ اپنے کام کاج میں آنیوالے بیلوں میں زکوۃ نہیں ہے (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن علی) نیز وجوب زکوۃ کا سبب مال نامی ہے جس کی دلیل جنگل میں چرنا یا تجارت کے لئے مہیا کرنا ہے۔ اور یہاں انمیں سے ایک بھی نہیں۔

قولہ والعفو الخ شیخین کے نزدیک عدد عفو میں زکوۃ نہیں۔ امام مالک، احمد، شافعی کا قول (جدید) یہی ہے۔ امام محمد و زفر کے نزدیک اس میں بھی زکوۃ ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کا وجوب نعمت مال کے شکریہ میں ہے۔ اور کل مال نعمت ہے۔ پس وجوب کا تعلق کل مال سے ہوگا۔ شیخین کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہیکہ "پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔ اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ دس ہو جائیں پس اگر کسی شخص کے پاس نو اونٹ ہوں اور چار ہلاک ہو جائیں۔ تو شیخین کے نزدیک پوری ایک بکری واجب ہوگی۔ اور امام محمد و زفر کے نزدیک اسکے حساب سے زکوۃ ساقط ہوجائیگی۔

قولہ والھالک الخ جو مال وجوب زکوۃ کے بعد ہلاک ہوجائے تو اسکے حساب سے زکوۃ ساقط ہوجائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ادائیگی پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ہلاک ہوجائے تو مالک ضامن ہوگا۔ یہ اختلاف دراصل اس پر مبنی ہے کہ ہمارے یہاں زکوۃ کا تعلق عین شئی کے ساتھ ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اسکا تعلق ذمہ سے ہے لیکن ظواہر نصوص ہمارے مؤید ہیں۔ پھر مصنف نے لفظ ہلاک بولا ہے اس واسطے کہ اگر سال تمام ہونے پر اس نے خود ہلاک کردیا۔ تو زکوۃ ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں تعدی اسکی طرف سے ہے۔

تنبیہ: ایک مال تجارت کو دوسرے مال تجارت کے ساتھ تبدیل کردینا استہلاک نہیں۔ کیونکہ استہلاک کا مطلب یہ ہے کہ مالک بالارادہ نصاب کو اپنی ملکیت سے نکال دے اور کوئی بدل اسکا قائم مقام نہ ہو پس اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو اور وہ اس سے غلام یا کوئی اور اسباب تجارت کے لئے خرید لے اور پھر وہ ہلاک ہوجائے تو زکوۃ ساقط ہوجائیگی۔

قولہ ویضم الخ اگر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہوجائے (از روئے ہبہ ہو یا بطریق وراثت) تو اس کو اس جنس کے نصاب کے ساتھ ملا کر زکوۃ دینی چاہیے۔ درمیانی سال میں سائمہ جانوروں کا بڑھنا اور مال تجارت میں نفع کا ہونا سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

قولہ ولو عجل الخ ایک شخص کے پاس ایک مال کا نصاب تھا اسنے چند سالوں کی پیشگی زکوۃ نکال دی تو زکوۃ ادا ہو جائیگی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ادا نہ ہوگی، ہماری دلیل یہ ہیکہ سبب وجوب زکوۃ صرف نصاب ہے۔ اور وہ موجود ہے۔ رہا حولان حول سو یہ تو شریعت کی طرف سے ادائیگی زکوۃ کے لئے ایک قسم کی مہلت ہے۔ جیسے تاجیل دین نیز اگر کسی شخص نے چند نصابوں کی زکوۃ ادا کردی تو یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ سببیت میں اصل نصاب پہلا ہی ہے باقی اس کے تابع ہیں البتہ امام زفر کے نزدیک صحیح نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ زَكٰوةِ الْمَالِ

باب نقد مال کی زکوۃ کے بیان میں

يَجِبُ فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا رُبُعُ الْعُشْرِ وَلَوْ تِبْرًا اَوْ حُلِيًّا اَوْ اٰنِيَةً

واجب ہے دوسو درہم اور بیس اشرفیوں میں چالیسواں حصہ خواہ ڈلیاں ہوں یا زیور ہوں یا برتن ہوں

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ قبل ازیں جن اشیاء کی زکوۃ مذکور ہوئی گو وہ بھی مال ہیں کیونکہ مال تو بقول امام محمد ہر وہ چیز ہے جس کا انسان مالک ہو، روپیہ پیسہ ہو یا سامان، سونا چاندی ہو یا حیوان، مگر عرف میں مال کا اطلاق نقدی پر ہوتا ہے۔ اسلئے مصنف نے اس باب کو خصوصیت کیساتھ مال سے تعبیر کر دیا۔ علامہ زیلعی کی رائے یہ ہے کہ ''المال'' میں الف لام برائے عہد ہے۔ اور معہود وہ مال ہے جو حدیث ''ھاتوا ربع عشر اموالکم'' میں مراد ہے، یعنی سوائم کے علاوہ دیگر نقدی، اسباب وسامان وغیرہ۔

قولہ یجب الخ سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے اور دینار ایک مثقال کے ہموزن ہوتا ہے۔ یعنی ۲۰ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا پس ایک دینار سو (۱۰۰) جو کا ہوا جس کا وزن ارباب تحقیق کے نزدیک ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے تو سونے کا نصاب ۷½ تولہ ہوا جس کا چالیسواں حصہ دو ماشے دو رتی ہوتا ہے پس جو شخص ۲۰ دینار یعنی ۷½ تولہ سونے کا مالک ہو اس پر دو ماشے دو رتی بھر زکوۃ واجب ہوگی اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور درہم ۱۴ قیراط کا ہوتا ہے پس درہم شرعی ۷۰ جو یعنی ۳ ماشے ایک رتی اور ایک رتی کے پانچویں حصہ کے ہموزن ہوا پس چاندی کا نصاب ۵۲ تولے ۶ ماشے ہے اور روپیہ کے اعتبار سے ۵۴ روپیہ ۱۲ آنے ۶ پائی صحیح ۶ پٹہ ۲۳ پائی (۶ $\frac{۶}{۲۳}$) ہے

فائدہ: درہم ومثقال کی تحقیق ہو چکی، عام طور سے جو اوزان کتب فقہیہ میں ذکر کیے جاتے ہیں وہ درہم ومثقال ہی کی طرف عود کرتے ہیں لہذا جس قدر الفاظ کتب فقہیہ میں دوبارہ اوزان مستعمل ہیں ان سب کے اوزان تولہ ماشہ کے حساب سے لکھے جاتے ہیں۔

(نقشہ مقادیر اوزان فقیہ)

فقہی اوزان	ہندی اوزان	کیفیت
طسوج	تقریباً پون رتی	دراصل طسوج دو جَو کا ہوتا ہے اور ایک رتی تین جَو سے کچھ کم ہوتی ہے (بحر الجواہر)
قیراط	۱ $\frac{۱}{۴}$ رتی تقریباً پونے دو رتی	حسب تصریح فقہا ایک قیراط ۵ جَو اور ۱۴ قیراط کا ایک درہم ہے۔ درہم ۲۵ رتی کا ہے پس قیراط ۱ $\frac{۱}{۴}$ رتی کا ہوا۔
دانق	تقریباً سات رتی	دراصل دانق ۴ قیراط کا ہے اور ایک قیراط پونے دو رتی کا ہوا تو ۴ قیراط ۷ رتی کے ہوئے۔
درہم	۳ ماشہ ۱/۵ رتی اور پانچواں حصہ	درہم کا وزن حسب تصریح فقہاء ۷۰ جَو کا ہے اور ۷۰ جَو کا وزن یہی نکلتا ہے
مثقال	۴ ماشہ ۴ رتی	مثقال کا وزن ایک سو جَو ہے جس کا وزن یہی آتا ہے۔
رطل	۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ رطل کا وزن ۱۳۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
مُد	۲۸ تولہ ۳ ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ مُد کا وزن ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
من	۲۸ تولہ ۳ ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ من کا وزن بھی ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
استار	بحساب درہم[1] ۱ تولہ ۸ ماشہ ۴ رتی	
اوقیہ	ساڑھے دس تولہ	حسب تصریح فقہاء اوقیہ کا وزن ۴۰ درہم ہے جس کے ساڑھے دس تولے ہوتے ہیں۔
صاع	۲۷۰ تولہ (بحساب درہم)[2]	
وسق	بحساب درہم[3] ۵ من اڑھائی سیر (۸۰ تولہ کے سیر سے	

(۱)........بحساب مثقال ۱ تولہ ۸ ماشہ ۲ رتی ۱۲ (۲)........بحساب مثقال ۲۷۳ تولہ ۱۲ (۳)........بحسب مثقال پانچ من پونے پانچ سیر ۱۲

ثُمَّ فِي كُلِّ خُمُسٍ بِحِسَابِهِ وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُهُمَا اَدَآءً وَوُجُوْبًا وَفِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ

پھر ہر پانچویں حصہ میں اسی حساب سے ہے اور معتبر ان کا وزن ہے ادا کرنے اور واجب ہونے میں اور درہموں میں وزن سبعہ

وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَشْرُ مِنْهَا وَزْنُ سَبْعَةِ مَثَاقِيْلَ

اور وہ یہ ہے کہ چاندی کے دس درہم سات مثقال سونے کے برابر ہوں۔

تشریح الفقہ : **قولہ کل خمس الخ** خمس بضم خاء پانچواں حصہ یعنی سونے چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے اور نصاب کے ہر پانچویں حصہ میں اسی حساب سے واجب ہے پس ہر چالیس درہم میں ایک درہم اور ہر چار دینار میں دو قیراط واجب ہیں، اور جو مقدار خمس سے کم ہو اس میں کچھ نہیں یہ تو امام صاحب کا قول ہے، امام شافعی، امام محمد، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دوسو درہم پر جو کچھ زائد ہو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مازاد علی المائتین فبحسابہ" (ابوداؤد عن علی) امام ابوحنیفہ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لانا خذمن الکسور شیئا" (دارقطنی عن معاذ) نیز آپ نے فرمایا "لیس فیمادون الار بعین صدقۃ"۔ (عبدالحق فی احکامہ عن عمرو بن حزم)۔

قولہ والمعتبر الخ وجوب زکوۃ کے اعتبار سے سونے چاندی کے نصاب میں بالاتفاق ان دونوں کا وزن معتبر ہے نہ کہ انکی قیمت۔ پس اگر کسی شخص کے پاس سو درہم کے ہم وزن چاندی کا برتن ہو اور خوبی ساخت کے اعتبار سے اسکی قیمت دوسو درہم کی ہو تو اس پر زکوۃ نہیں جبتک اس کا وزن پورے دوسو درہم کا نہ ہو۔ نیز شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوۃ میں بھی وزن معتبر ہے۔ امام زفر کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے، امام محمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو فقراء کے حق میں انفع ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے پانچ کھرے درہموں کی زکوۃ میں پانچ کھوٹے درہم دیدیئے۔ جن کی قیمت چار کھرے درہموں کے برابر تھی۔ تو شیخین کے نزدیک زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ امام محمد وزفر کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔ اور اگر پانچ کھوٹے درہموں کی زکوۃ میں چار کھرے درہم دیئے جن کی قیمت پانچ کھوٹے درہموں کی قیمت کے برابر ہو تو امام زفر کے نزدیک زکوۃ ادا ہو جائیگی۔ شیخین کے نزدیک اور امام محمد کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔

قولہ وفی الدراھم الخ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر کے زمانہ میں مختلف الاوزان دراہم رائج تھے۔ فتاوی صغری میں ہے کہ اس وقت تین طرح کے درہم رائج تھے (۱) وزن عشرہ جس کے ہر دس درہم دس مثقال کے ہموزن اور ہر درہم بیس قیراط کا ہوتا تھا (۲) وزن ستہ جس کے ہر دس درہم چھ مثقال کے اور ہر درہم بارہ قیراط کا ہوتا تھا (۳) وزن خمسہ جس کے ہر دس درہم پانچ مثقال کے اور درہم دس قیراط کا ہوتا تھا۔ حضرت عمر استیفاء خراج میں سب سے وزنی درہم کا مطالبہ کرتے تھے لوگوں پر یہ چیز گراں گذری انھوں نے تخفیف کی درخواست کی تو حضرت عمر نے صحابہ کے مشورہ کے مطابق سب وزنوں کو جمع کر کے ایک وزن مساوی نکال لیا۔ جس کو وزن سبعہ کہتے ہیں۔ بایں طور کہ تینوں وزنوں کا مجموعہ ۲۱ ہوتا ہے۔ جس کو تین پر تقسیم کرنے سے سات ہوتے ہیں۔ پس دیوان فاروقی میں زکوۃ، خراج، نصاب سرقہ، دیات غرضکہ ہر معاملہ میں یہی وزن مقرر ہو گیا۔ ماتن کہتا ہے کہ زکوۃ کے سلسلہ میں جس درہم کا اعتبار ہے وہ یہی وزن سبعہ والا ہے۔ جس کے ہر دس درہم سات مثقال کے ہوتے ہیں۔ تخریج وزن سبعہ کی کیفیت اس نقشہ سے معلوم کرو!۔

نقشہ برائے استخراج وزن سبعہ

نمبر	اسمائے اوزان	ہر دس درہم	ہم وزن	مقدار درہم	مقدار قیراط	کل مقدار قیراط	مقدار ماخوذ (ثلث)	کیفیت
۱	وزن عشرہ	ہر دس درہم	دس مثقال	۲۰ قیراط	پانچ جو	۲۰۰	۶۷	کل مقدار قیراط ۴۲۰
۲	وزن ستہ	ہر دس درہم	چھ مثقال	۱۲ قیراط	پانچ جو	۱۲۰	۴۰	ہے جس کا ثلث ۱۴۰
۳	وزن خمسہ	ہر دس درہم	پانچ مثقال	۱۰ قیراط	پانچ جو	۱۰۰	۳۳	ہے۔ باقی بوجہ
۴	وزن سبعہ	ہر دس درہم	سات مثقال	۱۴ قیراط	پانچ جو	۱۴۰	کل ۱۴۰	کسر ساقط ہے

وَغَالِبُ الْوَرِقِ وَرِقٌ لاَعَكْسُهُ وَفِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ اِنْ بَلَغَتْ نِصَابَ وَرِقٍ اَوْذَهَبٍ

اور جس میں چاندی غالب ہو وہ چاندی ہی ہے نہ اس کا عکس اور واجب ہے اسباب تجارت میں جو چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے

وَنُقْصَانُ النِّصَابِ فِي الْحَوْلِ لاَ يَضُرُّ اِنْ كَمُلَ فِيْ طَرَفَيْهِ وَيُضَمُّ قِيْمَةُ الْعُرُوْضِ اِلَى الثَّمَنَيْنِ

اور کم ہوجانا نصاب کا سال میں مضر نہیں اگر پورا ہو سال کے دونوں طرف اور ملالی جائے اسباب کی قیمت سونے چاندی کی طرف

وَالذَّهَبُ اِلَى الْفِضَّةِ قِيْمَةً

اور سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے اعتبار سے۔

توضیح اللغۃ: ورق چاندی۔ عروض جمع عرض: سامان۔ ثمنین: سونا چاندی۔

تشریح الفقہ: قولہ وغالب الورق الخ اگر سونا چاندی کسی چیز کے ساتھ مخلوط ہو اور ان میں سے کوئی ایک غالب ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پس سونا غالب ہو تو سونے کا اور چاندی غالب ہو تو چاندی کا اعتبار ہوگا۔ اور اس مخلوط میں سونے چاندی کی زکوٰۃ ہوگی۔

فائدہ: اس مسئلہ کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں، سونا غالب ہو، مغلوب ہو، برابر ہو بہر سہ صورت دونوں مقدار نصاب ہوں یا مقدار نصاب نہ ہوں۔ یا ان میں سے کوئی ایک مقدار نصاب ہو ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں ایک یہ کہ سونا غالب ہو اور صرف چاندی مقدار نصاب ہو۔ دوم یہ کہ سونا چاندی دونوں برابر ہوں اور صرف چاندی مقدار نصاب ہو۔ اس واسطے جب چاندی کا نصاب ہوگا تو چاندی دو سو درہم سے کم نہ ہوگی اور اتنے وزن سونے کے نصاب سے کم ہونا ممکن نہیں۔ یہ کل صورتیں مع احکام اس نقشے سے معلوم کرو۔

(نقشہ صور اختلاط سیم و زر مع احکام)

سونا غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	دونوں برابر اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا
سونا غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	چاندی غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا
سونا غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	چاندی غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب حکم چاندی کا ہوگا	دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے
سونا غالب ہو اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی	چاندی غالب ہو اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی	دونوں برابر ہوں اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی

قولہ وفی عروض الخ ''فی مائتی درہم'' پر معطوف ہے۔ یعنی اسباب تجارت جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے اس میں بھی چالیسواں حصہ واجب ہے۔ کیونکہ حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اس کا حکم کرتے تھے۔ کہ ہم اس سامان کی بھی زکوٰۃ دیں جو تجارت کے لئے ہو۔ (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی، دارقطنی)

قولہ ونقصان الخ اگر سال کے اول و آخر میں نصاب کامل ہو اور درمیان میں کم ہوجائے تو یہ وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ پوری زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر تمام مال جاتا رہے۔ اور کچھ دن کے بعد پھر مل جائے تو جس وقت سے مال ملا ہے اسی وقت سے مال کا حساب ہوگا۔

قولہ وتضم الخ سامان تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کی طرف ملالی جائے گی۔ پس اگر سامان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

قولہ الذھب الخ اگر کسی کے پاس تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہو تو انکی قیمت لگالی جائے گی اگر قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے تو امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں یہی امام ثوری کا قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے، صاحبین وامام شافعی کے نزدیک اجزاء ملایا جائے گا۔ پس ایک سو درہم اور پانچ مثقال سونے میں جس کی قیمت ایک سو درہم ہو۔ امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی صاحبین کے نزدیک نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی میں مقدار کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔ یہی وجہ ہے کہ جو برتن دوسو بھر سے کم ہو اور اس کی قیمت دوسو سے زائد ہو اس میں بالاتفاق زکوۃ نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانا مجانست کی وجہ سے ہے۔ جس کا تحقق قیمت ہی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے۔ اور برتن کا مسئلہ ممانحن فیہ سے خارج ہے کیونکہ اس میں ضم شئی نہیں ہے۔

بَابُ الْعَاشِرِ

باب زکوۃ وصول کرنیوالے کے بیان میں

هُوَ مَنْ نَصَبَهُ الْإِمَامُ لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ مِنَ التُّجَّارِ فَمَنْ قَالَ لَمْ يَتِمَّ الْحَوْلُ اَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ اَوْاَدَّيْتُ اَنَا

عاشر وہ ہے جس کو مقرر کردے امام زکوۃ وصول کرنے کے لئے سوداگروں سے پس جو شخص یہ کہے کہ ابھی سال نہیں گزرا یا مجھ پر قرض ہے یا میں خود

اَوْ اِلَى عَاشِرٍ اٰخَرَ وَحَلَفَ صُدِّقَ اِلَّا فِي السَّوَائِمِ فِيْ دَفْعِهٖ بِنَفْسِهٖ

دے چکا یا دوسرے عاشر کو دے چکا اور قسم کھالے تو اس کی تصدیق کی جائیگی مگر چرندوں کی زکوۃ کے متعلق اس کے خود دینے میں

وَفِيْ مَا صُدِّقَ الْمُسْلِمُ صُدِّقَ الذِّمِّيُّ لَا الْحَرْبِيُّ اِلَّا فِيْ اُمِّ وَلَدِهٖ

اور جس میں تصدیق کی جاتی ہے مسلمان کی اس میں تصدیق کی جائے گی ذمی کی نہ کہ کافر کی مگر اس کی ام ولد کے بارے میں

وَاُخِذَ مِنَّا رُبُعُ الْعُشْرِ وَمِنَ الذِّمِّيِّ ضِعْفُهٗ وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ بِشَرْطِ نِصَابٍ وَاَخْذِهِمْ مِنَّا وَلَمْ يُثَنَّ فِي الْحَوْلِ

اور لے ہم سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں بشرطیکہ نصاب پورا ہو اور وہ بھی ہم سے لیتے ہوں اور نہ لی جائے دوبار سال میں

بِلَا عَوْدٍ وَعَشَّرَ الْخَمْرَ لَا الْخِنْزِيْرَ وَمَا فِيْ بَيْتِهٖ وَالْبُضَاعَةِ وَمَالِ الْمُضَارَبَةِ

لوٹے بغیر اور دسواں لے شراب کا نہ کہ سور کا اور اس کا جو اس کے گھر میں ہو یا مال بضاعت ہو یا مال مضاربت ہو

وَكَسْبِ الْمَاذُوْنِ وَثُنِّيَ اِنْ عَشَّرَ الْخَوَارِجُ

یا غلام کی کمائی ہو اور دوبارہ لیا جائے اگر خارجیوں نے عشر لے لیا ہو۔

توضیح اللغۃ: عاشر مال کا دسواں حصہ لینے والا۔ نصبہ: نصباً مقرر کرنا، تجار جمع تاجر، حول سال، دین قرض، حلف: حلفاً قسم کھانا۔ سوائم جمع سائمہ، ضعف: دوچند، لم یثن دوبارہ نہیں لیا جائے گا۔ عود لوٹنا، خمر شراب، بضاعۃ وہ مال جس کا کل نفع مالک کا ہو، سرمایہ، پونجی، مال مضاربت: وہ مال تجارت جس کے نفع میں شرکت ہو۔ کسب کمائی، ماذون: وہ غلام جس کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو۔ خوارج باغی لوگ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب العاشر الخ عاشر عشر (ن) عشراً اعشوراً سے اسم فاعل ہے۔ یعنی مال کا دسواں حصہ لینے والا۔ اس لحاظ سے عاشر کا اطلاق صرف اس پر ہونا چاہیے جو حربی سے مال وصول کرے۔ کیونکہ عشر تو حربی ہی سے لیا جاتا ہے۔ نہ کہ مسلمان اور ذمی سے

---

[1] لان ما یؤخذ منھم ضعف ما یؤخذ من المسلمین فیراعی فیہ شرائطہ تحقیقاً للتضعیف کما قلنا فیما یؤخذ من بنی تغلب ولا یمکن اجرائہ علی عمومہ لان ما یؤخذ من الذمی جزیۃ وفی الجزیۃ لا یصدق اذا قال ادیتھا انا لان فقراء اھل الذمۃ لیسو بمصارف۔

مسلمان سے ربع عشر لیا جاتا ہے۔ اور ذمی سے نصف عشر، مگر چونکہ تینوں کے حق میں اسم عشر دائر ہے...... اس بنا پر تینوں سے وصول کرنے والے کو عاشر کہہ دیتے ہیں۔ صاحب عنایہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ عاشر کبھی عشر لیتا ہے، اور کبھی نصف عشر، اور کبھی ربع عشر پس عاشر چونکہ بعض حالتوں میں عشر لیتا ہے اس لئے اس کا نام عاشر رکھ دیا گیا۔ صاحب سعدیہ فرماتے ہیں کہ عشر تو ہر اس چیز کا اسم جنس ہے جو عاشر وصول کرے خواہ عشر ہو یا نصف عشر یا ربع عشر لہذا ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں۔

قوله هو من نصبه الخ عاشر اس شخص کو کہتے ہیں جس کو امام راستوں پر مقرر کر دیتا ہے تا کہ وہ آنیوالے تاجروں سے صدقات وصول کرے۔ (اس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو غلام نہ ہو (۲) مسلمان ہو کافر نہ ہو (۳) غیر ہاشمی ہو ہاشمی نہ ہو (۴) چوروں راہزنوں سے تاجروں کی حفاظت پر قادر ہو۔ مصنف نے ان شرطوں کو ذکر نہیں کیا) سوال عمل عشر تو شرعاً مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ "**لا یدخل صاحب مکس الجنة**" (ابوداؤد) ٹیکس وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا" اور برے کام کی رغبت دلانا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس کے لئے مقرر کرنا۔ جواب یہ حدیث ظلماً ٹیکس لینے والوں پر محمول ہے ورنہ اخذ عشر کے مشروع ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت انس بن مالک کو ٹیکس وصول کرنے پر مقرر کرنا چاہا۔ حضرت انس نے کہا کیا آپ مجھے ٹیکس وصول کرنے پر مقرر کرتے ہیں۔؟ آپ نے فرمایا کیا تو اس کام سے راضی نہیں جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مقرر کیا ہے۔

قوله فمن قال الخ ایک تاجر مال لیکر عاشر کے پاس سے ہو کر گذرا عاشر نے زکوۃ طلب کی، تاجر نے کہا: (۱) ابھی اس مال پر پورا سال نہیں گذرا یا اس نے کہا کہ (۲) مجھ پر اتنا ہی قرضہ ہے (۳) یا اس نے کہا کہ میں اس کی زکوۃ ادا کر چکا (۴) یا دوسرے عاشر کو دے آیا (اور اس سال کوئی دوسرا عاشر مقرر بھی ہو۔) اور تاجر ان سب صورتوں میں اپنے بیان کو حلف کے ساتھ مؤکد کردے۔ تو اسکی تصدیق کیجائیگی۔ پہلی اور دوسری صورت میں تو اس لئے کہ وہ منکر وجوب ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اسکی قسم کے ساتھ۔ تیسری صورت میں اس لئے کہ وہ امانت کو اس کے محل میں پہنچا دینے کا مدعی ہے لہذا اسکی تصدیق کی جائیگی۔ ہاں اگر مویشی لیکر گذرے اور پھر یہ کہے کہ میں زکوۃ دے چکا تو تصدیق نہیں کیجائیگی۔ کیونکہ انکی زکوۃ لینے کا حق امام کو ہے۔ قال تعالیٰ "**خذ من امو الهم صدقة**"۔

قوله وفیما صدق الخ اور جن جن صورتوں میں مسلمان کی تصدیق کیجاتی ہے۔ ان سب صورتوں میں ذمی کی بھی تصدیق کی جائیگی کیونکہ ذمی کے لئے بھی وہ رعایت ملحوظ ہے جو مسلمان کے لئے ہے۔ لیکن حربی کافر کا قول کسی صورت میں بھی معتبر نہیں۔ اگر چہ وہ گواہوں سے ثابت کردے۔ بجز اس کے کہ اس کے ساتھ باندی ہو اور وہ اس کے متعلق یہ کہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو اسکی تصدیق کیجائیگی۔

قوله وعشر الخمر الخ اگر کوئی ذمی شراب یا خنزیر لیکر گذرے تو صرف شراب کا عشر لیا جائے گا۔ وہ بھی قیمت لگا کر، امام شافعی کے نزدیک دونوں کا عشر نہیں لیا جائیگا۔ کیونکہ شراب اور خنزیر کی کوئی قیمت نہیں۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں کا عشر لیا جائے گا کیونکہ کفار کے یہاں مالیت کے حق میں دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر دونوں کو لیکر گذرے تو دونوں کا عشر لیا جائیگا گویا امام ابو یوسف نے اخذ عشر کے سلسلہ میں خنزیر کو شراب کے تابع کیا ہے، ہمارے نزدیک دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔ لہذا اس کی قیمت لگا کر عشر لے لیا جائیگا۔ اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے۔ اور ذوات القیم میں قیمت کا حکم عین شئی کا ہوتا ہے پس خنزیر کی قیمت کا لینا گویا بعینہ خنزیر کو لینا ہے اور یہ جائز نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الرِّكَازِ
باب رکاز کی زکوۃ کے بیان میں

خُمِّسَ مَعْدَنُ نَقْدٍ وَنَحْوُ حَدِيْدٍ فِيْ اَرْضِ خِرَاجٍ اَوْعُشْرٍ لاَ فِيْ دَارِهِ وَاَرْضِهِ وَكَنْزٌ
پانچواں حصہ لیا جائیگا سونے چاندی اور لوہے جیسی چیز کی کان کا خراجی یا عشری زمین میں نہ کہ اس کے گھر اور اسکی زمین میں اور پانچواں حصہ لیا جائیگا خزانہ کا

وَبَاقِيْهِ لِلْمُخْتَطِّ لَهُ وَزِيْبَقٍ لاَرِكَازُ صَحْرَآءِ دَارِ الْحَرْبِ وَفَيْرُوْزَجٍ وَلُؤْلُؤٍ وَعَنْبَرٍ
اور باقی قدیم زمیندار کا ہے اور پانچواں حصہ لیا جائیگا پارہ کا نہ کہ دارالحرب کی کان کا اور فیروزہ اور موتی اور عنبر کا

توضیح اللغۃ: رکاز زمین میں پیدا کی ہوئی دھاتیں۔ معدن کان، مختط لہ جس کو امام نے فتح کے بعد مالک بنا دیا ہو۔ زیبق پارہ، فیروزج: ایک قیمتی پتھر، فیروزہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ رکاز کا تذکرہ کتاب الجہاد میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں جو کچھ لیا جاتا ہے وہ زکوۃ نہیں ہوتی نیز اس کے مصارف بھی مصارف غنیمت ہیں۔ مگر فقہاء نے اس کو زکوۃ کیساتھ لاحق کیا ہے۔ بایں معنی کہ یہ بھی وظیفہ مالی ہے پھر رکاز کو عشر پر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ رکاز محض قربت ہے بخلاف عشر کے کہ وہ ایک مشقت مالی ہے جس میں قربت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ رکاز بمعنی مرکوز رکز سے ہے گاڑنا۔ دفن کرنا' زمین سے جو مال نکالا جاتا ہے۔ اس کو کنز' معدن' رکاز کہتے ہیں۔ لیکن کنز کا اطلاق عموماً ان دفینوں پر ہوتا ہے۔ جو انسانوں کے گاڑے ہوئے ہوں۔ اور معدن کا اطلاق ان دھاتوں پر جو خلقۃً زمین میں ودیعت ہوتی ہیں اور رکاز کا اطلاق باشتراک معنوی دونوں پر ہوتا ہے۔ 'مغ' میں 'مغرب' سے منقول ہے کہ رکاز وہ معدن یا کنز یعنی کان یا دفینہ ہے جو زمین میں مستقر ہو۔

قولہ خمس الخ بہ تخفیف میم متعدی ہے از باب طلب یقال خمس القوم خمساً: قوم کے مال کا پانچواں حصہ لینا (مغرب) صاحب ضیاء العلوم نے عدی بن حاتم کے قول سے استشہاد کیا ہے:: ربعت فی الجاهلیة وخمست فی الاسلام پس جن لوگوں نے خمس کو بتشدید میم پڑھا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ خمس بتخفیف میم متعدی آتا ہے۔ اس لئے تخمیس سے ماننے کی ضرورت نہیں۔

قولہ معدن نقد الخ نقد سے مراد سونا چاندی ہے اور نحو حدید سے مراد ہر وہ منجمد چیز ہے جو آگ کے ذریعہ نرم ہو جائے جیسے تانبا' پیتل رانگ وغیرہ اس سے سیال چیزیں خارج ہو گئیں جیسے قار[1] نفط[2] رال وہ منجمد چیزیں بھی نکل گئیں جو آگ سے نرم نہیں ہوتیں۔ جیسے چونا' نورہ' سرمہ اور جواہرات جیسے یاقوت' فیروزہ' زمرد وغیرہ کہ ان میں کچھ واجب نہیں' پھر یہاں پانیوالے کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا آزاد' غلام' مسلم' ذمی' بچہ' بالغ' مرد عورت سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی اور لوہے کے مثل چیزیں جب عشری یا حربی زمین میں پائی جائیں تو انکا پانچواں حصہ لیا جائیگا اور باقی چار حصے پانیوالے کے ہونگے۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان میں کچھ نہیں۔ بجز چاندی اور سونے کے کہ اس میں زکوۃ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے' المعدن جبار وفی الرکاز الخمس[3]' معدن میں کوئی چیز واجب نہیں۔ اور رکاز میں خمس ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں رکاز کا عطف معدن پر ہے جو مقتضی مغایرت ہے۔ پس رکاز میں وجوب خمس کی صراحت سے معلوم ہوا کہ معدن میں کچھ نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رکاز رکز سے ہے جو معدن کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رکاز ہر وہ چیز ہے جو زمین میں پیدا ہو' نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ' رکاز میں خمس ہے صحابہ نے سوال کیا: یا رسول اللہ! رکاز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سونا چاندی جو کہ اللہ نے زمین میں پیدا کیا ہے۔[4] رہی حدیث مذکور سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص زمین سے معدنیات برآمد کرے اس میں کچھ نہیں بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کان کھودنے کے لئے کسی کو مزدوری پر لے اور وہ اس میں

۱) ایک سیاہ قسم کا روغن ہے جس کو کشتیوں پر ملتے ہیں تا کہ پانی اندر نہ آئے۔

۲) ایک قسم کا روغن ہے جو پانی پر آجاتا ہے اور آگ بہت جلد پکڑتا ہے مٹی کے تیل کو بھی کہتے ہیں۔

(۳) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ۔ ۱۲ (۴) البیہقی عن ابی ہریرۃ۔ ۱۲

ہلاک ہو جائے تو اس کا خون معاف ہے سیاق حدیث ' العجماء جرحها جبار والبئر جبار ' اسی کا مقتضی ہے۔

قوله لاداره الخ اگر کوئی شخص اپنے مکان یا اپنی مملوکہ زمین یا دکان میں معدن پائے تو امام اعظم واحمد کے نزدیک اس میں کوئی چیز واجب نہیں۔ صاحبین کے نزدیک اس میں بھی خمس ہے کیونکہ حدیث ' فی الرکاز الخمس ' مطلق ہے جس میں دار وارض کی کوئی تفصیل نہیں، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ وہ معدن بھی اسی کی زمین کے اجزاء میں سے ہے۔ جس طرح اجزاء ارض میں کوئی مئونت نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں۔

بَابُ الْعُشْرِ

باب عشر کے بیان میں

يَجِبُ فِيْ عَسَلِ اَرْضِ الْعُشْرِ وَمَسْقِيِّ بِمَآءِ سَمَآءٍ وَّسَيْحٍ بِلاَ شَرْطِ نِصَابٍ وَّبَقَاءٍ اِلاَّ الْحَطَبَ وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيْشَ

عشر واجب ہے عشری زمین کے شہد میں اور مینہ اور رو سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں بلا شرط نصاب و بقاء مگر لکڑی اور نرکل اور گھاس میں

وَنِصْفُ فِيْ مَسْقِيِّ غَرْبٍ اَوْ دَالِيَةٍ وَلاَ يَرْفَعُ الْمُوْنَةَ وَضِعْفُهُ فِيْ اَرْضٍ عُشْرِيَّةٍ لِتَغْلِبِيٍّ

اور نصف عشر چرسہ اور رہٹ سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں اور خرچ مجرانہ کیا جائے اور پانچواں حصہ لیا جائے تغلبی کی عشری زمین کی پیداوار میں

وَاِنْ اَسْلَمَ اَوِابْتَاعَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ اَوْذِمِّيٌّ وَخِرَاجٌ اِنِ اشْتَرٰى ذِمِّيٌّ اَرْضًا عُشْرِيَّةً مِّنْ مُّسْلِمٍ وَعُشْرٌ

گو وہ اسلام لے آئے یا اس سے کوئی مسلمان یا ذمی خرید لے اور خراج واجب ہوگا اگر کوئی ذمی عشری زمین مسلمان سے خرید لے اور عشر واجب ہوگا

اِنْ اَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِشُفْعَةٍ اَوْرُدَّ عَلَى الْبَائِعِ لِلْفَسَادِ وَاِنْ جَعَلَ مُسْلِمٌ دَارَهٗ بُسْتَانًا

اگر لے لے اس سے کوئی مسلمان بطور حق شفعہ یا واپس کر دے بائع پر فساد بیع کی وجہ سے اور اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنالیا تو اس کی

فَمُؤْنَتُهٗ تَدُوْرُ مَعَ مَآئِهٖ بِخِلاَفِ الذِّمِّيِّ وَدَارُهٗ حُرٌّ كَعَيْنِ قِيْرٍ وَّنِفْطٍ فِيْ اَرْضِ عُشْرٍ وَلَوْفِيْ اَرْضِ خِرَاجٍ يَجِبُ الْخِرَاجُ

مقدار واجب کا مدار پانی پر ہے بخلاف ذمی کے اور ذمی کا گھر آزاد ہے جیسے قار اور نفط کا چشمہ عشری زمین میں اور اگر خراجی زمین میں ہو تو واجب ہوگا خراج۔

توضیح اللغۃ :عشر: دسواں حصہ، عسل شہد، مسقی سیراب کی ہوئی۔ سماء مراد بارش، سیح: بہتا پانی، حطب لکڑی، قصب بانس، نرکل، حشیش: گھاس، پوس، غرب: بڑا ڈول، چرسہ۔ دالیہ رہٹ، تغلبی: روم کے قریب نصاریٰ عرب کی ایک قوم تھی۔ جنہوں نے دو چند مال دینے پر حضرت عمر سے مصالحت کرلی تھی۔ بستان باغ۔ قیر۔ قار: سیاہ رنگ کی ایک چیز ہے جس کو کشتی پر ملتے ہیں۔

تشریح الفقہ : قوله باب الخ احکام عشر سے پیشتر عشر کے متعلق نو چیزیں ذہن نشین کرلینی چاہئیں۔ اس کی فرضیت، کیفیت، سبب، شرائط، قدر مفروض، وقت، صفت، رکن، مسقط، عشر کی فرضیت کتاب و سنت ہر دو سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ: واتوا حقه یوم حصاده ' حق کی تفسیر عامۃ المفسرین کے نزدیک عشر یا نصف عشر ہے ' حضور ﷺ کا ارشاد ہے " فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر[1] ' کیفیت عشر میں زکوٰۃ کی طرح اختلاف ہی بعض کے نزدیک علی الفور واجب ہے اور بعض کے نزدیک علی التراخی ' عشر کا سبب حقیقی اگانے والی زمین کا ہونا ہے ' عشر کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔ اول شرط اہلیت۔ دوم شرط محلیت ' شرط اہلیت مسلمان ہونا۔ پس ابتداء یہ حق مسلمان پر ہی لاگو ہو سکتا ہے (واما کو نه یتحول الی الکافر فسیأتی) رہا عاقل و بالغ ہونا سو یہ وجوب عشر کے لئے شرط نہیں حتی کہ بچہ اور مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔ شرط محلیت یہ ہے کہ زمین خراجی ہو کیونکہ عشر و خراج دونوں جمع نہیں ہوتے نیز یہ کہ پیداوار ایسی ہو جس کی کاشت مقصود ہو پس بانس، گھانس اور لکڑیوں میں عشر نہیں۔ مقدار عشر میں امام

(۱) بخاری، ابوداؤد، طحاوی، عن ابن عمرؓ، مسلم عن جابر، ابن ماجہ عن معاذ بن جبلؓ بالفاظ مختلفہ۔

صاحب کے نزدیک کم وبیش کی کوئی تعیین نہیں۔ صاحبین کے نزدیک اس کی مقدار پانچ وسق ہے۔ (فسیأتی) وقت عشر امام صاحب کے نزدیک وہ ہے جب کھیتی نکل آئے اور پھل ظاہر ہو جائے' امام ابو یوسف کے نزدیک کٹنے کا وقت ہے۔ امام محمد کے نزدیک صاف کر کے علیحدہ کر لینے کا وقت ہے۔ مسقط عشر پیداوار کا کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہو جانا' مالک کا بلا وصیت مر جانا' یا مرتد ہو جانا ہے۔

قولہ یجب الخ ہمارے نزدیک غیر خراجی زمین کے شہد میں عشر واجب ہے۔ امام شافعی وامام مالک فرماتے ہیں کہ شہد میں عشر نہیں کیونکہ یہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ پس ابریشم کے مشابہ ہو گیا۔ کہ اس میں بھی عشر نہیں۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "فی العسل العشر[1]" پھر امام صاحب کے نزدیک کم وبیش کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ وسق کی قیمت کا اور ایک روایت کے لحاظ سے دس مشکیزہ کا اور امام محمد کے نزدیک پانچ افراق کا اعتبار ہے۔ ایک فرق ۳۶ رطل کا ہوتا ہے۔

قولہ ومسقی الخ اور جو زمین بارش کے پانی سے یا جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو اس میں بھی عشر واجب ہے خواہ پیداوار بقدر نصاب اور سال بھر تک دیرپا ہو یا نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک پیداوار کا بقدر نصاب ہونا اور سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے۔ دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے[2]۔ امام صاحب کی دلیل ارشاد باری ہے "انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض[3]" اس میں "ما اخرجنا" اپنے عموم کی وجہ سے قلیل وکثیر سب کو شامل ہے۔ نیز حدیث "فیما سقت السماء[4]" الخ میں بھی کلمہ "ما" عام ہے۔ کم وبیش کی کوئی تفصیل نہیں۔ رہی پہلی حدیث سو اس میں زکوٰۃ سے تجارت مراد ہے نہ کہ عشر کیونکہ عرب لوگ وسق کے ذریعہ خرید وفروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی پس پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئے اور ظاہر ہے کہ دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ اشتراط بقاء میں صاحبین کی دلیل یہ حدیث ہے۔ لیس فیہا (ای فی الخضراوات شئی) "سبزیوں میں کچھ واجب نہیں۔ امام صاحب کی طرف سے جواب یہ ہیکہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

قولہ وضعفہا الخ تغلبی کی عشری زمین سے دونا عشر لیا جائے گا۔ اگرچہ تغلبی مسلمان ہو جائے یا اس سے وہ زمین کوئی مسلمان خرید لے۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں زمین عشری ہو جائیگی۔ اور محصول دو چند نہیں لیا جائیگا۔ اور اگر تغلبی سے کوئی ذمی خرید لے تو بالاتفاق دو چند لیا جائیگا۔

قولہ وخراج الخ اگر کوئی ذمی عشری زمین مسلمان سے خرید لے تو امام صاحب کے نزدیک اس سے خراج لیا جائیگا۔ کیونکہ عشر میں معنی عبادت ہیں اور کفر عبادت کے منافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونا عشر لیا جائیگا اور امام محمد کے نزدیک وہ علیٰ حالہ عشری رہے گی۔

قولہ وعشر الخ مسلمان نے ایک عشری زمین ذمی کے ہاتھ فروخت کی۔ اس سے دوسرے مسلمان نے حق شفعہ کی بنا پر لے لی تو عشر لیا جائیگا۔ کیونکہ صفقہ شفیع کی طرف متحول ہو گیا۔ پس گویا اس نے مسلمان سے خریدی ہے۔ اور اگر ذمی نے فساد بیع کی وجہ سے واپس کر دی تب بھی عشر لیا جائیگا۔ کیونکہ جب فساد بیع کی وجہ سے زمین واپس ہو گئی تو گویا بیع ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا زمین بدستور عشری رہے گی۔

قولہ وان جعل الخ اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا لیا تو اس کے وظیفہ کا مدار پانی پر ہے۔ عشری پانی سے سینچا تو عشر اور خراجی پانی سے سیراب کیا تو خراج ہوگا بخلاف ذمی کے کہ اس سے ہر حال میں خراج لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسی کے لائق ہے۔

---

(۱) ابو داؤد' ابن ماجہ' احمد' ابو یعلی ۱۲۔

(۲) بخاری' مسلم' ابو داؤد' ابن ماجہ' طحاوی عن ابی سعید الخدری۔ ۱۲

(۳) خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی سے اور اس چیز سے جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے۔ ۱۲

(۴) بخاری' ابو داؤد' طحاوی عن ابن عمر۔ ۱۲

بَابُ الْمَصْرَفِ

باب مصرف زکوۃ کے بیان میں

وَهُوَ الْفَقِيْرُ وَالْمِسْكِيْنُ وَهُوَ اَسْوَءُ حَالاً مِنَ الْفَقِيْرِ وَالْعَامِلُ وَالْمُكَاتَبُ[1] وَالْمَدْيُوْنُ وَمُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ

مصرف زکوۃ فقیر اور مسکین ہے اور مسکین فقیر سے بھی خراب حال ہے اور مصرف زکوٰۃ وصول کنندہ، مکاتب، مقروض اور وہ شخص ہے جو غازیوں سے

وَابْنُ السَّبِيْلِ فَتَدْفَعُ اِلٰى كُلِّهِمْ اَوْ اِلٰى صِنْفٍ وَاحِدٍ لا. اِلَى الذِّمِّيِّ وَصَحَّ غَيْرُهَا وَبِنَاءِ مَسْجِدٍ

منقطع ہو اور مسافر ہے پس چاہے ان سب کو دے اور چاہے کسی ایک قسم کو نہ کہ ذمی کو ہاں زکوۃ کے علاوہ اور صدقہ دینا صحیح ہے اور نہ دے زکوۃ مسجد کی

وَتَكْفِيْنِ مَيِّتٍ وَقَضَاءِ دَيْنِهِ وَشِرَاءِ قِنٍّ لِيُعْتَقَ وَاَصْلِهِ وَاِنْ عَلاَ

تعمیر میں اور مردہ کی تکفین میں اور اس کے قرض کی ادائیگی میں اور غلام کی خریداری میں آزاد کرنے کے لئے اور اپنی اصل یعنی ماں باپ وغیرہ کو

وَفَرْعِهِ وَاِنْ سَفِلَ وَزَوْجَتِهِ وَزَوْجِهَا وَعَبْدِهِ وَمُكَاتَبِهِ وَمُدَبَّرِهِ وَاُمِّ وَلَدِهِ وَمُعْتَقِ الْبَعْضِ وَغَنِيٍّ يَّمْلِكُ نِصَابًا

اور اپنی فرع یعنی بیٹے پوتے وغیرہ کو اور شوہر کو اور بیوی کو اور اپنے غلام مکاتب مدبر ام ولد کو اور اس کو جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو اور مالک نصاب

وَعَبْدِهِ وَطِفْلِهِ وَبَنِيْ هَاشِمٍ وَمَوَالِيْهِمْ وَلَوْدَفَعَ بِتَحَرٍّ فَبَانَ اَنَّهُ غَنِيٌّ اَوْهَاشِمِيٌّ اَوْ كَافِرٌ اَوْاَبُوْهُ

تو انگر کو اور اسکے غلام اور بچہ کو اور بنی ہاشم اور ان کے آزاد کئے ہوؤں کو اور اگر زکوٰۃ اٹکل سے دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ تو انگر یا ہاشمی یا کافر یا اس کا باپ

اَوِابْنُهُ صَحَّ وَلَوْ عَبْدُهُ اَوْمُكَاتَبُهُ لاَ وَكُرِهَ الْاِغْنَاءُ وَنُدِبَ الْاِغْنَاءُ عَنِ السُّؤَالِ

یا اس کا بیٹا تھا تو صحیح ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو صحیح نہیں اور مکروہ ہے غنی بنا دینا اور مستحب ہے سوال سے بے نیاز کر دینا

وَكُرِهَ النَّقْلُ اِلٰى بَلَدٍ اٰخَرَ لِغَيْرِ قَرِيْبٍ وَاَحْوَجَ وَلاَيَسْئَلُ مَنْ لَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ

اور مکروہ ہے مال زکوۃ کو دوسرے شہر میں لے جانا جہاں اس کا رشتہ دار اور زیادہ محتاج نہ ہو اور نہ سوال کرے وہ جس کے پاس ایک دن کی غذا ہو۔

توضیح اللغۃ: مصرف جائے خرچ، مراد وہ شخص جس کو زکوۃ دینا جائز ہے، عامل: محصل صدقات، مدیون: مقروض، غزاۃ: جمع غازی: مجاہد، ابن السبیل: مسافر، صنف: قسم، قن: غلام۔ مدبر: وہ غلام جس کو آقا نے یہ کہدیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ مولی جمع موالی: غلام۔ تحر: غور و فکر، بان: ظاہر ہوا۔ احوج: زیادہ ضرورت مند۔

تشریح الفقہ: قولہ باب المصرف الخ انواع و احکام زکوٰۃ کے بعد مصارف زکوٰۃ کا بیان بھی ضروری تھا۔ اس لئے یہاں اس کو بیان کرتا ہے۔ مصرف دراصل بمعنی معدل ہے یعنی پھرنے کی جگہ۔ قال تعالیٰ: ولم یجد واعنها مصرفاً' یہاں خرچ کرنے کی جگہ مراد ہے یعنی زکوٰۃ کا وہ صحیح محل جس میں خرچ کرنا فریضہ سے سبکدوشی کا باعث ہو' مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں اصل یہ آیت کریمہ ہے'' انما الصدقات للفقراء والمساکین اھ' اس میں آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ 1 فقراء 2 مساکین 3 عاملین جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں 4 مؤلفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیرہ 5 رقاب یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزاد کرنا 6 غارمین جن پر کوئی حادثہ آپڑے۔ اور مقروض ہو جائیں 7 سبیل اللہ یعنی جہاد وغیرہ میں جانیوالوں کی اعانت کرنا۔ بعض کے نزدیک طلباء علم مراد ہیں 8 ابن السبیل یعنی مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب

(۱) فیعان علی فک رقبتہ غنیاً کان مولاہ اوفقیرٌ البشرط ان لایکون المکاتب المز کی ولا مکاتب الہاشمی لما روی الطبرانی فی تفسیرہ عن البصری والزہری وعبدالرحمٰن بن یزید انہم قالوا وفی الرقاب ہم المکاتبون ولان التملیک لابد منہ فی الزکوٰۃ ولا یتصور من القن وقال مالک یبتاع رقبتہ فیعتق فیکون الولاء علیٰ مذہبہ لجماعۃ المسلمین دون المعتق ۱۲ (شرح نقایہ)۔

نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔ مصنف نے ان آٹھ میں سے 4 کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی یا تو اس وجہ سے کہ مؤلفۃ القلوب کو جو زکوٰۃ دی جاتی تھی وہ اسلام کی عزت اور غلبہ کے لئے دی جاتی تھی اور جب رفتہ رفتہ اسلام زور پکڑ گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی یا اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو دینا آنحضرت ﷺ کے ارشاد'' توخذ من اغنیائھم فترد علیٰ فقرائھم '' کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔ بعض حضرات نے اجماع صحابہ کو ناسخ مانا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ نسخ نبی کی حیات میں ہوتا ہے اور اجماع حیات کے بعد۔

قولہ وھو اسوأ الخ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو۔ اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ، مالک، ابواسحٰق، مروزی اور اصحاب لغت میں سے اخفش، فراء، ثعلب کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ'' او مسکیناً ذا متربۃ'' یا مسکین کو جو (فقر و فاقہ اور تنگدستی سے) خاک میں رل رہا ہو امام شافعی، طحاوی، اصمعی کا قول اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ آیت'' اما السفینۃ فکانت لمساکین '' میں مالک کشتی ہونے کے باوجود مساکین کہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کو مساکین کہنا ترحماً ہے یا یہ کہ کشتی ان کے پاس بطور عاریت تھی یا وہ مزدوری پر کام کرتے تھے۔

قولہ فید فع الخ یعنی صاحب مال کو اختیار ہے چاہئے زکوٰۃ کا مال مذکورہ بالا اصناف میں سے سب کو دیدے چاہے کسی ایک صنف کو نیز صنف واحد کے ایک ہی شخص کو دے یا چند کو دے یا چند افراد کو دے بہر صورت زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ معاذ بن جبلؓ حذیفہؓ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور اس کے خلاف کسی صحابی سے منقول نہیں پس یہ اجماع کے درجہ میں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر صنف کے کم از کم تین افراد کو دینا ضروری ہے۔ گویا ان کے یہاں ہر زکوٰۃ دہندہ کم از کم اکیس آدمیوں کو زکوٰۃ دیگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں اضافت لام کیساتھ مشعر استحقاق ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اضافت اثبات استحقاق کیلئے نہیں بلکہ بیان مصارف کیلئے ہیں۔

قولہ وشراء قن الخ زکوٰۃ کی رقم سے غلام خریدنا۔ تاکہ اس کو آزاد کیا جائے جائز نہیں کیونکہ اعتاق تملیک نہیں بلکہ اسقاط ملک ہے اور ادا زکوٰۃ کے لئے تملیک رکن ہے پس اعتاق سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، امام مالک وغیرہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انکے یہاں'' وفی الرقاب کی یہی تاویل ہے۔''

قولہ ولو دفع الخ ایک شخص نے اٹکل کر کے زکوٰۃ ایسے شخص کو دیدی جس کے متعلق گمان تھا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا یا کافر تھا یا اس کا باپ تھا یا اس کا لڑکا تھا تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ جو بات اس کے بس میں تھی یعنی مالک بنانا وہ کر گزرا۔ رہی یہ بات کہ وہ اندھیری میں یہ پوچھے کہ تو کون ہے؟ کہاں رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ وغیرہ تو وہ اس کا مکلّف نہیں۔ ہاں اگر اٹکل کیئے بغیر دیدی تو صحیح نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں اعادہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ غلطی کا یقین ہو چکا۔ طرفین کی دلیل حضرت معن بن یزید کی روایت ہے کہ ان کے والد سے آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی واقعہ میں فرمایا تھا۔
'' یایزید لک مانویت ویا معن لک رما اخذت'' (بخاری عن معن بن یزید) یزید تیرے لئے وہ ہے جس کی تو نے نیت کی اور اے معن! تیرے لئے وہ ہے جو تو نے لے لیا۔ اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ اس کا غلام تھا یا اس کا عبد مکاتب تھا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام کی صورت میں مال زکوٰۃ اسی کی ملکیت میں رہا اور مکاتب کی صورت میں چونکہ مکاتب کی کمائی میں مالک کا حق ہوتا ہے اس لئے تملیک تام نہ ہوئی۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

باب صدقہ فطر کے بیان میں

تَجِبُ عَلٰى حُرٍّ مُسْلِمٍ ذِىْ نِصَابٍ فَضَلَ عَنْ مَّسْكَنِهٖ وَثِيَابِهٖ وَاَثَاثِهٖ وَفَرَسِهٖ وَسِلَاحِهٖ وَعَبِيْدِهٖ

صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جو ایسے نصاب کا مالک ہو جو اس کے گھر سے کپڑوں سے اسباب سے گھوڑے سے ہتھیار سے غلاموں سے بچا ہوا ہو

عَنْ نَّفْسِهٖ وَطِفْلِهِ الْفَقِيْرِ وَعَبِيْدِهٖ لِلْخِدْمَةِ وَمُدَبَّرِهٖ وَاُمِّ وَلَدِهٖ لَاعَنْ زَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهِ الْكَبِيْرِ وَمُكَاتَبِهٖ وَعَبْدٍ اَوْعَبِيْدٍ لَهُمَا

اپنی اور اپنے نادار بچے اور خدام اور مدبر اور ام ولد کی طرف سے نہ کہ اپنی بیوی اور مالدار اولاد اور مکاتب اور ایک یا چند مشترک غلاموں کی طرف سے

وَيَتَوَقَّفُ لَوْمَبِيْعًا بِخِيَارٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْدَقِيْقِهٖ اَوْسَوِيْقِهٖ اَوْزَبِيْبٍ اَوْ صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ

اور موقوف رہے گا اگر بیچدیا ہو خیار کے ساتھ، نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو یا کشمش اور یا ایک صاع کھجور یا جو اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے

صُبْحَ يَوْمِ الْفِطْرِ فَمَنْ مَّاتَ قَبْلَهٗ اَوْ اَسْلَمَ اَوْ وُلِدَ بَعْدَهٗ لَا تَجِبُ وَصَحَّ لَوْ قَدَّمَ اَوْ اَخَّرَ

عید کے دن کی صبح کو پس جو شخص مرجائے اس سے پہلے یا مسلمان ہو جائے یا اس کے بعد پیدا ہو تو اس پر واجب نہیں اور اگر عید کی صبح سے پہلے یا بعد میں دیدے تب بھی صحیح ہے۔

توضیح اللغۃ: حر: آزاد،مسکن: مکان،ثیاب کپڑے،اثاث: گھریلو سامان،فرس: گھوڑا،سلاح: ہتھیار،عبید: جمع عبد نوکر چاکر،بر: گیہوں، دقیق: آٹا،سویق: ستو،زبیب،کشمش،تمر: کھجور،شعیر: جو،ارطال: جمع رطل بارہ اوقیہ کا ایک وزن۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ صدقہ فطر کو باب زکوٰۃ و باب صوم ہر دو کے ساتھ مناسبت ہے۔ زکوٰۃ کے ساتھ بایں معنی کے یہ دونوں وظیفہ مالیہ ہیں اور صوم کیساتھ بایں معنی کی وجوب صدقہ فطر کی شرط فطر ہے کیونکہ صدقہ فطر صوم کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف نے دونوں کے درمیان میں ذکر کردیا۔ صدقہ کے معنی عطیہ کے ہیں جس سے عنداللہ ثواب مقصود ہو۔ چونکہ اس کی ادائیگی صاحب صدقہ کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ اس لئے اس کو صدقہ کہتے ہیں جیسے صداق بمعنی مہر کہ اس کی ادائیگی شوہر کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ کلمہ فطر اسلامی لفظ ہے جس پر فقہاء کی اصطلاح قائم ہے۔ عام لوگ جو صدقہ فطر کے لئے لفظ فطرہ بولتے ہیں یہ لغوی نہیں ہے بلکہ بنایا ہوا ہے۔ سوال صاحب قاموس نے لکھا ہے ''الفطرۃ بالکسر صدقۃ الفطر'' معلوم ہوا کہ یہ لفظ بنایا ہوا نہیں ہے۔ جواب صاحب قاموس نے بہت سی جگہ حقائق شرعیہ کو حقائق لغویہ کیساتھ مخلوط کیا ہے۔ یہ قول بھی اغلاط قاموس میں شمار ہے۔ علامہ نووی نے ''تحریر'' میں کہا ہے کہ لفظ فطرہ مئولد ہے اور غالباً فطرۃ بمعنی خلقت سے ماخوذ ہے گویا یہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔ سوال اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ فطر صوم کی ضد ہے۔ فطر الصائم اکل شرب کا فطر، والصوم الامساک عن الاکل والشرب والکلام'' (قاموس) معلوم ہوا کہ لفظ فطر اسلامی نہیں ہے۔ جواب اسلامی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قبل از اسلام کسی نے اس کا تلفظ نہیں کیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت شرعیہ ہے۔ جس کو فطر صائم کے لئے اسم قرار دیدیا گیا۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کہ عبادت مخصوصہ کے لئے اس کا ظہور اسلام میں ہوا ہے گو اسلام سے قبل اپنے معانی میں مستعمل تھا۔

قولہ تجب الخ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو۔ اور وہ نصاب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات خانگی، مسکن، لباس، ہتھیار وغیرہ سے فاضل ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ادا کرو ایک صاع گیہوں دو آدمی یا ایک صاع کھجور یا جو ہر شخص کی طرف سے آزاد ہو یا غلام چھوٹا ہو یا بڑا''[1] حدیث اخبار آحاد میں سے ہے۔ جس سے وجوب ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ کہ فرضیت۔ کیونکہ یہ دلیل قطعی نہیں ہے۔ امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ''فرض

(۱) ابوداؤد، حاکم، دارقطنی، طحاوی، عبدالرزاق، طبرانی، احمد عن عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر (ویقال ابن ابی صعیر العذری) عن ابیہ۔۱۲

رسول اللّٰہ زکاۃ الفطر علی الذکر والانثی[1] اھ'' جواب یہ ہے کہ یہاں فرض کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی قدر ہے یعنی مقرر کیا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ منکر صدقہ فطر کافر نہیں' اگر یہ فرض ہوتا تو یقیناً اس کا منکر کافر ہوتا۔ حریت کی شرط اس لئے ہے کہ تملیک متحقق ہو سکے۔ اور اسلام کی شرط اس لئے ہے تاکہ صدقہ قربت واقع ہو سکے۔ اور مالدار ہونا اس لئے شرط ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لا صدقة الاعن ظهر غنی[2]'' امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک یوم سے زائد خوارک کا مالک ہو۔ اس پر بھی صدقہ ضروری ہے۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ نصف صاع الخ تجب کی ضمیر فاعل سے بدل ہے یعنی صدقہ فطر نصف صاع واجب ہے گیہوں سے یا اس کے آٹے سے یا ستو سے یا کشمش سے اور ایک صاع واجب ہے کھجور سے یا جو سے' صحابہ میں سے ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' ابن زبیرؓ' جابر بن عبداللہؓ' ابو ہریرہؓ معاویہؓ' اسماء بنت ابی بکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین میں سے سعید بن المسیب' عطاء بن ابی رباح' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' عمر بن عبدالعزیزؒ' طاؤس' ابراہیم نخعی' عامر شعبی' علقمہ' اسودؒ' عروہؒ' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف' عبدالمالک بن محمدؒ' ابو قلابہ' اوزاعیؒ' ثوریؒ' ابن مبارک' مصعب بن سعدؒ' قاسمؒ' سالمؒ' حکمؒ' حماد سب کا یہی قول ہے۔ اور یہی امام مالک سے مروی ہے' امام شافعی کے نزدیک ان تمام اشیاء سے ایک صاع ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے کہ ''ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر میں ایک صاع دیتے تھے[3]'' ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کی حدیث ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئی' رہا امام شافعی کا استدلال سو یہ مقدار تطوع پر محمول ہے۔ کیونکہ حدیث میں ''کنا نخرج'' ہے یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے۔

قولہ او زبیب الخ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گیہوں کی طرح کشمش کا بھی نصف صاع ہے۔ صاحبین کے نزدیک کشمش کھجور کے حکم میں ہے۔ یعنی اس کا بھی پورا ایک صاع دے' امام صاحب سے اسد بن عمر کے روایت بھی یہی ہے۔ ابو الیسر نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں دلیل کی رو سے اسی کو ترجیح دی ہے' حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ مقصود یعنی تفکہ میں کشمش اور کھجور دونوں متقارب ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی لحاظ سے کشمش گیہوں دونوں متقارب ہیں کیونکہ یہ دونوں کل اجزاء کے ساتھ کھائے جاتے ہیں۔ بخلاف کھجور اور جو کے کہ کھجور کی گٹھلی اور جو کا چھلکا نہیں کھایا جاتا[4]۔

قولہ ثمانیۃ ارطال الخ صاع کی مقدار طرفین کے نزدیک آٹھ رطل عراقی ہے۔ رطل عراقی بیس استار کا ہوتا ہے۔ اور ایک استار چھ درہم اور دو دانق کا ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف' مالکؒ' شافعیؒ' احمدؒ کے نزدیک صاع کی مقدار پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ طرفین اور امام ابو یوسف کے نزدیک حقیقی اختلاف نہیں صرف تعبیر کا فرق ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف نے صاع کا اندازہ مدنی رطل سے کیا ہے جو تیس استار کا ہوتا ہے۔ اور عراقی بیس استار کا۔ پس جب آٹھ رطل عراقی کا ۱/۳ ۵ رطل مدنی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ بیس استار کو آٹھ میں ضرب دینے سے ایک سو ساٹھ ہوتے ہیں۔ اور پانچ کو تیس سے ضرب دینے سے ڈیڑھ سو ہوتے ہیں۔ اور تیس کا تہائی یعنی دس ملانے سے ایک سو ساٹھ استار ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض نے اس کی تصویب بھی کی ہے۔ اس واسطے کہ امام محمد نے امام ابو یوسف کا اختلاف ذکر نہیں کیا اگر اختلاف ہوتا تو اپنی عادت کے مطابق ضرور ذکر کرتے۔ مگر صاحب ینابیع نے کہا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے۔ اور سب کے نزدیک رطل عراقی ہی معتبر ہے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے۔ ''فقد نص ابو یوسف فی کتاب العشر والخراج خمسة ارطال وثلث رطل بالعراقی۔''

اسرار میں ہے' خمسة ارطال کل رطل ثلاثون استارًا وثمانية ارطال کل رطل عشرون استارًا سواء'' امام ابو یوسف

---

(1) ائمہ ستہ عن ابن عمر۔ ۱۲ (2) احمد عن ابی ہریرۃ' ن۔ ن تعلیقا' مسلم عن حکیم بن حزام بغیر ہذا اللفظ۔ ۱۲ (3) ائمہ ستہ مختصراً او مطولاً۔ ۱۲ (4) دانق درہم کے چھٹے حصے کا ایک سکہ ہے۔ ۱۲

اوران کے ہم خیال حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہمارا صاع سب صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مد سب مدوں سے بڑا ہے۔ آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ دعا فرمائی ''اللھم بارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی قلیلنا و کثیرنا''[1] اھ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مدنی صاع سب سے چھوٹا ہے۔ اور وہ پانچ رطل اور ثلث رطل ہے' طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک مد یعنی دو رطل سے وضو اور ایک صاع یعنی آٹھ رطل سے غسل فرماتے ہیں[2]۔ حضرت عمرؓ کے صاع کی مقدار بھی یہی تھی[3]۔

قولہ صبح یوم الفطر الخ شروع باب میں جو تجب فعل ہے اس سے منصوب ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک صدقہ فطر عید کی صبح صادق کے نمودار ہونے پر واجب ہوتا ہے (امام شافعی کے یہاں رمضان کے آخر روز کے آفتاب غروب ہونے پر (کذا فی البدائع) تو جو شخص فجر سے پہلے مرجائے۔ یا فقیر ہو جائے یا فجر کے بعد پیدا ہو یا اسلام لائے یا تونگر ہو جائے۔ تو ان پر فطرہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بوقت وجوب اہلیت سے خارج ہیں۔

قولہ وصح لو قدم الخ صدقہ فطر کی ادائیگی یوم الفطر سے پہلے بھی درست ہے۔ اور اس کے بعد بھی۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ عید سے ایک روز پہلے فطرہ دیدیتے تھے۔ فتح القدیر میں ہے کہ صحابہ کا پہلے ہی ادا کرنا آنحضرت ﷺ پر مخفی نہ تھا بلکہ آپ کے اذن ہی سے ہوگا۔ کذا قال الشامی۔ پھر تقدیم کی بابت جوہرہ اور بحر الرائق میں ظہیریہ سے دخول رمضان کی شرط منقول ہے۔ یعنی اگر رمضان سے پیشتر فطرہ دیگا تو صحیح نہ ہوگا۔ لیکن عام متون و شروح علی الاطلاق درستی تقدیم پر متفق ہیں۔ اور بہت علماء نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ صاحب نہر نے والوالجیہ سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔

---

[1] ابن حبان' بیہقی عن ابی ہریرہ۔ ۱۲ [2] دار قطنی' ابوداؤد عن انس' ابن عدی عن جابر۔ ۱۲ [3] ابن ابی شیبہ عن حسن بن صالح' طحاوی عن موسی بن طلحہ۔ ۱۲

كِتَابُ الصَّوْمِ

هُوَ تَرْكُ الاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ مِنَ الصُّبْحِ اِلَى الْغُرُوْبِ بِنِيَّةٍ مِنْ اَهْلِهٖ وَصَحَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَهُوَ فَرْضٌ

وہ چھوڑ دینا ہے کھانے پینے اور جماع کو صبح سے غروب تک نیت کے ساتھ اس شخص کا جو نیت کا اہل ہو اور صحیح ہے رمضان کا روزہ جو فرض ہے

وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ وَهُوَ وَاجِبٌ وَالنَّفْلُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ اِلٰى مَا قَبْلَ[1] نِصْفِ النَّهَارِ وَبِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ

اور نذر معین کا روزہ جو واجب ہے اور نفلی روزہ نیت کے ساتھ رات سے لے کر دوپہر تک اور مطلق نیت کیساتھ اور نفل روزہ کی نیت کیساتھ

وَمَا بَقِيَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا بِنِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُبَيَّتَةٍ.

اور ان کے علاوہ باقی روزے درست نہیں مگر رات ہی سے معین نیت کے ساتھ

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب** الخ امام محمد نے جامع صغیر وکبیر میں روزے کو نماز کے بعد ذکر کیا ہے بایں معنی کہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں لیکن اکثر مصنفین نے نماز کے بعد زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آیت " **والخاشعين والخاشعات** اھ اور حدیث ارکان میں یہی ترتیب ہے۔ صوم کے معنی لغت کے اعتبار سے مطلقاً کسی چیز سے باز رہنا ہے۔ طعام ہو یا کلام قرآن میں ہے" **انی نذرت للرحمن صوماً فلن اکلم الیوم انسیاً**" اور شرعاً طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کیساتھ کھانے پینے اور جماع سے ایسے شخص کا رکنا جو نیت کا اہل ہو۔ صوم کی یہ تعریف نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ" **کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل**"۔

قولہ وصح الخ روزہ کی چند قسمیں ہیں۔ فرض واجب سنت مندوب نفل مکروہ تنزیہی مکروہ تحریمی فرض جیسے ادا و قضاء رمضان اور کفارے کے روزے۔ ثانی جیسے نذر معین ثالث جیسے صوم عاشوراء (نویں تاریخ کے ساتھ) رابع جیسے ہر ماہ کے تین روزے خامس جیسے ایام بیض کے روزے سادس جیسے صوم عاشوراء (نویں تاریخ کے بغیر) اور صوم مہرجان۔ سابع جیسے ایام تشریق اور عیدین کے روزے، ماہ رمضان کے ادا روزے اور نذر معین اور نفل روزہ رات سے لیکر نصف النہار سے قبل تک نیت کر لینے سے صحیح ہے۔ امام شافعی واحمد کے یہاں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اور امام مالک کے یہاں یہ ہر روزہ میں ضروری ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ" اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے رات سے روزہ کی نیت نہیں کی[2]" ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو اطلاع دو کہ جس نے کھا لیا ہو وہ باقی دن رکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھے[3]"۔ رہی حدیث مذکور سو وہ نفی کمال پر محمول ہے۔

قولہ وبمطلق الخ مذکورہ بالا روزے مطلق نیت سے درست ہیں کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ مشروع نہیں پس رمضان شارع کی تعیین سے متعین ہوا ہے لہٰذا مطلق نیت کافی ہے۔ نیز نفل کی نیت سے بھی صحیح ہے کیونکہ ان کا کوئی مزاحم نہیں امام شافعی کے نزدیک نفل کی نیت سے روزہ دار ہی نہ ہوگا۔ اور مطلق نیت میں ان کے دو قول ہے۔ ایک یہ فرض ادا ہو جائے گا دوم یہ کہ ادا نہ ہوگا۔ یہی قول امام مالک واحمد کا ہے۔ مصنف نے روزہ دار کی کوئی تخصیص نہیں کی۔ کیونکہ تندرست، بیمار، مقیم، مسافر سب کا یہی حکم ہے۔ ہاں زفر کے یہاں مریض اور مسافر کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ مذکورۃ الصدر روزہ کے علاوہ باقی روزے یعنی رمضان اور نذر معین کی قضا، نذر مطلق، کفارہ ظہار، کفارہ قتل، کفارہ یمین، جزائے صید، حلق، تمتع مطلق نیت سے درست نہ ہونگے۔ کیونکہ ان میں وقت معین نہیں۔

---

(۱) وھو احسن من قول القدوری" مابینہ وبین الزوال" حیث لاتقع النیۃ فی اکثر النہار علی قولہ لان نصف الیوم من طلوع الفجر الصادق الی الضحوۃ الکبری لا وقت الزوال ۱۲ عینی۔ (۲) ائمہ اربعہ عن حفصہ ۱۲ (۳) صحیحین عن مسلمہ ۱۲

وَيَثْبُتُ رَمَضَانُ بِرُؤْيَةِ هِلَالِهِ اَوْ بَعْدَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ.

اور ثابت ہو جاتا ہے رمضان چاند دیکھنے سے یا شعبان کے تیس دن ہو جانے سے

رؤیت ہلال کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ ویثبت الخ** رمضان کا ثبوت چاند دیکھنے یا ماہ شعبان کی ۳۰ تاریخ پوری ہو جانے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر گھٹا ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوداؤد طیالسی عن ابن عباس) مطلب یہ ہے کہ جب مطلع صاف ہو تو رمضان کا چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور نہ عید کا چاند دیکھے بغیر افطار کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند ابر میں ہو اور تم اس کو نہ دیکھ سکو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔ اور روزہ رکھنا شروع کر دو۔ اور اگر وہ مہینہ رمضان کا ہو تو افطار کر لو۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ثابت شدہ چیز میں اصل اس کی بقا ہے جب تک کہ دلیل عدم قائم نہ ہو اور چونکہ پہلے سے مہینہ ثابت تھا اور اب اس کے ختم ہونے میں شک ہے تو شک چاند دیکھنے سے ختم ہوگا۔ یا تیس دن پورے کرنے سے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو وہی مہینہ باقی رہے گا۔

فائدہ: آجکل عموماً ہر جگہ اور تقریباً ہر سال ماہ رمضان کے چاند کے سلسلہ میں گڑبڑ ہوتی ہے۔ اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کہیں افطاری ہے تو کہیں روزہ داری، یہاں آج عید ہے وہاں کل۔ اور یہ ساری مصیبت آلاتِ جدیدہ کی خبر رسانی کا نتیجہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے متعلق چند ضروری باتیں پیش کر دی جائیں۔

(۱) ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقرعید یا کسی دوسرے مہینہ کے لئے ثبوت باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور شہادت کیلئے شاہد کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہو سکتی۔

(۲) البتہ جس شہر میں باقاعدہ یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اعلان پر عید کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرنیکا پابند ہو، جو فیصلہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے دیا ہے اس کے نشر میں پوری احتیاط سے کام لے۔ جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہو وہ الفاظ بعینہٖ نشر کرے۔

(۳) اگر ملک کے مختلف حصوں اور سمتوں سے دس بیس ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیویزن یا خط وغیرہ کے ذریعہ چاند خود نہ دیکھنے والوں کی طرف سے اطمینان بخش خبریں آجائیں تو ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ خبر رساں کی پوری شناخت ہو جائے۔ اور وہ یہ بیان کرے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے۔ یا یہ کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی نے یا ہلال کمیٹی کے سامنے شہادت پیش ہوئی اس نے شہادت کا اعتبار کر کے چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

(۴) رمضان کے چاند میں چونکہ شہادت یا استفاضہ خبر شرط نہیں ایک ثقہ مسلمان کی خبر کافی ہے اس لئے خط اور آلات جدیدہ کی خبروں پر شرط کیساتھ عمل کرنا درست ہے۔ کہ خبر دینے والے کا خط یا آواز پہچانی جائے اور وہ بچشم خود چاند دیکھنا بیان کرے اور جس کے سامنے یہ خبر بیان کی جارہی ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کی شہادت کو قابل اعتماد سمجھتا ہے۔

(۵) ٹیلگرام اور وائرلیس سے آئی ہوئی خبروں میں چونکہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہو سکتی اسلئے محض ایسی خبروں سے ہلال ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ ٹیلیفون، ٹیلیویزن، ریڈیو پر آواز کی شناخت ہو جاتی ہے تو جب یہ معلوم ہو جائے کہ خبر دینے والا کوئی ثقہ مسلمان عاقل بالغ اور بینا آدمی ہے اور خود اپنے چاند دیکھنے کی خبر دے رہا ہے۔ رمضان کا اعلان کرایا جا سکتا ہے۔

(آلات جدیدہ مختصراً صفحہ نمبر ۱۸۸، صفحہ نمبر ۱۸۹)

وَلاَ يُصَامُ يَوْمَ الشَّكِّ اِلَّا تَطَوُّعاً وَمَنْ رَاٰى هِلاَلَ رَمَضَانَ اَوِ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهٗ صَامَ

اور روزہ نہ رکھا جائے شک کے دن مگر نفلی اور جو شخص رمضان کا یا عید کا چاند دیکھ لے اور اس کا قول رد کر دیا جائے تو وہ روزہ رکھے

فَاِنْ اَفْطَرَ قَضٰى فَقَطْ وَقُبِلَ بِعِلَّةٍ خَبَرُ عَدْلٍ وَلَوْقِنًّا اَوْ اُنْثٰى لِرَمَضَانَ

پس اگر اس نے افطار کر لیا تو صرف قضاء کرے اور قبول کی جائیگی ابر وغیرہ کی وجہ سے ایک عادل کی خبر گو غلام یا عورت ہی ہو رمضان کے لئے

وَحُرَّيْنِ اَوْ حُرٌّ وَحُرَّتَيْنِ لِلْفِطْرِ وَاِلاَّ مَجْمَعٌ عَظِيْمٌ لَهُمَا

اور دو آزاد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی عید کے لئے اور اگر ابر وغیرہ نہ ہو تو بڑی جماعت کا دیکھنا معتبر ہوگا دونوں کے لئے

وَالْاَضْحٰى كَالْفِطْرِ وَلاَ عِبْرَةَ لاِخْتِلاَفِ الْمَطَالِعِ

اور بقر عید عید الفطر کے مثل ہے اور اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔

شک کے دن روزہ رکھنے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولا یصام الخ اگر رمضان کا چاند مشتبہ ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ شعبان کی تیسویں تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تو اس دن کو یوم شک کہتے ہیں اس میں نفل کے علاوہ اور کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت ہے۔ حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی[1]، پھر اس مسئلہ کی چند صورتیں ہیں اول یہ کہ رمضان کی نیت سے روزہ رکھے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قبل از وقت ادا کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا تیس دن پورے کر لو[2]''، نیز اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے کہ وہ بھی اپنے روزوں کی مدت بڑھا لیا کرتے تھے۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رمضان کا دن ہے تو یہ رمضان کا روزہ ہو جائیگا۔ امام نووی اور اوزاعی بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ اس نے نیت بھی رمضان کی کی تھی اور وہ دن بھی رمضان ہی کا نکلا۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دن شعبان کا ہے تو وہ نفلی ہو جائیگا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اس پر قضا نہیں ہے۔ کیونکہ قضا تو از خود یا شریعت کے لازم کرنے سے ہوتی ہے اور یہاں دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ دوم یہ کہ رمضان کے علاوہ کسی اور واجب کی نیت سے روزہ رکھے حدیث مذکور کی وجہ سے یہ بھی مکروہ ہے مگر اس میں کراہت پہلی صورت کی بہ نسبت کم ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ نہیں ہے۔ اس صورت میں بھی رمضان ثابت ہو جانے سے رمضان کا روزہ ہو جائیگا۔ کیونکہ اصل نیت موجود ہے اور اگر رمضان ثابت نہ ہوا تو بعض کے نزدیک واجب آخر ادا نہ ہوگا۔ بلکہ نفل ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ دن منہی عنہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک واجب ادا ہو جائیگا اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ منہی عنہ تو قبل از رمضان ادا کرنا ہے۔

اور جب رمضان کا ثبوت نہیں ہوا تو تقدم بھی لازم نہیں آیا۔ سوم یہ کہ نفل کی نیت سے روزہ رکھے۔ یہ مکروہ نہیں ہے۔ امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں نفل روزہ مستثنیٰ ہے۔ پھر اگر یوم شک اتفاقاً ایسے دن میں آپڑے جس میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا مثلاً دو شنبہ یا جمعہ یا پورے شعبان یا نصف آخر شعبان یا ہر مہینہ کے آخر میں تین روزے رکھا کرتا تھا تو بالاجماع اس کیلئے روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر اس دن کے موافق نہ پڑے جس میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا تو محمد بن سلمہ وغیرہ کے نزدیک ظاہر نہی سے احتراز کیلئے افطار افضل ہے۔ اور بعض کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علی شک کے دن روزہ رکھتے اور فرماتے کہ 'ہم کو شعبان کا ایک

---

(۱) صاحب درمختار نے جو یہ کہا ہے ''واما حدیث'' ''من صام یوم الشک فقد عصٰی ابا القاسم'' فلا اصل لہ'' اس میں لا اصل لہ مرفوع ہونے پر محمول ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مجاہد اور ابو عبیدہ سے موقوفاً وارد ہے جس کو ائمہ اربعہ' طحاوی' حاکم دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے تعلیقاً یوں روایت کیا ہے' قال صلۃ عن عمار من صام اھ

(۲) ابوداؤد' نسائی عن حذیفہ ۱۲

روزہ رکھ لینا اس سے زیادہ پسند ہے۔ کہ رمضان کا ایک روزہ توڑ ڈالیں[1] اور فتویٰ اس پر ہے کہ خاص لوگ مثلاً مفتی اور قاضی وغیرہ نفل روزہ رکھیں کیونکہ ان کو نیت کی کیفیت معلوم ہے اور عوام کو زوال تک انتظار کرنے کا حکم دیں۔ پس اگر رمضان ثابت ہو جائے۔ تو فبہا ورنہ افطار کا حکم دیں، چہارم یہ کہ اصل نیت ہی میں تردد ہو۔ بایں طور کہ اگر کل رمضان ہو گیا۔ تو روزہ رکھ لونگا۔ ورنہ نہیں اس صورت میں وہ روزہ دار نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ ہی نہیں کیا پنجم یہ کہ وصف نیت میں تردد ہو یعنی یوں نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہوا تو رمضان کا ورنہ فلاں واجب یا نفل روزہ رکھونگا یہ صورت مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کو دو مکروہ امروں کے درمیان تردد ہے۔ پھر اگر رمضان ہو گیا تو رمضان کا روزہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل نیت میں تردد نہیں تھا۔ اور اگر رمضان نہ ہوا تو واجب روزہ نہ ہو گا۔ بلکہ دونوں حالتوں میں نفل ہو جائے گا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اس پر قضا واجب نہیں۔ پہلی صورت میں تو اس لئے کہ صرف گمان ہی گمان ہے۔ کہ یہ رمضان کا روزہ ہے۔ اور دوسری صورت میں اس لئے کہ اس نے ہر طرح سے اپنے ذمہ ضروری نہیں کیا۔ **وانما اطنبت الکلام فی ھذا المقام لان الجھل قد شاع والعلم قد ضاع۔**

قولہ ومن رأی الخ تنہا ایک شخص نے رمضان یا عید الفطر کا چاند دیکھ کر گواہی دی اور اس کی گواہی مقبول نہ ہوئی تو خود اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اس نے چونکہ چاند دیکھا ہے اسلئے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ رہا افطار کا مسئلہ سو اس میں احتیاط کا پہلو پیش نظر ہے۔ نیز اس دن دوسرے لوگوں نے افطار نہیں کیا۔ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں اور افطار اس دن ہے جس دن دوسرے لوگ افطار کریں[2]'' لیکن اس نے شہادت رد ہو جانے کے بعد افطار کر ڈالا تو اس پر صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے جماع کیساتھ افطار کیا تو کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ اس نے رمضان میں افطار کیا ہے۔ حقیقۃً بھی اور حکماً بھی۔ حقیقۃً تو اس لئے کہ اس کو خود رمضان ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ رؤیت تو یقین کا قوی ترین مرتبہ ہے۔ اور حکماً اس لئے کہ اس پر رؤیت ہلال کی وجہ سے روزہ واجب ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قاضی نے اس کی شہادت کو ایک شرعی دلیل یعنی تہمت غلطی کی وجہ سے رد کیا ہے۔ پس اس میں شبہ ہو گیا۔ اور کفارہ ایسی عقوبت ہے کہ ادنیٰ شبہ سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور اگر شہادت سے پہلے ہی توڑ ڈالا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں۔

قولہ وقبل الخ اگر مطلع صاف نہ ہو اور آسمان پر ابر یا غبار یا بخار وغیرہ ہو تو رمضان کے چاند میں ایک عاقل بالغ عادل مسلمان کی گواہی کافی ہے۔ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت کیونکہ آنحضرت ﷺ کا رمضان کے چاند میں ایک دیہاتی کی شہادت قبول کرنا حدیث سے ثابت ہے[3] نیز وہ دینی کام یعنی لوگوں پر روزہ کے واجب ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ اور امر دینی میں خبر واحد معتبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں لفظ شہادت بھی شرط نہیں، ہاں عدالت شرط ہے۔ کیونکہ بسلسلہ دیانت فاسق کا قول مقبول نہیں۔ اور امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ ''**عدلا کان او غیر عدل**'' سو غیر عدل سے مراد مستور الحال ہے۔ بزازیہ معراج، تجنیس میں اس کی تصحیح موجود ہے۔ حلوانی نے اسی کو لیا ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ حسن کی روایت ہے۔ حاکم شہید جنہوں نے امام محمد کی کتابوں سے ان کے اقوال جمع کئے ہیں۔ کافی میں کہا ہے کہ غیر عادل سے مراد مستور الحال ہے۔ امام شافعی ایک قول کے اعتبار سے دو گواہوں کی شرط لگاتے ہیں۔

قولہ وحرین الخ اور عید کے چاند میں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی شرط ہے۔ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے حق العباد متعلق ہے۔ پس جو چیزیں دیگر حقوق کے اثبات میں ضروری ہیں وہ اس میں بھی ضروری ہونگی۔ یعنی عدالت، حریت، عدد، لفظ شہادت، صاحب تحفہ نے روایت نوادر کو صحیح کہا ہے۔ کہ اس میں بھی ایک عادل شخص کی گواہی مقبول کی جائیگی۔

---

(1) بیہقی فی الکبریٰ عن عائشۃ واسماء وابی ہریرۃ، شافعی فی الام، دار قطنی عن علی 12 (2) ابوداؤد، ترمذی عن ابی ہریرہ 12 (3) ائمہ اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی، طبرانی، بیہقی عن ابن عباس۔ ۱۲

قولہ والا فجمع عظیم الخ جب مطلع صاف ہو تو ایک شخص کی خبر معتبر نہ ہوگی بلکہ عظیم جماعت کا قول مسموع ہوگا۔ جن کی خبر سے علم شرعی یعنی غلبہ ظن حاصل ہو جو موجب عمل ہوتا ہے۔ صدر الشریعہ نے علم بمعنی یقین لیا ہے۔ جس کے متعلق ابن کمال نے کہا ہے کہ یہ صدر الشریعہ کی غلطی ہے۔ پھر شیخ حلبی نے جو یہ کہا ہے کہ ''جماعت میں نہ اسلام شرط ہے نہ عدالت جیسا کہ امداد الفتاح میں ہے اور نہ حریت نہ دعوی جیسا کہ قہستانی میں ہے''۔ سو اسلام کا شرط نہ ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ جمع عظیم سے مراد یہاں یہ نہیں ہے۔ کہ وہ حد تواتر کو پہنچ جائے۔ جس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسلام شرط نہیں ہوتا بلکہ مفید غلبہ ظن ہونا مراد ہے اور اس میں اسلام کا شرط ہونا نقل صریح کا محتاج ہے۔

قولہ ولا عبرۃ الخ اور اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک شہر والوں نے چاند دیکھ لیا تو سب کیلئے رمضان ثابت ہو جائے گا۔ زیلعی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے۔ دلیل حضرت کریبؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ''میں شام میں پہنچا۔ وہیں مجھ کو رمضان کا مہینہ آ گیا۔ میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا پھر آخر مہینہ میں مدینہ آیا تو ابن عباس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جمعہ کی رات میں۔ آپ نے فرمایا: ہم نے تو سنیچر کی رات میں دیکھا ہے اور جب تک پورے تیس دن نہ ہو جائیں گے ہم روزہ رکھتے رہیں گے۔ الا یہ کہ چاند نظر آ جائے میں نے کہا: آپ معاویہ کے دیکھنے اور انکے روزہ رکھنے پر کفایت نہ کریں گے؟ فرمایا: نہیں ہم کو حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے اور یہی احوط ہے۔ (فتح القدیر)
یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے (خلاصہ)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ مَایُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لاَ یُفْسِدُ

باب ان چیزوں کے بیان میں جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن سے فاسد نہیں ہوتا

فَاِنْ اَکَلَ الصَّائِمُ اَوْشَرِبَ اَوْجَامَعَ نَاسِیًا اَوِاحْتَلَمَ اَوْ اَنْزَلَ بِنَظْرٍ اَوِادَّھَنَ اَوِ احْتَجَمَ اَوِاکْتَحَلَ اَوْقَبَّلَ
اگر کھا لیا روزہ دار یا پی لیا یا صحبت کر لی بھول کر یا احتلام ہو گیا یا دیکھنے کے باعث انزال ہو گیا یا تیل یا سینگی یا سرمہ لگایا یا بوسہ لے لیا

بِخِلاَفِ الْاِنْزَالِ اَوْدَخَلَ فِیْ حَلْقِهٖ غُبَارٌ اَوْ ذُبَابٌ وَھُوَ ذَاکِرٌ لِصَوْمِهٖ
بخلاف انزال کے اسکے باعث یا داخل ہو گیا اس کے حلق میں غبار یا مکھی درانحالیکہ روزہ اس کو یاد ہے

اَوْ اَکَلَ مَا بَیْنَ اَسْنَانِهٖ اَوْقَاءَ وَعَادَ لَمْ یُفْطِرْ
یا کھا گیا اس چیز کو جو اس کے دانتوں میں لگی ہوئی تھی یا قے آئی اور لوٹ گئی تو روزہ افطار نہ کرے۔

توضیح اللغۃ: ادہن: تیل لگایا، احتجم: پچھنا لگوایا، اکتحل: سرمہ لگایا، قبل: بوسہ لیا، ذباب: مکھی، اسنان: دانت۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب** الخ انواع صوم کے بعد مفسدات و غیر مفسدات صوم کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ عوارض میں سے ہے۔ اس لئے ان کو مؤخر کیا ہے۔ مفسدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے صرف قضا لازم ہو۔ دوم وہ جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں۔ غیر مفسدات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا کرنا مباح ہے دوم وہ جس کا کرنا مکروہ ہے۔ ہر ایک کی تفصیل آگے آ رہی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عبادت میں فساد اور بطلان دونوں برابر ہیں۔ ہاں معاملات میں فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر معاملہ کا کچھ اثر مرتب نہ ہو تو بطلان ہے۔ مثلاً کوئی شخص مردار کو فروخت کر دے تو اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بیع باطل ہے اور اگر اثر مرتب ہو تو پھر اگر شرعاً اس کا فسخ مطلوب ہو تو یہ فساد ہے جیسے کوئی غلام کو شرط فاسد کے ساتھ بیچ ڈالے اور مشتری کے حوالہ کر دے تو مشتری اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن دونوں کے ذمہ اس کو فسخ کرنا ضروری ہے۔ پس یہ بیع فاسد ہوتی اور اگر شرعاً فسخ مطلوب نہ ہو تو یہ صحت ہے۔

قولہ لم یفطر الخ فان اکل سے آخر تک جو تیرہ چیزیں ذکر کی گئیں ہیں ان سب میں روزہ افطار نہ کرے کیونکہ ان سے روزہ نہیں جاتا۔ البتہ بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے امام مالک کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا اور قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ تینوں روزہ کی ضد ہیں پس یہ ایسا ہو گیا جیسے بھول کر نماز میں گفتگو کرنا کہ ہمارے نزدیک بھی مفسد صلوٰۃ ہے وجہ استحسان حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''اس شخص سے جس نے بھول کر کھا پی لیا تھا اپنے روزہ کو پورا کر کیونکہ تجھے اللہ نے کھلایا پلایا ہے''(۱) اور جماع کھانے پینے کیطرح ہے کیونکہ رکنیت میں تینوں برابر ہیں بخلاف نماز کے کہ اس کی ہیئت یاد دہانی کرنے والی ہے۔ احتلام سے اور پچھنے لگوانے سے اور قے سے روزہ نہ جانے کیوجہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں قے اور حجامت اور احتلام''(۲) تیل اور سرمہ لگانے سے اور بلا انزال بوسہ لینے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ یہ چیزیں روزہ کے منافی نہیں، رہا حلق میں غبار اور مکھی کا چلا جانا سو قیاس کی رو سے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہئے۔ کیونکہ وصول مفطرات مفسد صوم ہے۔ لیکن استحساناً روزہ فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ ان چیزوں سے احتراز ناممکن ہے۔ اور دانتوں کے درمیان کھانے کے اٹکے ہوئے اجزاء دانتوں کے تابع ہیں اور ان کا حکم لعاب دہن جیسا ہے۔

وَاِنْ	اَعَادَہٗ	اَوِ اسْتَقَآءَ	اَوِ ابْتَلَعَ (۳)	حَصَاۃٍ	اَوْحَدِیْداً (۴)	قَضٰی	فَقَط

اور اگر اس نے خود لوٹائی یا جان بوجھ کر قئے کی یا کنکر یا لوہا وغیرہ نگل گیا تو صرف قضاء کرے۔

موجباتِ قضاء کا بیان

توضیح اللغۃ: اعادہ: لوٹا دیا، استقاء: قصداً قے کی، ابتلع: نگل گیا۔ حصاۃ: کنکری، حدید: لوہا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان اعادہ الخ اور اگر قے آئی اور اس نے از خود حلق کی طرف لوٹا دی یا قصداً قے کی یا کوئی کنکری لوہا وغیرہ نگل گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا لیکن صرف قضا واجب ہوگی نہ کہ کفارہ۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جس شخص کو قے آجائے اس پر قضا نہیں قضا اس پر ہے جو جان بوجھ کر قے کرے'' (ائمہ اربعہ، حاکم، ابو یعلی، ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً، مالک، عبد الرزاق عن ابن عمر موقوفاً) نیز ان صورتوں میں صورت فطر ہے نہ کہ معنی فطر لہٰذا صرف قضا واجب ہوگی۔ پھر امام ابو یوسف کے یہاں قے کے لوٹنے اور لوٹانے کے مفسد ہونے میں اصل یہ ہے کہ اس کا خروج ہو یعنی منہ بھر کر ہو۔ اور امام کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اس میں روزہ دار کے فعل کو دخل ہو یعنی وہ خود لوٹائے خواہ منہ بھر کر ہو یا اس سے کم ہو پس اگر منہ بھر سے کم قے آئی اور لوٹ گئی تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اسلئے کہ وہ خارج نہیں کیونکہ منہ بھر سے کم ہے اور امام محمد کے نزدیک اس لئے کہ اس میں روزہ دار کا فعل نہیں پایا گیا اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹائی جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو گیا۔ کیونکہ امام ابو یوسف کی اصل منہ بھر ہونا اور امام محمد کی اصل لوٹانا دونوں پائی گئیں اور اگر منہ بھر سے کم ہو اور لوٹائی جائے تو امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ لوٹانا پایا گیا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ منہ بھر سے کم قے خارج نہیں ہوئی اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹ جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہو گیا اور امام محمد کے نزدیک فاسد نہیں ہوا اور یہی صحیح ہے کیونکہ نہ تو صورت فطر پائی گئی یعنی خود نگلنا اور نہ معنی فطر کیونکہ قے سے غذائیت حاصل نہیں کی جاتی۔

(السراج الوہاج)

(۱) صحاح ستہ، ابن حبان، دار قطنی، بزار، بیہقی عن ابی ہریرہؓ بالفاظ مختلفہ ۱۲۔

(۲) ترمذی، بیہقی، ابن حبان، ابن ابی شیبہ، دار قطنی، ابن عدی عن الخدری، بزار، ابن عدی عن ابن عباس، طبرانی عن ثوبان ۱۲۔

(۳) انما عبر بہ دون الاکل لانہ عبادۃ عن ایصال مایتأتی فیہ المضغ ہو ولا یتأتی فی الحصاۃ بحر الرائق۔ (۴) وکذا کل ماتیغذی بہ ولا یتداوی بہ کالحجر والتراب والدقیق علی الاصح والارز والعجین والملح الا اذا اعتاد اکلہ وحدہ ولا فی النواۃ والقطن والکاغذ والسفرجل اذا لم یدرک ولا ہو مطبوخ ولا فی ابتلاع الجوزۃ الرطبۃ ہ ویجب لو مضعہا او مضغ الیابسۃ لان ابتلعہا وکذا یابس اللوز والفبدق والفستق ان ابتلعہ لا یجب وان مضغہ وجبت (الکفارۃ) کما یجب فی ابتلاع اللوزۃ الرطبۃ لانہا توکل ہی بخلاف الجوزۃ وابتلاع التفاحۃ کاللوزۃ والرمانۃ والبیضۃ کالجوزۃ وفی ابتلاع البطیخۃ الصغیرۃ والخوخۃ الصغیرہ والبلبلجۃ روی عن محمد وجوب الکفارۃ ۱۲ بحر الرائق۔

فائدہ: مسئلہ قے کی چوبیس صورتیں ہیں کیونکہ قے یا تو خود آئے گی یا روزہ دار جان بوجھ کر کریگا پھر منہ بھر کر ہوگی یا کم بر ہر چہارم تقدیر یا باہر ہو جائے گی لوٹ جائے گی یا روزہ دار لوٹائے گا پھر ہر صورت میں روزہ یاد ہوگا یا نہ ہوگا ان سب صورتوں میں روزہ فاسد نہیں بجز اس صورت کے کہ قے منہ بھر ہو اور جان بوجھ کر لوٹا ئیجائے اور روزہ یاد ہو ان چوبیس صورتوں کی تفصیل نقشہ ہذا سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قئ
خود آئی — خود کی
منہ بھر ہو — یا کم ہو — منہ بھر ہو — یا کم ہو
باہر ہو گئی — واپس ہو گئی — واپس کر دی
روزہ یاد تھا — روزہ یاد نہ تھا
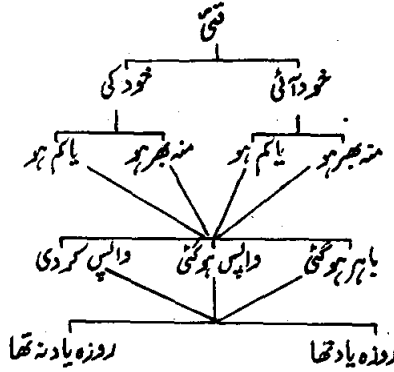
وَمَنْ جَامَعَ اَوْجُوْمِعَ اَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ غِذَآءً اَوْدَوَآءً عَمَدًا قَضٰى وَكَفَّرَ كَكَفَّارَةِ الظِّهَارِ

اور جس نے صحبت کر لی یا صحبت کی گئی یا کھالی یا پی لی غذا یا دوا جان کر تو قضا کرے اور کفارہ دے ظہار کا سا کفارہ

موجبات قضا و کفارہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن جامع الخ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر جماع کرلے تو جمہور کے نزدیک اس پر فوت شدہ مصلحت (قہر نفس کے) تدارک کی خاطر قضا بھی لازم ہے اور کمال[1] جنایت کیوجہ سے کفارہ بھی لازم ہے امام شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، زہری، ابن سیرین کفارہ کے قائل نہیں۔ حدیث اعرابی جو ائمہ ستہ نے روایت کی ہے وہ ان پر حجت ہے۔

قولہ او اکل الخ اگر کسی نے عمداً کوئی ایسی چیز کھالی جو عادۃً بطور غذا یا بطور دوا استعمال کی جاتی ہے بالفاظ دیگر اس کا استعمال بدن کے لئے نفع بخش[2] ہے تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں ضروری ہیں کیونکہ عہد نبوی میں ایک شخص نے عمداً روزہ افطار کرلیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو حکم فرمایا تھا کہ یا تو غلام آزاد کرے یا دو ماہ پے در پے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے[3]۔ امام اوزاعی قضا کے اور امام شافعی واحمد کفارہ کے قائل نہیں کیونکہ جماع کرنے پر کفارہ کا مشروع ہونا خلاف قیاس ہے کیونکہ توبہ کے ذریعہ گناہ معاف ہوجاتا ہے لہٰذا غیر جماع اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا تعلق جنایت افطار سے ہے جو عمداً کھانے پینے کی صورت میں علی وجہ الکمال متحقق ہے رہا توبہ کے ذریعہ گناہ کا معاف ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس جنایت کا کفارہ اعتاق قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ توبہ سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔ جیسے چوری اور زنا کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔

قولہ ککفارۃ الخ عمداً روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم ہوتا ہے کفارہ ظہار کے مثل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "ایک دیہاتی نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ہلاک ہوگیا آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ اس نے کہا: ماہ رمضان میں دن میں اپنی بیوی سے عمداً صحبت کرلی۔ آپ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کرو۔ اس نے کہا: میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں (یعنی مجھ میں اس کی ہمت نہیں) آپ نے فرمایا: دو مہینے لگاتار روزے رکھ: اس نے کہا۔ روزہ ہی کیوجہ سے تو اس ہلاکت میں مبتلا ہوا ہوں، آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا، اس نے کہا: میں تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں پاتا (ساٹھ کو کہاں سے کھلاؤں) آپ نے پندرہ صاع کھجوروں کی ایک زنبیل منگوائی اور فرمایا: یہ مسکینوں پر تقسیم کردے اس نے کہا: بخدا مدینہ کے اس کونے سے اس کونے تک مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے

(۱) وہی ایلاج الفرج فی الفرج ۱۲ (۲) والنفع تقویت بدن ہو یا لذت یا اصلاح ضرر ۱۲ (۳) صحیحین، دار قطنی عن ابی ہریرہ ۱۲

زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ یہ سن کر آپ نے تبسم کیا اور فرمایا: اچھا تو ہی کھالے۔[1] (ائمہ ستہ)۔

(فائدہ اولی): مصنف نے کلکفارۃ الظہار میں اس کاف حرف تشبیہ سے یہ بتایا ہے۔ کہ کفارہ ظہار کی طرح کفارہ صوم میں بھی ترتیب ہے یعنی اولاً غلام آزاد کرے یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ کے روزے رکھے یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گویا اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان تینوں میں اختیار ہے۔ اور ان پر بھی جو ساٹھ روزوں کے پے در پے ہونے کی نفی کرتے ہیں۔

(فائدہ ثانیہ): جن روزوں میں تتابع ضروری ہے وہ چار قسم کے ہیں کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین، ان کے علاوہ قضا رمضان، صوم متعہ، کفارہ حلق، کفارہ جزاءِ صید میں تتابع ضروری نہیں۔ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کفارہ میں غلام آزاد کرنا مشروع ہے اس میں تتابع ضروری ہے۔ اور جس میں یہ مشروع نہیں اس میں تتابع بھی ضروری نہیں۔ (کذا فی النہایہ)۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے جو تخییر بین الثلاث (اعتاق رقبہ، صوم، اطعام) کو امام شافعی کی جانب اور نفی تتابع کو امام مالک کی جانب منسوب کیا ہے یہ موصوف کی بھول ہے۔ کیونکہ احناف کی طرح امام شافعی بھی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ امام غزالی کی ''وجیز و خلاصہ'' میں اور شیخ الاسلام و فخر الاسلام کی مبسوط میں مصرح ہے۔ نیز منکر تتابع ابن ابی لیلی وغیرہ ہیں نہ کہ امام مالک فسبحان ربی لایضل ولاینسی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَ كَفَّارَةَ بِالْإِنْزَالِ فِيمَا دُوْنَ الْفَرْجِ وَبِإِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ وَإِنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ

اور نہیں ہے کفارہ انزال کرنے سے شرمگاہ کے سوا میں اور رمضان کے سوا روزہ توڑنے سے اور اگر حقنہ کرالے یا ناک میں دوا چڑھائے

أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ وَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ وَإِنْ أَقْطَرَ فِي إِحْلِيلِهِ لاَ

یا کان میں دوا ٹپکائے یا علاج کرے زخم شکم یا زخم دماغ کا اور پہنچ جائے دوا پیٹ میں یا دماغ میں تو افطار کرے اور اگر پیشابگاہ کے سوراخ میں دوا ڈالی

وَكُرِهَ ذَوْقُ شَيْءٍ وَمَضْغُهُ بِلاَعُذْرٍ وَمَضْغُ الْعِلْكِ لاَ كُحْلٌ وَدُهْنُ الشَّارِبِ وَالسِّوَاكُ وَالْقُبْلَةُ إِنْ أَمِنَ

تو نہیں اور مکروہ ہے کسی چیز کا چکھنا اور چبانا بلا عذر اور گوند کا چبانا نہ کہ سرمہ لگانا مونچھوں کو تیل ملنا، مسواک کرنا اور بوسہ لینا بشرطیکہ مامون ہو۔

توضیح اللغۃ: احتقن: پیٹ صاف کرنے کے لئے پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھانا، استعط: ناک میں دوا چڑھانا، جائفہ: ضرب جو پیٹ تک پہنچ جائے۔ آمۃ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔ احلیل پیشاب نکلنے کا سوراخ، مضغ: چبانا، علک گوند، کحل: سرمہ، شارب: مونچھ، قبلۃ: بوسہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولا کفارۃ الخ** مادون الفرج سے مراد بول و براز کے مقام کے علاوہ ہے۔ جیسے پیٹ، ران، بغل وغیرہ فی المغرب ''الفرج قبل الرجل والمرۃ'' مطلب یہ ہے کہ قبل و دبر کے علاوہ دیگر مقام پیٹ، ران وغیرہ میں انزال کرنے سے کفارہ لازم نہیں۔ کیونکہ اس طرح انزال کرنے سے صورۃً جماع نہیں ہے۔ لیکن اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ معنی جماع موجود ہے نیز ادا رمضان کے علاوہ کسی اور روزہ کے ختم کر دینے سے بھی کفارہ لازم نہیں کیونکہ رمضان کا روزہ توڑنا عظیم ترین گناہ ہے کہ اس میں رمضان کی بے حرمتی ہے۔ پس رمضان کے علاوہ دوسرے روزوں کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جا سکتا نہ قیاساً نہ دلالۃً۔

قولہ واذا احتقن الخ اگر کسی نے حقنہ کرایا یا ناک میں دوا چڑھائی یا کان میں دوا وغیرہ کا قطرہ ٹپکایا پیٹ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی یا دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو ان سب صورتوں میں اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''انما الافطار مما دخل ولیس مما خرج''۔[2]

قولہ وکحل الخ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں خواہ سرمہ اثمد ہو یا صبر کیونکہ یہ تو ایک قسم کا انتفاع ہے۔ جو روزہ کے منافی

(۱) فی روایۃ لابی داؤد وقال الزہری انما کان ہذا رخصۃ ولوان رجلا فعل ذلک الیوم لم یکن لہ بد من التکفیر۔ ۱۲

(۲) ابو یعلی، طبرانی عن عائشۃ مرفوعاً، عبد الرزاق و عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس موقوفاً۔ ۱۲

نہیں۔ عطاء حسن بصری نخعی اوزاعی ابوثور ابوحنیفہ سب کا یہی قول ہے۔ ابن المنذر نے امام شافعی سے بھی بلا کراہت جواز نقل کیا ہے۔ البتہ سفیان ثوری ابن المبارک احمد ابن راہویہ کراہت کے قائل ہیں امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر حلق میں سرمہ کا مزہ آ جائے تو روزہ ختم ہو جائے گا سلیمان تیمی سلیمان ابن المعتمر ابن ابی شیبہ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک اکتحال علی الاطلاق مبطل صوم ہے حافظ قتادہ اثمد کو جائز اور صبر کو مکروہ کہتے ہیں۔[1]

قولہ وسواک الخ روزہ کی حالت میں مسواک کرنا کیسا ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں (۱) مسواک تر ہو یا خشک زوال سے پہلے کرلے یا بعد میں امام ابوحنیفہ نخعی ابن سیرین ثوری اوزاعی ابن عیینہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ حضرت علی ابن عمر مجاہد سعید بن جبیر عطاء سے یہی مروی ہے (۲) امام شافعی ابوثور فرماتے ہے کہ زوال کے بعد مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جب تم روزہ رکھو تو زوال سے پہلے مسواک کرو۔ زوال کے بعد نہ کرو۔ کیونکہ جب روزہ دار کے ہونٹ خشک ہو جائیں تو قیامت کے روز اس کیلئے ایک نور ہوگا"[2] نیز زوال کے بعد مسواک کرنے سے اثر محمود یعنی بوئے دہن جو اللہ کو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے زائل ہو جاتی ہے پس یہ دم شہید کے مشابہ ہے۔ ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "خلال الصائم السواک"[3] روزہ دار کی بہترین خصلت مسواک کرنا ہے نیز حضرت عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے اتنی مرتبہ دیکھا ہے۔ کہ شمار نہیں کر سکتا۔ امام شافعی[4] نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں ابوعمرو کیسان القصاب راوی ضعیف ہے جو قابل حجت نہیں۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بوئے دہن عبادت کا اثر ہے جس کو مخفی رکھنا ہی مناسب ہے بخلاف دم شہید کے کہ وہ ظلم کا اثر ہے۔ علاوہ ازیں خلوف سے مراد وہ بو ہے جو خلو معدہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور وہ مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ (۳) عصر کے بعد مکروہ ہے یہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے (۴) فرض روزہ میں زوال کے بعد مکروہ ہے یہ قول مسعودی نے امام احمد کا اور صاحب معتمد نے قاضی حسین شافعی کا نقل کیا ہے۔ (۵) تروتازہ مسواک مکروہ ہے نہ کہ خشک قبل از زوال ہو یا بعد زوال یہ قول امام مالک کا ہے۔

لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ وَلِلْمُسَافِرِ وَصَوْمُهُ[5] اَحَبُّ اِنْ لَمْ يَضُرَّهُ

(فصل) جائز ہے اس کیلئے جو زیادتی مرض کا خوف رکھتا ہو افطار کرنا اور مسافر کے لئے اور اس کا روزہ رکھنا زیادہ پسندیدہ ہے اگر مضر نہ ہو۔

مبیح افطار عوارض کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ فساد صوم کے بعض احکام تو ایسے ہیں جو ہر روزہ کو شامل ہیں۔ فرض ہو یا نفل رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا اور بعض احکام ایسے ہیں جو بعض روزوں کیساتھ خاص ہیں حکم عام یہ ہے کہ بلا عذر روزہ فاسد کرنے سے گنہگار ہوگا کیونکہ ابطال عمل بلا عذر حرام ہے۔ قال تعالیٰ "ولا تبطلوا اعمالکم" اور اگر کسی عذر مبیح کیوجہ سے افطار کیا تو گنہگار نہ ہوگا معلوم ہوا کہ اختلاف عذر کے سبب سے حکم مختلف ہو جاتا ہے پس ان اعذار کا معلوم ہونا ضروری ہوا جس کی وجہ سے گناہ ساقط اور مواخذہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور "عرض لہ عارض" اس کو کوئی آفت پہنچ گئی یعنی مرض یا سفر وغیرہ پیش آ گیا۔ (ضیاء العلوم) باب صوم میں جن عوارض کا تذکرہ آتا ہے وہ آٹھ ہیں مرض سفر اکراہ رضاع حمل بھوک پیاس کبرسنی بعض نے نواں عذر غازی کا دشمن کیساتھ قتال کرنا اور زائد کیا ہے کیونکہ اگر غازی کو اس کا اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے لڑ نہ سکے گا تو اس کیلئے افطار جائز ہے۔ علامہ شامی نے ان جملہ اعذار کو اس بیت میں قلمبند کیا ہے۔

حمل وارضاع واکراہ وسفر
مرض جہاد جوعہ عطش کبر

---

(۱) وفی سنن ابی داؤد عن الاعمش ما رأیت احدا من اصحابنا یکرہ الکحل للصائم ۱۲۔ (۲) طبرانی عن خباب مرفوعاً ۱۲۔ (۳) ابن ماجہ دارقطنی عن عائشہ مرفوعاً ۱۲۔ (۴) احمد، اسحاق، ابوداؤد، ابویعلیٰ، بزار، طبرانی، دارقطنی مرفوعاً (۵) ولوقال وصومھا احب اہ لکان اولیٰ لشمولہ۔ بحر ۱۲

قوله لمن خاف الخ جس شخص کو روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ قال تعالیٰ'' فمن کان منکم مریضاً اٰہ اس آیت میں ہر مریض کیلئے افطار کی اجازت ہے اور ظاہر ہے کہ افطار کا مشروع ہونا دفع حرج کیلئے ہے اور تحقق حرج کا مدار زیادتی مرض پر ہے جس کی معرفت مریض کے اجتہاد سے ہوگی اجتہاد صرف وہم کا نام نہیں بلکہ غلبۂ ظن مراد ہے خواہ علامات کے ذریعہ سے ہو یا تجربہ سے یا مسلمان حاذق طبیب کے خبر دینے سے' امام شافعی کے نزدیک صرف زیادتی مرض کا خوف کافی نہیں بلکہ جب جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تب افطار کر سکتا ہے جواز تیمم میں بھی انکے یہاں اسی کا اعتبار ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کی زیادتی اور اس کا امتداد بھی بسا اوقات ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

قوله وللمسافر الخ اگر مسافر کو بحالت سفر روزہ رکھنا دشوار ہو تو احناف کے نزدیک اس کیلئے افطار کی اجازت ہے لقولہ تعالیٰ'' او علی سفرٍ فعدة من ایام اُخر'' اور اگر باعث مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ لقولہ تعالیٰ'' وان تصوموا خیر لکم'' حدیث میں ہے کہ'' آپ کسی سفر میں تھے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ازدحام کئے ہوئے ہیں اور پانی چھڑک رہے ہیں' آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! یہ شخص روزہ کی وجہ سے بیہوش ہو گیا آپ نے فرمایا: لیس من البر الصیام فی السفر۔''(۱)

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مسافر کے لئے بہر صورت افطار افضل ہے۔ عام طور سے دیگر کتب احناف میں بھی یہی مذکور ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی وہی ہے جو احناف کا ہے۔ شوافع کی کتابوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مسافر کیلئے بہرحال افطار کا افضل ہونا تو امام احمد کا مذہب ہے۔ (عنایہ)

وَلاَ قَضَاءَ اِنْ مَاتَا عَلَيْهِمَا(۲) وَيُطْعِمُ(۳) وَلِيُّهُمَا لِكُلِّ يَوْمٍ كَالْفِطْرَةِ بِوَصِيَّةٍ وَقَضَيَا مَا قَدَرَا

اور نہیں ہے قضاء اگر مرجائیں سفر یا بیماری میں اور کھلائے ان کا ولی ہر دن فطرہ کے مثل وصیت کرنے سے اور قضاء کریں جتنے دن

بِلاَ شَرْطِ(۴) وَلاَءٍ فَاِنْ جَاءَ رَمَضَانُ قَدَّمَ الاَدَاءَ عَلَى الْقَضَاءِ

روزہ پر قادر ہو جائیں پے درپے رکھنے کی شرط کے بغیر پس اگر دوسرا رمضان آجائے تو ادا کو قضاء پر مقدم کرے

وَلِلْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ اِنْ خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ اَوِ النَّفْسِ

اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے اگر ان کو جان کا یا بچہ کا اندیشہ ہو۔

تشریح الفقہ: قوله ولا قضاء الخ اگر مریض بیماری کی حالت میں اور مسافر سفر کی حالت میں مرجائے تو ان پر قضا نہیں کیونکہ وجوب قضاء کیلئے اتنا وقت ملنا ضروری ہے جس میں قضا ہو سکے۔ لقولہ تعالیٰ'' فعدة من ایام اخر'' اور انہوں نے اتنا وقت نہیں پایا لہٰذا قضاء واجب نہیں۔

قوله ويطعم الخ بیمار اور مسافر نے بیماری اور سفر کے بعد جتنے دن پائے ہوں ان میں سے ہر دن کے بدلہ میں ان کا ولی فدیہ ادا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ آخر عمر میں ادائیگی سے عاجز ہو جانے کی بنا پر دلالۃً شیخ فانی کے ساتھ لاحق ہیں فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو وغیرہ لیکن اس فدیہ کی ادائیگی ولی یا وصی پر اس وقت ہے جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو امام شافعی کے یہاں وارث پر فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ مرنیوالا وصیت کرے یا نہ کرے' اسی طرح فدیہ کی ادائیگی

(۱) صحیحین عن جابر' عبدالرزاق' احمد' طبرانی عن کعب بن عاصم بالمیم بدل لام التعریف۔۱۲ احمد' اسحاق ابوداؤد' ابویعلیٰ' طبرانی' دارقطنی مرفوعاً۔۱۲

(۲) قید بہ لانہ لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمہ الایصاء بقدرہ ہو مصرح فی بعض نسخ المتن۔۱۲ بحر الرائق۔

(۳) ولو قال'' ویطعم ولی من مات وعلیہ قضاء رمضان'' لکان اشمل لان ہذا الحکم لا یخص المریض والمسافر ولا من افطر بعذر بل یدخل فیہ من افطر متعمدا او وجب القضاء علیہ (بحر) اجاب فی النہر بان من افطر متعمدا فوجوبہا علیہ بالاولی علی ان الفصل معقود للعوارض۔۱۲ منہ

(۴) لاطلاق قولہ تعالیٰ'' فعدة من ایام اخر والذی فی قراءة ابیؓ'' فعدة من ایام اخر متتابعة'' غیر مشہور لا یزاد بمثلہ بخلاف قراءة ابن مسعود فی کفارة الیمین فانہا مشہورة فیزاد کذا فی النہایہ والکافی۔۱۲ بحر الرائق۔

ضروری ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فدیہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے اس لئے وصیت کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ وصیت ابتداء بترع کے درجہ میں ہوتی ہے اس لئے اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا (وعند مالک واحمد من جمیع المال)۔

قولہ کا لفطرۃ الخ اس تشبیہ کا مقصد صرف مقدار فدیہ کو بیان کرنا ہے ہر دن کے روزہ کے عوض میں نصف صاع گیہوں یا کشمش یا ایک صاع کھجور یا جو ادا کرے مطلقاً تشبیہ مقصود نہیں کیونکہ فدیہ بطریق اباحت بھی ادا ہو جاتا ہے اسی لئے مصنف نے ''ایتاء'' نہیں کہا بلکہ اطعام سے تعبیر کیا ہے۔ بخلاف صدقہ فطر کے کہ اس میں اباحت کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔

قولہ وللحامل الخ اگر حاملہ یا مرضعہ عورت کو اپنی جان یا بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس عذر کی وجہ سے افطار کر سکتی ہے اس کے بعد قضاء کرلے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ان اللّٰہ وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلوٰۃ وعن الحامل والمرضع الصوم'' اور جب یہ عذر عند الشرع مقبول ہوا تو افطار کرنے پر کفارہ یا فدیہ واجب نہ ہوگا۔ سوال اندیشہ ہلاکت عذر ہے یہ تو صحیح ہے لیکن یہاں یہ عذر روزہ دار میں تو نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق تو بچہ سے ہے اور اس قسم کے عذر کا اعتبار نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر تو نے شراب نہیں پی تو تیرے باپ یا تیرے بیٹے کو قتل کر دونگا تو اس کے لئے شراب پینا جائز نہیں۔ جواب حاملہ اور مرضعہ بچہ کے تحفظ اور بچاؤ کی مامور ہیں اور بچہ کا تحفظ بلا افطار ہو نہیں سکتا کیونکہ گفتگو اسی صورت میں ہے کہ افطار نہ کرنے پر ہلاکت کا اندیشہ ہو لہٰذا وہ افطار کی بھی مامور ہیں۔

وَلِلشَّيْخِ الْفَانِيْ وَهُوَ يَفْدِيْ فَقَطْ وَلِمُتَطَوِّعٍ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِيْ رِوَايَةٍ وَيَقْضِيْ وَلَوْ بَلَغَ صَبِيٌّ اَوْ اَسْلَمَ كَافِرٌ

اور بہت بوڑھے کے لئے اور وہ صرف فدیہ دیدے اور نفلی روزے والے کے لئے بلا عذر ایک روایت میں اور قضاء کرے اگر بچہ بالغ یا کافر مسلمان ہو جائے

اَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ وَلَمْ يَقْضِ شَيْئًا وَلَوْنَوَى الْمُسَافِرُ الْاِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِيْ وَقْتِهٖ صَحَّ

تو باقی دن رکے رہیں اور قضاء نہ کریں اگر کسی مسافر نے افطار کی نیت کی پھر وہ اپنے یہاں آگیا اور وقت کے اندر روزہ کی نیت کر لی تو یہ صحیح ہے

وَيَقْضِيْ بِاِغْمَاءٍ سِوٰى يَوْمٍ حَدَثَ فِيْ لَيْلَتِهٖ وَبِجُنُوْنٍ غَيْرِ مُمْتَدٍّ وَبِاِمْسَاكِهٖ بِلَانِيَّةِ صَوْمٍ

اور قضا کرے بیہوشی کی وجہ سے سوائے اس دن کے جس کی رات میں بیہوشی ہوئی ہے اور غیر ممتد جنون کی وجہ سے اور روزہ اور افطار کی نیت کئے بغیر

وَلَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ اَوْطَهُرَتِ الْحَائِضُ اَوْتَسَحَّرَ بِظَنِّهٖ لَيْلًا وَالْفَجْرُ طَالِعٌ اَوْ اَفْطَرَ كَذٰلِكَ

رکے رہنے سے اگر مسافر وطن آگیا یا حائضہ پاک ہوگئی یا رات سمجھتے ہوئے سحری کھالی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا اسی طرح افطار کر لیا

وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ اَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ وَقَضٰى وَلَمْ يُكَفِّرْ كَاَكْلِهٖ عَمَدًا بَعْدَ اَكْلِهٖ نَاسِيًا

حالانکہ آفتاب موجود تھا تو باقی دن رکا رہے اور قضا کرے اور کفارہ نہ دے جیسے اس کا بھول کر کھانے کے بعد دانستہ کھالینا

وَنَائِمَةٍ وَمَجْنُوْنَةٍ وُطِئَتَا

اور سوئی ہوئی اور دیوانی عورت جس سے صحبت کی گئی ہو کہ ان پر کفارہ نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ وللشیخ الخ جو شخص اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ کبرسنی کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اس کیلئے اجازت ہے کہ افطار کرلے اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے' امام مالک کے نزدیک اور ایک قول کے اعتبار سے امام شافعی کے نزدیک فدیہ بھی واجب نہیں۔ وجوب فدیہ کی دلیل یہ آیت ہے'' وعلی الذین یطیقو نہ فدیۃ طعام مسکین ''اس کے معنی یہ ہیں'' وعلی الذین یطیقونہ اہ '' بایں معنی کہ یطیقونہ میں ہمزہ افعال سلب ماخذ عن الفاعل کے لئے ہے جیسے اشکیت یا کلام میں کلمہ لا مقدر ہے۔ جو اہل عرب کے کلام میں کثیر الوقوع ہے قال تعالیٰ ''یبین اللّٰہ لکم ان تضلوا'' وجعل فیھا رواسی ان تمیدبکم'' ای ان لاتضلو ا'ان لاتمیدبکم۔

---

(۱) اطلق الامساک ولم یبین صفتہ للاختلاف فیہ والاصح الوجوب لموافقتہ للدلیل وھو ما ثبت من امرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بالامساک لمن اکل فی یوم عاشوراء حین کان واجباً واطلق فی عدم القضاء فشمل ما اذا افطر فی ذلک الیوم او صام وسواء کان قبل الزوال او بعدہ لان الصوم لایتجزی وجوباً کما لایتجزی اداءً واھلیۃ الوجوب منعدمۃ فی اولہ فلا یجب۔ ۱۲ بحر الرائق۔

قولہ وللمتطوع الخ نفلی روزہ رکھنے والے کیلئے بھی افطار جائز ہے۔ خواہ عذر کی وجہ سے افطار کرے یا بلا عذر یہ روایت امام ابو یوسف کی ہے۔ ظاہر الراویہ کے اعتبار سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں۔ اسی پر فتوی ہے۔ (کذافی الکافی)

مصنف نے پہلی روایت کو اختیار کیا ہے کیونکہ روایت از روئے دلیل راجح تر ہے اسی لئے محقق علام ابن الھمام نے فتح القدیر میں اس کو اختیار کیا ہے۔ اور صاحب محیط نے اس کی تصحیح کی ہے لیکن دونوں روایتوں کے لحاظ سے افطار کے بعد قضا کرنا لازم ہے' امام شافعی اور امام احمد اس کے خلاف ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے جتنا روزہ رکھا ہے اس میں وہ متبرع ہے پس جتنا حصہ باقی ہے وہ اس پر لازم نہیں۔ لقولہ تعالیٰ'' ماعلی المحسنین من سبیل''۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ ادا کر چکا وہ ایک عبادت اور عمل صحیح ہے۔ لہٰذا اس کو باطل ہونے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ لقولہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم۔

(فائدہ اولی): مصنف نے نفلی روزہ کی قضا کو مطلق ذکر کیا ہے۔ جو افطار قصدی اور افطار غیر قصدی ہر دو کو شامل ہے۔ افطار قصدی تو ظاہر ہے۔ افطار غیر قصدی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نفلی روزہ رکھے ہوئے تھی کہ حیض آنا شروع ہو گیا تو اصح روایت کے لحاظ سے اس کو اس روزہ کی قضا کرنی چاہئے۔

(فائدہ ثانیہ): یہ بات تو اوپر معلوم ہوگئی کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں۔ اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ ضیافت عذر ہے یا نہیں سو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض عذر مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ضیافت عذر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نفلی روزہ رکھنے والے کیلئے ''افطر واقض یوما مکانہ'' فرمانا ثابت ہے۔ قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اسی کی تصحیح کی ہے اور اسی کو کافی میں اظہر الاقوال مانا ہے۔ فتاوی ظہیریہ میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ اگر صاحب دعوت کو ترک افطار سے تکلیف نہ ہو بلکہ وہ مدعو کے صرف حاضر ہو جانے سے ہی خوش ہو جائے تو افطار نہ کرے ورنہ افطار کر لے۔ صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں یہ سب کچھ اس وقت ہے جب زوال سے پیشتر ہو۔ زوال کے بعد افطار جائز نہیں الا یہ کہ ترک افطار میں والد یا والدہ کی نافرمانی لازم آئے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا روایت ''افطر واقض یوماً مکانہ'' کے بارے میں علامہ انزاری کا یہ کہنا کہ حدیث نہیں ہے بلکہ اقوال صحابہ میں سے ہے۔ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے اس کو مسند میں ابو سعید خدری سے اور دار قطنی نے سنن میں حضرت جابر سے صحیح اسناد کیساتھ روایت کیا ہے' دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں'' کل وصم یوماً مکانہ'' اس کے علاوہ وہ کتب ائمہ ثلاثہ' سنن ترمذی' مصنف عبد الرزاق مؤطا مالکؒ صحیح ابن حبان' مسند بزار' معجم طبرانی' مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے مؤیدات موجود ہیں۔

قولہ ولو بلغ الخ اگر کوئی بچہ رمضان میں بالغ ہو گیا یا کوئی کافر اسلام لے آیا تو وہ احترام رمضان کے پیش نظر باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہیں اور اس دن کی اور اس سے پیشتر ایام کی قضا نہ کریں۔ کیونکہ ان ایام میں ان پر روزہ لازم نہیں تھا۔ اس واسطے کہ اس وقت یہ فرعیات کے مخاطب نہیں تھے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اگر بچپن اور کفر زوال سے پہلے زائل ہو جائے تو قضاء لازم ہے کیونکہ اس صورت مین ان کو نیت کا وقت مل گیا۔ ظاہر الروایہ کیوجہ یہ ہے کہ روزہ میں تجزی نہیں وجوباً اور نہ اداءً اور وجوب اہلیت اول وقت میں معدول ہے۔ لہٰذا قضا واجب نہیں البتہ اس صورت میں بچہ کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ نفل روزہ کی نیت کر لے کیونکہ وہ نیت کی اہلیت رکھتا ہے بخلاف کافر کے کہ اس میں نیت کی اہلیت نہیں۔

تنبیہ: روزہ کا جو مسئلہ اوپر مذکور ہوا یہ مسئلہ نماز کے خلاف ہے چنانچہ اگر کوئی بچہ نماز کے وقت کے اثنا میں یا آخر میں بالغ ہو جائے یا کوئی کافر اسلام لے آئے تو بالاتفاق اس پر نماز واجب ہے۔ ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ سبب وجوب صلوٰۃ وقت کا وہ

آخری جزء ہوتا ہے جو ادا کیساتھ متصل ہوتا ہے اور اس میں اہلیت پائی گئی لہٰذا نماز واجب ہو جائے گی۔ اور سبب وجوب صوم جزء اول ہوتا ہے اور اس میں اہلیت مفقود ہے لہٰذا روزہ واجب نہ ہوگا یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل اصول جو یہ کہتے ہیں کہ "واجب موقت میں کبھی وقت فعل مؤدی کا سبب اور ظرف ہوتا ہے جیسے وقت نماز اور کبھی اس کیلئے سبب و معیار ہوتا ہے جیسے وقت صوم۔ یہ قول مبنی بر تساہل ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ ان دونوں قسموں میں سبب وجوب پورا وقت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ثابت ہوگیا۔

فائدہ: بلوغ صبی اور اسلام کافر ان دونوں مسئلوں سے مصنف نے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کو رمضان میں شروع دن میں کوئی ایسا عذر ہو جو مانع وجوب صوم ہو یا اس کی وجہ سے افطار مباح ہو اور پھر وہ عذر زائل ہو جائے اور وہ شخص ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر اس حالت پر شروع دن میں ہوتا تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا تو ایسے شخص کیلئے باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہنا ضروری ہے مثلاً کوئی بچہ بالغ، کافر مسلمان ہوگیا یا حائضہ حیض سے پاک ہوگئی یا مسافر سفر سے واپس آ گیا۔ اسی طرح جس شخص پر سبب وجوب اور اہلیت کے پائے جانے کی بنا پر روزہ واجب ہوا پھر اس کا پورا کرنا متعذر رہو گیا مثلاً کسی نے جان بوجھ کر افطار کر لیا یا شک کے دن بحالت افطار صبح کی اس کے بعد رمضان ثابت ہوگیا یا صبح صادق نہ ہونے کے خیال سے سحری کھالی بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔

فَصْلٌ وَمَنْ نَذَرَ صَوْمَ النَّحْرِ اَفْطَرَ وَقَضٰى وَاِنْ نَوٰى يَمِيْنًا كَفَّرَ اَيْضًا

(فصل) جو شخص نذر مان لے قربانی کے دن روزہ رکھنے کی تو افطار کرے اور قضاء کرے اور اگر قسم کی نیت کی تو کفارہ بھی دے

وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ هٰذِهِ السَّنَةِ اَفْطَرَ اَيَّامًا مَّنْهِيَّةً وَّهِيَ يَوْمُ الْعِيْدَيْنِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ

اور اگر نذر مان لے کہ اس سال روزے رکھونگا تو ایام منہیہ - یعنی عید و بقر عید اور ایام تشریق میں افطار کرے

وَقَضَاهَا لَا اِنْ شَرَعَ فِيْهَا ثُمَّ اَفْطَرَ

اور پھر ان کی قضاء کرے اور قضاء نہیں ہے اگر ان ایام میں روزہ شروع کر کے افطار کر لیا ہو۔

تشریح الفقہ: **قولہ من نذر** الخ منجانب اللہ واجب شدہ روزوں کے بیان سے فراغت کے بعد ان روزوں کا بیان ہے جن کو آدمی خود اپنے اوپر لازم کر لے جس کو نذر کہتے ہیں، اگر کوئی شخص یوم نحر میں روزہ رکھنے کی نذر مان لے تو یہ صحیح ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کرے، امام زفر و امام شافعی کے نزدیک نذر ہی صحیح نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ نذر بالمعصیۃ ہے کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت طبرانی وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے صوم مشروع کی نذر مانی ہے اسلئے نذر صحیح ہے۔ رہی ممانعت سو وہ اس لئے ہے کہ اس میں دعوت خداوندی سے اعراض لازم آتا ہے لہٰذا اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کر لے۔ اور اگر اس نے اسی دن روزہ رکھ لیا تب بھی ادا ہو جائے گا۔ لانہ اداہ کما التزمہ۔

قولہ وان نوی الخ اور اگر نذر کے ساتھ یمین کی بھی نیت کر لی اور پھر روزہ توڑ دیا تو قضا کیساتھ ساتھ کفارہ یمین بھی ادا کرے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں چھ صورتیں ہیں۔ 1 نہ نذر کی نیت کی نہ یمین کی 2 صرف نذر کی نیت کی 3 نذر کی نیت کی اور یمین نہ ہونے کی نیت کی ان تینوں صورتوں میں نذر ہو گی۔ 4 یمین کی نیت کی اور نذر نہ ہونے کی اس صورت میں یمین ہو گی کیونکہ اس کے کلام میں یمین کا احتمال تھا جس کو اس نے اپنے ارادہ سے معین کر دیا۔ 5 نذر اور یمین دونوں کی نیت کی۔ طرفین کے نزدیک نذر اور یمین دونوں ہوں گی، امام ابو یوسف کے نزدیک صرف یمین ہو گی۔ 6 صرف یمین کی نیت کی اس صورت میں بھی طرفین کے نزدیک دونوں ہوں گی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف یمین ہو گی، انکی دلیل یہ ہے کہ "للہ علی" نذر میں حقیقت ہے اور یمین میں مجاز یہی وجہ ہے کہ نذر نیت پر موقوف نہیں اور یمین نیت پر موقوف ہے۔ پس یہ کلام نذر و یمین ہر دو کو شامل نہ ہوگا۔ ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا جو

جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے "انت علی حرام" کہہ کر طلاق مراد لیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور وہ اس سے یمین کا ارادہ کرے تو یمین ہو جائے گی۔ لیکن طلاق و یمیں دونوں ہو جائیں ایسا نہیں ہے۔ ہاں مجاز چونکہ نیت سے معین ہو جاتا ہے۔ اس لئے ۴ میں یمین ہوگی اور حقیقت و مجاز دونوں مراد ہونے کی صورت میں حقیقت کو ترجیح ہوگی۔ اس لئے ۵ میں نذر ہوگی۔ طرفین فرماتے ہیں کہ جہت نذر و جہت یمین میں کوئی منافات نہیں کیونکہ دونوں کا مقتضی وجوب ہے۔ بجز آنکہ نذر مقتضی وجوب لعینہ ہے اور یمین لغیرہ۔

قولہ ولو نذر الخ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں اس سال روزے رکھونگا تو وہ ایام منہیہ (عید و بقر عید اور ایام تشریق) میں روزے نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کرے کیونکہ پورے سال کی نذر میں یہ ایام بھی داخل ہیں جن کی نذر احناف کے نزدیک صحیح ہے' امام زفر و امام شافعی کے نزدیک قضا نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے" خبردار ان ایام میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ ایام تو کھانے پینے اور جماع کے ہیں[۱] احناف کی دلیل گذر چکی۔

(تنبیہ) مصنف کے قول "افطر" میں وجوبی افطار مراد ہے۔ چنانچہ مصنف نے اپنی کتاب "الکافی" میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور صاحب نہایہ نے جو ایام منہیہ میں افطار کو افضل کہا ہے یہ موصوف کی بھول ہے۔

قولہ ولا قضا الخ اگر کسی نے ایام منہیہ میں روزہ رکھنے کے بعد توڑ دیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ قضا کا مدار اس پر ہے کہ فعل واجب شائبہ حرمت سے سلامت ہو اور ان میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

بَابُ الاِعْتِكَافِ

باب اعتکاف کے بیان میں

سُنَّ لَبْثٌ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ بِصَوْمٍ وَنِیَّةٍ وَاَقَلُّهٗ نَفْلاً سَاعَةٌ وَالْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِیْ مَسْجِدِ بَیْتِهَا

مسنون ہے ٹھہرنا مسجد میں روزہ اور نیت کیساتھ اور نفلی اعتکاف کی کمتر مدت ایک ساعت ہے اور عورت اعتکاف کرے گھر کی مسجد میں

قولہ باب الخ اعتکاف کو صوم کے بعد لانے کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے' اعتکاف علف سے بروزن افتعال ہے۔ جو بقول صاحب نہایہ متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی۔ متعدی کا مصدر عکف ہے اور لازم کا عکوف' متعدی بمعنی حبس آتا ہے قال تعالیٰ "والھدی معکوفا" اسی سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اور لازم بمعنی کسی چیز طرف بطریق دوام متوجہ ہونا ہے۔ قال تعالیٰ "یعکفون علیٰ اصنام لھم" اصطلاح شرع میں اعتکاف نیت کیساتھ مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ پس ٹھہرنا رکن ہے اور مسجد میں ہونا' نیت کرنا' معتکف کا مسلمان ہونا' عاقل ہونا' جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا صحت اعتکاف کے لئے شرط ہے۔

قولہ سن الخ لفظ "سن" سے صفت اعتکاف اور "لبث" سے رکن اور "فی المسجد بصوم ونیۃ" سے شروط اعتکاف کی طرف اشارہ ہے صفت اعتکاف میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ اعتکاف جائز ہے' ابن العربی شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اصحاب کی نادانی ہے' مبسوط میں ہے کہ اعتکاف قربت مقصودہ ہے' قدوری نے اس کو مستحب کہا ہے۔ صاحب ہدایہ نے سنت مؤکدہ ہونے کی تصحیح کی ہے' محیط' بدائع' تحفہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ اعتکاف نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں۔ واجب جو بطریق نذر لازم کرلیا جائے۔ سنت مؤکدہ جو رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے۔ مستحب جو ان کے علاوہ ہو۔ (۲) کے مسنون ہونے کی دلیل "مواظبت نبی علیہ السلام" ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ" آپ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا[۲] سوال بلاترک بطریق مواظبت کی

---

(۱) طبرانی عن ابن عباس وابی ہریرہ' دار قطنی عن عبداللہ بن حذیفہ' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ عن عمر بن خلدہ عن امہ' مسلم عن نبیشہ وکعب بن مالک وعائشہ' صحیحین عن عمر وابی سعید وابی ہریرہ بالفاظ مختلفہ ۔۱۲ (۲) صحیحین

وجہ سے تو واجب ہونا چاہئے نہ کہ سنت' جواب اول تو حضور اکرم ﷺ سے بعض رمضانوں میں ترک اعتکاف ثابت ہے۔ صاحب لمعات نے اسی کو حق مانا ہے۔ دوم یہ کہ بعض صحابہ کا اعتکاف نہ کرنا اور اس پر کسی کا انکار نہ کرنا سنت کی دلیل ہے۔

قولہ فی المسجد الخ صحت اعتکاف کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مسجد میں ہو کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا تھا "اما انا فقد علمت انہ لا اعتکاف الا فی مسجد جماعۃ"[1] مصنف نے مسجد کو مطلق ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کو صاحبین کا قول بتایا ہے۔ اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ غایۃ البیان میں اس کی تصحیح بھی ہے کیونکہ قول باری "وانتم عاکفون فی المساجد" مطلق ہے۔ کسی مخصوص مسجد کی قید نہیں۔ لیکن فتاوی قاضیخاں میں ہے کہ اعتکاف ہر ایسی مسجد میں صحیح ہے جس میں اذان واقامت ہوتی ہو۔ خلاصہ اور خانیہ میں اس کی تصحیح ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے جو یہ کہا ہے کہ "اعتکاف صحیح نہیں مگر مسجد جماعۃ میں" اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کیونکہ جس مسجد میں اذان واقامت ہو وہی مسجد جماعت ہے' امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اعتکاف واجب مسجد جماعت کیساتھ مخصوص ہے۔ نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ یہ تفصیل صحت کے لحاظ سے ہے۔ رہی افضلیت سو سب سے افضل مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں پھر مسجد جامع میں۔

قولہ بصوم الخ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لا اعتکاف الا بصوم"[2]۔ حضرت علیؓ ابن عباسؓ ابو عمر عائشہؓ شعبی' نخعی' مجاہد' قاسم بن محمد' نافع' ابن المسیب' اوزاعی' زہری سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک' ثوری' حسن بن حی اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام احمد کا اور امام شافعی کا قول (جدید) یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں' ابن مسعود' طاؤس' عمر بن عبدالعزیز' داؤد' ابو ثور بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ "معتکف پر روزہ ضروری نہیں ہاں از خود رکھ لے تو اور بات ہے"[3]۔ نیز روزہ خود مستقل عبادت ہے وہ دوسرے کے لئے شرط کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب روایت مذکورہ مرفوع نہیں موقوف ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوع ہے۔ رہا قیاس سو نص کے مقابلہ میں قیاس مقبول نہیں ہوتا۔

(فائدہ) : احناف کے یہاں جو اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے یہ صرف اعتکاف واجب کیلئے ہے۔ یا نفلی کے لئے بھی؟ سو اول کے بارے میں تو باتفاق روایات روزہ شرط ہے اور حسن کی روایت پر نفلی کیلئے بھی شرط ہے لیکن روایت اصل کے اعتبار سے نفلی اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں' مبسوط' شرح طحاوی' قاضی خاں' ذخیرہ' ظہیریہ' کافی' بدائع' نہایہ' غایۃ البیان' تبیین سب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وَلَا یَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا لِحَاجَةٍ شَرْعِیَّةٍ کَالْجُمُعَةِ اَوْ طَبِیْعِیَّةٍ کَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَاِنْ خَرَجَ سَاعَةً بِلَا عُذْرٍ

اور نہ نکلے اس سے مگر حاجت شرعیہ کے لئے جیسے جمعہ یا حاجت طبعیہ کے لئے جیسے پیشاب پاخانہ پس اگر نکلا ایک ساعت کو بلا عذر

فَسَدَ وَاَکْلُهٗ وَشُرْبُهٗ وَمُبَایَعَتُهٗ وَنَوْمُهٗ فِیْهِ وَکُرِهَ اِحْضَارُ الْمَبِیْعِ وَالصَّمْتُ

تو اعتکاف فاسد ہوگیا اور اس کا کھانا پینا سونا خرید و فروخت مسجد میں ہوگا اور مکروہ ہے مبیع کو مسجد میں لانا اور خاموش رہنا

وَالتَّکَلُّمُ اِلَّا بِخَیْرٍ وَحَرُمَ الْوَطْیُ وَدَوَاعِیْهِ وَبَطَلَ بِوَطْیِهٖ

اور بات کرنا مگر نیک بات اور حرام ہے صحبت اور اس کے لوازم اور باطل ہوجائے گا صحبت کرنے سے

وَلَزِمَ اللَّیَالِیْ اَیْضًا بِنَذْرِ اعْتِکَافِ اَیَّامٍ وَلَیْلَتَانِ بِنَذْرِ یَوْمَیْنِ

اور لازم ہوجاتا ہے راتوں کا اعتکاف بھی دنوں کے اعتکاف کی نذر ماننے سے اور دو راتوں کا دو دنوں کی نذر ماننے سے

---

(۱) طبرانی عن النخعی' بیہقی عن عائشہ' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق عن علی ۱۲ (۲) ابوداؤد' دارقطنی' بیہقی عن عائشہ ۱۲ (۳) دارقطنی ۱۲

تشریح الفقہ : قولہ ولا یخرج الخ معتکف کیلئے بلاضرورت مسجد سے نکلنا جائز نہیں اگر ایک ساعت کیلئے بھی باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہو گیا۔ البتہ حاجت شرعی جیسے جمعہ کی ادائیگی یا حاجت طبعی جیسے بول و براز اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ اپنے معتکف سے ضرورت طبعیہ کے علاوہ کسی اور ضرورت سے نہیں نکلتے تھے۔ اور چونکہ جمعہ کی ادائیگی اہم جوائج دینیہ میں سے ہے، جس کے لئے نکلے بغیر چارہ نہیں اس لئے یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کیلئے نکلنا بھی مفسد اعتکاف ہے۔

قولہ واکلہ معتکف کا کھانا پینا سونا اور بلا احضار مبیع خرید و فروخت کرنا سب مسجد میں ہوگا۔ کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ''اعتکاف کے زمانہ میں مسجد ہی آنحضرت ﷺ کا ماوی ہوتا تھا' اگر ان امور کیلئے معتکف سے نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ امام مالک اور شوافع میں سے ابن شریح اسی کے قائل ہیں' امام مزنی اور اکثر شوافع کے یہاں کھانے پینے کیلئے نکلنے کی اجازت ہے۔

قولہ وکرہ الخ مسجد میں خرید و فروخت کا سامان حاضر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مسجد خالص خدا کیلئے ہے۔ اور مال و متاع حاضر کرنے میں مسجد کو حقوق العباد کیساتھ مشغول کرنا لازم آتا ہے۔ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ صوم سکوت ہماری شریعت میں قربت نہیں یہ تو شیوۂ مجوس ہے' معتکف کو چاہئے سنن و نوافل' اوراد و وظائف' تلاوت قرآن' قراءت حدیث' درس و تدریس' سیر نبی' قصص انبیاء' حکایات صالحین وغیرہ میں اپنے اوقات گزارے' معتکف کیلئے وطی اور دواعی وطی' (چھونا' بوسہ لینا وغیرہ) حرام ہے۔ اگر کریگا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ جان بوجھ کر کرے یا بھول کر' دن میں کرے یا رات میں انزال ہو یا نہ ہو' کیونکہ وطی منافی اعتکاف ہے۔ **قال تعالیٰ ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد۔**

قولہ ولزمہ الخ ایک شخص نے صرف ایام کو ذکر کیا اور کہا: للہ علی ان اعتکف ثلاثۃ ایام (اوثلاثین یوماً) تو اس پر راتوں کا بھی اعتکاف لازم ہو گیا۔ کیونکہ ایام کو بطریق جمع ذکر کرنے سے اس کے مقابل کی راتیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے ''ما رأیتک منذ ایام'' میں نے تجھے بہت دن سے نہیں دیکھا۔ اس میں رات اور دن دونوں میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے۔ اور اگر دو دن کے اعتکاف کے نذر مانی تو دو راتوں کا بھی اعتکاف لازم ہوگا۔ کیونکہ تثنیہ کا حکم جمع کی مانند ہوتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کِتَابُ الْحَجِّ

هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوصٍ فِي زَمَانٍ مَخْصُوصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوصٍ فُرِضَ مَرَّةً عَلَى الْفَوْرِ

حج زیارت کرنا ہے ایک مخصوص جگہ کی خاص وقت میں خاص افعال کے ساتھ فرض کیا گیا ہے ایک بار ادا کرنا فوری طور پر

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ مصنف نے کتاب الحج کو کتاب الصوم سے مؤخر کیا ہے جس میں ترتیب حدیث صحیحین ''بنی الاسلام علی خمس اھ'' کی رعایت ملحوظ ہے روایت کے بعض طرق میں صوم مؤخر ہے۔ امام بخاری نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے حج کو صوم پر مقدم کیا ہے۔ صاحب بحر وغیرہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ حج عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ دونوں سے مرکب ہے۔ اس لئے اس کو مؤخر کیا ہے کیونکہ مرکب مفرد سے مؤخر ہی ہوتا ہے مگر اس توجیہ پر علامہ رملی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ حج محض عبادت بدنیہ ہے اور مال وجوب حج کیلئے شرط ہے نہ کہ جزء مفہوم پس حج کو مرکب کہنا صحیح نہیں۔

قولہ ھو زیارۃ الخ مستخلص زیلعی النہر الفائق وغیرہ میں ہے کہ حج کے لغوی معنی مطلق قصد وارادہ کے ہیں۔ لیکن صاحب بحر وصاحب فتح وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حج کے معنی کسی عظیم الشان شئی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

واشهد من عوف حوولا كثيرة
يحجون بيت الزبرقان المز عفرا

ای یقصدونہ معظمین ایاہ ابن السکیت نے بھی حج کے اصل معنی یہی بتائے ہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جب اہل لغت نے حج کے معنی مطلق قصد کے لئے ہیں تو پھر صاحب فتح وغیرہ کا عظیم الشان شئی کے ساتھ مقید کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اس کے لئے کوئی نقل ہونی چاہئے۔ رہا شعر سے استشہاد سو اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شاعر نے لفظ حج کو اس کے بعض مدلولات میں استعمال کیا ہے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لفظ حج مطلق قصد میں استعمال نہیں ہوتا۔ اصطلاح شرع میں حج کے معنی مخصوص افعال کیساتھ خاص زمانہ میں ایک خاص جگہ کی زیارت کرنا ہے۔ زیارت سے مراد طواف اور وقوف بعرفات ہے اور مکان مخصوص سے مراد بیت اللہ شریف اور جبل عرفات ہے پس حج افعال مخصوصہ (طواف فرض ووقوف) کا نام ہے جیسے صلوۃ افعال مخصوصہ (قیام قراءت رکوع سجود) کا نام ہے۔

فائدہ: حج کی شرطیں تین قسم پر ہیں۔ شرط وجوب شرط صحت شرط ادا۔ وجوب کیلئے آٹھ شرطیں ہیں۔ اسلام عقل بلوغ حریت وقت توشہ پر اور سواری پر قادر ہونا فرضیت حج کا علم ہونا۔ مصنف نے پہلی اور آخری شرط کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ دونوں ہر عبادت کیلئے شرط ہیں ادائیگی کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ تندرستی بدن موانع حسی کا نہ ہونا راستہ کا مامون ہونا عورت کے حق میں قیام عدت کا نہ ہونا۔ اس کے ساتھ شوہر کا یا ذی رحم محرم کا ہونا صحت کی چار شرطیں ہیں احرام وقت مخصوص مکان مخصوص اسلام۔ بعض نے احرام کی بجائے نیت کو ذکر کیا ہے۔

قولہ فرض الخ وجوب حج کی شرطیں متحقق ہو جانے کی بعد عمر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے قال تعالیٰ ''وللہ علی الناس حج البیت اھ'' حدیث میں ہے ''خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا''[1] عمر میں ایک مرتبہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت اقرع نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حج ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ آپ نے فرمایا صرف ایک مرتبہ[2] نیز فرضیت حج کا سبب بیت اللہ ہے جس میں تعدد نہیں اور اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ سبب میں تکرر نہ ہونے سے مسبب میں تکرر نہیں ہوتا۔

قولہ علی الفور الخ جب کسی پر حج فرض ہو جائے تو امام ابو یوسف احمد کرخی کے نزدیک فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے محیط میں ہے کہ امام صاحب سے بھی اصح روایت یہی ہے۔ کیونکہ شریعت نے حج کے لئے ایک خاص وقت معین کیا ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ فوراً ادا کیا جائے۔ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک تاخیر کیساتھ واجب ہے لانہ وظیفۃ العمر فکان العمر فیہ کالوقت فی الصلوۃ۔۱۲

(۱) مسلم عن ابی ہریرۃؓ ۱۲۔ (۲) ابو داؤد، ابن ماجہ، حاکم، احمد عن ابن عباس۔

بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ وَبُلُوْغٍ وَاِسْلَامٍ وَعَقْلٍ وَصِحَّةٍ وَبَصَرٍ وَقُدْرَةِ زَادٍ وَرَاحِلٍ فَضَلَتْ عَنْ مَسْكَنِهٖ وَعَنْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ

آزادی بلوغ عقل تندرستی اور زاد راہ اور سواری پر قدرت کی شرط کیساتھ جو زائد ہو اس کے گھر اور ضروری چیزوں سے

وَنَفَقَةِ ذِهَابِهٖ وَاِيَابِهٖ وَعِيَالِهٖ وَاَمْنِ طَرِيْقٍ وَمُحْرِمٍ اَوْ زَوْجٍ لِامْرَأَةٍ فِيْ سَفَرٍ

اور آمد ورفت اور اہل وعیال کے اخراجات پر قدرت اور راہ مامون ہونے کیساتھ اور محرم یا شوہر ہونے کیساتھ عورت کے لئے سفر میں

فَلَوْ اَحْرَمَ صَبِيٌّ اَوْعَبْدٌ فَبَلَغَ اَوْ اُعْتِقَ فَمَضٰى لَمْ يَجْزِهٖ عَنْ فَرْضِهٖ وَمَوَاقِيْتُ الْاِحْرَامِ ذُوالْحُلَيْفَةِ وَذَاتُ عِرْقٍ

پس اگر احرام باندھا بچہ نے یا غلام نے پھر بالغ ہو گیا یا آزاد کر دیا گیا اور احکام بجالائے تو حج فرض ادا نہ ہوگا اور مواقیت احرام ذوالحلیفہ وذات عرق

وَجُحْفَةُ وَقَرْنٌ وَيَلَمْلَمُ لِاَهْلِهَا وَلِمَنْ مَرَّ بِهَا وَصَحَّ تَقْدِيْمُهٗ عَلَيْهَا لَا عَكْسُهٗ

جحفہ قرن اور یلملم ہے ان کے باشندوں کے لئے اور ان کے لئے جو ان پر ہو کر گذریں اور جائز ہے ان سے پیشتر احرام باندھنا نہ کہ اس کا عکس

وَلِدَاخِلِهَا الْحِلُّ وَلِلْمَكِّيِّ الْحَرَمُ لِلْحَجِّ وَالْحِلُّ لِلْعُمْرَةِ

اور ان کے اندر رہنے والوں کے لئے حل ہے اور مکی کے لئے حرم ہے حج کے واسطے اور حل ہے عمرہ کے واسطے۔

شروط حج ومواقیت احرام کا بیان

توضیح اللغۃ: زاد: توشہ' راحلہ: سواری' ذہاب: جانا' ایاب: لوٹنا' مواقیت: جمع میقات معین وقت' ذوالحلیفہ: مکہ سے نو یا دس مراحل دور ایک جگہ ہے جہاں بہت سے کنویں ہیں جن کو عوام آبار علی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس کے اور مدینہ کے درمیان بقول نووی چھ میل اور بقول قاضی عیاض سات میل کا فاصلہ ہے' ذات عرق: مکہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر مشرق ومغرب کے درمیان ایک جگہ ہے' جحفہ: مکہ سے بطریق تبوک مغرب وشمال کے درمیان ایک بستی ہے جس کا نام مہیعہ تھا یہاں ایک سیلاب آیا تھا جس نے بستی والوں کا استیصال کر دیا تھا اس لئے اس کو جحفہ کہنے لگے۔ اور اس کے اور مکہ کے درمیان تین مراحل کا فاصلہ ہے' قرن: مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یلملم: مکہ سے دو مرحلہ پر تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے' حل: مکہ معظمہ کے اردگرد حرم محترم کے علاوہ جگہ۔

تشریح الفقہ: قولہ بشرط حریۃ الخ یہاں سے شروط حج کا بیان ہے۔ (۱) آزاد ہونا' غلام پر حج نہیں مدبر ہو یا مکاتب' ماذون فی التجارۃ ہو یا ام ولد (۲) بالغ ہونا۔ بچہ پر حج نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس غلام نے حج ادا کیا پھر وہ آزاد کر دیا گیا اور جس بچہ نے حج کیا اور پھر وہ بالغ ہو گیا تو ان پر (آزاد ہونے اور بالغ ہونے کے بعد) دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔[1] (۳) عاقل ہونا کیونکہ صحت تکلیف کیلئے عقل شرط ہے پس مجنون پر حج نہیں (۴) تندرست ہونا' بیمار' اپاہج' کوڑھی' مفلوج' اندھے پر حج نہیں۔ (۵) توشہ اور سواری پر قادر ہونا۔ کیونکہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے استطاعت سبیل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: الزاد والراحلۃ"[2] (۶) راستہ کا پر امن ہونا۔ یعنی راستہ میں سلامتی غالب ہو خوب غالب نہ ہو کیونکہ اس کے بغیر استطاعت حج متحقق نہیں ہو سکتی۔

قولہ وامن طریق راستہ کا مامون ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے یا ادائیگی حج کے لئے اس میں اختلاف ہے' ابو شجاع کہتے ہیں کہ امام شافعی اور کرخی کے نزدیک وجوب حج کے لئے شرط ہے' امام صاحب سے بھی یہی مروی ہے۔ امام احمد کے نزدیک اداء حج کے لئے شرط ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استطاعت کی تفسیر صرف زاد وراحلہ کے ساتھ فرمائی ہے' راستہ کا پر امن ہونا ذکر نہیں فرمایا۔

قولہ او زوج الخ (۷) عورت کے حق میں شوہر کا ہونا یا محرم کا ہونا یعنی اگر عورت کے گھر سے مکہ تک کی مسافت تین دن یا اس سے زیادہ کی ہو تو وہ بلا محرم سفر حج نہ کرے' محرم وہ ہر وہ عاقل بالغ شخص ہے جس کا نکاح اس عورت کیساتھ تا ابد حرام ہو۔ بطریق قرابت ہو یا بطریق رضاعت یا بطریق صہریت نکاح کے ذریعہ ہو یا زنا کے ذریعہ[3] امام شافعی کے نزدیک محرم کا ہونا شرط نہیں ان کے یہاں اگر

(۱) حاکم' بیہقی' طبرانی عن ابن عباس۔ ۱۲ (۲) حاکم عن انس' ترمذی' ابن ماجہ' دار قطنی عن ابن عباس' دار قطنی' بیہقی عن عائشہ' دار قطنی عن جابر وابن مسعود وعمرو بن العاص۔ ۱۲ (۳) کذا ذکرہ الکرخی وصاحب الہدایہ فی باب الکراہیۃ

عورت کے ساتھ رفقاء سفر میں ثقہ عورتیں ہوں تو ان کے ساتھ اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ان کی دلیل وہ تعمیمات ہیں جن پر نصوص وارد ہیں۔ مثلاً آیت ''و للہ علی الناس اھ'' اور حدیث ''قد فرض علیکم الحج اھ'' ہم یہ کہتے ہیں کہ ان تعمیمات میں تخصیص تو بالاتفاق لازمی ہے چنانچہ امام شافعی بھی امن طریق کو شرط مانتے ہیں پس محرم کا ہونا بھی شرط ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے''۔(۱)

فائدہ: اس طریق کی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ وجوب حج کیلئے شرط ہے یا ادائیگی کیلئے۔صاحب بدائع اور سروجی نے اول کی اور قاضیخاں نے ثانی کی تصحیح کی ہے۔فائدہ اختلاف چند صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔اول یہ کہ جو شخص راستہ کے پرامن ہونے سے قبل مر جائے اس پر وصیت کرنا لازم ہے یا نہیں۔دوم یہ کہ اگر محرم اپنا نان ونفقہ اور سواری کا خرچ طلب کرے اور اسکے بغیر عورت کیساتھ حج کے لئے نہ جائے تو عورت پر نفقہ ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ سوم یہ کہ اگر عورت کا کوئی محرم نہ ہو تو حج کی ادائیگی کی خاطر اس پر شادی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ سو جن لوگوں کے نزدیک یہ شروط وجوب ہیں ان کے نزدیک عورت پر ان میں سے کوئی چیز لازم نہیں اور جن کے یہاں شروط ادا ہیں ان کے یہاں سب لازم ہیں۔

قولہ ومواقیت الخ موجبات وشروط حج کے بیان سے فراغت کے بعد ان امکنہ خاصہ کا بیان ہے جہاں سے افعال حج کا آغاز ہوتا ہے۔جن کو مواقیت کہتے ہیں۔مواقیت میقات کی جمع ہے محدود ومعین وقت کو کہتے ہیں پھر ان امکنہ کیلئے مستعار لے لیا گیا ہے جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں جیسے آیت ''ھنالک ابتلی المومنون'' میں مکان کو وقت کیلئے مستعار لے لیا گیا (نہر) صاحب بحر نے میقات کو وقت معین اور مکان معین میں مشترک مانا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔

قولہ ذوالحلیفہ الخ مصنف نے جن مواقیت کو ذکر کیا ہے ان میں سے ذات عراق کے علاوہ باقی سب صحیحین کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم کو معین فرمایا ہے۔یہ امکنہ ان لوگوں کے احرام کے لئے بھی میقات ہیں جو ان میں رہتے ہیں اور انکے لئے بھی جو یہاں کو ہو کر گزریں۔اہل عراق کیلئے میقات ذات عرق ہے جس کا ثبوت مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابویعلی کی احادیث سے ہے۔سوال: آنحضرت صلعم نے اہل عراق کیلئے ذات عرق کو کیسے معین فرما دیا حالانکہ عراق تو ابھی فتح بھی نہیں ہوا تھا؟ جواب: یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے اہل شام کیلئے جحفہ معین فرمایا تھا حالانکہ شام بعد کو فتح ہوا۔وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بطریق وحی یہ بات معلوم تھی کہ یہ دونوں عنقریب دار الاسلام ہو جائیں گے۔

قولہ وصح تقدیمہ الخ حجاج کیلئے اور ہر اس شخص کیلئے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے ان مواقیت سے بلا احرام بڑھنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کوئی شخص بھی ان مواقیت سے بلا احرام نہ بڑھے''۔(۲) سوال صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو موطا امام مالک اور طحاوی میں تصریح ہے کہ آپ اس وقت محرم نہیں تھے' جواب: آنحضرت ﷺ کا بلا احرام داخل ہونا اسی ساعت کے ساتھ مخصوص تھا' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی دن ارشاد فرمایا تھا ''مکۃ حرام لم تحل لاحد بعدی وانما احلت لی ساعۃ من نہار ثم عادت حراماً'' اوکما قال۔بہر حال مواقیت سے بلا احرام بڑھنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں۔بارادہ حج داخل ہو یا بارادہ عمرہ یا بارادہ تجارت کیونکہ وجوب احرام کا مقصد اس بقعہ کی تعظیم ہے جس میں حجاج اور تاجر سب برابر ہیں۔البتہ تقدیم احرام بالاتفاق جائز ہے (خلافا للداؤد والظاہری) کیونکہ حق سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے کہ ''واتموا الحج والعمرۃ للہ'' اس کی تفسیر میں حضرت علی و ابن مسعود سے منقول ہے کہ اتمام حج یہ ہے کہ اپنے گھروں سے احرام باندھا جائے''۔(۳)

---

(۱) بزار' دارقطنی عن ابن عباس' دارقطنی' طبرانی عن ابی امامہ۔۱۲ (۲) ابن ابی شیبہ' طبرانی' شافعی عن ابن عباس۔۱۲ (۳) حاکم' بیہقی' ابن ابی شیبہ' ابن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' نحاس ۔۱۲

بَابُ الاِحْرَامِ
(کیفیت احرام کا بیان)

وَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تُحْرِمَ فَتَوَضَّأْ وَالْغُسْلُ اَحَبُّ وَالْبَسْ اِزَارًا وَرِدَاءً جَدِيْدَيْنِ اَوْغَسِيْلَيْنِ وَتَطَيَّبْ وَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ

اور جب تو احرام باندھنا چاہے تو وضو کر لیکن غسل پسندیدہ ہے اور پہن ایک تہبند اور ایک چادر نئی ہوں یا دھلی اور خوشبو لگا اور دو رکعت پڑھ

وَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ وَلَبِّ دُبُرَصَلٰوتِکَ تَنْوِیْ بِهَاالْحَجَّ وَهِیَ

اور کہہ الٰہی میں حج کا ارادہ کرتا ہوں سو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول کر لے اور تلبیہ کہہ نماز کے بعد حج کی نیت کرتا ہوا

لَبَّيْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ لَاشَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِيْکَ لَکَ

اور تلبیہ یہ ہے حاضر ہوں خداوندا حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں بیشک سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہیں اور بادشاہی تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ واذا الخ واذا میں واؤ عاطفہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے قبل کوئی چیز مذکور نہیں جس پر عطف ہو سکے۔ پھر یہ واؤ کیسا؟ مولانا محمد حسن سنبھلی محشی ہدایہ نے اساتذہ سے اپنا سماع نقل کیا ہے کہ اس واؤ کو واؤ استفتاح کہتے ہیں نحاۃ نے اس کو ذکر نہیں کیا' جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وضو کرے اور غسل کر لے تو اور بہتر ہے کیونکہ احرام کیلئے حضور ﷺ کا غسل کرنا حدیث سے ثابت ہے[1] یہ غسل چونکہ برائے نظافت ہے نہ کہ برائے طہارت لہٰذا حائضہ' نافسہ اور بچہ کے لئے بھی مسنون ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضور ﷺ سے اسماء کے متعلق عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو تو ماہواری شروع ہو گئی' آپ نے فرمایا: اس سے کہو: غسل کر کے حج کا احرام باندھ لے[2]' نیز بقول قدوری ہر وہ غسل جو برائے نظافت ہو جیسے غسل جمعہ و عیدین اس میں وضو بھی کافی ہوتا ہے لہٰذا احرام کے وقت وضو بھی کافی ہوگا۔

فائدہ: حج کے موقعہ پر دس چیزوں کے لئے غسل مسنون ہے احرام، دخول مکہ، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، طواف زیارت، ایام تشریق میں رمی جمرات ثلثہ، طواف صدر، دخول حرم مدینہ، قال فی البحر العميق ولا غسل لرمی جمرة العقبة يوم النحر اھ کذا فی حاشیۃ المدنی۔

قولہ و البس الخ پھر دو کپڑے پہنے ایک تہبند ایک چادر یہی سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب نے یہی پہنے ہیں (بخاری عن ابن عباس) مصنف نے جدید کو غسیل پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ کپڑے نئے ہوں تو بہتر ہے ورنہ دھلے ہوئے کافی ہیں، احرام سے قبل بدن میں خوشبو لگانا بھی مسنون ہے گو اسکا اثر بعد تک باقی رہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ''میں احرام سے قبل آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر میں خوشبو لگاتی تھی۔ اسی روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ گویا میں خوشبو کی چمک آپ کے گیسوئے مبارک میں دیکھ رہی ہوں، امام محمد سے ایک ضعیف روایت ہے کہ اگر احرام کے بعد تک عین خوشبو باقی رہے جیسے مشک، و رغالیہ وغیرہ تو ایسی خوشبو استعمال کرنا مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ اس صورت میں احرام کے بعد خوشبو سے متنفع ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عائشہ نے بطریق عموم فرمایا ہے پس صحیح حدیث کے بعد اس لزوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں احرام کے بعد میں خوشبو کا استعمال ناجائز ہے رہا باقی ماندہ اثر سو وہ تو تابع کے حکم میں ہے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بوقت احرام ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

وَزِدْ فِيْهَا وَلَا تَنْقُصْ فَاِذَا لَبَّيْتَ نَاوِيًا فَقَدْ اَحْرَمْتَ فَاتَّقِ الرَّفَثَ وَالْفُسُوْقَ وَالْجِدَالَ

اور بڑھا دے ان میں اور کم نہ کر پس جب تو بہ نیت حج تلبیہ کہہ چکا تو محرم ہو گیا سو پرہیز کر بری باتوں سے گناہوں سے لڑائی جھگڑے سے

(۱) ترمذی، طبرانی، دارقطنی عن زید، طبرانی عن عائشہ، حاکم عن ابن عباس۔ (۲) مسلم عن عائشہ۔

(۳) قال المصنف فی المستصفی ارید بالصيد هنا المصيد اذ لو اريد به المصدر و هو الاصطياد لما صح اسناد القتل اليه۔

وَقَتْلَ الصَّيْدِ وَالْاِشَارَةَ اِلَيْهِ وَالدَّلَالَةَ عَلَيْهِ وَلُبْسَ الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْقَبَاءِ وَالْخُفَّيْنِ
شکار کرنے سے اس کی طرف اشارہ کرنے سے اور اس کو بتلانے سے اور کرتہ پاجامہ پگڑی ٹوپی قباء اور موزے پہننے سے
اِلَّا اَنْ لَّا تَجِدَ النَّعْلَيْنِ فَاقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ
الا یہ کہ نہ پائے تو جوتے تو کاٹ دے ان کو ٹخنوں کے نیچے سے۔

ان امور کا بیان جو محرم کیلئے ممنوع ہیں

توضیح اللغۃ: رفث: گندی گفتگو، فسوق: بدکاری، گناہ۔ جدال: جھگڑا لبس پہننا، سراویل: جمع سروال: پاجامہ، عمامۃ: پگڑی، قلنسوۃ: ٹوپی۔

تشریح الفقہ: قولہ وزاد الخ فی ظرفیہ بمعنی علیٰ ہے کمافی قولہ تعالیٰ ''ولاصلبنکم فی جذوع النخل'' کیونکہ زیادتی کلمات مذکورہ کے بعد ہی کی جائے گی نہ کہ درمیان میں (السراج) تلبیہ کے جو الفاظ متن میں مذکور ہوئے یہی الفاظ صحاح ستہ وغیرہ میں منقول ہیں لہٰذا ان میں کمی کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ ابن ملک نے تو شرح مجمع میں اس کو بالاتفاق مکروہ لکھا ہے۔ ہاں زیادتی کر سکتا ہے مثلاً لبیک وسعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل الٰہ الخلق غفار الذنوب لبیک ذا النعمۃ والفضل الحسن لبیک عدد التراب لبیک ان العیش عیش الاخرۃ مصنف نے ''کافی'' میں تصریح کی ہے کہ زیادتی پسندیدہ ہے اور حلبی نے ''مناسک'' میں اس کو مستحب کہا ہے۔ لیکن شرح وجیز میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تلبیہ پر زیادتی مستحب نہیں۔ بلکہ اس کو بار بار پڑھتا رہے۔ امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔ ربیع بن سلیمان نے امام شافعی سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ گویا امام شافعی نے تلبیہ کو اذان اور تشہد پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح اذان تشہد کے کلمات میں تغیر جائز نہیں اس طرح تلبیہ میں بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اجلاء صحابہ سے زیادتی ثابت[1] ہے وروی المزنی عن الشافعی ایضاً جواز الزیادۃ۔

قولہ اذا لبیت الخ جب تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ سے فارغ ہو گیا۔ اور نیت کر چکا تو اب وہ محرم ہو گیا۔ پس اس کو چاہئے کہ فحش گوئی، فسق وفجور اور جنگ وجدال سے اجتناب کرے۔ لقولہ تعالیٰ ''فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج'' نیز یہ چیزیں تو غیر محرم کیلئے بھی جائز نہیں پس محرم کیلئے تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوں گی۔ شکار بھی نہ کرے۔ لقولہ تعالیٰ ''ولا تقتلوا الصید وانتم حرم'' بلکہ اس کیطرف اشارہ اور اس پر رہنمائی بھی نہ کرے۔ کیونکہ حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ ''انہوں نے گورخر کا شکار کیا حضرت ابو قتادہ غیر محرم تھے۔ اور آپ کے ساتھ محرم۔ آنحضرت ﷺ نے محرمین سے دریافت فرمایا: تم نے اس کی طرف اشارہ یا رہنمائی یا کسی قسم کی اعانت کی تھی؟ انہوں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تب کھا سکتے ہو[2]۔

قولہ ولبس الخ سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے جیسے قمیص' پاجامہ وغیرہ نیز پگڑی' ٹوپی' موزے بھی نہ پہنے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے منع فرمایا[3]۔ البتہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن سکتا ہے بشرطیکہ ان کی ساقین کو کاٹ کر کفش نما بنالے۔ کیونکہ حدیث میں موزوں کا استثناء اسی شرط کیساتھ ہے' امام احمد وعطاء فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ ''جو شخص جوتے نہ پائے وہ موزے اور تہبند نہ پائے وہ پاجامہ پہن لے'' جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث قوی تر اور مفسر ہے لہٰذا وہ راجح ہوگی۔ تعجب ہے کہ حنابلہ ہر جگہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور یہاں اس کے خلاف ہیں۔ سوال: دارقطنی نے حدیث ابن عمر کو منسوخ کہا ہے لانہ بعرفات وحدیث ابن عمر کان بالمدینۃ۔ جواب نسخ کی ضرورت تو تعارض کیوقت ہوتی ہے اور یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس کی حدیث ایوب سختیانی' ثوری' ابن عیینہ' حماد' ابن جریج' ہشیم' شعبہ سب نے روایت کی ہے لیکن شعبہ کے علاوہ کسی نے عرفات کا تذکرہ نہیں کیا۔ پس ان ثقہ راویوں کے مقابلہ میں تفرد شعبہ مقبول نہیں' پھر امام شافعی موزوں میں ہمارے ساتھ ہیں اور پاجامہ میں امام احمد کے ساتھ۔ اور امام مالک ہر دو میں ہمارے ساتھ ہیں۔

(۱) ائمہ ستہ عن ابن عمر' ابن راہویہ' ابو یعلی عن ابن مسعود' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ (۲) ائمہ ستہ ۱۲۔ (۳) ائمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲۔

وَالثَّوبَ الْمَصْبُوغَ بِوَرْسٍ اَوْزَعْفَرَانٍ اَوْ عُصْفُرٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ غَسِيْلاً لاَ يَنْفُضُ وَسَتْرَ الرَّأسِ وَالْوَجْهِ
اور پرہیز کر ورس یا زعفران یا عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے سے مگر یہ کہ ہو دھلا ہوا کہ بو نہ آتی ہو اور سر اور چہرہ کے ڈھانپنے سے
وَغَسْلَهُمَا بِالْخِطْمِيِّ وَمَسَّ الطِّيْبِ وَحَلْقِ شَعْرِهٖ اَوْقَصِّ شَعْرِهٖ وَظُفْرِهٖ لاَ الْاِغْتِسَالُ وَدُخُوْلُ الْحَمَّامِ وَالْاِسْتِظْلَالُ
اور ان کو دھونے سے خطمی کیساتھ اور خوشبو لگانے سرمنڈانے بال اور ناخن کٹانے سے نہ کہ نہانے اور مکان اور کجاوے کے سایہ میں ٹھہرنے
بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ وَشَدَّ الْهِمْيَانِ فِيْ وَسْطِهٖ وَاَكْثِرِ التَّلْبِيَةَ مَتٰى صَلَّيْتَ اَوْعَلَوْتَ شَرَفًا اَوْهَبَطْتَ وَادِيًا اَوْلَقِيْتَ
اور کمر میں ہمیانی باندھنے سے اور کثرت سے تلبیہ کہتارہ جب تو نماز پڑھے یا اونچی جگہ پر چڑھے یا پستی میں اترے یا سواروں سے ملے
رُكْبَانًا وَبِالْاَسْحَارِ رَافِعًا صَوْتَكَ بِهَا وَابْدَأْ بِالْمَسْجِدِ بِدُخُوْلِ مَكَّةَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ بِلِقَاءِ الْبَيْتِ
اور صبح کے وقت آواز بلند کر کے اور ابتداء کر مسجد حرام سے مکہ میں داخل ہوکر اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہہ کہ خانہ کعبہ کو دیکھکر
ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلاً مُسْتَلِمًا بِلاَ اِيْذَاءٍ
پھر حجر اسود کے سامنے جا کر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوا اس کو بوسہ دے کسی کو تکلیف دیئے بغیر۔

توضیح اللغۃ: مصبوغ: رنگا ہوا، ورس: تیل کے مانند ایک قسم کی گھاس جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں، عصفر: زرد رنگ، لا ینفض: نہ جھڑتا ہو، خطمی: ایک مشہور گھاس ہے۔ جسے گل خیرو کہتے ہیں۔ حلق: مونڈنا، قص: کاٹنا، ظفر: ناخن، استظلال سایہ حاصل کرنا، محمل: کجاوہ، ہمیان: ہمیانی، روپیہ کی تھیلی، علوت: علوا، بلند ہونا، شرف: بلند مکان، ہبطت: ہبوطاً: اترنا، رکباناً: سوار، مستلماً: استیلام چومنا۔

تشریح الفقہ: قولہ والثوب الخ ورس، زعفران اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت[1] ہے۔ ہاں اگر ایسا کپڑا دھلا ہوا ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے[2] اپنا چہرہ اور سر بھی ڈھانپے امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک مرد کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "احرام الرجل فی راسہ واحرام المرأۃ فی وجہہا"[3] ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دیہاتی محرم کے انتقال پر ارشاد فرمایا تھا کہ "اس کے چہرہ اور سر کو مت ڈھانپو۔ کیونکہ یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا"[4] سوال: حدیث میں جو "فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیاً" تعلیل ہے احناف اس کے مفہوم پر تو عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محرم کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز نہیں اور حدیث کے منطوق پر عمل نہیں کرتے منطوق حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردہ محرم کے سر اور چہرہ کو کفن سے نہ ڈھانپا جائے۔ اور احناف کا عمل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انکے یہاں دیگر مردوں کی طرح مردہ محرم کا بھی سر اور چہرہ کفن سے ڈھانپا جاتا ہے۔ اس کی وجہ؟ جواب: اس لئے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے معارض ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ باقی سب منقطع ہوجاتے ہیں۔ اور احرام بھی ایک عمل ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد یہ بھی منقطع ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مامور بالحج کیلئے میت کے احرام پر بالاتفاق بنا جائز نہیں نیز حدیث میں ہے کہ "اپنے مردوں کے چہروں کو ڈھانپو یہود کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو"[5] حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مردہ محرم کے متعلق ہے رہا اعرابی مذکور کا قصہ سووہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کے احرام کا باقی رہنا حضور ﷺ کو بطریق وحی معلوم تھا۔ وقد کان ﷺ یخص اصحابہ باشیاء۔

سوال: حاکم نے کہا ہے کہ حدیث مذکور میں لفظ وجہ تصحیف ہے۔ کیونکہ ثقہ راویوں نے صرف راس کو ذکر کیا ہے۔

جواب: صحیح مسلم میں دونوں مذکور ہیں فالمرجوع الی مسلم لاالی الحاکم فانہ کثیر الاوہام۔

احرام کے بعد بدن اور کپڑے وغیرہ میں خوشبو استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "حاجی تو پراگندہ بال و پراگندہ

---

(۱) ائمہ ستہ طحاوی عن ابن عمرؓ ۱۲۔ (۲) ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار، ابو یعلیٰ عن ابن عباس۔ (۳) بیہقی، دار قطنی عن ابن عمر۔ (۴) مسلم، نسائی، ابن ماجہ عن ابن عباس۔ (۵) دار قطنی عن ابن عباس۔

حال[1] ہوتا ہے۔ سر اور بدن کے بال بھی نہ مونڈے۔ لقولہ تعالیٰ "ولاتحلقوا رؤسکم" البتہ آنکھ میں جو پڑبال اگ آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قولہ لا الاغتسال الخ محرم کے لئے غسل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے بحالت احرام غسل فرمایا ہے[2]۔ حضرت عمرؓ سے بھی اغتسال ثابت[3] ہے۔ نیز مکان اور ہودج وغیرہ کا سایہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت اسامہ نے آنحضرت ﷺ پر کپڑے سے سایہ کیا تھا[4]۔

وَطُفْ مُضْطَبِعًا وَرَآءَ الْحَطِيْمِ اٰخِذًا عَنْ يَمِيْنِكَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ تَرْمُلُ فِي الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ فَقَطْ

اور طواف کر مضطبع ہو کر حطیم سمیت شروع کرتا ہوا اپنی دائنی طرف سے جو دروازہ کے پاس ہے سات چکر اور رمل کر پہلے تین چکروں میں صرف

وَاسْتَلِمِ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَرْتَ بِهٖ اِنِ اسْتَطَعْتَ وَاخْتِمِ الطَّوَافَ بِهٖ وَبِرَكْعَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ

اور بوسہ دے حجر اسود کو جب بھی اس کے پاس کو گذرے اگر ہو سکے اور ختم کر طواف کو بوسہ دینے پر اور دو رکعت نماز پر مقام ابراہیم میں

اَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهٰذَا الطَّوَافُ لِلْقُدُوْمِ وَهُوَ سُنَّةٌ لِغَيْرِ الْمَكِّيِّ

یا جہاں میسر ہو مسجد سے برائے قدوم اور یہ طواف سنت ہے غیر مکی کے لئے۔

طواف قدوم کا بیان

توضیح اللغۃ: مضطبعاً: چادر کو دائنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لے۔ حطیم: وہ جگہ جو رکن اور زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے۔ اس میں چھ ہاتھ جگہ بیت اللہ کی شامل ہے۔ اور بقول صاحب غایۃ البیان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی قبر یہیں ہے۔ اشواط: جمع شوط چکر، ترمل: رمل کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔ استلام: چھونا، بوسہ دینا۔

تشریح الفقہ: قولہ وطف الخ استلام حجر کے بعد اپنی چادر کو دائنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال کر اپنی دائنی طرف سے جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے حطیم سمیت بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے۔ اس صورت میں کعبہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب واقع ہوگا۔ دائیں طرف سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا بجائے مقتدی کے اور کعبہ بجائے امام کے ہے۔ اور ایک مقتدی امام کے دائنی طرف ہی کھڑا ہوتا ہے۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ یعنی شانوں کو حرکت دیتا ہوا اکڑ کر چلے جیسے غازی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے۔ اور باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر چلے۔ آنحضرت ﷺ کا طواف باتفاق رواۃ اسی طرح منقول ہے۔

فائدہ: طواف میں رمل سنت ہے یا نہیں اس میں حضرت عبداللہ بن عباس کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رمل سنت نہیں۔ کیونکہ طواف میں رمل کا سبب قوت کا اظہار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحاب مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے طعن کیا کہ یہ لوگ طواف نہیں کر سکتے کیونکہ مدینہ کے بخار نے ان کو کمزور کر دیا اور اس قابل نہیں چھوڑا کہ طواف کر سکیں اس پر آنحضرت ﷺ نے رمل کا حکم فرمایا تاکہ مشرکین کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کمزور نہیں چنانچہ جب مشرکین نے یہ دیکھا تو یہ کہنے لگے کہ ان کے متعلق تو تم کہتے تھے کہ ان کو بخار نے کمزور کر دیا[5]۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم ہو چکی لہٰذا رمل کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں طواف کیا اور پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا حالانکہ اس وقت مکہ میں ایک بھی مشرک باقی نہ تھا۔ علاوہ ازیں حکم کیلئے بقاء سبب ضروری نہیں۔ بسا اوقات زوال سبب کے باوجود حکم رہتا ہے۔ جیسے رمی جمار کا سبب یعنی حضرت ابراہیم سے شیطان کو دور کرنا زائل ہو چکا ہے۔ لیکن رمی جمار کا حکم آج بھی باقی ہے۔ علامہ ابن الہمام نے باب العشر والخراج میں وجوب علت کیلئے حکم کے ملزوم ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے اور کہا ہے کہ علل شرعیہ حکم کیلئے صرف علامات ہوتی ہیں حکم میں مؤثر نہیں ہوتیں پس زوال علت کے بعد حکم کا باقی رہنا جائز ہے۔ صاحب بحر نے اس سلسلہ میں جو تحقیق ذکر کی ہے اس کا حاصل یہ

(۱) ترمذی، ابن ماجہ عن ابن عمرؓ۔ (۲) مسلم۔ (۳) مالک، شافعی، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس۔ (۴) مسلم عن ام الحصین۔

(۵) صحیحین، ابوداؤد عن ابن عمر، احمد عن ابی الطفیل۔ ۱۲ (۶) صحیحین عن ابن عباس۔ ۱۲

ہے کہ ایک حکم کیلئے مختلف اوقات میں مختلف علتیں ہو سکتی ہیں پس جس وقت مشرکین کا غلبہ تھا اس وقت علت رمل قوت کا اظہار تھا اس کے زائل ہونے کے بعد نعمت امن کی یاد دہانی ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ کا عمل فرمانا تذکیرُ اللنعمۃ تھا' تغایر علل کی نظیر خراج ہے کہ وہ ابتداءً بطریق عقوبت ہوتا ہے۔ اسی لئے ابتداءً مسلمان پر لاگو نہیں ہوتا اس کے بعد شریعت کا حکم کر دینا اس کی علت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے تو اس پر بھی خراج ہی لازم ہوتا ہے وہکذا الرق علة فی الاصل استنکاف الکافر عن عبادة ربه ثم صار علة حکم الشرع برقه وان اسلم (قال کذا ذکرہ المحقق اکمل الدین فی شرح البزدوی من بحث القدرة المیسرة)۔

قولہ واستلم الحجر الخ طواف کرتے وقت جب بھی حجر اسود کے قریب کو گزرے تو اس کا استلام اور بوسہ دینا سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت[1] ہے۔ لیکن اس میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو اگر بوجہ ازدحام کسی مسلمان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مزاحمت نہ کرنا چاہئے بلکہ کوئی لکڑی یا چھڑی وغیرہ حجر اسود سے لگا کر چوم لینی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: عمر تم بہت قوی آدمی ہو سو استلام کے وقت لوگوں[2] کے ساتھ مزاحمت نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ ضعیفوں کو تکلیف پہنچے اگر بھیڑ نہ ہو تو استلام کر لینا ورنہ اس کی طرف ہو کر تکبیر و تہلیل پر اکتفاء کرنا'' مصنف نے لفظ ''کلما'' سے یہ بتایا ہے کہ ہر دو چکروں کے درمیان استلام سنت ہے، جس کی تصریح غایۃ البیان میں موجود ہے۔ البتہ محیط اور فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ استلام طواف کے اول و آخر میں سنت ہے اور درمیان میں ادب۔

فائدہ: مصنف نے حجر اسود کے علاوہ کسی اور چیز کے استلام کو ذکر نہیں کیا اس واسطے کہ رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام سنت نہیں۔ بلکہ رکن یمانی کے متعلق بھی صرف امام محمد سے ایک روایت ہے۔ کہ سنت ہے ورنہ ظاہر الروایہ کی اعتبار سے رکن یمانی کا استلام بھی مستحب ہے۔ (ہدایہ' کافی) علامہ کرمانی نے اسی کی تصحیح کی ہے' رکن یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق بدائع میں ہے کہ یہ بالاتفاق سنت نہیں ہے۔ سراجیہ میں اسکو اصح الاقاویل کہا ہے۔ البتہ صاحب بحر نے کچھ مؤیدات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تقبیل بھی سنت ہے۔

قولہ وبرکعتین الخ طواف کا اختتام استلام حجر اور دو رکعت نماز کیساتھ ہونا چاہئے۔ طواف کے بعد استلام حجر سنت ہے اور دو رکعت نماز واجب طواف فرض ہو یا واجب' سنت ہو یا نفل' وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مقام ابراہیم پر پہنچے تو آپ نے آیت ''واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی'' تلاوت فرما کر اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ یہ دو رکعت نماز ''واتخذوا'' امر کی تعمیل ہے[3] نیز حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ طواف کی دو رکعت نماز بھول گئے تو آپ نے مقام ذی طوی میں ان کی قضا کی' ان دو رکعت کی ادائیگی کیلئے کوئی وقت اور کوئی جگہ مخصوص نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے حرم شریف سے باہر پڑھی اگرچہ اپنے وطن واپس آکر ہو تب بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ان کی ادائیگی کیلئے مستحب مقام مقام ابراہیم ہے پھر کعبہ پھر حجر اسود پھر جو حصہ حجر اسود کے قریب ہے۔ پھر جو بیت اللہ کے قریب ہے۔ پھر مسجد حرام پھر حرم شریف۔

قولہ فی المقام الخ مقام سے مراد مقام ابراہیم ہے۔ یہ ایک پتھر ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو سواری پر سوار ہوتے اور اترتے وقت اس پتھر پر قیام فرماتے تھے[4] قاضی بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حرم شریف کل کا کل مقام ابراہیم ہے۔

قولہ للقدوم الخ جس طواف کا اوپر ذکر ہوا یعنی طواف قدوم (وتحیہ) یہ واجب نہیں سنت ہے۔ اور سنت بھی آفاقی کے لئے ہے نہ کہ اہل مکہ کے لئے، امام مالک کے نزدیک واجب ہے لقولہ علیہ السلام: من اتی البیت فلیحیہ بالطواف، ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت:

---

(۱) ائمہ ستہ' حاکم عن عمر بخاری عن ابن عمر ۱۲۔ (۲)۔ احمد' شافعی' ابن راہویہ' ابویعلی عن عمر ۱۲۔ (۳)۔ ترمذی وغیرہ عن جابر الطویل ۱۲۔ (۴)۔۔ ذکرہ المصنف فی المستصفی ۱۲۔

ولیطوّفوا اھ؛ میں مطلق طواف کا حکم ہے اور مطلق امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا[1] اور مطلق امر کا مصداق طواف زیارت بالا جماع متعین ہو چکا پس طواف قدوم واجب نہیں ہوسکتا۔ رہی حدیث مذکور سو اول تو یہ غریب ہے۔ بتقدیر ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو تحیہ کیساتھ موسوم کرنا خود استحباب کی دلیل ہے کیونکہ تحیہ کے معنی اکرام بطریق تبرع کے ہیں پس یہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا اگر چہ بصیغہ امر ہو سوال آیت؛ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا اھ؛ میں تحیہ بصیغہ امر ہے جو بقول شما وجوب پر دلالت نہیں کرتا پس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہونا چاہیئے جواب حیّوا امر احسن کے ساتھ مقید ہے اور ظاہر ہے کہ نفس جواب واجب ہے۔ سلام کنندہ کے سلام سے بہتر جواب دینا واجب نہیں۔

ثُمَّ اخْرُجْ اِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاقِمْ عَلَيْهِ مُسْتَقْبِلاً بِالْبَيْتِ مُكَبِّرًا مُهَلِّلاً مُصَلِّيًا عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَاعِيًا رَبَّكَ

پھر نکل صفا کی طرف اور کھڑا ہو اس پر قبلہ رخ ہو کر اس حال میں کہ تکبیر کہنے والا ہو حضور ﷺ پر درود بھیجنے والا ہو اپنے رب سے اپنی مراد مانگنے والا ہو

لِحَاجَتِكَ ثُمَّ اهْبِطْ نَحْوَ الْمَرْوَةِ سَاعِيًا بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ وَافْعَلْ عَلَيْهَا مَافَعَلْتَ عَلَى الصَّفَافَطُفْ بَيْنَهُمَا

پھر اتر مروہ کی طرف میلین اخضرین کے درمیان دوڑتا ہوا اور کر یہاں بھی وہی جو صفا پر کیا تھا اور طواف کر ان کے درمیان سات چکر

سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ اِبْتَدِئْ بِالصَّفَا وَاخْتِمْ بِالْمَرْوَةِ ثُمَّ اَقِمْ بِمَكَّةَ حَرَامًا وَطُفْ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَأَ لَكَ

شروع کر صفا سے اور ختم کر مروہ پر پھر ٹھہرا رہ مکہ میں احرام باندھے اور طواف کر جب تیرا جی چاہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنیکا بیان

توضیح اللغۃ: صفا بمعنی چکنا پتھر، صفا اور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں، صفا حضرت آدم صفی اللہ کی نشستگاہ ہے اس لیے اس کو صفا کہتے ہیں۔ اور مروہ حضرت حوا کی نشستگاہ ہے۔ اسلئے اس کو باسم امرأۃ مروہ کہتے ہیں۔ اسی لیے یہ لفظ مؤنث ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صفا ایک مرد کا اور مرۃ ایک عورت کا نام تھا جنہوں نے بیت اللہ میں حرام کاری کی تھی۔ حق تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا ڈالا۔ اور دونوں پہاڑیوں پر برائے عبرت رکھ دیا گیا۔ واللہ اعلم (طحطاوی) اہبط: ہبوط اترنا، میلین اخضرین: دو سبز مینار ہیں جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ ثم اخرج الخ طواف قدوم سے فارغ ہو کر صفا پر آئے اور اس پر اتنا چڑھے کہ کعبہ نظر آجائے اور بیت اللہ سامنے ہو اور بلند آواز سے تکبیر کہے، کلمہ توحید اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کرے۔ یہ سب امور حدیث سے ثابت ہیں[2]۔

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے اور یہاں بھی وہی افعال کرے جو صفا پر کئے تھے۔ اسی طرح سات بار کرے یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ پس صفا سے مروہ تک آنا ایک شوط ہے اور مروہ سے صفا تک جانا دوسرا شوط۔ اسطرح ساتواں شوط مروہ پر ختم ہوگا۔ امام طحاوی سے منقول ہے کہ صفا سے مروہ تک پھر مروہ سے صفا تک آنا جانا پورا ایک شوط ہے، جیسے طواف میں حجر اسود سے شروع کرنا پھر اس تک واپس آنا ایک شوط ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت جابر کی حدیث کے الفاظ ہیں؛ فلما کان آخر طوافہ علی المروۃ اھ؛ اگر صفا سے صفا تک ایک شوط ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کی انتہا صفا پر ہوتی نہ کہ مروہ پر۔ سعی کی ابتدا صفا سے ہونی چاہیے۔ اگر مروہ سے ابتدا کریگا تو صفا تک شوط میں شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا ہی سے ابتدا کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ؛ اس سے ابتدا کرو جس سے حق تعالیٰ نے ابتدا کی ہے؛ یعنی آیت؛ انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللہ؛ میں صفا مقدم ہے لہذا سعی کی ابتدا اسی سے ہوگی۔

(۱) قال الحافظ "فی الدرایۃ" لم اجدہ. (۲) مسلم ابوداؤد عن جابرؓ

(۳) دار قطنی، انسائی بیہقی (بصیغۃ الامر) مسلم (بصیغۃ الخبر) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مالک عن جابر

(تنبیہ): صاحب تحفہ نے ذکر کیا ہے کہ مفرد بالحج کے لئے افضل یہ ہے کہ طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے کیونکہ طواف قدوم سنت ہے۔ اور سعی واجب، طواف کے بعد سعی کرنے سے واجب کا سنت کے تابع ہونا لازم آتا ہے، بخلاف طواف زیارت کے وہ رکن اور فرض ہے۔ پس سعی کو طواف زیارت کے بعد کرنا چاہئے تاکہ واجب رکن کے تابع ہو۔ مگر چونکہ طواف زیارت کے دن یعنی یوم نحر میں ادائیگی فرض قربانی، رمی جمار کے اشغال درپیش ہوتے ہیں اسلیے علمائے نے آسانی و سہولت کی غرض سے سعی کو طواف قدوم کے بعد رکھا ہے۔

(فائدہ): ہمارے نزدیک سعی رکن نہیں واجب ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انّ اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا[1] .. جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ظنی ہے جس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ وطف الخ طواف وسعی کے بعد احرام باندھے ہوئے مکہ میں ٹھہرا رہے۔ اور زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، بیت اللہ کا طواف نماز ہے، بجز آنکہ حق تعالیٰ نے طواف میں کلام کرنا حلال کر دیا ہے سو جو شخص کلام کرے اس کو چاہیے کہ سوائے خیر کے نہ بولے[2]۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ، جو بیت اللہ کا پچاس بار طواف کریگا وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائیگا جیسے اس دن بے گناہ تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا[3]

ثُمَّ اخْطُبْ قَبْلَ یَوْمِ التَّرْوِیَةِ بِیَوْمٍ وَعَلِّمْ فِیْهَا الْمَنَاسِکَ ثُمَّ رُحْ مِنْ مَکَّةَ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ اِلٰی مِنًی ثُمَّ اِلٰی عَرَفَاتٍ

پھر خطبہ دے آٹھویں تاریخ سے ایک روز قبل اور سکھا اس میں احکام حج پھر جا مکہ سے آٹھویں تاریخ کو منی میں پھر عرفات میں

بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَوْمَ عَرَفَةَ ثُمَّ اخْطُبْ ثُمَّ صَلِّ بَعْدَ الزَّوَالِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَتَیْنِ بِشَرْطِ الْاِمَامِ وَالْاِحْرَامِ

فجر کی نماز کے بعد نویں تاریخ کو پھر خطبہ دے پھر نماز پڑھ زوال کے بعد ظہر اور عصر کی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ بشرطیکہ امام ہو اور احرام ہو

ثُمَّ اِلَی الْمَوْقِفِ وَقِفْ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ کُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ

پھر چل موقف کی طرف اور پھر جبل رحمت کے قریب اور تمام عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر بطن عرنہ

حَامِدًا مُکَبِّرًا مُهَلِّلًا مُلَبِّیًا مُصَلِّیًا دَاعِیًا

درانحالیکہ حمد و ثنا، تکبیر و تہلیل، تلبیہ اور درود پڑھنے والا ہو اور دعا کرنے والا ہو۔

وقوف عرفہ کا بیان

توضیح اللغۃ: یوم الترویہ: آٹھویں تاریخ، نویں کو یوم عرفہ، دسویں کو یوم نحر، گیارہویں کو یوم القر۔ بارہویں کو یوم النفر الاول تیرہویں کو یوم النفر الثانی کہتے ہیں۔ (مناسک نبوی): افعال و ارکان حج، رح: امر حاضر ہے، منیٰ: حدود حرم میں ایک گاؤں ہے اس کے اور مکہ کے درمیان ایک فرسخ کا فصل ہے۔ یہ لفظ عموماً مذکر اور منصرف پڑھا جاتا ہے۔ (مغرب) موقف ٹھہرنے کی جگہ جبل: سے مراد جبل رحمت ہے بطن عرنہ: حرم میں مسجد عرفہ کے مغرب کی طرف ایک جنگل کا نام ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ثم اخطب الخ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ میں دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے جس میں حج کے احکام کی تعلیم دے۔ یعنی لوگوں کو احرام باندھنے۔ منیٰ اور عرفات جانا۔ وہاں نماز پڑھنا، عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے واپس ہونا سکھائے۔ فائدہ: حج میں تین خطبے ہیں۔

(۱) .. طبرانی عن ابن عباس، شافعی، احمد، ابن راہویہ، حاکم عن حبیبہ بنت ابی تجزاۃ، بیہقی، طبرانی عن تملک العبدریہ، طبرانی عن صفیہ بنت شیبہ ۱۲ (۲). ابن حبان، حاکم عن ابن عباس ۱۲ (۳) ترمذی عن ابن عباس ۱۲۔

ایک ساتویں تاریخ کو مکہ میں دوم نویں کو عرفات میں سوم گیارہویں کو منیٰ میں یہ تینوں خطبے ایک ایک روز کے فصل سے دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ سوائے خطبہ عرفات کے وہ زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے ہوتا ہے۔ امام زفر کے یہاں یہ خطبے لگاتار ہیں۔ یعنی آٹھویں، نویں، دسویں تاریخ کو، ان تینوں خطبوں کی ابتدا خطبہ عیدین کی طرح تکبیر کے ساتھ پھر تحمید کے ساتھ واجب ہے۔ اور دیگر تین خطبوں میں یعنی خطبہ جمعہ، خطبہ استسقاء اور خطبہ نکاح میں تحمید سے ابتدا کرنا لازم ہے (منح، طحطاوی، مبتغی)۔

قولہ ثم رح الخ آٹھویں تاریخ کو جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو منیٰ میں آئے اور نویں کی فجر تک یہیں رہے پھر نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات آئے یہاں ظہر کی نماز سے پہلے خطبہ جمعہ کی طرح امام دو خطبے پڑھے جن میں وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ ان دونوں سے واپسی، رمی جمرہ عقبہ، ذبح، حلق اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے۔ خطبہ کے بعد لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے۔ ظہر کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے۔ اور ظہر پڑھ کر عصر کے لیے اقامت کہے؛ کیونکہ عصر کی نماز خلاف عادت اس کے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس لیے اطلاع کرنا ضروری ہے اور اسکے لیے اقامت کافی ہے۔ یہ جمع بین الصلاتین جمع تقدم کہلاتی ہے۔ جو احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ (مسلم عن جابر مطولاً)۔

قولہ باذان الخ عرفات میں جو ظہر وعصر کی نماز ہوتی ہے۔ اس کے لیے اذان واقامت کہے؟ ایک اقامت کہے یا دو؟ اس میں چھ مذہب ہیں (۱) مذہب احناف جو اوپر مذکور ہوا، ۲) ایک اذان اور ایک اقامت یہ قول ظاہر یہ حضرت عطا، اور امام احمد کا ہے۔ اور شافعی کا بھی قول ہے۔ امام زفر، طحاوی، ابوثور نے اسی کو اختیار کیا ہے (۳) دو اذانیں اور دو اقامتیں یہ حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور محمد ابن باقر سے مروی ہے (۴) صرف دو اقامتیں یہ حضرت عمر، حضرت علی، سالم بن عبداللہ سے روایت ہے، اور یہی ایک قول امام شافعی کا امام احمد کا سفیان ثوری کا ہے، ۵) صرف ایک اقامت یہ قول ابوبکر بن داؤد کا ہے، ۶) نہ اذان واقامت یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔

قولہ بشرط الامام الخ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کا جواز تین شرطوں پر موقوف ہے۔ اول بادشاہ یا اس کے نائب قاضی وغیرہ کا ہونا اگر بادشاہ یا اس کا نائب نہ ہو تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں؛ دوم ظہر وعصر دونوں نمازوں میں حج کا احرام ہونا۔ اگر ظہر کی نماز عمرہ کے احرام سے اور عصر کی نماز حج کے احرام سے پڑھے تو جمع بین الصلاتین جائز نہیں سوم جماعت کا ہونا اگر کسی نے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لی تو اس کے لئے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں وہ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھے گا؛ صاحبین کے نزدیک صرف احرام حج کا ہونا کافی ہے؛ امام احمد؛ امام شافعی؛ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

قولہ ثم الی الموقف الخ پھر نماز کے بعد موقف کی طرف جائے اور جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے سیاہ پتھروں کے پاس قبلہ رخ ٹھہر جائے۔ یہیں ٹھہرنا سنت ہے؛ عوام جو پہاڑ پر چڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں یہ بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے؛ کل عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جہاں چاہے ٹھہر جائے؛ مگر بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ (۱)

فائدہ: وقوف بعرفہ ارکان حج میں سے عظیم ترین رکن ہے؛ صحیح حدیث میں ہے کہ "الحج عرفۃ" حج وقوف بعرفہ ہے۔ اس کی صحت کیلئے دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ عرفات کی زمین میں ہو۔ دوم یہ کہ اس کے وقت میں ہو وہاں کھڑا ہونا اور نیت کرنا نہ وقوف بعرفہ کیلئے شرط ہے اور نہ واجب؛ یہاں تک کہ اگر کسی نے بیٹھے یا راہ چلتے یا بھاگتے یا مدیون کو تلاش کرتے یا سوتے ہوئے وقوف کیا تو وقوف صحیح ہے اس واسطے کہ فریضہ وقوف صرف وہاں موجود ہونا ہے اور بس۔

قولہ داعیا الخ عرفہ کے دن کریم مطلق کا دریائے رحمت خوب جوش میں ہوتا ہے اسلئے بصدق ذوق وشوق اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دولت قسمت کے سکندروں کو نصیب ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "افضل دعا یوم عرفہ کی

(۱) .. ابن ماجہ عن جابر؛ احمد؛ ابن حبان؛ ترمذی؛ طبرانی؛ عن جبیر بن مطعم؛ حاکم؛ طبرانی عن ابن عباس؛ ابن عدی عن ابن عمر وابی ہریرۃ۔۱۲

دعا ہے ''اللھم ہب لنا زیادۃ المسجد الحرام وروضۃ سید الانام علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام۔
فائدہ: مکہ معظمہ میں پندرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں ہر دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور وہ پندرہ جگہیں صاحب نہر کے اس قطعہ میں منظوم ہیں'' دعاء البرایا یستجاب بکعبۃ :: وملتزم والموقفین کذا الحجر :: طواف وسعی مروتین فزمزم :: مقام ومیزاب جمارک تعتبر۔ دلائل الاسرار میں مناسک حسن نقاش سے وہ ساعات بھی مذکور ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں بیت اللہ میں عصر کے بعد دونوں ستونوں کے سامنے) ملتزم میں آدھی رات موقف عرفات میں بوقت غروب، موقف مزدلفہ میں بوقت طلوع، طواف میں ہر وقت' سعی میں اور صفا ومروہ پر بوقت عصر' زمزم کے پاس بوقت غروب' مقام ابراہیم میں اور میزاب رحمت کے نیچے سحر کے وقت جمار کے پاس بوقت طلوع' ان امکنہ میں اجابت دعا حسن بصری کے مکتوب سے ثابت ہے جو آپ نے اہل مکہ کو لکھا تھا شیخ عبد الملک ابن جمال الدین ملازادہ عصامی نے ایک نظم لکھی ہے جس میں مواضع مذکور مع ساعات قدرے اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں وہ یہ ہے

قد ذکر النقاش فی المناسک	وھو لعمری عمدۃ للناسک
ان الدعاء فی خمسۃ وعشرۃ	بمکۃ یقبل ممن ذکرہ
وھی المطاف مطلقا والملتزم	بنصف لیل فھو شرط ملتزم
وداخل البیت بوقت العصر	بین یدی جذعیہ فاستقر
وتحت میزاب لہ وقت السحر	وھکذا خلف المقام المفتخر
وعند بئر زمزم شرب الفحول	اذا دنت شمس النھار للافول
ثم الصفا و مروۃ والمسعی	بو قت عصر فھو قید یرعی
کذا منی فی لیلۃ القدر اذا	تنصف اللیل فخذ مایحتذی
ثم لدی الجمار والمزدلفۃ	عند طلوع الشمس ثم عرفہ
بموقف عند غروب الشمس قل	ثم لدی السدرۃ ظھر اوکمل
وقدروی ھذا الوقوف طرا	من غیر تقیید بما قد مرا
بحر العلوم الحسن البصری عن	خیر الوری ذاتا ووصفا وسنن
صلی علیہ اللہ ثم سلما	والہ والصحب ماغیث ھما

ثُمَّ اِلیٰ مُزْدَلِفَۃَ بَعْدَ الْغُرُوْبِ وَانْزِلْ بِقُرْبِ جَبَلِ قُزَحِ وَصَلِّ بِالنَّاسِ الْعِشَآئَیْنِ بِاَذَانٍ وَاِقَامَۃٍ
پھر چل مزدلفہ کی طرف دن چھپے اور اتر جبل قزح کے قریب اور نماز پڑھ جماعت کیساتھ مغرب اور عشاء کی ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ
وَلَمْ یَجُزِ الْمَغْرِبُ فِی الطَّرِیْقِ ثُمَّ صَلِّ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ ثُمَّ قِفْ مُکَبِّرًا مُھَلِّلًا مُلَبِّیًا مُصَلِّیًا عَلَی النَّبِیِّ ﷺ
اور جائز نہ ہوگی نماز مغرب راستہ میں پھر پڑھ نماز فجر صبح سویرے پھر توقف کر تکبیر وتہلیل تلبیہ اور حضور ﷺ پر درود بھیجتا ہوا
دَاعِیًا رَبَّکَ بِحَاجَتِکَ وَقِفْ عَلیٰ جَبَلِ قُزَحَ اِنْ اَمْکَنَکَ وَاِلَّا فَبِقَرِیْبٍ مِّنْہُ وَھِیَ مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ
اپنے رب سے اپنی مراد مانگتا ہوا اور ٹھہر جبل قزح پر اگر ہو سکے ورنہ اس کے قریب اور مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے سوائے بطن محسر کے

ثُمَّ اِلٰى مِنٰى بَعْدَ مَا اَسْفَرَ فَارْمِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَاةٍ كَحَصَى الْخَذْفِ وَكَبِّرْ

پھر چل منی کی طرف روشنی ہو جانے کے بعد پس جمرہ عقبہ کی رمی کر وادی کے اندر سے ایسی سات کنکریوں کیساتھ جن کو انگلی سے مار سکیں اور تکبیر کہہ

بِكُلِّ حَصَاةٍ وَاقْطَعِ التَّلْبِيَةَ بِاَوَّلِهَا ثُمَّ اذْبَحْ ثُمَّ احْلِقْ اَوْقَصِّرْ وَالْحَلْقُ اَحَبُّ وَحَلَّ لَكَ غَيْرُ النِّسَآءِ

کنکری کے ساتھ اور ختم کر تلبیہ پہلی کنکری سے پھر قربانی کر پھر سر کے بال مونڈ یا کترو اور مونڈنا پسندیدہ ہے اور جائز ہوگئی تیرے لئے ہر چیز عورت کے سوا۔

وقوف مزدلفہ اور رمی کا بیان

توضیح اللغۃ: قزح: مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے۔ جس پر بقول بعض حضرت آدم کی بھٹی تھی ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ یہ موقف انبیا ہے۔ لفظ قزح علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ کیونکہ یہ قازح بمعنی مرتفع سے معدول ہے، غلس: آخر رات کی تاریکی محسر: بمعنی عاجز کر دینے والا، منی اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں چونکہ اصحاب فیل عاجز ہو کر غارت ہو گئے تھے اسلئے اسکو محسر کہتے ہیں۔ (طحطاوی) اسفر: الصبح روشن ہونا، جمرۃ: مفرد ہے جسکی جمع جمار ہے چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں منی میں جماران تین مکانوں کا نام ہے جن پر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں ایک کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں جو مسجد خیف کے پاس ہے دوسرا جمرۂ وسطی ہے اور تیسرا جمرۂ عقبہ، حصیات: جمع حصاۃ کنکری، خزف ٹھیکرے وغیرہ کے پھینکنے کو کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ: **قولہ ثم الی مزدلفہ الخ** جب عرفات میں آفتاب غروب ہو جائے تو وہاں سے مزدلفہ آئے۔ اور جبل قزح کے قریب اترے کیونکہ آنحضرت صلعم اور حضرت عمر نے یہیں نزول فرمایا ہے[1]۔ نیز آیت، فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام، مشعر حرام سے مراد یہی جبل قزح ہے۔ عرفات سے غروب کے بعد چلنا ضروری ہے، اگر غروب سے پہلے چل دیا اور حدود عرفات سے متجاوز ہو گیا تو خون دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ عرفات سے چلنا باتفاق رواۃ بعد الغروب[2] ہے۔ پھر وہیں مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ پڑھے۔ یہ جمع بین الصلاتین جمع تاخیر کہلاتی ہے۔

سوال: عرفات کی جمع بین الصلاتین کی طرح یہاں بھی دو اقامتیں ہونی چاہییں چنانچہ امام زفر اسی کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔

جواب: نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ پڑھی[3] ہے۔ نیز چونکہ دوسری نماز یعنی عشاء اپنے اصلی وقت پر ہے۔ اور لوگ سب مجتمع ہیں۔ اسلئے دوبارہ اقامت سے اطلاع کرنا ضروری نہیں۔ بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر کی نماز اپنے وقت پر نہیں ہوتی۔ سوال امام صاحب کے نزدیک مزدلفہ کی جمع بین الصلاتین میں امام اور جماعت کا ہونا شرط نہیں اور عرفات میں شرط ہے۔ حالانکہ احادیث سے دونوں میں جماعت کا ثبوت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب اسلئے کہ یہاں مغرب اپنے وقت سے مؤخر ہے اور وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھنا امر معقول ہے۔ بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر اپنے وقت سے مقدم ہوتی ہے۔ اور نماز کو اسکے وقت پر مقدم کرنا خلاف قیاس ہے۔ اسلئے اس میں مورد کی تمام شروط واردہ کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

قولہ ولم تجز الخ اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو امام طرفین، زفر، حسن بصری کے نزدیک جائز نہ ہوگی بلکہ اس کو مزدلفہ پہنچکر دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ اس نے مغرب اس کے وقت میں پڑھی ہے۔ لہذا اعادہ ضروری نہیں البتہ خلاف سنت ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو راہ میں اتر کر آپ نے پیشاب کیا اور ناتمام وضو کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ نماز پڑھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا: نماز تیرے آگے ہے۔ پس آپ مزدلفہ پہنچے اور وہاں پورا وضو کر کے مغرب وعشاء کی نماز پڑھی[4]۔ معلوم ہوا کہ یہ نماز زمان

(۱) ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، عن علی، حاکم عن جابر، ابو یعلی عن ابی رافع ۱۲

(۲) ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن علی، ابو داؤد عن اسامہ، حاکم، طبرانی عن ابن عمر ۱۲

(۳) ... ابن ابی شیبہ عن جابر والی ایوب، صحیحین عن اسامہ، طبرانی عن ابی ایوب، مسلم عن سعید بن جبیر، ابو داؤد، عن ابن عمر ۱۲ (۴)۔ صحیحین عن اسامہ ۱۲۔

ومکان اور وقت مخصوص یعنی یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔

فائدہ: علامہ شہاری نے، منسک میں ذکر کیا ہے کہ راستہ میں نمازِ مغرب پڑھنے کا جو حکم اوپر مذکور ہوا یہ اس وقت ہے جب مزدلفہ میں اسی کی راہ سے جائے۔اور اگر کسی اور راستے سے جائے تو درمیان راہ میں مغرب کی نماز پڑھنا بلا توقف صحیح ہے۔(منحۃ الخالق)۔

فقہی پہیلی: علامہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ مسئلہ فقہی چیستان ہے کیونکہ اس پر چند سوالات ہوتے ہیں۔جن کے جواب میں فقیہ کو حیرانی ہوتی ہے۔ہم یہاں وہ سوالات مع جوابات نقل کرتے ہیں۔سوال وہ کون سی فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہے نہ اقامت؟ جواب عشاء کی نماز ہے جو مزدلفہ میں پڑھی جاتی ہے۔(بشرطیکہ مغرب وعشاء میں فصل نہ ہو)۔

سوال: وہ کون سی نماز ہے جو پوری شروط ادائیگی کے ساتھ وقت پر پڑھی جائے اور پھر واجب الاعادہ ہو؟ جواب مزدلفہ کی مغرب اور اسی طرح عشاء کی نماز ہے جو راہ میں یا عرفات میں پڑھی جائے۔سوال: وہ کونسی عشاء ہے جسکو صاحب ترتیب مغرب سے پہلے پڑھے اور صحیح ہو؟ جواب: مزدلفہ کی عشاء ہے جو اپنے وقت پر پڑھی گئی ہو۔اور پھر صبح صادق ہوگئی ہو۔سوال: وہ کون سی نماز ہے جسکو ایک خاص جگہ میں پڑھنا ضروری ہے؟ جواب: مزدلفہ کی مغرب و عشاء (غایہ)۔

قولہ وھی موقف الخ مزدلفہ تمام ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادی محسر کے کیونکہ عرفات میں بطن عرنہ اور مزدلفہ میں وادی محسرّ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[1]

قولہ فارم الخ جب منی میں آئے تو جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے یا ابہام کے سرے کو سبابہ کے سرے پر رکھ کر مارے، سات کی قید کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کم جائز نہیں۔پھر کنکریاں مارنیوالے اور جمرہ کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔یہ امام ابو حنیفہ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے۔(ہدایہ) البحر الرائق میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اتنا فاصلہ واجب ہے۔کنکری مارنیوالا پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ موقوف کردے خواہ مفرد بالحج ہو یا متمتع ہو یا قارن ہو۔کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے رہے۔یہاں تک کہ آپ جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لائے۔اور پہلی کنکری کیساتھ تلبیہ کو ختم کردیا۔ہاں ہر کنکری کیساتھ تکبیر کہتا رہے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے[2]

(تنبیہ) : بعض کتب میں جو یہ مرقوم ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لائے یا اس پہاڑ سے لائے جو مزدلفہ اور منی کے درمیان ہے، سو یہ سنت نہیں بلکہ جہاں سے چاہے اٹھالے البتہ جو کنکریاں جمرات کے پاس پڑی رہتی ہیں وہ نہ اٹھائے کیونکہ وہ مقبول نہیں مردود ہیں۔ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا: اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جمرات پر کنکریاں پھینکتے۔ہیں اور کنکریوں کا انبار نہیں لگتا؛ حالانکہ اتنی مدت میں کنکریوں کا ایک پہاڑ بن جانا چاہئے تھا جو آسمان سے باتیں کرتا۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں جس کا حج قبول ہوتا ہے اسکی کنکریاں اٹھوالی جاتی ہیں۔اور جسکا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں[4]۔اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے[5]

(فائدہ): کنکری کی مقدار میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ لوبیئے کی برابر ہو اگر اس سے بڑی یا چھوٹی سے مارے تب بھی جائز ہے۔ان سب جمرات کی کنکریوں کی شمار ستر ہے۔یعنی سات جمرۂ عقبہ کی اور منی کے تینوں دنوں میں ہر دن تینوں جمرات کی سات سات کنکریاں۔

---

(۳) فی منی خمس آیات هذه احداها وقد نظمها بعضهم فقال۔

وآی منی خمس فمنها اتساعها ... لحجاج بیت اللّٰہ لو جاوزوا الحدا
ومنع حداة خطف لحم بارضها ... وقلة وجدان البعوض بها عدا
وكون ذباب لا يعاقب طعمها ... ورفع حصى المقبول دون الذي ردا

(۱) صحیح بخاری وغیرہ ۱۲ (۲) .. صحیحین عن ابن مسعود، بخاری عن ابن عمر ۱۲، (۴) .. ابونعیم، ابن ابی شیبہ ابن راہویہ ۱۲ (۵) کماکم، دار قطنی عن ابی سعید الخدری ۱۲۔

ثُمَّ اِلٰی مَكَّةَ يَوْمَ النَّحْرِ اَوْغَدًا اَوْبَعْدَهٗ فَطُفْ لِلرُّكْنِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ بِلاَ رَمَلٍ وَسَعْيٍ اِنْ قَدَّمْتَهُمَا وَاِلاَّ فَعَلاَ

پھر آ مکہ میں دسویں تاریخ کو یا گیارہویں کو پس طواف رکن کر سات چکر رمل اور سعی کے بغیر اگر کر چکا ہو پہلے ورنہ دونوں چیزیں کیجائینگی

وَحَلَّتْ لَكَ النِّسَآءُ وَكُرِهَ تَاْخِيْرُهٗ عَنْ اَيَّامِ النَّحْرِ ثُمَّ ارْجِعْ اِلٰی مِنًی فَارْمِ الْجِمَارَ الثَّلٰثَةَ فِيْ ثَانِي النَّحْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ

اور جائز ہوگئی تیرے لئے عورت اور مکروہ ہے اس کی تاخیر ایام نحر سے پھر جا منیٰ میں اور رمی کر تینوں جمروں کی گیارہویں تاریخ کو زوال کے بعد

بَادِيًا بِمَا يَلِي الْمَسْجِدَ ثُمَّ يَلِيْهَا ثُمَّ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ وَقِفْ عِنْدَ كُلِّ رَمْيٍ بَعْدَهٗ رَمْيٌ

شروع کرتا ہوا اس سے جو مسجد کے پاس ہے پھر جو اس کے پاس ہے پھر جمرۂ عقبہ کی اور توقف کر ہر اس رمی کے وقت جس کے بعد رمی ہے

ثُمَّ غَدًا كَذٰلِكَ ثُمَّ بَعْدَهٗ كَذٰلِكَ اِنْ مَكَثْتَ فِيْهِ وَلَوْ رَمَيْتَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ قَبْلَ الزَّوَالِ صَحَّ

پھر گیارہویں اور بارہویں کو بھی اسی طرح کر اگر تو ٹھہرا ہے اور اگر رمی کرے تیرہویں کو زوال سے پہلے تو صحیح ہے

وَكُلُّ رَمْيٍ بَعْدَهٗ رَمْيٌ فَارْمِ مَاشِيًا وَاِلاَّ رَاكِبًا وَكُرِهَ اَنْ تُقَدِّمَ ثِقْلَكَ اِلٰی مَكَّةَ وَتُقِيْمَ بِمِنًی لِلرَّمْيِ

اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے پیادہ پا ہو کر مار ورنہ سوار ہو کر اور مکروہ ہے یہ کہ روانہ کردے اپنا سامان مکہ کو اور تو ٹھہرا ہے منیٰ میں رمی کے لئے

ثُمَّ اِلَی الْمُحَصَّبِ فَطُفْ لِلصَّدْرِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ وَهُوَ وَاجِبٌ اِلاَّ عَلٰی اَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ اشْرَبْ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ

پھر پہنچ محصب میں اور طواف صدر کر سات چکر اور یہ واجب ہے مگر اہل مکہ پر پھر پی آب زمزم

وَالْتَزِمِ الْمُلْتَزَمَ وَتَشَبَّثْ بِالْاَسْتَارِ وَالْتَصِقْ بِالْجِدَارِ

اور لپٹ جا ملتزم سے اور پکڑ کعبہ کے پردوں کو اور چمٹ جا دیوار سے۔

طواف رکن وطواف صدر اور رمی جمار کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ثم الی مکۃ الخ پھر دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو مکہ آئے اور طواف زیارت کرے جسکو طوافِ افاضہ طواف یوم نحر، طواف رکن بھی کہتے ہے۔ اب اگر وہ اس سے قبل سعی کر چکا ہو تو اس طواف میں رمل اور سعی نہ کرے۔ کیونکہ انکا تکرر مشروع نہیں۔ اور اگر رمل وسعی نہ کی ہو تو دونوں کرے۔ طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ایسا کریگا تو امام صاحب کے نزدیک خون دینا واجب ہوگا۔

قولہ ثم الی منی الخ طواف زیارت کے بعد منیٰ آئے اور گیارہویں تاریخ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے، رمی کی ابتدا جمرۂ اولیٰ سے کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے پھر جمرۂ وسطیٰ کی جو جمرۂ اولیٰ کے قریب ہے۔ ان دونوں کے درمیان ۲۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اسمیں اور پہلے دو میں ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ جمار ثلاثہ کی مذکورہ بالا ترتیب مسنون ہے واجب نہیں۔

قولہ وکل رمی الخ جس رمی کے بعد رمی ہے جیسے جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی تو یہ پیادہ پا افضل ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اگر سوار ہو کر رمی کریگا تو ٹھہرنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اور جس رمی کے بعد رمی نہیں ہے۔ جیسے جمرۂ عقبہ کی رمی تو یہ سوار ہو کر افضل ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ٹھہرنا نہیں ہوتا۔ یہ تفصیل امام ابو یوسف سے منقول ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں تینوں مقام میں پیدل رمی کرنے کو افضل کہا ہے کمال الدین وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ پیدل رمی کرنے میں تواضع زیادہ ہے۔ بالخصوص جبکہ اس زمانہ میں اکثر مسلمان پیادہ پا ہوتے ہیں۔ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار ہو کر رمی کرنا ثابت ہے۔ پس یہی افضل ہونا چاہئے۔ جواب۔ آپکا سوار ہو کر رمی کرنا برائے تعلیم جواز تھا نہ کہ بطریق استنان۔

قولہ ثم الی المحصب الخ منی سے مکہ واپس ہوتے وقت اول محصّب میں اترنا اور وہاں ٹھہرنا سنت ہے گو ایک ہی ساعت کیلئے ہو لیکن

بہتر یہ ہے کہ ظہر و عصر، مغرب، عشاء و ہیں پڑھے۔ اور محصب میں ایک نیند لیکر مکہ آے حدیث میں اسی طرح[1] ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سنت نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ آپکا محصب میں اترنا اتفاقی تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ۔ حضور صلعم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ ہم کل حیف بنی کنانہ میں اتریں گے[۲]

قولہ فطف الخ مکہ سے رخصتی کے وقت بلا رمل و سعی طواف کرے۔ جسکو طوافِ وداع کہتے ہیں۔ یہ احناف اور امام احمد کے نزدیک آفاقیوں پر واجب ہے۔ امام مالک و امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ کوئی کوچ نہ کرے بدون طواف کے[۳]

فَصْلٌ مَنْ لَّمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ سَاعَةً

(فصل) جو شخص نہیں داخل ہوا مکہ میں اور ٹھہر گیا عرفات میں تو ساقط ہو جائیگا اس سے طواف قدوم اور جو شخص توقف کرے عرفہ کے روز ایک ساعت

مِنَ الزَّوَالِ اِلٰی فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهٗ وَلَوْ جَاهِلاً اَوْ نَائِمًا اَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ وَلَوْ اَهَلَّ عَنْهُ

زوال شمس سے دسویں کی صبح تک تو اس کا حج پورا ہو گیا گو بے جانے یا سوتے ہوئے یا بیہوشی کی حالت میں اور اگر احرام باندھے اسکی طرف سے

رَفِيْقُهٗ بِاِغْمَآئِهٖ صَحَّ وَالْمَرْأَةُ كَالرَّجُلِ غَيْرَ اَنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لاَ رَأْسَهَا وَلاَ تُلَبِّیْ جَهْرًا

اس کا ہمسفر اسکی بیہوشی کی وجہ سے تو صحیح ہے اور عورت مانند مرد کے ہے بجز اسکے کہ وہ کھولے اپنا منہ نہ کہ سر اور نہ لبیک کہے بلند آواز سے

وَلاَ تُرْمِلُ وَلاَ تَسْعٰی بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ وَلاَ تَحْلِقُ بَلْ تُقَصِّرُ وَتَلْبَسُ الْمَخِيْطَ وَمَنْ قَلَّدَ بُدْنَةً تَطَوُّعٍ اَوْ نَذْرٍ اَوْ جَزَآءِ صَيْدٍ

اور نہ رمل اور سعی کرے میلین کے درمیان اور نہ منڈائے بلکہ کترا وائے اور پہنے سلا ہوا کپڑا جس نے پٹا ڈالا نفلی یا نذر یا جزائے صید وغیرہ کی قربانی

وَنَحْوِهٖ وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَدْ اَحْرَمَ فَاِنْ بَعَثَ بِهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ لاَ حَتّٰی يَلْحَقُهَا

کے گلے میں اور متوجہ ہوا اسکے ساتھ بارادۂ حج تو وہ محرم ہو گیا پس اگر روانہ کر دیا اس کو پھر متوجہ ہوا تو محرم نہ ہو گا جب تک کہ اس سے نہ ملے

اِلاَّ فِی الْبُدْنَةِ الْمُتْعَةِ فَاِنْ جَلَّلَهَا اَوْ اَشْعَرَهَا اَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا وَالْبُدْنُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ

مگر بدنہ تمتع میں پھر اگر اس پر جھول ڈالے یا زخم لگائے یا بکری کے گلے میں پٹا ڈالے تو محرم نہ ہو گا اور بدنہ اونٹ اور گائے کا معتبر ہے۔

افعال حج سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ من لم یدخل الخ کسی نے میقات سے احرام باندھا اور مکہ جانے کے بجائے سیدھا عرفات چلا گیا تو اس سے طوافِ قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ ابتداء حج میں طواف قدوم کی مشروعیت اس طور پر ہے کہ باقی افعال حج اس پر مرتب ہوں پس اسکے خلاف طواف کرنا سنت نہیں ہو سکتا۔ سقط عنہ کا مطلب یہی ہے۔ کہ اب اس کے حق میں طواف قدوم سنت نہیں رہا۔ پھر اس پر کچھ واجب بھی نہیں لانہ ترک سنۃ لا واجبا۔

قولہ ومن وقف الخ جو شخص نویں تاریخ کو زوالِ شمس سے دسویں کی فجر تک عرفات میں تھوڑے وقت کے لئے ٹھہر گیا تو اسکا حج پورا ہو گیا گو اسکو معلوم نہ ہو کہ عرفات ہے یا سونے یا بیہوشی کی حالت میں ٹھہرا ہو۔ کیونکہ حج عرفات کے وقوف کا نام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے اور وقوف عرفات کے لئے شرط صرف وہاں موجود ہونا ہے، وقوف کی نیت کرنا، عرفات کا معلوم ہونا وغیرہ شرط نہیں۔

(۱)... بخاری عن انس ۱۲ (۲) یعنی محصب میں، صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲ (۳) مسلم عن ابن عباس، ترمذی، نسائی، حاکم، شافعی عن عمر ترمذی، احمد، طبرانی عن الحارث ۱۲

قولہ ولو اہل الخ کسی نے حج کا احرام باندھا اور ابھی لبیک نہیں کہہ پایا تھا کہ بیہوش ہو گیا اور رفقاء سفر میں سے کسی نے حج کا نام لیکر اسکی طرف سے لبیک کہہ دیا۔ پھر ہوش آنے پر اسنے حج کے افعال ادا کر لئے تو امام صاحب کے نزدیک اسکا حج ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے نہ تو خود احرام باندھا اور نہ کسی کو حکم دیا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے رفقا کیساتھ عقد مرافقت کر کے اپنے ہمسفروں سے ہر اس چیز میں اعانت طلب کی ہیں جسے سے وہ عاجز ہو جائے۔ اور اس سفر کا مقصد احرام ہے جس سے وہ عاجز ہو گیا۔ پس یہاں دلالۃً احرام کی اجازت موجود ہے۔

قولہ ومن قلّد الخ بدنہ نفل (قربانی) یا بدنہ نذر یا بدنہ جزائے صید کے گلے میں جوتے یا چھال وغیرہ کا پٹا ڈال کر بارادۂ حج اپنے ساتھ لیکر کعبہ کی طرف متوجہ ہونے سے محرم ہو جاتا ہے گو تلبیہ نہ کہے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ، جس نے بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالا وہ محرم ہو گیا[1]۔ مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ۱) تقلید ہو۔ ۲) اسکے ساتھ جائے۔ ۳) حج کی نیت ہو پس خالی تقلید اور ہدی بھیجد ینے سے محرم نہ ہو گا جب تک کہ راہ میں اس سے نہ ملے اور نیت نہ کرے۔ شرح طحاوی میں جو یہ مذکور ہے کہ صرف ہدی بھیجد ینے سے محرم ہو جائیگا۔ نیت کرے یا نہ کرے۔ یہ قابل اعتناء نہیں ہے۔

قولہ والبدن الخ احناف کے نزدیک بدنہ اونٹ اور گائے دونوں کا معتبر ہے کیونکہ بدنہ کا اطلاق لغۃً بھی اور شرعاً بھی ہر دو پر ہوتا ہے، قال الجوہری، البدنۃ ناقۃ اور بقرہ، امام نووی نے کہا ہے کہ اکثر اہل لغت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی نے نزدیک بدنہ صرف اونٹ کا معتبر ہے۔ کیونکہ حدیث فضیلت[2] جمعہ میں بقرہ کا عطف بدنہ پر ہے۔ اور عطف متقضی مغایرت ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہے کہ بدنہ بدانت بمعنی ضخامت سے ہے۔ جس میں اونٹ اور گائے دونوں شریک ہیں، اس لئے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ، ہم بدنہ سات آدمیوں کیطرف سے ذبح کرتے تھے۔ کسی نے گائے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ گائے بدنہ ہی میں داخل ہے (مسلم) رہی حدیث مذکور سو اس میں لفظ عام ہے۔ اور مراد ایک خاص فرد ہے یعنی جزور چنانچہ مسلم کی روایت میں لفظ جزور مصرح ہے[3]۔

بَابُ الْقِرَان

باب قران کے بیان میں

ثُمَّ الْاِفْرَادُ		التَّمَتُّعُ	ثُمَّ	وَالْاِفْرَادِ	مِنَ التَّمَتُّعِ	اَفْضَلُ	هُوَ
افراد	پھر	تمتع	پھر		ہے	افضل	قران

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ حج افراد بمنزلۂ مفرد کے ہے۔ اور حج قران بمنزلہ مرکب کے ہے کیونکہ حج افراد میں صرف حج کا احرام ہوتا ہے۔ اور قران میں حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ اسلئے حجِ افراد کے احکام سے فراغت کے بعد حجِ قران کو بیان کر رہا ہے۔

قولہ القران الخ قِران قرن (ن) کا مصدر ہے۔ بمعنی ملانا، جمع کرنا جیسے لِباس بروزن فِعال ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ یقال، قرنتُ البعیرین،، میں نے دو اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا۔ حج قِران میں چونکہ عمرہ اور حج کا احرام ساتھ باندھتے ہیں اسلئے اسکو قران کہتے ہیں۔

قولہ ہو افضل الخ حج کی تین قسمیں ہیں افراد، (۱) قران (۲) تمتع (۳) اور تینوں قسمیں بلاشک وشبہ جائز ہیں جس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ کیونکہ ہر ایک نص قرآنی سے ثابت ہے چنانچہ آیت۔ وللہ علی الناس حجّ البیت، حج افراد کی اور، واتموا الحج

---

(۱) ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن عمر موقوفاً، بخاری، طبرانی عن قیس بن سعد فی معناہ موقوفاً، عبدالرزاق، بزار، طحاوی عن جابر مرفوعاً فی معناہ (۲) صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲۔ (۳)... وجہل من قال ان ہٰذ[illegible] الروایۃ لا اصل لہا ۱۲۔

والعمرۃ للہ، حج قران کی اور فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج، تمتع کی واضح دلیل ہے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے افضل قران ہے۔ پھر تمتع پھر افراد کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، اے آل محمد۔ تم حج اور عمرہ کا احرام ایک ہی ساتھ باندھو[1]۔ نیز اس میں ایک ہی احرام کیساتھ دو عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔ اور احرام بھی بہت دن تک رہتا ہے جسمیں مشقت زیادہ ہے۔

(فائدہ): مذکورہ بالا اختلاف کا منشاء دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں روایات کا اختلاف ہے۔ چنانچہ متعدد روایات میں ہے کہ آپ نے فقط حج کا احرام باندھا[2] تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپکا حج تمتع[3] تھا، لیکن صحیحین وغیرہ کی بیشتر احادیث سے جن کی شمار بیس سے زیادہ ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپنے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا آپ قارن[4] تھے ان مختلف احادیث میں جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ نے اول حج کا احرام باندھا تھا بعدہ، عمرہ کو حج میں داخل کرلیا تھا۔ کیونکہ اہلِ عرب موسمِ حج میں عمرہ کرنے کو گناہِ عظیم تصور کرتے تھے۔ پس آپنے حج کو عمرہ کیساتھ ملالیا تا کہ ان کا یہ گمان باطل ہوجائے، مجدالدین فیروز آبادی نے سفر السعادہ میں شارحِ نقایہ نے اپنی شرح میں، ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسکی تحقیق اور امام طحاوی نے تقریبًا ایک ہزار اوراق میں اس مسئلہ کو پورے بسط کیساتھ لکھا ہے۔

وَهُوَ اَنْ يُّهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مِنَ الْمِيقَاتِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِىْ

اور وہ یہ ہے کہ احرام باندھے عمرہ اور حج کا میقات سے اور کہے الٰہی میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کو میرے لئے آسان کر

وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّىْ وَيَطُوْفُ وَيَسْعٰى لَهَا ثُمَّ يَحُجُّ كَمَا مَرَّ فَاِنْ طَافَ لَهُمَا طَوَافَيْنِ وَيَسْعٰى سَعْيَيْنِ جَازَ

اور میری طرف سے قبول کرلے اور طواف وسعی کرے عمرہ کیلئے پھر حج کرے جیسا کہ گذر چکا اگر دونوں کے لئے دو طواف اور دو سعی کرے تو جائز ہے

وَقَدْ اَسَاءَ وَاِذَا رَمٰى يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْ بُدْنَةً اَوْ سُبُعَهَا وَصَامَ الْعَاجِزُ عَنْهُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اٰخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ

مگر برا ہے جب رمی کر چکے قربانی کے روز تو بکری یا اونٹ یا اس کا ساتواں حصہ ذبح کرے اور روزے رکھے عاجز تین کہ آخری عرفہ کے دن ہو

وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ وَلَوْ بِمَكَّةَ فَاِنْ لَّمْ يَصُمْ اِلٰى يَوْمِ النَّحْرِ تَعَيَّنَ الدَّمُ

اور سات جبکہ فارغ ہوچکے گو مکہ ہی میں ہو اگر روزے نہ رکھے قربانی کے دن تک تو متعین ہوگا خون

وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَقَضَاهَا

اگر داخل نہ ہوا مکہ میں اور ٹھہر گیا عرفات میں تو اس پر خون ہے عمرہ چھوڑنے کا اور عمرہ کی قضا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وہو ان یہل الخ قران کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا ایک ساتھ میقات سے احرام باندھے اور کہے۔ اللّٰہمّ انی ارید العمرۃ اھ۔ پھر عمرہ کے لئے خانہ کعبہ کا طواف کرے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ یہ کل افعال عمرہ کے ہیں۔ ان سے فارغ ہو کر حج کے افعال ادا کرے جنکی تفصیل حج افراد کے بیان میں گذر چکی۔

تنبیہ: قارن کے لئے عمرہ کے افعال کو پہلے کرنا ضروری ہے۔ یہاں تک کے اگر کوئی حج کی نیت سے طواف کریگا تو وہ طواف عمرہ ہی کا ہوگا۔ اور اس کی نیت لغو ہوگی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آیت۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج۔ میں کلمۂ الی ہے۔ جو انتہاءِ غایت کے لئے ہوتا ہے پس

---

(۱) احمد، طحاوی عن ام سلمہ۔ (۲) صحیحین عن عائشہ، مسلم عن جابر، صحیحین، ترمذی، دارقطنی عن ابن عمر۔ (۳) صحیحین عن ابن عمر والاشعری وعائشہ، مسلم عن ابن ابی وقاص، جابر وابی سعید وترمذی عن ابن عباس۔

، احمد عن انس، احمد عن ابن عمر ۱۲ اللعہ صحیحین عن انس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان عن ابن عباس، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی عن صبی بن معید، احمد عن سراقہ، ابوداؤد، نسائی عن ابن عمر ۱۲۔ صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔

عمرہ کو مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ، انتہاج پر ہو سکے۔

سوال۔ آیت تو تمتع کے بارے میں ہے۔ اور گفتگو قارن کے سلسلہ میں ہے۔

جواب: ٹھیک ہے لیکن قران تمتع ہی کے معنی میں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کیذریعہ ایک سفر میں دو عبادتوں کو ادا کرنے کا انتفاع ہوتا ہے۔

فائدہ: جو طریقہ اوپر مذکور ہوا کہ پہلے عمرہ کے لئے پھر حج کے لئے ایک ایک طواف اور ایک ایک سعی کرے یہ ہمارے نزدیک ہے، امام شافعی، امام مالک، اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی ہے۔ دلیل حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ؛ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہوگیا[1]، بعض روایات میں آپکا صریح قول منقول ہے۔ کہ قران میں حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی طواف کافی ہے[2]۔ آنحضرت صلعم اور آپکے اصحاب کا فعل بھی یونہی منقول ہے[3]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت صبیّ بن معبد نے دو طواف اور دو سعی کیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہدیت لسنۃ نبیک، امام ابو حنیفہ نے یہ روایت اسی طرح ذکر کی ہے جس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے[4]، نیز قران کے معنی یہ ہیں ایک عبادت (عمرہ) کو دوسری عبادت (حج) کیساتھ منضم کیا جائے۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہر ایک کے افعال کو پورے طریقہ پر ادا کیا جائے۔ ورنہ تداخل ہوجائیگا۔ حالانکہ عبادت مقصودہ میں تداخل نہیں ہے۔ رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمرہ کا وقت حج کے وقت میں داخل ہوگیا۔ جس میں اہل جاہلیت کے عقیدۂ باطلہ کی تردید ہے گویا حدیث میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کردیا گیا۔ جو شائع ذائع ہے۔ یقال آتیک صلوۃ الظہر ای وقتہا۔

قولہ العمرۃ الخ قران میں پہلے عمرہ ادا ہوتا ہے پھر حج اس لئے عمرہ کو پہلے ذکر کرنا مستحب ہے۔ مصنف نے عمرہ کو حج پر مقدم کر کے یہی بتایا ہے۔

قولہ فان طاف الخ قارن کو پہلے عمرہ کے لئے طواف اور سعی کرنا چاہئے۔ پھر حج کے لئے لیکن اگر پہلے پے در پے دو طواف کر کے پھر دوبارہ سعی کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔ مگر ایسا کرنا برا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طواف قدوم عمرہ کی سعی پر مقدم ہوجائیگا۔ ہاں خون واجب نہیں، کیونکہ صاحبین کے نزدیک تقدیم وتاخیر نسک سے خون واجب نہیں ہوتا اور امام کے نزدیک طواف قدوم سنت ہے۔ جسکو ترک کردینے سے بھی خون واجب نہیں ہوتا۔ پس تاخیر سے تو بطریق اولیٰ خون واجب نہ ہوگا۔ یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد قران کے شکریہ میں بکری یا گائے یا اونٹ کی قربانی کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے قربانی نہ کرسکے تو ایام تشریق کے بعد جہاں چاہے رکھے۔ ان کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں۔ اور اگر یوم نحر تک روزے نہ رکھ سکا تو دم متعین ہوجائیگا۔ قارن پر قربانی کرنے اور بصورت عدم قدرت دس روزے رکھنے کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے۔ فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی اھ۔

---

(۱) .. مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی عن ابن عباس، احمد، طیالسی عن شیبہ، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی عن سراقہ ۱۲۔

(۲) .. مسلم عن عائشہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد عن ابن عمر ۱۲

(۳) .. صحیحین عن ابن عمر و عائشہ، ابن ماجہ عن جابر و ابن عباس، دارقطنی عن ابن عباس، ترمذی، دارقطنی عن جابر، دارقطنی، دارقطنی عن ابی قتادۃ و ابی سعید ۱۲

(۴) .. نسائی فی الکبری عن علی، دارقطنی عن ابن [illegible] وابن مسعود و عمران بن حصین، محمد بن حسن شیبانی [illegible] ابی شیبہ عن علی ۱۲۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

باب تمتع کے بیان میں

هُوَ اَنْ يُحْرِمَ بِعُمْرَةٍ مِنَ الْمِيْقَاتِ فَيَطُوْفَ لَهَا وَيَسْعٰى وَيَحْلِقَ اَوْ يُقَصِّرَ وَقَدْ حَلَّ مِنْهَا

تمتع یہ ہے کہ احرام باندھے عمرہ کا میقات سے اور عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے اور منڈائے یا کتروائے اور اس سے حلال ہو جائے

وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِاَوَّلِ الطَّوَافِ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ وَيَحُجُّ وَيَذْبَحُ فَاِنْ عَجَزَ فَقَدْ مَرَّ

اور موقوف کردے تلبیہ شروع طواف میں پھر احرام باندھے حج کا آٹھویں تاریخ کو حرم سے اور حج کرے اور ذبح کرے پس اگر عاجز ہو تو اس کا حکم

وَاِنْ صَامَ ثَلٰثَةً مِّنَ الشَّوَّالِ لَمْ يُجْزِهٗ عَنِ الثَّلٰثَةِ وَصَحَّ لَوْصَامَ بَعْدَ مَا اَحْرَمَ بِهَا

گذر چکا پس اگر تین روزے رکھے شوال میں پھر عمرہ کرے تو کافی نہ ہوں گے تمتع کے تین روزوں کی طرف سے اور صحیح ہے اگر عمرہ کے احرام کے

قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ فَاِنْ اَرَادَ سَوْقَ الْهَدْيِ اَحْرَمَ بِهَا وَسَاقَ وَقَلَّدَ بُدْنَتَهٗ بِمُزَادَةٍ اَوْنَعْلٍ وَلَايُشْعِرُ

بعد ہو طواف سے پیشتر پس اگر لے جانا چاہے قربانی تو احرام باندھ کر ہانکتا چلے اور قربانی کے گلے میں توشہ دان یا جوتی ڈالدے اور زخم نہ لگائے

وَلَايَتَحَلَّلُ بَعْدَ عُمْرَتِهٖ وَيُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ النَّحْرِ

اور نہ حلال ہو عمرہ کے بعد اور احرام باندھے حج کا آٹھویں تاریخ کو اور اس سے پہلے پسندیدہ ہے پھر جب دسویں کو بال منڈائے

حَلَّ مِنْ اِحْرَامَيْهِ وَلَا تَمَتُّعَ وَلَا قِرَانَ لِمَكِّيٍّ وَمَنْ يَلِيْهَا

تو حلال ہو جائے دونوں احراموں سے اور نہیں ہے تمتع اور نہیں ہے قران اہل مکہ اور اسکے قریب کے باشندوں کیلئے۔

توضیح اللغۃ: یوم الترویۃ: ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ۔ مزادہ، توشہ دان، نعل، جوتا، ولایشعر، اشعار کوئی علامت لگانا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ہوان یحرم الخ تمتع لغت کے اعتبار سے متاع یا متعہ سے ماخوذ ہے۔ بمعنی نفع حاصل کرنا یا نفع پہنچانا۔ اصطلاح شرع میں تمتع اس کو کہتے ہیں کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے۔ پھر حلق یا قصر کرا کے عمرہ کے افعال ادا کرے، ہدایہ، وقایہ، درر اور مجمع وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع میں عمرہ کے احرام کا اشہر حج میں ہونا شرط ہے لیکن مصنف نے اس کی قید نہیں لگائی کیونکہ صحیح یہی ہے کہ احرام کا اشہر حج میں ہونا شرط نہیں چنانچہ فتح القدیر اور اختیار شرح مختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فائدہ: ظاہر الروایہ کے لحاظ سے احناف کے یہاں تمتع افراد سے افضل ہے۔ لیکن امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ کیونکہ متمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آتا ہے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرتا ہے اس کے بعد حج کرتا ہے۔ پس اس کا سفر عمرہ کے لئے واقع ہوا کیونکہ افعال عمرہ کے بعد تو وہ حکماً مقیم سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے اس سے طواف تحیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ بخلاف مفرد کے کہ اس کا سفر حج کے لئے واقع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے افراد افضل ہوا، ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ تمتع میں جمع بین العبادتین ہوتا ہے۔ پس تمتع قران کے مشابہ ہے۔ رہا سفر سو وہ درحقیقت حج ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ عمرہ تو حج کے تابع ہے فصار کتخلل السنۃ بین الجمعۃ والسعی الیہا۔

قولہ ویقطع الخ متمتع کو چاہئے کہ عمرہ کے اول طواف میں لبیک کہنا ختم کردے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جوں ہی بیت اللہ پر نظر پڑے تلبیہ ختم کردے۔ کیونکہ عمرہ زیارت بیت اللہ کا نام ہے جسکا تحقق صرف دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا میں استلام حجر کے وقت تلبیہ ختم کیا تھا۔[1]

قولہ فان صام الخ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے۔ تو یہ تین روزے کافی نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان روزوں کا سبب تمتع ہے۔ اور وہ روزہ رکھنے کی حالت میں متمتع نہیں ہے لہذا ان روزوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ابھی ان روزوں کا سبب ہی موجود نہیں۔ ہاں اگر احرام کے بعد عمرہ کے طواف سے پیشتر روزے رکھ لے تو صحیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں انکا سبب متحقق ہو چکا۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں کیونکہ آیت، فصیام ثلثۃ ایام فی الحج، میں حج کی قید ہے۔ اسلئے روزے رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں حج سے مراد اس کا وقت ہے اذ الحج لا یصلح ظرفا۔

قولہ فان اراد الخ متمتع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ہدی کا جانور اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور ایک وہ جو ہدی ساتھ نہیں لیجاتا۔ ان میں پہلی صورت افضل ہے کیونکہ یہ سنت نبوی کے موافق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ سے ہدی اپنے ساتھ لے گئے تھے[2] پس اگر متمتع اپنے ساتھ ہدی لیجانا چاہے۔ تو اسکو چاہئے کہ پہلے احرام باندھے۔ پھر ہدی ہانک لیجائے۔ اب اگر ہدی کا جانور بکری ہے تو اسکی تقلید مسنون نہیں۔ اور اگر بدنہ (اونٹ یا گائے) ہے تو اسکی تقلید مسنون ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے گلے میں پٹا یا جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا یا کھجور کی چھال ڈال دے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور سواری کا نہیں ہے۔ بلکہ حرم کو جا رہا ہے۔ یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے[3] پھر عمرہ ادا کرے اور عمرہ سے فراغت کے بعد احرام سے حلال نہ ہو بلکہ آٹھویں کو حج کا احرام باندھے اور جب یوم نحر میں حلق کرا چکے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے۔

قولہ ولا یشعر الخ اشعار اسکو کہتے ہیں کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں یا بائیں جانب سے پھاڑ کر خون آلود کر دے تا کہ لوگوں کو اسکا ہدی ہونا معلوم ہو جائے اور گھاٹ وغیرہ پر کوئی اس کے ساتھ تعرض نہ کرے۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اشعار سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[4] امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس کو ہر شخص خوب نہیں کر پاتا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گوشت اور ہڈی کو صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر کوئی صدمہ پہنچائے بغیر اشعار کر سکتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسا اشعار مستحب ہے۔ (طحطاوی) طحاوی، صاحب غایۃ البیان اور ابن الہمام وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے امام صاحب کی جانب سے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ اشعار میں مثلہ کرنا لازم آتا ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ علامہ اتقانی فرماتے ہیں کہ اشعار پر مثلہ کا اطلاق مشکل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے اسوقت منع فرمایا ہے[5] جب آپ مدینہ تشریف لائے اور حجۃ الوداع میں آپنے اشعار کیا ہے اگر یہ از قبیل مثلہ ہوتا تو آپ اشعار نہ کرتے۔ کیونکہ آپنے تو اس سے خود منع فرمایا ہے۔

قولہ ولا تمتع الخ باشندگان مکہ اور اسکے قرب وجوار (مواقیت) میں رہنے والے قران اور تمتع نہ کریں بلکہ صرف حج کریں۔ کیونکہ حضرت سے روایت ہے کہ اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران؛ لیکن اگر کوئی مکی قران یا تمتع کر لے تو جائز ہے کیونکہ قران اور تمتع کی نفی سے مراد حلت کی نفی ہے نہ کہ صحت کی، مگر چونکہ مکی کے لئے ایسا کرنا برا ہے لہذا اس قصور کی وجہ سے اس پر دم واجب ہے یہ تو احناف کے نزدیک ہے امام شافعی کے ہاں اہل مکہ کے لئے قران اور تمتع کی اجازت ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت، فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج الخ میں کلمہ من مکی وغیر مکی سب کو شامل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت غیر مکی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ، ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام، میں ارشار متمتع کی طرف ہے۔ جو فمن تمتع بالعمرۃ، سے مفہوم ہے۔ ہدی اور صوم کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ ذلک علی من لم یکن، کیونکہ وجوب کے لئے علیٰ استعمال ہوتا ہے نہ کہ لام۔

(۱) ترمذی، ابوداؤد عن ابن عباس، واقدی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲ (۲)۔ صحیحین عن ابن عمر ۱۲ (۳)۔ ائمہ ستہ عن عائشہ ۱۲ (۴)۔ بخاری عن مسور ومروان وعائشہ، ائمہ ستہ غیر البخاری عن ابن عباس ۱۲ (۵)۔ صحیحین عن انس، بخاری عن ابن عمر وعبداللہ بن یزید انصاری، ابوداؤد عن سمرۃ، احمد، حاکم عن ابن عمر، ابن ابی شیبہ عن زید بن خالد وعمران بن حصین والمغرۃ واسا [illegible] حکم بن عمیر وعائذ بن قرط وابی ایوب۔

فَإنْ عَادَ الْمُتَمَتِّعُ اِلٰى بَلَدِهٖ بَعْدَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْىَ بَطَلَ تَمَتُّعُهٗ وَاِنْ سَاقَ لَا

پس اگر لوٹ آیا متمتع اپنے شہر کی طرف عمرہ کے بعد اور نہیں روانہ کی قربانی تو باطل ہوجائیگا اس کا تمتع اور اگر روانہ کرچکا ہو تو باطل نہ ہوگا

وَمَنْ طَافَ اَقَلَّ اَشْوَاطِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَاَتَمَّهَا فِيْهَا وَحَجَّ كَانَ مُتَمَتِّعًا وَبِعَكْسِهٖ لَا وَهِىَ شَوَّالٌ

جس نے عمرہ کا کمتر طواف کیا اشہر حج سے قبل اور باقی پورا کرلیا اشہر حج میں تو وہ متمتع ہوجائیگا اور اس کے عکس میں نہ ہوگا اور اشہر حج شوال

وَذُوالْقَعْدَةِ وَعَشْرُ ذِى الْحِجَّةِ وَ صَحَّ الْاِحْرَامُ بِهٖ قَبْلَهَا وَكُرِهَ وَلَواعْتَمَرَ كُوْفِىٌّ فِيْهَا وَاَقَامَ بِمَكَّةَ اَوْبَصْرَةَ

ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس روز ہیں اور صحیح ہے حج کا احرام باندھنا ان سے قبل مگر مکروہ ہے اگر عمرہ کیا کوفی نے اشہر حج میں اور ٹھہر گیا مکہ یا بصرہ میں

وَحَجَّ صَحَّ تَمَتُّعُهٗ وَلَوْ اَفْسَدَهَا فَاَقَامَ بِهَا وَقَضٰى وَحَجَّ لَا اِلَّا اَنْ يَّعُوْدَ اِلٰى اَهْلِهٖ

اور حج کرلیا تو صحیح ہوگا اس کا تمتع اور اگر عمرہ کو فاسد کیا اور مکہ میں ٹھہر گیا پھر قضاء کر کے حج کیا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ لوٹ آئے اپنے اہل کی طرف

وَاَيُّهُمَا اَفْسَدَ مَضٰى فِيْهِ وَلَادَمَ وَلَوْ تَمَتَّعَ فَضَحّٰى لَمْ يَجْزُ عَنْ دَمِ الْمُتْعَةِ

اور ان میں سے جون سے کو فاسد کردے تو اس کے افعال کرتا رہے اس پر ذبح کرنا لازم نہیں اگر تمتع کیا اور قربانی کی تو کافی نہ ہوگی دم تمتع کی طرف سے

وَلَوْحَاضَتْ عِنْدَ الْاِحْرَامِ اَتَتْ بِغَيْرِ الطَّوَافِ وَلَوْ عِنْدَ الصَّدْرِ تَرَكَتْ كَمَنْ اَقَامَ بِمَكَّةَ

اگر عورت حائضہ ہوگئی احرام کے وقت تو طواف کے علاوہ ارکان ادا کرے اور اگر طواف صدر کے وقت ہوئی تو اس کو چھوڑ دے مثل اس کے کہ جو مکہ میں مقیم ہوجائے۔

تشریح الفقہ: قولہ فان عاد الخ ایک متمتع اپنے ساتھ ہدی نہیں لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے شہر کو واپس ہوگیا تو اس کا تمتع باطل ہوگیا کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے اہل وعیال کیساتھ صحیح المام کرلیا اور المام صحیح سے تمتع باطل ہوجاتا ہے۔ تابعین کی ایک جماعت سعید بن المسیب، عطا، مجاہد، طاؤس، نخعی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اور اگر وہ ہدی ساتھ لے گیا ہو۔ اور پھر عمرہ کے بعد اپنے گھر کو چلا آئے تو اپنے گھر کو چلا آئے تو شیخین کے نزدیک اس کا تمتع باطل ہوگا۔ ہاں امام محمد کے نزدیک اس صورت میں بھی تمتع باطل ہے۔ کیونکہ اس نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ ہدی لیجانا چونکہ تحلل سے منع ہے۔ اسلئے جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس کے لئے واپس ہونا واجب ہے۔ پس المام صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ المام صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال میں آکر اقامت گزین ہوجائے اور اس پر واپس ہونا واجب نہ ہو۔ اور اس صورت میں یہ چیز پائی گئی لہذا اسکا تمتع باطل نہ ہوگا۔

قولہ ولواعتمر الخ ایک کوفی (یعنی آفاقی) نے اشہر حج میں عمرہ کر کے احرام اتار دیا اور مکہ میں (یعنی مواقیت کے اندر) یا بصرہ میں (یعنی اپنے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ میں) ٹھہرا رہا اور پھر اس نے اسی سال حج کرلیا تو اس کا تمتع صحیح ہے۔ کیونکہ ابھی اس کا سفر باقی ہے۔ اور اگر اس نے اشہر حج میں عمرہ کو فاسد کردیا ہے اور مکہ میں ٹھہرا رہا اور عمرہ کی قضا کرلی اور حج بھی کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کا تمتع صحیح نہیں کیونکہ عمرہ فاسد کرنیکی وجہ سے اس پر مکہ میں رہنا واجب ہوگیا۔ اور جب وہ اہل مکہ میں مل گیا تو اس کا عمرہ آفاقی نہ رہا۔ مکی ہوگیا۔ ہاں اگر وہ عمرہ فاسد کرنیکے بعد اپنے گھر آجائے اور پھر احرام باندھکر مکہ جائے اور عمرہ ادا کرے تو متمتع ہوجائیگا کیونکہ وطن آکر پھر مکہ جانے کی صورت میں اس کا دوسرا سفر ہوگیا اور اب عمرہ آفاقی اور حج مکی ہوگیا جو تمتع کے لئے مضر نہیں۔

قولہ ولوحاضت الخ اگر کسی عورت کو احرام کے وقت ماہواری شروع ہوجائے تو وہ غسل کر کے احرام باندھے اور طواف بیت اللہ کے علاوہ باقی افعال ادا کرے، جب حضرت عائشہ کو مقام سرف میں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہی حکم فرمایا تھا[1] دیگر احادیث میں بھی یہی حکم مذکور ہے[2]، اور طواف صدر کے وقت حیض شروع ہو تو طواف صدر کو چھوڑ دے۔ کیونکہ حائضہ کے لئے ترک طواف صدر کی اجازت حدیث سے ثابت ہے[3]

محمد حنیف غفرلہ

(۱) صحیحین عن عائشہ۔ (۲) ابوداؤد، ترمذی عن ابن عباس، احمد، ابن ابی شیبہ عن عائشہ۔ (۳) صحیحین عن ابن عباس، ترمذی، نسائی عن ابن عمر۔

بَابُ الْجِنَايَاتِ

باب جنایات کے بیان میں

تَجِبُ شَاةٌ اِنْ طَيَّبَ مُحْرِمٌ عُضْوًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْخَضَبَ رَاْسَهٗ اَوْ لِحْيَتَهٗ بِحِنَاءٍ اَوِادَّهَنَ بِزَيْتٍ اَوْلَبِسَ

واجب ہے بکری اگر خوشبو لگائی محرم نے پورے عضو کو ورنہ صدقہ کرے یا رنگ لیا اپنے سرکو مہندی سے یا زیتون کا تیل لگایا یا پہن لیا

مَخِيْطًا اَوْغَطّٰى رَاْسَهٗ يَوْمًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْحَلَقَ رُبْعَ رَاْسِهٖ اَوْ لِحْيَتِهٖ وَاِلَّا تَصَدَّقَ كَالْحَالِقِ

سلا ہوا کپڑا یا چھپایا اپنے سرکو پورے دن ورنہ صدقہ کرے یا مونڈا اپنے چوتھائی سر یا ڈاڑھی کو ورنہ صدقہ کرے مثل مونڈنے والے کے

اَوْرَقَبَتَهٗ اَوْاِبْطَيْهِ اَوْاَحَدَهُمَا اَوْمَحْجَمَهٗ وَفِيْ اَخْذِ شَارِبِهٖ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَفِيْ شَارِبِ حَلَالٍ

یا مونڈا اپنی گردن یا دونوں بغلوں کو یا ایک کو یا پچھنا لگانے کی جگہ کو اور اپنی مونچھ لینے میں ایک عادل کا حکم ہے اور حلال کی مونچھ مونڈنے

اَوْقَلْمِ اَظْفَارِهٖ طَعَامٌ اَوْقَصَّ اَظْفَارَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِمَجْلِسٍ وَاحِدٍ اَوْ يَدًا اَوْ رِجْلًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ

اور اسکے ناخن کترنے میں کھانا ہے یا کاٹا اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن کو ایک مجلس میں یا ایک ہاتھ اور پاؤں کے ورنہ صدقہ کرے

كَخَمْسَةٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَلَا شَيْءَ بِاَخْذِ ظُفْرٍ مُنْكَسِرٍ فَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ لَبِسَ اَوْ حَلَقَ بِعُذْرٍ

مثل پانچ متفرق ناخن کے اور کچھ نہیں ٹوٹے ہوئے ناخن کے دور کرنے میں اگر خوشبو لگائی یا پہنا یا مونڈا عذر کی وجہ سے

ذَبَحَ شَاةً اَوْ تَصَدَّقَ بِثَلٰثَةِ اَصْوُعٍ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ اَوْصَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

تو ذبح کرے بکری یا صدقہ کرے تین صاع چھ مسکینوں پر یا تین روزے رکھے۔

توضیح اللغۃ: جنایات: جمع جنایۃ۔ ہر امر بد، فعل حرام، خضب: رنگیں کرلیا، حناء: مہندی۔ مخیط، سلا ہوا، غطی ڈھانپ لیا، حالق، مونڈنیوالا، رقبہ، گردن، ابط، بغل، محجم، پچھنا لگنے کی جگہ، شارب، مونچھ، اظفار، جمع، ظفر، ناخن، قص، کاٹ دیا، منکسر، ٹوٹا ہوا، اصوع، جمع صاع۔

قولہ باب الجنایات الخ جنایات جنایۃ کی جمع ہے۔ ہر امر بد کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ فعل مراد ہے جسکی حرمت احرام باندھنے یا احرام میں داخل ہونے کے سبب سے ہو۔ جنایت کی وجہ سے کبھی ایک خون واجب ہوتا ہے، کبھی روزہ واجب ہوتا ہے، کبھی صدقہ، اس باب میں ماتن انہی امور کی تفصیل کر رہا ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے یہاں خون بالغ محرم پر واجب ہوتا ہے۔ بچہ پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔ امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔

قولہ اوادّہن الخ اگر محرم نے زیتون کا تیل استعمال کیا تو امام صاحب کے نزدیک خون اور صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بالوں میں استعمال کیا تو خون واجب ہے۔ کیونکہ اس سے بالوں کی پراگندگی زائل ہوجاتی ہے۔ جو حدیث، الحاج الشعث التفل، کے خلاف ہے۔ ورنہ کوئی چیز واجب نہیں، صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ زیتون کا تیل طعام میں داخل ہے۔ مگر اسکے استعمال میں ایک گونہ انتفاع بھی ہے۔ بایں معنی کہ اس سے جوئیں مرجاتی ہیں اور پراگندگی دور ہوجاتی ہیں۔ اسلئے جنایت بھی ہے۔ مگر جنایت قاصرہ۔ لہذا صدقہ واجب ہوگا نہ کہ خون۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ زیتون کا تیل تو خوشبو کی اصل ہے۔ بایں معنی کہ اس میں خوشبودار پھول گلاب، بیلا، چنبیلی وغیرہ ڈالنے سے خوب خوشبودار ہوجاتا ہے۔ پھر اس سے جوئیں مرتی ہیں۔ بال نرم ہوتے ہیں۔ ان میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ پراگندگی دور ہوتی ہے۔ پس ان تمام امور کے مجموعہ سے جنایت کامل ہوگئی۔ لہذا خون واجب ہوگا۔

قولہ اولبس مخیطا الخ اگر محرم نے سلا ہو کپڑا پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو خون واجب ہوگا۔ بشرطیکہ اسطرح پہنا ہو جس طرح پہننے کی عادت ہے۔ تو اگر قمیص یا قبا کو خلاف [illegible] لطور تہبند باندھا یا پاجامہ اپنے دونوں مونڈھوں پر رکھا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ اسی طر [illegible]

لباس ٹوپی یا پگڑی سے دن بھر اپنا سر چھپایا تو اس پر خون واجب ہوگا۔ لیکن اگر تغار یا گٹھری اٹھانے سے سر چھپایا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

قولہ او حلق الخ اگر محرم نے چوتھائی سر یا چوتھائی ڈاڑھی کے بال مونڈے یا اکھاڑے۔ یا نورہ لگا کر دور کئے تو اس پر خون واجب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ اگر پورے سر کے بال مونڈے تو خون واجب ہے۔ ورنہ نہیں گویا ''ولا تحلقوا روسکم'' کے ظاہر پر عمل ہے۔ کیونکہ راس پورے سر کو کہتے ہیں۔

امام شافعی کے یہاں بہر صورت خون ہے کم ہو یا زائد۔ وہ بالوں کو حرم کی گھاس پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ اس میں قلیل وکثیر برابر ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ سر کے بعض حصے کو مونڈنے میں کامل انتفاع ہے کیونکہ یہ امر معتاد ہے۔ چنانچہ بعض ترکی لوگ وسط راس کو اور بعض علوی لوگ پیشانی کے بالوں کو مونڈتے ہیں پس حلق ربع راس میں کامل جنایت ہے۔ لہذا خون واجب ہوگا۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

فَصلٌ وَلاشَیْءَ اِنْ نظَرَ اِلٰی فَرجِ امْرَأۃٍ بشَھْوَۃٍ فَاَمنٰی وَتَجبُ شَاۃٌ اِنْ قَبَّلَ اَوْ لَمَسَ بِشَھْوَۃٍ

(فصل) اور کچھ نہیں اگر نظر کی عورت کی پیشاب گاہ کی طرف شہوت کیساتھ اور منی نکل گئی اور واجب ہوگی بکری اگر بوسہ لیا یا چھوا شہوت کیساتھ

اَوْ اَفْسَدَ حَجَّہٗ بِجِمَاعِہٖ فِیْ اَحَدِ السَّبِیْلَیْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَاتٍ وَیَمْضِیْ وَیَقْضِیْ وَلَمْ یَفْتَرِقَا فِیْہِ

یا فاسد کر دیا اپنا حج جماع کرنے سے کسی ایک راہ میں وقوف عرفہ سے قبل اور افعال ادا کرتا رہے اور قضا کرے اور نہ جدا ہوں قضا میں

وَبُدْنَۃٌ لَوْبَعْدَہٗ وَلاَ فَسَادَ لَوْجَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ اَوْ فِی الْعُمْرَۃِ قَبْلَ اَنْ یَّطُوْفَ الْاَکْثَرَ وَتَفْسُدُ

اور واجب ہوگا بدنہ اگر وقوف کے بعد ہو اور حج فاسد نہ ہوگا یا جماع کیا حلق کے بعد یا عمرہ میں اس کا اکثر طواف کرنے سے پہلے اور فاسد ہو جائیگا

وَیَمْضِیْ وَیَقْضِیْ اَوْ بَعْدَ طَوَافِ الْاَکْثَرِ وَلاَ فَسَادَ وَجِمَاعُ النَّاسِیْ کَالْعَامِدِ

عمرہ اور اسکے افعال کرتا رہے اور قضا کرے یا جماع کیا اکثر طواف کے بعد اور عمرہ فاسد نہ ہوگا اور بھولنے والے کا جماع کرنا مثل جان بوجھ کر کرنے

اَوْ طَافَ لِلرُّکْنِ مُحْدِثًا وَبُدْنَۃٌ لَوْجُنُبًا وَیُعِیْدُ وَصَدَقَۃٌ لَوْ مُحْدِثًا لِلْقُدُوْمِ

والے کے ہے یا طواف رکن کیا بلا وضو اور بدنہ واجب ہوگا اگر ناپاکی کی حالت میں کیا ہو اور لوٹائے طواف کو اور صدقہ واجب ہوگا اگر طواف قدوم یا

وَالصَّدْرِ اَوْتَرَکَ اَقَلَّ طَوَافِ الرُّکْنِ وَلَوْتَرَکَ اَکْثَرَہٗ بَقِیَ مُحْرِمًا اَوْتَرَکَ اَکْثَرَ الصَّدْرِ اَوْطَافَہٗ جُنُبًا

طواف صدر بلا وضو کیا ہو یا کمتر طواف رکن چھوڑ دیا ہو اور اگر اکثر چھوڑ دیا تو محرم ہی رہے گا یا چھوڑ دیا اکثر طواف صدر کو یا طواف صدر کیا ناپاکی کی

وَصَدَقَۃٌ بِتَرْکِ اَقَلِّہٖ اَوْطَافَ لِلرُّکْنِ مُحْدِثًا وَلِلصَّدْرِ طَاھِرًا فِیْ اٰخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ

حالت میں اور صدقہ واجب ہوگا اگر کمتر طواف چھوڑ دیا یا طواف رکن کیا بلا وضو اور طواف صدر باوضو ایام تشریق کے آخر میں

وَدَمَانِ لَوْطَافَ لِلرُّکْنِ جُنُبًا اَوْ طَافَ لِعُمْرَتِہٖ وَسَعٰی مُحْدِثًا وَلَمْ یُعِدْھُمَا اَوْتَرَکَ السَّعْیَ

اور دو خون واجب ہوں گے اگر طواف رکن کیا ناپاکی کی حالت میں یا عمرہ کے لئے طواف وسعی کی بلا وضو اور نہ لوٹائے ان کو یا چھوڑ دے سعی کو

اَوْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْاِمَامِ اَوْتَرَکَ الْوُقُوْفَ بِالْمُزْدَلِفَۃِ اَوْرَمْیَ الْجِمَارِ کُلِّھَا اَوْ رَمْیَ یَوْمٍ اَوْ اَخَّرَ الْحَلْقَ

یا چلا آئے عرفات سے امام سے قبل یا چھوڑ دے وقوف مزدلفہ کو یا کل رمی جمار کو یا ایک دن کی رمی کو یا مؤخر کر دے منڈانے کو

اَوْ طَوَافَ الرُّکْنِ اَوْ حَلَقَ فِی الْحِلِّ وَدَمَانِ لَوْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ الذَّبْحِ

یا طواف رکن کو یا بال منڈائے حل میں اور دو خون واجب ہونگے اگر قارن ذبح سے قبل بال منڈائے۔

مفسدِ حج وغیر مفسدِ حج امور کا بیان

قولہ ولاشئی الخ اگر محرم نے شہوت کیساتھ عورت کی پیشابگاہ دیکھ لی اور منی خارج ہوگئی تو اُس پر واجب نہیں کیونکہ محرَّم جماع ہے جو یہاں موجود نہیں۔ نہ صورۃً نہ معنیً۔ کیونکہ یہاں نہ ایلاج ہے نہ انزال، اور اگر بوسہ لے لیا یا شہوت کیساتھ چھو دیا یا مادون الفرج میں جماع کرلیا تو بکری واجب ہے۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے امام شافعی کیطرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک اُن تمام صورتوں میں احرام فاسد ہوجائیگا۔ علاّمہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ انتساب صحیح نہیں۔ کیونکہ امام نووی نے، شرح مہذب میں تصریح کی ہے کہ ان صورتوں میں امام شافعی کے یہاں بھی صرف خون واجب ہے۔

قولہ او افسد حجہ الخ اگر وقوف عرفہ سے پیشتر قُبل یا دُبر میں جماع کر کے حج فاسد کردیا تو فسادِ حج کے ساتھ ساتھ بکری بھی واجب ہے۔ فسادِ حج تو ائمہ کے یہاں مجمع علیہ ہے رہا بکری کا واجب ہونا سو یہ ہمارے نزدیک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدنہ واجب ہے۔

یہ حضرات وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور دونوں محرم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے فرمایا: تم دونوں اپنے حج کی قضا کرنا۔ اور ھدی لانا[۱]، اس میں ہدی کا حکم ہے۔ جو بکری کو بھی شامل ہے۔ اور یہ روایت گو مرسل ہے مگر اکثر اہلِ علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ نیز حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ، جماع سے حج باطل ہوجاتا ہے، کسی نے کہا: جب حج باطل ہوگیا تو بیٹھ رہنا چاہئے۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ لوگوں کیطرح افعالِ حج بجالائے۔ اور آئندہ سال اس کی قضا کرے۔ اور ہدی لائے[۲]، صحابہ کرام کے فتوی بھی اس طرح منقول ہیں[۳]۔

قولہ ولم یفترقا الخ جب زوجین قضاءِ حج کیلئے دوسرے سال آئیں تو اُن پر ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا ضروری نہیں کیونکہ ترک جماع کیلئے قضاءِ حج کی مشقت ہی کافی ہے، امام زفر، مالک، شافعی فرماتے ہیں کہ علیحدہ رہنا واجب ہے۔ تاکہ وہ اس موقعہ کو یاد کر کے پھر جماع میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب انکے درمیان امر جامع یعنی نکاح قائم ہے تو افتراق بے سُود ہے۔ احرام کے بعد، قبل از احرام تو اس لئے بے سود ہے کہ ان کے لئے جماع منع ہے۔ اور بعد از احرام اسلئے کہ ایک ذراسی لذت حاصل کرنے کی وجہ سے انکو جو مشقتِ عظیمہ لاحق ہوئی ہے اسکو یاد کر کے وہ پانی پانی ہوجائیں گے پھر ان حضرات کے یہاں موضعِ افتراق میں اختلاف ہے۔ امام مالک کے یہاں گھر سے نکلتے ہی جُدا ہوجانا ضروری ہے۔ امام زفر کے یہاں احرام کے وقت اور امام شافعی کے یہاں اس جگہ پہنچنے کے وقت جس جگہ انہوں نے جماع کیا تھا۔

قولہ وبدنۃ لو بعدہ الخ اور اگر محرم نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج فاسد ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ (جو شخص عرفات میں ٹھہر گیا اسکا حج پورا ہوگیا) البتہ بدنہ واجب ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے[۴]۔

قولہ وجماع الناسی الخ محرم کا بھول کر جماع کرنا ایسا ہی ہے جیسے جان بوجھ کر جماع کرے کہ اگر وقوف عرفہ سے قبل ہو تو حج فاسد ہوجائیگا۔ امام شافعی کے یہاں جماع ناسی مفسدِ حج نہیں۔ جاگتی عورت سے زبردستی یا سوتی عورت سے جماع کرلینے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ نسیان اور نوم و اکراہ میں یہ فعل جنایت نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حالت احرام میں انتفاع مخصوص فسادِ حج کا باعث ہے۔ اور یہ انتفاع ان عوارض سے معدوم نہیں ہوتا۔ لہذا حج فاسد ہوجائیگا۔

---

(۱)۔ ابوداؤد، بیہقی عن یزید بن نعیم ۱۲۔ (۲)۔ دار قطنی عن ابن عمر ۱۲ (۳)۔ مالک عن عمر وعلی وابی ہریرہ ۱۲۔ (۴)۔۔ مالک، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ۱۲۔

فَصلٌ اِنْ قَتَلَ مُحرِمٌ صَيدًا اَوْدَلَّ عَلَيهِ مَنْ قَتَلَهُ فَعَلَيهِ الْجَزَاءُ وَهُوَقِيمَةُ الصَّيدِ بِتَقْوِيمِ الْعَدْلَيْنِ فِي مَقْتَلِهِ

(فصل) اگر مارڈالے محرم شکار کو یا بتائے اس شخص کو جو اس کو مارڈالے تو اس پر جزاء ہے یعنی شکار کی قیمت جو دو عادل ٹھہرائیں اسکےقتل کی جگہ میں

اَوْ اَقْرَبِ مَوْضِعٍ مِّنْهُ فَيَشْتَرِیْ بِهَا هَدْيًا وَذَبَحَهُ اِنْ بَلَغَتْ هَدْيًا اَوْطَعَامًا وَتَصَدَّقَ بِهٖ كَالْفِطْرَةِ

یا اس کے قریب میں پس خریدے اس سے ہدی اور ذبح کرے اگر پہنچ جائے قیمت ہدی کو یا خریدے کھانا اور صدقہ کردے فطرہ کی طرح

اَوْصَامَ عَنْ طَعَامِ كُلِّ مِسْكِيْنٍ يَوْمًا وَلَوْ فَضَلَ اَقَلَّ مِنْ نِّصْفِ صَاعٍ تَصَدَّقَ بِهٖ اَوْ صَامَ يَوْمًا

یا ہر مسکین کے یومیہ کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے اور اگر بچ رہے نصف صاع سے کم تو اس کو خیرات کردے یا ایک روزہ رکھ لے۔

جزائے صید کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ان قتل الخ اگر محرم نے شکار کیا یا شکار کرنیوالے کو بتادیا کہ فلاں مکان میں شکار ہے تو اس پر جزا واجب ہے پہلی صورت میں تو اسلئے کہ آیت، ومن قتله منكم متعمدًا فجزاء الخ، میں وجوب جزا منصوص ہے دوسری صورت میں اسلئے کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث، ہل اشرتم ہل دللتم، میں شکار بتادینے کو بھی محظورات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے یہاں شکار بتادینے پر کچھ واجب نہیں کیونکہ جزا کا تعلق قتل سے ہے اور دلالت کو قتل نہیں کہہ سکتے۔ لہذا اس میں جزا واجب نہیں مگر حدیث مذکور امام شافعی پر حجت ہے۔

قولہ وہو قیمتہ الخ شیخین کے نزدیک جزاء صید میں مماثلت معنوی ضروری ہے یعنی اسکی قیمت کا اعتبار ہے جو دو عادل مسلمان مقرر کردیں اور قیمت مقرر کرنے میں اس جگہ کا لحاظ ہے

جہاں شکار کیا گیا ہے اگر وہاں آبادی نہ ہو تو اسکے قرب وجوار کا اعتبار ہے۔ امام شافعی وامام محمد کے نزدیک مماثلت ظاہری یعنی جزا میں شکار کا ہمشکل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ انکے یہاں ہرن میں بکری، خرگوش میں بکری کا بچہ، شترمرغ میں اونٹ، گورخر میں گائے لازم ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ آیت، فجزاء مثل ما قتل الخ میں مثل مطلق ہے۔ اور مماثلت مطلقہ وہ ہے جو صورۃً اور معنیً ہر دو اعتبار سے مماثل ہو۔ اور مماثلت مطلقہ بالاتفاق مراد نہیں لہذا مماثلت معنویہ متعین ہوگئی کیونکہ شرع میں بھی معہود ہے۔ چنانچہ حقوق العباد میں مماثلت معنوی کا اعتبار ہے۔ بہرکیف شیخین کے نزدیک شکار کی قیمت واجب ہے۔ اب چاہے تو اس قیمت سے ہدی خرید کر مکہ میں ذبح کردے اور چاہے تو کھانا خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور جو صدقہ فطر کی مقدار ہے اسکے مطابق تقسیم کردے یا ہر مسکین کے کھانے کے عوض میں ایک ایک دن کا روزہ رکھ لے۔ اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے کسی کو خیرات کردے اور چاہے اس کے بدلے میں ایک روزہ رکھ لے۔

فائدہ: صید خشکی کے جانور کو کہتے ہیں۔ جو اصل پیدائش کے اعتبار سے وحشی ہو یعنی اگر اسکو پکڑنا چاہیں۔ تو بھاگ جائے۔ تو پلا ہوا ہرن صید میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ اصل خلقت میں وحشی ہے۔ اور وحشی اونٹ اور گائے صید سے خارج ہے۔ کیونکہ انکی اصل خلقت میں وحشت نہیں۔ پھر صید ماکول وغیر ماکول ہر دو کو شامل ہے۔ کہ محرم کے لئے انکا قتل حرام ہے۔

وَاِنْ جَرَحَهُ اَوْ قَطَعَ عُضْوَهُ اَوْنَتَفَ شَعْرَهُ ضَمِنَ وَتَجِبُ الْقِيمَةُ بِنَتْفِ رِيْشِهٖ وَقَطْعِ قَوَائِمِهٖ

اور اگر زخمی کردیا یا اس کا عضو کاٹ دیا یا بال اکھاڑ دیئے تو ضامن ہوگا نقصان کا اور واجب ہوگی قیمت اس کے پر اکھاڑنے سے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے سے

اَوْحَلَبَهُ اَوْ كَسَرَ بَيْضَهُ وَخَرَجَ فَرْخٌ مَّيِّتٌ بِهٖ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِ غُرَابٍ وَحِدَاةٍ وَذِئْبٍ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَفَارَةٍ

اور دودھ دوہنے سے اور انڈا توڑنے سے اور مردہ بچہ کے نکلنے سے اور کچھ نہیں مارڈالنے میں کوے کے اور چیل بھیڑیئے سانپ بچھو چوہے

....

باب الاحرام میں گذر چکی ۱۲۔

وَكَلْبٍ عَقُوْرٍ وَبَعُوْضٍ وَنَمْلٍ بُرْغُوْثٍ وَقُرَادٍ وَسُلْحفَاةٍ وَبِقَتْلِ قُمْلَةٍ وَجَرَادَةٍ تَصَدَّقَ بِمَاشَآءَ وَلاَ يُجَاوِزُ عَنْ شَاةٍ

باولے کتے مچھر چیونٹی پسو چچڑی اوز کچھوے کے اور جوں اور ٹڈی مارنے میں صدقہ کرے جتنا چاہے اور نہ بڑھے بکری سے درندے کے مارنے

بِقَتْلِ السَّبُعِ وَاِنْ صَالَ لاَشَيْءَ بِقَتْلِهٖ بِخِلاَفِ الْمُضْطَرِّ وَلِلْمُحْرِمِ ذَبْحُ شَاةٍ وَبَقَرَةٍ وَبَعِيْرٍ وَدُجَاجَةٍ وَبَطٍّ اَهْلِيٍّ

میں اور اگر درندہ حملہ کرے تو کچھ نہیں اسکے مارنے میں بخلاف مضطر کے اور جائز ہے محرم کو ذبح کرنا بکری گائے اونٹ مرغی اور گھریلو بط کا

وَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ بِذَبْحِ حَمَامٍ مُسَرْوَلٍ وَظَبْيٍ مُسْتَأْنِسٍ وَلَوْ ذَبَحَ مُحْرِمٌ صَيْدًا حَرُمَ وَغَرِمَ بِاَكْلِهٖ

اور اس پر جزاء ہے پامور کبوتر اور مانوس ہرن کے ذبح کرنے سے اور اگر ذبح کرے محرم شکار کو تو حرام ہے اور تاوان دے گا اس کو کھانے سے

لاَ مُحْرِمٌ اٰخَرُ وَحَلَّ لَهٗ لَحْمُ مَااصْطَادَهٗ حَلاَلٌ وَذَبَحَهٗ اِنْ لَّمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِصَيْدِهٖ

نہ کہ دوسرا محرم اور حلال ہے محرم کے لئے گوشت اس کا جو حلال شخص مار کر ذبح کرے اگر محرم نے نہ بتایا ہو اور نہ حکم کیا ہو شکار کرنے کا

وَبِذَبْحِ الْحَلاَلِ صَيْدَ الْحَرَمِ قِيْمَتُهٗ يَتَصَدَّقُ بِهَا لاَ الصَّوْمُ وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ اَرْسَلَهٗ

اور حلال آدمی کے ذبح کرنے سے حرم کے شکار کی قیمت خیرات کرنا واجب ہے نہ کہ روزہ جو شخص داخل ہو حرم میں شکار کیساتھ تو چھوڑ دے اس کو

فَاِنْ بَاعَهٗ رَدَّ الْبَيْعَ اِنْ بَقِيَ وَاِنْ مَاتَ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَمَنْ اَحْرَمَ وَفِيْ بَيْتِهٖ اَوْقَفَصِهٖ صَيْدٌ لاَ يُرْسِلُهٗ

اور اگر بیچ دیا ہو تو بیع واپس کرلے اگر شکار باقی ہو اور اگر مر گیا ہو تو اس پر جزاء ہے جو شخص احرام باندھے اور اس کے گھر یا پنجرے میں شکار ہو تو نہ چھوڑے

وَلَوْ اَخَذَ حَلاَلٌ صَيْدًا فَاَحْرَمَ ضَمِنَ مُرْسِلُهٗ وَلاَ يَضْمِنُ لَوْ اَخَذَهٗ مُحْرِمٌ

اسکو اگر پکڑے حلال آدمی شکار پھر احرام باندھ لے تو ضامن ہوگا اس کو چھوڑنے والا اور ضامن نہ ہوگا اگر پکڑا ہو اس کو کسی محرم نے

باقی احکام صید کا بیان

توضیح اللغۃ: جرحہ، زخمی کردیا، نتف نتفاً پرنوچنا، ریش، پر، قوائم جمع قائمۃ پاؤں، حلب۔ دودھ دوہنا، فرخ، پرندہ کا بچہ، غراب، کوا، حداۃ، چیل، ذئب بھیڑیا، حیہ، سانپ، عقرب، بچھو، فارۃ، چوہا، کلب عقور، کاٹ کھانیوالا کتا، بعوض، مچھر، نمل، چیونٹی، برغوث پسو، قراد، چچڑی، سلحفاۃ، کچھوا، قملہ، جوں، جرادۃ، ٹڈی، درندہ، صال، حملہ کیا، مضطر، بیقرار، حمام مسرول، کبوتر جس کی ٹانگوں پر پر ہوں، ظبی، ہرن، مستانس، مانوس، قفص، پنجرا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولاشئی الخ اگر محرم کوے یا چیل وغیرہ کو مار ڈالے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں حدیث میں ہے کہ، پانچ جانور ایسے ہیں کہ ان کو قتل کرنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں، بچھو، چوہا، کاٹ کھانیوالا کتا، کوا، چیل[1]، روایت میں سانپ، حملہ آور جانور اور بھیڑیئے کی بھی تصریح ہے[2]۔ اور مچھر، چیونٹی وغیرہ کو مار دینے میں اسلئے کچھ نہیں کہ نہ یہ شکار ہیں اور نہ انسان کے بدن سے پیدا ہوتے ہیں۔

قولہ غراب الخ کوے کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو نجاست کھاتا ہے دوسرے وہ نجاست اور دانہ دونوں کھاتا ہے یہ دونوں موذی ہیں۔ انکو مار دینے سے کچھ واجب نہیں، تیسرا کوا اور ہے جس کو عقعق کہتے ہیں، بحر الرائق میں ہے کہ تینوں قسم کے کووں کو مارنا درست ہے پس اس میں عقعق بھی آ گیا تو موذی ہے ہمیشہ جانور کی مبرز کو چونچ سے کھودتا ہے مگر صاحب نہر الفائق نے اس تعمیم کی تردید کی ہے۔ نیز معراج الدرایہ میں ہے کہ عقعق اکثر جانور کو نہیں ستاتا پس دوام اندارسانی کا دعوی ختم ہو گیا ظہیریہ میں ہے کہ عقعق میں دو روایتیں ہیں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ صید میں داخل ہے اور اس کو مارنے میں محرم پر جزا واجب ہے

قولہ وکلب الخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ کلب میں ہر درندہ داخل ہے بدلیل آنحضرت ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے حق میں بددعا کی تھی"

(۱) صحیحین عن ابن عمر ۱۲ (۲) اما الحسیۃ فصرح بہا مسلم واما الصائل فصرح بہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واما الذئب فصرح بہ ابوداؤد والدارقطنی ۱۲۔

اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک ''اور اس کو شیر نے پھاڑ کھایا تھا پس بطریق دلالۃ النص درندہ کے مارنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔

قولہ بخلاف الخ اگر محرم بحالت مخمصہ بھوک کی شدت سے شکار کرنے پر مجبور ہوا اور وہ شکار کر لے تو جزا واجب ہے کیونکہ وجوب کفارہ نص قرآنی کے حکم میں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وجوب جزا میں اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہونے کا اعتبار ہے۔ اور کبوتر اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے گو وہ اپنے بھاری پن کیوجہ سے زیادہ اڑ نہیں سکتا۔ رہا اس کا مانوس ہونا سو وہ امر عارض ہے جس کا اعتبار نہیں۔

قولہ لو ذبح الخ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار نہ اس کیلئے حلال ہے نہ غیر کیلئے امام شافعی کے نزدیک غیر کیلئے حلال ہے نیز احرام سے حلال ہو جانے کے بعد خود اس کیلئے بھی حلال ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب زکوۃ حقیقۃً موجود ہے تو لامحالہ وہ اپنا عمل کریگی البتہ محرم نے چونکہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کیا ہے اس بنا پر اس کے لئے عقوبۃ حرام ہے پس غیر کے حق میں اصل حلت باقی رہے گی ہم یہ کہتے ہیں کہ محرم کے احرام نے شکار کو حلیت سے اور ذابح کو حلال کرنے کی اہلیت سے نکال دیا پس اس کا فعل زکوۃ نہیں ہو سکتا انعدام حلیت صید تو اسلئے ہے کہ آیت'' حرم علیکم صید البر'' میں عین کو حرام فرمایا ہے۔ اور انعدام اہلیت ذابح اسلئے کہ آیت'' لاتقتلوا الصید و انتم حرم'' میں قتل سے تعبیر کیا گیا ہے نہ کہ ذبح سے۔

قولہ وحل لہ الخ محرم کیلئے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو اگر چہ محرم ہی کے واسطے شکار کیا ہو بشرطیکہ محرم نے شکار نہ بتلایا ہو نہ حکم کیا ہو نہ اس پر اعانت کی ہو' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک محرم کیلئے وہ شکار جائز نہیں جو غیر محرم نے محرم کے واسطے کیا ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے شکار حلال ہے جب تک کہ تم شکار نہ کرو یا تمہارے واسطے نہ کیا جائے[1]'' ہماری دلیل حضرت ابو قتادہ کی حدیث'' ہل اشرتم ہل دللتم اھ ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ نے صرف اپنے واسطے شکار نہیں کیا تھا بلکہ محرم اصحاب کیلئے بھی کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح فرمایا رہی حدیث مذکور سو اول تو وہ ضعیف ہے چنانچہ ابو داؤد وغیرہ کی راویت میں مطلب بن حنطب ہے۔ جس کے متعلق امام شافعی اور ترمذی نے صاف لکھا ہے کہ حضرت جابر سے اس کا سماع ہم کو معلوم نہیں۔ امام نسائی نے عمرو بن ابی عمرو کے متعلق کہا ہے کہ گو امام مالک نے ان سے روایت کی ہے مگر یہ قوی نہیں طبرانی کی روایت میں یوسف بن خالد ہے۔ جس کو بخاری' نسائی' شافعی' اور ابن معین نے مغلظ الفاظ میں ضعیف کہا ہے' ابن عدی کی روایت میں عثمان بن خالد ہے جس کے متعلق ابن عدی کا فیصلہ ہے کہ اس کی کل احادیث غیر محفوظ اور اگر صحیح بھی ہوں تو مطلب یہ ہے کہ جب محرم کے حکم سے شکار ہوا ہو تو حلال نہیں۔

قولہ ولو اخذ حلال الخ ایک شخص نے غیر محرم ہونے کی حالت میں شکار پکڑا پھر اس نے احرام باندھ لیا اور کسی نے اس کے ہاتھ میں سے شکار لیکر چھوڑ دیا تو امام صاحب کے نزدیک چھوڑنے والے پر تاوان لازم ہے صاحبین کے نزدیک لازم نہیں کیونکہ اس پر از راہ احسان عدم ارسال حرام اور چھڑانا ضروری ہے۔ پس اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا ہے۔ وما علی المحسنین من سبیل امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ محرم حلال ہونے کی حالت میں ملک محترم کیساتھ اس کا مالک ہوا ہے اور احرام کیوجہ سے اس کا احترام باطل نہیں اور مرسل نے اس کو تلف کر دیا لہٰذا ضامن ہوگا یہی اختلاف آلات لہو کے توڑنے میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک توڑنیوالے پر ضمان نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک ضمان ہے۔ اور اگر حرم کا شکار محرم نے پکڑا ہو تو اس کا چھوڑنے والا بالاتفاق ضامن نہیں کیونکہ محرم شکار کا مالک نہیں ہوتا پس اس کے حق میں شکار خمر وخنزیر کیطرح ہو گیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ابو داؤد' ترمذی' نسائی' حاکم' ابن حبان عن جابر' طبرانی' ابن عدی ابی موسی الاشعری' ابن عدی عن ابن عمر۔ ۱۲

فَاِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ اٰخَرُ ضَمِنَا وَرَجَعَ اٰخِذٌ عَلٰى قَاتِلِهٖ فَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرًا غَيْرَ مَمْلُوْكٍ

پھر اگر مارڈالے اس کو دوسرا محرم تو دونوں ضامن ہونگے اور رجوع کریگا پکڑنے والا اس کے قاتل پر پس اگر کاٹ دی حرم کی گھاس یا غیر مملوک

وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ ضَمِنَ قِيْمَتَهُ اِلَّا فِيْمَا جَفَّ وَحَرُمَ رَعْيُ حَشِيْشِ الْحَرَمِ وَقَطْعُهُ اِلَّا الْاِذْخَرَ

درخت جو لوگ نہ بوتے ہوں تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا مگر جو خشک ہو جائے اس کا تاوان نہیں اور حرام ہے حرم کی گھاس چرانا اور کاٹنا سوائے اذخر کے

وَكُلُّ شَيْءٍ عَلَى الْمُفْرِدِ بِهٖ دَمٌ فَعَلَى الْقَارِنِ دَمَانِ اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ الْمِيْقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ وَلَوْ قَتَلَ الْمُحْرِمَانِ

اور جس چیز کی وجہ سے مفرد باحج پر ایک خون ہے تو قارن پر دو خون ہونگے بجز اسکے کہ بڑھ جائے میقات سے بلا احرام اگر مارڈالا دو محرموں نے

صَيْدًا تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ وَلَوْ حَلَالَانِ لَا وَبَطَلَ بَيْعُ الْمُحْرِمِ صَيْدًا وَشِرَاءُهٗ وَمَنْ اَخْرَجَ ظَبْيَةَ الْحَرَمِ فَوَلَدَتْ

شکار تو متعدد ہوگی جزاء اور دو حلال آدمیوں نے مارا تو متعدد نہ ہوگی اور باطل ہے بیچنا محرم کا شکار کو اور اس کا خریدنا اور جس نے نکالا حرم کی ہرن کو پس

وَمَاتَا ضَمِنَهُمَا فَاِنْ اَدّٰى جَزَائَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَا يَضْمَنُ الْوَلَدَ

اسکے بچہ ہوا اور دونوں مر گئے تو دونوں کا ضامن ہوگا اور اگر ہرنی کا تاوان دینے کے بعد بچہ پیدا ہو تو بچہ کا ضامن نہ ہوگا۔

تتمہ احکامِ صید

توضیح اللغۃ: قولہ فان قتلہ الخ ایک محرم نے شکار پکڑا اور دوسرے محرم نے اس کو قتل کر دیا تو دونوں ضامن ہونگے پکڑنیوالا پکڑنیکی اور قتل کرنے والا قتل کی جزا دیگا لیکن پکڑنیوالا قاتل پر رجوع کریگا یعنی اسنے جتنا ضمان دیا ہے وہ قاتل سے وصول کریگا کیونکہ جو چیز معرض سقوط میں تھی وہ قاتل کے قتل کرنے سے ثابت ہوگئی یعنی اگر قاتل قتل نہ کرتا اور پکڑنیوالا اسکو چھوڑ دیتا تو جزا ساقط ہو جاتی اور جب قاتل نے قتل کرڈالا تو اب پکڑنیوالے پر جزا متعین ہوگئی لہذا آخذ قاتل پر رجوع کریگا۔

قولہ فان قطع الخ اگر کوئی شخص حرم کی گھاس یا اسکا درخت کاٹ دے تو اس پر قیمت واجب ہے۔ الا یہ کہ وہ خشک ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، قیامت تک نہ کاٹا جائے اسکا درخت اور نہ ستایا جائے یہاں کا شکار اور نہ کاٹی جائے یہاں کی گیلی گھاس[1] لیکن وجوب قیمت کیلئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ وہ غیر مملوک ہو یعنی خود جم گیا ہو کسی نے بویا نہ ہو خواہ کسی کا مملوک ہو یا نہ ہو یہاں تک فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر ببول کا درخت جسکو کیکر بھی کہتے ہیں حرم میں کسی شخص کی مملوک زمین میں اُگ آئے اور کوئی اسکو کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہیں ایک مالک کے واسطے دوسری حق شرع کیواسطے۔ دوم یہ کہ وہ درخت اس قسم کا نہ ہو جسکو لوگ عادۃً بوتے ہوں اگر وہ خودرو درخت ایسا ہو کہ لوگ اسکو بوتے ہوں تو اس کے کاٹنے والے پر شرعاً مواخذہ نہیں ہاں اگر کسی کی مملوک زمین میں ہو تو مالک کو قیمت دینا لازم ہوگا۔

(فائدہ): طحطاوی اور ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ حرم کی گھاس اور اسکا درخت دو قسم پر ہے۔ ۱) جسکو لوگوں نے بویا ہو۔ ۲) جو خودرو ہو اول، کی دو قسمیں ہیں۔ ۱) عادۃً لوگ اسکو بوتے ہوں۔ ۲) عادۃً نہ بوتے ہوں۔ ان دونوں قسموں کے کاٹنے میں جزا واجب نہیں۔ خودرو کی بھی یہی دو قسمیں ہیں سو جسکو لوگ بوتے ہوں اسکے کاٹنے میں بھی جزا واجب نہیں اور اگر لوگ بوتے ہوں تو صرف اس قسم کے کاٹنے میں جزا واجب ہے۔ سوال حدیث میں تو علی الاطلاق ممانعت ہے پھر فقہا نے ان تین قسموں کو کیسے مستثنی کر لیا؟ جواب اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ابتک وہاں زراعت کرنے اور کاٹنے کی عادت بلا انکار جاری ہے۔ علاوہ

(۱) ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔

ازیں ممنوع تو حرم کی گھاس ہے اور وہ خودرو ہے کیونکہ حرم کی طرف کامل نسبت اسی کی ہے اور جسکو انسان نے بویا ہو خواہ اسکے بونے کی عادت ہو یا نہ ہو تو وہ انسان کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ نہ کہ حرم کی طرف۔

قولہ وکل شئی الخ ممنوعات احرام میں سے جن امور میں مفرد پر ایک خون واجب ہوتا ہے تو ان میں قارن پر دو خون واجب ہونگے ایک حج کا اور ایک عمرہ کا کیونکہ قارن ہمارے یہاں دو احراموں کا محرم ہوتا ہے۔ ائمہ ثلثہ کے نزدیک قارن ایک احرام کا محرم ہوتا ہے اسلئے ان کے یہاں قارن پر بھی ایک ہی خون واجب ہے۔ ہاں اگر قارن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھ جائے تو اس پر ایک ہی خون واجب ہے۔ کیونکہ جب اس نے احرام نہیں باندھا تو ابھی وہ قارن ہی نہیں ہوا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب مجاوزۃ الوقت بغیر احرام

باب میقات سے بلا احرام بڑھ جانے کے بیان میں

مَنْ جَاوَزَ الْمِيقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ ثُمَّ عَادَ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا اَوْ جَاوَزَ ثُمَّ اَفْسَدَ وَقَضٰى

جو شخص بڑھ گیا میقات سے بلا احرام پھر لوٹ آیا احرام باندھ کر لبیک کہتا ہوا یا آگے بڑھ گیا اور عمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دیا اور قضا کر لیا

بَطَلَ الدَّمُ فَلَوْ دَخَلَ الْكُوفِيُّ الْبُسْتَانَ لِحَاجَةٍ لَهُ دُخُولُ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ وَقْتُهُ الْبُسْتَانُ

تو خون ساقط ہو گیا اگر داخل ہوا کوفی باغ میں کسی ضرورت سے تو جائز ہے اس کیلئے داخل ہونا مکہ میں بلا احرام اور اس کی میقات وہی باغ ہے

وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ يَحُجُّ عَمَّ عَلَيْهِ فِيْ عَامِهٖ ذٰلِكَ

جو شخص داخل ہوا مکہ میں بلا احرام تو واجب ہے اس پر دو عبادتوں میں سے ایک پھر اس نے حج کیا جو اس کے ذمہ تھا اسی سال

صَحَّ مِنْ دُخُولِ مَكَّةَ بِلَا اِحْرَامٍ فَاِنْ تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ لَا

تو صحیح ہوگا یہ اس کے عوض جو بلا احرام داخل ہونے کی وجہ سے لازم ہوا تھا اور اگر سال بدل جائے تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ یہ باب چونکہ معنی جنایت میں باب سابق کے مناسب ہے اسلئے مصنف نے اس کو باب سابق کے ساتھ پیوست کیا ہے پھر میقات سے بلا احرام آگے بڑھنا جنایت قبل از احرام ہے۔ اور باب سابق میں جن جنایتوں کا بیان ہوا ہے وہ بعد از احرام ہیں اور باب حج میں جنایت کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے جو بعد از احرام ہوں اسلئے باب الجنایات کو مقدم اور اس باب کو موخر کیا ہے۔

قولہ من جاوز الخ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ کرے اور پھر احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھ جائے تو اس پر خون واجب ہے۔ اب اگر یہ میقات واپس ہو کر احرام باندھ لے اور تلبیہ پڑھ لے یا میقات سے بلا احرام گذرنے کے بعد داخل میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کو فاسد کر دے اور پھر اسکی قضا کر لے تو ان دونوں صورتوں میں خون ساقط ہو جائیگا کیونکہ دونوں صورتوں میں مافات کا تدارک ہو گیا۔

قولہ فلو دخل الخ ایک کوفی یعنی آفاقی کسی ضرورت سے بستان بنی عامر میں داخل ہوا اسوقت مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن بعد میں مکہ کا ارادہ ہو گیا تو اسکو بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ بستان واجب التعظیم نہیں لہذا اسکے ارادہ سے احرام باندھنا بھی لازم نہیں۔ اور جب وہ بستان میں داخل ہو گیا تو اہل بستان کیساتھ لاحق ہو گیا تو جس طرح اہل بستان کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اسیطرح اسکے لئے بھی جائز ہے۔ اب اگر یہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے میقات بستان ہے۔ یعنی حل جو اہل بستان کے لئے میقات ہے۔

قولہ ومن دخل الخ جو شخص بلا احرام مکہ میں داخل ہو تو اس مکان مقدس کی تعظیم کی خاطر ہر بلا احرام داخل ہونے میں حج یا عمرہ واجب

ہے۔ اب اگر وہ احرام باندھتے وقت اس عبادت کی نیت کرلے جو اس پر واجب تھی یعنی حج اسلام، حج نذر یا عمرہ منذورہ کی تو یہ اس حج یا عمرہ کی طرف سے کافی ہو جائیگا جو اس پر بلا احرام داخل ہونے سے لازم ہو گیا تھا۔ بشرطیکہ اسی سال حج یا عمرہ کرے۔ اگر سال بدل گیا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ سال بدلنے سے حج یا عمرہ متروکہ اس کے ذمہ دَین ہو گیا۔

بَابُ اِضَافَةِ الاِحْرَامِ اِلَى الاِحْرَامِ

باب ایک احرام سے دوسرا احرام کر لینے کے بیان میں

مَكِّيٌّ طَافَ شَوْطًا لِعُمْرَةٍ فَاَحْرَمَ بِحَجٍّ رَفَضَهُ وَعَلَيْهِ حَجٌّ وَعُمْرَةٌ وَدَمٌ لِرَفْضِهِ

ایک مکی نے عمرہ کے طواف کا ایک چکر کیا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو حج کو ترک کر دے اور اس پر حج اور عمرہ اور خون ہے ترک حج کی وجہ سے

فَلَوْ مَضٰى عَلَيْهِمَا صَحَّ وَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ اَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بِاٰخَرَ يَوْمَ النَّحْرِ

پس اگر دونوں کے افعال کر گذرا تو صحیح ہے اور اس پر خون لازم ہے جس نے حج کا احرام باندھ کر دسویں کو دوسرے حج کا احرام باندھ لیا

فَاِنْ حَلَقَ فِي الْاَوَّلِ لَزِمَ الْاٰخَرُ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ وَاِلَّا لَزِمَ وَعَلَيْهِ دَمٌ قَصَّرَ اَوْ لَا وَمَنْ فَرَغَ

تو اگر اول میں حلق کر لیا تو دوسرا بھی لازم ہو جائیگا اور خون نہ ہوگا ورنہ لازم ہو جائیگا اور خون بھی واجب ہوگا قصر کرائے یا نہ کرائے جو شخص فارغ ہوا

مِنْ عُمْرَتِهٖ اِلَّا التَّقْصِيْرَ فَاَحْرَمَ بِاُخْرٰى لَزِمَهُ دَمٌ وَمَنْ اَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ

عمرہ سے سوائے کتروانے کے پھر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو خون لازم ہوگا اور جس نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا پھر ٹھہرا عرفات میں

فَقَدْ رَفَضَ عُمْرَتَهٗ وَاِنْ تَوَجَّهَ اِلَيْهَا لَا فَلَوْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَمَضٰى عَلَيْهِمَا

تو اس نے اپنا عمرہ ترک کر دیا اور اگر صرف متوجہ ہوا عرفات کی طرف تو نہیں پس اگر طواف کیا حج کا پھر احرام باندھا عمرہ کا اور دونوں کے افعال کر لئے تو

صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ وَنُدِبَ رَفْضُهَا وَاِنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ يَوْمَ النَّحْرِ لَزِمَتْهُ وَلَزِمَهُ الرَّفْضُ وَالدَّمُ وَالْقَضَاءُ

خون واجب ہے اور مستحب ہے اس عمرہ کو ترک کرنا اگر احرام باندھا عمرہ کا دسویں کو تو لازم ہو جائیگا اور ترک کرنا ضروری ہوگا اور خون اور اس کی قضا واجب

فَاِنْ مَضٰى عَلَيْهِمَا صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ وَمَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَاَحْرَمَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ رَفَضَهَا

ہوگی اور اگر اسکے افعال بجالایا تب بھی صحیح ہے لیکن خون واجب ہے اور جس سے حج فوت ہو جائے اور وہ عمرہ کا یا حج کا احرام کرلے تو اس کو ترک کر دے۔

تشریح الفقہ: قولہ مکی الخ ایک مکی نے تین شوط سے کم عمرہ کا طواف کر کے حج کا احرام باندھ لیا تو اسکو حج ترک کر دینا چاہئے کیونکہ اہل مکہ کیلئے حج اور عمرہ کو جمع کرنا ممنوع ہے۔ اب اس پر تین چیزیں واجب ہیں حج، عمرہ اور خون، خون ترک حج کیلئے اور حج وعمرہ اسلئے کہ یہ فائت الحج کے مانند ہے اور فائت الحج عمرہ کر کے احرام اتارتا ہے اور دوسرے سال حج قضا کرتا ہے اور اگر مکی مذکور احرام حج ترک نہ کرے بلکہ حج اور عمرہ دونوں کرے تب بھی صحیح ہے مگر ایسا کرنا برا ہے۔ پھر ترک حج کا حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک ترک عمرہ پسندیدہ ہے کیونکہ حج کی نسبت عمرہ کا درجہ کم ہے۔ اور اسکے افعال بھی کم ہیں اور اس کی قضا بھی سہل ہے کیونکہ اسکے لئے کوئی وقت معین نہیں۔

قولہ ومن احرام الخ جمع بین الاحرامین کا بیان ہے جسکی عقلی لحاظ سے چار صورتیں ہیں ۱) ادخال احرام حج بر احرام حج۔ ۲) ادخال احرام حج بر احرام عمرہ۔ ۳) ادخال احرام عمرہ بر احرام عمرہ۔ ۴) ادخال احرام عمرہ بر احرام حج۔ پہلی صورت کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اسکو ادا کر کے یوم نحر میں دوسرے حج کا احرام باندھ لیا سو اگر وہ ثانی حج کے احرام سے قبل حلق کرا چکا ہو تو اس پر دوسرا حج بھی لازم ہو جائیگا۔ جسکو وہ دوسرے سال ادا کریگا۔ اور اس صورت میں خون واجب نہیں کیونکہ حلق کی وجہ سے اسکا پہلا حج پورا ہو چکا۔ لہذا ادا

کے اعتبار سے وہ جامع بین الاحرامین نہیں رہا۔ اور اگر ثانی حج کے احرام سے قبل حلق نہ کرایا ہو تو دوسرا حج۔ بھی لازم ہوگا اور خون بھی واجب ہوگا خواہ اس نے قصر کرایا ہو یا نہ کرایا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں۔ پہلے حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق کرائے گا یا نہیں اگر حلق کراتا ہے تو ثانی حج کے احرام پر جنایت واقع ہوتی ہے اور اگر حلق نہیں کراتا تو اول حج کی عبادت یعنی یوم نہر کے سر منڈانے میں تاخیر لازم آتی ہے لہذا یہاں ہر طرح سے خون لازم ہوگا۔

قولہ ومن فرغ الخ ۳ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے عمرہ کا احرام باندھا اور قصر کے علاوہ تمام فعل ادا کر چکا۔ پھر اپنے دوسرے عمرے کا احرام باندھ لیا تو اس پر خون دینا واجب ہے کیونکہ دو عمروں کے احراموں کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قولہ ومن احرم الخ ۲ کا بیان ہے کہ ایک آفاقی نے حج کا احرام باندھا اسکے بعد عمرہ کا احرام بھی باندھ لیا تو اس پر دونوں لازم ہو گئے کیونکہ آفاقی کے لئے حج اور عمرہ کے درمیان جمع کرنا مشروع ہے لہذا وہ قارن ہو گیا مگر اس نے سنت کے خلاف کیا کیونکہ حج کو عمرہ پر داخل کرنا سنت ہے۔ نہ کہ عمرہ کو حج پر داخل کرنا قال تعالیٰ ''فمن تمتع بالعمرة الى الحج'' اب اگر اس نے مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر عرفات میں وقوف کر لیا تو وقوف عرفہ کی وجہ سے اس کا عمرہ باطل ہو گیا۔ اب عمرہ کی ادائیگی اس کیلئے متعذر ہے ہاں اگر وہ بلا وقوف عرفہ عرفات کی طرف متوجہ ہوا اور عمرۂ اول کر کے حج کرے تو ممکن ہے۔ پھر اگر آفاقی نے حج کے لئے طواف قدوم کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کو ادا کیا تو اس پر خون واجب ہے۔ کیونکہ اس نے حج کے افعال میں عمرہ کو داخل کر دیا اور اب اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو ترک کر دے کیونکہ طواف قدوم کی وجہ سے حج متاکد ہو گیا۔

قولہ وان اہل الخ ایک شخص نے حج کے بعد یوم نحر میں یا ایام تشریق میں عمرہ کا احرام باندھا تو اس پر عمرہ لازم ہو گیا۔ اب اس پر تین چیزیں واجب ہو گئیں۔ ۱۔ ترک عمرہ کیونکہ وہ ارکان حج ادا کر چکا اگر عمرہ ادا کریگا تو حج پر عمرہ کے افعال بنا کرنے والا ہو جائے گا۔ جو مکروہ تحریمی ہے۔ ۲۔ خون دینا کیونکہ یہ عمرہ کو ترک کریگا۔ ۳۔ قضاء عمرہ کیونکہ شروع کرنے کی وجہ سے عمرہ لازم ہو چکا اور اگر وہ عمرہ کو ترک نہ کرے بلکہ ادا کرے تو ادا ہو جائے گا لیکن خون دینا واجب ہوگا کیونکہ اس نے عمرہ کے احرام میں اور حج کے بقیہ افعال میں جمع کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ ابھی اس پر ایام تشریق کی رمی جمار باقی ہے۔

بَابُ الاِحْصَارِ

باب (حج اور عمرے سے) رک جانے کے بیان میں

قولہ باب الخ جنایات کے ذیل میں اب تک جن امور کا ذکر ہوا ہے وہ اکثر و بیشتر واقع ہونے والے امور تھے۔ اب ان امور کو بیان کرتا ہے جن کا وقوع نادر ہے۔ یعنی احصار اور فوات یا یہ کہا جائے کہ ابواب سابقہ میں ان جنایتوں کا بیان تھا جو خود محرم اپنے اوپر کرے۔ اور یہاں ان جنایتوں کا بیان ہے جو محرم پر کوئی دوسرا کرے۔ پھر عذر احصار چونکہ آنحضرت ﷺ کو حدیبیہ کے سال پیش آیا ہے اس لئے اس کو مقدم کر رہا ہے۔ احصار لغت میں مطلق روک دینے کو کہتے ہیں علامہ طحطاوی نے امر غیر حسی کے ساتھ مقید مانا ہے کیونکہ امر حسی کے سبب سے روکنے کو حصر کہتے ہیں نہ کہ احصار اصطلاح شرع میں احصار یہ ہے کہ دشمن یا مرض یا درندہ وغیرہ ادائیگی رکن سے روک دے خواہ وہ رکن حج کا ہو یا عمرہ کا ہو امام شافعی کے یہاں احصار صرف دشمن کے سبب سے ہوتا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت احصار آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور آپ دشمن ہی کی وجہ سے محصر تھے۔ سابق آیت ''فاذا امنتم'' بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ امن دشمن سے ہوتا ہے نہ کہ مرض سے ہم یہ کہتے ہیں کہ احصار مرض کے سبب سے ہوتا ہے اور حصر دشمن کے سبب سے ابو جعفر نحاس نے اس پر جمیع اہل لغت کا اجماع نقل کیا ہے اور آیت ''فان احصرتم'' میں لفظ احصار ہے۔ نہ کہ حصر۔ علاوہ ازیں اعتبار عموم لفظ کا

ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوصیت سبب کا۔ رہا آیت کا سیاق سو اس سے مدعی کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ لفظ امان مرض میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الزکام امان من الجذام۔"

لِمَنْ اُحْصِرَ بِعَدُوٍّ اَوْ مَرَضٍ اَنْ یَّبْعَثَ شَاۃً تُذْبَحُ فَیَتَحَلَّلُ

جائز ہے اس شخص کیلئے جو رک گیا ہو دشمن یا بیماری کی وجہ سے یہ کہ بھیجے بکری جو ذبح کی جائے اس کی طرف سے پھر وہ حلال ہو جائے

وَلَوْ قَارِنًا بَعَثَ دَمَیْنِ[1] وَیَتَوَقَّتُ بِالْحَرَمِ لَا بِیَوْمِ النَّحْرِ وَعَلَی الْمُحْصِرِ بِالْحَجِّ اَنْ یَّتَحَلَّلَ فَعَلَیْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ

اور قارن ہو تو دو خون بھیجے اور موقت ہے حرم کیساتھ نہ کہ دسویں کیساتھ اور حج سے رک جانے والے پر اگر وہ حلال ہو جائے حج اور عمرہ ہے

وَعَلَی الْمُعْتَمِرِ عُمْرَةٌ وَعَلَی الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَّعُمْرَتَانِ فَاِنْ بَعَثَ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ وَقَدَرَ عَلَی الْهَدْیِ وَالْحَجِّ تَوَجَّهَ

اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں پس اگر ہدی روانہ کی پھر احصار زائل ہو گیا اور ہدی اور حج پانے پر قادر ہو گیا تو چلا جائے ورنہ نہیں

وَاِلَّا لَا وَلَا اِحْصَارَ بَعْدَ مَا وَقَفَ بِعَرَفَةَ وَمَنْ مُنِعَ بِمَکَّةَ عَنِ الرُّکْنَیْنِ فَهُوَ مُحْصِرٌ وَاِلَّا لَا

اور نہیں ہے احصار بعد اس کے کہ ٹھہر چکا عرفات میں اور جو شخص روک دیا گیا مکہ میں دو رکنوں سے تو وہ محصر ہے ورنہ نہیں۔

محصر کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: احصر: روک دیا گیا، عدو: دشمن، فیتحلل، حلال ہو جائے، محصر: وہ شخص جو طواف زیارت اور وقوف عرفہ سے روک دیا گیا ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ لمن احصر الخ جو شخص کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے رک جائے اور حج نہ کر سکے تو اسکے لئے احرام سے حلال ہو جانا جائز ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ مفرد بالحج ہے تو ایک بکری اور قارن ہے تو دو بکریاں حرم میں بھیج دے جو اسکی طرف سے ذبح کی جائیں پس جب وہ ذبح ہو جائینگی تو یہ حلال ہو جائیگا، دم احصار کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے غیر حرم میں جائز نہیں کیونکہ آیت۔ ولاتحلقوا روسکم حتی یبلغ الهدی محلہ، میں ہدی اپنے محل کیساتھ مقید ہے۔ اور محل ہدی حرم ہی ہے، ہاں اسمیں وقت کی تعیین نہیں جس وقت چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ کیونکہ آیت، فما استیسر من الهدی، میں ہدی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں پس صاحبین جو زمان ہدی کو مکان پر قیاس کرتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ پھر محصر اگر حج کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسپر حج اور عمرہ لازم ہے حج تو شروع کرنیکی وجہ سے اور عمرہ حلال ہونیکی وجہ سے اور اگر عمرہ کے احرام سے حلال ہوا ہے تو صرف عمرہ لازم ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عمرہ میں احصار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عمرہ کیلئے کوئی وقت معین نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپکے اصحاب عمرہ کیلئے نکلے تھے اور کفار قریش نے آپکو روکدیا تھا تو آپنے آئندہ سال عمرہ کی قضاء کی تھی[2]۔ اور اگر قران کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسپر ایک حج اور ایک عمرہ کیساتھ ساتھ ایک اور عمرہ قران کی وجہ سے لازم ہے۔

قولہ فان بعث الخ اگر ہدی روانہ کرنے کے بعد محصر کا احصار زائل ہو جائے اور وہ حج اور ہدی پالینے پر قادر ہو تو اسپر حج کے لئے روانہ ہونا واجب ہے۔ ہدی بھیج کر احرام سے حلال ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل ادائیگی پر قادر ہو گیا لہذا بدل کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر حج اور ہدی پانے پر قادر نہ ہو تو جانا ضروری نہیں کیونکہ اب جانا بے سود ہے۔

---

(۱) اطلقہ فافادانہ لا یحتاج الی تعیین الذی للعمرۃ والذی للحج وافادانہ لو بعث بهدی واحد لیتحلل عن احد هما ویبقی فی الاخر لم یتحل عن واحد منهما لان التحلل منهما لم یشرع الا فی حالۃ واحدۃ فلو تحلل عن احد هما دون الاخر یکون فیہ تغییر للمشروع ۱۲ بحر۔

(۲) صحیحین، طحاوی عن ابن عمر، بخاری عن ابن عباس ۱۲۔

فائدہ: یہ مسئلہ رباعی ہے۔ یعنی اسکی چار صورتیں ہیں۔(۱) حج اور ہدی ہر دو پانے پر قادر ہو۔(۲) دونوں پر قادر نہ ہو۔(۳) فقط ہدی پر قادر ہو۔(۴) فقط حج پر قادر ہو۔(۱) میں جانا ضروری ہے۔ باقی میں نہیں۔ پھر امام صاحب کے نزدیک یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز ہے لہٰذا ادراک حج بلا ادراک ہدی ممکن ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز نہیں۔ اسلئے ان کے نزدیک ادراک حج کو ادراک ہدی لازم ہے۔

بَابُ الْفَوَاتِ

باب حج نہ ملنے کے بیان میں

مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ بِفَوَاتِ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَيُحَلِّلُ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ بِلَادَمٍ وَلَا فَوْتَ بِعُمْرَةٍ

جس کا حج فوت ہو جائے وقوف عرفات فوت ہونے کے باعث تو وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور اس پر آئندہ سال حج ہے بلادم اور عمرہ فوت نہیں ہوتا

وَهِيَ طَوَافٌ وَسَعْيٌ وَتَصِحُّ فِيْ جَمِيْعِ السَّنَةِ وَتُكْرَهُ. يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ وَهِيَ سُنَّةٌ

اور وہ طواف وسعی ہے اور پورے سال میں صحیح ہے اور مکروہ ہے عرفہ اور قربانی کے دن اور ایام تشریق میں اور وہ سنت ہے

تشریح الفقہ: قولہ من فاتہ الخ جس شخص سے وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اسکا حج فوت ہو گیا۔ فرض ہو یا نفل و نذر صحیح ہو یا فاسد اب اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ کہ افعال ادا کر کے احرام سے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے۔ خون دون دنیا واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں اسی کا حکم ہے[1]۔ پس امام شافعی و امام مالک جو وجوب دم کے قائل ہیں۔ نیز امام مالک سے جو مروی ہے کہ آئندہ سال کہ وقوف عرفہ تک محرم ہی رہے۔ دلیل کی رو سے ضعیف ہے۔

قولہ ولا فوت الخ عمرہ فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا کوئی وقت معین نہیں۔ پورے سال میں جب چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن افضل وقت رمضان ہے اور یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے[2]۔

قولہ وہی سنتہ الخ ہمارے نزدیک عمرہ سنت ہے۔ اور امام شافعی و احمد کے نزدیک فرض ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، فریضہ حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے[3]۔ اس معنی میں اور بہت سی احادیث متعدد طرق سے مروی ہیں۔ مگر سب ضعیف ہیں۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ، حج فریضہ ہے (ایک روایت میں ہے کہ حج جہاد ہے) اور عمرہ[4] نفل ہے۔ نیز عمرہ کا غیر موقت ہونا اور حج کی نیت سے ادا ہو جانا نفل ہونیکی دلیل ہے۔

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ

باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں

تشریح الفقہ: قولہ باب الحج الخ اصل کے احکام سے فراغت کے بعد نیابت کے احکام بیان کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کے اعمال کا خود اس کے لئے ہونا اصل ہے اور غیر کے لئے ہونا خلاف اصل ہے۔ اور اصل کا خلاف اصل پر مقدم ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت کنندہ اپنی ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے۔ نماز ہو یا روزہ، زکوۃ ہو یا حج، عمرہ ہو یا طواف، قراءۃ قرآن ہو یا ذکر اللہ، نیز انسان کا نیک عمل دوسرے کیلئے سودمند ہوتا ہے۔ البتہ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ انکا خیال ہے کہ عبادت کا ثواب

---

(۱) دارقطنی، ابن عدی عن ابن عمر، دارقطنی عن ابن عباس۔ (۲) بیہقی عن عائشہ۔ (۳) حاکم، دارقطنی، بیہقی عن زید بن ثابت ترمذی، ابن حبان، حاکم، دارقطنی عن ابی رزین، بیہقی، ابن عدی عن جابر، ابن ماجہ، احمد عن عائشہ، دارقطنی عن عمرو بن حزم بالفاظ مختلفہ ۱۲۔ (۴)۔۔ ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود، ابن ماجہ عن طلحہ، ترمذی، دارقطنی، بیہقی، طبرانی، ابن عدی عن جابر ۱۲۔

فاعل کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ مگر یہ خیال خام ہے۔ کیونکہ آیات قرآن واحادیث نبویہ ناطق ہیں۔ ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے۔ چنانچہ اولاد کو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والدین کے واسطے یوں دعا کرنے۔ رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا' اگر انسان کا عمل دوسرے کے لئے نافع نہ ہوتا تو ولد کی دعا والدین کے حق میں بیفائدہ ہوتی۔ خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ''آپ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف[1] سے'' نیز دار قطنی کی روایت ہے کہ ''ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میرے والدین حیات تھے تو میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا لیکن اب وہ فوت ہو چکے تو میں اب ان کے ساتھ نیکی کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا ان کے واسطے اپنی نماز اور روزہ کے ساتھ نماز پڑھا کر اور روزہ رکھا کر۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان پر گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو بقدر اموات ثواب دیا جائے گا۔ سوال: لیس للانسان الا ماسعیٰ' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کیلئے کار آمد نہیں۔ جواب آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے کوئی فائدہ نہیں مگر جب کہ وہ اس کو اس کا ثواب دیدے۔ اس استثناء کی وجہ وہی احادیث ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں ۲للانسان میں لام بمعنی علیٰ ہے جیسے دوسری آیت ''لہم اللعنۃ'' میں لام بمعنی علیٰ ہے پس نفی مضرت کی ہے نہ کہ منفعت کی ۳۔ آیت مذکورہ بقول ابن عباسؓ آیت'' والذین آمنوا واتبعتہم ذریتہم'' سے منسوخ ہے ۴آیت میں انسان سے مراد کافر ہے۔ نہ کہ مؤمن ۵آیت حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی قوم کیساتھ مخصوص ہے۔ ۶غیر کو بطریق عدل ثواب نہیں ملتا۔ لیکن بطریق فضل البتہ ثابت ہے۔ (عینی شرح کنز وغیرہ) غایۃ الاوطار میں ہے کہ شیخ زاہدی باوجودیکہ بہت بڑا عالم ہے مگر مجتبیٰ کی کتاب الحج میں اموات کیلئے ایصال ثواب کا منکر ہو گیا۔ اور اپنا اعتزال کھول بیٹھا۔ واللہ الموفق۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

اَلنِّيَابَةُ تُجْزِئُ فِي الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَّةِ عِنْدَ الْعِجْزِ وَالْقُدْرَةِ وَلَمْ تُجْزِئُ فِي الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ وَفِي الْمُرَكَّبِ مِنْهُمَا
نیابت ہوسکتی ہے مالی عبادت میں بوقت عجز بھی اور بوقت قدرت بھی اور نہیں ہوسکتی بدنی عبادت میں کسی حالت میں اور جو ان دونوں سے مرکب ہو

تُجْزِئُ عِنْدَ الْعِجْزِ فَقَطْ وَالشَّرْطُ اَلْعِجْزُ الدَّائِمُ اِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا شَرْطُ عِجْزِ الْمَنُوْبِ لِلْحَجِّ الْفَرْضِ
اس میں ہوسکتی ہے صرف عجز کے وقت اور شرط عاجز ہونا ہے ہمیشہ موت کے وقت تک اور شرط کیا گیا ہے نائب کرنے والے کا حج فرض سے عاجز ہونا

لاَ لِلنَّفْلِ وَمَنْ اَحْرَمَ عَنْ اٰمِرَيْهِ ضَمِنَ النَّفَقَةَ وَدَمُ الْاِحْصَارِ عَلَى الْاٰمِرِ وَدَمُ الْقِرَانِ وَالْجِنَايَةِ
نہ کہ نفلی حج سے اور جس نے احرام باندھا دو حکم کرنے والوں کی طرف سے تو ضامن ہوگا وہ نفقہ کا اور دم احصار آمر پر ہوگا اور دم قران اور دم جنایت

عَلَى الْمَامُوْرِ فَاِنْ مَاتَ فِي الطَّرِيْقِ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ مَنْزِلِهٖ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ
مامور پر پس اگر مرجائے نائب حج کی راہ میں تو حج کرایا جائے اسکی طرف سے اس کے گھر سے باقی ماندہ کے ثلث کے ذریعہ

وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ عَنْ اَبَوَيْهِ فَعَيَّنَ صَحَّ
اور جس نے حج کا احرام باندھا والدین کی طرف سے پھر کسی ایک کے لئے معین کر دیا تو صحیح ہے۔

عبادت میں نیابت کے جواز وعدم جواز کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ النیابۃ الخ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ مالیہ محضہ جیسے زکوٰۃ' صدقہ فطر' عشر' نفقات' کفارہ اعتاق' اطعام' بدنیہ محضہ جیسے نماز' روزہ' اعتکاف' قراءۃ قرآن' اذکار' مالیہ و بدنیہ جیسے حج' عمرہ' عبادات مالیہ میں ہر طرح سے نیابت صحیح ہے بحالت قدرت ہو یا

(۱) ابن ماجۃ' احمد' حاکم' طبرانی' ابونعیم عن عائشۃ وابی ہریرۃ' ابوداؤد' ابن ماجۃ' حاکم' ابن ابی شیبۃ' ابن راہویہ' ابویعلیٰ عن جابر احمد' ابن راہویہ' طبرانی' حاکم عن ابی رافع حاکم عن حذیفۃ ابن ابی شیبۃ' ابویعلیٰ' طبرانی عن ابی طلحۃ ابن ابی شیبۃ' دار قطنی ۱۲۔

بحالت عجز ہو کیونکہ عبادات مالیہ میں مالدار کی آزمائش اور محتاج کی حاجت کا دفعیہ مقصود ہوتا ہے۔ جو نائب کے فعل سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن عبادات بدنیہ محضہ میں کسی صورت سے نیابت جائز نہیں کیونکہ عبادات بدنیہ میں اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ افعال مخصوصہ سے روح اور بدن پر محنت ومشقت پڑے تا کہ نفس امارہ کی سرکوبی اور روح کی صفائی اور قرب الٰہی حاصل ہو اور یہ چیز نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے" **لا یصم احد عن احد و لا یصل احد عن احد**"جس کا مطلب یہ ہے کہ صوم وصلوٰۃ میں نیابت کے ذریعہ فرض ساقط نہیں ہوتا۔ اور عبادات مرکبہ میں بحالت عجز نیابت جائز ہے۔ اور بحالت قدرت ناجائز۔ عبادات مالی ہونے کی جہت سے جواز ہے اور بدنی ہونے کے اعتبار سے عدم جواز۔

قولہ ومن احرم الخ ایک شخص کو دو آدمیوں نے حج کرنے کا حکم کیا اور وہ ان کے حکم کے بموجب حج کیلئے چلا گیا تو اب وہ یا تو دونوں کی نیت سے حج کا احرام باندھے گا یا غیر معین طور پر ان میں کسی ایک کی نیت یا مطلق نیت سے یعنی تعیین وابہام میں محجوج عنہ کے متعلق سکوت ہوگا۔ پہلی صورت میں حج آمر کی طرف سے نہ ہوگا بلکہ ماموریعنی خود حج کرنے والے کیطرف سے ہوگا اور اس نے حکم کنندگان کا جتنا مال خرچ کیا ہے اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ مامور نے ان کے حکم کے خلاف کیا ہے۔ اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کو بلا شرکت غیر حج مطلوب تھا اور مامور اس پر قادر نہیں کہ حج ان میں سے کسی ایک کیلئے قرار دے۔ کیونکہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے لہٰذا حج مامور کی طرف سے ہوگا اس صورت کا حکم تو کتاب میں مذکور ہے۔ رہی دوسری اور تیسری دو صورتیں سو دوسری صورت میں اگر وہ معین کئے بغیر ہی افعال کر گزرے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر افعال حج ادا کرنے سے پہلے پہلے کسی ایک کو متعین کرلے تو طرفین کے نزدیک جائز[1] ہے مگر استحساناً قیاس کی رو سے یہ بھی ناجائز ہے' چنانچہ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس کو تعیین کا حکم ہے.......... اور ابہام تعیین کے خلاف ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احرام مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ افعال حج کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کے ذریعہ سے مبہم کی تعیین ہوسکتی ہے۔ تیسری صورت کے متعلق کافی میں ہے کہ اسکے بارے میں کوئی نص نہیں **وینبغی ان یصح التعیین ھٰھنا اجما عالعدم المخالفة**۔

قولہ فان مات الخ ایک شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرایا جائے وصی یا اسکے ورثہ نے وصیت کے بموجب ایک شخص کو حج کے لئے بھیجد یا اسکا راہ میں انتقال ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک متروکہ مال کے تہائی حصہ کے ذریعہ میت کے گھر سے حج کرایا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک وہاں سے کہ جہاں مامور کا انتقال ہوا ہے۔ پھر امام محمد کے نزدیک اس مال کا اعتبار ہے جو مامور کو دیا گیا تھا پس اسمیں سے جتنا باقی ہو اس سے حج کرایا جائیگا اور باقی نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائیگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ثلث اول سے باقی ماندہ مال کا اعتبار ہے۔ **وادلتہٗ فی المطولات**۔

---

(۱) نسائی عن ابن عباس۔۱۲

بَابُ الْهَدْی

باب ہدی کے بیان میں

اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ اِبِلٌ وَبَقَرٌ وَغَنَمٌ وَمَا جَازَ فِي الضَّحَايَا جَازَ فِي الْهَدَايَا وَالشَّاةُ يَجُوْزُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ

کم از کم ہدی بکری ہے اور ہدی اونٹ گائے بکری سب کی ہوسکتی ہے اور جو جانور قربانی میں جائز ہے ہدی میں بھی جائز ہے اور بکری ہر چیز میں جائز ہے

اِلاَّ فِيْ طَوَافِ الرُّكْنِ جُنُبًا وَوَطْيٍ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَيُؤْكَلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ

بجز طواف رکن کے ناپاکی کی حالت میں اور بجز وطی کے وقوف کے بعد اور کھایا جاسکتا ہے صرف ہدی نفل اور تمتع اور قران سے

وَخُصَّ ذَبْحُ هَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَقَطْ وَالْكُلُّ بِالْحَرَمِ لاَ بِفَقِيْرِهٖ

اور مخصوص ہے ہدی تمتع اور ہدی قران کا ذبح کرنا قربانی کے دن کے ساتھ اور ہر قسم کی ہدی مخصوص ہے حرم کیساتھ نہ کہ اسکے فقیر کے ساتھ

وَلاَ يَجِبُ التَّعْرِيْفُ بِالْهَدْيِ وَيَتَصَدَّقُ بِجَلاَلِهٖ وَخِطَامِهٖ وَلَمْ يُعْطِ اَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهُ وَلاَ يَرْكَبُهٗ

اور واجب نہیں ہدی کو عرفات لے جانا اور خیرات کردے اس کی جھول اور نکیل اور نہ دی جائے قصائی کی اجرت اس سے اور نہ سوار ہو اس پر

بِلاَ ضَرُوْرَةٍ وَلاَ يَحْلِبُهٗ وَيَنْضِحُ ضَرْعَهٗ بِالنُّقَاخِ فَاِنْ عَطِبَ وَاجِبًا اَوْ تَعَيَّبَ اَقَامَ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ

بلاضرورت اور نہ دودھ دوہے اور چھڑک دے اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی پس اگر ہلاک ہوجائے ہدی واجب یا عیب دار ہوجائے تو کردے دوسری

وَالْمَعِيْبُ لَهٗ وَلَوْتَطَوُّعًا نَحَرَهٗ وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهٖ اَوْ ضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا

اس کی جگہ اور عیب دار اسکی رہیگی اور اگر نفلی ہو تو ذبح کردے اور اس کے اسم کو خون آلود کردے اور اسکی کوہان کی طرف خون کا ایک چھاپہ لگادے

وَلَمْ يَاْكُلْهَا غَنِيٌّ وَيُقَلِّدُ بُدْنَةَ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ

اور نہ کھائے اس سے مالدار اور پٹا ڈالا جائے ہدی نفلی اور ہدی تمتع اور ہدی قران کے

توضیح اللغۃ: ضحایا: جمع ضحیۃ قربانی، ہدایا جمع ہدیۃ مؤنث، ہدی، قربانی کا جانور۔ تعریف: ہدی کے جانور کو عرفات کی طرف لے جانا، جلال جمع جل جھول، خطام: نکیل، جزار: قصاب، حلب دودھ دوہنا، نضح نضحاً، چھڑکنا، ضرع تھن، نقاخ ٹھنڈا پانی، عطب عطباً ہلاک ہونا صفحہ، جانب۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تمتع، قران، احصار، جزا، صید، جنایات وغیرہ کے ذیل میں متعدد مرتبہ ہدی کا ذکر آیا ہے۔ اسکو بیان کرنا بھی ضروری تھا پھر امور مذکورہ اسباب ہیں اور ہدی مسبب اور مسبب سبب کے بعد ہی ہوتا ہے اس لئے یہاں ہدی کو بیان کر رہا ہے لفظ ہدی میں دال کا کسرہ مع تشدید یا' اور دال کا سکون مع تخفیف یاء دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے حرم محترم میں بھیجا جائے اس کی ادنیٰ قسم ایک سال کی بکری یا بھیڑ یا دنبہ ہے اور اوسط قسم دو سال کی گائے یا بیل ہے اور اعلیٰ قسم پانچ برس کا اونٹ ہے۔

قولہ والشاۃ الخ باب حج میں جہاں کہیں خون واجب ہو تو بکری کافی ہے سوائے بحالت جنابت طواف زیارت کرنے اور وقوف عرفہ کے بعد حلق سے پہلے وطی کرنے میں کہ ان میں اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ جنایت عظیم ہے لہٰذا جابر بھی عظیم ہوگا۔

قولہ ویوکل الخ ہدی نفل' ہدی متعہ' ہدی قران تینوں کا گوشت کھانا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ہدی سے کھانا ثابت ہے[1] ہاں انکے علاوہ کسی اور ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں اگر کھائیگا تو کھانے کے بعد بقدر قیمت تاوان دینا لازم ہوگا کیونکہ احادیث سے ان کی ممانعت ثابت[2] ہے۔ نیز نفل ہدی کو اگر حرم بھیجنے سے قبل ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے ہدی نہیں ہے۔

(۱) ۔ مسلم عن جابر احمد' ابن راہویہ عن ابن عباس ۔۱۲ (۲) ۔ مسلم' ابن ماجہ' ابن ابی خیثمہ (فی تاریخہ) عن ابی قبیصہ' مسلم' ابن حبان' ابوداؤد عن ابن عباس' احمد' طبرانی عن عمر' خارجہ الثمالی ۔۱۲

قولہ وخص الخ ہدی متعہ اور ہدی قران دونوں کے ذبح کیلئے یوم نحر متعین ہے اس سے قبل ذبح کرنا بالا جماع جائز نہیں' یوم سے مراد مطلق وقت ہے پس جمیع اوقات نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲) کو ذبح کرسکتا ہے ان کے علاوہ دم نذر' دم جنایت' دم احصار اور نفل ہدی ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں مگر جگہ کے لحاظ سے ہر قسم کا خون حرم کیساتھ مخصوص ہے لقولہ تعالیٰ "ہدیا بالغ الکعبۃ" اور ہدی کا گوشت فقراء حرم پر صدقہ کرنا ضروری نہیں جس غریب کو چاہے دے سکتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ حرم کے فقراء پر صدقہ کرے۔

فائدہ: خون چار قسم کے ہیں اول وہ جو زمان و مکان ہر دو کیساتھ خاص ہیں جیسے دم متعہ' دم قران' دم تطوع (بروایت قدوری) دم احصار (صاحبین کے نزدیک) دوم، وہ جو صرف وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم احصار (امام صاحب کے نزدیک دم تطوع (بروایت اصل) سوم، وہ جو صرف وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم اضحیہ، چہارم وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ خاص نہیں جیسے دم نذر (طرفین کے نزدیک)۔

قولہ ویتصدق الخ اور ہدی کے جانور کی جھول اور نکیل خیرات کردے اور اس کے گوشت میں سے قصاب کو مزدوری نہ دے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو یہی فرمایا تھا[1] اور بلا ضرورت ہدی پر سوار نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہدی پر سوار ہو دستور کے مطابق جب تک کہ تجھ کو ضرورت ہو"[2] نیز ہدی کا دودھ بھی نہ دوہے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا مار دے تا کہ دودھ ٹپکنا بند ہو جائے مگر یہ اس وقت ہے جب ذبح کرنے کی جگہ قریب ہو اگر دور ہو تو دودھ دوہ کہ خیرات کر دینا چاہئے تا کہ تھنوں کے تناؤ سے جانور کو تکلیف نہ ہو۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مسائل منثورۃ: وَلَوْشَهِدُوْا بِوُقُوْفِهِمْ قَبْلَ يَوْمِهٖ يُقْبَلُ وَبَعْدَهٗ لَا

(مسائل متفرقہ) اگر گواہی دی لوگوں نے کہ حجاج نے عرفہ سے ایک روز قبل وقوف کیا تو گواہی قبول کی جائیگی اور ایک روز بعد کے متعلق ہو تو قبول نہ ہوگی

وَلَوْ تَرَكَ الْجَمْرَةَ الْاُوْلٰى فِى الْيَوْمِ الثَّانِىْ رَمَى الْكُلَّ اَوِالْاُوْلٰى فَقَطْ وَمَنْ اَوْجَبَ حَجًّا مَاشِيًا لَايَرْكَبُ

اور اگر چھوڑ دی جمرۂ اولیٰ کی رمی گیارھویں تاریخ میں تو پوری رمی کرے یا صرف پہلی اور جس نے واجب کر لیا حج پیادہ پا تو نہ سوار ہو

حَتّٰى يَطُوْفَ لِلرُّكْنِ وَلَوْ اِشْتَرٰى اَمَةً مُحْرِمَةً حَلَّلَهَا وَجَامَعَهَا

یہاں تک کہ طواف رکن کرلے اور جس نے خریدا محرمہ باندی کو تو اس کو حلال کر کے جماع کرے۔

مسائل متفرقہ

تشریح الفقہ: قولہ مسائل الخ مصنفین کی عادت ہے کہ ابواب سابقہ میں جو چیزیں رہ جاتی ہیں یا نادر ہوتی ہیں ان کو کتاب کے آخر میں مسائل منثورہ۔ مسائل متفرقہ' مسائل شتی' مسائل لم تدخل فی الابواب اور فروع وغیرہ کے عنوان کے ساتھ علیحدہ ذکر کر دیتے ہیں یہاں بھی اسی قسم کے چند مسائل مذکور ہیں۔

قولہ ولو شہدوا الخ وقوف عرفات کے بعد لوگوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف عرفہ کے دن نہیں ہوا پہلے ہوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی اور وقوف عرفات کا اعادہ لازم ہوگا کیونکہ تدارک ممکن ہے اور اگر لوگوں نے گواہی دی کہ وقوف عرفات یوم عرفہ کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور حجاج کا وقوف استحساناً صحیح مانا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کا اشتباہ اکثر ہو جاتا ہے جس سے بچنا ممکن نہیں اگر اجتہاد و کوشش کے بعد بھی صحت حج کا حکم نہ دیا جائے تو لوگوں میں قیل و قال اور فتنہ برانگیختہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کے قلوب اس شک کی وجہ سے کہ نہ معلوم حج ہوا یا نہیں نہایت مکدر ہو جائیں گے کہ بمشقت تمام قطع منازل بعیدہ اور زر کثیر خرچ کر کے تو یہاں پہنچے تھے پھر بھی ہمارا حج نہیں ہوا۔

---

(۱)۔ ائمہ ستہ غیر الترمذی۔۱۲ (۲)۔ مسلم عن جابر۔۱۲

قولہ ولو ترک الخ ایک شخص نے دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو جمرۂ ثانیہ اور جمرہ ثالثہ کی رمی کی اور جمرۂ اولیٰ (جو مسجد خیف کے متصل ہے) رمی چھوڑ دی تو بوقت قضا کل جمرات کی رمی کرے تا کہ ترتیب وار ہو جائے لیکن اگر صرف جمرۂ اولیٰ کی رمی کی تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ترتیب مسنون ہے نہ کہ واجب۔

قولہ ومن اوجب الخ ایک شخص نے پیادہ پاحج کرنے کی نذر کی تو طواف زیارت سے فارغ ہونے تک پیدل چلنا ضروری ہے اگر تمام راستہ میں یا اکثر راستہ میں سوار ہوگا تو خون بہا دینا پڑے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے اوپر کامل مشقت کے ساتھ حج کا التزام کیا ہے لہٰذا اس کو اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے ہاں طواف زیارت کے بعد سوار ہو سکتا ہے کیونکہ طواف زیارت تک تمام حج کے ارکان پورے ہو سکتے ہیں۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے باندی خریدی جو اپنے آقا کی اجازت سے احرام باندھے ہوئے تھی تو مشتری کیلئے جائز ہے کہ وہ باندی کو اس کے احرام سے بال کترانے یا ناخن کاٹنے یا خوشبو لگانے کے ذریعہ سے خارج کر دے اور صحبت کرنے نیز جماع کرنے کے ذریعہ سے بھی تحلیل کر سکتا ہے مگر یہ امر حج کی تعظیم کے پیش نظر بہتر نہیں۔

كِتَابُ النِّكَاحِ

قولہ کتاب الخ عبادات سے فراغت کے بعد معاملات کو شروع کر رہا ہے اس واسطے کہ بقاء عابدین کا راز صحت معاملات ہی میں مضمر ہے پھر معاملات میں سے نکاح کو مقدم کر رہا ہے کیونکہ عبادات کے ساتھ نکاح کا تعلق بہت قریبی تعلق ہے یہاں تک کہ اشتغال بالنکاح نفلی عبادت کیلئے خلوت گزینی سے افضل ہے۔ درمختار، در منتقی وغیرہ میں ہے کہ مسلمانوں کیلئے ایمان اور نکاح کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک مشروع رہی ہو اور پھر بہشت میں دائمہ رہے صاحب مجمع الانہر نے نکاح کو عبادات سے مؤخر کرنے کی توجیہ میں کہا ہے کہ عبادات کی بہ نسبت نکاح بمنزلہ بسیط کے ہے کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ عبادت تو بایں جہت ہے کہ اس میں مشغول ہونا محض عبادت کیلئے خلوت گزیں رہنے سے افضل ہے دوم یہ کہ اس میں امت محمدیہ کی جماعت کی تکثیر ہے جس پر حضور اکرم ﷺ قیامت کے دن فخر فرمائیں گے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ" سو یہ کہ نکاح کے ذریعہ زنا سے آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو نکاح کی طاقت ہو اس کو چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ اس سے نگاہ پست اور شرمگاہ عفیف رہتی[1] ہے" چہارم یہ کہ اس میں اہل وعیال کے حقوق کی ذمہ داری عورتوں کی بدمزاجی پر صبر ان کی اصلاح کی سعی وکوشش ان کیلئے کسب حلال میں محنت اٹھانے اولاد کی تربیت قائم رہنے کا مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اور معاملہ بایں جہت ہے کہ نکاح میں مال ومہر کی ادائیگی ہوتی ہے ایجاب وقبول ہوتا ہے شہادت ہوتی ہے وغیر ذالک۔

قولہ النکاح الخ نکاح کے لغوی معنی میں چار قول ہیں اول یہ کہ لفظ نکاح باشتراک لفظی وطی اور عقد کے درمیان مشترک ہے ظاہر صحاح سے یہی مفہوم ہوتا ہے صحاح میں ہے" النکاح الوطؤ وقد یکون العقد تقول نکحتھا ونکحت ھی ای تزوجت اہ" اسی کو صاحب غایۃ البیان نے ترجیح دی ہے کیونکہ مشترک لفظ اپنے دونوں معنوں میں حقیقت ہوتا ہے اور حقیقت ہی اصل ہے۔ دوم یہ کہ معنی عقد میں اسکا استعمال حقیقت ہے اور وطی میں مجاز، اصولیین نے "متی امکن العمل بالحقیقۃ سقط المجاز" کی بحث میں اس قول کو امام شافعی کی جانب سے منسوب کیا ہے، سوم یہ کہ اس کا برعکس ہے یعنی وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز، ہمارے اکثر مشائخ کا قول بھی یہی ہے جس کی تصریح فتح القدیر میں موجود ہے اور اسی پر صاحب مغرب نے جزم ویقین ظاہر کیا ہے پس قرآن وحدیث میں جہاں لفظ نکاح قرائن سے خالی ہوگا وہاں جماع مراد ہوگا۔ جیسے آیت" ولا تنکحو امانکح اباء کم اہ" کہ اس میں نکاح سے مراد جماع ہے بخلاف اس آیت کے "حتی تنکح زوجاً غیرہ" کہ اس میں جماع مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ عورت کی طرف نکاح کی اسناد اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ عورت مفعول ہوتی ہے نہ کہ فاعل پس عورت کا جماع کرنا ممکن نہیں چہارم یہ کہ اس کے حقیقی معنی ملانا اور جمع کرنا ہے قال الشاعر: ان القبور تنکح الایامی ☆ النسوۃ الارامل الیتامی. ای تضم وتجمع الیٰ نفسھا ہمارے مشائخ سے اس معنی کی تصریح بھی موجود ہے چنانچہ صاحب محیط نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب کافی ودیگر محققین نے اسی کی پیروی کی ہے علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ وطی معنی ضم وجمع کا ایک فرد ہے اور جو لفظ معنی اعم کیلئے موضوع ہو وہ اپنے ہر فرد میں حقیقت ہی ہوتا ہے جیسے زید کیلئے لفظ انسان کا استعمال حقیقت ہے۔ وعارضہ صاحب البحر بمالم یرتضہ المشائخ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱) صحیحین عن ابن مسعود۔۱۲

هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلٰى مِلْكِ الْمُتْعَةِ قَصْدًا اَوْ هُوَ سُنَّةٌ وَعِنْدَ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ

نکاح ایک عقد ہے جو وارد ہوتا ہے ملک متعہ پر قصدا اور وہ سنت ہے اور غلبہ شہوت کے وقت واجب ہے

وَيَنْعَقِدُ بِاِيْجَابٍ وَقَبُوْلٍ وُضِعَا لِلْمَاضِيْ اَوْ اَحَدُهُمَا

اور منعقد ہو جاتا ہے ایجاب وقبول کیساتھ وہ دونوں زمانہ گزشتہ کیلئے موضوع ہوں یا انمیں سے ایک

نکاح کی تعریف اور اس کا حکم

تشریح الفقہ: قولہ ہوالخ عقد سے اس کے مصدری معنی یعنی فعل متکلم مراد نہیں بلکہ حاصل مصدر یعنی اجزا التصرف شرعی کا ارتباط مراد ہے ملک متعہ سے مراد عورت سے انتفاع اور اسکے ساتھ وطی کرنے کی ملکیت کا حاصل کرنا ہے۔اور ملک متعہ پر اس عقد کے وارد ہونے کا مطلب نکاح کا مفید انتفاع مخصوص ہونا ہے حاصل آنکہ عرف اہل شرع میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد مفید ملک متعہ ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو قصداً کی قید کے ذریعہ ضمنی حلت سے احتراز مقصود ہے پس باندی خریدنے والے کو جو وطی کی حلت حاصل ہوتی ہے اس کو شرع میں نکاح نہیں کہتے کیونکہ خریدنے سے اصلی مقصود ملکیت ہے نہ کہ قربت اور وطی کرنا۔

قولہ وہو سنۃ الخ یہاں سے نکاح کی صفت بیان کر رہا ہے۔صفت نکاح مرد کے حالات پر مبنی ہے کہ اختلاف حالات سے نکاح کا حکم مختلف ہے، پس اگر زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور نکاح کئے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو نکاح کرنا فرض ہے اور اگر عورت کی حق تلفی کا خوف ہو تو مکروہ ہے اور اگر ظلم وستم کا یقین ہو تو حرام ہے اور حالت اعتدال میں داؤد ظاہری اور ان کے ہم خیال علما کا نظریہ یہ ہے کہ اعتدال کی حالت میں وطی اور نان نفقہ پر قدرت رکھنے والے کیلئے نکاح فرض عین ہے کیونکہ آیت ''فانکحوا ما طاب لکم'' میں حکم نکاح بصیغہ امر ہے اور امر فرضیت کے لئے ہوتا ہے۔جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرائض وارکان دین شمار کراتے وقت اس کو ذکر نہیں فرمایا اگر یہ فرض ہوتا تو ضرور ذکر فرماتے۔رہا فانکحوا کا بصیغہ امر ہونا سو امر ہمیشہ فرضیت کیلئے نہیں ہوتا حالت اعتدال میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے فرض کفایہ بعض نے واجب عین کہا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی'' (او کما قال) امام شافعی سے منقول ہے کہ نکاح مباح اور عبادت کیلئے خلوت گزینی نکاح سے افضل ہے کیونکہ آیت ''وسیدا وحصورا'' میں حضرت یحیٰ کی تعریف لفظ حصور کیساتھ کی گئی ہے جس کے معنی قدرت کے باوجود عورت کے پاس نہ آنے والے کے ہیں جواب یہ ہے کہ یہ حضرت یحیٰ کی شریعت میں افضل اور قابل مدح تھا ہماری شریعت میں رہبانیت منسوخ ہو چکی حضرت انس سے حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ ''ہر امت کیلئے ایک رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔

قولہ وینعقد الخ جاننا چاہئے کہ شریعت نے بعض مرکبات اخباریہ کو انشا مانا ہے جن کے پائے جانے سے ایک شرعی معنی کا تحقق ہوتا ہے اور اس پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً جب یوں کہا جائے زوجت تو اس سے ایک شرعی معنی کا تحقق ہوتا ہے یعنی نکاح کا اس پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے یعنی ملک متعہ اسی طرح جب کہا جائے بعت واشتریت تو اس سے بیع کا تحقق ہوتا ہے اور اس پر حکم شرعی یعنی ملک عین کا ترتب ہوتا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر چیز کیلئے علل اربعہ کا ہونا ضروری ہے فاعلیہ، مادیہ، صوریہ، غائیہ، باب نکاح میں علت فاعلیہ متعاقدین ہیں اور علت مادیہ ایجاب وقبول ہے اور علت صوریہ اجزا التصرف شرعی کا ارتباط ہے اور علت غائیہ استمتاع ہے اتنی بات ذہن نشین کر لینے کی بعد سمجھنا چاہئے کہ انعقاد سے مراد ایجاب وقبول میں سے ہر ایک کا دوسرے کیساتھ اس طرح مرتبط ہونا ہے کہ اس کو عقد شرعی کہا جا سکے اور اس پر شرعی احکام مرتب ہو سکیں اور بایجاب میں باء برائے استعانت نہیں کیونکہ یہ ایجاب وقبول کی اجزا مادیہ ہونے کے منافی ہے بلکہ باء برائے ملابست ہے جیسے بنیت البیت بالحجر والمدر میں باء برائے ملابست ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نکاح منعقد اور متحقق ہو جاتا ہے جبکہ وہ ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے ملے درانحالیکہ وہ ایجاب وقبول فعل ماضی کے لئے موضوع ہوں کیونکہ تحقق

اور وقوع پر ماضی ہی دلالت کرتی ہے بخلاف زمانہ حال کے کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں وہ تو اجزاء ماضی اور اجزاء استقبال ہوتا ہے اور بخلاف زمانہ استقبال کے کہ وہ بوقت تکلم معدوم المضمون ہوتا ہے اس لئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے خواہ ایجاب وقبول دونوں کیلئے ماضی کا صیغہ ہو یا ان میں سے کسی ایک کیلئے ہو۔

وَاِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ وَمَا وُضِعَ لِتَمْلِيْكِ الْعَيْنِ فِي الْحَالِ عِنْدَ حُرَّيْنِ اَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ

اور نکاح صرف لفظ نکاح اور تزویج اور ان الفاظ سے درست ہے جو فی الحال تملیک عین کیلئے موضوع ہوں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد

عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ اَوْ اَعْمَيَيْنِ اَوْ ابْنَي الْعَاقِدَيْنِ وَصَحَّ تَزَوُّجُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً

عورتوں کی موجودگی میں جو عاقل بالغ اور مسلمان ہوں اگر چہ فاسق یا محدود یا نابینا یا عاقدین کے بیٹے ہی ہوں اور صحیح ہے مسلمان کا نکاح کرنا ذمیہ

عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُّزَوِّجَ صَغِيْرَتَهُ

کے ساتھ دو ذمیوں کی موجودگی میں اور جس نے حکم کیا دوسرے کو اپنی چھوٹی لڑکی کے نکاح کرنے کا

فَزَوَّجَهَا عِنْدَ رَجُلٍ وَالْاَبُ حَاضِرٌ صَحَّ وَاِلَّا لَا

اور اس نے نکاح کر دیا ایک مرد کیساتھ اور باپ موجود ہے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

تشریح الفقہ : قولہ وانما یصح الخ نکاح ہر اس لفظ سے ہو جاتا ہے جو نکاح کیلئے صراحۃً موضوع ہو جیسے لفظ نکاح' انکاح' تزویج یا بالفعل عین شئی کی تملیک کیلئے موضوع ہو جیسے لفظ بیع' شراء' ہبہ' تملیک' صدقہ' جعل' عطیہ' قرض وغیرہ تملیک سے مراد کامل تملیک ہے پس لفظ شرکت سے نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ شرکت میں پوری تملیک نہیں ہوتی عین کی قید سے اعارہ اور اجارہ خارج ہو گیا۔ کیونکہ یہ تملیک عین متعہ کیلئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے موضوع ہیں اسی طرح اباحت' احلال' براء' اجارہ' فدا' خلع' کتابت' رضیٰ' ودیعۃ' صلح' رہن وغیرہ الفاظ سے بھی نکاح صحیح نہیں کیونکہ یہ الفاظ تملیک عین کیلئے موضوع نہیں ہیں۔ فی الحال کی قید سے وصیت نکل گئی کیونکہ وصیت میں تملیک موت کے بعد ہوتی ہے عام مشائخ کا عندیہ یہی ہے امام طحاوی سے منقول ہے کہ لفظ وصیت سے علی الاطلاق نکاح صحیح ہے اور امام کرخی سے منقول ہے کہ اگر وصیت زمانہ حال کیساتھ مقید ہو تو نکاح صحیح ہے بان یقول اوصیت بابنتی لک الآن یہ کل تفصیل احناف کے یہاں ہے امام شافعی وامام احمد کے نزدیک نکاح وتزویج کے علاوہ اور کسی لفظ سے نکاح صحیح نہیں کیونکہ لفظ تملیک وہبہ وغیرہ نکاح کیلئے نہ حقیقۃً موضوع ہے نہ مجازاً ہم یہ کہتے ہیں کہ تملیک بواسطہ ملک رقبہ ملک متعہ کا سبب ہے اور سبب مجاز کا ایک طریقہ ہے۔

قولہ عند الخ عند ظرف ''ینعقد'' سے متعلق ہے اور یہاں سے نکاح کی شرط خاص کا بیان ہے اور وہ یہ کہ نکاح بلا گواہ صحیح نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لانکاح الا بولی وشاہدی عدل[1]'' نکاح صحیح نہیں ولی اور دو عادل شاہدوں کے بغیر۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''زانی عورتیں وہ ہیں جو شاہدوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں[2]'' امام مالک کے یہاں صحت نکاح کیلئے گواہی شرط نہیں صرف اعلان کافی ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ اعلنو النکاح واضربوا علیہ بالغربال[3]''۔ جواب یہ ہے کہ روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اس سے گواہی شرط ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

قولہ حرین الخ نکاح میں شہادت کیلئے گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے پس عبد محض' عبد مکاتب مدبر کی موجودگی میں نکاح صحیح نہیں کیونکہ شہادت ولایت نہیں ہوتی اور غلام کی خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیر پر کب ہو سکتی ہے۔ نیز گواہوں کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ عقل وبلوغ کے بغیر ولایت نہیں ہوتی پس مجنون اور بچوں کی موجودگی میں نکاح صحیح نہ ہوگا اسی طرح نکاح مسلمین میں گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے قال تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً البتہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ایک

(۱) ابن حبان عن عائشہ ۱۲ (۲) ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً' عبد الرزاق موقوفاً (۳) ترمذی' ابن ماجہ عن عائشہ ۱۲

مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا امام شافعی کے یہاں مرد ہونا ضروری ہے۔ نیز ہمارے یہاں عدالت بھی شرط نہیں بلکہ دو فاسقوں اور دو محدود فی القذف کی موجودگی میں بھی نکاح صحیح ہے امام شافعی کا اس میں بھی اختلاف ہے ہمارے یہاں صحت شہادت کیلئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شخص اپنی ذاتی ولایت سے قبول نکاح کا مالک ہو سکتا ہے اس کے روبرو نکاح منعقد ہو جائے گا مثلاً فاسق اور ذمی کو قبول کا اختیار ہے تو ان کا گواہ ہونا بھی درست ہے بخلاف بچہ اور غلام اور مجنون کے کہ ان کو اپنی ذات کا اختیار نہیں تو انکی گواہی بھی درست نہیں۔

قولہ وصح الخ اگر عورت ذمیہ ہو تو شیخین کے نزدیک مسلمان مرد کا نکاح دو ذمیوں کی موجودگی میں صحیح ہو جائے گا امام محمد اور زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول کو سننا ہی شہادت ہے اور مسلمان کے حق میں کافر کی شہادت نہیں پس یہ ایسا ہو گیا جیسے گویا انہوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں شہادت کا شرط ہونا وجوب مہر کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اثبات ملک کے اعتبار سے ہے اور اس پر وہ دونوں شاہد ہیں لہٰذا ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔

قولہ ومن امر الخ ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا کہ تو میری چھوٹی لڑکی کا کسی کے ساتھ نکاح کردے وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا درانحالیکہ مجلس میں اس کا باپ موجود تھا تو نکاح درست ہو گیا کیونکہ اس صورت میں باپ کو حکماً عاقد کہا جائیگا اور وکیل اور ایک مرد یا دو عورتوں کو شاہد نکاح قرار دیا جائے گا۔ اور اگر باپ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وکیل عاقد ہے اور ایک مرد یا دو عورتیں گواہ ہیں اور صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کی موجودگی میں نکاح نہیں ہوتا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فصل فی المحرمات

فصل محرمات کے بیان میں

قولہ فصل الخ مشروعیت نکاح بیان کرنے کے بعد محرمات کو بیان کرتا ہے تاکہ محلات ومحرمات کے درمیان امتیاز ہو سکے، حرمت کے اسباب نو ہیں (۱) قرابت یعنی نسبی رشتہ داری (۲) مصاہرت سسرالی رشتہ داری (۳) رضاع یعنی شیر خوارگی کی رشتہ داری۔ (۴) جمع یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا (۵) عدم دین سماوی جیسے مجوسی اور بت پرست سے نکاح کرنا۔ (۶) ادخال الامۃ علی الحرۃ یعنی آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا۔ (۷) ملک میں جیسے آقا کا اپنی باندی سے یا سیدہ کا اپنے غلام سے نکاح کرنا (۸) حق غیر یعنی دوسرے کی منکوحہ یا اس کی معتدہ یا ثابت النسب حاملہ سے نکاح کرنا (۹) طلقات الثلاث یعنی جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئیں ہوں مصنف نے ان اسباب تسعہ میں سے یہاں سات اسباب کے ذریعہ محرمات کو ذکر کیا ہے اور مطلقہ ثلاثہ کی حرمت کو باب الرجعہ کے بعد والی فصل میں بیان کیا ہے۔ اور محرمہ لحق الغیر کی تصریح نہیں کی کیونکہ دوسرے کی منکوحہ کا حرام ہونا بالکل ظاہر ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے اسباب حرمت اکیس شمار کرائے ہیں جن میں لعان، خنثی مشکل، جنیہ اور دریائی انسانوں کو بھی لیا ہے۔ قنیہ میں حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں جنیہ عورت کے ساتھ آدمی کا نکاح صحیح ہے لیکن زواہر الجواہر میں اسی کو صحیح کہا ہے کہ آدمی کا جنیہ سے اور جن کا آدمیہ سے نکاح کرنا صحیح نہیں کیونکہ جنس مختلف ہو گئی حالانکہ آیت "واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً"۔ میں امتنان اتحاد جنس کی صورت میں ہے۔"

قولہ فی المحرمات الخ نساء محرمہ دو طرح کی ہیں اول وہ جن کی حرمت دائمی ہے دوم وہ جن کی حرمت موقت ہے اول یعنی محرمات مؤبدہ بائیس ہیں سات کی حرمت نسب کے سبب سے ہے جن کا ذکر آیت "حرمت علیکم امہاتکم الخ" میں مصرح ہے اور وہ یہ ہیں ماں بیٹی بہن پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی اور چار کی حرمت مصاہرت کے سبب سے ہے یعنی خوشدامن، ربیبہ، باپ کی منکوحہ اور بہو یہ کل گیارہ عورتیں ہوئیں یہی گیارہ رضاعت کے سبب سے حرام ہیں۔ محرمات موقتہ سات ہیں دو بہنوں کے درمیان جمع کرنا، چار کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کرنا، آزاد کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا، جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی ہو اس کی عدت میں چوتھی سے شادی کرنا اسی طرح اسی کی بہن سے شادی کرنا، امتہ مکاتبہ، امراۃ مشرکہ، پس یہ کل انتیس عورتیں ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حَرُم تَزَوُّجُ اُمِّهٖ وبنتِهٖ وَاِنْ بَعُدَتَا وَاُختِهٖ وَبِنْتِهَا وَبِنْتِ اَخِيْهِ وَعَمَّتِهٖ وَخَالَتِهٖ وَاُمِّ امْرَاَتِهٖ وَبِنْتِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا

حرام ہے نکاح کرنا اپنی ماں اور بیٹی سے گو دور کی ہو اور اپنی بہن بھانجی، بھتیجی، پھوپی خالہ، ساس اور بی بی کی لڑکی سے اگر بی بی سے صحبت کر چکا ہو

وَامْرَأَةِ اَبِيْهِ وَابْنِهٖ وَاِنْ بَعُدَتَا وَالْكُلُّ رِضَاعًا وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَوَطْيًا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ

اور اپنے باپ کی بیوی سے اور بہو سے گو باپ اور بیٹا دور کا ہو اور یہ سب حرام ہیں دودھ کے ناتے سے اور دو بہنوں کو جمع کرنا نکاح میں یا وطی میں خریدنے کی جہت سے

محرمات کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ حرم الخ اپنی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے گو وہ دور کی ہوں جیسے دادی نانی پرنانی پوتی' نواسی الخ وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ ام اور لفظ بنت ہے۔ اور لغت میں ام اصل کو اور بنت فرع کو کہتے ہیں پس یہ سب محرمات میں داخل ہیں خواہ بطریق عموم مجاز ہو یا بطریق تشکیک یا اس بنا پر کہ ان کی حرمت پر اجماع ہے۔ اپنی بہن سے اور بہن کی لڑکی یعنی بھانجی سے اور بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی سے اور پھوپھی' خالہ' خوشدامن اور اپنی بی بی کی لڑکی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے بشرطیکہ بی بی سے صحبت کر چکا ہو ان عورتوں کی حرمت میں اصل یہ آیت ہے "حرمت[1] علیکم امهاتکم وبناتکم ۱۵"۔

فائدہ: پھوپھی اور خالہ کی حرمت میں دادا' اور دادی کی پھوپھی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے البتہ مادری پھوپھی کی پھوپھی اور سوتیلی خالہ کی خالہ حلال ہے اس واسطے کہ مادری پھوپھی کا باپ دادی کا شوہر ہے تو مادری پھوپھی دادی کے شوہر کی بہن ہوئی اور چونکہ زوج الام کی بہن حرام نہیں تو زوج الجدہ کی بہن بطریق اولی حرام نہ ہوگی اور اگر پھوپھی سگی یا سوتیلی ہو تو پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے کیونکہ پھوپھی دادا کی بہن ہوئی تو جیسی باپ کی بہن حرام ہے ویسے ہی دادا کی بہن حرام ہے اور سوتیلی خالہ کی خالہ اس لئے حلال ہے کہ سوتیلی خالہ کی ماں سگی نانی نہیں بلکہ نانا کی زوجہ ہے تو اس کی سگی بہن نانا کی سالی ہوئی اور نانی کی ایسی سالی ناتی پر حرام نہیں اور اس کی خالہ یا مادری خالہ ہو تو اس صورت میں خالہ کی خالہ حلال نہیں (غایۃ الاوطار ج:۲ص:۱۱)

قولہ والکل رضاعاً الخ جن رشتوں کی حرمت نسب اور مصاہرت کے سبب سے اوپر مذکور ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب[2]"۔ پس رضاعی ماں' بہن' دادی' نانی' بھتیجی سب حرام ہیں خلاصہ یہ کہ دایہ کی تمام رشتہ والی عورتیں شیر خوار پر حرام ہیں اور شیر خوار کی طرف سے زوجین اور فروع دایہ وغیرہ پر حرام ہیں قال الشاعر:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند وز جانب شیر خوار زوجان و فروع

تنبیہ: رضاعت کی بعض صورتیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ خود مصنف نے باب الرضاع میں چند صورتوں کا استثناء کیا ہے بعض حضرات نے اکیس صورتیں مستثنیٰ مانی ہیں اور بعض نے اس سے بھی زائد' جن کی تفصیل کتاب الرضاع میں پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ والجمع الخ دو بہنوں کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے قال تعالیٰ۔ "وان تجمعوا بین الاختین۔" ہم نے عقد صحیح اس لئے کہا ہے کہ نکاح فاسد میں جماع کرنا حرام نہیں جیسے ایک عورت سے نکاح فاسد کیا پھر اسکی بہن سے نکاح صحیح کیا تو درست ہے کیونکہ نکاح فاسد میں وطی حلال نہیں ہوتی نیز دو بہنوں کو بواسطہ ملک یمین وطی میں جمع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا پانی دو بہنوں کے رحم میں ہرگز جمع نہ کرے۔

---

(۱) صحیحین ابن عباس۔ ائمہ ستہ غیر ابن ماجہ عن عائشہ بالفاظ۔۱۲(۲)... ہذا الحدیث غریب لم یتعرض لہ واحد من الشراح غیر ان الاکا کی احالہ علی ماذکر فی المبسوط والسروجی فی الذخیرۃ ولمالکیۃ نعم فی ہذا الباب احادیث اخر۔۱۲

فَلَوْ تَزَوَّجَ اُخْتَ اَمَتِهِ الْمَوْطُوْاَةِ لَمْ يَطَأْ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتّٰى يَبِيْعَهَا وَلَوْ تَزَوَّجَ اُخْتَيْنِ

پس اگر نکاح کر لیا اپنی موطوءہ باندی کی بہن سے تو نہ وطی کرے کسی ایک سے یہاں تک کہ فروخت کر دے باندی کو اور اگر نکاح کیا دو بہنوں سے

فِيْ عَقْدَيْنِ وَلَمْ يَدْرِ الْاَوَّلَ فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَبَيْنَ امْرَأَتَيْنِ اَيَّةٌ فُرِضَتْ ذَكَرًا حَرُمَ النِّكَاحُ

دو عقدوں میں اور اول معلوم نہ ہو تفریق کی جائے گی ان میں اور دونوں کیلئے نصف مہر ہوگا اور صحیح نہیں ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا کہ جس ایک کو مرد

وَالزِّنَا وَالْمَسُّ وَالنَّظْرُ بِشَهْوَةٍ تُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ.

فرض کیا جائے تو نکاح حرام ہو اور زنا کرنا اور چھونا اور دیکھنا شہوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے دامادی حرمت کو

وَحَرُمَ تَزَوُّجُ اُخْتِ مُعْتَدَّتِهٖ وَاَمَتِهٖ وَسَيِّدَتِهٖ وَالْمَجُوْسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ

اور حرام ہے نکاح کرنا اپنی معتدہ کی بہن اور اپنی باندی اور مالکہ اور مجوسیہ اور بت پرست عورت سے۔

توضیح اللغۃ: لمس چھونا، مصاہرۃ سسرالی رشتہ داری، مجوسیہ آتش پرست عورت، وثنیہ بت پرست عورت۔

تشریح الفقہ: قولہ فلو تزوج الخ اگر کسی نے اپنی موطوءہ باندی سے نکاح کر لیا تو نکاح ہو جائے گا لیکن وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ ان میں سے کسی ایک کی حلت جماع کو اپنے اوپر حرام نہ کر لے مثلاً یہ کہ باندی کو فروخت کر دے یا کسی دوسرے کیساتھ اس کی شادی کرا دے یا منکوحہ کو طلاق دیدے وجہ یہ ہے کہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہوتی ہے اگر یہ کسی ایک سے صحبت کرے گا تو دو بہنوں کو وطی میں جمع کرنا لازم آئے گا۔

قولہ لو تزوج اگر کسی نے دو بہنوں سے یا دو محرمہ عورتوں سے دو عقدوں کے ساتھ نکاح کیا اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے پہلی بیوی کون ہے تو اس صورت میں قاضی کے حکم سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ فرقت طلاق کے حکم میں ہوگی نہ کہ فسخ کے حکم میں کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح بالیقین باطل ہے اور عدم اولویت کی بناء پر کسی ایک کی تعیین ممکن نہیں اسلئے لامحالہ تفریق کیجائے گی پھر ان میں سے پہلی بیوی کیلئے نصف مہر واجب ہوگا چونکہ اولیت معلوم نہیں اسلئے نصف مہر دونوں کو دیا جائے گا۔

تنبیہ: وجوب نصف مہر چار شرطوں کے ساتھ ہے (۱) بوقت عقد مہر معین نہ ہو تو نصف مہر کے عوض میں دونوں کو ایک متعہ یعنی پوشاک دی جائے گی (۲) دونوں کا مہر برابر ہو مختلف ہونے کی صورت میں اگر دونوں کا مہر معلوم ہو تو ہر ایک کو اس کا چوتھائی اور معین طور پر معلوم نہ ہونے کی صورت میں دونوں مہروں سے جو کمتر ہو اسکا نصف ملے گا (۳) فرقت قبل الدخول ہو اگر دخول کے بعد ہو تو ایک کو پورا مہر دیا جائے گا کیونکہ دخول کیوجہ سے مہر ثابت ہو جاتا ہے اور اگر ایک بی بی مدخولہ ہو تو اس کو کامل مہر ملے گا اور غیر مدخولہ کو چوتھائی (۴) دونوں میں سے ہر ایک بیوی دعویٰ کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا ہے اور بینہ کسی کے پاس نہ ہو۔

قولہ وبین امرأتین الخ یہ ایک قاعدہ کلیہ سا ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کیلئے دوسری حلال نہ ہو جیسے کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع کرنا کہ اگر عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا نکاح جائز نہیں کیونکہ اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے اور پھوپھی کو مرد فرض کر لیا جائے تب بھی نکاح جائز نہیں کیونکہ بھتیجی سے نکاح کرنا درست نہیں اسی طرح خالہ اور بھانجی کا حال ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھانجی پر"[1] ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا اس لئے حرام ہے کہ اس میں قطع رحم لازم آتا ہے چنانچہ طبرانی کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے، سوال قرآن سے تو صرف جمع بین الاختین کی حرمت ثابت ہوتی ہے پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان جمع کرنے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جواب: حدیث مذکور مشہور ہے جس کے ذریعہ سے آیت کے عموم میں تخصیص جائز ہے۔

(۱) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرۃ، طبرانی عن ابن عباس۔۱۲

قولہ ایۃ فرضت الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جس ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس پر حرام ہو پس اگر مرد فرض کرنے کی تقدیر پر دوسری حرام نہ ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک نکاح جائز ہے۔ مثلاً ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی اگر عورت کو مرد فرض کیا جائے تو اس پر عورت کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں اور اگر شوہر کی بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو عورت اس پر حرام ہے تو ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے اسیطرح باندی اور اس کے مالک کی بی بی کے درمیان جمع کرنا کہ اگر بی بی کو مرد قرار دیا جائے تو باندی حرام نہیں اور اگر باندی کو مرد ٹھہرایا جائے تو بی بی حرام ہے پس ان میں بھی جمع کرنا جائز ہے۔

قولہ والزنا الخ عورت کیساتھ زنا کرنا، اس کو شہوت کے ساتھ چھونا اس کی فرج داخل کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھنا حرمت مصاہرت کو واجب کرتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں ان چیزوں سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی وہ یہ فرماتے ہیں کہ مصاہرت ایک نعمت ہے کہ اجنبیہ عورتیں امہات کیساتھ اور اجنبی مرد آباء کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے پس یہ حرام کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی ہم یہ کہتے ہیں کہ وطی بواسطہ ولد جزئیت کا سبب ہے اسی لئے بچہ زوجین میں سے ہر ایک کیطرف منسوب ہوتا ہے پس موطوءہ عورت کے اصول و فروع وطی کرنیوالے کے اصول و فروع کی طرح ہو گئے، رہا یہ کہنا کہ مصاہرت ایک نعمت ہے لہذا اس کا حصول حرام فعل سے نہ ہو گا سو...... جواب یہ ہے کہ وطی جو موجب حرمت مصاہرت ہے وہ بایں حیثیت نہیں کہ وہ زنا ہے بلکہ بایں حیثیت ہے کہ وہ بچہ کا سبب ہے کہ بچہ میں کوئی قبح نہیں بلکہ وہ مکرم و محترم ہے اور آیت ''ولقد کرمنا بنی آدم،، کے تحت میں داخل ہے پس اس حیثیت سے سبب میں بھی قبح نہیں۔ اور شہوت کے ساتھ فرج داخل کیطرف نگاہ کرنا یا عورت کو چھونا چونکہ وطی کے اسباب اور اس کیطرف داعی ہیں اس لئے احتیاطاً اسی کے قائم مقام ہیں۔

قولہ حرم الخ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دیدی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے تو اس وقت تک اس کی بہن سے شادی کرنا حرام ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس کی عدت طلاقوں کی یا طلاق بائن کی ہو تو اس کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں نکاح بالکل ختم ہو چکا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ حرمت کا علم رکھتے ہوئے اس کے ساتھ صحبت کرے تو حد واجب ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح بالکل ختم نہیں ہوا کیونکہ نکاح کے احکام باقی ہیں مثلاً نان نفقہ واجب ہونا' عورت کے حق میں خروج کا ممنوع ہونا وغیرہ رہا حد کا واجب ہونا۔ سو اول تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس پر حد واجب ہے جیسا کہ مبسوط کی کتاب الطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو وجہ یہ ہے کہ عورت کی حلیت کے لحاظ سے تو مرد کی ملکیت زائل ہو چکی اس لئے اس کیساتھ صحبت کرنے سے زنا متحقق ہو گیا لیکن امور مذکورہ کے لحاظ سے ملکیت باقی ہے اس لئے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے جامع الاختین ہو گا۔ حاصل آنکہ یہاں من وجہ نکاح ختم ہو گیا اور من وجہ باقی ہے۔

قولہ والمجوسیہ الخ آتش پرست اور بت پرست عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ'' ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن '' مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ نیز حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ'' انکے ساتھ وہی برتاؤ کرو کہ جو تم اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو۔ بجز اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔'' فتح القدیر میں ہے کہ آفتاب پرست' ستارہ پرست' صورت پرست' معطلہ' زندیق' باطنیہ اور اباحیہ سب بت پرست ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَحَلَّ تَزَوُّجُ الْكِتَابِيَّةِ وَالصَّابِيَةِ وَالْمُحْرِمَةِ وَلَوْمُحْرِمًا وَالْاَمَةِ وَلَوْكِتَابِيَّةً وَالْحُرَّةِ عَلٰى اَمَةٍ لَاعَكْسُهٗ

اور حلال ہے نکاح کرنا کتابیہ صابیہ محرمہ سے گو مرد بھی محرم ہو اور باندی سے گو کتابیہ ہو اور آزاد عورت سے باندی کے نکاح پر نہ کہ اس کا عکس

وَلَوْفِی عِدَّۃِ الْحُرَّۃِ وَاَرْبَعٌ مِّنَ الْحَرَآئِرِ وَالْاِمَآءِ فَقَطْ وَثِنْتَیْنِ لِلْعَبْدِ وَحُبْلٰی مِنَ الزِّنَا لَا مِنْ غَیْرِہٖ

گو آزاد کی عدت میں ہو اور چار آزاد عورتوں سے یا باندیوں سے اور غلام کے لئے صرف دو سے اور اس سے جو حاملہ ہو زنا سے نہ کہ اسکے علاوہ سے

وَالْمَوْطُوْاَۃِ بِمِلْکٍ اَوِالزِّنَا وَالْمَضْمُوْمَۃِ اِلٰی مُحْرِمَۃٍ وَالْمُسَمّٰی لَھَا

اور اس سے جس سے وطی کی گئی ہو ملک یا زنا کے ذریعہ اور اس سے جو ملادی گئی ہو محرمہ کے ساتھ اور مہر اسی کے لئے ہے

حلال نکاحوں کا بیان

توضیح اللغۃ: صابیہ مؤنث صابی ایک یہودی فرقہ ہے، اماء جمع امۃ باندی۔ حبلیٰ حاملہ۔

تشریح الفقہ: قولہ والصابیۃ الخ امام صاحب کے نزدیک صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ فرقہ صابیہ اہل کتاب میں سے ہے یا نہیں؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ بت پرستوں میں داخل ہے کیونکہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ بت پرستوں میں داخل نہیں کیونکہ یہ زبور کو مانتے ہیں اور ستاروں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں اسی اشتباہ کی وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر صابیہ عورت کسی نبی اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ درست نہیں۔

قولہ والمحرمۃ الخ جو عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو تو احناف کے نزدیک اس سے احرام کی حالت میں نکاح جائز ہے عورت کا ولی اور نکاح کرنیوالا محرم ہو یا حلال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابن عباسؓ انس ابن مالک اسی کے قائل ہیں صاحب نہر الفائق نے جو نکاح محرمہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے یہ لائق التفات نہیں البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ان کی دلیل یہ روایت ہے "لاینکح المحرم[1] ولاینکح"[2] ہماری دلیل ہے "آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا۔"[3] سوال حضرت ابن عباسؓ سے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ جواب خود حافظ طبرانی ہی نے حضرت ابن عباسؓ سے پندرہ طریقوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ محرم تھے اسکے بعد کہا ہے کہ "ہذا ہو الصحیح"۔ سوال زید بن اصم نے خود حضرت میمونہؓ کا قول روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے میرے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا۔[4] جواب یزید بن اصم کی روایت کا وہ درجہ نہیں جو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا ہے کیونکہ وہ ائمہ ستہ کی متفق علیہ روایت ہے بخلاف یزید بن اصم کی روایت کے کہ اس کو نہ امام بخاری نے لیا ہے نہ امام نسائی نے نیز حفظ واتقان میں یزید بن اصم حضرت ابن عباسؓ کے برابر نہیں ہو سکتے اسی لئے حضرت عمرو بن دینار نے امام زہری سے فرمایا تھا۔ ومایدری ابن الاصم اعرابی بوال علی عقبیہ اتجعلہ مثل ابن عباس؟ سوال جن روایتوں میں "وہو محرم" کے الفاظ ہیں ان کا مطلب بقول ابن حبان یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ ارض حرم میں داخل تھے نہ یہ کہ محرم تھے جیسے کہا جاتا ہے "انجد" اذا دخل تہامۃ قال الشاعر۔

قتلوا ابن عفان الخلیفۃ محرماً
ودعا فلم ار مثلہ مخذولاً

---

(۱) الجماعۃ غیر البخاری، ابن حبان عن عثمان بن عفان۔۱۲ (۲) ائمہ ستہ عن ابن عباس، دارقطنی عن ابی ہریرۃ بزار عن عائشہ۔۱۲ (۳) مسلم ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ عن میمونۃ۔۱۲۔

(۴) ہذا الحدیث حملہ المشائخ علی الوطء فی الجملۃ الاولی فالنہی الرجل وعلی التمکین منہ فی الجملۃ الثانیۃ فالنہی المرأۃ والتذکیر باعتبار الشخص وکلمۃ لا فیہ جاز ان تکون ناہیۃ ودخولہا علی المسند للغائب جائز عند المحققین وان کان غیرہ اکثر وجاز ان تکون نافیۃ دفی النہایۃ والمعراج ان معنی الثانیۃ لایمکن المرأۃ من نفسہ لتطاۃ کما ہو فعل البعض فجعل التذکیر علی حقیقۃ وان النہی الرجل فیہما والیاء مفتوحۃ فی الجملۃ الاولی مضمومۃ فی الثانیۃ مع کسر الکاف نفیا ولا نکاح ومن فتح الکاف من الثانیۃ فقد صحف وجوز فی الفتح القدیر حمل النکاح فیہ علی العقد ویکون النہی فیہ للکراہۃ جمعا بین الدلائل وذالک لان المحرم فی شغل عن مباشرۃ عقود الانکحۃ لانہ یوجب شغل قلبہ وہو محل قولہ ولایخطب ولایلزم کونہ علیہ السلام باشرہ لعدم تحقق شغل قلبہ بخلاف ناہ وحمل فی خلاصۃ البیان قولہ ولایخطب علی النہی عن التماس الوطء وتوفیقا بین الاحادیث۔۱۲ بحر الرائق

جواب اول تو یہ تاویل صحاح جوہری کے خلاف ہے صحاح میں ہے" احرم الرجل اذا دخل فی اشھر الحرام" موصوف نے شعر مذکور سے اسی معنی پر استدلال کیا ہے دوم یہ کہ امام بخاری کی حدیث "تزوجہا وھو محرم و بنی بہا وھو حلال کے بعد یہ تاویل بے سود بلکہ مردود ہے' خلاصہ کلام آنکہ جو حضرات آنحضرت ﷺ کے نکاح کو بحالت احرام روایت کرنے والے ہیں وہ اہل علم ہیں اثبت ہیں' افقہ ہیں تام الضبط ہیں صاحب امانت ہیں جیسے سعید بن جبیر' عطا' طاؤس' مجاہد' عکرمہ جابر بن زید وغیرہم نیز حضرت ابن عباس کی روایت کو حضرت عائشہ کی تائید بھی حاصل ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا' هذا قليل من كثير ومثل من غدير والله عليم خبير۔

قولہ والامۃ الخ باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ باندی کتابیہ ہو اور شوہر کو حرہ سے شادی کرنے کی طاقت ہو کیونکہ ہمارے یہاں اصل یہ ہے کہ جو وطی ملک یمین کے واسطے سے حلال ہے وہ نکاح کے ذریعہ سے بھی حلال ہے اور جو وطی ملک یمین سے حلال نہیں وہ نکاح سے بھی حلال نہیں اور باندی کے ساتھ ملک یمین سے وطی حلال ہے لہٰذا نکاح سے بھی حلال ہے امام شافعی کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ وہ حرہ سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو کیونکہ آیت "ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنت المؤمنات فمما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات" میں عدم استطاعت اور وصف ایمان کی قید ہے پس حرہ کے ساتھ نکاح کی قدرت اور مومنہ باندی کے ہوتے ہوئے کتابیہ باندی سے نکاح صحیح نہیں یہ اختلاف دراصل ایک اصولی مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ شرط اور وصف کا مفہوم معتبر ہے کہ اس کے انتفاء سے حکم بھی منتفی ہو جائے یا معتبر نہیں؟ سو امام شافعی کے یہاں اس کا اعتبار ہے ہمارے یہاں اسکا اعتبار نہیں اس لئے ہمارے نزدیک فانكحو اماطاب لكم من النساء اور احل لكم ماوراء ذلكم" کے عموم کی وجہ سے کتابیہ باندی کے ساتھ نکاح جائز ہے وتمامہ فی الاصول۔

قولہ والحرۃ الخ جس شخص کے نکاح میں باندی موجود ہو وہ حرہ سے شادی کر سکتا ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں کہ حرہ عورت نکاح میں ہو پھر باندی سے شادی کرے تو اگرچہ حرہ کی عدت میں ہو کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے[۲] امام شافعی کے یہاں غلام کیلئے اس کی اجازت ہے اور امام مالک کے یہاں حرہ کی رضا کیساتھ جائز ہے مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے۔

قولہ وحبلی الخ حاملہ عورت سے نکاح کرنا صحیح ہے جس کا حمل زنا سے ہو لیکن دفع حمل تک وطی ودواعی وطی جائز نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک نکاح ہی صحیح نہیں۔ اور اگر حمل زنا سے نہ ہو تو بالاتفاق نکاح صحیح نہیں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ نکاح کا ممنوع ہونا حرمت حمل کی وجہ سے ہے اور جو حمل زنا سے ہو وہ بھی محترم ہے کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں اسلئے دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں طرفین یہ فرماتے ہیں کہ زنا سے حاملہ عورت محللات میں سے ہے لہٰذا نکاح صحیح ہے البتہ وطی جائز نہیں تاکہ اس کے پانی سے دوسرے کی کھیتی سیراب نہ ہو اور دوسری صورت میں صاحب فراش کے حق کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ثابت النسب ہے اور ملک یمین کے ذریعہ موطوہ باندی کا نکاح بھی صحیح ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش نہیں یہاں تک کہ اگر اس کے بچہ پیدا ہوا تو آقا کے بغیر نسب ثابت نہیں ہوتا۔

قولہ والمضمومۃ الخ ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے شادی کی جن میں سے ایک اسکے لئے حلال تھی اور دوسری حرام تو جو حلال تھی اس سے نکاح صحیح ہے اور جو حرام تھی اس سے نکاح باطل ہے اور جتنا مہر معین تھا۔ وہ سب اسی کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہے صاحبین کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم ہوگا۔

---

(۱) اور جو شخص تم میں پوری وسعت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے۔

(۲) ... دار قطنی عن عائشہ طبری' عبد الرزاق' ابن ابی شیبہ عن الحسن عبد الرزاق عن جابر۔۱۲

وَبَطَلَ نِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُوَقَّتِ وَلَهُ وَطْئُ امْرَأَةٍ اِدَّعَتْ عَلَيْهِ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا
اور باطل ہے نکاح متعہ اور نکاح موقت اور اس عورت سے وطی حلال ہے جس نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے نکاح کرلیا ہے

وَقُضِيَ بِنِكَاحِهَا بِبَيِّنَةٍ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا
اور بینہ سے نکاح کا فیصلہ کردیا گیا حالانکہ نکاح نہیں کیا تھا۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے

تشریح الفقہ: قولہ وبطل الخ اگر کوئی شخص عورت سے کہے کہ میں دس دن تک یا ایک مہینے تک تجھ سے متعہ کرتا ہوں تو اس کو نکاح متعہ کہتے ہیں اور اگر یوں کہے کہ میں ایک مہینے کے لئے تجھ سے نکاح کرتا ہوں تو یہ نکاح موقت کہلاتا ہے۔ نہایہ اور معراج الدرایہ میں ان دونوں کے درمیان یوں فرق کیا ہے کہ نکاح موقت میں توقت کیساتھ لفظ نکحت یا تزوجت ذکر کیا جاتا ہے اور متعہ میں اتمتع یا استمتع' صاحب عنایہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ نکاح موقت گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور مدت معینہ مذکور ہوتی ہے متعہ میں یہ ضروری نہیں بعض نے کہا ہے کہ نکاح متعہ میں مقدار مہر کی تعیین لازم ہوتی ہے موقت میں لازم نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں تحقیق وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح موقت متعہ کے افراد میں داخل ہے بہرکیف نکاح متعہ اور نکاح موقت باتفاق ائمہ اربعہ باطل ہے۔ کیونکہ نکاح متعہ گوایام خیبر اور ایام فتح مکہ میں مباح تھا لیکن فتح مکہ کے بعد قیامت تک حرام ہو گیا[1] حضرت عبداللہ بن عباس شروع میں جواز متعہ کے قائل تھے مگر بعد میں آپ نے رجوع فرمالیا تھا چنانچہ جامع ترمذی میں مصرح موجود ہے سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا: حضرت! آپ کے فتوے تو شہرہ آفاق ہو گئے اور شعراء نے چٹکیاں لینی شروع کر دیں آپ نے دریافت کیا کیا ہوا؟ تو میں نے شاعر کے اشعار سنائے۔

قد قلت للشیخ لما طال مجلسہ   یا صاح ھل لک فی فتیا ابن عباس
ھل لک فی رخصۃ الاطراف آنسۃ   تکون مثواک حتی مصدر الناس

آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ بخدا میں نے تو اس کا فتویٰ نہیں دیا میرے نزدیک تو متعہ بالکل ایسے ہی حرام ہے جیسے خون مردار اور خنزیر کا گوشت۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کسی شئی کو حلال کر کے حرام کیا ہو اور پھر حلال کر کے حرام کر دیا ہو' بجز متعہ کے بہرکیف اباحت نکاح متعہ باجماع صحابہ منسوخ ہے اور قیامت تک متعہ حرام ہے' مضمرات میں ہے کہ جو شخص متعہ کو حلال جانے وہ کافر ہے عمادیہ میں ہے کہ اگر کوئی قاضی اس کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے امام مالک کی طرف جواز متعہ کو منسوب کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں سب کے نزدیک حرام ہے البتہ شیعہ لوگوں کی ایک جماعت قائل اباحت ہے علامہ سروجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک متعہ جائز نہیں جس کی صراحت ذخیرہ مالکیہ میں موجود ہے علامہ اکمل نے عنایہ میں صاحب ہدایہ کی جانب سے اعتذار کرتے ہوئے کہا کہ ممکن ہے صاحب ہدایہ کے استاد شمس الائمہ کو امام مالک کا کوئی قول ملا ہو مگر ذخیرہ کی تصریح کے بعد یہ اعتذار بے کار ہے علاوہ ازیں امام مالک نے مؤطا میں حضرت علی سے نہی عن المتعہ کی حدیث روایت کی ہے اور آپ کی عام عادت ہے کہ مؤطا میں جو روایت لاتے ہیں اس پر آپ کا عمل ہوتا ہے۔

قولہ ولہ وطی الخ عورت نے قاضی کے پاس ایک آدمی پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا تو امام صاحب کے نزدیک قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور اس شخص کیلئے عورت کیساتھ صحبت کرنا جائز ہوگا صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک وطی جائز نہیں کیونکہ گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ اور قاضی نے فیصلہ میں غلطی کی ہے لہٰذا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس کے نزدیک گواہ سچے ہیں اور یہی حجت ہے کیونکہ حقیقت صدق پر آگہی متعذر ہے مگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ کہ وطی نہ کرے۔

---

(۱) مسلم عن عبداللہ بن زبیر و ایاس بن سلمہ و سبرہ ابن معبد' صحیحین عن علی و ابن مسعود' ابوداؤد عن سبرۃ دار قطنی عن ابی ہریرۃ و علی۔ ۱۲

بَابُ الاَوْلِیَاءِ وَالاَکْفَاءِ

باب سرپرستوں اور ہمسروں کے بیان میں

یَنْفُذُ	نِکَاحُ	حُرَّةٍ	مُکَلَّفَةٍ	بِلاَ	اِذْنِ	وَلِیٍّ
نافذ ہوجائیگا	نکاح	آزاد	عاقلہ بالغہ عورت	کا ولی کی۔	اجازت	کے بغیر

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ نکاح اور اس کے الفاظ اور محل کو بیان کرنے کے بعد عاقد نکاح کو بیان کر رہا ہے اور چونکہ وجود ولی جمیع حالات میں ضروری نہیں ہے اس لئے مؤخر لا رہا ہے اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولایت بمعنی نصرت ہے لغۃً دوست کو اور عرفاً عارف باللہ کو کہتے ہیں' اور اصطلاح میں ولی عاقل بالغ وارث کو کہتے ہیں عاقل کی قید سے دیوانہ اور بیہوش' بالغ کی قید سے بچہ' وارث کی قید سے وصی کافر اور غلام خارج ہوگئے وصی کو مطلقاً نکاح کی ولایت نہیں خواہ اس کو باپ نے نکاح کر دینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اور کافر اپنے مسلمان بیٹے کا اور غلام حرہ کا ولی نہیں فقہی اصطلاح میں ولایت اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنے کا حق ہو خواہ وہ دوسرا شخص راضی ہو یا نہ ہو' باب نکاح میں ولایت کی دو قسمیں ہیں ولایت استحباب اور ولایت اجبار...... ولایت استحباب عاقلہ بالغ پر ہوتی ہے باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولایت اجبار صغیرہ پر' بالغہ بیہوش پر اور باندی پر ہوتی ہے ثبوت ولایت کے چار اسباب ہیں ۱قرابت جیسے باپ اپنی بیٹی کا نکاح کرے ۲ملک جیسے آقا غلام یا باندی کا نکاح کرے ۳ولا جیسے آقا اپنے آزاد کردہ غلام کا نکاح کرے ۴امامت جیسے بادشاہ لاوارث کا نکاح کرے۔ اکفاء کفو کی جمع ہے بمعنی نظیر وسیاتی۔

قولہ ینفذ الخ آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح شیخین کے نزدیک ولی کے بغیر بھی نافذ ہے امام محمد کے نزدیک ولی کی رضا پر موقوف ہے (ویروی رجوعہ الی قولہما) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ولی کی رضا کے بغیر عورتوں کو نکاح کا اختیار ہی نہیں کیونکہ حدیث میں '' لانکاح الا بولی[1]'' نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ '' جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل[2] ہے'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آیات قرآنی سے عورتوں کیلئے نکاح کا اختیار ثابت ہے' قال تعالیٰ '' لا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن، حتی تنکح زوجاً غیرہ، فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن ''۔ نیز صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی کے ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شوہر دیدہ عورت پر ولی کو کچھ اختیار حاصل نہیں'' معلوم ہوا کہ بالغہ عورت پر ولی کا جبر کا استحقاق نہیں وہ خود مختار ہے یہ اور بات ہے کہ مکلفہ کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا نکاح ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بیحیائی کیطرف منسوب نہ ہو ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کر سکتا ہے اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں اور عاقلہ بالغہ کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے لہٰذا اس کا نکاح میں بھی اختیار ہوگا اور صغیرہ اور مجنونہ کو مال میں اختیار نہیں لہٰذا نکاح میں بھی اختیار نہ ہوگا' رہے امام شافعی و امام مالک کے مستدلات سو اول تو وہ مضطرب ہیں امام بخاری اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کی تفصیل زیلعی وغیرہ میں موجود ہے اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو ان احادیث میں کمال کی نفی مقصود ہے نہ کہ جواز کی وتمامہ فی المطولات۔

---

(۱) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن ابی بردہ حاکم عن الاشعری ابن ماجہ دارقطنی عن عائشہ وابن عباس' طبرانی عن ابن عباس وجابر وابن مسعود' عبدالرزاق عن عمران بن حصین' ابن عدی عن علی وانس وابی ہریرۃ (۲) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن عائشہ ابن راہویہ' طبرانی' ابونعیم عن ابن عمر۔ ۱۲

وَلاَ تُجْبَرُ بِكْرٌ بَالِغَةٌ عَلَى النِّكَاحِ فَاِنْ اسْتَاذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْضَحِكَتْ اَوْبَكَتْ اَوْزَوَّجَهَا

اور مجبور نہیں کیا جائیگا باکرہ بالغہ کو نکاح پر پس اگر اجازت مانگی اس سے ولی نے اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا اسکا نکاح کیا

فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنٌ وَاِنِ اسْتَاذَنَهَا غَيْرُ الْوَلِيِّ فَلاَ بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ كَالثَّيِّبِ

اور وہ خبر ہونے پر خاموش رہی تو یہ اجازت ہے اور اگر اجازت مانگی غیر ولی نے تو ضروری ہے زبان سے کہنا ثیبہ کی طرح

وَمَنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْحَيْضَةٍ اَوْجَرَاحَةٍ اَوْتَعْنِيسٍ اَوْزِنًا فَهِيَ بِكْرٌ

اور جس کی بکارت زائل ہوگئی ہو کودنے یا حیض آنے یا زخم ہونے یا دیر تک بلا شادی رہنے یا زنا کی وجہ سے تو وہ باکرہ (کے مثل) ہے۔

توضیح اللغۃ: بکر کنواری لڑکی ثیب شوہر سے جدا شدہ عورت بکارۃ دوشیزگی، وثبۃ کودنا، جراحۃ زخم، تعنیس بلوغ کے بعد دیر تک بلا شادی رہنا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا تجبر الخ عاقلہ بالغہ عورت کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولایت اجبار ساقط ہو جاتی ہے حدیث میں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد نے میری شادی ایسی جگہ کر دی کہ وہ مجھے ناپسند ہے آپ نے اسے اختیار دیا[1]"۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے[2]"۔ اس روایت کا عموم واضح دلیل ہے کہ باکرہ بالغہ پر کسی کو ولایت اجبار نہیں نہ باپ کو اور نہ کسی اور کو احناف، امام ثوری، اوزاعی، حسن بن حی ابو ثور، ابو عبید سب اسی کے قائل ہیں امام شافعی ان ادلہ کے عموم و منطوق کو چھوڑ کر "الثیب احق بنفسها" کے مفہوم کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باکرہ عورت پر بھی ولایت اجبار ہے حالانکہ بقول علامہ ابن رشد مفہوم کے عموم و منطوق اولیٰ ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں سوال احناف "لاتنكح البكر حتى تستاذن" کے عموم پر عمل کرتے ہیں تو پھر باکرہ صغیرہ پر ولایت اجبار کے کیوں قائل ہیں؟ جواب اسلئے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح انکی کمسنی میں آنحضرت ﷺ سے کیا تھا فکان ذالک مستثنی من العموم۔

قولہ فان استاذنہا الخ باکرہ بالغہ عورت کے ولی نے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا ولی نے اس کا نکاح کیا اور وہ اطلاع پانے پر خاموش رہی تو اس کا خاموش رہنا اور ہنسنا رضا کی دلیل ہے کیونکہ حدیث کی الفاظ ہیں "سکوتہا اذنہا[3]"۔ اور سکوت کی بنسبت ہنسنے کی دلالت رغبت کے اظہار پر زیادہ ہے اسی لئے ضحک سکوت کے ساتھ لاحق ہے۔

فائدہ عظیمہ: علامہ ابن نجیم مصری نے "الاشباہ والنظائر" میں ذکر کیا ہے کہ ۳۷ مسئلوں میں خاموشی رضا کی دلیل ہے (۱) سکوت باکرہ بوقت استیذان ولی، عقد سے پہلے ہو یا عقد کے بعد (۲) سکوت باکرہ بوقت قبض مہر (۳) سکوت باکرہ بوقت بلوغ، جبکہ باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کیا ہو (۴) عورت نے نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی پھر باپ نے نکاح کر دیا اور وہ خاموش رہی تو حانث ہو جائے گی (۵) سکوت فقیر نہ کہ سکوت موہوب لہ (۶) سکوت مالک بوقت قبض موہوب لہ (۷) سکوت وکیل بر وکالت (۸) سکوت مقر لہ (۹) سکوت مفوض الیہ جس کو کچھ سپرد کیا جائے (۱۰) سکوت موقوف علیہ جس پر کوئی چیز وقف کیجائے (۱۱) بیع تلجیہ میں احد العاقدین کا یہ کہنا کہ میں اس بیع کو صحیح کرتا ہوں اور دوسرے کا خاموش رہنا (۱۲) غانمین میں تقسیم مال کے وقت سکوت (۱۳) غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر مشتری بالخیار کا سکوت، خیار کو ساقط کر دیتا ہے (۱۴) مبیع پر مشتری کا قبضہ دیکھ کر بائع کا سکوت جس کو جس مبیع میں اختیار تھا قبضہ کرنے کی اجازت ہے (۱۵) سکوت شفیع بیع حق شفعہ کو باطل کر دیتا ہے (۱۶) غلام کو غیر کا مال خرید و فروخت کرتے دیکھ کر مولیٰ کا سکوت، تجارت کی اجازت ہے (۱۷) مولیٰ کا غلام کو تجارت کی اجازت نہ دینے کی قسم کھانا اور پھر غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر خاموش رہنا موجب حنث ہے (۱۸) غلام کا سکوت بوقت بیع یا بوقت رہن۔ غلامی کا اقرار ہے۔ (۱۹) صاحب خانہ کا سکوت اس شخص کو اپنے گھر میں اترتے دیکھ کر جس کے متعلق قسم کھائی تھی کہ اس کو اپنے گھر نہ اترنے دونگا۔ حانث بنا دیتا ہے۔ (۲۰) سکوت زوج بوقت ولادت یا وقت مبارکبادی ثبوت نسب کا اقرار

(۱) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد عن ابن عباس، دار قطنی عن جابر و ابن عمر و ابن عباس (فی معناہ) نسائی۔ احمد عن عائشۃ (فی معناہ) ابن ماجہ عن بریدہ (۲) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ ۱۲۔
(۳) صحیحین عن عائشۃ (واللفظ للبخاری) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ (فی معناہ) ۱۲۔

ہے(۲۱) آقا کا سکوت بوقت تولید ام ولد بچہ کا اقرار ہے(۲۲) قبل از بیع مبیع کا عیب سن کر مشتری کا سکوت رضا بالعیب ہے بشرطیکہ منجر عادل ہو(۲۳) باکرہ کا سکوت تزویج ولی معلوم ہونیکے وقت رضا نکاح ہے(۲۴) زوجہ کا زمین کو فروخت کرنا اور شوہر کا اس پر خاموش رہنا اقرار ہے کہ وہ زمین شوہر کی نہیں اسی طرح اس کا عکس[1] (۲۵) ایک شخص نے کسی کا گھر یا اس کا اسباب فروخت کر دیا اور ایک مدت مشتری اس میں تصرف کرتا رہا پھر بھی مالک خاموش رہا تو اس کا سکوت مسقط دعوی ہے(۲۶) شرکاء شرکت عنان میں سے ایک کا یہ کہنا کہ اس باندی کو میں خاص اپنے لئے لیتا ہوں اور دوسرے کا خاموش رہنا' اس میں دونوں کی شرکت نہ ہوگی (۲۷) وکیل نے کہا کہ یہ چیز میں اپنے لئے خریدتا ہوں اور موکل خاموش رہا۔تو وہ چیز وکیل کی ہوگی (۲۸) صبی عاقل کو خرید وفروخت کرتے دیکھ کر ولی کا سکوت اذن ہے(۲۹) غیر کو اپنی مشک پھاڑتے دیکھ کر مالک کا سکوت۔رضا ہے پھاڑنے والا ضامن نہ ہوگا (۳۰) مالک نے قسم کھائی کہ غلام سے خدمت نہ لوں گا غلام خدمت کرنے لگا اور وہ خاموش رہا۔تو حانث ہو جائے گا۔(۳۱) ماں نے بیٹی کو جہیز میں کچھ اسباب دیا اور باپ خاموش رہا تو باپ واپس لینے کا حقدار نہیں (۳۲) ماں نے بیٹی کو رواج کے مطابق جہیز دیا اور باپ خاموش رہا تو ماں ضامن نہ ہوگی (۳۳) مالک نے زیور پہنے باندی کو بلاشرط فروخت کر کے مشتری کے حوالے کر دی اور وہ اس کو لے گیا اور مالک خاموش رہا تو مشتری زیور کا مالک ہو جائے گا (۳۴) بوقت قرأت تلمیذ استاذ کا سکوت بمنزلہ نطق کے ہے(۳۵) بلا عذر مدعا علیہ کا سکوت انکار ہے۔(۳۶) مرہون پر مرتہن قبضہ کرتے وقت راہن کا سکوت رضا ہے(۳۷) قاضی نے شاہد سے مزکی کا حال دریافت کیا اور وہ خاموش رہا۔تو یہ شاہد کی تعدیل ہے۔پہلے تیس مسئلے جامع الفصول وغیرہ کے ہیں اور بعد کے سات اشباہ کے مصنف نے زیادہ کئے ہیں۔حموی نے اشباہ کے حاشیہ میں چودہ کا اور اضافہ کیا ہے۔کل اکیاون ہوتے ہیں۔وهذه كلها مشهورة لا محصورة وقد نظم منها ابن الشحنه ثلاثين فقال۔

وحكم الرضا اعطوا سكوتا وقرّوا	له صورا مجموعها ما ساذكر
من البكر فى عقد و قبض صداقها	وعند بلوغ ثم لا تتخير
كذا شافع من بعد علم و واهب	رائى قبض موهوب كذاالبر يذكر
ومصدق شيئا عليه بقبضه	مقر له بالمال مبرا مسطر
كوصى وكيل باشر الفعل موقفا	عليه وبعض رده لايوثر
وقبض مبيع اذ يخص بفاسد	وبالعيب قبل البيع من هو مخير
كذا بيع عبد اوصى ومشتر	بشرط خيار المشترى فهو يهدر
ومالك ماسور راى بيع غالم	وزوج بمولود يهناء وقدر
تصوم يوم اواخر لم يكن	له ام ولد ثم لاتتبرر
بخدمته من البيت لاتخذمنه	كلا اسكتن ذا والسكوت مقرر
وقول وكيل فى شراء معين	نفسى اشتريه له الملك يظهر
كذلك عقيب الشق للزق لم يكن	كوضع متاع عند من هو ينظر
قبول الذى واضعه قد جعلته	صحيحا وعند الامرباليد يومر
سكوت الذى امسى اليه مفوضا	ومجهول انساب يباع فيحضر
وقيد بعض بانقياد وبعد ذا	لغت منه دعواه ياتى محرر
وزوجته او ولده اوقربيه	بحضرته بيع العقار يصور
فيمنع دعواه و بعض يجيزها	كروّيته عين والتعرف يصدر
من المشترى دهرا فدونك حفظها	بنظم حكاه بالنفاسة جوهر

---

(۱) وہذا عند مشائخ سمرقند خلافاً لمشائخ بخارا فینظر المفتی ۔۱۲

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْقَوْلُ لَهَا اِنِ اخْتَلَفَا فِي السُّكُوْتِ وَلِلْوَلِيِّ اِنْكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ وَالْوَلِيُّ الْعَصَبَةُ

اور قول عورت کا معتبر ہے اگر وہ اختلاف کریں سکوت میں اور ولی کو اختیار ہے چھوٹے لڑکے لڑکی کے نکاح کرنے کا اور ولی عصبہ ہوتا ہے

بِتَرْتِيْبِ الْاِرْثِ وَلَهُمَا خِيَارُ الْفَسْخِ بِالْبُلُوْغِ فِيْ غَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ بِشَرْطِ الْقَضَآءِ

وراثت کی ترتیب پر اور ان کو اختیار ہے بلوغ کے بعد عقد توڑنے کا اگر باپ دادا کے علاوہ نے نکاح کیا ہو بشرطیکہ قاضی کا حکم ہو

وَبَطَلَ بِسُكُوْتِهَا اِنْ عَلِمَتْ بِكْرًا لَابِسُكُوْتِهٖ مَالَمْ يَرْضَ وَلَوْ دَلَالَةً

اور ختم ہوجاتا ہے صغیرہ کی خاموشی سے اگر جان گئی ہو کنوارے پن میں نہ کہ صغیر کی خاموشی سے جب تک کہ راضی نہ ہو گو دلالۃ ہو

وَتَوَارَثَا قَبْلَ الْفَسْخِ وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَصَغِيْرٍ وَمَجْنُوْنٍ وَكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا عَصَبَةٌ فَالْوِلَايَةُ لِلْاُمِّ

اور دونوں وارث ہونگے فسخ سے پہلے اور نہیں ہے ولایت غلام صغیر دیوانے کیلئے اور کافر کیلئے مسلمہ پر اور اگر نہ ہو عصبہ تو ولایت ماں کیلئے ہے

ثُمَّ لِلْاُخْتِ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ لِوَلَدِ الْاُمِّ ثُمَّ لِذَوِی الْاَرْحَامِ ثُمَّ لِلْحَاكِمِ وَلِلْاَبْعَدِ وِلَايَةُ التَّزْوِيْجِ

پھر حقیقی بہن کے لئے پھر علاتی بہن کے لئے پھر اخیافی بھائی بہن کیلئے پھر ذوی الارحام کیلئے پھر حاکم کے لئے اور ولی بعید کے لئے اختیار ہے

بِغَيْبَةِ الْاَقْرَبِ مَسَافَةَ الْقَصْرِ وَلَا يَبْطُلُ بِعَوْدِهٖ وَوَلِيُّ الْمَجْنُوْنَةِ الْاِبْنُ لَا الْاَبُ

نکاح کرنے کا ولی قریب کی عدم موجودگی میں اور باطل نہ ہوگا نکاح ولی قریب کے آنے سے اور دیوانی عورت کا ولی اس کا لڑکا اور باپ ہے۔

توضیح اللغۃ: انکاح' نکاح کرادینا' عصبہ باپ کیجانب سے رشتہ دار' ارث وارث ہونا۔

تشریح الفقہ: قولہ والقول لہا الخ زوجین میں اختلاف ہوا شوہر کہتا ہے کہ تجھے نکاح کی خبر پہنچی تو تو خاموش رہی زوجہ کہتی ہے کہ نہیں میں نے تو رد کر دیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا امام صاحب کے نزدیک بلا قسم اور صاحبین کے نزدیک عورت کی قسم کیساتھ اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ والولی العصبۃ الخ باب نکاح میں ولی وہی ہوتا ہے جو باب وراثت میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی لڑکا پوتا' پڑپوتا الخ پھر باپ' دادا' پردادا الخ پھر بھائی پھر' چچا پھر اعمام الجد پھر مولی کے عصبات پھر ذوی الارحام' امام مالک کے یہاں باپ کے علاوہ اور امام شافعی کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ اور کسی کیلئے ولایت نکاح نہیں ہے اگر بچے یا بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا تو بلوغ کے بعد انکو اختیار ہوگا چاہے نکاح باقی رکھیں اور چاہے قاضی کے ذریعہ فسخ کرادیں' امام ابو یوسف کے نزدیک اختیار نہیں ہے وہ باپ اور دادا پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ اگر باپ دادا نکاح کراتے تو ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ایسے ہی باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیا کو بھی اس کا اختیار نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیا میں اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی باپ دادا میں ہوتی ہے ان کے عقد کو لازم قرار دیا جائے تو ان کے مقاصد میں خلل واقع ہوجائے گا اس لئے بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار ہوگا۔

قولہ وللابعد الخ اگر قریبی ولی موجود نہ ہو تو ولی ابعد کے لئے نکاح کر دینا جائز ہے پھر اگر قریبی ولی آجائے تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح اس کی کامل ولایت کے ساتھ ہے۔ پھر متاخرین کے نزدیک ولی اقرب کا بقدر مسافت سفر شرعی دور ہونا معتبر ہے' مصنف نے اسی کو اختیار کیا ہے علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ فِي الْاَكْفَاءِ مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْوٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ وَرِضَاءُ الْبَعْضِ كَالْكُلِّ وَقَبْضُ الْمَهْرِ وَنَحْوِهٖ رِضَآءٌ

(فصل ہمسروں کے بیان میں) جو عورت غیر کفو سے نکاح کرلے تو ولی جدائی کرا سکتا ہے اور بعض کی رضا کل کی رضا ہے اور مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا بھی رضا ہے

لَا السُّكُوْتُ وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقُرَيْشٌ اَكْفَاءٌ وَالْعَرَبُ اَكْفَاءٌ وَحُرِّيَّةً وَاِسْلَامًا

نہ کہ خاموشی اور کفائت معتبر ہے نسب کے لحاظ سے پس قریشی آپس میں اور عربی لوگ آپس میں کفوء ہیں اور آزادی اور اسلام کے لحاظ سے

وَاَبَوَانِ فِيْهِمَا كَالْاٰبَاءِ وَدِيَانَةً وَمَالًا وَّحِرْفَةً وَلَوْ نَقَصَتْ عَنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْوَلِيِّ اَنْ يُّفَرِّقَ

اور باپ دادا ان میں مثل چند باپ دادوں کے ہیں اور دینداری مالداری اور پیشہ کے لحاظ سے اور اگر عورت مہر مثل سے کم کردے تو ولی جدا کرادے

اَوْيُتِمَّ مَهْرَهَا وَلَوْزَوَّجَ طِفْلَهٗ غَيْرَ كُفْوٍ اَوْبِغَبْنٍ فَاحِشٍ صَحَّ وَلَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ

یا مہر کامل کرادے اور اگر کوئی اپنے چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو سے یا بہت سا مہر گھٹا کر کردے تو صحیح ہے مگر یہ باپ دادا کے سوا کسی اور کیلئے جائز نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ اکفاء کفو کی جمع ہے بمعنی نظیر کہا جاتا ہے "کافاہ" وہ اس کے برابر ہے۔ باب نکاح میں کفاءت سے مراد ایک مخصوص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے' کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ اور وہ خسیس کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی۔ بخلاف مرد کے کہ وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کیلئے کمتری فراش باعث عار نہیں' پھر کفاءت کا اعتبار نکاح میں ہوتا ہے پس اگر نکاح کے وقت مرد عورت کے برابر ہو اور بعد میں اس سے کمتر ہو جائے مثلاً فاسق ہو جائے تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کفاءت اولیا کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔ پس اگر کوئی عورت کسی سے نکاح کرلے اور عورت کو اسکا حال معلوم نہ ہو اور بعد کو وہ غلام ثابت ہو تو عورت کو اختیار نہ ہوگا بلکہ حق فسخ اولیا کو ہوگا۔ اور اگر اولیا کو کفاءت کا علم نہ ہو اور وہ عورت کا نکاح اس کی رضا کیساتھ کردیں۔ پھر معلوم ہو کہ شوہر کفو نہیں تو نہ اولیا کو حق فسخ ہوگا اور نہ عورت کو۔

قولہ والکفاءۃ الخ مصنف نے چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے (۱) نسب کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں پس قریش[1] آپس میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ ہاشمی ہوں یا نوفلی ہوں یا عدوی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ کیساتھ کیا تھا۔ حالانکہ آپ ہاشمی ہیں اور حضرت عثمان اموی ہیں نہ کہ ہاشمی۔ اور حضرت علی نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کیساتھ کیا تھا حالانکہ آپ ہاشمی ہیں اور حضرت عمر عدوی ہیں۔ نیز قریش کے سوا باقی عرب آپس میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں' صاحب ہدایہ نے بنو باہلہ کا استثناء کیا ہے کیونکہ یہ لوگ خساست و دناءت میں مشہور ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ تمام عرب ایک دوسرے کے برابر ہیں' بحر' نہر' فتح' درر وغیرہ سب میں یہی ہے۔ البتہ عجمی لوگ عربوں کے ہمسر نہیں۔

قولہ وحریۃ الخ کفاءت نسب کا اعتبار عجمیوں کے لئے نہیں صرف عربوں کے لئے ہے۔ عجمی لوگ اپنے نسب کو ضائع کر چکے ہاں (۲) حریت اور (۳) اسلام میں برابری ضروری ہے۔ پس جو شخص خود مسلمان یا آزاد ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان یا آزاد ہو۔ اور جس کا باپ آزاد ہو وہ اس عورت کا ہمسر نہیں جس کا باپ اور دادا مسلمان ہیں مگر حریت اور اسلام کا اعتبار صرف باپ دادا تک ہے یعنی دو پشت کی آزادی اور اسلام دس پشتوں کی آزادی اور اسلام کے برابر ہے۔ کیونکہ دادا پر نسب تمام ہو جاتا ہے۔ (۴) دیانت۔ غایۃ البیان میں ہے کہ دیانت سے مراد دینداری و پرہیزگاری ہے اس میں بھی مساوات ہونی چاہئے۔ کیونکہ دینداری سب سے زیادہ قابل فخر ہے۔ پس صالح عورت اور فاسق و فاجر مرد میں کفاءت نہ ہوگی یہی صحیح ہے امام محمد کے یہاں اس کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق اخروی امور سے ہے الا یہ کہ وہ اتنا ذلیل ہو کہ بچے اس پر تالیاں بجاتے ہوں۔

قولہ ومالاً الخ مال میں برابری ہو یعنی شوہر بطور رواج مہر معجل اور نفقہ پر قادر ہو (ہدایہ) نفقہ کی مقدار میں اختلاف ہے بعض نے ایک ماہ اور بعض نے ۶ ماہ کے نفقہ کا اعتبار کیا ہے۔ تجنیس میں اول کی تصحیح ہے۔ مجتبیٰ میں ہے اگر شوہر ہر روز عورت کی کفایت کے بقدر نفقہ

(۱) حضور ﷺ کی بارہویں پشت نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔۱۲

پر قادر ہو تو وہ اس کا کفو ہے صاحب بحر نے اسی کو اظہر کہا ہے۔ (۲) پیشہ میں مساوات کیونکہ لوگ شریف پیشوں پر بھی فخر کرتے ہیں پس خاکروب سنہار کا، بالبر جوہر یکا، دباغ بزاز کا، تیلی عطار کا کفو نہیں ظاہر الروایہ یہی ہے۔ لیکن شمس الائمہ حلوانی نے امام ابو یوسف کی روایت پر فتوی دیا ہے کہ اگر پیشے متقارب و متماثل ہوں تو تھوڑے بہت تفاوت کا اعتبار نہیں۔ کفاءت ثابت ہو جائے گی۔

فَصْلٌ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُّزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَّفْسِهٖ وَلِلْوَكِيْلِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ مُوَكِّلَتَهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ

(فصل) چچازاد کے لئے اختیار ہے کہ وہ اپنے چچا کی دختر کا نکاح اپنے ساتھ کر لے اور وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کرے

وَنِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِلَا اِذْنِ السَّيِّدِ مَوْقُوْفٌ كَنِكَاحِ الْفُضُوْلِيِّ[1] وَلَا يَتَوَقَّفُ شَطْرُ الْعَقْدِ عَلٰى قَبُوْلِ نَاكِحٍ غَائِبٍ

اور غلام اور باندی کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوگا جیسے فضولی کا نکاح اور نصف عقد نکاح کرنے والے غائب شخص کے قبول کرنے پر

وَالْمَامُوْرُ بِنِكَاحِ امْرَاَةٍ مُخَالِفٌ بِامْرَاَتَيْنِ لَا بِاَمَةٍ

موقوف نہیں رہتا اور جو شخص ایک عورت سے نکاح کرانے کا مامور ہو وہ دو عورتوں سے نکاح کرانے میں حکم کے خلاف کرنے والا ہے نہ کہ باندی کیساتھ

توکیل نکاح وغیرہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ونکاح العبد الخ باندی اور غلام کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہے۔ غلام مدبر ہو یا مکاتب۔ اور باندی ام ولد ہو یا مکاتبہ۔ جیسے فضولی[1] آدمی کا نکاح کر دینا زوج یا زوجہ کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں فضولی کے جملہ تصرفات باطل ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ کیونکہ عقد کی وضع اسکے حکم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور فضولی اثبات حکم پر قادر نہیں لہذا اسکا تصرف باطل ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایجاب و قبول کا صدور اسکے اہل سے بر محل ہوا ہے تو اسکے لغو ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موقوف ہو جائیگا۔ اور فضولی گو اثبات حکم پر قادر نہیں مگر اسکی وجہ سے حکم معدوم نہیں ہوتا صرف مؤخر ہو جاتا ہے۔ جیسے بیع بشرط الخیار میں حکم مؤخر ہوتا ہے۔

قولہ ولا یتوقف الخ شطر عقد سے مراد ایجاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجلس عقد میں موجود نہ ہو اسکی قبولیت پر ایجاب موقوف نہ ہوگا بلکہ ایجاب باطل ہو جائیگا۔ مثلاً ایک عورت نے کہا: لوگو تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں (غائب) سے شادی کر لی۔ یا مرد نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کر لی۔ تو یہ ایجاب فلاں غائب کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ باطل ہو جائیگا۔ یہاں تک کہ اگر فلاں غائب کو اسکی اطلاع ہو جائے اور وہ اسکو جائز رکھے تب بھی نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر مرد یا عورت کے اس کلام کے بعد کوئی دوسرا شخص یہ کہے: لوگو! تم گواہ رہو کہ میں نے اسکی شادی اس سے کر دی تو یہ جائز ہے۔ اسی پر فضولی کے مسئلہ کو قیاس کر لو۔ یہ پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان سب صورتوں میں عقد موقوف ہوگا۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ جانبین سے شخص واحد کا وکیل یا ولی ہونا یا ایک جانب سے اصیل اور دوسری طرف سے ولی ہونا یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے اصیل ہونا یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے وکیل ہونا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر دونوں طرف سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو طرفین کے نزدیک جائز نہیں۔ لہذا ایجاب باطل ہو جائیگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ لہذا ایجاب موقوف ہوگا۔

قولہ والمامور الخ ایک شخص نے دوسرے سے کہا تو کسی عورت سے میرا نکاح کر دے اس نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کر دیا تو آمر پر انمیں سے کوئی عورت بھی لازم نہ ہوگی۔ دونوں عورتیں تو اسلئے لازم نہ ہونگی کہ یہ اسکے حکم کے خلاف ہے۔ اور غیر معین طور پر کوئی ایک اسلئے لازم نہیں کہ اسپر نکاح کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ وطی کسی ایک معین عورت ہی کیساتھ ہو سکتی ہے۔ اور یہاں معین نہیں۔ نیز ان میں سے کسی ایک کو معین بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ فتعین التفریق۔ اور اگر صورت مذکورہ میں وہ کسی

---

(۱) فضولی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ اصیل ہو نہ ولی ہو نہ وکیل ہو اور دوسرے کے واسطے تصرف کرے۔ فضولی کے متعلق ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس کا ہر عقد موقوف ہوتا ہے بشرطیکہ بوقت عقد کوئی مجیز موجود ہو ورنہ باطل ہوتا ہے فضولی کے احکام تفصیل کیساتھ کتاب البیوع میں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری باندی کیساتھ نکاح کردے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ آمر نے لفظ امراۃ مطلق بولا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ باندی امراۃ کا ایک فرد ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ مطلق سے مراد اسکا فرد متعارف ہے۔ یعنی کفو کیساتھ شادی کرنا، ابواللیث نے صاحبین ہی کا قول اختیار کیا ہے اور اسبیجابی نے شرح طحاوی میں کہا ہے کہ فتوی کے لئے صاحبین کا قول احسن ہے۔

بَابُ الْمَهْرِ

باب مہر کے بیان میں

صَحَّ النِّكَاحُ بِلاذِكْرِهٖ وَاَقَلُّهٗ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَاِنْ سَمَّهَا اَوْدُوْنَهَا فَلَهَا عَشَرَةٌ بِالْوَطْيِ اَوِالْمَوْتِ

صحیح ہے نکاح بلا ذکر مہر اور مہر کم از کم دس درہم ہے پس اگر مہر دس درہم یا اس سے کم ٹھہرایا تو عورت کے لئے دس درہم ہوں گے وطی سے یا مرجانے سے

اَوِالْخَلْوَةِ وَبِالطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطْيِ وَالْخَلْوَةِ يَتَنَصَّفُ

یا خلوت سے اور طلاق قبل از دخول سے مہر آدھا رہ جاتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ارکان وشروط نکاح کے بعد مہر کو بیان کر رہے ہے۔ کیونکہ مہر مسمی یا مہر مثل نفس عقد سے واجب ہوتا ہے پس مہر عقد نکاح کا حکم ہوا۔ منشور میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور حکم کا وجود عقد کی بعد ہی ہوتا ہے۔ عنایہ وغیرہ میں ہے کہ مہر کے مختلف نام ہیں مہر نحلہ 'صداق' عقر' عطیہ' اجر' صدقہ' علائق' حباء۔

قولہ صح الخ نکاح صحیح ہے اگرچہ مہر کو ذکر نہ کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو۔ کیونکہ نکاح عقد انضمامی کا نام ہے۔ جس کے لغوی مفہوم میں مال داخل نہیں۔ آیت ''لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن اوتفرضو الھن فریضة سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلا تقدیر مہر طلاق کا تحقق ہوسکتا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ طلاق کا ترتب عقد صحیح پر ہی ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحت نکاح ذکر مہر پر موقوف نہیں پھر شرعاً واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ ''ان تبتغوا باموالکم۔''

قولہ واقلہ الخ مہر کی کمتر مقدار ہمارے نزدیک دس درہم ہیں اور امام مالک کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم' امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ جو چیز عقد بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہی نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔ کیونکہ ہر عورت کا حق ہے۔ پس جس مقدار پر وہ راضی ہو جائے وہی مہر ہے ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مہر دس درہم سے کمتر نہیں[1] ہے'' سوال حافظ بیہقی نے کہا ہے کہ ''یہ روایت بالکل ضعیف ہے'' دارقطنی کا بیان ہے کہ مبشر بن عبید راوی متروک الحدیث ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جواب اول تو یہ روایت کثرت طرق کے سبب سے درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس لئے لائق حجت ہے۔ دوم یہ کہ شیخ برہان الدین حلبی نے شرح بخاری میں علامہ بغوی سے اس کی تحسین نقل کی ہے۔ کیونکہ یہ روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ جس میں کوئی کلام نہیں[2]۔ سوال روایت میں ہے کہ آپ نے ایک انصاری سے مہر کیواسطے فرمایا ''تو کچھ تلاش کر لا اگرچہ لوہے کی انگوٹھی[3] ہو''۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اپنی عورت کے مہر میں دو لپ بھر ستو یا کھجور دیدی تو اس نے وطی کو حلال کر لیا[4]'' نیز آپ نے فرمایا: علائق ادا کرو۔ سوال ہوا یا رسول اللہ! علائق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس پر اہل راضی ہو جائیں۔ اگرچہ پیلو درخت کی شاخ ہی ہو۔'' حالانکہ لوہے کی انگوٹھی۔ پیلو کی شاخ اور اتنے ستو یا کھجور کی قیمت دس درہم نہیں ہوسکتی۔ جواب اول تو پہلی روایت کے علاوہ یہ روایتیں ضعیف ہیں۔ دوسرے یہ کہ مہر معجّل پر محمول ہے۔ کیونکہ عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ قبل از دخول کچھ مہر ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ

(۱) دارقطنی، بیہقی، ابویعلی، ابن عدی، عقیلی عن جابر۔ (۲) اس کی سند بواسطہ حافظ ابن حجر عسقلانی یوں ہے۔ قال ابن ابی حاتم: ثنا عمرو بن عبد اللہ الاودی ثنا وکیع عن عباد بن منصور قال ثنا القاسم بن محمد قال سمعت جابرا یقول قال رسول اللہ ﷺ لا مہر اقل من عشرۃ'' حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ اس اسناد سے روایت حسن ہے۔ ۱۲۔ (۳) صحیحین عن سہل بن سعد۔ (۴) ابوداؤد عن جابر۔ (۵) دارقطنی، طبرانی عن ابن عمر۔

ابن عمرؓ زہری اور قتادہ سے منقول ہے کہ عورت کو کچھ دیئے بغیر دخول نہیں کرنا چاہئے۔ تمسکا بمنع النبی ﷺ علیاً عن الدخول علیٰ فاطمة حتی یعطیھا شیئاً فاعطاھا درعه ثم دخل بھا' ھذا مما یقنع فی الدرایة من طلب الحق و ترک الغوایة۔

وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهٖ اَوْنَفَاهُ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ وَطِیَٔ اَوْمَاتَ عَنْهَا وَالْمُتْعَةُ اِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْیِ وَهِیَ دِرْعٌ

اور اگر مہر نہیں ٹھہرایا یا اسکی نفی کردی تو مہر مثل ملے گا اگر وطی کرلی ہو یا مرگیا ہو اور متعہ ملے گا اگر طلاق دیدی ہو وطی سے پہلے اور متعہ پیرہن دامنی

وَخِمَارٌ وَّمِلْحَفَةٌ وَمَا فُرِضَ بَعْدَ الْعَقْدِ اَوْ اُزِیْدَ لاَ یَتَنَصَّفُ وَصَحَّ حَطُّهَا

اور چادر ہے اور جو چیز ٹھہرائی جائے عقد کے بعد یا زائد کی جائے تو اس میں تنصیف نہ ہوگی اور صحیح ہے عورت کا اپنے مہر کو گھٹانا

وَالْخَلْوَةُ بِلاَمَرَضٍ وَحَیْضٍ وَنِفَاسٍ وَاِحْرَامٍ وَصَوْمِ فَرْضٍ کَالْوَطْیِ وَلَوْمَجْبُوْبًا اَوْ عِنِّیْنًا اَوْ خَصِیًّا

اور تنہائی کرنا ان میں سے کسی کی بیماری حیض نفاس احرام اور فرض روزہ کے بغیر وطی کے حکم میں ہے گو مقطوع الذکر ہو یا نامرد یا آختہ ہو

وَتَجِبُ الْعِدَّةُ فِیْهَا وَتَسْتَحِبُّ الْمُتْعَةُ لِکُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلاَّ لِلْمُفَوَّضَةِ قَبْلَ الْوَطْیِ وَتَجِبُ مَهْرُمِثْلِهَا فِی الشِّغَارِ

اور واجب ہے عدت ان میں اور مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے سوائے مفوضہ کے وطی سے پہلے اور واجب ہے مہر مثل نکاح شغار میں

وَخِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ لِّلاَمْهَارِ وَتَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ لَوْعَبْدًا وَلَوْ قَبَضَتْ اَلْفَ الْمَهْرِ

اور آزاد شوہر کی خدمت میں مہر کی وجہ سے اور تعلیم قرآن میں اور عورت کے لئے خدمت لینا ہے اگر شوہر غلام ہو اگر عورت نے مہر کے ہزار درہم

وَوَهَبَتْ لَهٗ فَطَلَّقَتْ قَبْلَ الْوَطْیِ رَجَعَ عَلَیْهَا بِالنِّصْفِ فَاِنْ لَّمْ تَقْبِضِ الْاَلْفَ

لے کر شوہر کو ہبہ کردیئے اور وطی سے قبل طلاق ہوگئی تو شوہر عورت سے نصف اور لے لے گا اور اگر عورت نے ہزار پر قبضہ نہ کیا ہو

اَوْقَبَضَتِ النِّصْفَ وَوَهَبَتِ الْاَلْفَ اَوْوَهَبَتِ الْبَاقِیْ اَوْوَهَبَتْ عُرُوْضَ الْمَهْرِ قَبْلَ الْقَبْضِ اَوْ بَعْدَهٗ فَطَلَّقْتُ قَبْلَ

یا نصف پر قبضہ کیا ہو اور ہزار ہبہ کردیئے ہوں یا مہر کا سامان ہبہ کردیا ہو قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد اور پھر طلاق ہوگئی ہو وطی سے پہلے

الْوَطْیِ لَمْ یَرْجِعْ عَلَیْهَا بِشَیْءٍ وَلَوْنَکَحَهَابِاَلْفٍ عَلٰی اَنْ لاَّیُخْرِجَهَا اَوْعَلٰی اَنْ لاَّیَتَزَوَّجَ عَلَیْهَا اَوْنَکَحَهَاعَلٰی اَلْفٍ اِنْ

تو شوہر اس سے کچھ نہیں لے گا اگر نکاح کیا ہزار کے عوض اس شرط پر کہ اس کو وطن سے نہ نکالیگا یا اس کے ہوتے ہوئے نکاح نہ کریگا یا نکاح کیا ہزار پر

اَقَامَ بِهَا وَعَلٰی اَلْفَیْنِ اِنْ اَخْرَجَهَا فَاِنْ وَفٰی بِهٖ وَاَقَامَ بِهَا فَلَهَا الْاَلْفُ وَاِلاَّ فَمَهْرُ الْمِثْلِ

اگر وطن میں رکھے اور دو ہزار پر اگر وطن سے باہر لیجائے تو اگر شرط کو پورا کیا اور وطن میں رکھا تو ہزار دینے پڑیں گے ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان لم یسمه الخ اگر بوقت عقد مہر ذکر نہ کیا ہو یا اسکی نفی کردی ہو تو عورت کو مہر مثل ملیگا۔ شوہر نے اس سے وطی کرلی ہو یا ان میں سے کسی کا انتقال ہوگیا ہو۔ حضرت ابن مسعود سے سوال کیا گیا۔ کہ ایک شخص نکاح کے بعد دخول سے پہلے مہر مقرر کئے بغیر انتقال کرگیا تو اسکی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ آپنے فرمایا: مہر مثل دیا جائیگا۔ اسپر حضرت معقل بن سنان اشجعی نے فرمایا کہ حضور صلعم نے بردہ بنت واشق کے لئے یہی حکم فرمایا تھا۔[1]

قولہ والمتعه الخ اگر مہر مقرر نہ ہو اور وطی کرنے سے پہلے طلاق دیدے۔ تو عورت کو متعہ یعنی قمیص، چادر، اوڑھنی دیجائیگی۔ متعہ کی یہ مقدار حضرت عائشہ، ابن عباس، ابن المسیب، حسن، عطار اور شعبی سے مروی[2] ہے جو ہمارے نزدیک واجب ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، ومتعوھنّ علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ[3] ۱۵۔ امام مالک کے نزدیک متعہ مستحب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو احسان سے تعبیر کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں متعوا امر، کلمه علی، متاعا مصدر منوکدا اور لفظ حقاسب وجوب پر دال

---

(۱) ... ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، احمد، ابن حبان، ابی شیبہ عن ابن مسعود ۱۲ (۲) بیہقی عن ابن عباس (۳) اور انکو ایک جوڑا دیدو۔ صاحب وسعت کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے۔ اور تنگدست کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق ۱۲۔

ہیں لہذا المحسنین میں تاویل کیجائیگی۔ ای یقیمون الواجب ویزیدون علیٰ، ذٰلک احساناً منھم۔

قولہ والخلوۃ الخ خلوت صحیحہ (بلا مانع تنہائی اختیار) کرنا وطی کے حکم میں ہے۔ کہ جس طرح وطی سے مہر ثابت ومؤکد ہو جاتا ہے۔ اور نان نفقہ کی ادائیگی اور عدت واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح خلوت صحیحہ سے یہ سب چیزیں لازم ہو جاتی ہیں۔ اگر چہ مقطوع الذکر یا نامرد ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنی بیوی کی اوڑھنی کھولی یا اس کی طرف نظر کی اس پر مہر واجب ہو گیا۔ دخول ہو یا نہ ہو[1]، مگر صحت خلوت کیلئے موانع اربعہ کا نہ ہونا شرط ہے۔ ورنہ خلوت صحیحہ نہ ہوگی (۱) مانع حسی میں سے کسی کا بیمار ہونا (۲) مانع طبعی جیسے زوجین کے درمیان کسی تیسرے عاقل شخص کا حائل ہونا (۳) مانع شرعی جیسے فرض یا نفلی حج کا احرام باندھے ہونا (۴) شرعی وطبعی جیسے حائضہ ونافسہ ہونا۔

قولہ وتستحب الخ مطلقہ مفوضہ (جس کا نکاح بلا مہر ہوا اور وطی سے پہلے طلاق ہو گئی ہو) کے علاوہ[2] ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے۔ اور وہ تین ہیں (۱) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر معین نہ ہو (۲) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر معین ہو (۳) مطلقہ غیر موطوءہ جس کا مہر معین ہو مبسوط، محیط، حصر، تاویلات سب میں یہی ہے، یہی صاحب تیسیر، صاحب کشاف اور صاحب مختلف کی روایت ہے۔ لیکن قدوری اور تحفہ کے لحاظ سے مطلقہ (۳) کو متعہ دینا مستحب نہیں۔ (بحر وکافی)

قولہ ویجب الخ نکاح شغار کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرنے کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے بلا مہر کر دے اس میں ہمارے نزدیک دونوں عقد صحیح ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل ملتا ہے۔ سوال حضور ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے[3] پھر صحت عقد کا کیا مطلب؟ جواب ممانعت اسلئے ہیں کہ اس میں مہر نہیں ہوتا۔ اور یہاں جب مہر مثل واجب کر دیا گیا تو حقیقت میں شغار نہیں رہا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہیں۔ کیونکہ ان میں نصف بضع مہر اور نصف بضع منکوح ہوتا ہے۔ حالانکہ باب نکاح میں اشتراک نہیں ہے۔ لہٰذا ایجاب باطل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں ایسی شئی کو مہر بنایا جاتا ہے۔ جس میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں۔ اور ایسی صورت میں عقد باطل نہیں ہوتا بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مہر میں شراب اور خنزیر کو معین کر دے کہ اس اس کی تعیین باطل ہوتی ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

قولہ وخدمۃ زوج الخ اگر شوہر کا سال بھر خدمت کرنا یا قرآن کی تعلیم دینا مہر ٹھہرا ہو تو شوہر عورت کی خدمت نہیں کریگا۔ کیونکہ اس میں قلب موضوع ہے بلکہ مہر مثل دیا جائے گا، امام شافعی کے نزدیک مہر وہی ہوگا جو معین کیا گیا ہے۔ ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ بذریعہ شرط جس چیز کا عوض لینا صحیح ہو اسکا مہر ہونا صحیح ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ طلب نکاح بذریعہ مال ضروری ہے قال تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغو اباموالکم، اور تعلیم قرآن یا خدمت مال نہیں ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں مثل واجب ہوگا۔ ہاں اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا ہو اور خدمت کو مہر مقرر کر لیا ہو تو عورت اس سے خدمت لے سکتی ہے۔ کیونکہ اس نے آقا کے حکم سے نکاح کیا ہے تو عورت کی خدمت کرنا گویا آقا کی خدمت کرنا ہے۔

قولہ ولو قبضت الخ بیوی نے اپنے مہر کے ہزار درہم پر قبضہ کیا اور پھر وہی درہم شوہر کو ہبہ کر دیئے۔ شوہر نے قبل از وطی طلاق دیدی تو شوہر عورت سے نصف مہر یعنی پانچسو درہم واپس لیگا۔ کیونکہ قبل از وطی طلاق ہونے سے نصف مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پورا مہر لے چکی۔ رہے وہ ہزار درہم جو بیوی نے ہبہ کئے ہیں سو ان کا اعتبار نہیں کیونکہ عقود میں نقود متعین نہیں ہوتے پس شوہر کا جو حق تھا وہ بعینہ اس کو نہیں پہنچا اور اگر بیوی نے قبضہ کئے بغیر پورے ایک ہزار درہم ہبہ کر دیئے یا نصف پر قبضہ کیا اور باقی ہبہ کر دیئے۔ یا مہر نقد نہیں تھا کوئی سامان تھا اس کو ہبہ کر دیا خواہ قبضہ سے پہلے ہبہ کیا ہو یا قبضہ کے بعد پھر قبل از وطی......طلاق ہو گئی تو ان صورتوں میں شوہر کو عورت پر رجوع کا حق نہیں کیونکہ شوہر کو بعینہ اسکا حق مل گیا۔

---

(۱)... دار قطنی ۱۲۔ (۲)... صحاح ستہ عن ابن عمر ۱۲۔ (۳)... واما للمفوضۃ فواجب وقد مر ۱۲

قولہ ولو نکحہا الخ ایک شخص نے عورت سے بعوض ہزار درہم اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کریگا یا اگر اس شہر میں رکھا تو مہر ایک ہزار ہوگا ورنہ دو ہزار تو شرط پوری ہونے پر عورت کو ہزار درہم ملیں گے۔ کیونکہ عورت مہر مسمی پر راضی ہے ورنہ مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت فوات منفعت کی وجہ سے مہر مسمی پر راضی نہیں لیکن آخری صورت میں مہر مثل ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہیں کیا جائے گا۔

وَلَوْنَكَحَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ اَوْعَلٰى هٰذَا الْعَبْدِحُكِمَ بِمَهْرِ الْمِثْلِ وَعَلٰى فَرَسٍ اَوْحِمَارٍ تَجِبُ الْوَسَطُ اَوْ قِيْمَتُهٗ

اگر نکاح کیا عورت سے اس غلام پر یا اس غلام پر تو حکم بنایا جائیگا مہر مثل کو اور گھوڑے پر یا گدھے پر تو واجب ہوگا درمیانی یا اسکی قیمت

وَعَلٰى ثَوْبٍ اَوْخَمْرٍ اَوْخِنْزِيْرٍ اَوْعَلٰى هٰذَاالْخَلِّ فَاِذَا هُوَ خَمْرٌ اَوْنَكَحَهَاعَلٰى هٰذَاالْعَبْدِ فَاِذَاهُوَحُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ

اور کپڑے پر یا شراب پر یا خنزیر پر یا اس سرکہ پر اور وہ شراب تھی یا اس غلام پر اور وہ آزاد تھا تو واجب ہوگا مہر مثل

فَاِنْ اَمْهَرَالْعَبْدَيْنِ وَاَحَدُهُمَا حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ وَفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ اِنَّمَا يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِالْوَطْيِ

اگر مہر ٹھہرایا دو غلاموں کو اور ایک ان میں سے آزاد نکلا تو مہر صرف غلام ہوگا اور نکاح فاسد میں مہر مثل صرف وطی سے واجب ہوتا ہے

وَلَمْ يَزِدْعَلَى الْمُسَمّٰى وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَالْعِدَّةُ وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِقَوْمِ اَبِيْهَا اِذَااسْتَوَيَاسِنًّا وَجَمَالاً وَمَالاً وَبَلَدًا

اور زائد نہ کیا جائیگا مقرر مقدار پر اور ثابت ہوگا نسب اور عدت اور عورت کا مہر مثل اسکے باپ کی قوم کا معتبر ہے جبکہ دونوں برابر ہوں عمر حسن مال شہر

وَبِكَارَةً وَعَصْرًا وَعَقْلاً وَدِيْنًا فَاِنْ لَّمْ تُوْجَدْ فَمِنَ الاَجَانِبِ وَصَحَّ ضِمَانُ الْوَلِيِّ الْمَهْرَ

زمانہ عقل دینداری اور باکرہ ہونے میں اگر نہ پائی جائے تو پھر اجانب سے اور ولی کا ضامن ہونا مہر کا صحیح ہے

وَتُطَالِبُ زَوْجَهَا اَوْ وَلِيَّهَا وَلَهَا مَنْعُهٗ مِنَ الْوَطْيِ وَالْاِخْرَاجِ لِلْمَهْرِ وَاِنْ وَطِيَهَا

اور مطالبہ کرے عورت شوہر سے یا ولی سے اور عورت روک سکتی ہے وطی سے اور باہر لے جانے سے مہر کی وجہ سے گو شوہر وطی کر چکا ہو۔

مہر مثل واجب ہونیکی صورتوں کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولو نکحہا الخ اور اگر نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر یعنی مہر میں ایسی دو چیزوں کا نام لیا جو قیمۃً مختلف ہوں تو مہر مثل دیا جائیگا۔ صاحبین کے نزدیک ان میں جو اقل ہو وہ دیا جائیگا۔ کیونکہ اقل متیقن ہے اور اگر مہر میں کسی حیوان کا نام لیا اور اسکی صرف جنس بیان کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یوں کہا کہ گھوڑے پر نکاح کرتا ہوں۔ تو شوہر کو اختیار ہوگا چاہے درمیان قسم کا جانور دیدے اور چاہے اسکی قیمت دیدے۔ اور اگر مجہول الجنس ہو مثلاً یوں کہے کہ کپڑے پر نکاح کرتا ہوں یا کسی حرام چیز کو مہر بنالیا ہو جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ یا مہر میں کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہو جو مہر بن سکتی ہو اور وہ اسکے خلاف ظاہر ہو مثلاً کسی نے کہا کہ میں اس سرکہ پر نکاح کرتا ہوں دیکھا تو وہ شراب تھی۔ یا کہا کہ میں اس غلام پر نکاح کرتا ہوں اور تھا وہ آزاد۔ تو ان صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک تسمیہ صحیح نہیں۔ لہذا مہر مثل دیا جائیگا۔

قولہ واذا امہر الخ اگر مہر میں دو غلاموں کو مقرر کیا گیا حالانکہ ان میں سے ایک آزاد تھا۔ تو امام اعظم کے نزدیک عورت کا مہر وہی ایک غلام ہوگا بشرطیکہ اقل مہر یعنی دس درہم کے برابر ہو ورنہ دس درہم پورے کئے جائیںگے۔ مثلاً غلام سات درہم کا ہے تو تین درہم دیگر پورے کئے جائیںگے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مہر وہ غلام ہوگا اور آزاد کی قیمت ہوگی یعنی دیکھا جائیگا کہ اگر یہ غلام ہوتا تو اسکی کتنی قیمت ہوتی پس وہ قیمت بھی دی جائیگی۔

قولہ وفی النکاح الفاسد الخ نکاح فاسد وہ ہے۔ جس میں شروط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو مثلاً زوجین کا بلا گواہ ایجاب وقبول کرلینا۔ نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرلینا۔ ایک کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا۔ چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں سے شادی

کرنا۔ وغیرہ یہاں نکاح فاسد کے تین احکام مذکور ہیں۔ ۱) وجوب مہر مثل بشرطیکہ وطی ہوگئی ہو کیونکہ نکاح فاسد میں نفس عقد سے مہر واجب نہیں ہوتا بلکہ استیفاء منافع بضع سے مہر واجب ہوتا ہے پس خلوت سے مہر واجب نہ ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں عورت کیساتھ جماع کرنا حرام ہے۔ تو اس مانع شرعی کیوجہ سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی جو وطی کے قائم مقام ہو سکے۔ مہر مثل مہر مسمّی سے زائد نہ ہوگا کیونکہ مہر کی کمی پر عورت خود ہی راضی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مہر مثل مہر مسمّی سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا۔ ۲) ثبوت نسب، اگر چہ شوہر اسکا مدعی نہ ہو۔ ۳) وجوب عدت۔ اگر شوہر وطی کے بعد نکاح کو فسخ کردے یا مرجائے تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہوگی یعنی تین حیض یا تین مہینے یا وضع حمل۔

(فائدہ) عقود فاسدہ اکیس ہیں۔ نکاح فاسد، بیع فاسد، اجارہ فاسد، رہن فاسد، صلح فاسد، ہبہ فاسد، قرض فاسد، مضاربتہ فاسدہ، کتابت فاسدہ، مزارعہ فاسدہ، خلع فاسد، صدقہ فاسدہ، شرکت فاسدہ، سلم فاسد، کفالہ فاسدہ، وکالت فاسدہ، وقف فاسدہ، اقالۂ فاسدہ، صرف فاسد، وصیت فاسدہ، قسمت فاسدہ۔ ان سب کے احکام موقع بموقع آگے آرہے ہیں۔ وقد نظم ابن العابدین فقال۔

عقود اتت احدی وعشرین قدتری فواسد فاحفظہا تکن ذا جلالہ
مضاربۃ بیع نکاح اجارۃ مکاتبۃ رہن وصلح کفالۃ
کذا ہبۃ قرض وخلع وصیۃ مزارعۃ صرف ووقف اقالتہ
کذا سلم مع شرکتہ ثم قسمہ ، کذا صدقات والتمام الوکالۃ

قولہ ومہر مثلہا الخ مہر مثل کا اعتبار عورت کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے باپ شریک بہنیں اور پھوپھیں وغیرہ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ لہامہر مثل نسائہا وہن اقارب الاب، اور مماثلت آٹھ اوصاف میں معتبر ہے۔ ۱) عمر میں۔ ۲) حسن وجمال میں۔ ۳) شہری ہونے میں۔ ۴) مال میں۔ ۵) ہمعصر ہونے میں۔ ۶) عقل میں۔ ۷) دیانت میں۔ ۸) باکرہ ثیبہ ہونے میں۔ صاحب تبیین نے علم وادب، پاکیزہ اخلاق اور عدم ولد چار کا اضافہ کیا ہے۔ اگر عورت کے باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کیساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔ شرح مجمعہ اور برجندی میں ہے کہ اگر سب اوصاف مذکورہ باپ کی قوم میں نہ ہوں تو جس بقدر موجود ہوں ان ہی کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ ان سب اوصاف کا دو عورتوں میں جمع ہونا متعذر ہے۔

قولہ وصح الخ باب نکاح میں ولی عورت کے مہر کا ضامن ہوسکتا ہے۔ اگر چہ ولی ہی عاقد ہو خواہ وہ شوہر کا ولی ہو یا بیوی کا نیز زوجین صغیر ہوں یا جوان وجہ یہ ہے کہ باب نکاح میں ولی عاقد سفیر محض ہوتا ہے۔ نکاح کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے یہاں تک کہ شخص واحد کا عاقد اور ضامن ہونا لازم آئے بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں ولی عاقد ومباشر ہوتا ہے پس اس میں ولی کا عاقد وضامن ہونا صحیح نہ ہوگا۔ مگر صحت وضمان کیلئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ ولی اپنی صحت کی حالت میں ضامن ہوا گر مرض الموت میں ضامن ہوا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ اگر عورت بالغہ ہو تو وہ خود اور اگر صغیرہ ہو تو اسکا کوئی ولی مجلس ضمان میں ولی کی ضمانت قبول کرے۔ ان شرطوں کیساتھ ضمانت ہو جانیکے بعد عورت کو اختیار ہے چاہے وہ ولی ضامن سے مہر کا مطالبہ کرے اور چاہے شوہر سے لیکن اگر شوہر نابالغ ہو تو مطالبہ صرف ولی سے ہوگا نہ کہ شوہر سے۔ پھر اگر ولی شوہر کے حکم سے ضامن ہوا ہو اور اسکنے مہر اپنے پاس سے ادا کیا ہو تو وہ شوہر سے وصول کریگا اور اگر بلا حکم ضامن ہوا ہو تو شوہر سے وصول کرنیکا حقدار نہ ہوگا۔

قولہ ولہا منعہ الخ عورت اپنا مہر معجّل لینے کی خاطر شوہر کی وطی اور دواعی وطی یعنی بوس وکنار سے اور سفر میں لیجانے سے روک سکتی ہے۔ اگر چہ اس سے قبل عورت کی رضامندی کے ساتھ ایک بار وطی ہو چکی ہو، صاحبین کے نزدیک رضامندی کیساتھ وطی ہو جانے کے بعد عورت کو روکنے کا حق نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد پورا معقود علیہ شوہر کے سپرد ہو گیا یہی وجہ ہے کے وطی کے بعد پورا مہر ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا اسکو روکنے کا حق نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وطی مستقل تصرف ہے۔ اور ہر وطی کے مقابلہ میں جدا جدا مہر لازم ہے۔ پس بعض معقود علیہ کو سپرد کرنا لازم نہیں آتا۔

وَلَوِاخْتَلَفَا فِیْ قَدْرِالْمَهْرِحُكِمَ بِمَهْرِالْمِثْلِ وَالْمُتْعَةِ لَوْطَلَّقَهَاقَبْلَ الْوَطْيِ وَلَوِاخْتَلَفَا فِیْ اَصْلِ الْمُسَمّٰی

اگر اختلاف کریں زوجین مقدار مہر میں تو حکم بنایا جائیگا مہر مثل کو اور متعہ کو اگر طلاق دیدی ہو وطی سے پہلے اور اگر اصل مہر میں اختلاف ہو

یَجِبُ مَهْرُالْمِثْلِ وَاِنْ مَاتَا وَاخْتَلَفَتْ وَرَثَتُهُمَا وَلَوْفِی الْقَدْرِفَالْقَوْلُ لِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ بَعَثَ اِلٰی اِمْرَأَتِهٖ شَيْئًا

تو واجب ہوگا مہر مثل اور اگر زوجین مرجائیں اور اختلاف گو مقدار میں ہو تو شوہر کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اور جس نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی

فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهٗ فِیْ غَيْرِالْمُهَيَّأ لِلْاَكْلِ وَلَوْنَكَحَ ذِمِّیٌّ ذِمِّيَّةً

پس عورت نے کہا کہ وہ ہدیہ تھی اور شوہر نے کہا کہ مہر سے تھی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اگر وہ چیز کھانے کیلئے مہیا نہ ہوا گر نکاح کیا ذمی نے ذمیہ سے

بِمَيْتَةٍ اَوْ بِغَيْرِ مَهْرٍ وَذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فَوُطِئَتْ اَوْطُلِّقَتْ قَبْلَهٗ اَوْمَاتَ فَلَا مَهْرَ لَهَا

مردار کے عوض یا بلا مہر اور یہ ان کے یہاں جائز ہو پھر اس سے وطی کی گئی یا طلاق دیدی گئی وطی سے پہلے یا شوہر مرگیا تو عورت کیلئے مہر نہ ہوگا

وَكَذَا الْحَرْبِيَّانِ ثَمَّهٗ وَلَوْ تَزَوَّجَ ذِمِّیٌّ ذِمِّيَّةً بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍعَيْنٍ فَاَسْلَمَا اَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا

یہی حکم ہے حربیوں کا کفرستان میں اور اگر نکاح کیا ذمی نے ذمیہ سے معین شراب یا خنزیر کے عوض پھر اسلام لے آئے یا کوئی ایک مسلمان ہوگیا

لَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيْرُ وَفِیْ غَيْرِالْمُعَيَّنِ لَهَا قِيْمَةُ الْخَمْرِ وَالْمَهْرُالْمِثْلِ فِی الْخِنْزِيْرِ

تو عورت کے لئے شراب اور خنزیر ہے اور غیر معین میں شراب کی قیمت ہے اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہے۔

مقدار مہر میں زوجین کا اختلاف

تشریح الفقہ: قولہ ولو اختلفا الخ اگر مہر کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔ اختلاف زوجین کی حیات میں ہوگا یا بعد الممات ایک کی موت کے بعد ہوگا یا دونوں کی موت کے بعد بہر تقدیر اختلاف مہر کی مقدار میں ہوگا یا اصل مہر میں۔ بہر صورت اختلاف بحالت قیام نکاح ہوگا یا طلاق کے بعد۔ طلاق قبل الدخول ہوگی یا بعد الدخول، سو اگر زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں بحالت قیام نکاح ہو تو طرفین کے نزدیک مہر مثل کو حکم بنادیا جائے گا۔ اور ظاہر حال جس کا شاہد ہو اسی کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر مثل شوہر کے دعوی کے موافق ہو یا کم ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اسکی قسم کے ساتھ۔ اور بیوی کے دعوی کے موافق یا اس سے زائد ہو تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی قسم کے ساتھ۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک بینہ قائم کردے تو بینہ قبول کیا جائیگا مہر مثل موافق ہو یا ناموافق ۔ اور اگر دونوں بینہ قائم کردیں تو عورت کا بینہ مقبول ہوگا۔ اگر مہر مثل مرد کے موافق ہو۔ اور مرد کا بینہ مقبول ہوگا اگر مہر مثل عورت کے موافق ہو کیونکہ بینہ کی مشروعیت خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کیلئے ہے اور خلاف ظاہر دعوی اسی کا ہے جس کے موافق مہر مثل نہ ہو اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں کو قسم کھلا کر مہر مثل کا فیصلہ کردیا جائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ہر صورت میں شوہر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہے۔ اور اگر زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں قبل از دخول اور طلاق کے بعد ہو تو متعہ دیا جائے گا یعنی متعہ مثل جس کے دعوی کے مطابق ہوگا اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی قسم کیساتھ بشرطیکہ مہر مسمی دین یعنی درہم یا دینار ہو اور اگر مہر مسمی عین یعنی مثلی اور قیمتی چیز ہو تو بلا تحکیم متعہ مثل دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی بینہ قائم کردے تو بتفصیل مذکور بینہ مقبول ہوگا' امام ابو یوسف کے نزدے یہاں بھی ہر صورت میں شوہر کا قول معتبر ہے۔ الا یہ کہ وہ مہر کی اتنی کم مقدار نہ کرے کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو اور اگر اختلاف بحالت حیات اصل مہر میں ہو تو باتفاق ثلثہ مہر مثل دیا جائے گا۔ اور اگر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد اختلاف ہو خواہ اصل مہر میں اختلاف ہو یا اس کی مقدار میں ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو زوجین کی حیات کی صورت میں اختلاف کا حکم اوپر مذکور ہوا کیونکہ ایک کی موت سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا۔

اور اگر اختلاف دونوں کی موت کے بعد مقدار مہر میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے ورثہ کا قول ان کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا قلیل

وکثیر کا کوئی استثنا نہیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قول تو شوہر کے ورثہ ہی کا معتبر ہے لیکن قلیل کا استثنا ہے یعنی اگر ورثہ اتنی کم مقدار ذکر کریں کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو تو مسموع نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جب کہ حالت حیات میں اختلاف کے وقت مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور اگر اختلاف اصل مہر میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی شوہر کے ورثہ کا لیکن جب تک مہر مسمی پر بینہ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں کی موت کے بعد امام صاحب کے نزدیک مہر مثل کا حکم نہیں ہوتا۔ صاحبین کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا۔ امام شافعی، امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ ان کل صورتوں کی اور پورے اختلاف کی تفصیل اس نقشہ سے ذہن نشین کرو۔
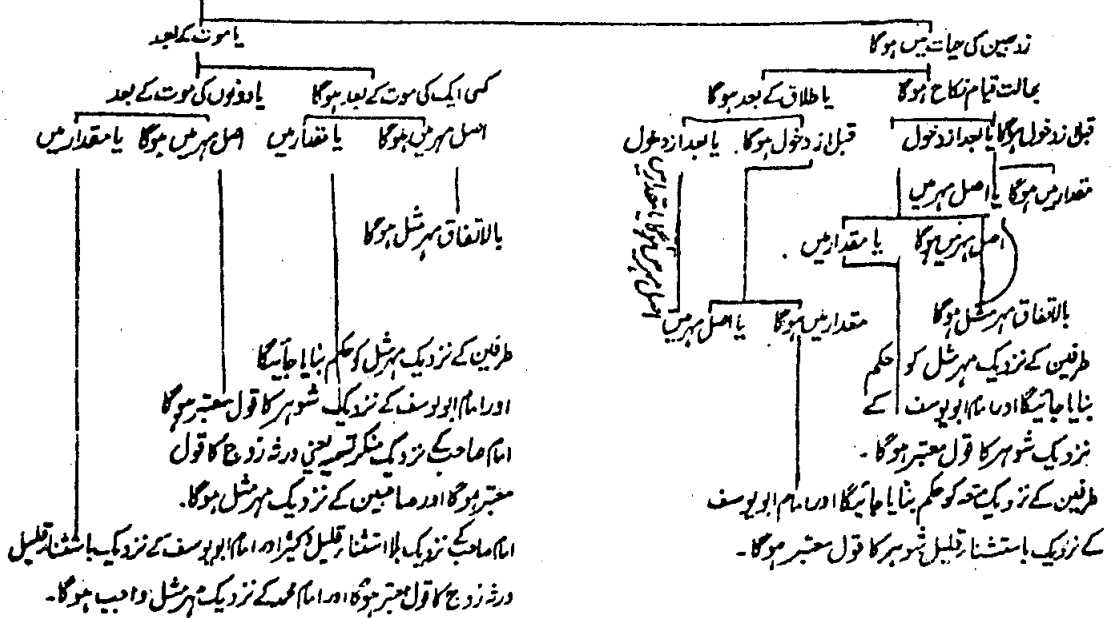
قولہ ومن بعث الخ شوہر نے بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی اور دیتے وقت کچھ بیان نہیں کیا کہ آیا وہ شئی مہر کے عوض میں ہے یا ہبہ ہے۔ اسکے بعد زوجین میں اختلاف ہوا بیوی نے کہا کہ وہ چیز تو نے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ شوہر نے کہا کہ وہ بعوض مہر تھی تو اس صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ چیز عادۃً کھانے پینے کے واسطے مہیا نہ ہو۔ جیسے گیہوں، جو، زندہ بکری، گھی، شہد وغیرہ کیونکہ مالک بنانیوالا شوہر ہے پس جہت تملیک سے وہی زیادہ واقف ہوگا۔ اور اگر وہ شئی عادۃً کھانے پینے کے لئے مہیا ہو جیسے روٹی، بھنا ہوا گوشت وغیرہ تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس وقت ظاہر حال عورت کا شاہد ہے۔

قولہ لو تزوج الخ ایک ذمی نے کسی ذمیہ کیساتھ نکاح کیا اور مہر میں کوئی ایسی چیز مقرر کی جو ان کے نزدیک مال ہے ہمارے نزدیک مال نہیں تو اس چیز کو مقرر کرنا صحیح ہے۔ اور عورت کو وہی چیز ملے گی جو مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر عورت نے اس پر قبضہ کر لیا تو اس کا قبضہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ابھی تک قبضہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی اسلام لے آیا تو اب دیکھا جائے گا کہ مقرر کردہ چیز معین ہے یا غیر معین۔ اگر معین ہو مثلاً شراب خنزیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ...... میں اس پر نکاح کرتا ہوں تو اس کو شراب یا خنزیر دیا جائے گا۔ اور اگر غیر معین ہو تو شراب کی صورت میں اس کی قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل دیا جائے گا۔ اور امام محمد کے نزدیک ان کی قیمت دی جائے گی۔

باب نکاح الرقیق

باب غلام کے نکاح کے بیان میں

لَمْ يَجُزْ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ اِلَّابِاِذْنِ السَّيِّدِ فَلَوْنَكَحَ عَبْدٌ بِاِذْنِهٖ يُبَاعُ

نہیں جائز ہے غلام باندی مکاتب مدبر اور ام ولد کا نکاح مگر آقا کی اجازت سے سو اگر نکاح کر لیا غلام نے آقا کی اجازت سے تو فروخت کیا جائیگا

فِيْ مَهْرِهَا وَسَعٰى الْمُكَاتَبُ وَالْمُدَبَّرُ وَلَمْ يُبَعْ فِيْهِ وَطَلِّقْهَا رِجْعِيَّةً اِجَازَةٌ لِلنِّكَاحِ الْمَوْقُوْفِ

عورت کے مہر میں اور سعایت کریگا مدبر اور مکاتب اور فروخت نہیں کیا جائیگا اور آقا کا یہ کہنا کہ اس کو رجعی طلاق دیدے اجازت ہے نکاح موقوف کی

لَاطَلِّقْهَا اَوْفَارِقْهَا وَالْاِذْنُ بِالنِّكَاحِ يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ اَيْضًا وَلَوْ تَزَوَّجَ مَاذُوْنًا امْرَأَةً صَحَّ

نہ یہ کہنا کہ اس کو طلاق دیدے یا جدا کر دے اور نکاح کی اجازت دینا نکاح فاسد کو بھی شامل ہے اور اگر نکاح کیا عبد ماذون نے کسی عورت سے تو صحیح ہے

وَهِيَ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْ مَهْرِهَا وَمَنْ زَوَّجَ اَمَةً لَاتَجِبُ عَلَيْهِ تَبْوِيْتُهَا

اور عورت قرضخواہوں کی برابر حقدار ہوگی مہر کے باب میں اور جس نے نکاح کرایا اپنی باندی کا تو نہیں ضروری ہے اس پر شب باشی کرانا

فَتَخْدِمُهٗ وَيَطَأُهَا الزَّوْجُ اِنْ ظَفِرَبِهَا وَلَهٗ اِجْبَارُهُمَا عَلَى النِّكَاحِ وَيَسْقُطُ الْمَهْرُ بِقَتْلِ السَّيِّدِ

پس باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر اس سے وطی کریگا اگر موقع ملے اور آقا ان کو مجبور کر سکتا ہے نکاح پر اور ساقط ہو جاتا ہے مہر آقا کے قتل

اَمَتَهٗ قَبْلَ الْوَطْيِ لَا بِقَتْلِ الْحُرَّةِ نَفْسَهَا قَبْلَهٗ وَالْاِذْنُ فِي الْعَزْلِ لِسَيِّدِ الْاَمَةِ

کرنے سے اپنی باندی کو وطی سے پہلے نہ کہ آزاد عورت کی خودکشی سے وطی سے پہلے اور اجازت عزل کے سلسلہ میں باندی کے آقا کی ہے۔

توضیح اللغۃ: رقیق: غلام، عبد ماذون: وہ غلام جس کو آقا کی طرف سے خرید و فروخت کی اجازت حاصل ہو۔ اسوۃ: برابر کا حقدار، غرما: جمع غریم، قرضخواہ، تبویت: شب باشی کرانا۔ ظفر: کامیاب ہونا۔ عزل: خارج شرمگاہ انزال کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نکاح کی اہلیت رکھنے والوں کے نکاح کے احکام بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کے نکاح کے احکام بیان کر رہا ہے۔ جن میں نکاح کی اہلیت نہیں ہے جیسے باندی، غلام وغیرہ۔ نیز اگر کوئی عورت نکاح کرے اور مہر میں غلام مقرر کرے تو غلام مہر بن سکتا ہے۔ اس لحاظ سے باب المہر کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے۔

قولہ لم یجز الخ عدم جواز سے مراد عدم نفاذ ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک غلام، باندی، مکاتب، مدبر، ام ولد کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا۔ آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک غلام کا نکاح جائز ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب غلام طلاق کا مالک ہے تو نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ عاہر یعنی زانی ہے۔

قولہ وطلقہا الخ ایک غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا۔ آقا نے غلام سے کہا: اسکو طلاق رجعی دیدے تو آقا کا یہ کہنا اس کا نکاح موقوف کو جائز یعنی نافذ کرنا ہے کیونکہ طلاق رجعی نکاح صحیح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آقا نے کہا: اس کو طلاق دیدے یا چھوڑ دے تو یہ نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اسکا مقصد عقد نکاح کو رد کرنا ہو لہٰذا عدم اجازت پر محمول کیا جائے گا۔

قولہ والاذن بالنکاح الخ آقا کا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دینا نکاح صحیح اور نکاح فاسد ہر دو کو شامل ہے پس اگر غلام نے کسی عورت سے نکاح فاسد کر لیا اور وطی بھی کر لی تو غلام کو مہر کے سلسلہ میں فروخت کر دیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اجازت مذکورہ میں

نکاح فاسد داخل نہیں ہوتا لہذا غلام کو فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر مہر آزاد ہونے کے بعد لازم ہوگا۔ کیونکہ نکاح کا مقصد بلحاظ مستقبل عفت و پاکدامنی ہوتی ہے۔ اور یہ چیز نکاح صحیح ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب آقا کے کلام میں لفظ تزوج مطلق ہے تو وہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گا رہی مقصد کی بات سو بہت سے مقاصد نکاح فاسد سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں مثلاً ثبوت نسب، وجوب مہر، وجوب عدت (علی اعتبار وجود الوطی)۔

قولہ ولو زوج عبداً الخ اگر آقا نے اپنے ماذون فی التجارۃ اور مقروض غلام کا نکاح کر دیا تو نکاح صحیح ہے اب عورت دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی کہ جس طرح اور قرض خواہ غلام کی کمائی سے حصہ لیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ عورت حصہ لے گی۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب مہر مثل یا اس سے کم کے عوض میں نکاح کیا ہو۔ اگر مہر مثل سے زائد کیساتھ نکاح کیا ہو تو اس صورت میں عورت مہر مثل سے زائد کا مطالبہ اس وقت کریگی جب قرض خواہوں کا قرض چکا دیا جائیگا۔

قولہ ومن زوج الخ آقا نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا خواہ وہ اس کی ام ولد ہو یا مدبرہ ہو تو آقا پر شوہر کے گھر سے باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی۔ اور جب شوہر کو موقع مل جائے وطی کر لیگا۔ وجہ یہ ہے کہ آقا کا حق شوہر کے حق سے قوی تر ہے۔ کیونکہ آقا اس کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا مالک ہے۔ اگر شب باشی کرانا لازم کیا جائے تو اس کا حق باطل ہوتا ہے۔

قولہ ویسقط الخ آقا نے اپنی باندی کی شادی کر دی اور ابھی اس کا شوہر وطی (یا خلوت صحیحہ) نہیں کر پایا تھا کہ آقا نے باندی کو قتل کر دیا تو شوہر سے مہر ساقط ہو جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک مہر ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ شوہر پر باندی کے آقا کے لئے مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ اہل حق کے نزدیک مقتول اپنی موت مرتا ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اس کو کوئی اجنبی قتل کر دے۔ کہ مہر ساقط نہیں ہوتا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے معقود علیہ کو قبل از تقرر تلف کر دیا۔ اسلئے شوہر پر آقا کیلئے مہر واجب نہ ہوگا۔ اور آدمی اپنی ہی موت مرتا ہے لیکن کسی دوسرے کا قتل کرنا دنیوی احکام کے لحاظ سے اتلاف شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاتل پر قصاص اور دیت واجب ہوتی ہے۔ پس وجوب مہر میں بھی اس کو اتلاف شمار کیا جائے گا۔ اور اگر عورت قبل از وطی اپنے آپ کو قتل کر ڈالے تو بالاتفاق مہر ساقط نہیں ہوتا کیونکہ انسان کا اپنے نفس پر جنایت کرنا دنیوی احکام کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

قولہ والاذن الخ ایک شخص نے باندی سے نکاح کیا تو اب وہ اس سے عزل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کا اختیار باندی کے آقا کو ہے نہ کہ باندی کو۔ صاحبین سے ایک روایت ہے کہ اس کی اجازت باندی کے اختیار میں ہے کیونکہ وطی اسی کا حق ہے۔ یہاں تک کہ اس کو مطالبہ کا حق ہے اور عزل میں اس کے حق کی تنقیص ہے۔ لہذا اس کی رضا کا ہونا شرط ہے جیسے حرہ سے عزل کرنے میں اسی کی رضا شرط ہے، ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ بچہ مولیٰ کا حق ہے اور عزل مخل بالمقصود ہے لہذا مولیٰ کی رضا کا اعتبار ہوگا۔ اس تعلیل سے معلوم ہوا کہ باندی بالغہ ہونی چاہئے۔ نابالغہ سے عزل کرنے میں آقا کی اجازت ضروری نہیں کیونکہ نابالغہ کے بچہ نہیں ہو سکتا۔ تامل

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْ اُعْتِقَ اَمَةً اَوْ مُكَاتَبَةً خُيِّرَتْ وَلَوْ زَوْجُهَا حُرًّا وَلَوْ نُكِحَتْ بِلَا اِذْنِ الْمَوْلٰى فَعُتِقَتْ نَفَذَ

اگر آزاد کر دی گئی باندی یا مکاتبہ تو اختیار دیا جائیگا گو اس کا شوہر آزاد ہو اور اگر اس نے نکاح کر لیا بلا اجازت پھر آزاد ہو گئی تو نکاح نافذ ہو جائیگا

بِلَا خِيَارٍ فَلَوْ وَطِئَ قَبْلَهٗ فَالْمَهْرُ لَهٗ وَاِلَّا لَهَا وَمَنْ وَطِئَ اَمَةَ ابْنِهٖ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ

بلا خیار پس اگر وطی کر لی ہو اس سے قبل تو مہر آقا کو ملے گا ورنہ باندی کو اور جس نے وطی کی اپنے بیٹے کی باندی سے ا۔ اس سے بچہ ہوا

ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا لَا عُقْرُهَا

اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت ہو جائیگا اور باندی اسکی ام ولد ہو جائیگی اور اس پر باندی کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ مہر

وَلاَقِيْمَةُ وَلَدِهَا وَدَعْوَةُ الْجَدِّ كَدَعْوَةِ الْاَبِ حَالَ عَدَمِهِ وَلَوْ زَوَّجَ اَبَاهُ فَوَلَدَتْ

اور بچہ کی قیمت اور دادا کا دعویٰ مثل باپ کے دعوی کے ہے اسکے نہ ہونے کے وقت اور اگر بیٹے نے باپ کیساتھ اس کا نکاح کر دیا پھر بچہ ہوا

لَمْ تَصِرْ اُمَّ وَلَدِهِ وَتَجِبُ الْمَهْرُ لاَ الْقِيْمَةُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ حُرَّةٌ قَالَتْ لِسَيِّدِ زَوْجِهَا. اَعْتِقْهُ عَنِّيْ

تو اس کی ام ولد نہ ہوگی اور مہر واجب ہوگا نہ کہ قیمت اور اس کا بچہ آزاد ہوگا ایک آزاد عورت نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا کہ اس کو میری طرف سے

بِالْفِ فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ وَالْوَلَآءُ لَهَا وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِالْفِ لاَ يُفْسِدُ وَالْوَلَآءُ لَه

ہزار کے عوض آزاد کردے اس نے ایسا ہی کیا تو نکاح فاسد ہو جائیگا اور اگر عورت بالف نہ کہے تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور ولاء آقا کو پہنچیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اعتقت الخ ایک باندی نے کسی کیساتھ نکاح کر لیا تھا آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو باندی کو نکاح باقی رکھنے میں اختیار ہے خواہ وہ باندی ہو یا ام ولد ہو یا مکاتبہ ہو۔ نکاح رضا کیساتھ کیا ہو یا بلا رضا۔ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ حضرت طاؤس، حسن...... ابن سیرین، شعبی، مجاہد سب سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شوہر آزاد ہو تو اختیار نہیں مگر یہ قول مجوج الحدیث ہے کیونکہ جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا "قد اعتق بضعک معک فاختاری"[1] اس میں ملک بضع کیساتھ تعلیل مطلق ہے پس شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ سوال آنحضرت ﷺ نے جو حضرت بریرہؓ کو اختیار دیا وہ تو اسلئے تھا کہ انکا شوہر غلام تھا جیسا کہ روایات سے ثابت ہے[2] جواب روایات سے ان کے شوہر کا آزاد ہونا بھی ثابت ہے۔ جب روایات متعارض ہیں تو تطبیق کی صورت پیدا کی جائے گی۔ اور وہ یہ کہ جب حضرت بریرہؓ کو اختیار ملا اسوقت انکا شوہر آزاد تھا۔ اور اس سے پہلے غلام تھا۔ اور اگر غلام ہونا ہی صحیح مانا جائے تب بھی اختیار کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اختیار صرف اس لئے دیا تھا کہ انکا شوہر غلام تھا۔ سوال مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں تو تصریح ہے کہ "ولو کان حرالم یخبرھا" جواب یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ حضرت عروہ کے الفاظ ہیں، چنانچہ نسائی اور ابن حبان کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے[3] علاوہ ازیں ابن حزم نے حضرت عروہ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے فانہ روی عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ قالت: کان زوج بریرۃ حرا"۔

قولہ ولو نکحت الخ اور اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر وہ آزاد ہو گئی تو اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا اور فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ نکاح کا نفاذ تو اس لئے ہے کہ باندی میں نکاح کی اہلیت ہے۔ قصور صرف اتنا ہے کہ حق مولیٰ کی بنا پر اس کا نکاح نافذ نہیں ہوتا۔ اور جب وہ آزاد ہو گئی تو مولیٰ کا حق جاتا رہا۔ لہٰذا نکاح نافذ ہوگا اور عدم خیار اس لئے ہے کہ اس کا نکاح آزادی کے بعد نافذ ہوا ہے۔ پس شوہر کو ملکیت طلاق میں کوئی مزید حق حاصل نہیں ہوا یعنی پہلی صورت میں باندی کو اختیار اس لئے تھا کہ وہ آزادی سے قبل صرف دو طلاقوں کا محل تھی۔ اور آزادی کے بعد اس کے شوہر کو ایک طلاق مزید دینے کا حق حاصل ہو رہا تھا۔ اور یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ لہٰذا باندی نکاح فسخ کرنے میں مختار نہ ہوگی اب اگر شوہر نے اس کے آزاد ہونے سے قبل وطی کی ہو تو مہر مسمّی آقا کو ملے گا۔ کیونکہ اس نے آقا کی مملوکہ سے نفع اٹھایا ہے اور اگر آزادی کے بعد وطی کی ہو تو عورت کو ملے گا۔

قولہ ومن وطی الخ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی باندی سے صحبت کی وہ حاملہ ہو گئی۔ پھر بچہ بھی ہو گیا۔ اور باپ نے بچہ کا دعوی کیا تو باپ سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائیگی بشرطیکہ وطی کے وقت سے دعوی کے وقت تک باندی پر بیٹے کی ملکیت رہی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ باپ بوقت ضرورت بیٹے کے مال کا مالک ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے "انت و مالک لابیک" اور انسان کا نطفہ اس کا

---

(۱) دار قطنی عن عائشہ۔۱۲ ابن سعد (فی ترجمۃ بریرۃ) (۲) ائمہ ستہ غیر مسلم عن ابن عباس، مسلم، ابوداؤد، نسائی عن عائشہ، بیہقی عن صفیہ۔۱۲ ائمہ ستہ عن عائشہ (۳) قال عروہ: ولو کان حرا ما خیرہا۔۱۲

جزو ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ اس ضرورت سے باپ بیٹے کے مال کا مالک ٹھہرا اور باندی اس کی ام ولد ہو گئی۔ اب ہمارے نزدیک باپ پر صرف باندی کی قیمت واجب ہوگی۔ مہر اور بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک مہر واجب ہوگا۔

فائدہ: اس مسئلہ کی چھیانوے صورتیں ہیں۔ کیونکہ جب باپ کے وطی کرنے سے باندی کے بچہ پیدا ہوا اور باپ اس کا دعوی کرے تو چار صورتیں ہیں بیٹا باپ کی تصدیق کریگا یا تکذیب یا باپ کے ساتھ بیٹا بھی دعوی کریگا یا خاموش رہے گا۔ ہر ایک کی پھر چار صورتیں ہیں۔ موطوءہ باندی ہوگی یا مدبرہ یا ام ولد یا مکاتبہ۔ ان سولہ صورتوں میں سے ہر ایک کی پھر تین صورتیں ہیں۔ بیٹا کل باندی کا ملک ہوگا یا اس کے ساتھ کوئی اجنبی شریک ہوگا یا باندی بیٹے اور باپ کے درمیان مشترک ہوگی۔ ان اڑتالیس صورتوں میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا تو باپ ولایت کا اہل ہوگا یا نہ ہوگا۔ ان کل صورتوں کا نقشہ درج ذیل ہے۔ احکام کے لئے مطلولات کی طرف رجوع کرو۔
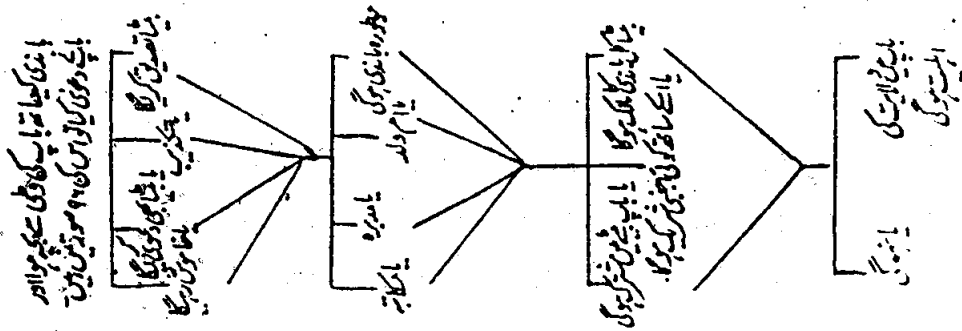
قولہ ولو زوجہا الخ اور اگر بیٹے نے اپنی باندی کا نکاح اپنے باپ کے ساتھ کر دیا تو اس سے بچہ پیدا ہوا تو باندی باپ کی ام ولد نہ ہوگی۔ کیونکہ اب یہ بچہ نکاح کے ذریعہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ ملک کے ذریعہ سے اس واسطے کہ جب ہر حیثیت سے بیٹا مالک ہے تو من وجہ باپ کا مال ہونا محال ہے اور جب ام ولد نہ ہوئی تو التزام نکاح کیوجہ سے باپ پر صرف مہر واجب ہوگا۔ بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ اور بچہ آزاد ہوگا کیونکہ اس کا بھائی اس کا مالک ہو گیا۔ اور قرابت کیوجہ سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے۔

قولہ حرۃ الخ ایک آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں تھی اس نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا کہ اس کو میری طرف سے ایک ہزار روپیہ کے عوض میں آزاد کر دے۔ آقا نے آزاد کر دیا تو نکاح فاسد ہو گیا۔ امام زفر کے نزدیک فاسد نہیں ہوا۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آزادی آمر کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے حق ولا آمر کو پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس عتق سے ادائیگی کفارہ کی نیت کر لے تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور امام زفر کے نزدیک مامور کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس اصل کی رو سے امام زفر فرماتے ہیں کہ آمر نے مامور سے اسکے غلام کو اپنی طرف سے آزاد کرانا چاہا ہے۔ اور آدمی جس کا خود مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا محال ہے لہذا عتق مامور کی جانب سے ہوا اس لئے نکاح اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں اولاً بطریق اقتضا ملکیت ثابت ہوگی۔ کیونکہ آمر کی جانب سے صحت عتق کیلئے ملکیت شرط ہے گویا عورت نے اعتق کہہ کر ایک ہزار کے عوض میں ملکیت طلب کی ہے۔ اس کے بعد اپنی طرف سے آزاد کرنیکا حکم کیا ہے۔ اس صورت سے آزادی عورت کی طرف سے ہوئی اور اولاً وہ اسکی مالک ہوئی اور جب مالک ہوئی تو نکاح فاسد ہو گیا کیونکہ ملک نکاح اور ملک یمین دونوں یکجا جمع نہیں ہوتیں ہاں اگر عورت لفظ الف کو ذکر نہ کرے صرف یہ کہے کہ میری طرف سے آزاد کر دے تو نکاح فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ اب عورت مالک نہیں ہوئی اس صورت میں ولا کا حقدار مولیٰ ہوگا کیونکہ آزاد کرنیوالا وہی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مسئلہ اور پہلا مسئلہ دونوں برابر ہیں۔

باب نکاح الکافر

باب کافر کے نکاح کے بیان میں

تَزَوَّجَ کَافِرٌ بِلَاشُهُوْدٍ اَوْ فِیْ عِدَّةِ کَافِرٍ وَذَا فِیْ دِیْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَیْهِ

نکاح کیا ایک کافر نے گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہے پھر اسلام لے آئے تو اسی نکاح پر رکھے جائینگے

وَلَوْ کَانَتْ مُحْرَمَةً فُرِّقَ بَیْنَهُمَا وَلاَ یَنْکِحُ مُرْتَدٌّ اَوْ مُرْتَدَّةٌ اَحداً وَالْوَلَدُ یَتْبَعُ خَیْرَ الاَبَوَیْنِ دِیْناً

اور اگر عورت اسکی محرم ہو تو تفریق کی جائیگی اور نکاح نہ کرے مرتد یا مرتدہ کسی سے اور بچہ تابع ہوگا ماں باپ میں سے بہتر دین والے کا

وَالْمَجُوْسِیُّ شَرٌّ مِنَ الْکِتَابِیِّ وَاِذَا اَسْلَمَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ عُرِضَ الْاِسْلَامُ عَلَی الْاٰخَرِ فَاِنْ اَسْلَمَ

اور آتش پرست برا ہے کتابی سے اور جب اسلام لے آئے زوجین میں سے کوئی تو پیش کیا جائیگا اسلام دوسرے پر اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو بہتر ہے

وَاِلَّا فُرِّقَ بَیْنَهُمَا وَاِبَائُهٗ طَلَاقٌ لاَ اِبَائُهَا وَلَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا ثَمَّهٗ

ورنہ تفریق کیجائیگی اور مرد کا انکار کرنا طلاق متصور ہوگا نہ کہ عورت کا انکار کرنا اور اگر اسلام لے آیا ان میں سے کوئی ایک دارالحرب میں تو

لَمْ تَبِنْ حَتّٰی تَحِیْضَ ثَلٰثًا وَلَوْ اَسْلَمَ زَوْجُ الْکِتَابِیَّةِ بَقِیَ نِکَاحُهٗ

عورت جدا نہ ہوگی جب تک کہ تین حیض نہ آجائیں اور اگر اسلام لے آیا کتابیہ کا شوہر تو اس کا نکاح باقی رہے گا۔

توضیح اللغۃ: شہود: جمع شاہد گواہ، مرتد: اسلام سے پھر جانے والا، یتبع: تابع ہوتا ہے، اباء: انکار کرنا۔ لم تبن: جدا نہ ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ارقاء واحرار مسلمین کے احکام نکاح بیان کرنے کے بعد نکاح کفار کو بیان کر رہا ہے۔ مصنف نے عنوان میں جو لفظ کافر ذکر کیا ہے۔ یہی بہتر ہے۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے جو "باب نکاح اہل الشرک" سے تعبیر کیا ہے یہ تعبیر نکاح کتابی کو شامل نہیں۔ ہمارے یہاں نکاح کفار کے سلسلہ میں تین اصول ہیں (۱) جو نکاح مسلمان کے یہاں صحیح ہے وہ کافروں میں بھی صحیح ہوگا۔ امام مالک اس کیخلاف ہیں۔ انکے یہاں صحیح نہیں۔ مگر قرآن وحدیث سے ان کے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے "وامراتہ حمالۃ الحطب" میں امراۃ کی نسبت ابولہب کی طرف فرمائی ہے۔ جو لغت وعرف ہر دو لحاظ سے صحت نکاح پر دال ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں نکاح سے پیدا ہوں نہ کہ زنا سے" معلوم ہوا کہ قبل از اسلام نکاح صحیح تھا (۲) جو نکاح کسی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے حرام ہو وہ کفار کے حق میں جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ اسکے معتقد ہوں۔ پس کافر کا نکاح اس کے مسلمان ہونے کے بعد برقرار رکھا جائے گا کیونکہ جب کفار مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی اور نہ کسی سے استفسار فرمایا۔ کہ تم نے اپنا نکاح کس طرح کیا تھا 3 جو نکاح حرمت محل کیوجہ سے حرام ہو جیسے محارم کے ساتھ نکاح کرنا تو وہ بمطابق قول مشائخ امام صاحب کے نزدیک ان کے حق میں جائز واقع ہوگا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد عورت کا نان نفقہ لازم ہوگا۔ اگر ان کو کوئی زانی کہے گا تو اس پر حد جاری کیجائے گی۔ مشائخ عراق کہتے ہیں کہ جائز نہ ہوگا۔ والاول اصح وسیأتی۔

قولہ تزوج الخ ایک کافر نے کسی کافرہ سے شاہدوں کے بغیر نکاح کیا یا عورت کسی کافر کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا درآنحالیکہ یہ انکے یہاں جائز ہے اس کے بعد اسلام لے آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح مذکور پر قائم رکھے جائیں گے اور امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے۔ اور صاحبین پہلی صورت میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت میں امام زفر کے ساتھ۔ امام زفر یہ کہتے ہیں کہ خطابات مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "لا نکاح الا بشھود" وغیرہ سب کے حق میں عام ہیں لہٰذا ان کو بھی

لازم ہوں گے قبل از اسلام جو ان سے تعرض نہیں کیا جاتا وہ اس لئے نہیں کہ ان کے عقائد کی تقریر و تثبیت مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان سے اعراض کیا جاتا ہے۔ جیسے از راہ اعراض کفار کو ان کی بت پرستی پر چھوڑا جاتا ہے۔ نہ اسلئے کہ بت پرستی جائز ہے' صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ حرمت نکاح معتدہ مجمع علیہ ہے۔ لہٰذا ان کو بھی اس کا التزام کرنا ہوگا۔ بخلاف حرمت نکاح بلا شہود کے کہ یہ مختلف فیہ ہے چنانچہ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ اس کو جائز کہتے ہیں پس یہ ان کو لازم نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کافر کیلئے حرمت کا اثبات نہ تو اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ وہ حق شرع ہے۔ کیونکہ کافر حقوق شرع کا مخاطب ہی نہیں اور نہ اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ وہ زوج کافر کا حق ہے۔ اس واسطے کہ وہ اس کا معتقد نہیں۔ لامحالہ نکاح صحیح کہا جائیگا۔ اور جب نکاح صحیح ہوا تو حالت اسلام حالت بقاء نکاح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حالت بقاء نکاح کے لئے شہادت شرط نہیں۔ اور عدت حالت بقاء کے منافی نہیں۔ اور اگر کافر نے محرمہ عورت سے نکاح کیا اور پھر اسلام لے آئے تو بالاتفاق ائمہ ان کے درمیان تفریق کیجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان کے یہاں نکاح محارم کفار کے حق میں بھی باطل ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک کفار کے حق میں نکاح محارم گو صحیح ہے تاہم محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے لہٰذا تفریق ضروری ہے۔

قولہ ولاینکح الخ مرتد آدمی کسی عورت کیساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ مسلمہ ہو یا کافرہ یا کتابیہ کیونکہ مرتد تو واجب القتل ہے اس کو جو مہلت دی جاتی ہے وہ صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ غور وفکر کرلے۔ اور نکاح کرنے سے وہ غفلت میں پڑ جائے گا۔ اسی طرح مرتدہ عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ وہ بھی غور فکر ہی کے لئے مقید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے درمیان مصالح نکاح کا قیام نہیں ہوسکتا حالانکہ نکاح کی مشروعیت اس کی مصلحتوں کے پیش نظر ہوتی ہے۔

قولہ والولد الخ والدین میں جو کوئی دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا بچہ اسی کے تابع ہوگا۔ اگر باپ مسلمان ہو تو باپ کا تابع ہوگا اور مسلمان قرار دیا جائیگا۔ اور ماں مسلمان ہو تو ماں کے تابع ہوگا اور اگر والدین مجوسی اور کتابی ہوں تو بچہ کتابی شمار ہوگا کیونکہ مجوسی کتابی سے بدتر ہے۔ اس واسطے کہ اہل کتاب کا دین ان کے دعوی کے اعتبار سے آسمانی ہے اسی لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت ہے بخلاف مجوسی کے کہ اس کا دین بالکل باطل ہے۔

قولہ واذا اسلم الخ زوجین کتابی ہوں یا مجوسی اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہوجائے تو قاضی دوسرے پر اسلام پیش کرے گا اگر وہ قبول کرلے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر قبول نہ کرے تو انکے درمیان تفریق کردے گا' امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر وہ قبل از دخول اسلام لایا ہو تو فی الحال فرقت ہوجائے گی۔ اور اگر بعد از دخول اسلام لایا ہو تو تین حیض کے بعد تفریق کردیجائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ کی صاحبزادی ناجیہ حضرت صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں اور فتح مکہ کے دن اسلام لے آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انکے درمیان تفریق نہیں فرمائی یہاں تک کہ تقریباً ایک ماہ بعد حضرت صفوان نے اسلام قبول کیا اور اسی نکاح پر برقرار رہے[1]۔ پھر قاضی کا تفریق کرنا طلاق بائن کے درجہ میں ہوگا۔ اگر شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور اگر زوجہ نے انکار کیا تو طلاق کے درجہ میں نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں طلاق نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس فرقت کے سبب میں زوج اور زوجہ دونوں شریک ہیں لہٰذا فرقت طلاق نہ ہوگی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شوہر کا اسلام سے انکار کرنا امساک بالمعروف سے رکنا ہے حالانکہ وہ اسلام قبول کرنے کے ذریعہ زوجہ کو روکے رکھنے پر قادر ہے۔ پس زوجہ کو شوہر سے چھٹکارا دلانے میں قاضی نائب ہوسکتا ہے۔ اور جب قاضی شوہر کی جانب سے نائب ہوا تو فرقت طلاق کے درجہ میں ہوگی۔ بخلاف عورت کے کہ وہ طلاق کی اہل نہیں لہٰذا قاضی اس کی طرف سے نائب نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) مالک ابن سعد ابن حجر عن الزہری۔۱۲

وَتَبَايُنُ الدَّارَيْنِ سَبَبُ الْفُرْقَةِ لَاالسَّبْيُ وَتَنْكِحُ الْمُهَاجِرَةُ الْحَامِلُ بِلَاعِدَّةٍ

اور دارین کا مختلف ہونا سبب ہے فرقت کا نہ کہ قید کرنا اور نکاح کرسکتی ہے مہاجرہ غیر حاملہ عورت عدت گذارے بغیر

وَارْتِدَادُ اَحَدِهِمَا فَسْخٌ فِي الْحَالِ فَلِلْمَوْطُوْاَةِ الْمَهْرُ وَلِغَيْرِهَا نِصْفُهٗ اِنْ ارْتَدَّ

اور ان میں سے کسی ایک کا مرتد ہوجانا فی الحال نکاح کا ٹوٹ جانا ہے پس موطوءۃ کیلئے کل مہر ہوگا اور غیر موطوءۃ کیلئے نصف اگر مرد مرتد ہو

وَاِنْ اِرْتَدَّتْ لَاَ وَالْاِبَاءُ نَظِيْرُهٗ وَلَوْ ارْتَدَّا اَوْ اَسْلَمَا مَعًا

اور اگر عورت مرتد ہوجائے تو مہر نہ ملیگا اور انکار کرنا اسکی نظیر ہے اور اگر دونوں مرتد ہونے کے بعد ایک ساتھ مسلمان ہوجائیں

لَمْ تَبِنْ وَبَانَتْ لَوْ اَسْلَمَا مُتَعَاقِبًا

تو عورت جدا نہ ہوگی اور جدا ہوجائیگی اگر اسلام لائے یکے بعد دیگرے۔

توضیح اللغۃ: سبی: قید کرنا، حائل: غیر حاملہ، اباء: انکار کرنا، لم تبن: جدا نہ ہوگی، متعاقبا: یکے بعد دیگرے، قسم: حصہ، ضعف: دوگنا۔

قولہ وتباین الدارین الخ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہوکر دارالحرب سے نکل آیا یا کسی کو قید کرلیا گیا تو ان دونوں صورتوں میں جدائی ہوجائے گی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جدائی نہیں ہوگی۔ اور ان دونوں کو قید کرلیا گیا تو جدائی نہ ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک جدائی ہوجائیگی، حاصل یہ کہ ہمارے یہاں جدائی کا سبب تباین دارین ہے نہ کہ قید۔ اور امام شافعی کے نزدیک اس کا عکس ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ تباین دارین کا اثر انقطاع ولایت میں ہوتا ہے اور یہ فرقت میں مؤثر نہیں۔ بخلاف سبی کے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو قید کیا گیا ہے وہ خالص قید کرنے والے کے لئے ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب نکاح منقطع ہوجائے، ہماری دلیل یہ ہے کہ دارین کا حقیقۃً اور حکماً ہر دو اعتبار سے متباین ہونا مصالح نکاح کو ختم کرنیوالا ہے۔ پس یہ محرمیت کے مشابہ ہوگیا۔ (جس کا بیان اوپر گزر چکا) بخلاف سبی کے کہ وہ موجب ملک رقبہ ہے۔ اور ملک رقبہ ابتداء نکاح کے منافی نہیں۔ لہٰذا بقاء بھی منافی نہ ہوگی۔

قولہ وتنکح الخ اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے اور حاملہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک وہ اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس سے فوراً نکاح کرلینا جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک جب تک اس کی عدت نہ گذر جائے نکاح کرنا درست نہیں یہ حضرات اس کو حاملہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک حاملہ سے نکاح درست نہیں۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے "ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا آتیتموھن اجورھن" اسمیں مہاجر کیساتھ علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس انقضاء عدت کیساتھ مقید کرنا زیادتی علی الکتاب ہے۔

---

(۱) فلو ارتد مراراً وجدد الاسلام فی کل مرۃ وجدد النکاح علی قول الامام تحل امرأتہ من غیر اصابۃ زوج ثان۔ ۱۲ طحطاوی۔

(۲) یعنی لا یتوقف علی مضی ثلثۃ قروء فی المدخول بہا ولا علی قضا القاضی لان وجود للنافی یوجبہ کالحرمیۃ بخلاف الاسلام لانہ غیر مناف للعصمۃ۔ ۱۲ بحر۔

(۳) ای للمرأۃ المدخول بہا المہر کلہ سواء کانت الردۃ منہا او منہ لانہ تاکد بالدخول فلا یتصور سقوط۔ ۱۲ زیلعی۔

(۴) لان الفرقۃ من جہتہ قبل الدخول توجب نصف المہر ھذا اذا کان مسمی ولا فعلیہ متعۃ۔ مجمع

بَابُ الْقَسَمِ

باب نوبت کے بیان میں

اَلْبِكْرُ كَالثَّيِّبِ وَالْجَدِيْدَةُ كَالْقَدِيْمَةِ وَالْمُسْلِمَةُ كَالْكِتَابِيَّةِ فِيْهِ وَلِلْحُرَّةِ ضِعْفُ الْاَمَةِ وَيُسَافِرُ

کنواری مثل بیاہی کے اور نئی مثل پرانی کے اور مسلمان مثل کتابیہ کے ہے نوبت میں اور آزاد عورت کی باری باندی کی نسبت دونی ہے اور سفر کرے

بِمَنْ شَآءَ وَالْقُرْعَةُ اَحَبُّ وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِنْ وَهَبَتْ قَسْمَهَا لِلْاُخْرٰی

ان میں سے جس کے ساتھ چاہے اور قرعہ ڈالنا بہتر ہے اور عورت رجوع کر سکتی ہے اگر اس نے بخش دی ہو اپنی باری دوسری عورت کو

قولہ باب الخ چند اوراق پیشتر مصنف نے ذکر کیا تھا کہ چند عورتوں سے (چار عورتوں سے) نکاح کرنا جائز ہے۔ تو اب ان کے درمیان عدل کو بیان کرنا بھی ضروری ہوگیا کیونکہ شارع کی نظر میں نفس عقد کے لحاظ سے ہر عورت کو برابر کا حق حاصل ہے۔ قسم بفتح قاف وسکون سین مصدر ہے۔ بمعنی عطیہ، رائے، شک، بارش، پانی قدر اور قسم بکسر قاف بمعنی نصیب وحصہ (قاموس) یہاں تسویہ منکوحات مراد ہے جس کا شوہر مامور ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[1] **ولن تستطیعو ان تعدلو ابین النساء ولو حرصتم فلاتمیلوا کل المیل** " ای لن تستطیعوا التسویة فی المحبة فلاتمیلو افی القسم " حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ جس کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئیگا کہ آدھا بدن ٹیڑھا (مفلوج) [۲] ہوگا۔ ان نصوص سے ثابت ہوا کہ قسم میں عدل واجب ہے یعنی منکوحات کو شب باشی، تن پوشی، موانست اور کھانے پینے میں برابر اور دیانۃً گاہ بگاہ جماع کرنیسے عورت کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور محبت چونکہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے اس میں بھی برابری ضروری نہیں۔

قولہ البکر الخ باری و برابری میں باکرہ ثیبہ، جدیدہ، قدیمہ، مسلمہ، کتابیہ، صحیحہ، مریضہ، حامل، حائل، حائضہ، نافہ، محرمہ، مظاہرہ، عاقلہ، مجنونہ، رتقا، صغیرہ، (جس سے وطی ممکن ہو) کبیرہ ہمارے نزدیک سب برابر ہیں۔ کیونکہ آیت وحدیث مذکور مطلق ہے۔ جس میں باکرہ وثیبہ وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن رہے۔ کیونکہ احادیث سے یہ تفصیل ثابت [۳] ہے۔ جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں سات دن اور تین دن کے متعلق آیا ہے اس کا مطلب باری میں کمی زیادتی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ باری کی ابتدا جدیدہ سے ہونی چاہئے۔ یعنی اگر باکرہ کے پاس سات دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی سات دن رہے اور اگر باکرہ کے پاس تین دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی تین دن رہے۔

قولہ والحرۃ الخ اگر کسی کے نکاح میں باندی ہو امہ ہو یا مکاتبہ، ام ولد ہو یا مدبرہ) تو باندی کے لئے حرہ کے مقابلہ میں نصف قسم ہے یعنی اگر حرہ کے پاس دو شب رہے تو باندی کے پاس ایک شب رہے وعلیٰ ہذا القیاس بذلک ورد الاثر (۴)۔

قولہ ویسافر الخ سفر میں باری کا اعتبار نہیں۔ مرد کو اختیار ہے جس کو چاہے سفر میں لیجائے لیکن قرعہ اندازی بہتر ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کاغذ پر لفظ سفر اور دوسرے پر لفظ حضر لکھ لے اور گولی بنا کر کسی بچہ کے ذریعہ ازواج کے پاس پہنچادے۔ پس جس کے پاس سفر والی گولی جائے اس کو سفر میں لیجائے، امام شافعی کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو قرعہ اندازی کرتے تھے۔[۵] جواب یہ ہے کہ قرعہ اندازی تطییب خاطر کے لئے ہے لہذا از قبیل استحباب ہوگا نہ کہ از قبیل وجوب۔

قولہ ولہا الخ اگر ایک بیوی نے اپنی باری سوتن کے لئے ہبہ کردی تو یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے ہبہ کی تھی[۶]۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی باری میں رجوع کرنا چاہئے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ زمانہ مستقبل میں عورت کا حق واجب نہیں۔ تو اس کے ساقط کرنے سے ساقط بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اسقاط کا تحقق اسی میں ہوسکتا ہے جو پہلے ثابت ہو۔

---

[۱] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ ۱۲

[۲] اصحاب سنن، احمد، ابن راہویہ، بزار، ابن حبان، حاکم عن ابوہریرہ ابونعیم (فی التاریخ) عن انس ۱۲۔ [۳] صحیحین، ابن ماجہ عن انس، مسلم عن ام سلمہ ۱۲

[۴] ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، دارقطنی، بیہقی عن علی ۱۲۔ [۵] صحیحین عن عائشہ ۱۲ اللمعہ۔ [۶] صحیحین عن عائشہ وابن عباس، حاکم عن عائشہ۔

کِتَابُ الرَّضَاعِ

هُوَ مَصُّ الرَّضِيعِ مِنْ ثَدْيِ الْآدَمِيَّةِ فِيْ وَقْتٍ مَّخْصُوْصٍ وَحَرُمَ بِهٖ وَاِنْ قَلَّ فِيْ ثَلٰثِيْنَ شَهْرًا مَا حَرُمَ بِالنَّسَب

وہ چوسنا ہے شیر خوار کا کسی عورت کی پستان ایک خاص وقت میں اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے گو کم ہو تین ماہ کے اندر تمام وہ رشتے جو حرام ہیں نسب سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ نکاح کا اصلی مقصد تحصیل ولد ہے نہ کہ محض شہوت رانی اور بچہ کی بقا ابتدائی دور میں بلا رضاعت عادۃً ناممکن ہے۔ اس لئے یہاں شیر خوارگی کے احکام کو ذکر کر رہا ہے اور شیر خوارگی چونکہ نکاح کا اثر ہے اور اثر ذی اثر سے مؤخر ہوتا ہے اس لئے اختتام نکاح پر رضاعت کو لا رہا ہے۔ رضاع دراصل راء کے فتحہ کیساتھ ہے اور ایک لغت راء کے کسرہ کی بھی ہے (عنایہ) فتح القدیر میں ہے کہ رضاعۃ چار لغتیں ہیں اور پانچویں رفع ہے مگر امام اصمعی نے رضاعۃ میں راء کے کسرہ کا انکار کیا ہے مصباح میں ہے کہ رضع الصبی رضعا۔ اہل نجد کی لغت میں باب تعب سے ہے اور اہل تہامہ اور اہل مکہ کے یہاں باب ضرب سے لیکن شیخ شرنبلانی نے غنیۃ میں ذکر کیا ہے کہ اس کا فصیح فعل باب علم سے ہے اور اہل نجد اس کو ضرب سے بولتے ہیں۔ **وعلیه قول السلول**

یذم علماء زمانه وذموا لنا الدنیا وهم یرضعونها

قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضاد میں تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کیونکہ صاحب قاموس نے کہا ہے "ان رضع من باب سمع و ضرب و کرم۔

قولہ ہو مص الخ رضاع لغت کے لحاظ سے مص الثدی یعنی چھاتی چوسنا ہے اور شرعاً شیر خوار کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی چوسنا ہے۔ مص سے مراد وصول ہے یعنی عورت کی چھاتی سے بچہ کے پیٹ میں دودھ کا پہنچ جانا۔ منہ کے راستہ سے ہو یا کہ ناک کے پس عورت اگر اپنا دودھ کسی شیشی وغیرہ میں نکال کر بچہ کے منہ میں ٹپکا دے تو اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی گو چوسنا نہیں پایا گیا اس مص وصب اور سعوط وجور (یعنی چوسنے، ڈالنے، چڑھانے اور ٹپکانے) میں کوئی فرق نہیں۔ چوسنا چونکہ پہنچنے کا سبب ہے اس لئے مصنف نے مص سے تعبیر کر دیا۔ گویا سبب بول کر مسبب مراد ہے اور صاحب نہر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ چوسنا پہنچنے کو مستلزم۔ کیونکہ صاحب قاموس نے مص کو شرب رقیق سے تعبیر کیا ہے ہم نے منہ اور ناک کی قید لگائی ہے اور اس واسطے کہ کان اور احلیل وغیرہ میں دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ الآدمیہ کی قید سے مرد اور چوپائے نکل گئے کہ ان کے دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی پھر آدمیہ مطلق ہے لہذا باکرہ، ثیبہ، زندہ مردہ سب کو شامل ہے۔

قولہ وحرم الخ رشتہ رضاعت کے سبب سے تمام وہ عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب سے حرام ہیں (جن کا ذکر محرمات کے ذیل میں گذر چکا ہے) اگرچہ دودھ کم پیا ہو، اجلاء صحابہ حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباسؓ ابن عمر اسی کے قائل ہیں، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ پانچ شکم سیر چسکاریوں کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "ایک دو چسکاری یا ایک دو مرتبہ چھاتی میں منہ ڈالنا حرام نہیں کرتا"(۱) ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "وامهاتکم اللتی ارضعنکم" اور حدیث "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"(۲) میں کوئی تفصیل نہیں اور خبر واحد کے ذریعہ زیادتی علی الکتاب جائز نہیں، رہی حدیث مذکور سو وہ منسوخ ہے اور نسخ کی تصریح حضرت ابن عباس سے ثابت ہے "کسی نے آپ سے کہا: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکاری حرام نہیں کرتی، آپ نے فرمایا: یہ

پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا'' (بحر الرائق) حضرت عائشہ کی حدیث جس سے امام شافعی اور امام احمد استدلال بھی کرتے ہیں یعنی ''انزل فی القرآن عشر رضعات معلومات فنسخ من ذالک خمس وصار الی خمس رضعات فتوفی رسول اللہ صلعم والا مر علی ذالک (۱)...'' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خمس رضعات کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کے بعد یہی حکم رہا۔ جواب یہ محال ہے کہ یہ قرآن سے ہو اور پھر خلفاء راشدین جمع نہ کریں ورنہ لازم آئے گا کہ جو مجموعہ بین الدفتین ہے اس میں بھی کچھ حصہ منسوخ ہے۔ اس طرح تو قرآن ہی مشکوک ہو جائیگا۔ نعوذ باللہ منہ۔

قولہ فی ثلاثین الخ مدت رضاعت میں شدید اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال ہیں۔ اور صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک دو سال امام زفر کے نزدیک تین سال، بعض نے پندرہ سال اور بعض نے چالیس سال اور بعض نے پوری عمر مدت رضاعت قرار دی ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ سال میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متحول ہونے کی صلاحیت ہے اور دو سال سے زائد ہونا ضروری ہے (جس کی وجہ امام ابوحنیفہ کی دلیل کے ذیل میں آرہی ہے) صاحبین کی دلیل یہ آیت ہے'' **وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا** '' اس میں حمل وفصال دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے پس فصال کے لئے دو سال کی مدت باقی رہی نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ '' دو سال کے بعد رضاعت نہیں (۲) ہے'' امام ابوحنیفہ کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت میں دو چیزیں ذکر کیں اور دونوں کے لئے مدت مقرر فرمائی تو وہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی جیسے کوئی شخص یوں کہے۔ **لفلان علی الف درھم و خمسۃ اقفزۃ حنطۃ الی شھرین**، تو اسمیں ایک ہزار درہم اور پانچ قفیز گیہوں میں سے ہر ایک کی مدت دو ماہ ہوتی ہے پس مدت رضاعت بھی اڑھائی سال ہوئی اور مدت حمل بھی اڑھائی سال ہوئی مگر مدت حمل میں کمی حدیث سے ثابت ہے اور مدت رضاعت میں کمی ثابت نہیں۔ اسلئے مدت پوری اڑھائی سال رہیگی حدیث یہ ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ '' بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا (۳)'' ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون شارع کے سماع سے ہی معلوم ہو سکتا ہے تو یقیناً حضرت عائشہ نے آنحضرت صلعم سے سنا ہو گا پس یہ قول حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے امام صاحب کی طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ بچہ کی غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے جس کیلئے اتنی مدت ہونی چاہئے جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی ہو سکے سو اس کے لئے حمل ادنی مدت فرض کی جائے گی۔ کیونکہ ادنی مدت حمل میں یہ صلاحیت موجود ہے چنانچہ جنین کی غذا رضیع اور فطیم کی غذا سے جدا ہوتی ہے سوال: حضرت عائشہ کی حدیث ظنی ہے اور آیت قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص ظنی کیساتھ جائز نہیں۔ پھر امام صاحب نے حدیث مذکور کے ذریعہ آیت کی تخصیص کیونکر تجویز کی؟ جواب آیت مذکورہ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں چنانچہ امام شافعی وغیرہ نے تیس ماہ میں سے چھ ماہ کو مدت حمل مانا ہے اور دو سال کو مدت فصال پس آیت ظاہری معنی پر محمول نہیں چنانچہ امام شافعی وغیرہ نے تیس ماہ میں سے چھ ماہ کو مدت حمل مانا ہے اور دو سال کو مدت فصال پس آیت مؤول ہوگئی اور مؤول کی دلالت قطعی نہیں ہوتی ظنی ہوتی ہے لہذا ظنی کی تخصیص ظنی سے ہوئی جو بلا شبہ درست ہے۔

فائدہ: مصنف نے مدت رضاع کو ثلثین کیساتھ مقید کر کے یہ بتایا ہے کہ مدت رضاعت گذر جانیکے بعد شیر خوارگی سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور مدت رضاعت کو حُرَم کا ظرف بنا کر یہ بتایا ہے کہ مدت رضاعت میں جو احناف کا اختلاف ہے وہ حرمت کے بارے میں ہے دودھ پلانے کی اجرت کے لزوم میں اختلاف نہیں اسکے لئے بالاتفاق دو ہی سال ہیں پس اگر شوہر بیوی کو طلاق دیدے اور بیوی طلاق کے بعد بچہ کو دودھ پلاتی رہے تو بالاتفاق صرف دو سال کی اجرت پائیگی۔ پھر ثلاثین کی مدت کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ اگر رضاعت دودھ چھڑانے کے بعد ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائیگی۔ مثلاً چھ ماہ بچہ دال روٹی کھانے لگا اور اسکا دودھ چھڑا دیا گیا پھر اس نے دو برس کے اندر کسی کا دودھ پیا تو حرمت ثابت ہو جائیگی، ظاہر الروایہ یہی ہے (قاضیخاں) اسی پر فتوی ہے (ولوالجیہ) کذا فی الفتح معزیا الی واقعات الناطفی ....

---

(۱) مسلم عن عائشہ (۲) دارقطنی عن ابن عباس (مرفوعاً وموقوفاً) [illegible] مالک عن ابن عباس (موقوفاً) ابن ابی شیبہ عن ابن عباس [illegible] مسعود [illegible] (موقوفاً)
(۳) دارقطنی بیہقی عن جمیلہ بنت سعد

تنبیہ: علامہ زیلعی نے حضرت حسن کی روایت ذکر کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ "اگر مدت رضاع گذرنے سے قبل بچہ کو دودھ کے سوا غذا کھانیکی عادت ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوتی اور اسی پر فتوی ہے یہ قول لائق اعتماد نہیں کیونکہ اختلاف روایات کے وقت ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوتی ہے اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ مدت رضاع کے اندر علی الاطلاق حرمت ثابت ہے۔

اِلَّا	اُمُّ	اخته	وَاُخْتُ	اِبْنِهٖ	وَزَوْجُ	مُرْضِعَةٍ	لَبَنُهَا	مِنْهُ	اَبٌ	لِلرَّضِيْعِ
مگر	رضاعی بہن کی ماں		اور رضاعی بیٹے کی بہن		اور شوہر اس دایہ کا		جس کا دودھ	اس سے ہے	باپ ہے	شیرخوار کا

وَابْنُهٗ	اَخٌ	وَبِنْتُهٗ	اُخْتٌ	وَاَخُوْهُ	عَمٌّ	وَاُخْتُهٗ	عَمَّةٌ
اور اس کا لڑکا	اس کا بھائی	اور اس کی لڑکی	اس کی بہن	اور اس کا بھائی	اس کا چچا	اور اس کی بہن	اس کی پھوپی ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ الاام اختہ الخ قول سابق "حرم" سے استثنا ہے یعنی رضاعت کے سبب سے تمام وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو قرابت نسب کی وجہ سے حرام ہیں سوائے رضاعی بہن کی ماں اور اپنے بیٹے کی رضاعی بہن کے کہ یہ حلال ہیں کیونکہ نسبی بہن کی ماں خود اپنی ماں ہے یا اپنے باپ کی مدخولہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، رضاعت میں یہ بات نہیں یعنی رضاعی بہن کی ماں نہ اپنی ماں ہے اور نہ باپ کی مدخولہ ہے اسی نسب کے اعتبار سے اپنے بیٹے کی بہن یا تو اپنی لڑکی ہوگی یا ربیبہ ہوگی، رضاعت میں یہ بات نہیں، وفقہا جو حدیث "یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب" سے ام الاخت اور اخت الابن (وغیرہ) کا استثنا کرتے ہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عقلی دلیل سے حدیث کے عموم کی تخصیص لازم آتی ہے جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ صورتوں کی حرمت مصاہرت کے سبب سے ہے نہ کہ نسب کے سبب سے اور استثنیٰ منقطع ہے پس جن صورتوں کو فقہا نے مستثنیٰ کیا ہے ان کو حدیث مذکور شامل ہی نہیں یہاں تک کہ تخصیص بالعقل لازم آئے۔

فائدہ: الاام اختہ اور اخت ابنہ میں چھ صورتیں داخل ہیں تین ام اختہ میں اور تین اخت ابنہ میں پہلی تین صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ بکر - حافظہ زوجہ بکر، عمر - سعیدہ زوجہ عمر، زید، سعیدہ، رضاعی ماں

زید اپنی نسبی بہن سعیدہ کی رضاعی ماں حافظہ سے نکاح کرسکتا ہے۔
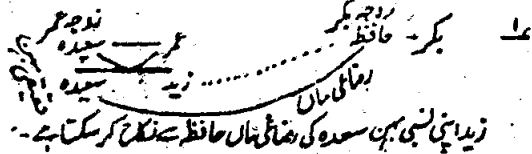
(۱) ماں رضاعی ہو اور بہن نسبی مثلاً زید کی حقیقی بہن کو حافظہ نے دودھ پلایا تو زید کو حافظہ کیساتھ نکاح کرنا درست ہے۔

۲۔ عمر - سعیدہ زوجہ عمر، بکر - نعیمہ زوجہ بکر، زید، رضاعی ماں، رضاعی بہن رشیدہ

زید اپنی رضاعی بہن رشیدہ کی نسبی ماں نعیمہ سے نکاح کرسکتا ہے۔
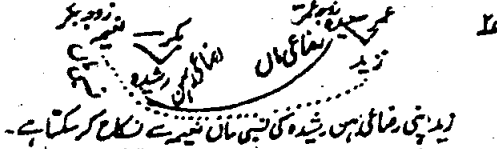
(۲) بہن رضاعی ہو اور ماں نسبی جیسے زید کی رضاعی بہن رشیدہ ہے تو زید کے لئے رشیدہ کی نسبی ماں حلال ہے۔

۳۔ عمر - سعیدہ زوجہ عمر، بکر - نعیمہ زوجہ بکر، خالد - ناصرہ زوجہ خالد، زید، رشیدہ، رضاعی بہن

زید اپنی رضاعی بہن رشید کی رضاعی ماں ناصرہ سے نکاح کرسکتا ہے۔
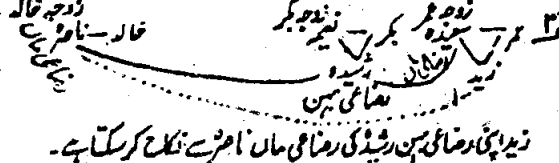
(۳) دونوں رضاعی ہوں مثلاً رشیدہ نے سعیدہ اور ناصرہ دو عورتوں کا دودھ پیا تو زید کے لئے رشیدہ کی رضاعی ماں ناصرہ حلال ہے دوسری تین صورتیں یہ ہیں۔

بکر — فہیمہ زوجہ بکر عمر — سعیدہ زوجہ عمر
رضاعی ماں
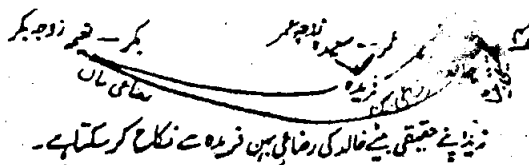
زید اپنے حقیقی بیٹے خالد کی رضاعی بہن فریدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۴) بہن رضاعی ہو اور بیٹا نسبی مثلاً زید کا بیٹا خالد ہے اور اسکی رضاعی بہن فریدہ ہے یعنی خالد اور فریدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا ہے تو زید کیلئے فریدہ حلال ہے۔

مثـ زید — سعیدہ زوجہ زید عمر — کریمہ زوجہ عمر
رضاعی بیٹا ناصر زینب
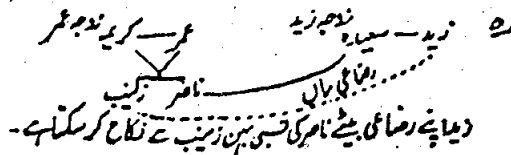
زید اپنے رضاعی بیٹے ناصر کی نسبی بہن زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۵) بیٹا رضاعی ہو اور بہن نسبی مثلاً زید کا رضاعی بیٹا ناصر ہے اور ناصر کی نسبی بہن زینب ہے تو زید کیلئے زینب حلال ہے۔

مـ٦ زید — سعیدہ زوجہ زید عمر — کریمہ زوجہ عمر بکر — فاطمہ زوجہ بکر
ناصر رقیہ
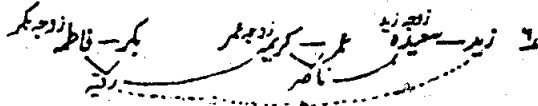
زید اپنے رضاعی بیٹے ناصر کی رضاعی بہن رقیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۶) دونوں رضاعی ہوں یہ چھ صورتیں مصنف کے کلام میں داخل ہیں بعض حضرات نے اکیس صورتیں مستثنیٰ کی ہیں چھ تو یہی جو اوپر مذکور ہوئیں اور پندرہ مزید یہ کل اس شعر میں مذکور ہیں۔

یفارق النسب الارضاع فی صور کام نافلة او جدة الولد
وام اخت واخت ابن وام اخ وام خال وعمته ابن اعتمد

خط کشیدہ الفاظ میں سے ہر ایک تین تین صورتوں کو شامل ہے اول یہ کہ مضاف رضاعی ہو اور مضاف الیہ نسبی دوم یہ کہ مضاف نسبی ہو اور مضاف الیہ رضاعی سوم یہ کہ دونوں رضاعی ہوں پس یہ کل اکیس صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) نسبی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کا بیٹا خالد ہے اور خالد کو ایک اجنبی عورت کریمہ نے دودھ پلایا ہے تو زید کو کریمہ کیساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔

مـ۱ بکر — کریمہ زوجہ بکر زید — سعیدہ زوجہ زید
رضاعی ماں خالد محمود
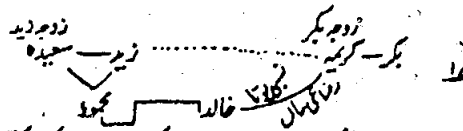
زید اپنے نسبی پوتے خالد کی رضاعی ماں کریمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۲) رضاعی پوتے کی نسبی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کی زوجہ نے بکر کو دودھ پلایا ہے تو بکر زید کا رضاعی پوتا ہوا تو زید کو بکر کی نسبی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے۔

مـ۲ عمر — زینب ...... زید سعیدہ زوجہ زید
بکر نسبی ماں محمود — طیبہ زوجہ محمود
رضاعی پوتا رضاعی ماں
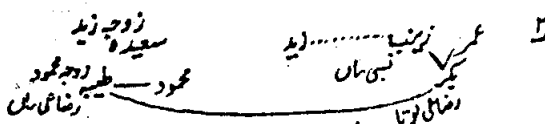
زید اپنے رضاعی پوتے بکر کی نسبی ماں زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۳) رضاعی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً بکر کو زوجہ محمود کے سوا حلیمہ نے دودھ پلایا تو زید کے لئے حلیمہ حلال ہے۔

۴
عمر — زینب　　زید — سعیدہ زوجہ زید
بکر رضاعی پوتا　حلیمہ اجنبیہ　محمود — حلیمہ زوجہ محمود رضاعی ماں
زید اپنے رضاعی پوتے بکر کی رضاعی ماں حلیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۴) نسبی لڑکے کی رضاعی نانی مثلاً زید کے بیٹے عبداللہ کو حمیدہ نے دودھ پلایا تو حمیدہ کی ماں جو عبداللہ کی رضاعی نانی ہوئی زید کے لئے حلال ہے۔

۴
عمر — زینب رضاعی نانی　　زید — سعیدہ
حمیدہ رضاعی ماں　　عبداللہ
زید اپنے نسبی بیٹے عبداللہ کی رضاعی نانی زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۵) رضاعی بیٹے کی نسبی نانی مثلاً زید کا بیٹا خالد ہے تو خالد کی نسبی نانی زید کے لئے حلال ہے۔

۵
قاسم — ام کلثوم نسبی نانی　　زید — سعیدہ زوجہ زید رضاعی ماں
زینب　خالد رضاعی بیٹا
زید اپنے رضاعی بیٹے خالد کی نسبی نانی ام کلثوم سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۶) رضاعی بیٹے کی رضاعی نانی بھی زید کے لئے حلال ہے۔ جس کی تخریج مثال نمبر ۵ کے بعد نہایت آسان ہے۔

۶
قاسم — ام کلثوم رضاعی نانی　　زید — سعیدہ زوجہ زید رضاعی ماں
حمیدہ رضاعی ماں　　خالد
زید اپنے رضاعی بیٹے خالد کی رضاعی نانی ام کلثوم سے نکاح کر سکتا ہے۔

بہن کی ماں اور بیٹے کی بہن کی بھی یہی تین تین صورتیں ہیں جن کا بیان مصنف کے قول الا ام اختہ واخت ابنہ'' کے ذیل میں مع امثلہ گذر چکا۔

بھائی کی ماں کی بھی اسی طرح تین صورتیں ہیں۔

(۷) ماں رضاعی ہو اور بھائی نسبی۔

۷
بکر — حافظہ رضاعی ماں　　عمر — سعیدہ زوجہ عمر
زید　رشید حقیقی بھائی
زید اپنے حقیقی بھائی رشید کی رضاعی ماں حافظہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۸) ماں نسبی ہو اور بھائی رضاعی۔

۸
عمر — سعیدہ رضاعی ماں　　بکر — نعیمہ زوجہ بکر
زید　رشید رضاعی بھائی
زید اپنے رضاعی بھائی رشید کی حقیقی ماں نعیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۹) ماں بھی رضاعی ہو اور بھائی بھی رضاعی ہو۔

۹
عمر — سعیدہ رضاعی ماں　بکر — نعیمہ زوجہ بکر　خالد — ناصرہ زوجہ خالد رضاعی ماں
زید　رشید
رضاعی بھائی
زید اپنے رضاعی بھائی رشید کی رضاعی ماں ناصرہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

ماموں کی ماں کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔

(۱۰) ماموں نسبی ہو اور ماں رضاعی مثلاً زید کے نسبی ماموں ہارون کو زبیدہ اجنبیہ نے دودھ پلایا تو زید کے لئے ماموں کی دایہ زبیدہ حلال ہے۔

فرقان — زبیدہ زوجہ فرقان
عمران — حکیمہ زوجہ عمران
عثمان سلیمہ زوجہ عثمان ہارون
زید
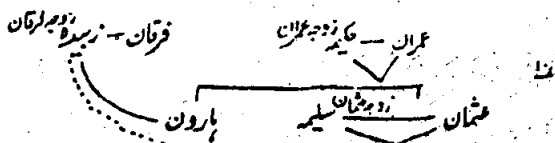
زید کا اپنے نسبی ماموں ہارون کی رضاعی ماں زبیدہ سے نکاح درست ہے۔

(۱۱) ماموں رضاعی ہو اور ماں نسبی تو زید کے لئے رضاعی ماموں کی نسبی ماں حلال ہے۔

فرقان — حمیدہ زبیدہ عمران حکیمہ (زوجہ عمران)
رضاعی ماں
ہارون رضاعی ماموں سلیمہ زوجہ سلیمان
زید

زید اپنے رضاعی ماموں ہارون کی نسبی ماں حمیدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔
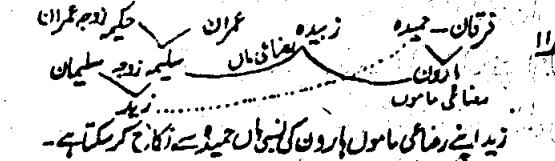
(۱۲) دونوں رضاعی ہوں تو زید کے رضاعی ماموں کی رضاعی ماں زید کے لئے حلال ہے۔

زوجہ فرقان اجنبیہ اجنبیہ
فرقان — حمیدہ بریرہ زبیدہ عمران — حکیمہ
ہارون رضاعی ماموں سلیمہ زوجہ سلیمان
زید

زید اپنے رضاعی ماموں ہارون کی رضاعی ماں بریرہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

بیٹے کی پھوپی کی بھی تین صورتیں ہیں۔

(۱۳) بیٹا نسبی ہو اور پھوپی رضاعی مثلاً زید کا حقیقی بیٹا حسن ہے اس نے اجنبیہ عورت عابدہ کا دودھ پیا جو خالد کی زوجہ ہے اور خالد کی بہن عظیمہ ہے تو زید کے لئے عظیمہ حلال ہے جو حسن کی رضاعی پھوپھی ہے۔

زوجہ عمر
عمر — شاہدہ زید — زاہدہ زوجہ زید
زوجہ خالد رضاعی ماں
عظیمہ رضاعی پھوپی خالد — عابدہ حسن حقیقی بیٹا

زید اپنے حقیقی بیٹے حسن کی رضاعی پھوپی عظیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔
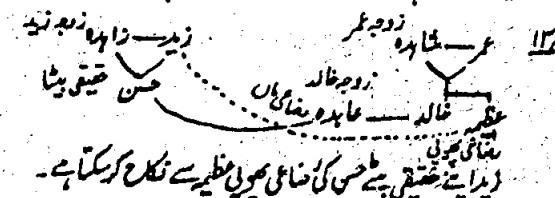
(۱۴) بیٹا رضاعی ہو اور پھوپھی نسبی مثلاً قاسم زید کا رضاعی بیٹا ہے تو قاسم کی نسبی پھوپی زید کے لئے حلال ہے۔

زید — سلمیٰ زوجہ زید سالم — طاہرہ زوجہ سالم
رضاعی ماں
قاسم رضاعی بیٹا اسلم سالمہ نسبی پھوپی

زید اپنے رضاعی بیٹے قاسم کی نسبی پھوپی سالمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔
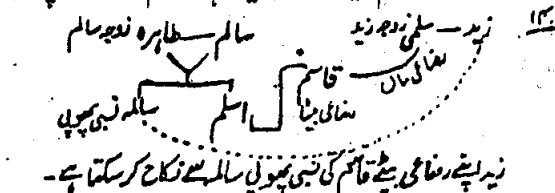
(۱۵) دونوں رضاعی ہوں مثلاً قاسم نے زید کی بیوی کے سوا کسی اور اجنبیہ عورت کریمہ کا دودھ پیا تو کریمہ کے خاوند کی بہن زید کے لیے حلال ہے یہاں تک اکیس صورتوں کا مفصل بیان ختم ہوا۔

خالد — نسیمہ زید — فاطمہ زوجہ زید اسلم — حامدہ زوجہ اسلم
زوجہ احمد
نعیمہ احمد — کریمہ رضاعی ماں رضاعی ماں قاسم رضاعی بیٹا

زید اپنے رضاعی بیٹے قاسم کی رضاعی پھوپی نعیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔
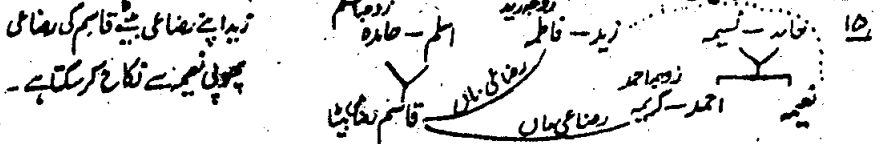
علامہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کہ ابن وہبان نے شرح منظوم میں مسائل استثناء رضاعت کچھ اوپر ستر ذکر کئے ہیں۔ صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ اس کی کتاب کا خاصہ ہے پھر صاحب بحر نے مسائل مذکورہ کو اکاسی تک پہنچا کر کہا کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے اس کے بعد صاحب نہر نے ایک سو آٹھ تک پہنچا کر کہا کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے۔ صاحب درمختار نے ایک سو بیس تک پہنچا کو کہا ہے کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے شیخ عابد مدنی نے دوسو سولہ تک پہنچا کر کہا ہے کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے میں کہتا ہوں کہ ہر پیچیدہ مسئلہ کو نقشوں کے ساتھ سمجھنا میری کتاب کا خاصہ ہے واللہ الموفق۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ **الصناعه تتكامل بتلاحق الافكار**۔

قولہ وزوج الخ لبن سے مراد وہ دودھ ہے جو کسی مرد کے وطی کرنے پر ولادت کے سبب سے پیدا ہوا ہو خواہ وہ مرد اس عورت کا شوہر ہو جس کے دودھ اترا ہے یا اس کا آقا ہو پس متن میں زوج کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب عورت سے بچہ کو دودھ پلایا تو اب وہ اس کی ماں ہوگئی اور اس کا شوہر بچہ کا باپ ہوگیا (**فلايحل لكل منهما موطوءة الاخر**) بشرطیکہ اسکا دودھ اسی شوہر سے پیدا ہوا ہو، اگر دودھ پہلے شوہر سے ہو تو دوسرا شوہر بچہ کا باپ نہ ہوگا بلکہ وہ شیر خوار اس کا رضاعی ربیب ہوگا (**حتی جاز لذالک الولدان یتزوج باولاد الثانی من غیرها**)۔

وَتَحِلُّ اُخْتُ اَخِيْهِ رِضَاعًا وَنَسَبًا وَلَا يَحِلُّ بَيْنَ رَضِيْعَيْ ثَدْيٍ وَبَيْنَ مُرْضِعَةٍ وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا

اور حلال ہے بھائی کی رضاعی بہن اور نسبی بہن اور نہیں ہے حلت ایک پستان کے دو شیر خواروں میں اور نہ شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے لڑکے

وَوَلَدِ وَلَدِهَا وَاللَّبَنُ الْمَخْلُوْطُ بِالطَّعَامِ لَا يُحَرِّمُ

اور اس کے پوتے کے درمیان اور کھانے کے ساتھ ملا ہوا دودھ حرام نہیں کرتا

وَيُعْتَبَرُ الْغَالِبُ بِمَآءٍ اَوْ دَوَآءٍ اَوْ لَبَنِ شَاةٍ اَوْ اِمْرَاَةٍ اُخْرٰى

اور اعتبار کیا جائیگا غالب کا اگر دودھ پانی یا دوا یا بکری یا دوسری عورت کے دودھ کیساتھ مخلوط ہو۔

توضیح اللغۃ: حلّ حلت، حلال ہونا، رضیع: شیر خوار۔ ثدی: چھاتی۔ مرضعۃ: بفتح ضاد اسم مفعول ہے۔ لبن دودھ۔

تشریح الفقہ: قولہ وتحل الخ رضاعاً کا تعلق "اخت اخیہ" کے مضاف سے بھی ہوسکتا ہے اور مضاف الیہ سے بھی اور مضاف ومضاف الیہ ہر دو سے بھی مضاف کیساتھ رضاعت کے تعلق کی صورت یہ ہے کہ اس کے نسبی بھائی کی رضاعی بہن ہو اور مضاف الیہ کیساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ اسکے رضاعی بھائی کی نسبی بہن ہو اور دونوں کے ساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ رضاعی بھائی کی رضاعی بہن ہو۔ اور نسباً کا تعلق مضاف ومضاف الیہ میں سے تنہا کسی ایک کیساتھ نہیں۔ بلکہ دونوں کیساتھ ہے۔ اس واسطے کہ اگر نسباً کا تعلق صرف مضاف سے ہو تو مضاف الیہ رضاعی ہوگا اور اگر صرف مضاف الیہ سے ہو تو مضاف نسبی ہوگا بہر دو صورت تکرار لازم آئے گا کیونکہ یہ دونوں صورتیں مسئلہ سابق میں داخل ہیں۔ نسب کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکے دو بیبیوں سے ہوں اور ان بیبیوں میں سے ایک کی لڑکی بھی ہو مگر دوسرے خاوند سے تو یہ لڑکی دوسری بی بی کے لئے حلال ہے کیونکہ ان میں کوئی قرابت نہیں۔ لیکن اسی بی بی کے لڑکے کیلئے حلال نہیں کیونکہ وہ اس کی اخیافی بہن ہے۔

قولہ ولاحل الخ اگر دونوں بچوں نے کسی ایک ہی عورت کا دودھ پیا تو وہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہیں ان میں حلت کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ اگر اس عورت کا دودھ دو شوہروں سے ہو تو وہ دونوں آپس میں ماں شریک بھائی بہن ہیں اور اگر دودھ ایک شوہر سے ہو تو وہ ماں باپ شریک بھائی بہن ہیں۔ اسی طرح شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے بیٹے کے درمیان حلت نہیں کیونکہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ نیز شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے پوتے کے درمیان بھی حلت نہیں کیونکہ دایہ کا پوتا بھتیجا ہوتا ہے۔

قولہ واللبن الخ اگر دودھ کھانے کے ساتھ مخلوط ہو یا مغلوب۔ امام صاحب کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

صاحبین کے نزدیک دودھ کو کھانے کیساتھ آگ پر نہ پکایا گیا ہو۔ اگر پکالیا گیا ہو تو بالاتفاق حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مخلوط میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مقصود یعنی غذائیت کے لحاظ سے کھانا اصل ہے اور دودھ تابع پس تابع ہونے کی وجہ سے دودھ مغلوب ہی رہے گا گو غالب ہو۔

قولہ ویعتبر الخ اور اگر دودھ پانی یا دوا یا بکری کے دودھ یا کسی دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پانی کے ساتھ مخلوط ہونے میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی میں پانچ چسکاریوں کے بقدر دودھ مخلوط ہو تو حرمت ثابت ہو جائیگی کیونکہ اس میں حقیقۃً دودھ موجود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شئی مغلوب حکماً موجود نہیں ہوتی۔ آخری صورت میں عدم ثبوت حرمت امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور ایک روایت امام صاحب سے بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ دونوں مل کر شئی واحد ہو گئے۔ لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع کر دیا جائیگا، امام محمد و امام زفر کے نزدیک حرمت ثابت ہو جائیگی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنس جنس پر غالب نہیں ہوتی۔ فان الشئی لا یصیر مستھلکا فی جنسہ لا تحاد المقصود۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَبَنُ الْبِكْرِ وَالْمَيِّتِ مُحَرِّمٌ لَا الْاِحْتِقَانُ وَلَبَنُ الرَّجُلِ وَلَوْ اَرْضَعَتْ ضَرَّتَهَا حَرُمَتَا

اور کنواری عورت اور مردہ عورت کا دودھ محرم ہے نہ کہ حقنہ کرنا اور مرد کا دودھ اور بکری کا دودھ اور اگر دودھ پلا دے عورت اپنی سوت کو تو دونوں حرام

وَلَامَهْرَ لِلْكَبِيْرَةِ اِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُهُ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ تَعَمَّدَتِ[1] الْفَسَادَ

ہو جائیں گی اور بڑی کو مہر نہ ملیگا اگر اس سے وطی نہ کی ہو اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا اور یہ بڑی سے لے لیگا اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو

وَاِلَّا لَا وَيَثْبُتُ الرَّضَاعُ بِمَا يَثْبُتُ بِهِ الْمَالُ

ورنہ نہیں اور دودھ پینا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے۔

تشریح الفقہ :

قولہ ولبن الخ نو برس کی کنواری لڑکی کے دودھ سے اور مردہ عورت کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں مردہ عوت کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی وہ یہ فرماتے ہیں کہ ثبوت کے سلسلہ میں اصل عورت ہے اسکے واسطے سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ عورت کیساتھ وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب حرمت رضاع شبہ جزئیت ہے جو دودھ میں بایں معنی ہے کہ بچہ اس سے نشو و نما پاتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے بخلاف مسئلہ مصاہرت کے کہ وہاں جو وطی میں شبہ جزئیت ہوتا ہے وہ بایں معنی ہوتا ہے کہ وہ موضع حرث سے ملاقی ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا محل حرث ہونا زائل ہو چکا۔ فافترقا۔

قولہ ولو ارضعت الخ ایک شخص کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ایک کبیرہ ایک صغیرہ کبیرہ نے یہ حرکت کی کہ صغیرہ کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر پر وہ دونوں حرام ہو گئیں کیونکہ اب وہ دونوں آپس میں رضاعی ماں بیٹی ہو گئیں۔ اور رضاعی ماں بیٹی کا اجتماع جائز نہیں اب اگر شوہر کبیرہ کیساتھ وطی کر چکا ہو تو مہر لازمی ہے اور اگر وطی نہ کی ہو تو کبیرہ کو مہر نہیں ملے گا۔ کیونکہ فرقت اسی کی جانب سے واقع ہوئی ہے۔ اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیونکہ فرقت اس کی جانب سے نہیں آئی اور دودھ پینا گو اس کا فعل ہے مگر اسقاط حق میں اس کا اعتبار نہیں۔ البتہ شوہر نے جو نصف مہر صغیرہ کو دیا ہے وہ کبیرہ سے وصول کر لے گا بشرطیکہ کبیرہ نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو۔ اور اگر اس کا مقصد فساد نکاح نہ ہو بلکہ دفع

---

[1] التعمد الفساد شروط الاول ان تکون عاقلۃ فلا رجوع علی المجنونۃ الثانی ان تعلم بالنکاح الثالث ان تعلم ان الرضاع مفسد، الرابع ان یکون من غیر حاجۃ بان کانت شبعانۃ فان ارضعتہا علی ظن انہا جائعۃ ثم ظہر انہا شبعانۃ لا تکون متعمدۃ الخامس ان تکون متیقظۃ فلو ارتضعت منہا وہی نائمۃ لا تکون متعمدۃ والقول قولہا مع یمینہا انہا لم تتعمد ۱۲ بحر بحذف وزیادۃ۔

گر سنگی وغیرہ ہو تو پھر رجوع کا بھی حق نہیں۔

قولہ ویثبت الخ ہمارے یہاں رضاعت کا ثبوت اسی حجت سے ہوتا ہے جس سے مال کا ثبوت ہوتا ہے یعنی دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی سے امام مالک فرماتے ہیں کہ صرف ایک عادلہ عورت کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہو جائیگا کیونکہ حرمت رضاعت منجملہ حقوق شرع کے ایک حق ہے پس خبر واحد سے ثابت ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص نے گوشت خریدا اور کسی نے اس کو خبر دیدی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کے لئے کھانا جائز نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ باب نکاح میں ثبوت حرمت زوال ملک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ بقاء نکاح مع ثبوت حرمت دائم متصور نہیں ہو سکتا اور بطلان نکاح دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے بغیر نہیں ہوتا تو حرمت کا ثبوت بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا بخلاف گوشت کے مسئلے کے کہ حرمت تناول زوال ملک سے جدا ہو سکتی ہے جیسے شراب میں حرمت کے باوجود ملک یمین ثابت ہو جاتی ہے۔

كِتَابُ الطَّلَاقِ

هُوَ رَفْعُ الْقَيْدِ الثَّابِتِ شَرْعًا بِالنِّكَاحِ وَتَطْلِيقُهَا وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ لَا وَطْئَ فِيْهِ وَتَرْكُهَا حَتّٰى تَمْضِيَ عِدَّتُهَا اَحْسَنُ

وہ دور کرنا ہے اس قید کو جو ثابت ہوتی ہے شرعاً نکاح کے ذریعہ عورت کو ایک طلاق دینا ایسے طہر میں جس میں وطی نہ ہو اور چھوڑ دینا یہاں تک کہ اس کی مدت گذر جائے احسن ہے۔

قولہ کتاب الخ نکاح چونکہ طلاق پر طبعاً مقدم ہے اس لئے احکام نکاح کے بعد طلاق کو ذکر کر رہا ہے تا کہ وضع وطبع دونوں متوافق ہو جائیں اور نکاح وطلاق کے درمیان رضاع کو اس مناسبت سے لایا کہ رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے بھی فرق اتنا ہے کہ رضاعت سے حرمت موبدہ ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے غیر موبدہ فقدم الاشد علی الخف، طلاق اسم مصدر ہے بمعنی تطلیق جیسے سراح بمعنی تسریح سلام بمعنی تسلیم ومنہ قولہ تعالیٰ ''الطلاق مرتان'' (معراج) یا طلقت (لام کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ) طلاقاً کا مصدر ہے اور اخفش سے گو مضموم اللام کی نفی مروی ہے مگر دیوان الادب میں ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے، طلاق لغت میں مطلقاً بن کھولنے کو کہتے ہیں یقال الطلق الناقۃ اس نے اونٹنی کے پاؤں باندھنے کی رسی کھولدی، شرعی معنی آگے آرہے ہیں۔

فائدہ: جملہ مباح چیزوں میں زیادہ بری شئی طلاق ہے آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے ''ان ابغض المباحات عند اللہ الطلاق'' لیکن تباین اخلاق اور زوجین کی ناموافقت کے وقت جدائی کے سوا کوئی علاج نہیں اس واسطے شریعت نے طلاق کو جائز رکھا ہے حدیث میں جو اس کو مبغوض ہونے کے ساتھ موصوف کیا گیا اس سے کراہت لازم نہیں آتی جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے اس واسطے کہ خود حدیث مذکور میں اس کا مضاف الیہ المباحات موجود ہے اور افعل تفضیل اپنے مضاف الیہ کا بعض ہوتا ہے نیز آیت '' لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن '' دلیل یہ ہے کہ بوقت ضرورت طلاق مکروہ نہیں ہے۔

قولہ وھو رفع الخ فقہاء کے یہاں طلاق اس قید کے دور کرنے کو کہتے ہیں جو شریعت سے نکاح کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے شرعاً کی قید سے قید حسی نکل گئی اور نکاح کی قید سے عتق خارج ہو گیا۔ مگر اس تعریف پر جامع مانع نہ ہونیکا اعتراض ہے کیونکہ احد الزوجین کی ردت اور خیار بلوغ وعتق میں قاضی کا تفریق کرنا فسخ نکاح ہوتا ہے نہ کہ طلاق حالانکہ طلاق کی تعریف مذکور ان پر صادق ہے اور رجعت میں رفع قید نہیں ہوتا حالانکہ طلاق ہوتی ہے پس طلاق کی بہتر تعریف یہ ہے'' ھو رفع قید النکاح حالا و مآلاً بلفظ مخصوص ''یعنی طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ رفع قید نکاح کو کہتے ہیں خواہ رفع قید فی الحال ہو یا آخر کار پس نکاح کی قید سے قید حسی اور عتق خارج ہو گیا اور لفظ مخصوص کی قید سے فسخ یعنی تفریق ارتدادی اور خیار بلوغ وخیار عتق نکل گیا اور مآلاً کی قید سے طلاق رجعی داخل ہو گئی تامل:

قولہ تطلیقہ الخ طلاق کی تین قسمیں ہیں احسن حسن (سنی) بدعی طلاق احسن یہ ہے کہ جس طہر مین وطی نہ ہوئی ہو اس میں ایک دیکر چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے۔ کیونکہ صحابۂ کرام اسی کو مستحب سمجھتے تھے اس طلاق کا احسن ہونا بایں اعتبار ہے کہ یہ

دوسری طلاق یعنی حسن وبدعی کے لحاظ سے احسن ہے نہ کہ بایں اعتبار کہ یہ فی نفسہ احسن ہے حتی یروانہ ابغض المباحات فکیف یکون احسن۔

وَثلاثًا فِیْ اَطْھَارٍ حَسَنٌ وَسُنِّیٌّ وَثلاثًا فِیْ طُھْرٍ اَوْبِکَلِمَۃٍ بِدْعِیٌّ وَغَیْرُ الْمَوْطُوْاَۃِ تُطَلَّقُ لِلسُّنَّۃِ وَلَوْ حَائِضًا

اور تین طلاقیں تین طہروں میں دینا حسن اور سنی ہے اور تین طلاق ایک طہر میں یا ایک کلمہ کے ساتھ بدعی ہے اور غیر موطوءہ کو سنی طلاق دیجاسکتی ہے

وَفَرَّقَ عَلَی الاَشْھُرِ فِیْمَنْ لاَ تَحِیْضُ وَصَحَّ طَلاَقُھُنَّ بَعْدَ الْوَطْیِ وَطَلاَقُ الْمَوْطُوْاَۃِ

گو وہ حائضہ ہو اور متفرق کرے مہینوں پر اس عورت کی طلاق کو جس کو حیض نہ آتا ہو اور صحیح ہے ان کو طلاق دینا وطی کے بعد اور موطوءہ عورت کو

حَآئِضًا بِدْعِیٌّ فَیُرَاجِعُھَا وَیُطَلِّقُھَا فِیْ طُھْرٍ ثَانٍ وَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوْأَتِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا لِلسُّنَّۃِ

بحالت حیض طلاق دینا بدعی ہے پس اس سے رجعت کرلے اور دوسرے طہر میں طلاق دے اگر کہا اپنی موطوءہ سے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں بطور سنت

وَقَعَ عِنْدَ کُلِّ طُھْرٍ طَلْقَۃٌ وَاِنْ نَوٰی اَنْ یَّقَعَ الثَّلٰثُ السَّاعَۃَ اَوْعِنْدَ کُلِّ شَھْرٍ وَاحِدَۃٌ صَحَّتْ وَیَقَعُ

تو واقع ہوگی ہر طہر میں ایک طلاق اور اگر نیت کرلے کہ تینوں اسی وقت واقع ہوں یا ہر مہینے میں ایک واقع ہو تو یہ بھی صحیح ہے اور واقع ہو جاتی ہے

طَلاَقُ کُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْمُکْرَھًا اَوْسُکْرَانًا وَاَخْرَسَ بِالْاِشَارَۃِ وَلَوْعَبْدًا لاَطَلاَقُ الصَّبِیِّ

طلاق ہر ایسے شوہر کی جو عاقل بالغ ہو گو اس سے زبردستی لیگئی ہو یا وہ مست ہو اور گونگے کی طلاق اشارہ کے ساتھ آزاد ہو یا غلام نہ کہ طلاق بچہ کی

وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ وَسَیِّدٍ عَلٰی اِمْرَاَۃِ عَبْدِہٖ وَاعْتِبَارُہٗ بِالنِّسَآءِ فَطَلاَقُ الْحُرَّۃِ ثَلٰثٌ وَالْاَمَۃِ ثِنْتَانِ

اور دیوانے کی اور نائم کی اور آقا کی اپنے غلام کی بیوی پر اور طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے پس آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اور باندی کی دو۔

طلاق کی اقسام کا بیان

توضیح اللغۃ: اطہار جمع طہر پاکی کا زمانہ، مکرہ جس سے زبردستی طلاق دلائی گئی ہو۔ سکران مست، اخرس گونگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وثلاثا الخ طلاق حسن یہ ہے کہ تین طہروں میں جدا جدا تین طلاقیں دے اگر عورت کو حیض آتا ہو۔ اور اگر حیض نہ آتا ہو جیسے آئسہ۔ صغیرہ اور حاملہ تو اس کو تین مہینے میں تین طلاق دے مصنف نے حسن کے ساتھ جو لفظ سنی ذکر کیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ صرف طلاق حسن سنی ہے اور طلاق احسن سنی نہیں اس واسطے کہ جب طلاق حسن سنی یعنی مسنون ہوئی تو طلاق احسن بطریق اولیٰ مسنون ہوگئی بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس میں امام مالک پر رد مقصود ہے کیونکہ وہ اس کو بدعت کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طلاق میں اصل اسکا ممنوع ہونا ہے مگر بعض اوقات اسکی ضرورت واقع ہوتی ہے اس لئے اس کو مباح کردیا گیا اور ضرورت ایک سے پوری ہوسکتی ہے پس ایک سے زائد مسنون نہ ہوگی رد کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمر سے فرمایا تھا کہ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں طلاق دے[1]، طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دے یا ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدے بان یقول انت طلاق ثلاثا۔

فائدہ: طلاق بدعی کی آٹھ صورتیں ہیں۔ (۱) ایک طہر میں متفرق یا ایک (۲) ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینا، (۳) ایک لفظ سے دو طلاقیں دینا، (۴) دو لفظوں سے دو طلاقیں اور اول طہر میں دینا جس میں رجعت نہ ہو (۵) حیض کی حالت میں طلاق دینا، (۶) اس طہر میں طلاق دینا جس میں وطی ہوچکی ہو یا (۷) طہر سے قبل حیض میں وطی ہوچکی ہو (۸) حالت نفاس میں طلاق دینا۔

قولہ وطلاق الموطوءۃ الخ مدخولہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا بدعی یعنی حرام ہے اور بنا پر قول اصح رجوع کرلینا واجب ہے اس کے بعد جب حیض سے پاک ہوجائے تو چاہے نکاح میں رکھے اور چاہے تو طہر میں طلاق دیدے اس واسطے کہ حضرت ابن عمر نے جب اپنی بیوی[2] کو حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا صاحبزادے سے کہد و رجوع کرے۔[3]

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی سے (جو ذوات الحیض میں سے تھی) کہا کہ تجھے بطریق سنت تین طلاق تو ہر طہر میں

[1] دار قطنی، طبرانی، ہیثمی (فی مجمع الزوائد) عن ابن عمر ۱۲ (۲) … آمنہ بنت غفار ۱۲ (۳) آئمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲

ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ "للسنۃ" میں لام وقت کے لئے ہے فکانہ "قال" وقت السنۃ" اور طلاق سنی کا وقت طہر ہی ہے جس میں جماع نہ ہو۔ یالام برائے اختصاص ہے یعنی تین طلاقیں جو سنت کے ساتھ مخصوص ہیں اور طلاق مطلق ہے پس اس سے فرد کامل مراد ہوگا اور طلاق سنی کا فرد کامل وہی ہے جو عدد اور وقت ہر دو اعتبار سے سنت ہو لہذا تین طلاقیں تین طہروں میں واقع ہوں گی اور اگر وہ فی الحال تینوں طلاقوں کے واقع ہونیکی نیت کرلے یا ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق واقع ہونے کی نیت کرلے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ کلام میں اس کا بھی احتمال ہے۔

قولہ ویقع الخ ہمارے نزدیک طلاق ہر عاقل بالغ شوہر کی واقع ہوجاتی ہے اگرچہ وہ مکرہ ہو یعنی کسی نے اس سے زبردستی طلاق دلوائی ہو یا شوہر بھنگ افیون یا خراسانی اجوائن وغیرہ کے نشہ میں مست ہو بہر حال طلاق واقع ہوجائے گی۔

ابن عمر، شعبی، زہری، قتادہ، ابوقلابہ، سعید بن جبیر، ابن المسیب، شریح اسی کے قائل ہیں، امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حضرت عمر، علی، ابن عباس، زبیر، عمرو بن عبدالعزیز، حسن، ضحاک اور عطاء سے یہی مروی ہے ان حضرات کی دلیل حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ "میری امت سے خطا اور بھول چوک اور اس چیز کو اٹھالیا گیا جوان سے زبردستی کرائی جائے"[1] نیز آپ کا ارشاد ہے "لاطلاق ولا عتاق فی اغلاق"[2] ابن قتیبہ نے کہا کہ اغلاق کے معنی (کراہ ہیں عقلی دلیل یہ ہے کہ تصرفات شرعیہ کا اعتبار اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور اختیار اکراہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے "ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ"[3] نیز روایت میں ہے کہ ایک عورت نے تلوار سونت کر شوہر سے کہا یا تو مجھے طلاق دے ورنہ قتل کرڈالوں گی اس نے طلاق دیدی اور معاملہ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی طلاق کو نافذ کردیا[4] نیز فتح القدیر میں حضرت عمر کا قول مروی کہ "اربع مبھمات مقفلات لیس فیھن ردالنکاح والطلاق والعتاق والصدقۃ" عقلی دلیل یہ ہے کہ اکراہ میں مکرہ کا قصد و اختیار سلب نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ شرین میں سے اہون کو اختیار کررہا ہے تو یہ کھلی دلیل ہے کہ اس کا اختیار سلب نہیں ہوا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اس سے راضی نہیں اور طلاق کا وقوع رضا پر موقوف نہیں بہر کیف مکرہ کی طلاق واقع ہوتی ہے رہے۔

مذکورہ بالا مستدلات سو پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں بالاجماع حکم اخروی مراد ہے نہ کہ حکم دنیوی اور دوسری حدیث میں ابوداؤد اور امام احمد نے اغلاق کی تفسیر غضب کے ساتھ کی ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں:۔

فائدہ: بیس معاملات میں جو بحالت اکراہ بھی صحیح ہوتے ہیں صاحب نہر نے ان کو ان اشعار میں جمع کیا ہے۔

(۱) طلاق و (۲) ایلاء (۳) ظہار و (۴) رجعۃ (۵) نکاح مع (۶) الاستیلا (۷) عفو عن العمد
(۸) رضاع و (۹) ایمان (۱۰) وفی و (۱۱) نذرۃ (۱۲) قبول لایداع کذا (۱۳) تصلح عن عمد
(۱۴) طلاق علی جعل (۱۵) یمین بہ اتت کذا (۱۶) لعتق (۱۷) والاسلام (۱۸) تدبیر للعبد
(۱۹) وایجاب احسان و عتق (۲۰) فہذہ تصح مع الاکراہ عشرین فی العدد

قولہ لاطلاق الخ بچہ کی، دیوانے کی، سونیوالیکی اور غلام کی بیوی پر آقا کی طلاق نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہیکہ ہر طلاق جائز ہے سوائے مغلوب العقل[5] کی طلاق کے نیز حدیث میں ہے کہ بچہ کی طلاق جائز نہیں[6]

قولہ واعتبارہ الخ ہمارے یہاں عدد طلاق میں عورت کے حال کا اعتبار ہے اگر وہ آزاد ہو تو شوہر تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور باندی ہو تو دو کا شوہر غلام ہو یا آزاد حضرت علی ابن مسعود ابن عباس (ایک روایت میں) نخعی حسن بن حی، ابن سیرین ثوری، مجاہد سب کا یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کے یہاں مرد کے حال کا اعتبار ہے دلیل حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ طلاق کا اعتبار مردوں کے لحاظ سے ہے اور

---

[1] ابن حبان ابن ماجہ حاکم عن ابن عباس ۱۲ [2] ابوداؤد ابن ماجہ حاکم عن عائشہ ۱۲ [3] ... حاکم ترمذی عن ابی ہریرۃ ۱۲ [4] ... ابن حزم واخرج فی معناہ محمد بن الحسن والعقیلی عن صفوان بن غزوان وفی آخرہ لا قیلولۃ فی الطلاق ۱۲ [5] ... ترمذی عن ابی ہریرہ ۱۲
[6] ... ابن ابی شیبہ عبدالرزاق عن ابن عباس عبدالرزاق بخاری عن علی تعلیق ۱۲

عدت کا اعتبار عورتوں کے لحاظ سے[۷] ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں[۸] ائمہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایقاع طلاق مراد ہے کہ نہ کہ عدد طلاق۔

بَابُ الطَّلَاقِ الصَّرِيْحِ

باب طلاق صریح کے بیان

هُوَ كَانْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ فَيَقَعُ بِهٖ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوَى الْاَكْثَرَ اَوِ الْاِبَانَةَ

طلاق صریح یوں ہے کہ تو طلاق والی ہے یا مطلقہ ہے یا میں نے تجھکو طلاق دی ان سے ایک رجعی واقع ہوتی ہے گو زیادہ کی یا بائن کی نیت کرے

اَوْلَمْ يَنْوِشَيْئًا وَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقَ اَوْاَنْتِ الطَّلَاقُ اَوْاَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا يَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ بِلَانِيَّةٍ اَوْنَوٰى

یا نیت ہی نہ کرے اگر کہا تو طلاق ہے یا خاص طلاق والی ہے یا طلاق والی ہے کسی طلاق سے تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگر نیت نہ کی ہو یا ایک کی نیت

وَاحِدًا اَوِاثْنَتَيْنِ وَاِنْ نَوٰى ثَلٰثًا فَثَلٰثٌ وَاِنْ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى جُمْلَتِهَا اَوْاِلٰى مَايُعَبَّرُبِهٖ

کی ہو یا دو کی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی اور اگر منسوب کیا طلاق کو عورت کے کل کی طرف یا ایسے حصہ کی طرف جس سے کل کی تعبیر

عَنْهَا كَالرَّقَبَةِ[۱] وَالْعُنُقِ وَالرُّوْحِ وَالْبَدَنِ وَالْجَسَدِ وَالرَّأْسِ وَالْفَرْجِ وَالْوَجْهِ اَوْاِلٰى جُزْءٍ شَائِعٍ مِّنْهَا كَنِصْفِهَا اَوْثُلُثِهَا

ہوتی ہے جیسے گردن گلا روح، بدن، جسم، سر، شرمگاہ، چہرہ یا اس کے کسی جزء شائع کی طرف جیسے آدھا تہائی

تَطْلُقُ وَاحِدَةً وَاِلَى الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالدُّبُرِ لَا وَنِصْفُ التَّطْلِيْقَةِ اَوْثُلُثُهَا طَلْقَةٌ وَثَلٰثَةُ اَنْصَافِ تَطْلِيْقَتَيْنِ

تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر منسوب کیا ہاتھ یا پاؤں یا مقام براز کی طرف تو واقع نہ ہوگی اور آدھی یا تہائی پوری طلاق ہے اور دو طلاق کے تین نصف

ثَلٰثًا وَمِنْ وَّاحِدَةٍ اَوْمَابَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ الٰى ثَلٰث ثِنْتَان وَوَاحِدَةٌ فِىْ ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ اِنْ لَمْ يَنْوِ

تین طلاقیں ہیں اور ایک سے یا جو ایک سے دو کے درمیان تک ہے ایک ہوگی اور تین تک دو ہونگی اور ایک دو میں ایک ہوگی اگر کچھ نیت نہ کرے

اَوْنَوَى الضَّرْبَ وَاِنْ نَوٰى وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ فِىْ ثِنْتَيْنِ ثِنْتَان وَاِنْ نَوَى الضَّرْبَ وَمِنْ هُنَا اِلَى الشَّامِ وَاحِدَةٌ

یا ضرب کی نیت کرے اور اگر ایک اور دو مراد لے تو تین ہوں گی اور دو دو میں دو ہوں گی گو ضرب کی نیت کرے اور یہاں سے شام تک ایک طلاق

رَجْعِيَّةٌ وَمَكَّةَ اَوْ فِىْ مَكَّةَ اَوْ فِى الدَّارِ تَنْجِيْزٌ وَاِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ تَعْلِيْقٌ

رجعی ہوگی اور مکہ کے پاس یا مکہ میں یا گھر میں طلاق تنجیزی ہے اور جب تو داخل ہو مکہ میں تعلیق ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اصل طلاق اور وصف طلاق بیان کرنے کے بعد انواع کو بیان کر رہا ہے کہ طلاق یا صریحی الفاظ کے ساتھ ہوگی یا کنائی الفاظ کے ساتھ، طلاق صریح ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جو بوجہ غلبہ استعمال طلاق ہی میں مستعمل ہوں جیسے انت طالق الخ ان الفاظ سے طلاق دہندہ زائد کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے بہر حال ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ آیت[۲] طلاق میں طلاق صریح کے بعد رجعت کی اجازت دی گئی ہے معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے اور اگر طلاق دہندہ ایسی ترتیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید ہو خواہ مصدر نکرہ ہو یا معرفہ ہو جیسے انت الطلاق اھ تو اس میں بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ وہ دو کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے کیونکہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں

(۱) قال تعالیٰ فتحرير رقبة، فظلت اعناقهم لها خاضعين وقولهم هلكت روحه اى نفسه جسدفلان يخلص من ذل الرق وقوله عليه السلام لعن الله الفروج على السروج وقال تعالیٰ ويبقى وجه ربك اى ذاته.

[۷]... بن ابی شیبہ عبد الرزاق عن ابن عباس، طبرانی عن ابن مسعود، عبد الرزاق عن عثمان وزید بن ثابت کلہم موقوفا ۱۲ اص ۲

[۸].. ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، بیہقی عن عائشہ ابن ماجہ بزار، طبرانی، دارقطنی عن ابن عمر حاکم، ابو داؤد، نسائی ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

ہوتا، ہاں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ مصدر اسم جنس ہے لہذا کل جنس کا ارادہ ہو سکتا ہے بس تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے بخلاف دو کے کہ وہ نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی لہذا دو کی نیت صحیح نہ ہوگی۔

قولہ وان اضاف الخ اگر طلاق دہندہ نے طلاق کی نسبت عورت کے کل کی طرف بان قال انت طلاق یا ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے رقبہ وغیرہ الفاظ یا کسی جزء غیر معین کی طرف کی جیسے نصف ثلث وغیرہ تو ان تینوں صورتوں میں طلاق ہو جائیگی وجہ ظاہر ہے۔

قولہ والی الید الخ اگر ایسے جزء کی طرف نسبت کی جس سے کل کی تعبیر نہیں ہوتی جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ[1] تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

سوال لفظ ید سے کل کا تعبیر ہونا قرآن سے ثابت ہے "قال تعالیٰ ولا تلقوا بایدکم الی التهلكة" جواب محض استعمال کافی نہیں بلکہ اس کا شائع ذائع ہونا ضروری ہے، امام زفر و امام شافعی کے نزدیک جزء معین غیر شائع کی طرف نسبت کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ عقد نکاح کے ذریعہ اس جزء سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے پس وہ محل نکاح ہونے کی وجہ سے محل طلاق ہوگا اور اس جزء میں حکم طلاق ثابت ہونیکے بعد کل میں صرایت کر جائیگا ہم یہ کہتے ہیں کہ محل طلاق وہی جزء ہو سکتا ہے جس میں معنی قید متصور ہوں اور اجزاء مذکورہ میں یہ چیز نہیں پس طلاق واقع نہ ہوگی جیسے بال ناخن دانت وغیرہ کی طرف منسوب کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قولہ ونصف الخ حصص طلاق نصف، ثلث ربع، عشر وغیرہ ذکر کرنے سے پوری ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، اور انت طالق ثلثۃ انصاف تطلیقتین میں تین واقع ہوں گی کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے اور اس نے تین نصف کو جمع کیا ہے تو لازم طور پر تین طلاقیں ہوں گی کسی نے کہا تجھے ایک سے دو تک یا مابین ایک کے دو تک طلاق تو ایک طلاق ہوگی اور اگر یہ کہا کہ ایک سے تین تک یا مابین ایک کے تین تک تو دو طلاقیں واقع ہوں گی یہ تو امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں تین واقع ہوں گی امام زفر کے نزدیک صرف دوسری صورت میں ایک طلاق ہوگی،

کیونکہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی مثلاً کوئی یوں کہے۔ "بعت منک من هذا الحائط الی هذا الحائط" تو دونوں دیواریں بیع میں داخل نہیں ہوتیں۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کلام سے عرف میں کل ہی مراد ہوتا ہے جیسے کوئی کہے خذ من مالی من درهم الی مائة۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب کلام میں ایسے دو عدد ذکر کئے جائیں جن کے درمیان میں بھی عدد ہو جیسے ایک سے تین تک کہ اس میں دو کا عدد ہے تو اس میں اقل سے زائد مراد ہوتا ہے اور اگر ان کے درمیان عدد نہ ہو جیسے ایک سے دو تک تو اس میں اکثر سے کم مراد ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ سنی من ستین الی سبعين میری عمر ساٹھ سے زائد اور ستر سے کم ہے پس پہلی صورت میں ایک اور دوسری صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

لطیفہ: اصمعی نے ہارون کے دربار میں امام زفر سے دریافت کیا کہ اگر کوئی یوں کہے "انت طالق مابین واحدة الیٰ ثلث" تو کے طلاقیں ہوں گی؟ آپ نے کہا ایک کیونکہ مابین کے استعمال میں حدین داخل نہیں ہوتیں اس پر اصمعی نے کہا کہ اگر کوئی "ماسنک" کے جواب میں مابین ستین الیٰ سبعین" کہے تو آپ کے قاعدہ کے مطابق اس کی عمر نو سال کی ہوئی پاس امام زفر متحیر رہ گئے۔

قولہ وواحدة فی ثنتین الخ کسی نے کہا "انت طالق واحدة فی ثنتین" تو ایک طلاق واقع ہوگی خواہ وہ ضرب وحساب کی نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ ضرب سے اجزاء میں کثرت ہوتی ہے عدد کے افراد نہیں بڑھتے اگر ضرب سے افراد بڑھ جایا کرتے تو دنیا میں کوئی فقیر نہ ہوتا اور اگر ایک اور دو کی نیت کی یعنی فی کو واؤ عاطفہ کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی اگر زوجہ مدخول بہا ہو ورنہ ایک طلاق ہوگی اور اگر فی کو مع کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی زوجہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا کیونکہ کلمہ فی بمعنی مع مستعمل ہے قال تعالیٰ فادخلی فی عبادی "ای مع عبادی اور اگر انت طالق ثنتین فی ثنتین کہا تو دو واقع ہوں گی کیونکہ پہلے گذر چکا کہ عدد اول اعتبار ہوتا ہے۔

[1] مثلاً شرمگاہ، انگلی، آنکھ، ناک، سینہ، کان، پنڈلی، ران وغیرہ ۱۲۔

فَصْلٌ فِي إضَافَةِ الطَّلَاقِ إلَى الزَّمَانِ أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا أَوْفِي غَدٍ تَطْلُقُ عِنْدَ الصُّبْحِ وَنِيَّةُ الْعَصْرِ تَصِحُّ فِي الثَّانِيَةِ

(فصل طلاق کو زمانہ کی طرف منسوب کرنے میں) تو طلاق والی ہے کل یا کل میں طلاق واقع ہو جائیگی صبح ہونے پر اور عصر کی نیت صحیح ہے دوسرے لفظ میں

وَفِي الْيَوْمِ غَدًا أَوْغَدًاالْيَوْمِ يُعْتَبَرُ الْأَوَّلُ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ أَوْأَمْسِ وَنَكَحَهَا الْيَوْمَ

اور ان الفاظ میں کہ تو طالق ہے آج کل یا کل آج پہلے لفظ کا اعتبار ہوگا تو طالق ہے قبل ازینکہ میں تجھ سے نکاح کروں یا تو طالق تھی حالانکہ اس سے

لَغْوٌ وَإنْ نَكَحَهَا قَبْلَ الْأَمْسِ وَقَعَ الْآنَ أَنْتِ طَالِقٌ مَالَمْ أُطَلِّقْكِ

نکاح آج کیا ہے لغو ہے اور اگر نکاح کیا ہو کل سے پیشتر تو اس وقت طلاق پڑے گی تو طالق ہے جب تک کہ میں تجھکو طلاق نہ دوں یا تاوقتیکہ میں

أَوْمَتَى لَمْ أُطَلِّقْكِ وَمَتَى لَمْ أُطَلِّقْكِ وَسَكَتَ طُلِّقَتْ وَفِي إنْ لَّمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ إذَالَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْإذَا مَالَمْ أُطَلِّقْكِ

تجھکو طلاق نہ دوں یہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائیگی اور ان الفاظ میں کہ اگر میں تجھکو طلاق نہ دوں طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی

لَا حَتّٰى يَمُوتَ أَحَدُهُمَا أَنْتِ طَالِقٌ مَالَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ طُلِّقَتْ هٰذِهِ الطَّلْقَةَ أَنْتِ كَذَايَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَنَكَحَهَا

مرجائے تو طالق ہے اس وقت کہ میں تجھکو طلاق نہ دوں تو طالق ہے تو یہ پچھلی طلاق پڑ جائیگی تو ایسی ہے جس روز میں تجھ سے نکاح کروں پھر نکاح

لَيْلاً حَنَثَ بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِالْيَدِ وَأَنَا مِنْكِ طَالِقٌ لَغْوٌ وَإنْ نَوٰى وَتَبِينُ فِي الْبَائِنِ

کیا اس سے رات میں تو حانث ہو جائیگا بخلاف امر بالید کے میں تجھ سے طالق ہوں لغو ہے گو طلاق کی نیت کرے اور جدا ہو جائیگی لفظ بائن اور لفظ

وَالْحَرَامِ وَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْلَا أَوْمَعَ مَوْتِي أَوْمَعَ مَوْتِكِ لَغْوٌ وَلَوْمَلَكَهَا أَوْشِقْصَهَا أَوْمَلَكَتْهُ أَوْشِقْصَهُ

حرام میں تو طالق ہے ایک سے یا نہیں یا میرے یا تیرے مرنے کیساتھ لغو ہے اگر اس کے کل یا جز کا مالک ہو گیا یا اس کے کل یا جز کی مالک ہوگئی

بَطَلَ الْعَقْدُ فَلَوِ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إيَّاكِ فَأَعْتَقَ

تو نکاح باطل ہو جائیگا پس اگر منکوحہ باندی کو خرید کر طلاق دی تو واقع نہ ہوگی تجھے دو طلاق جونہی تجھکو تیرا آقا آزاد کرے آقا نے آزاد کر دیا

لَهُ الرَّجْعَةُ وَلَوْ تَعَلَّقَ عِتْقُهَا وَطَلْقَتَاهَا بِمَجِيءِ الْغَدِ فَجَاءَ الْغَدُ لَا وَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ

تو رجعت کر سکتا ہے اور اگر آزادی اور دو طلاقیں کل کے آنے پر معلق ہوں اور کل آجائے تو رجعت نہیں کر سکتا اور اس کی عدت تین حیض ہیں

أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِثَلٰثِ أَصَابِعَ فَهِيَ ثَلٰثٌ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوْ أَلْبَتَّةَ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْطَلَاقَ الشَّيْطَانِ

تین انگلیوں کے اشارے سے کہا تجھے اتنی طلاق تو تین ہونگی تو طالق ہے بائن یا بتہ یا افحش تر طلاق یا شیطان کی طلاق

أَوِ الْبِدْعَةِ أَوْكَالْجَبَلِ أَوْ أَشَدَّالطَّلَاقِ أَوْ كَأَلْفٍ أَوْمِلْأَ الْبَيْتِ أَوْ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً

یا بدعت کی طلاق یا پہاڑ جیسی یا سخت تر طلاق یا مثل ہزار یا گھر بھر کر یا شدید ترین طلاق

أَوْطَوِيلَةً أَوْعَرِيضَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إنْ لَمْ يَنْوِ ثَلٰثًا

یا لمبی یا چوڑی تو ان سب میں ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت نہ کرے

تشریح الفقہ: قولہ انت طالق الخ شوہر نے کہا انت طالق غداً تو طلوع صبح کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے عورت کو جمیع غد میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب طلاق اس کے اول جز میں واقع ہو اور اگر فی غد کہا تب بھی یہی حکم ہے مگر اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک عصر کی نیت کرنا صحیح ہے صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ لفظ غد بہر صورت ظرف ہے لہذا فی کو ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ امام صاحب کے یہاں فرق یہ ہے کہ غداً مقتضی استیعاب ہے اور فی غد مقتضی استیعاب نہیں ہے۔

قولہ انت طالق قبل الخ طلاق دہندہ کا یہ کلام انت طالق قبل ان اتزوجک انت طالق امس [illegible] ہے کیونکہ اس نے

طلاق کو ایسے وقت کی طرف منسوب کیا ہے جس میں وہ طلاق کا مالک نہیں ہے اس واسطے کہ طلاق کا مالک نکاح کے بعد ہوتا ہے نہ کہ نکاح سے پہلے، ہاں اگر گذشتہ پرسوں نکاح کر چکا ہو تو اس وقت طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس کے کلام کی تصحیح بصورت اخبار نا ممکن ہے لامحالہ انشاء قرار دیا جائیگا انشاء فی الماضی انشاء فی الحال۔

قولہ مالم اطلقک الخ شوہر نے کہا ''انت طالق مالم اطلقک اھ'' اور پھر خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس نے طلاق کو ایسے زمانہ کی طرف منسوب کیا ہے جو طلاق دینے سے خالی ہو اور جب اس نے سکوت کیا تو طلاق نہ دینا پایا گیا لہذا طلاق ہو جائیگی اور اگر ''ان لم اطلقک اھ'' کہا تو جب تک احد الزوجین کی موت واقع نہ ہو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے عدم طلاق کے ساتھ معلق کیا ہے اور عدم طلاق کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے جب زندگی سے مایوسی ہو جائے صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی خاموش ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی کیونکہ کلمہ اذا وقت کیلئے استعمال ہوتا ہے قال تعالیٰ ''اذا الشمس کورت'' قال الشاعر۔

واذا تکون کریهة ادعی لها   واذا یحاس الحیس یدعی جذب

پس اذا لم اطلقک اور متی لم اطلقک دونوں برابر ہیں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کلمہ اذا بطریق اشتراک شرط میں بھی مستعمل ہے۔ قال الشاعر۔

واستغن ما اغناک ربک بالغنی   واذا تصبک خصاصة فتحمل

اب اگر وقت مراد ہو تو فی الحال طلاق ہوگی اور شرط مراد ہو تو واقع نہ ہوگی اور قرینہ کوئی ہے نہیں پس بوجہ شک طلاق واقع نہیں کیجائے گی۔

قولہ انت کذا الخ ایک شخص نے عورت سے کہا کہ جس دن تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق پھر اس نے رات میں نکاح کیا تو حانث ہو جائیگا یعنی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس کلام میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے اور اگر وہ یہ کہے ''امرک بیدک'' یعنی تجھے طلاق کا اختیار ہے جس دن کہ زید آئے اور زید رات میں آ گیا تو عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا اصل اسکی یہ ہے کہ جب یوم کسی فعل ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے نہار مراد ہوتا ہے جیسے امر بالید، سیر، رکوب، صوم وغیرہ اور جب کسی فعل غیر ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے جو رات اور دن سب کو شامل ہوتا ہے جیسے ایقاع طلاق تزوج، دخول خروج اعتاق وغیرہ اھ۔

قولہ انت طالق ثنتین الخ ایک شخص کے نکاح میں کسی کی باندی تھی اسنے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے دو طلاق تجھ کو تیرے آقا کے آزاد کرنے کیساتھ، آقا نے اسکو آزاد کر دیا تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور رجعت کا اختیار ہوگا کیونکہ یہاں طلاق کیلئے آزادی شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے تو پہلے عورت آزاد ہوئی پھر اس پر طلاق پڑی اور آزاد عورت سے دو طلاقوں کے بعد رجعت درست ہے سوال کلمہ مع مقتضی مقارنت ہے پس تقدیم تاخیر کی گنجائش نہیں رہی جواب لفظ مع گاہے برائے تاخیر بھی آتا ہے قال تعالیٰ ''ان مع العسر یسرا'' ای بعد العسر، اگر باندی کے آقا نے کہا کہ جب کل کا دن آئے تو تو آزاد ہے اور شوہر نے کہا کہ جب کل کا دن آئے تو تجھے طلاق ہے اور پھر کل کا دن آ گیا تو شوہر کو رجعت کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں آزادی اور طلاق دونوں ایک ہی شرط کے ساتھ مشروط ہیں لیکن عدت دونوں صورتوں میں تین حیض ہوگی، کیونکہ عدت میں احتیاط برتی جاتی ہے۔

قولہ انت طالق بائن الخ شوہر نے بیوی سے کہا تجھے طلاق بائن ہے اھ تو ان سب الفاظ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی کیونکہ ان سب الفاظ میں صفت بینونت موجود ہے اور اگر قائل نے حرہ میں تین اور باندی میں دو طلاق کی نیت کی تو نیت صحیح ہوگی کیونکہ مصدر میں فرد اعتباری کا احتمال ہوتا ہے، امام شافعی کے یہاں ان تمام الفاظ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ جو متن میں مذکورہ ہیں بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو۔

فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ طَلَّقَ غَيْرَ الْمَوْطُوْأَةِ ثَلٰثًا وَقَعْنَ وَاِنْ فَرَّقَ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ

(فصل صحبت سے قبل طلاق دینے کے بیان میں) طلاق دی غیر موطوءہ کو تین تو واقع ہوجائینگی اور اگر جدا جدا دیں تو ایک ہی سے بائنہ ہوجائیگی

وَلَوْمَاتَتْ بَعْدَالْاِيْقَاعِ قَبْلَ الْعَدَدِ لَغَاوَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً اَوْقَبْلَ وَاحِدَةٍ اَوْبَعْدَهَاوَاحِدَةٌ

اور اگر مرگئی ایقاع طلاق کے بعد عدد سے پہلے تو لغو ہوجائیگی اور اگر کہا تو طالق ہے ایک اور ایک یا ایک سے پہلے یا ایک جس کے بعد ایک ہے

تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِيْ بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْقَبْلَهَاوَاحِدَةٌ اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ ثِنْتَانِ

تو ایک واقع ہوگی اور اس قول میں کہ تو طالق ہے ایک ایک کے بعد یا جس سے پہلے ایک ہے یا جس کیساتھ ایک ہے دو واقع ہونگی

اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَوَاحِدَةٌ فَدَخَلَتْ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَاِنْ اَخَّرَ الشَّرْطَ فَثِنْتَانِ

اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے ایک اور ایک عورت داخل ہوگئی تو ایک واقع ہوگی اور اگر شرط کو مؤخر ذکر کرے تو دو واقع ہونگی۔

تشریح الفقہ: قولہ طلق الخ اگر کسی نے اپنی غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر مدخولہ کا تین طلاقوں کا محل ہونا حدیث مرفوع اور حضرت علی ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ عنہم کے آثار سے ثابت ہے جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے حسن بصری اور عطاء کے نزدیک غیر مدخولہ تین طلاقوں کا محل نہیں اس لئے ان کے یہاں ثلٰثا کا لفظ لغو ہوگا کیونکہ عورت انت طالق کہنے ہی سے بائنہ ہوجائے گی۔

قولہ وان فرق الخ اور اگر تین طلاقیں متفرق طور سے دیں جس کی کئی صورتیں ہیں (۱) تفریق بذکر وصف جیسے انت طالق واحدہ وواحدۃ وواحدۃ (۲) تفریق بذکر خبر جیسے انت طالق وطالق وطالق (۳) تفریق بذکر اقوال خواہ عطف کیساتھ ہو جیسے انت طالق وانت طالق یا بالاعطف جیسے انت طالق انت طالق انت طالق تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ اس وقت ہر طلاق کا ایقاع علیحدہ مقصود ہے اس واسطے کہ آخر کلام میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو آغاز کلام کو متغیر کردے مثلاً عدد اور شرط وغیرہ اس لئے ایک طلاق پڑتے ہی فی الحال بائنہ ہوجائیگی اور جب پہلی طلاق سے بائنہ ہوگئی تو دوسری اور تیسری خود ہی لغو ہوجائے گی۔

قولہ ولوماتت الخ اگر عورت ایقاع طلاق کے بعد ذکر عدد سے پیشتر مرجائے (خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) تو شوہر کا کلام لغو ہوجائیگا یعنی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق دہندہ نے طلاق کو وصف عدد کے ساتھ مقرون کیا ہے پس طلاق عدد کے مطابق ہوگی، اور جب عورت عدد ذکر کرنے سے پہلے ہی مرگئی تو وہ محل طلاق ہی نہ رہی لہذا کلام لغو ہوجائیگا۔

قولہ ولوقال الخ مسئلہ ذیل کا سمجھنا دو قاعدوں پر موقوف ہے اول یہ کہ جب تفریق طلاق بذریعہ حرف عطف ہو تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اگر حرف عطف واؤ ہو تو اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے عام ازیں کہ بطریق معیت ہو یا بطریق تقدم وتاخر پس اول آخر پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ ہر لفظ اپنا عمل کریگا۔ اس لئے عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہوجائیگی اور بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی دوم یہ کہ لفظ قبل اور لفظ بعد دونوں ظرف ہیں لفظ قبل اس زمانہ کے لئے اسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے متقدم ہو اور لفظ بعد اس زمانہ کے لئے اسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے مؤخر ہو اور جب ظرف دو اسموں کے درمیان واقع ہو اور ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون نہ ہو تو وہ قسم اول کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبل عمرو اس میں قبلیت زید کی صفت ہے اور اگر ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون ہو تو ثانی اسم کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبلہ عمرو اس میں قبلیت عمرو کی صفت ہے جب یہ اصل سمجھ میں آگئی تو اب مسئلہ کو سمجھو زید نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق واحدۃ وحدۃ تو ایک طلاق واقع ہوگئی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہے تو پہلی طلاق کا وقوع ثانی کے وقوع پر موقوف نہ ہوا بلکہ طلاق واقع ہوگی اور جب ایک طلاق واقع ہوگئی تو اب وہ دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر زید نے کہا انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ تو اس نے ثانی طلاق سے قبل پہلی طلاق واقع کی ہے لہذا اس سے وہ بائنہ ہوگئی اور دوسری طلاق کا محل نہیں رہی، اور اگر انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ کہا تب بھی۔

ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی ثانی طلاق واقع نہ ہوتی تو اب بطریق اولیٰ نہ ہوگی اور اگر انت طالق واحدۃ قبلہا واحدۃ کہا تو دو طلاقیں واقع ہونگی کیونکہ ماضی میں طلاق واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے پس دونوں ایک ساتھ واقع ہونگی (وقس علیه البواقی)۔ قولہ ان دخلت الخ زید نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ اور بیوی گھر میں داخل ہوگئی تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر ان دخلت الدار شرط کو مؤخر کر کے ذکر کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے نہ کہ ترتیب کیلئے اور زید نے دونوں طلاقوں کو وجود شرط کے وقت واقع کیا ہے اور وجود شرط کی حالت حالت واحدہ ہے لہٰذا دونوں طلاق ایک ساتھ واقع ہوں گی، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب طلاق شرط پر معلق ہو تو وہ وجود شرط کے وقت تنجیزی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے۔ اگر زید حقیقۃً تنجیزی طلاق دے تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی تو حکماً تنجیزی ہوجانے کی صورت میں بھی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بخلاف اذا اخر الشرط لان صدر الکلام توقف علیٰ آخرہ لوجود المغیر۔

بَابُ الْكِنَايَاتِ

باب کنایات کے بیان میں

لَا تُطَلَّقُ بِهَا اِلَّا بِنِيَّةٍ اَوْ دَلَالَةِ الْحَالِ فَتَطْلُقُ وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً فِي اعْتَدِّيْ وَاسْتَبْرِئِيْ رَحِمَكِ

طلاق نہیں پڑتی کنایات سے مگر نیت یا دلالت حال کے باعث پس ایک رجعی طلاق واقع ہوگی ان الفاظ سے تو عدت میں بیٹھ اپنا رحم صاف کر

وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ وَفِيْ غَيْرِهَا بَائِنَةٌ وَاِنْ نَوٰى ثِنْتَيْنِ وَتَصِحُّ نِيَّةُ الثَّلٰثِ

تو طالق ہے بطلاق واحد اور ان کے علاوہ میں بائن واقع ہوگی گو دو کی نیت کرے اور صحیح ہے تین کی نیت کرنا

تشریح الفقہ: قولہ الکنایات الخ کنایہ کنی یکنو (ن) کنی یکنی (ض) کا مصدر ہے بمعنی لفظ بول کر غیر مدلول کا ارادہ کرنا، اصطلاح میں کنایہ اس کو کہتے ہیں کہ شئی معین کو کسی ایسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے جس کی دلالت اس پر صریح نہ ہو۔ باب طلاق میں فقہاء کے یہاں کنایہ وہ لفظ ہی جو طلاق کیلئے موضوع ہو لیکن اس میں طلاق و غیر طلاق کا احتمال ہو مثلاً لفظ بتۃ قطع کے واسطے موضوع ہے اب اگر قطع ارتباط نکاح مراد ہو تو بمعنی طلاق ہوگا اور قطع الفت مراد ہو تو بمعنی طلاق نہ ہوگا۔ کنایہ کی تعریف بطریق عموم اس لئے کی گئی کہ اس میں کسی خاص لفظ کی تخصیص نہیں شرح ملتقی میں ہے کہ کنایہ کے الفاظ پچپن سے بھی زیادہ ہیں قولہ لاتطلق الخ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ قضاءً بلانیت طلاق یا دلالت حال کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوتی (گو دیانۃً وقوع طلاق صرف نیت پر موقوف ہے) نیت یا دلالت حال کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ کنائی الفاظ میں طلاق و غیر طلاق ہر دو کا احتمال ہوتا ہے اور بلا مرجح کسی ایک کو متعین کرنا جائز نہیں اور مرجح نیت ہے یا دلالت حال رنجیدگی و کشیدگی غیظ و غضب اور مذاکرۂ طلاق مثلاً ...... زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی عورت نے شوہر سے کہا مجھے طلاق دیدے شوہر نے کہا اعتدی یا استبری وغیرہ تو ان الفاظ میں طلاق و غیر طلاق ہر دو کا احتمال ہے مثلاً اعتدی میں عدت یا نعم باری ہر دو کے شمار کرنے کا احتمال ہے اور استبری کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تو اپنے رحم کی صفائی حاصل کر کیونکہ تو مطلقہ ہوگئی ہے اور یہ بھی کہ تو رحم صاف کر کہ تجھے طلاق دوں اسی طرح انت واحدۃ میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تو مطلقہ ہے بطلاق واحد دوم یہ کہ تو میرے نزدیک خوبیوں کے اعتبار سے اپنی برادری میں ایک ہی ہے، بہرکیف تینوں مثالوں میں ہر دو احتمال ہیں لیکن حالت مذاکرہ طلاق دلالت کر رہی ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے لہٰذا ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔

وَهِيَ بَائِنٌ بَتَّةٌ بَتْلَةٌ حَرَامٌ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ حَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ وَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ

اور الفاظ کنایات یہ ہیں تو جدا ہے حرام ہے خالی ہے بری ہے تیری ڈور تیرے مونڈھے پر ہے اپنے اہل سے جامل میں نے تجھے تیرے اہل کو دیا

سَرَّحْتُكِ فَارَقْتُكِ اَمْرُكِ بِيَدِكِ اِخْتَارِيْ اَنْتِ حُرَّةٌ تَقَنَّعِيْ تَخَمَّرِيْ اِسْتَتِرِيْ اُغْرُبِيْ اُخْرُجِيْ اِذْهَبِيْ قُوْمِيْ

میں نے تجھے جدا کیا میں تجھ سے الگ ہوا تو جان تیرا کام جانے آزادی اختیار کر تو آزاد ہے گھونگٹ نکال چادر پہن چھپ جا دور ہو نکل جا چلی جا اٹھ

وَابْتَغِي الْاَزْوَاجَ وَلَوْقَالَ اِعْتَدِّيْ ثَلٰثًا وَنَوٰى بِالْاَوَّلِ طَلَاقًا وَبِمَا بَقِيَ حَيْضًا صُدِّقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِبِمَا بَقِيَ شَيْئًا

کھڑی ہو شوہر تلاش کر اور اگر لفظ اعتدی تین بار کہا اور اول سے طلاق کی اور ماقبی سے حیض کی نیت کی تو تصدیق کی جائے گی اور اگر ماقبی سے کچھ

فَهِيَ ثَلٰثٌ وَتَطْلُقُ بِلَسْتِ لِيْ بِامْرَاَةٍ اَوْلَسْتُ لَكِ بِزَوْجٍ اِنْ نَوٰى طَلَاقًا وَالصَّرِيْحُ يَلْحَقُ الصَّرِيْحَ

نیت نہ کی تو تین طلاقیں ہونگی اور طلاق ہو جائیگی اگر کہا کہ تو میری بیوی نہیں یا میں تیرا شوہر نہیں اگر طلاق کی نیت کی اور طلاق صریح طلاق صریح

وَالْبَائِنَ وَالْبَائِنُ يَلْحَقُ الصَّرِيْحَ لَاالْبَائِنَ اِلَّا اِذَا كَانَ مُعَلَّقًا

اور بائن دونوں سے مل جاتی ہے اور طلاق بائن طلاق صریح سے ملتی ہے نہ کہ بائن سے الا یہ کہ وہ معلق ہو

بِاَنْ قَالَ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ قَالَ اَنْتِ بَائِنٌ

مثلاً یوں کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو بائن ہے پھر بلا تعلیق کہا تو بائن ہے۔

بقیہ کنایات کا بیان

توضیح اللغۃ : بائن بینونۃ بمعنی جدائی سے اسم فاعل ہے، بت، تبل، بمعنی قطع خلیۃ خلو سے ہے بریۃ برأت سے ہے حبلک علی غاربک تخلیہ سے استعارہ ہے عرب کا دستور ہے کہ جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں سرحتک تسریح سے ہے آزاد کرنا چھوڑنا، تقنعی قناع یعنی دوپٹہ اوڑھنا تخمری خمار یعنی اوڑھنی، اوڑھنا، اغربی (ن) الرجل دور ہونا۔

تشریح الفقہ :۔ قولہ وہی الخ زوجین کے حالات تین قسم کے ہوتے ہیں حالت رضا، حالت خفگی، حالت مذاکرہ طلاق اور کنائی الفاظ میں بھی تین احتمال ہیں ایک یہ کہ ان سے طلاق کا رد بھی ہو سکتا ہو اور طلاق کا جواب بھی ہو سکتا ہو جیسے اخرجی، اذهبی، قومی، تقنعی، تخمری، استتری، انتقلی، انطلقی، دوم یہ کہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو اور جواب کی بھی صلاحیت ہو جیسے خلیتہ، بریتہ، حرام، بائن، بتۃ، بتلۃ وغیرہ سوم یہ کہ نہ ان سے طلاق کا رد ہوتا ہو اور نہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو لیکن جواب ہونے کی صلاحیت ہو جیسے اعتدی، استبری رحمک، انت واحدۃ انت حرۃ، اختاری، امرک بیدک، سرحتک، فارقتک سو رضا کی حالت میں تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہے اور خفگی کی حالت میں پہلے دونوں قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں صرف پہلی قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں اور آخری دو قسموں کے کنایات نیت پر موقوف نہیں۔

قولہ ولو قال اعتدی الخ زید نے اپنی بیوی سے تین بار کہا اعتدی، اعتدی، اعتدی اور پہلے لفظ سے طلاق کی اور دوسرے اور تیسرے سے حیض کی نیت کی تو قضاءً اس کی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ اس نے کلام سے اس کی حقیقت کا ارادہ کیا ہے عادت یہی ہے کہ انسان طلاق کے بعد عورت کو حیض شمار کرانے کیلئے کہتا ہے پس ظاہر حال اس کا شاہد ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے کسی چیز کی نیت نہیں کی نہ طلاق کی نہ حیض کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے طلاق کا ارادہ کر لیا تو حالت مذاکرہ طلاق پائی گئی اس قرینہ کے لحاظ سے باقی الفاظ بھی طلاق کیلئے متعین ہو جائیں گے۔

فائدہ:۔

(فائدہ) لفظ اعتدی کو تین بار مکرر کرنے کی چوبیس صورتیں ہیں جن میں سے چھ صورتوں میں ایک طلاق ہوتی ہے اور گیارہ صورتوں میں دو اور چھ صورتوں میں تین اور ایک میں طلاق واقع نہیں ہوتی یہ کل صورتیں مع حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

نقشہ صور تکریہ اعتدی مع حکم ہر صورت

نمبر شمار	اعتدی اول	اعتدی دوم	اعتدی سوم	حکم
۱	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	ایک طلاق ہوگی
۲	×	×	بہ نیت طلاق	==
۳	×	×	بہ نیت حیض	==
۴	×	بہ نیت طلاق	==	==
۵	×	بہ نیت حیض	==	==
۶	بہ نیت طلاق	==	==	==
۷	×	بہ نیت طلاق	×	دو طلاقیں واقع ہونگی
۸	بہ نیت طلاق	بہ نیت حیض	×	==
۹	بہ نیت حیض	==	×	==
۱۰	=	×	بہ نیت حیض	==
۱۱	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==	==
۱۲	==	بہ نیت حیض	بہ نیت طلاق	==
۱۳	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	**بہ نیت طلاق**	دو طلاقیں واقع ہونگی
۱۴	==	بہ نیت طلاق	بہ نیت حیض	==
۱۵	×	بہ نیت حیض	×	==
۱۶	بہ نیت طلاق	×	بہ نیت حیض	==
۱۷	×	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==
۱۸	بہ نیت حیض	×	×	تین طلاق واقع ہونگی
۱۹	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	×	==
۲۰	==	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==
۲۱	بہ نیت حیض	بہ نیت طلاق	==	==
۲۲	بہ نیت طلاق	==	==	==
۲۳	==	×	×	==
۲۴	××	×	×	×

قولہ والصریح الخ طلاق صریح صریح بائن ہر دو کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے انت طالق کے بعد پھر کہا انت طالق یا مال کے عوض میں طلاق دی تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی یا کسی نے انت بائن کہہ کر پھر کہا انت طالق تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہوگی اور بائنہ ہوگی کیونکہ طلاق سابق کا بائنہ ہونا رجعی ہونے سے مانع ہے یا کسی نے انت طالق کہہ کر انت بائن کہا تو طلاق ثانی بھی واقع ہوگی لیکن طلاق بائن دوسری طلاق بائن کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی مثلاً کسی نے انت بائن کہہ کر پھر کہا انت بائن تو یہ ثانی طلاق بائن واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق ثانی کو اول سے اخبار ماننا ممکن ہے لہٰذا انشاء اللہ ٹھہرانے کی ضرورت نہیں گویا اس نے اول کلام سے طلاق واقع کی ہے اس کے بعد کلام ثانی سے طلاق سابق کے وقوع کی خبر دے رہا ہے البتہ اگر اول طلاق بائن معلق بالشرط ہو اور ثانی طلاق بائن منجز یعنی بلا شرط تو دوسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی مثلاً کسی نے کہا ان دخلت الدار فانت بائن اس کے بعد کہا انت بائن پھر عورت گھر میں داخل ہو گئی تو ثانی طلاق بھی واقع ہو جائیگی۔

فائدہ: علماء نے لحوق و عدم لحوق کی تمام صورتیں مع المستثنیات اس قطعہ میں جمع کی ہیں۔

کلا[1] اجز لا بائنا مع مثله الا اذا علقه من قبله
الابکل امرأة وقد خلع والحق الصریح بعد لم یقع
ولبعضهم فی نظم المسألة ایضأمه صریح طلاق المرٔیلحق مثله
وبلحق ایضابائنا کان قبله کذاعکسه لابائن بعد بائن
سوی بائن قد کان علق فعله

بَابُ تَفْوِیْضِ الطَّلَاقِ

باب سپردگی طلاق کے بیان میں

وَلَوْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ . یَنْوِیْ بِهٖ الطَّلَاقَ فَاخْتَارَتْ فِیْ مَجْلِسِهَا بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ
اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر اور اس سے طلاق کی نیت کی اور عورت نے اسی مجلس میں اختیار کرلیا تو ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی

وَلَمْ یَصِحَّ نِیَّةُ الثَّلٰثِ فَاِنْ قَامَتْ اَوْاَخَذَتْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَبَطَلَ خِیَارُهَا وَذِکْرُ النَّفْسِ اَوِالْاِخْتِیَارِ فِیْ اَحَدِ
اور تین کی نیت صحیح نہ ہوگی اور اگر وہ اٹھ کھڑی ہوئی یا اس نے کوئی دوسرا کام شروع کردیا تو اختیار باطل ہوجائیگا اور لفظ نفس یا لفظ اختیار کو ذکر کرنا شرط ہے

کَلَامَیْهِمَا شَرْطٌ وَاِنْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اَنَا اَخْتَارُ نَفْسِیْ اَوْ اَخْتَرْتُ نَفْسِیْ تَطْلُقُ
ان میں سے کسی ایک کے کلام میں اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر بیوی نے کہا میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں یا میں نے اپنی ذات کو اختیار کرلیا

وَاِنْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اِخْتَرْتُ الْاُوْلٰی اَوِ الْاَوْسَطَ اَوِالْاَخِیْرَةَ اَوْ اِخْتِیَارَةً وَقَعَ الثَّلٰثُ
تو طلاق پڑ جائیگی اور اگر تین بار کہا اختیار کر بیوی نے کہا کہ میں نے اول کو یا درمیانی کو یا آخری کو اختیار کیا یا ایک اختیار کو اختیار کیا تو تین واقع ہوں گی

بِلَانِیَّةٍ وَلَوْقَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِیْ اَوْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِتَطْلِیْقَةٍ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ
بلانیت اور اگر بیوی نے کہا کہ میں نے اپنی ذات کو طلاق دے لی یا میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کرلیا تو ایک طلاق بائنہ ہوجائے گی

اَمْرُکِ بِیَدِکِ فِیْ تَطْلِیْقَةٍ اَوْ اِخْتَارِیْ تَطْلِیْقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا طُلِّقَتْ رَجْعِیَّةً
تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے ایک طلاق میں یا اختیار کر ایک طلاق عورت نے اپنی ذات کو اختیار کرلیا تو ایک طلاق رجعی پڑیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جس طلاق کو شوہر بذات خود واقع کرتا ہے اس کی دونوں قسموں (صریح وکنایہ) سے فراغت کے بعد اس طلاق کو ذکر کررہا ہے جس کو شوہر کے حکم سے کوئی دوسرا شخص واقع کرے اس کی تین قسمیں ہیں (۱) **تفویض یعنی غیر کو طلاق کا مالک بنانا،** (۱) **توکیل یعنی دوسرے کو طلاق کا وکیل بنانا،** (۳) رسالت یعنی غیر کے ذریعہ طلاق کہلا بھیجنا، پھر تفویض کے الفاظ تین طرح کے ہوتے ہیں اول تخییر دوم امر بالید سوم مشیت مصنف تخییر کو مقدم کررہا ہے کیونکہ یہ صریح دلیل سے ثابت ہے۔

قولہ ولوقال لهااختاری الخ کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو اپنی ذات کو اختیار کرلے اس سے اس کا مقصد طلاق دینا تھا، عورت نے اسی مجلس میں اپنی ذات کو اختیار کرلیا تو عورت ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی اگر شوہر تین کی نیت کرے تو صحیح نہیں کیونکہ اختیار میں تنوع نہیں ہوتا پھر بمقتضائے قیاس طلاق نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ شوہر خود لفظ اختیاری سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں لہٰذا وہ

---

(۱) صریح وبائن کی ہرصورت کے لحوق کو جائز رکھ بجز لحوق بائن کو بائن کے ساتھ مگر جبکہ بائن معلق ہو بائن سے قبل سوائے کل امراۃ لہ طلاق کے درانحالیکہ اول خلع کیا اور صریح کو خلع کے بعد لاحق کیا تو یہ صریح بائن کے بعد واقع نہ ہوگی۔

دوسرے کو مالک بھی نہیں بنا سکتا مگر استحسانا طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ مخیرہ عورت کو مجلس تخییر میں اپنی ذات کو اختیار کرنے کا حق باجماع صحابہ ثابت ہے (۱)۔ ہاں اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہو تو اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ قیام دلیل اعراض ہے۔

قولہ وقع الثلاث الخ زید نے اپنی بیوی سے تین بار کہا: اختاری اختاری اختاری عورت نے جواب میں کہا میں نے پہلی یا دوسری یا تیسری طلاق اختیار کی یا اس نے کہا: اخترت اختیارۃ تو امام صاحبؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہونگی جس میں شوہر کی نیت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ لفظ اختیاری کو مکرر ذکر کرنا طلاق پر دال ہے، صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہو گی یہی امام شافعی کا قول ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ لفظ اولیٰ اور وسطیٰ وغیرہ کو ذکر کرنا اگر بحیثیت ترتیب مفید نہیں تو کم از کم بحیثیت افراد تو مفید ہے ہی لہٰذا افراد کا اعتبار کیا جائیگا پس گویا عورت نے یوں کہا: اخترت التطلیقہ الاولیٰ، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت کا وصف اولیت وغیرہ کو ذکر کرنا بے سود ہے اس واسطے کہ جو چیز ملکیت میں مجتمع ہوتی ہے اس میں ترتیب نہیں ہوتی یعنی ترتیب ذوات کے افعال میں ہوتی ہے نہ کہ ذات میں اور جس چیز میں ترتیب نہ ہو اس کے لئے ترتیب پر دلالت کرنے والے کلام میں بھی ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا پس جب یہاں اصل چیز ترتیب نہیں رہی تو جو اس پر مبنی ہے یعنی افراد اس میں بھی ترتیب نہیں رہے گی اور جب دونوں میں ترتیب لغو ہوگئی تو صرف اخترت باقی رہ گیا اور یہ تینوں الفاظ کا جواب ہو سکتا ہے لہٰذا تین طلاقیں واقع ہونگی۔

فَصْلٌ فِی الامْرِ بِالْیَدِ

فصل امر بالید کے بیان میں

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ یہاں امر بمعنی حال اور ید بمعنی تصرف ہے یعنی یہ فصل عورت کی اس طلاق کے بیان میں ہے جس کو شوہر نے اس کے تصرف میں کر دیا ہو، مصنف نے امر بالید کو مؤخر کیا ہے اس واسطے کہ اس میں گو اختلاف نہیں لیکن صحابہ کا اجماع بھی نہیں ،نیت کا ہونا، تقیید بالمجلس اور لفظ نفس یا اس کے قائم مقام کو ذکر کرنا جس طرح تخییر میں ضروری ہے اسی طرح یہ چیزیں امر بالید میں بھی ضروری ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اختیار میں تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں، اور امر بالید میں صحیح ہے۔

اَمْرُکِ بِیَدِکِ یَنْوِیْ ثَلٰثًا فَقَالَتْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِوَاحِدَۃٍ

شوہر نے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے بیوی نے کہا میں نے اپنی ذات کو ایک دفعہ سے اختیار کرلیا

وَقَعْنَ وَفِیْ طَلَّقْتُ نَفْسِیْ بِوَاحِدَۃٍ اَوْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِتَطْلِیْقَۃٍ

تو تین طلاقیں واقع ہونگی اور اگر کہے کہ میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق دے لی یا میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کرلیا

بَانَتْ بِوَاحِدَۃٍ وَلَایَدْخُلُ اللَّیْلُ فِیْ اَمْرُکِ بِیَدِکِ الْیَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ

تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور نہیں داخل ہوگی رات اس میں کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور پرسوں اور اگر عورت نے اس دن کا اختیار

فِیْ یَوْمِهَا بَطَلَ اَمْرُ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَکَانَ بِیَدِهَا بَعْدَ غَدٍ وَفِیْ اَمْرُکِ بِیَدِکِ الْیَوْمَ وَغَدًا تَدْخُلُ اللَّیْلُ

رد کر دیا تو اس روز کا اختیار باطل ہو جائیگا اور پرسوں کا اختیار اسے رہیگا اور اگر کہا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور کل تو رات داخل ہوگی

وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ فِیْ یَوْمِهَا لَمْ یَبْقَ فِی الْغَدِ وَلَوْمَکَثَتْ بَعْدَ التَّفْوِیْضِ یَوْمًا وَلَمْ تَقُمْ اَوْجَلَسَتْ عَنْهُ اَوِاتَّکَئَتْ

اور اگر اس دن کا اختیار رد کر دیا تو کل میں اختیار نہ رہیگا اور اگر ٹھہر گئی تفویض کے بعد ایک دن اور کھڑی نہ ہوئی یا کھڑی تھی بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی تکیہ لگا لیا

(۱) عبد الرزاق، طبرانی عن ابن مسعود، عبد الرزاق عن جابر، ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق عن عمر و عثمان، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر ۱۲ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

عَنِ الْقُعُوْدِ اَوْعَكَسَتْ اَوِادَّعَتْ اَبَاهَا لِلْمَشُوْرَةِ اَوْشُهُوْدًا لِلْاِشْهَادِ اَوْ كَانَتْ عَلَى الدَّابَّةِ فَوَقَفَتْ بَقِيَ خِيَارُهَا

یا اس کے برعکس کیا یا اپنے باپ کو مشورہ کے لئے بلایا یا گواہوں کو گواہ کرنے کے لئے بلایا یا سواری پر تھی ٹھہر گئی تو اس کا اختیار باقی رہیگا

وَاِنْ سَارَتْ لاَ وَالْفُلْكُ كَالْبَيْتِ

اور اگر چل پڑی تو باقی نہ رہے گا اور کشتی کا حال گھر کا سا ہے

تشریح الفقہ: قولہ امرک الخ شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے بیوی سے کہا: امرک بیدک بیوی نے کہا اخترت نفسی بواحدۃ تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اس واسطے کہ اختیار امر بالید کا جواب ہوسکتا ہے کیونکہ تخییر کی طرح یہ بھی تملیک ہے اور عورت کے کلام میں واحدۃ اختیار کی صفت ہے پس یہ اخترت نفسی بمرۃ واحدۃ کی طرح ہوگیا کہ اس سے تین طلاقیں ہوتی ہیں' اور اگر عورت نے جواب میں طلقت نفسی واحدۃ یا اخترت نفسی بتطلیقۃ کہا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی ایک تو اس لئے کہ لفظ واحدۃ مصدر محذوف تطلیقۃ کی صفت ہے اور بائنہ اس لئے کہ طلاق کے بائن اور رجعی ہونے میں شوہر کی تفویض کا اعتبار ہے نہ کہ عورت کے ایقاع کا اور شوہر نے امر بالید کے ذریعہ طلاق بائن کی تفویض کی ہے۔

قولہ ولا یدخل الخ "امرک بیدک الیوم وبعد غد" میں رات داخل نہیں پس عورت کو رات میں اختیار کرنے کا حق نہ ہوگا کیونکہ شوہر نے ایسے دو وقتوں کی تصریح کی ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس سے ایک اور وقت ہے یعنی رات اور امر اس کو شامل نہیں لہذا یہ دو تملیکیں جدا جدا ہوئیں اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کردے تو رد ہوجائے گا اور پرسوں کا اختیار باقی رہے گا کیونکہ ایک کے رد کرنے سے دوسرے کا رد لازم نہیں آتا، اور اگر شوہر نے کہا: امرک بیدک الیوم وغدا تو اس میں رات داخل ہوگی کیونکہ یہاں دو وقتوں کے درمیان کوئی ایسا وقت مذکور نہیں جس کو امر شامل نہ ہو اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کردے تو پرسوں کا اختیار بھی ختم ہوجائیگا۔ لان الامر واحد۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(فَصْلٌ فِي الْمَشِيَّةِ) وَلَوْقَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَلَمْ يَنْوِ اَوْنَوٰى وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ

(فصل مشیت کے بیان میں) اگر بیوی سے کہا اپنی ذات کو طلاق دے لے اور کچھ نیت نہیں کی یا ایک طلاق کی نیت کی بیوی نے طلاق دے لی

وَقَعَتْ رَجْعِيَّةً وَاِنْ طَلَّقَتْ ثَلاثًا وَنَوَاهُ وَقَعْنَ وَبَانَتْ نَفْسِيْ

تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائیگی اور اگر بیوی نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کرلی تو تین واقع ہوجائیں گی اور اگر بیوی نے کہا

طَلُقَتْ رَجْعِيَّةً لاَ بِاخْتَرْتُ نَفْسِيْ وَلاَيَمْلِكُ الرُّجُوْعَ[1]

کہ میں نے اپنی ذات کو جدا کرلیا تو طلاق واقع ہوجائیگی اور اگر کہا کہ میں نے اختیار کرلیا تو طلاق نہ ہوگی اور مرد رجوع کرنیکا مالک نہیں رہتا

وَيَتَقَيَّدُ بِمَجْلِسِهَا اِلاَّ اِذَا زَادَ مَتٰى شِئْتِ وَلَوْقَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ امْرَأَتِيْ لَمْ يَتَقَيَّدْ بِالْمَجْلِسِ

اور اختیار عورت کی مجلس تک رہتا ہے الا یہ کہ شوہر اتنا زائد کردے کہ جب تو چاہے اگر شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو یہ مجلس پر

اِلاَّ اِذَا زَادَ اِنْ شِئْتَ وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةً

منحصر نہ ہوگی الا یہ کہ وہ بھی یہ کہدے کہ اگر تو چاہے اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنی ذات کو تین طلاقیں دے لے اس نے ایک دے لی

لاَفِيْ عَكْسِهِ وَفِيْ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلاثًا اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَعَكْسِهِ لاَ

تو ایک واقع ہوجائیگی نہ کہ اس کے عکس میں اور اگر کہا کہ تین طلاقیں دے لے اگر تو چاہے بیوی نے ایک طلاق دے لی اور اس کا عکس تو واقع نہ ہوگی

---

(۱) ای الرجوع عن التفویض ۱۲

وَلَوْ اَمَرَ بِالْبَائِنِ اَوِ الرَّجْعِيِّ فَعَكَسَتْ وَقَعَ مَا اَمَرَ بِهٖ وَاَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ شِئْتُ

بیوی کو طلاق بائن یا رجعی کا حکم کیا اس نے اس کے برعکس کیا تو وہی واقع ہوگی جس کا حکم کیا تھا تو طالق ہے اگر چاہے بیوی نے کہا میں نے چاہا

اِنْ شِئْتَ فَقَالَ شِئْتُ وَيَنْوِيْ بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَتْ شِئْتُ اِنْ كَانَ كَذَا الْمَعْدُوْمُ

اگر تو چاہے شوہر نے کہا میں نے چاہا اور اس سے طلاق کی نیت کی یا بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر ایسا ہو اور یہ کسی معدوم شئے کے متعلق کہا

بَطَلَ وَاِنْ كَانَ بِشَيْءٍ مَضٰى طُلِّقَتْ وَاَنْتِ طَالِقٌ مَتٰى شِئْتَ اَوْمَتٰى مَاشِئْتِ اَوْ اِذَامَا شِئْتِ فَرَدَّتِ الْاَمْرَ

تو یہ قول باطل ہوجائیگا اور اگر کسی گذشتہ امر کے متعلق کہا تو طلاق ہوجائیگی تو طالق ہے جب چاہے یا جب بھی چاہے عورت نے اسکو رد کردیا

لَا يَرْتَدُّ وَلَا يُقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَلَا يَطْلُقُ اِلَّا وَاحِدَةً وَفِيْ كُلَّمَا شِئْتِ لَهَا اَنْ تُفَرِّقَ الثَّلَاثَ

تو رد نہ ہوگا اور نہ مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور طلاق نہیں دے سکتی اس سے مگر ایک اور کلما شئت کی صورت میں عورت علیحدہ علیحدہ تین دے سکتی ہے

وَلَا تَجْمَعُ وَلَوْ طُلِّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَا يَقَعُ وَفِيْ حَيْثُ شِئْتِ وَاَيْنَ شِئْتِ لَمْ تُطَلَّقْ

اور ایک ساتھ نہیں دے سکتی اور اگر طلاق دی دوسرے شوہر کے بعد تو واقع نہ ہوگی اگر کہا جہاں اور جس جگہ تو چاہے تو طلاق نہ ہوگی

حَتّٰى شَآئَتْ فِيْ مَجْلِسِهَا وَفِيْ كَيْفَ شِئْتِ تَقَعُ رَجْعِيَّةً فَاِنْ شَآئَتْ بَآئِنَةً اَوْثَلٰثًا

یہاں تک کہ چاہے اسی مجلس میں اور اگر کہا کہ جس طرح تو چاہے تو طلاق رجعی ہوگی پس اگر عورت نے بائن یا تین چاہیں

وَنَوَاهُ وَقَعَ وَفِيْ كَمْ شِئْتِ اَوْ مَاشِئْتِ تُطَلِّقُ مَاشَآئَتْ فِيْهِ وَاِنْ رَدَّتْ اِرْتَدَّ

اور شوہر نے نیت بھی کرلی تو واقع ہوجائیگی اور اگر کہا کہ جتنی چاہے اور جو چاہے تو عورت اسی مجلس میں جو چاہے طلاق دے لے اور اگر رد کردے

وَفِيْ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَاشِئْتِ تُطَلِّقُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ

تو رد ہوجائیگا اگر کہا کہ طلاق دے لے تین میں سے جتنی چاہے تو تین سے کم طلاق دے سکتی ہے۔

تشریح الفقہ: قوله ولو قال لها الخ شوہر نے بیوی سے کہا طلقي نفسک اور اس نے کوئی نیت کی نہیں یا صرف ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے خود کو طلاق دے لی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کرلی تو تین واقع ہوجائیں گی وجہ یہ ہے کہ طلقی امر مقتضی تطلیق ہے اور تطلیق مصدر اسم جنس ہے جس میں ایک کا بھی احتمال ہے اور کل کا بھی احتمال ہے، پس کل کی نیت ہوگی تو تینوں واقع ہوجائیں گی ورنہ ایک پر محمول کیا جائیگا اور طلاق رجعی اس لئے واقع ہوگی کہ شوہر نے طلاق صریح کی تفویض کی ہے اور اگر عورت ''طلقی نفسک'' کے جواب میں ابنت نفسی کہے تب بھی طلاق ہوجائیگی کیونکہ لفظ ابانت الفاظ طلاق میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق ہوجاتی ہے مثلاً شوہر نے کہا ابنتک یا بیوی نے کہا ابنت نفسی اور شوہر نے اس کو جائز کردیا تو طلاق واقع ہوجاتی ہے پس عورت کا ابنت نفسی کہنا تفویض طلاق کے خلاف نہ ہے لہٰذا طلاق واقع ہوجائے گی لیکن اگر عورت نے کہا اخترت نفسی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لفظ اختیار الفاظ طلاق میں سے نہیں ہے پس یہ اس کی تفویض کے خلاف ہے۔

قوله ولو قال لها طلقي الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا طلقي نفسک ثلاثا عورت نے بجائے تین کے ایک طلاق دے لی تو ایک واقع ہوجائیگی اور اگر شوہر نے ایک طلاق کیلئے کہا اور عورت نے تین طلاقیں دے لیں تو طلاق واقع نہ ہوگی صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہوجائے گی وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت نے اپنی ملکیت سے زیادہ واقع کی ہے پس یہ ایسا ہوگیا جیسے شوہر ایک ہزار طلاقیں دے کہ اس صورت میں اتنی ہی واقع ہوتی ہیں جتنی کا وہ مالک ہو یعنی تین ایسے ہی یہاں عورت ایک طلاق کی مالک ہے تو ایک واقع ہوجائیگی اور زیادہ لغو ہوگی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت نے شوہر کی تفویض کے خلاف کیا ہے کیونکہ شوہر نے ایک

طلاق کا مالک بنایا ہے اور ایک تین کے خلاف ہے۔ بخلاف شوہر کے کہ وہ اپنی ملکیت کے لحاظ سے تصرف کرتا ہے تو شوہر چونکہ تین کا مالک ہے اس لئے تین واقع ہو جاتی ہیں اور باقی لغو ہو جاتی ہیں اور یہاں شوہر نے عورت کو تین کا مالک نہیں بنایا اور ایک جو اس نے واقع کی ہے شوہر نے اس کی تفویض نہیں کی لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

قولہ وانت طالق الخ شوہر نے کہا "انت طالق ان شئت" عورت نے کہا شئت ان شئت، شوہر نے کہا شئت اور شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی یا عورت نے کسی معدوم (ممکن الوجود) شے پر معلق کرتے ہوئے کہا شئت ان کان کذا تو ان صورتوں میں عورت کا کلام لغو ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ شوہر نے طلاق کو مطلق مشیت معلق کیا تھا اور عورت نے اپنی مشیت کو ایک قید کے ساتھ مقید کر دیا پس شوہر نے جو شرط لگائی تھی وہ نہیں پائی گئی اگر عورت تفویض مذکور کے جواب میں کسی ثابت الوجود امر پر معلق کرتے ہوئے کہے "شئت ان کان کذا" تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ ثابت الوجود امر پر تعلیق در حقیقت تعلیق نہیں تخییر ہے۔

قولہ وفی کلما شئت الخ شوہر نے کہا انت طالق کلما شئت تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ تین مجلسوں میں علیحدہ علیحدہ طلاقیں واقع کرلے ایک ہی مجلس میں دو یا تین طلاقیں واقع کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ لفظ کلما میں عموم انفرادی ہوتا ہے نہ کہ اجتماعی اب اگر وہ تین طلاقیں واقع کرنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس سے طلاق پا کر پھر شوہر اول کے پاس آجائے اور طلاق واقع کرنا چاہے تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کلما شئت کی تعلیق صرف ملک اول تک تھی اس لئے وہ اس ملک ثانی کو شامل نہ ہوگی۔

قولہ وفی حیث شئت الخ شوہر نے کہا انت طالق حیث شئت یا اس نے کہا انت طالق این شئت تو عورت اسی مجلس میں طلاق واقع کر سکتی ہے اگر قبل از مشیت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو پھر اس کی مشیت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ حیث اور این اسماء مکان ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق کا تعلق کسی مکان کے ساتھ نہیں ہے اس لئے مکان کو ذکر کرنا لغو ہوا اور مطلق مشیت باقی رہی اور مطلق مشیت سے جو اختیار ثابت ہوتا ہے وہ مجلس پر موقوف ہوتا ہے۔

(محمد حنیف غفر لہ گنگوہی)

بَابُ التَّعْلِيقِ
باب تعلیق کے بیان میں

اِنَّمَا يَصِحُّ فِي الْمِلْكِ كَقَوْلِهِ لِمَنْكُوْحَتِهِ اِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ مُضَافًا اِلَيْهِ كَاِنْ نَكَحْتُكِ

تعلیق صرف ملک میں صحیح ہے جیسے شوہر اپنی منکوحہ سے کہے اگر تو نے زیارت کی تو تو طالق ہے یا ملک کی طرف مضاف ہو جیسے یوں کہے

فَاَنْتِ طَالِقٌ فَيَقَعُ بَعْدَهُ فَلَوْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَنَكَحَهَا فَزَارَتْ

اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طالق ہے سو اسکے بعد واقع ہوگی پس اگر کسی اجنبیہ سے کہا اگر تو نے زیارت کی تو طالق ہے پھر اس سے نکاح کرلیا

لَمْ تُطَلَّقْ وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَامَا وَكُلٌّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا فَفِيْهَا اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ اِنْتَهَتِ الْيَمِيْنُ

اور اس نے زیارت کی تو طلاق نہ ہوگی شرط کے الفاظ یہ ہیں ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما، ان میں سے شرط پائی گئی تو قسم تمام ہو جائے گی

اِلَّا فِي كُلَّمَا لِاقْتِضَائِهِ عُمُوْمَ الْاَفْعَالِ كَاقْتِضَاءِ كُلٍّ عُمُوْمَ الْاَسْمَاءِ فَلَوْ قَالَ كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَهِيَ طَالِقٌ

سوائے کلما کے کہ وہ افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسے لفظ کل اسماء کے عموم کو چاہتا ہے پس اگر کہا کہ جتنی بار میں کسی عورت سے نکاح کروں تو ہر عورت

يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَلَوْ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ وَزَوَالُ الْمِلْكِ لَايُبْطِلُ الْيَمِيْنَ

کے ساتھ نکاح کرنے سے حانث ہو جائیگا گو دوسرے شوہر کے بعد ہو اور قسم کے بعد ملک کا زائل ہو جانا اس کو باطل نہیں کرتا

فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِي الْمِلْكِ طُلِّقَتْ وَانْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ لَهٗ

پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو طلاق پڑ جائے گی اور قسم پوری ہو جائے گی اور اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا

اِلَّا اِذَا بَرْهَنَتْ وَمَالَمْ يُعْلَمْ اِلَّا مِنْهَا فَالْقَوْلُ لَهَا فِيْ حَقِّهَا

الا یہ کہ عورت حجت پیش کرے اور جو امور عورت ہی کے بتانے سے معلوم ہوتے ہیں ان میں عورت کا قول معتبر ہوگا مگر صرف اس کے حق میں

كَاِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ اَوْ اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ فَقَالَتْ

جیسے یوں کہے اگر تو حیض سے ہو تو تو اور فلاں عورت طالق ہے یا اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تو اور فلاں عورت طالق ہے پس عورت نے کہا

حِضْتُ اَوْ اُحِبُّكَ طُلِّقَتْ هِيَ فَقَطْ وَبِرُؤْيَةِ الدَّمِ لَايَقَعُ فَاِنِ اسْتَمَرَّ ثَلَاثًا

کہ میں حیض سے ہوگئی یا میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں تو صرف اسی کو طلاق ہوگی اور صرف خون دیکھنے سے واقع نہ ہوگی اگر خون تین دن تک رہے

وَقَعَ مِنْ حِيْنَ رَاَتْ وَفِيْ اِنْ حِضْتِ حَيْضَةً يَقَعُ حِيْنَ تَطْهُرُ وَفِيْ اِنْ وَلَدْتِ ذَكَرًا فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً

تو اسی وقت سے طلاق ہو جائیگی جب سے کہ خون دیکھا تھا اگر کہا کہ اگر تجھے ایک حیض آئے تو پاک ہونے کے وقت واقع ہوگی اگر تیرے لڑکا ہوا تو تجھے

وَاِنْ وَلَدْتِ اُنْثٰى فَثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْهُمَا وَلَمْ يَدْرِ الْاَوَّلَ تَطْلُقُ وَاحِدَةً قَضَاءً وَثِنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَمَضَتِ الْعِدَّةُ

ایک طلاق اور لڑکی ہو تو دو عورت کے دونوں ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ اول کون ہوا تو قضاء ایک طلاق ہوگی اور احتیاطاً دو اور اس کی عدت بھی گذر جائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تعلیق لغۃً علقہ تعلیقاً سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کو معلق کرنا لٹکانا، (قاموس) اصطلاح فقہ میں دو کاموں میں سے ایک کے حصول مضمون کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے کو تعلیق کہتے ہیں جیسے انت طالق ان دخلت الدار اس میں حصول طلاق دخول دار کے ساتھ مربوط ہے صحت تعلیق کیلئے چند شرطیں ہیں نمبرا: شرط بوقت تکلم معدوم ہو اور جائز الوجود ہو محال نہ ہو پس انت طالق ان کانت السما فوقنا تعلیق نہیں تنجیز ہے فی الحال طلاق ہو جائے گی، کیونکہ شرط یعنی فوقیت سما بوقت تکلم معدوم نہیں ثابت الوجود ہے اور انت طالق ان دخل الجمل فی سم الخیاط لغو ہے طلاق نہ ہوگی کیونکہ شرط کا تحقق محال ہے۔ نمبر۲ شرط، مشروط کے ساتھ متصل ہو بس انت طالق کہہ کر سکوت کے بعد شرط کو ذکر کرنے سے تعلیق نہ ہوگی الا یہ کہ سکوت کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً یہ کہ وہ ہکلا ہو پوری بات مشکل سے کہہ پاتا ہو، نمبر۳ بذریعہ تعلیق عورت کے کلام کا بدلہ دینا مقصود نہ ہو، اگر عورت نے شوہر سے کہا: بے غیرت، کمینے اس، شوہر نے کہا ان کنت کما قلت فانت طالق تو یہ تعلیق نہیں فی الحال طلاق ہو جائے گی۔ نمبر۴ شرط کے ساتھ مشروط مذکور ہو صرف انت طالق ان کہنے سے طلاق نہ ہوگی (اسی پر فتویٰ ہے)

قولہ انما یصح الخ لزوم تعلیق کیلئے ملک کا ہونا شرط ہے خواہ ملک حقیقی ہو جیسے آقا اپنے غلام سے کہے ان فعلت کذ افانت حر یا حکمی ہو جیسے شوہر اپنی منکوحہ یا معتدہ سے کہے ان زرت فانت طالق یا ملک کی طرف منسوب ہو جیسے کوئی اجنبیہ سے کہے ان نکحتک فانت طالق ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک شرط پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائیگی امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملک کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عورت کا نام ونسب ذکر کر دیا بان قال زینب بنت زید بن خالد یا اس کے قبیلہ کو ذکر کر دیا بان قال قرشیۃ اور ہاشمیۃ تب تو طلاق ہو جائیگی ورنہ تعلیق لازم نہ ہوگی کیونکہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کل امرأۃ نکحھا فھی طالق کہے اور اس کا نام یا قبیلہ ذکر نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں(۱) امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے کہ "نکاح سے قبل طلاق نہیں(۲) ہے" نیز حدیث میں ہے کہ "طلاق نہیں مگر نکاح کے بعد(۳)" ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دینے کی قسم کھالے حالانکہ ابھی اس نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تو یہ

(۱). مالک عن ابن مسعود ۱۲، (۲). ابن ماجہ عن المسور بن مخرمہ وعلی ۱۲۔ (۳). حاکم دارقطنی عن ابن عمر وعائشہ ومعاذ ابن ابی شیبہ عن جابر ۱۲

اس پر نکاح کے بعد لازم ہو جائیگا،[۱] رہے امام شافعی و امام مالک کے مستدلات سو وہ طلاق تنجیزی کی نفی پر محمول ہیں شعبی، زہری، مکحول، سالم قاسم عمر بن عبدالعزیز نخعی اسود، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سب سے یہی مروی ہے۔[۲]

قولہ الا فی کلما الخ الفاظ شرط ان اذا وغیرہ میں ایک بار شرط پائے جانے کے بعد یمین منتہی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ لغت کے اعتبار سے مقتضی عموم وتکرار نہیں ہیں البتہ لفظ کلما میں صرف ایک مرتبہ شرط پائے جانے سے یمین منتہی نہیں ہوتی بلکہ تین بار پایا جانا ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ لفظ کلما افعال میں عموم چاہتا ہے قال تعالیٰ کلما نضجت جلود هم بدلنا هم جلودا غیرها اور لفظ کل اسماء میں عموم چاہتا ہے پس اگر کوئی شخص یوں کہے کلما تزوجت امرأة فهی طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائیگی اگرچہ ستر بار نکاح کرے کیونکہ اس نے لفظ کلما کو سبب ملک یعنی تزوج پر داخل کیا ہے تو جب بھی فعل تزوج پایا جائیگا طلاق واقع ہو جائیگی۔

قولہ وزوال الملک الخ یمین کے بعد ملک زائل ہو جانے سے یمین باطل نہیں ہوتی مثلاً کسی نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر اس کو ایک یا دو طلاق بائن دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر زوج ثانی کے بعد اس نے اسی عورت سے نکاح کیا اور اب تعلیق کی شرط پائی گئی یعنی بیوی گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور یمین بھی منتہی ہو جائے گی اور اگر شرط ملک میں نہ پائی گئی تو طلاق نہ ہوگی لیکن یمین منتہی ہو جائیگی حاصل یہ کہ یمین تو ہر صورت میں منتہی ہو جائے گی لیکن طلاق کا واقع ہونا ملک میں شرط کے پائے جانے کے ساتھ مشروط ہے۔

قولہ ومالا یعلم الخ شوہر نے طلاق کو کسی ایسی شرط پر معلق کیا جس کا وجود صرف عورت ہی کی جانب سے معلوم ہو سکتا ہے اور پھر وجود شرط میں اختلاف ہوا تو عورت کا قول معتبر ہوگا، مگر صرف اسی کے حق میں نہ کہ غیر کے حق کے میں مثلاً شوہر نے طلاق کو حیض آنے پر معلق کیا اور کہا ان حضت فانت طالق وفلانة اب عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض آ گیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائیگی دوسری عورت پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ دوسری کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں پھر از روئے قیاس تو اس کے حق میں بھی اس کا قول معتبر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ شوہر پر حنث کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر منکر ہے اور قول منکر ہی کا مقبول ہوتا ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ یہاں وجود شرط کا علم اسی کی جانب سے ہو سکتا ہے نیز آیت ولا یحل لهن ان یکتمن ماخلق الله فی ارحامهن، میں مور بالاظہار وہی ہے اگر اس کے قول کو معتبر نہ مانا جائے تو وجوب اظہار کا کوئی فائدہ نہیں رہتا پھر طلاق صرف خون دیکھنے سے واقع نہ ہوگی جب تک کہ خون تین روز تک مستمر نہ ہو کیونکہ اس سے کم میں استحاضہ ہونے کا احتمال ہے۔

وَالْمِلْکُ یَشْتَرِطُ لِلْاٰخِرِ الشَّرْطَیْنِ وَیُبْطِلُ تَنْجِیْزُ الثَّلَاثِ تَعْلِیْقَهٗ وَلَوْعَلَّقَ الثَّلٰثَ

اور ملک شرط ہے دو شرطوں میں سے آخری کے لئے اور تین طلاقوں کو فی الحال واقع کرنا ان کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے اگر معلق کیا تین طلاقوں

اَوِالْعِتْقَ بِالْوَطْیِ لَمْ یَجِبِ الْعُقْرُ بِاللُّبْثِ وَلَمْ یَصِرْ مُرَاجِعًا بِهٖ فِی الرَّجْعِیِّ اِلَّا اِذَا اَوْلَجَ ثَانِیًا

کو یا آزادی کو وطی پر تو عقر واجب نہ ہوگا ٹھہرنے کی وجہ سے اور اس کے ذریعہ رجعت کرنے والا نہ ہوگا طلاق رجعی میں الا یہ کہ دوبارہ داخل کرے

وَلَاتَطْلُقُ فِیْ اِنْ نَکَحْتُهَا عَلَیْکِ فَهِیَ طَالِقٌ فَنَکَحَ عَلَیْهَا فِیْ عِدَّةِ الْبَائِنِ وَلَافِیْ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور طلاق نہ پڑے گی اس قول میں کہ اگر فلاں سے نکاح کروں تجھ پر تو وہ طالق ہے پھر اس پر نکاح کر لیا طلاق بائن کی عدت میں اور نہ انت طالق

مُتَّصِلًا وَاِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

کے بعد متصلاً انشاء اللہ کہنے میں اگرچہ مرجائے عورت شوہر کے انشاء اللہ کہنے سے پہلے

---

(۱)... مالک عن ... ابن مسعود ۱۲، (۲)... ابن ابی شیبہ ۱۲۔

وَفِیْ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلاثًا اِلَّا وَاحِدَةً یَقَعُ ثِنْتَانِ وَفِیْ اِلَّا ثِنْتَیْنِ وَاحِدَةٌ وَفِیْ اِلَّا ثَلثًا ثَلثٌ
اگر کہے کہ تجھے ایک کم تین طلاقیں ہیں تو دو واقع ہوں گی اور دو کے استثناء میں ایک اور تین کے استثناء میں تین واقع ہوں گی۔

تشریح الفقہ: قولہ والملک الخ اگر شرط دو وصفوں کے ساتھ یا دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہو تو وقوع طلاق کیلئے آخری شرط کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے مثلاً ایک شخص نے کہا اگر تو زید اور عمر کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق سو اگر شرط ثانی ملک میں پائی جائے گی تو معلق طلاق واقع ہو جائیگی ورنہ نہیں اب اس کی چار صورتیں ہیں نمبر ا۔ دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں اس صورت میں بالا تفاق طلاق ہو جائیگی۔ نمبر ۲۔ دونوں شرطیں ملک میں نہ پائی جائیں تو بالا تفاق طلاق نہ ہوگی۔ نمبر ۳۔ اول ملک میں اور شرط ثانی غیر ملک میں پائی جائے اس صورت میں ابن ابی لیلیٰ کے سوا کسی کے نزدیک طلاق نہیں ہوتی۔ شرط نمبر ۴۔ ثانی ملک اور شرط اول غیر ملک میں پائی جائے مثلاً شوہر نے کہا ان دخلت دار زید و دار عمر وفانت طالق طالق اس کے بعد شوہر نے عورت کو طلاق دیدی اور اس کی عدت گزر گئی عدت گزرنے کے بعد ایک شرط پائی گئی پھر شوہر نے اس سے نکاح کر لیا اور اب دوسری شرط پائی گئی تو ہمارے نزدیک طلاق معلق واقع ہو جائیگی امام زفر کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔

قولہ یبطل الخ فی الحال تین طلاقیں واقع کرنا، تین یا تین سے کم طلاقوں کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے یعنی اولاً شوہر نے تین یا تین سے کم طلاقوں کی تعلیق کی اور کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً او ثنتین او واحدة اس کے بعد تین طلاقیں بلا تعلیق یعنی فی الحال واقع کر دیں تو معلق طلاقوں کا اعتبار نہ ہوگا اگر مطلقہ عورت...... زوج ثانی کے بعد شوہر اول کے نکاح میں آئے اور پھر شرط تعلیق پائی جائے تو طلاق نہ ہوگی (ہاں اگر تعلیقی طلاق ملک کی طرف مضاف ہو اور تعلیق لفظ کلما کے ساتھ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس میں باطل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے گزر چکا اور اگر تین کی تعلیق کے بعد فی الحال ایک یا دو طلاق دی تو تعلیق باطل نہ ہوگی وسیاتی فی باب الرجعة انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ ولو علق الخ ایک شخص نے بیوی کی تین طلاقوں کو یا باندی کی آزادی کو جماع پر معلق کیا اور کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو تجھے تین طلاق یا تو آزاد ہو پھر اس سے جماع کیا تو التقاء ختانین ہوتے ہی طلاق اور آزادی واقع ہو جائیگی اب اگر وہ آلہ تناسل داخل کرنے کے بعد توقف کرے تو توقف کی وجہ سے عقر (مہر مثل) واجب نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ نکال کر پھر دوبارہ داخل نہ کر دے کیونکہ توقف کو وطی نہیں کہتے اسی طرح اگر کسی نے آلہ تناسل داخل کیا پھر طلاق رجعی دیدی اور ٹھہر گیا تو امام محمد کے نزدیک رجعت ثابت نہ ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک رجعت ثابت ہو جائیگی کیونکہ طلاق رجعی کے بعد ٹھہرنا مساس سے خالی نہیں اور مساس سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔

قولہ ولاتطلق الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں فلاں عورت سے تیرے نکاح میں ہوتے ہوئے شادی کروں تو اس پر طلاق اس کے بعد بیوی کو طلاق بائن دیدی وہ عدت گزار رہی تھی کہ فلاں عورت سے اس نے نکاح کر لیا تو اس عورت کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق بائن کے بعد نکاح باقی نہیں رہا پس طلاق کی شرط نہیں پائی گئی۔ ہاں اگر بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو اور پھر فلاں عورت سے نکاح کرلے تو طلاق ہو جائیگی کیونکہ رجعی کے بعد نکاح باقی رہتا ہے

قولہ ولاانت طالق الخ اگر کوئی شخص طلاق کے بعد فوراً استثنا کرلے مثلاً یوں کہے انت طالق انشاء اللہ تو طرفین، ابن ابی لیلیٰ ابو عبیدہ اور شوافع کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی، امام مالک فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے طلاق، عتاق، اور صدقہ باطل نہ ہوگا ہاں یمین اور نذر باطل ہو جائیگی امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف طلاق باطل نہ ہوگی ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق عتاق وغیرہ میں متصلاً استثنا کرنے سے طلاق واقع نہیں[1] ہوتی۔

قولہ وفی انت طالق الخ مسئلہ سمجھنے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھ لینا چاہئے قاعدہ یہ ہے کہ کل سے بعض کا استثنا صحیح ہے استثنا کے بعد جو باقی رہیگا اس کا اعتبار ہوگا لیکن کل کا استثنا صحیح نہیں کیونکہ استثنا کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے اور کل سے کل کے استثنا میں کچھ

(۱)... ائمہ اربعہ عن ابن عمر، ترمذی، نسائی ابن ماجہ عن ابی ہریرة، ابن عدی عن ابن عباس، عبد الرزاق، دار قطنی عن معاذ ۱۲۔

باقی نہیں رہتا جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو انت طالق ثلثا الا واحدۃ میں ایک کے استثنا کے بعد دو باقی رہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور انت طالق ثلاثا الا ثنتین میں استثنا کے بعد ایک باقی ہو تو ایک طلاق واقع ہو گی اور انت طالق ثلاثا الا ثلاثا میں استثنا کے بعد کچھ نہیں رہتا اس لئے استثنا صحیح نہیں لہٰذا تین طلاقیں واقع ہونگی۔

بَابُ طَلاَقِ الْمَرِيْضِ

باب بیمار کی طلاق کے بیان میں

طَلَّقَهَا رَجْعِيًّا اَوْ بَائِنًا فِيْ مَرَضِهٖ وَمَاتَ فِيْ عِدَّتِهَا وَرِثَتْ وَبَعْدَهَا لاَ

شوہر نے بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دیدی اپنے مرض موت میں اور عدت میں مرگیا تو وارث ہوگی اس کے بعد وارث نہ ہوگی

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تندرست آدمی کی طلاق اور اس کی اقسام سنی و بدعی تنجیزی و تعلیقی، صریح و کنائی بیان کرنے کے بعد مریض کی طلاق کو بیان کر رہا ہے کیونکہ صحت و تندرستی اصل ہے اور مرض عارض سماوی۔

قولہ طلقھا الخ زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی یا مرض الموت میں اس کو طلاق بائن دی اور اس کی عدت کے زمانہ میں زید کا انتقال ہو گیا تو عورت زید کی وارث ہوگی اور اگر زید کا انتقال عورت کی عدت کے بعد ہوا تو وارث نہ ہوگی، امام احمد، ابن ابی لیلیٰ اسحاق ابو عبید کے نزدیک عدت کے بعد بھی وارث ہوگی جبکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے امام مالک اور لیث کے نزدیک اگر عورت دس شوہروں سے نکاح کر لے تب بھی وارث ہوگی، امام شافعی کے نزدیک مطلقہ ثلاث اور مختلعہ وارث نہیں ہوتی خواہ شوہر کا انتقال عدت کے زمانہ میں ہو یا عدت کے بعد وہ یہ فرماتے ہیں کہ میراث کا سبب زوجیت ہے اور طلاق بائن سے زوجیت باطل ہو گئی لہٰذا عورت وارث نہ ہوگی ہم یہ کہتے ہیں کہ زوجیت سبب وارثت ہے اور شوہر نے مرض الموت میں طلاق دے کر اس سبب کو باطل کرنا چاہا ہے اس لئے اس کے قصد کی تاثیر کو عورت سے ضرور دور کرنے کی خاطر عدت تک مؤخر کیا جائے گا کیونکہ بعض حقوق کے لحاظ سے عدت میں نکاح باقی رہتا ہے اس لئے حق ارث میں بھی نکاح باقی رہ سکتا ہے عدت کے بعد اس کا امکان نہیں۔

وَاِنْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ بِاَمْرِهَا اَوْ اِخْتَلَعَتْ مِنْهُ اَوْ اِخْتَارَتْ نَفْسَهَا بِتَفْوِيْضِهٖ لَمْ تَرِثْ وَفِيْ طَلِّقْنِيْ

اور اگر جدا کر دیا اس کو اس کے حکم سے یا عورت نے اس سے خلع کر لیا مرد کی تفویض سے تو وارث نہ ہوگی اور اس قول میں کہ مجھے طلاق دیدے

رَجْعِيَّةً فَطَلَّقَهَا ثَلَثًا وَرِثَتْ وَاِنْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ بِاَمْرِهَا اَوْتَصَادَقَا عَلَيْهَا فِي الصِّحَّةِ وَمَضِيِّ الْعِدَّةِ

رجعی اس نے تین طلاقیں دیدیں وارث ہوگی اور اگر اس کو اسکے حکم سے جدا کیا مرض الموت میں یا جدائی پر اور عدت گذر جانے پر باہمی تصدیق

فَاَقَرَّ بِدَيْنٍ اَوْ اَوْصٰى لَهَا فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنْهُ وَمِنْ اِرْثِهَا وَمَنْ بَارَزَ رَجُلاً

ہوگئی صحت میں پھر شوہر نے اقرار کیا یا وصیت کی عورت کیلئے تو عورت کو اقرار و وصیت اور ترکہ میں سے کمتر ملیگا جس نے کسی سے مقابلہ کیا

اَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ بِقَوَدٍ اَوْ رَجْمٍ فَاَبَانَهَا وَرِثَتْ اِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ اَوْقُتِلَ وَلَوْكَانَ مَحْصُوْرًا

یا قتل کیلئے پیش کیا گیا قصاص میں یا رجم میں اور اس نے بیوی کو بائن کر دیا تو وارث ہوگی اگر مر جائے اسی صورت میں یا مارا جائے اور اگر گھر گیا ہو

اَوْفِيْ صَفِّ الْقِتَالِ لاَ وَلَوْ عَلَّقَ طَلاَقَهَا بِفِعْلِ اَجْنَبِيٍّ اَوْمَجِيْءِ الْوَقْتِ وَالتَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِيْ مَرَضِهٖ

یا لڑائی کی صف میں ہو تو عورت وارث نہ ہوگی اگر معلق کیا طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر یا وقت کے آنے پر اور تعلیق و شرط دونوں مرض میں ہوں

اَوْبِفِعْلِ نَفْسِهٖ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ اَوِالشَّرْطُ فَقَطْ اَوْبِفِعْلِهَا وَلاَ بُدَّ لَهَا مِنْهُ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ

یا اپنے فعل پر معلق کیا اور تعلیق وشرط یا صرف شرط مرض میں ہو یا عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا جس کو کرنا ضروری ہے اس کیلئے اور تعلیق وشرط

اَوِ الشَّرْطُ وَرِثَتْ وَفِيْ غَيْرِهَا لاَ وَلَوْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ فَصَحَّ فَمَاتَ

یا صرف شرط مرض میں ہو تو وارث ہوگی اور دیگر صورتوں میں وارث نہ ہوگی اگر بائن کر دیا اس کو مرض میں پھر تندرست ہونے کے بعد مر گیا

اَوْ اَبَانَهَا فَارْتَدَّتْ فَاَسْلَمَتْ فَمَاتَ لَمْ تَرِثْ وَاِنْ طَاوَعَتْ اِبْنَ الزَّوْجِ اَوْ لاَعَنَ اَوْ الٰى

یا اس کو بائن کیا اور وہ مرتد ہوگئی پھر اسلام لے آئی اور مرد مر گیا تو وارث نہ ہوگی اور اگر عورت نے شوہر کے لڑکے کو قابو دیدیا یا لعان کیا یا شوہر نے

مَرِيْضًا وَرِثَتْ وَاِنْ الٰى فِيْ صِحَّتِهٖ وَبَانَتْ فِيْ مَرَضِهٖ لاَ

ایلا کیا بیماری کی حالت میں تو وارث ہوگی اور اگر ایلاء کیا تندرستی میں اور بائن ہوگئی اس کی وجہ سے مرض میں تو وارث نہ ہوگی۔

توضیح اللغہ: ابانہا ابانۃ جدا کرنا، اختلعت خلع کر لیا، تفویض سپرد کرنا، بارز مبارزۃ مقاتلہ کرنا، قود قصاص، رجم سنگسار کرنا محصوز گھر ہوا، طاوعت عورت نے اپنے اوپر قابو دے دیا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان ابانہا الخ زید نے اپنی بیوی کو اس کے حکم کے بموجب طلاق بائنہ دیدی یا زید نے اس کو اختیار دیا اور عورت نے اپنی ذات کو اختیار کر لیا یا عورت نے شوہر سے خلع کر لیا اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا تو ان تینوں صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنا حق خود ہی باطل کر دیا ہے اور اگر عورت نے کہا کہ مجھے طلاق رجعی دیدے اور شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو عورت وارث ہوگی، کیونکہ طلاق رجعی میں نکاح ختم نہیں ہوتا پس عورت کا خود اپنے حق کو باطل کرنا لازم نہیں آیا۔

قولہ بامرها فی مرضہ الخ زید کی بیوی نے زید سے کہا تو مجھے طلاق بائن دیدے زید نے طلاق بائن دیدی زید نے بیماری کے زمانے میں کہا کہ میں نے اپنی تندرستی میں تجھے طلاق دیدی تھی اور تیری عدت گزر چکی عورت نے اس کی تصدیق کر دی اس کے بعد زید نے عورت کیلئے کسی چیز کا اقرار کیا یا اس کیلئے وصیت کی اور پھر زید کا انتقال ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو میراث اور اقرار یا وصیت کے مال سے کمتر مقدار ملے گی۔ یعنی اگر وصیت یا اقرار کا مال کم ہو تو وہ اور میراث کم ہو تو میراث امام زفرؒ کے نزدیک وصیت اور اقرار کا کل ملے گا کیونکہ جب عورت کے سوال طلاق کی وجہ سے میراث باطل ہوگئی تو صحت اقرار وصحت وصیت سے جو چیز مانع تھی یعنی شبہ تہمت وہ زائل ہوگئی، دوسرے مسئلے میں صاحبین کے نزدیک بھی اقرار اور وصیت کا کل ملے گا کیونکہ جب وقوع طلاق اور انقضاء عدت میں زوجین نے ایک دوسرے کی تصدیق کر دی تو عورت اجنبیہ ہوگئی اور شبہ تہمت زائل ہوگیا بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں عدت باقی ہے اور عدت کا باقی رہنا ہی تہمت کا سبب ہے اس لئے پہلے مسئلے میں کمتر مقدار ملے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں تہمت کا امکان ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت اقرار یا وصیت کی راہ نکالنے کیلئے طلاق اختیار کر لیتی ہے نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر الفت ومحبت کی وجہ سے اقرار یا وصیت کر بیٹھتا ہے بہر کیف تہمت کا امکان باقی ہے مگر یہ تہمت صرف زائد مقدار میں ہے نہ کہ مقدار میراث میں اس لئے عورت کو کمتر مقدار ملے گی۔

قولہ ومن بارز الخ ایک شخص نے اپنے سے قوی تر آدمی کے مقابلہ کیلئے آگے بڑھا یا اس کو قصاص کے عوض میں قتل کرنے کے لئے یا سنگسار کرنے کیلئے پیش کیا گیا اور ان حالات میں اس نے بیوی کو بائنہ طلاق دے دی اور پھر وجوہ مذکورہ کے سبب سے اس کا انتقال ہوگیا یا اس کو قتل کر دیا گیا تو ان سب صورتوں میں عورت وارث ہوگی اور اگر وہ مقید ہو یا میدان کارزار میں ہو اور پھر یہ صورت پیش آئے تو عورت وارث نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسے حالت میں طلاق دے جن میں ہلاکت غالب ہو خواہ ہلاکت مرض

کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو تو عورت وارث ہوتی ہے جیسے یہاں پہلی صورت میں ہلاکت غالب ہے تو عورت وارث نہیں ہوتی۔

قولہ ولو علق الخ ولو علق سے وفی غیر ہالا تک جو مسئلہ مذکور ہے اس کی سولہ صورتیں ہیں کیونکہ تعلیق طلاق یا تو وقت کے آنے پر ہوگی یا کسی اجنبی کے فعل پر یا شوہر کے فعل پر یا عورت کے فعل پر ان چاروں میں سے ہر ایک کی چار چار صورتیں ہیں تعلیق اور شرط دونوں یا تندرستی میں ہوں گی یا مرض میں یا تعلیق صحت میں ہوگی اور شرط مرض میں یا شرط صحت میں ہوگی اور تعلیق مرض میں ان سولہ صورتوں میں سے ہر ایک کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

محمد حنیف گنگوہی
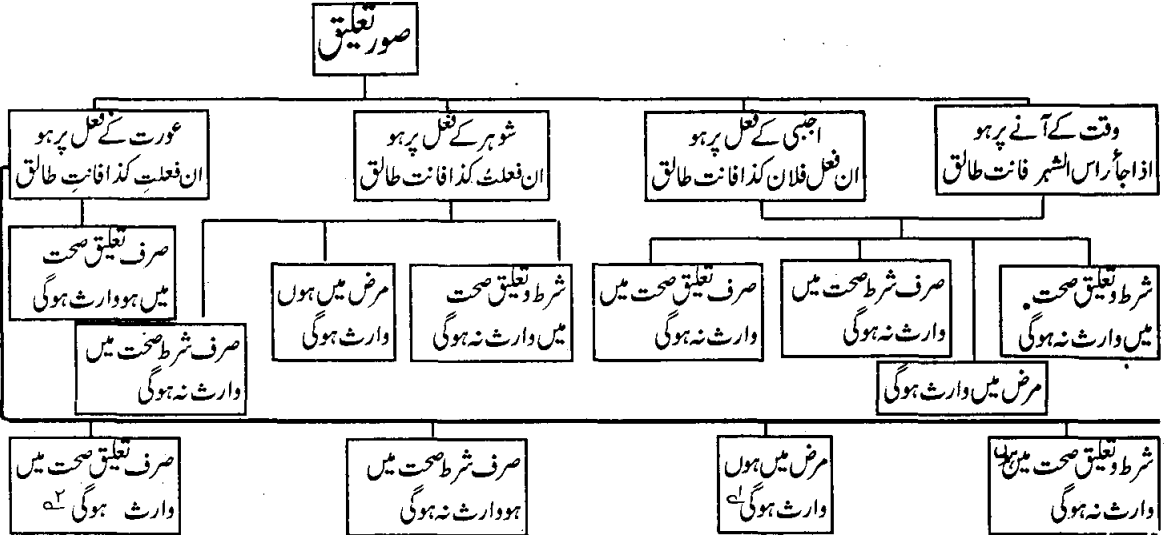
قولہ ولو ابانہا الخ زید نے اپنی بیوی کو بیماری کی حالت میں تین طلاقیں دیکر بائنہ کر دیا پھر تندرست ہو گیا اس کے بعد دوبارہ بیمار ہو کر مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ صحت یاب ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ مرض الموت نہ تھا پس اس کے مال سے عورت کا حق وابستہ نہیں ہوا اسی طرح اگر زید نے طلاق بائن دیدی اور عورت مرتد ہو گئی اور پھر اسلام لے آئی اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا تب بھی وارث نہ ہوگی کیونکہ عورت نے مرتد ہو کر اہلیت ارث کو باطل کر دیا پس نکاح سبب حق ارث نہ رہا اور بعد میں اسلام لانے سے اس سبب کا لوٹ آنا ممکن نہیں۔

قولہ وان طاوعت الخ یہاں تین مسئلے مذکور ہیں نمبر ا۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی عورت نے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر بخوشی قابو دیدیا تو عورت وارث ہوگی کیونکہ قابو دیدینے سے محرمیت ثابت ہوتی ہے اور محرمیت سے اہلیت ارث باطل نہیں ہوتی اور اگر طلاق رجعی کے بعد عورت نے قابو دیا تو وارث نہ ہوگی کیونکہ اب زوجین میں فرقت ہوگی اور یہ فرقت عورت کی جانب سے آئی ہے۔ نمبر ۲ زید نے اپنی بیوی کو تندرستی میں زنا کی تہمت لگائی اور مرض کی حالت میں لعان کیا تو عورت وارث ہوگی کیونکہ فرقت مرد کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ عورت کی طرف سے۔ نمبر ۳۔ زید نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی سے ایلا کر لیا یعنی چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالی اور بیماری کی حالت میں ایلا کی مدت گزر گئی تو عورت وارث ہوگی اور اگر ایلا تندرستی میں کیا ہو اور بیماری کی حالت میں مدت ایلا گزر جانے کی وجہ سے عورت بائنہ ہو گئی ہو تو وارث نہ ہوگی التفصیل فی المطولات۔

محمد حنیف گنگوہی

(۱) فی الہدایۃ ان کان لہا بد من الفعل ککلام زید لم ترث وان کان الفعل لا بد لہا منہ کاکل الطعام وصلوۃ الظہر ترث لانہا مضطرۃ فی المباشرۃ ۱۲
(۲) فی الہدایۃ ان کان الفعل مما لہا بد منہ فلا میراث لہا وان کان مما لا بد لہا منہ فکذا عند محمد وقول زفر وعند الشیخین ترث ۱۲

بَابُ الرَّجْعَةِ

باب رجعت کے بیان میں

هِيَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ الْقَائِمِ فِي الْعِدَّةِ وَتَصِحُّ فِي الْعِدَّةِ اِنْ لَمْ تُطَلَّقْ ثَلَاثًا وَلَوْ لَمْ تَرْضَ

رجعت باقی رکھنا ہے عدت کے زمانے میں اس ملک کو جو قائم تھی اور صحیح ہے عدت میں اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں اگر چہ عورت راضی نہ ہو

بِرَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَأَتِي وَبِمَا يُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ

ان الفاظ کیساتھ کہ نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی اور ان افعال کیساتھ کہ جو دامادی حرمت ثابت کرتے ہیں

وَالْاِشْهَادُ مَنْدُوْبٌ عَلَيْهَا وَلَوْقَالَ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيْهَا فَصَدَّقَتْهُ تَصِحُّ

اور رجعت پر گواہ کر لینا مستحب ہے اور اگر عدت کے بعد کہا کہ میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو صحیح ہے

وَاِلَّا لَا كَرَاجَعْتُكِ قَالَتْ مُجِيْبَةً مَضَتْ عِدَّتِيْ وَاِنْ قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيْهَا

ورنہ نہیں جیسے شوہر نے کہا راجعتک بیوی نے جواب دیا کہ میری عدت گذر چکی باندی کے شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے عدت میں رجعت

فَصَدَّقَهُ سَيِّدُهَا وَكَذَّبَتْهُ اَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِيْ وَاَنْكَرَ

کر لی تھی پس اس کے آقا نے تصدیق کی اور باندی نے تکذیب یا باندی نے کہا میری عدت گذر چکی اور شوہر نے اور آقا نے انکار کیا

فَالْقَوْلُ لَهَا وَتَنْقَطِعُ اِنْ طَهُرَتْ مِنَ الْحَيْضِ الْاٰخِيْرِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَلِاَقَلِّهٖ لَا

تو باندی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اگر عورت پاک ہو جائے آخری حیض سے دس دن پر گو غسل نہ کیا ہو اور دس سے کم پر ہو تو ختم نہ ہوگی

حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ اِغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ تَنْقَطِعُ

یہاں تک کہ غسل کر لے یا نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے اگر عورت نے غسل کیا اور ایک عضو سے کم بھول گئی تو ختم ہو جائیگی

وَلَوْعُضْوًا لَا وَلَوْ طَلَّقَ ذَاتَ حَمْلٍ اَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ اَطَأْهَا رَاجَعَ

اور ایک عضو بھولے تو نہیں اگر حاملہ کو طلاق دیدی یا اسکے بچہ ہوا اور شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی تو رجعت کر سکتا ہے

وَاِنْ خَلَابِهَا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَا فَاِنْ رَاجَعَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ بَعْدَهَالِاَقَلَّ مِنْ عَامَيْنِ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ

اور اگر خلوت کر کے کہے کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی پھر طلاق دیدے تو رجعت نہیں کر سکتا اگر رجعت کے بعد دو سال سے کم میں بچہ ہو تو وہ

اِنْ وَلَدْتِّ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ وَلَدَتْ مِنْ بَطْنٍ اٰخَرَ فَهِيَ رَجْعِيَّةٌ كُلَّمَا وَلَدْتِّ فَاَنْتِ طَالِقٌ

رجعت صحیح ہوگی اگر تو بچہ جنے تو طالق ہے اس کے بعد بچہ ہوا اور ایک اور بچہ ہوا دوسرے پیٹ سے تو یہ رجعت ہے جتنی بار تو بچہ جنے تو طالق ہے

فَوَلَدَتْ ثَلَاثَةً فِيْ بُطُوْنٍ فَالْوَلَدُ الثَّانِيْ وَالثَّالِثُ رَجْعَةٌ وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَزَيَّنُ وَنُدِبَ

پس عورت کے تین بچے ہوئے جدا جدا حمل سے تو دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت کا سبب ہے اور مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار کرے اور مستحب ہے یہ کہ

اَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْيُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ وَلَايُسَافِرُ بِهَاحَتّٰى يُرَاجِعَهَا وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْئَ

نہ داخل ہو شوہر اس پر بلا اطلاع اور نہ سفر کرے اس کے ساتھ یہاں تک کہ رجعت کر لے اور طلاق رجعی صحبت کو حرام نہیں کرتی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ رجعت کی مشروعیت رفع طلاق کیلئے ہے اور ظاہر ہے کہ رافع شئی وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے پس طلاق طبعًا مقدم ہوئی اور رجعت مؤخر، مصنف رجعت کو طلاق کے بعد ہی ذکر کر رہا ہے تا کہ وضع و طبع دونوں موافق ہو جائیں رجعت میں را کا

فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں لیکن فتحہ فصیح تر ہے (مصباح) رجعت لغۃ رجع (ض) رجوعا مرجعا اسم مصدر ہے بمعنی واپس آنا، لوٹنا، اصطلاح فقہا میں رجعت مطلقہ عورت کی عدت کے زمانہ میں دوام ملکیت استمتاع کے باقی رکھنے کو کہتے ہیں جو ملکیت استمتاع قائم بالنکاح ہوتی ہے۔ عدت سے مراد وطی کی عدت ہے کیونکہ خلوت کی عدت میں رجعت نہیں ہوتی (ذکرہ ابن الکمال) عدت کی قید اس لئے ہے کہ آیت "وبعولتھن احق بردھن" میں حق رجعت شوہر کو دیا گیا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد اس کو بعل نہیں کہتے۔

قولہ وتصح الخ اگر کسی نے بیوی کو تین سے کم یعنی ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور عدت باقی ہو تو رجعت کر لینا صحیح ہے گو عورت راضی نہ ہو کیونکہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا لہٰذا اس کی رضا ضروری نہیں پھر رجعت قول اور فعل ہر دو کے ذریعہ ہو سکتی ہے اول جیسے راجعتک، راجعت امراتی یہ رجعت کے صریح الفاظ ہیں ثانی جیسے وہ افعال جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے مثلاً وطی کرنا، بوسہ لینا، چھونا، پیشاب گاہ کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا وغیرہ، امام شافعی کے نزدیک رجعت صرف قول کے ساتھ ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو اگر قدرت نہ ہو تو اشارہ کے ساتھ ہو گی جیسے گونگے کے حق میں وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کے یہاں رجعت ابتدا نکاح کے درجہ میں ہے اور ہمارے نزدیک ابتدا نکاح نہیں۔ بلکہ ابقاء نکاح ہے۔

قولہ والاشہاد الخ ہمارے نزدیک رجعت کرتے وقت دو عادلوں کو شاہد بنا لینا مستحب ہے امام مالک کے یہاں واجب ہے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے۔ یہ حضرات آیت، واشھدوا ذوی عدل منکم" میں امر کو وجوب کیلئے لیتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رجعت کے سلسلہ میں نصوص مطلق ہیں۔ مثلاً فامسکوھن بمعروف، الطلاق مرتان فامساک بمعروف، وبعولتھن احق بردھن، فلا جناح علیھما ان یتراجعا فی الحدیث مر ابنک فلیراجعھا معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں امر وجوب کیلئے نہیں استحباب کیلئے ہے۔

قولہ ولو قال الخ شوہر نے عدت گزر جانے کے بعد کہا میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجعت صحیح ہے کیونکہ جب تصادق زوجین سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو رجعت بطریق اولیٰ صحیح ہو گی ہاں اگر عورت انکار کر دے تو رجعت صحیح نہ ہو گی کیونکہ شوہر ایسی چیز کی خبر دے رہا ہے کہ فی الحال اس کے انشاء کا مالک نہیں اور عورت اس کا انکار کر رہی ہے پس اس کا قول معتبر ہو گا۔

قولہ ولو طلق الخ کسی نے اپنی حاملہ عورت کو طلاق دی اور قبل از وضع حمل رجعت کر لی پھر طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کمتر مدت میں یا نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں عورت کے بچہ ہوا اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی تو رجعت سابقہ صحیح ہو گی وجہ یہ ہے کہ جب حمل اتنی مدت میں ظاہر ہوا کہ اس کا شوہر کے مادہ سے ہونا متصور ہو سکے تو وہ حمل اسی سے قرار دیا جاتا ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ الولد للفراش[1]، اور حمل کا اس کی طرف منسوب ہونا وطی کی دلیل ہے اسی طرح جب اس سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا تو لامحالہ اس کو وطی کرنے والا قرار دیا جائیگا کیونکہ بلا وطی بچہ کا ہونا تصور نہیں ہو سکتا اور جب وطی ثابت ہو گئی تو ملکیت مؤکدہ ہو گئی اور ملکیت مؤکدہ میں طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے پس شوہر جو وطی کا انکار کر رہا ہے اس کا انکار کرنا باطل ہو گا کیونکہ شریعت نے اس کی تکذیب کر دی اور اگر عورت کے ساتھ خلوت کی اور وطی کا انکار کیا اس کے بعد طلاق دیدی تو رجعت نہیں کر سکتا کیونکہ ملک وطی کے ذریعہ مؤکدہ ہوتی ہے اور وطی نہ ہونے کا وہ خود اقرار کر چکا تو رجعت جو اس کا حق ہے اس میں اس کی تصدیق کی جائیگی۔ اور اگر خلوت کے بعد وطی کا انکار کر کے طلاق دے کر پھر رجعت کر لے اس کے بعد طلاق کے وقت سے دو برس سے کم کی مدت میں عورت کے بچہ ہو تو رجعت سابقہ صحیح ہو گی کیونکہ ولادت کی وجہ سے انکار وطی میں شوہر کی شرعاً تکذیب ہو گئی پس رجعت سابقہ عدت کے اندر واقع ہوئی اس لئے رجعت صحیح ہو گی۔

قولہ ان ولدت الخ کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق عورت کے بچہ ہو گیا تو طلاق واقع ہو گئی اور وہ معتدہ

---

(۱) ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ وغیر الترمذی عن عائشہ، ابوداؤد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وعثمان، ترمذی عن ابی امامۃ ۱۲

ہوگئی اس کے چھ ماہ بعد دوسرے پیٹ سے ایک بچہ اور ہوا تو ولادت ثانیہ رجعت ہوگی کیونکہ ولد ثانی کا علوق عدت کے زمانہ میں وطی جدید سے قرار دیا جائیگا۔ اور اگر شوہر نے لفظ کلما استعمال کیا اور عورت کے تین بچے مختلف بطون سے پیدا ہوئے تو ہر بچہ کی ولادت سے ایک طلاق ہو جائیگی اور دوسرے بچہ کی ولادت طلاق اول میں رجعت قرار دی جائے گی کیونکہ اس کا علوق عدت کے زمانہ میں وطی جدید سے ہوا ہے اسی طرح دوسری اور تیسری ولادت کو سمجھ لیجئے کیونکہ لفظ کلما مقتضی عموم افعال ہے۔

(فَصْلٌ) وَيَنْكِحُ مُبَانَتَهُ فِي الْعِدَّةِ وَ بَعْدَهَا لاَ الْمُبَانَةَ بِالثَّلاَثِ لَوْحُرَّةً وَبِالثِّنْتَيْنِ لَوْ اَمَةً

(فصل) اپنی بائنہ منکوحہ سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی لیکن اگر آزاد کو تین اور باندی کو دو طلاقوں سے بائنہ کر دیا

حَتّٰى يَطَأَهَا غَيْرُهُ وَلَوْ مُرَاهِقًا بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ وَتَمْضِىَ عِدَّتُهُ لاَبِمِلْكِ يَمِيْنٍ

تو نہیں کرسکتا یہاں تک کہ دوسرا اس سے وطی کرے نکاح صحیح کے ساتھ گو وہ مراہق ہی ہو اور اس کی مدت گذر جائے نہ کہ ملک یمین سے

وَكُرِهَ بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ وَاِنْ حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِىْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ وَلَوْاَخْبَرَتْ مُطَلَّقَةُ الثَّلٰثِ

اور مکروہ ہے حلال کرنے کی شرط کے ساتھ گو اول کیلئے حلال ہو جائیگی اور ختم کر دیتا ہے زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو اگر خبر دی تین طلاقوں والی عورت نے

بِمَضِىِّ عِدَّتِهِ وَعِدَّةِ الزَّوْجِ الثَّانِىْ وَالْمُدَّةُ يَحْتَمِلُ لَهُ اَنْ يُّصَدِّقَهَا اِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ صِدْقُهَا

شوہر اول اور شوہر ثانی کی عدت گذر جانیکی اور اتنی مدت میں دونوں عدتیں گذر سکتی ہوں تو شوہر اول اسکی تصدیق کرسکتا ہے اگر اس کی سچائی کا ظن غالب ہو۔

حلالہ کے احکام

توضیح اللغۃ: مبانۃ وہ عورت جس کو طلاق بائن دیدی ہو مراہق قریب البلوغ تحلیل، دوسرے کیلئے حلال کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ وینکح الخ اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاق سے بائنہ کر دیا یا بیوی باندی تھی اس کو ایک طلاق دے کر بائنہ کر دیا تو وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی کیونکہ محل کی حرمت تین طلاقوں سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں ایک یا دو طلاقوں سے بائنہ کیا ہے تو محل کی حلیت باقی ہے اور اگر حرہ کو تین طلاقیں یا باندی کو دو طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا تو اب وہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کرلے پھر طلاق دے اور اس کی عدت گزر جائے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره۔ لفظ فان طلقہا میں طلاق سے مراد تیسری طلاق ہے اور تنکح سے مراد وطی ہے کیونکہ عقد نکاح کے معنی تو لفظ زوج کے اطلاق ہی سے حاصل ہو گئے اگر تنکح سے بھی عقد نکاح ہی مراد ہو تو کلام میں صرف تاکید ہوگی، حالانکہ کلام کو تاسیس پر محمول کرنا راجح ہے لان الافادة خير من الاعادة یا یہ کہا جائے کہ وطی زوجہ ثانی کا شرط ہونا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس نے دوسرے شخص سے شادی کرلی پھر اس کو دوسرے نے بھی طلاق دیدی لیکن وطی نہیں کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ کیا وہ عورت شوہر اول کیلئے شوہر ثانی کے وطی کئے بغیر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ شوہر ثانی شوہر اول کی طرح لذت جماع حاصل نہ کرے۔ شوہر اول کے لئے حلال نہیں۔ (۱) بہرکیف شوہر ثانی کا وطی کرنا جمہور کے نزدیک شرط ہے اس کے بغیر اول کیلئے حلال نہ ہوگی شیعہ اور خوارج جو اس کی نفی کرتے ہیں وہ بالکل مردود ہے اور حضرت سعید بن المسیب سے جو اس کیخلاف مروی ہے وہ بھی لائق اعتنا نہیں کیونکہ موصوف سے رجوع ثابت ہے (کذا فی المنیہ) پھر شوہر ثانی کا بالغ ہونا ضروری نہیں بلکہ مراہق سے بھی کام چل سکتا ہے بشرط تحرک آلہ وشہوت جماع شیخ شمس الاسلام نے اس کا اندازہ دس سال کی عمر کے ساتھ کیا ہے نکاح صحیح کی قید سے نکاح فاسد نکل گیا اگر شوہر ثانی نکاح فاسد کے ذریعہ وطی کرے تو اول کیلئے حلال نہ ہوگی۔

(۱) ائمہ ستہ وغیرہم بالفاظ عن عائشہ۔

(فائدہ) اگر عورت مفضاۃ ہو تو پھر شوہر ثانی سے اس کا حاملہ ہونا بھی شرط ہے کیونکہ صرف وطی میں یہ احتمال ہے کہ قبل میں نہ ہوئی ہو دبر میں ہوئی ہو (ذکرہ بعضهم) وقد نظم الشيخ سراج الدين الهاملي نظماً جيداً فقال

وفي المفضاة مسئلة عجيبة   لدى من ليس يعرفها غريبه
اذاحرمت على زوج وحلت   لثان نال من وطى نصيبه
فطلقها فلم تحبل فليست   حلالاً للقديم ولا خطيبه
لشك ان ذاک الوطى منها   بفرج اوشكيلته القريبه
فان حبلت فقد وطئت بفرج   ولم تبق الشكوک لنامريبه

قول بملک یمین الخ اگر مطلقہ مبانہ کے ساتھ شوہر ثانی بذریعہ ملک یمین وطی کرے تو اس سے عورت شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی مثلاً شوہر اول نے اپنی منکوحہ باندی کو دوطلاقیں دے کر بائنہ کر دیا اور عدت کے بعد اس کے آقا نے بذریعہ ملک یمین اس سے وطی کی تو وہ شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی کیونکہ نص قرآنی سے حلت کا ثبوت زوج ثانی کی وطی سے ہے نہ کہ مالک کی وطی سے۔

قولہ و کرہ الخ اگر شوہر ثانی تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرے اور کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا تو گو اس طریقہ سے بھی عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائیگی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف، ایک روایت میں لیث، اسحاق، ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اگر تحلل کی شرط لگالی تو عقد فاسد ہو جائیگا اور عورت اول کیلئے حلال نہ ہوگی، امام محمد کے نزدیک عقد تو فاسد نہ ہوگا لیکن اول کیلئے حلال بھی نہ ہوگی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دیدی اور تحلیل کیلئے اس کے بھائی نے اس سے شادی کر لی تو کیا عورت اس کیلئے حلال ہو جائیگی؟ آپ نے فرمایا: نہیں حلال نہ ہوگی۔(۱)۔ نیز حدیث سے ثابت ہے کہ محلل اور محلل لہ ہر دو پر خدا کی لعنت ہو[۲] ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زوج ثانی کو محلل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اول کیلئے عورت حلال ہو جائیگی پس لعن محلل کی تاویل یوں کی جائیگی کہ لعنت اس شخص کے حق میں ہے جو تحلیل پر کچھ اجرت لے (ذکرہ البزاری) اور حاکم کی حدیث مذکور کا جواب یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں ہے بخلاف حدیث ''لعن اللہ المحلل اہ'' کے کہ وہ مرفوع ہے پس حاکم کی حدیث معارض نہیں ہوسکتی......

تنبیہ: اگر شوہر ثانی تحلیل کی شرط سے نکاح کرے تو کیا یہ شرط لازم ہوگی؟ علامہ بزاری نے کہا ہے کہ نکاح بشرط تحلیل میں شرط اور نکاح دونوں جائز ہیں یہاں تک کہ اگر شوہر ثانی طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اس سے جبراً طلاق دلائیگا صاحب غایۃ البیان نے روضۃ الزندوسی سے بھی یہی نقل کیا ہے لیکن علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہ قول لائق اعتماد نہیں اور نہ اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ قول ظاہر الروایہ میں ثابت نہیں نیز قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے پس اصل نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائیگی۔

قولہ ویھدم الزوج الخ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیکر بائنہ کر دیا عدت گزر جانے کے بعد اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کر لی شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دیدی اور عورت نے عدت کے بعد پھر زید سے نکاح کر لیا تو اب زید بالاتفاق تین طلاقوں کا مالک ہوگا لیکن اگر زید نے ایک یا دو طلاق سے بائنہ کیا اور پھر عورت تحلیل کے بعد زید کے نکاح میں آئی تو شیخین کے نزدیک زید اب بھی تین طلاقوں کا مالک ہے حضرت عطاء، شریح، ابراہیم، میمون، ابن مہران بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں شوہر ثانی طلقات ثلاث و دون الثلاث ہر دو کو کان لم یکن کر دیتا ہے لیکن امام محمد، زفر، مالک، شافعی، احمد کے نزدیک اس صورت میں زید ماقبی کا مالک ہوگا

(۱).. حاکم عن عمر بن نافع عن ابیہ ۱۲،(۲).. ترمذی، نسائی، احمد، ابن راہویہ، عن ابن مسعود، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن علی، ترمذی عن جابر، ابن ماجہ، دار قطنی، عن عقبہ بن عامر، ابن ماجہ، عن ابن عباس، احمد بزار، ابویعلی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابی ہریرۃ ۱۲

یعنی اگر ایک طلاق سے بائنہ کیا ہو تو دو کا اور دو سے بائنہ کیا ہو تو ایک کا مالک ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ ''اہل بحرین میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق کے ساتھ بائنہ کر دیا۔ عورت نے عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر لیا اور اس سے جدا ہو کر عدت کے بعد پھر شوہر اول کے پاس آ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ عورت شوہر اول کے پاس باقی پر ہے۔ نیز آیت ''فان طلقها فلا تحل له، من بعد حتى تنكح زوجا غيره'' میں زوج ثانی کو حرمت کی غایت قرار دیا گیا ہے اور جو حرمت کی غایت ہو وہ منہی حرمت ہوتا ہے پس زوجہ ثانی منہی حرمت ہوا اور حرمت کی انتہا اسی وقت ہوسکتی ہے جب پہلے حرمت ثابت ہو چکی ہو اور مادون الثلاث سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا مادون الثلاث میں زوج ثانی منہی حرمت نہ ہوگا اس لئے زید کو صرف ایک یا دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ شیخین کی دلیل حضرت سعید بن جبیر کا جید اثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر آپ سے سوال کیا۔ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق سے بائنہ کر دیا اور عورت کی عدت گزر گئی تو اس نے دوسرے سے شادی کر لی شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی اب شوہر اول اس سے نکاح کرنا چاہے تو عورت پر کتنی طلاقوں کی ملکیت ہوگی؟ حضرت عبداللہ، حضرت ابن عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: زوج ثانی ایک اور دو اور تین سب طلاقوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جاؤ حضرت ابن عمر سے دریافت کر لو، انہوں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا تو آپ نے بھی یہی فرمایا، حافظ بیہقی نے بھی ابن عمر، ابن عباس اور حضرت علی سے روایت کیا ہے انها تكون على طلاق مستقبل، نیز حدیث لعن الله الخ میں زوج ثانی کو محلل کہا گیا ہے اور محلل وہی ہوگا جو حلت ثابت کرے۔ اب یہ حلت دو حال سے خالی نہیں۔ حلت سابقہ ہوگی یا حلت جدیدہ۔ حلت سابقہ تو ہو نہیں سکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئیگی لامحالہ جدیدہ ہوگی۔ حلت جدیدہ کا حلت سابقہ کے مغایر ہونا ضروری ہے اور حلت سابقہ ناقص تھی تو حلت جدیدہ کاملہ ہوگی اور حلت کاملہ وہی ہے جس میں تین طلاقوں کا مالک ہو لہٰذا زید تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔[1]

قوله ولو اخبرت الخ مطلقہ ثلاث نے خبر دی کہ زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدت گزر گئی اور مدت میں انقضاء عدت کی گنجائش بھی ہے تو اگر زوج اول کو عورت کی راستی کا ظن غالب ہو تو وہ اس کی تصدیق کر سکتا ہے یعنی اس سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ یا تو ایک معاملہ ہے بایں معنی کہ بوقت دخول بضع ایک شئی متقوم ہو جاتی ہے یا امر دینی ہے بایں معنیٰ کہ اس کے ساتھ حلت متعلق ہے ان میں سے جو بھی ہو بہرحال ایک کا قول معتبر ہے بالخصوص جبکہ مدت میں اس کی گنجائش بھی ہے۔

فائدہ:

زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدتوں میں سے ہر ایک کی عدت کی اقل مدت جس میں عورت کی تصدیق کی جا سکتی ہے امام صاحب کے نزدیک حرہ کے حق میں دو ماہ اور باندی کے حق میں چالیس روز ہیں۔ بایں طور کہ شوہر اول نے عورت کو اول طہر میں طلاق دی تو اقل طہر یعنی پندرہ دن کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں پس تین طہر کے ۴۵ دن ہوئے اور ایک حیض کی مدت پانچ روز مانی جائے کیونکہ طہر اقل ہوا اور حیض بھی اقل ہوا ایک عورت میں ان دونوں کا اجتماع نادر ہے پس تین حیض کے ۱۵ دن ہوئے تو ۴۵ اور ۱۵ کل ساٹھ دن ہوئے صاحبین کے نزدیک حرہ کے حق میں انتالیس دن اور تین ساعات ہیں اور باندی کے حق میں اکیس دن ہیں اور امام مالک کے نزدیک چالیس روز اور امام شافعی کے یہاں بتیس روز اور امام احمد کے یہاں انتیس روز ہیں۔ والتوجیہ فی المطولات۔

---

(۱) قال ابن الہمام فاخذ المشائخ من الفقہا (وہم ابوحنیفہ وابو یوسف وغیرہم) بقول شبان الصحابۃ کابن عباس وابن عمر وشبان الفقہاء (یعنی محمد وغیرہ) بقول مشائخ الصحابۃ (کعمر وعلی) والترجیح بالوجہ ۱۲

بَابُ الْاِیْلاءِ

باب ایلا کے بیان میں

وَهُوَ الْحَلفُ عَلٰى تَرْكِ قِرْبَانِهَا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْاَكْثَر كَقَوْلِهٖ وَاللّٰهِ لَا اُقْرِبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُر اَوْ

وہ قسم کھانا ہے بیوی کے پاس نہ جانے پر چار ماہ یا اس سے زیادہ تک جیسے شوہر کا قول بخدا میں تیرے قریب نہ آ ؤنگا چار ماہ تک یا بخدا میں

وَاللّٰهِ لَا اُقْرِبُكِ فَاِنْ وطِیَ فِي الْمُدَّةِ كَفَّرَ وَسَقَطَ الْاِیْلاءُ وَاِلَّا بَانَت

تیرے قریب نہ آ ؤنگا پس اگر اس مدت میں وطی کی تو کفارہ دے اس صورت میں ایلاء ختم ہوجائیگا ورنہ عورت بائنہ ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ابواب سابقہ کے ساتھ ایلا کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے جو حرمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ چار ہیں۔ طلاق، ایلا، ظہار، لعان، مصنف طلاق کے بیان سے فارغ ہو چکا تو اب ایلا کو ذکر کر رہا ہے کیونکہ ایلا میں طلاق کا حکم فی الفور ثابت نہیں ہوتا بلکہ انقضاء مدت تک مؤخر ہوتا ہے پھر از روئے قیاس ایلا سے پیشتر خلع کو ذکر کرنا چاہئے کیونکہ خلع بھی طلاق کی ایک قسم ہے مگر چونکہ خلع میں طلاق بعوض مال ہوتی ہے اس لئے وہ طلاق سے دور جا پڑا۔

قولہ ھوا الحلف الخ ایلاء لغت کے اعتبار سے مصدر ہے الٰی ایلا کا عطٰی اعطاء بمعنی قسم کھانا۔ آلیہ قسم جمع الایا جیسے عطایا، قال الشاعر ؎

قلیل الا لا یا حافظ لیمینہ   وان بدت منہ الالیۃ برت

شریعت میں ایلا اس کو کہتے ہیں کہ شوہر چار مہینے یا اس سے زیادہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے واللّٰہ لا اقربک اربعۃ اشھر پس اگر شوہر نے مدت مذکورہ میں وطی کر لی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائیگا۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک کفارہ واجب نہیں کیونکہ آیت ایلا کے آخر میں ہے ''فان فا وافان اللّٰہ غفور رحیم'' ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں مغفرت سے مراد اسقاط عقوبت اخروی ہے نہ کہ اسقاط کفارہ، اور اگر مدت مذکورہ میں وطی نہیں کی تو عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی، امام شافعی کے یہاں عورت مدت گزرنے سے جدا نہیں ہوتی۔ بلکہ قاضی کی تفریق ضروری ہے کیونکہ شوہر عورت کے حق جماع کو روکنے والا ہے پس عورت کی تخلیص میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر نے عورت کو روک کر ظلم کیا ہے پس شریعت نے اس کے ظلم کا بدلہ یہ دیا ہے کہ مدت گزرتے ہی وہ اس نعمت عظمٰی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت۔ اور عبادلہ ثلاثہ سے یہی منقول ہے[۲] اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابن المسیب، اوزاعی، مکحول، ثوری حسن بن صالح، عطاء، جابر بن زید، محمد بن الحنفیہ، ابن سیرین، عکرمہ، مسروق، قبیصہ بن ذویب، حسن نخعی، مروان بن الحکم، ابوسلمہ، سالم سب کا یہی قول ہے۔

(کذافی الاستذکار)

....

(۱) قولہ قربانها ای الزوجة قید بالزوجة لان الشخص لایکون مولیا من امته لان قوله تعالیٰ للذین یؤلون اه لایتناول الا الزوجات ویصح الایلاء من المطلقه، الرجعیة لقیام البزوجیه ولقوله تعالیٰ، وبعولتهن والبعل الزوج حقیقةً وقال مالک والشافعی ازید من اربعة اشهرلنا ان النص علیٰ اربعه، شهر یمنع الزیادة علیها کالنفس علی اربعه اشهروعشرفی عدة الوفاة وعلیٰ ثلاثه فی عدة الحیوة وروی الواحدی فی اسباب النزول بسندہ عن ابن عباس قال کان ایلاء اهل الجاهلیة السنته والسنتین واکثر فوقت اللّٰه اربعة اشهرا ۱۲ شرح نقایه.

(۲) بیہقی، عبدالرزاق عن زید بن ثابت مالک عن علی وابن مسعود ودارقطنی عن ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن عمر۔

وَسَقَطَ الْيَمِيْنُ لَوْحَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَبَقِيَتْ لَوْحَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَلَوْنَكَحَهَا ثَانِيًا وَثَالِثًا وَمَضَتِ الْمُدَتَانِ

اور ساقط ہوجائیگی یمین اگر قسم کھائی ہو چار ماہ پر اور باقی رہیگی اگر قسم ہمیشہ کیلئے کھائی ہو پس اگر اس سے دوبارہ وسہ بارہ نکاح کیا اور دونوں مدتیں

بِلاَ فَیْءٍ بَانَتْ بِاُخْرَيَيْنِ فَاِنْ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَمْ تُطَلَّقْ وَلَوْ وَطِئَهَا كَفَّرَ

بلا رجوع گذرگئیں تو بائنہ ہوجائے گی آخری دو سے پھر اگر دوسرے شوہر کے بعد نکاح کیا تو طلاق نہ ہوگی پس اگر اس سے وطی کرے تو کفارہ دے

لِبَقَاءِ الْيَمِيْنِ وَلاَاِيْلآءَ فِيْمَادُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَاللّٰهِ لاَ اَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ اِيْلاءٌ

بقاء یمین کی وجہ سے اور نہیں ہے ایلاء چار ماہ سے کم میں شوہر کا یہ قول کہ بخدا تیرے قریب نہ آ ونگا دو ماہ پہلے دو مہینوں کے بعد ایلاء ہے

وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لاَاُقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ شَهْرَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ اَوْقَالَ لاَ اَقْرَبُكِ سَنَةً اِلاَّ يَوْمًا

اور اگر ایک روز ٹھہر گیا پھر کہا بخدا تیرے قریب نہیں آ ونگا دو ماہ پہلے دو مہینوں کے بعد یا کہا بخدا تیرے قریب نہ آ ونگا ایک دن کم سال بھر تک

اَوْ قَالَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لاَ اَدْخُلُ مَكَّةَ وَهِيَ فِي الْمَكَّةِ لاَ وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْصَوْمٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْعِتْقٍ اَوْطَلاَقٍ

یا بصرہ میں کہا بخدا مکہ میں داخل نہ ہونگا اور بیوی وہیں ہے تو یہ ایلاء نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی حج پر یا روزہ پر یا صدقہ پر یا آزادی پر یا طلاق پر

اَوْ اٰلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ فَهُوَ مُوْلٍ وَمِنَ الْمُبَانَةِ وَالْاَجْنَبِيَّةِ لاَ وَمُدَّةُ اِيْلاَءِ الْاَمَةِ شَهْرَيْنِ

یا ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو وہ ایلاء کرنے والا ہے اور طلاق بائن والی اور اجنبیہ عورت سے ایلاء نہ ہوگا اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں

وَاِنْ عَجَزَالْمُوْلِيْ عَنْ وَطْيِهَا بِمَرَضِهٖ اَوْبِمَرَضِهَا اَوْبِالرَّتْقِ اَوْ بِالصِّغْرِ اَوْ بُعْدِ مَسَافَةٍ

اور اگر عاجز ہوا ایلاء کرنے والا وطی کرنے سے اپنی یا بیوی کی بیماری یا شرمگاہ کے بند ہونے یا اسکے کم سن یا فاصلہ دراز پر ہونے کی وجہ سے

فَفَيْئُهٗ اَنْ يَّقُوْلَ فِئْتُ اِلَيْهَا وَاِنْ قَدَرَ فِي الْمُدَّةِ فَفَيْئُهٗ بِالْوَطْيِ

تو اس کے رجوع کی صورت یہ کہہ دینا ہے کہ میں نے اس سے رجوع کرلیا اور اگر مدت میں قادر ہوگیا تو رجوع صرف وطی سے ہوگا

اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ اِيْلاَءٌ اِنْ نَوَى التَّحْرِيْمَ اَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا وَظِهَارٌ اِنْ نَوَاهُ وَكَذِبٌ اِنْ نَوَى الْكَذِبَ

یہ کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہے ایلاء ہے اگر حرام کرنے کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی اور ظہار ہے اگر ظہار کی نیت کی اور جھوٹ ہے اگر جھوٹ کی نیت کی

وَبَائِنَةٌ اِنْ نَوَى الطَّلاَقَ وَثَلٰثٌ اِنْ نَوَاهُ وَفِي الْفَتَاوٰى اِذَا قَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ

اور طلاق بائن ہے اگر طلاق کی نیت کی اور تین طلاقیں ہیں اگر تین کی نیت کی اور فتاویٰ میں ہے کہ جب اپنی بیوی سے کہے

اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَالْحَرَامُ عِنْدَهٗ طَلاَقٌ وَلٰكِنْ لَمْ يَنْوِ الطَّلاَقَ وَقَعَ الطَّلاَقُ

کہ تو مجھ پر حرام ہے اور حرام اس کے نزدیک طلاق کے معنی میں ہے لیکن اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہوجائیگی۔

احکام ایلاء کی تفصیل

توضیح اللغۃ: فیٔ، رجوع، مکث، ٹھہر گیا، مولی: ایلاء سے اسم فاعل ہے، رتق، ہڈی وغیرہ کی وجہ سے رحم کا بند ہونا۔

تشریح الفقہ: قولہ وسقط الخ اگر کوئی شخص چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائے تو چار ماہ گزرنے کے بعد یمین ساقط ہوجائیگی اس واسطے کہ یمین ایک وقت خاص کے ساتھ موقت تھی پس جب وہ مدت گزر گئی تو یمین ساقط ہوجائے گی لیکن اگر یمین دائمی اور ابدی ہو تو صرف ایک مرتبہ عورت کے بائنہ ہونے سے یمین ساقط نہ ہوگی بلکہ باقی رہیگی پس اگر شوہر نے عدم قربت کی دائمی قسم کھائی اور مدت گزرنے پر عورت بائنہ ہوگئی پھر اس سے دوسری بار نکاح کیا اور بلا وطی چار ماہ گزر گئے تو دوسری بار طلاق واقع ہوجائیگی اور تیسری بار نکاح

کیا اور پھر چار ماہ بلا وطی گزر گئے تو تیسری بار طلاق بائن واقع ہو جائیگی اب اگر وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ وطی کرنے سے کفارہ لازم ہوگا کیونکہ یمین باقی ہے۔

قوله ولاایلاء الخ باتفاق ائمہ اربعہ ایلا کی مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلا نہ ہوگا لقوله تعالیٰ **"للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة شهر"** نیز حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ" چار ماہ سے کم میں ایلا نہیں ہے"۔

قوله ولومکث الخ یہاں تین مسئلے ہیں جن میں ایلا ثابت نہیں ہوتا (۱) ایک شخص نے کہا **واللّٰه لا اقربک شهرین** "یہ کہہ کر ایک روز خاموش رہا اس کے بعد اس نے کہا **واللّٰه لااقربک شهرین بعد الشهرین الاولین** تو ایلا ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہاں دونوں یمینوں کے چار مہینے ہوئے اور درمیان سے ایک دن توقف کا ساقط ہو گیا تو ایک دن کم چار ماہ باقی رہے حالانکہ مدت ایلا پورے چار ماہ ہیں۔ (۲) ایک شخص نے کہا **واللّٰه لا اقربک سنة الّا یوما** تو وہ مولی نہ ہوگا کیونکہ مولی اسے کہتے ہیں جس کو بلا لزوم شئی چار ماہ تک وطی کرنا ممکن نہ ہو اور یہاں کسی شئی کے لازم آئے بغیر اس کیلئے قربان ممکن ہے، اس واسطے کہ اس نے استثنا میں لفظ یوم نکرہ ذکر کیا ہے پس پورے سال میں جس دن کو چاہے مستثنیٰ قرار دے سکتا ہے (۳)۔ ایک شخص بصرہ میں مقیم ہے اور اس کی بیوی مکہ میں ہے اب وہ کہتا ہے کہ **واللّٰه لا ادخل مكة** تو وہ مولی نہ ہوگا کیونکہ عورت کو مکہ سے بلا کر وطی کرنا ممکن ہے۔

قوله ومن المبانة الخ مطلقہ بائنہ یا اجنبیہ کے ساتھ ایلا نہیں ہوتا کیونکہ آیت ایلا میں "ہم" ضمیر ہماری طرف راجع ہے اور عورت کو جب طلاق بائنہ ہوگئی تو وہ ہماری نہ رہی پس وہ محل ایلا نہیں ہے اور اجنبیہ کا مسئلہ تو بالکل ظاہر ہے۔

قوله وان عجز الخ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلا کر لیا پھر کسی وجہ سے وطی کرنے سے عاجز ہو گیا مثلاً اس وجہ سے کہ وہ خود بیمار ہے یا مقطوع الذکر ہے یا عنین ہے یا دار الحرب میں ناحق مقید ہے یا اس کے اور بیوی کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہے یا اس لئے کہ بیوی بیمار ہے یا اس کا رحم ہڈی وغیرہ ابھر آنے کی وجہ سے بند ہے یا وہ بہت چھوٹی ہے سو اس کے حق میں قولی رجوع کافی ہے مثلاً یہ کہہ دے **فئت الیها ، رجعت الیها ، راجعتها ، ابطلت ، ابلائها**، اس صورت سے ہمارے نزدیک ایلا ساقط ہو جائیگا البتہ حانث اس وقت ہوگا جب وطی کرے گا۔ اور اگر وہ مدت ایلا میں وطی پر قادر ہو جائے پھر تو رجوع وطی ہی سے ہوگا سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رجوع صرف جماع ہی سے ہو سکتا ہے ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے اور یہی امام طحاوی کے نزدیک مختار ہے یہی امام مالک و امام شافعی کا قول ہے۔ کیونکہ ایلا سے رجوع کرنا دو حکموں کو مستلزم ہے ایک وجوب کفارہ دوسرے انتفاء فرقت اور وجوب کفارہ میں قولی رجوع کا اعتبار نہیں تو حکم ثانی یعنی انتفاء فرقت میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر بوقت ایلا جماع کرنے سے عاجز ہے پس ایلا سے اس کا مقصد عورت کا حق روکنا نہیں ہے بلکہ صرف ایذا رسانی مقصود ہے تو جیسے اس نے زبان سے تکلیف پہنچائی ہے ایسے ہی زبان سے راضی کرے گا اور جب اس نے راضی کر لیا تو قصور ختم ہو گیا۔ **فلایجازی بالطلاق**۔

قوله انت علی حرام الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا **انت علی حرام** تو اس کی نیت دریافت کی جائیگی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا اگر کسی چیز کی نیت نہ ہو یا حرمت کی نیت ہو تو ایلا ہوگا کیونکہ حلال کی تحریم یمین ہوتی ہے قال تعالیٰ **لم تحرم ماحل اللّٰه لک، ثم قال قد فرض اللّٰه لکم تحلة ایمانکم**" اور اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہوگا شیخین کے نزدیک، امام محمد کے نزدیک ظہار نہ ہوگا کیونکہ ظہار میں محرمہ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے اور یہاں تشبیہ نہیں ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی ہے والمطلق یحتمل المقید اور اگر کذب مراد ہو تو کلام لغو ہوگا۔ اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ **انت علی حرام** کنایات میں سے ہے اور اگر تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہونگی کیونکہ **انت علی حرام** میں تین کی نیت کرنا درست ہے۔

بَابُ الْخُلَعِ

باب خلع کے بیان میں

هُوَ الْفَصْلُ مِنَ النِّكَاحِ وَالْوَاقِعُ بِهٖ وَبِالطَّلَاقِ عَلٰى مَالٍ طَلَاقٌ بَآئِنٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكُرِهَ لَهٗ

خلع نکاح سے جدا ہونا ہے خلع سے اور مال کے عوض طلاق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عورت پر مال لازم ہوجاتا ہے اور مکروہ ہے شوہر کو

اَخْذُ شَيْءٍ اِنْ نَشَزَ وَاِنْ نَشَزَتْ لَا وَمَاصَلَحَ مَهْرًا صَلَحَ بَدَلَ الْخُلْعِ فَاِنْ خَالَعَهَا

کچھ لینا اگر نشوز اس کی طرف سے ہو اور اگر عورت ناشزہ ہو تو مکروہ نہیں اور جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا عوض ہوسکتی ہے اگر عورت سے خلع کیا

اَوْطَلَّقَهَا بِخَمْرٍ اَوْخِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ وَقَعَ بَائِنٌ فِي الْخُلْعِ وَرَجْعِيٌّ فِيْ غَيْرِهٖ مَجَانًا كَخَالِعْنِيْ

یا اس کو طلاق دی شراب یا خنزیر یا مردار پر تو خلع کی صورت میں طلاق بائن اور غیر خلع میں رجعی واقع ہوگی مفت جیسے عورت کہے

عَلٰى مَافِيْ يَدِيْ وَلَاشَيْءَ فِيْ يَدِهَا وَاِنْ زَادَتْ مِنْ مَالٍ اَوْ مِنْ دَرَاهِمَ رَدَّتْ مِنْ مَّهْرِهَا

کہ مجھ سے خلع کرلے اس پر جو میرے ہاتھ میں ہے حالانکہ ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور اگر لفظ من مال یا من دراہم اور بڑھادے تو عورت یا تو اپنا مہر واپس کرے

اَوْثَلٰثَةَ دَرَاهِمَ وَاِنْ خَالَعَهَا عَلٰى عَبْدٍ اٰبِقٍ لَهَا عَلٰى اَنَّهَا بَرِيَّةٌ مِنْ ضِمَانِهٖ لَمْ تَبْرَءْ وَلَوْقَالَتْ

یا تین درہم دے اگر شوہر نے عورت کے بھگوڑے غلام پر خلع کیا اس شرط پر کہ عورت اس کے ضمان سے بری ہے تو بری نہ ہوگی عورت نے کہا

طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً لَهٗ ثُلُثُ الْاَلْفِ وَبَانَتْ

مجھے ہزار کے عوض میں تین طلاقیں دیدے شوہر نے ایک طلاق دی تو اس کے لئے ہزار کی تہائی ہوگی اور عورت بائنہ ہوجائیگی

وَفِيْ عَلٰى اَلْفٍ وَقَعَ رَجْعِيٌّ مَجَّانًا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ اَوْعَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً

اور علی الف کی صورت میں طلاق رجعی ہوگی مفت شوہر نے کہا تو اپنی ذات کو تین طلاقیں دے لے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے ایک طلاق دی

لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ فَقَبِلَتْ لَزِمَ وَ بَانَتْ

تو کچھ نہ پڑیگی تو طالق ہے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے قبول کرلیا تو ہزار لازم ہوں گے اور وہ بائنہ ہوجائیگی

اَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ اَلْفٌ اَوْ اَنْتِ حُرَّةٌ وَعَلَيْكِ اَلْفٌ طُلِّقَتْ وَعُتِقَ مَجَانًا

تو طالق ہے اور تجھ پر ہزار ہیں یا تو آزاد ہے اور تجھ پر ہزار ہیں تو طلاق اور آزادی مفت ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ایلا کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی مباح مگر خلع میں تعیین مال ایک شئی زائد ہے اس لئے اس کو ایلا سے مؤخر کررہا ہے خلع لغۃً مصدر ہے بمعنی اتارنا، یقال خلعت النعل میں نے جوتا اتار دیا۔ اصطلاح میں ازالہ ملک کو کہتے ہیں جو لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ ہو اس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے ملک نکاح کی قید سے نکاح فاسد میں خلع کرنا اسی طرح طلاق بائن اور مرتد ہونے کے بعد خلع کرنا خلع شرعی سے نکل گیا کیونکہ وہ عدم ملکیت کی وجہ سے لغو ہوتا ہے اگر شوہر بیوی سے بہ نیت طلاق یوں کہے خلعتک تو یہ طلاق بائن ہوگی نہ کہ خلع پس یہ قبولیت عورت کی قید سے خارج ہوگیا۔ کیونکہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں لفظ خلع کی قید سے طلاق بعوض مال خارج ہوگئی کیونکہ طلاق مذکورہ مسقط زوجیت نہیں ہے اور خلع کے ہم معنی الفاظ سے مبارات اور خلع بلفظ بیع وشرا داخل ہوگیا کیونکہ خلع کی طرح یہ بھی مسقط زوجیت ہیں۔ مصنف نے خلع کی تعریف ''ھو الفصل من النکاح'' کے ساتھ کی ہے اور ''ہم نے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسری تعریف اختیار کی ہے اس واسطے کہ مصنف کی تعریف طلاق بعوض مال سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ اس میں بھی فصل نکاح ہے حالانکہ یہ خلع نہیں اس لئے بعض شراح نے کہا ہے کہ یہ

تعریف نہیں بلکہ تفسیر ہے لکنه بعید، نیز صاحب بحر اور زیلعی نے اس عبارت کو ذکر ہی نہیں کیا ولعلها ساقطة عن مانقلا عنه۔

قوله فان خالعها الخ زید نے اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر پر یا مردار وغیرہ کے عوض خلع کیا یا طلاق دی۔ سو اگر اس نے لفظ خلع استعمال کیا ہو تو طلاق بائن ہوگی اور خلع کے علاوہ لفظ استعمال کیا ہو تو طلاق رجعی ہوگی اور بہر دو صورت بدل واجب نہ ہوگا کیونکہ اشیا مذکورہ مسلمان کے حق میں مال نہیں اور ان کے علاوہ دوسری چیز بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس کا التزام نہیں کیا گیا۔ پھر پہلی صورت میں طلاق بائن اس لئے ہوگی کہ ایقاع طلاق معلق بالقبول ہے جو یہاں موجود ہے اور عوض باطل ہو چکا تو لفظ خلع عامل رہا جو کنایات میں سے ہے اور کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے دوسری صورت میں طلاق رجعی کا ہونا ظاہر ہے کیونکہ عامل صریح لفظ طلاق ہے امام مالک واحمد کے یہاں طلاق رجعی ہوگی۔ امام زفر کے یہاں مہر دیا جائیگا اور امام شافعی کے یہاں مہر مثل۔

قوله کما لو لعنی الخ بلا بدل طلاق واقع نہ ہونے میں تشبیہ ہے یعنی ایک عورت نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لے حالانکہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو یہاں بھی طلاق بلا بدل ہوگی اس واسطے کہ عورت نے مال متعین نہیں کیا کیونکہ کلمہ ما مال وغیرہ سب کو شامل ہے ہاں اگر وہ لفظ من مال یا من دراہم اور ذکر کر دے تو من مال کی صورت میں عورت کو مہر واپس کرنا پڑیگا کیونکہ جب عورت نے مال کی تصریح کر دی تو شوہر بلا عوض اپنی ملکیت کے زوال پر راضی نہیں۔ اب یہاں ما وجب میں تین احتمال ہیں، مہر واجب ہو یا قیمت بضع یعنی مہر مثل یا مال مسمیٰ۔ مال مسمیٰ تو اس لئے واجب نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول ہے اور قیمت بضع اس لئے واجب نہیں ہو سکتی کہ خروج کی حالت میں بضع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پس مہر متعین ہو گیا۔ اور من دراہم کی صورت میں تین درہم دینے پڑیں گے کیونکہ دراہم جمع ہے اور جمع کا اطلاق۔ کم از کم تین پر ہوتا ہے سوال یہاں ایک یا دو درہم واجب ہونے چاہئیں کیونکہ من تبعیضیہ بھی تو ہو سکتا ہے جواب جہاں لفظ من کے بغیر کلام تام ہو جاتا ہو وہاں من بیانیہ ہوتا ہے نہ کہ تبعیضیہ جیسے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان"۔

قوله وان خالعها الخ عورت نے اپنے بھگوڑے غلام کے عوض خلع کیا اور ضمان سے بری ہونے کی شرط لگائی تو عورت بری الذمہ نہ ہوگی بلکہ اگر وہ غلام پر قادر ہو تو اس کو شوہر کے حوالہ کرنا لازم ہوگا ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ خلع عقد معاوضہ ہے جو سلامتی عوض کا مقتضی ہے اور برائت کی شرط فاسد ہے پس شرط باطل ہوگی اور خلع جائز ہوگا۔

قوله قالت طلقنی الخ عورت نے شوہر سے کہا مجھے ایک ہزار کے عوض میں تین طلاقیں دیدے شوہر نے ایک طلاق دیدی تو باء چونکہ اعواض پر داخل ہوتی ہے اور معوض پر منقسم ہوتی ہے اس لئے ہزار کی تہائی واجب ہوگی اور عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور اگر عورت نے باء کے بجائے کلمہ علیٰ استعمال کیا تو صاحبین کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ معاوضات میں باء اور علیٰ دونوں برابر ہیں لیکن امام صاحب کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ علیٰ شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ "قال تعالیٰ یبایعنک علیٰ ان لایشرکن" اور مشروط اجزائے شرط پر منقسم نہیں ہوتا پس مال واجب نہ ہوا لہٰذا طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت کے بجائے کلام مذکورہ کا قائل شوہر ہو اور عورت ایک طلاق دے تو کچھ واقع نہ ہوگا کیونکہ شوہر ایک ہزار سے کم کے عوض میں جدائی سے راضی نہیں بخلاف عورت کے کہ جب وہ ایک ہزار کے عوض میں جدائی سے راضی ہے تو اس سے کم میں بطریق اولیٰ راضی ہوگی۔

قوله انت طالق بالف الخ شوہر نے بیوی سے کہا تجھے ایک ہزار کے عوض میں ایک ہزار کی شرط پر طلاق ہے عورت نے قبول کر لیا تو ایک ہزار کا دینا لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی کیونکہ بالف کی صورت میں عقد معاوضہ ہے اور علیٰ الف کی صورت میں تعلیق ہے ہر دو صورت عوض ضروری ہے اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق وعلیک الف یا اپنے غلام سے کہا انت حر وعلیک الف تو بیوی اور غلام قبول کریں یا نہ کریں۔ امام صاحب کے نزدیک طلاق اور آزادی ہو جائیگی اور بدل واجب نہ ہوگا کیونکہ وعلیک الف مستقل جملہ ہے اس لئے ماقبل کے ساتھ بلا دلیل مربوط نہ ہوگا صاحبین، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک ان کے قبول کرنے پر م[illegible]دف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ وعلیک میں واؤ حالیہ ہے اور پورا ایک جملہ ہے۔

وَصَحَّ شَرْطُ الْخِيَارِ لَهَا فِي الْخُلْعِ لاَ لَهُ طَلَّقْتُکِ اَمْسِ بِاَلْفٍ فَلَمْ تَقْبَلِيْ وَقَالَتْ

اور صحیح ہے خیار شرط عورت کے لئے خلع میں نہ شوہر کے لئے میں نے تجھے کل ہزار کے عوض میں طلاق دی مگر تو نے قبول نہ کیا عورت نے کہا

قَبِلْتُ صُدِّقَ بِخِلاَفِ الْبَيْعِ وَيُسْقِطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَاةُ كُلَّ حَقٍّ لِكُلٍّ وَاحِدٍ عَلَى الْآخَرِ

میں نے قبول کرلیا تھا تو شوہر کی تصدیق ہوگی بخلاف بیع کے اور ساقط کردیتا ہے خلع اور مبارأت مرد و عورت کے ہر اس حق کو جو ایک کا دوسرے پر ہو

بِالنِّكَاحِ حَتّٰى لَوْخَالَعَهَا اَوْبَارَئَهَا بِمَالٍ مَعْلُوْمٍ كَانَ لِلزَّوْجِ مَاسُمِّيَتْ لَهُ

حقوق نکاح سے یہاں تک کہ اگر شوہر عورت سے خلع یا مبارأت کرے معین مال کے عوض تو شوہر کے لئے وہی ہوگا جو عورت نے ٹھہرایا ہے

وَلَمْ يَبْقَ لِاَحَدِهِمَا قِبَلَ صَاحِبِهٖ دَعْوٰى فِي الْمَهْرِ مَقْبُوْضًا كَانَ اَوْ غَيْرَ مَقْبُوْضٍ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا

اور کسی ایک کے لئے دوسرے پر دعوی مہر کا اختیار باقی نہ رہیگا مہر مقبوض ہو یا غیر مقبوض قبل از دخول ہو یا بعد از دخول

اَوْ بَعْدَهٗ فَاِنْ خَالَعَ الْاَبُ صَغِيْرَتَهٗ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا وَطُلِّقَتْ

اگر خلع کرے صغیرہ کا ولی اس کے شوہر سے صغیرہ کے مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا صغیرہ پر اور طلاق پڑجائیگی

وَلَوْ بِاَلْفٍ عَلٰى اَنَّهٗ ضَامِنٌ طُلِّقَتْ وَالْاَلْفُ عَلَيْهِ

اور اگر ہزار کے عوض خلع کرے اس شرط پر کہ وہ ضامن ہے تو طلاق پڑجائیگی اور ہزار ولی پر لازم ہونگے۔

بقیہ احکام خلع

تشریح الفقہ :قولہ وصح الخ اگر عقد خلع میں خیار شرط عورت کیلئے ہو تو امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے اور مرد کیلئے ہو تو صحیح نہیں صاحبین کے نزدیک دونوں کیلئے صحیح نہیں مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق بالف علی انک بالخیار ثلثہ ایام اور عورت نے اس کو قبول کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے اور اگر شوہر نے یوں کہا انت طالق بالف علی انی بالخیار تو صحیح نہیں، بر تقدیر صحت اگر عورت تین دن کے اندر اس کو رد کردے تو باطل ہوجائیگا اور رد نہ کرے تو طلاق ہوجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے پس طلاق بھی واقع ہوگی اور ہزار درہم بھی واجب ہونگے کیونکہ خیار انعقاد عقد کے بعد فسخ کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یہاں زوجین کے تصرفات یعنی ایجاب و قبول میں فسخ کا احتمال نہیں کیونکہ خلع مرد کی جانب سے یمین ہوتا ہے اور عورت کی جانب سے شرط اور یمین و شرط میں فسخ کا احتمال نہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کی جانب سے خلع بیع کے درجہ میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر عورت رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرنا صحیح ہے اس واسطے خلع میں عورت کیلئے خیار شرط صحیح ہے۔

قولہ طلقتک امس الخ شوہر نے بیوی سے کہا: میں نے کل تجھے ایک ہزار کے عوض میں طلاق دی مگر تو نے ہزار درہم دینا قبول نہ کیا، عورت نے کہا میں نے تو قبول کرلیا تھا تو اس صورت میں شوہر کی تصدیق کی جائیگی بخلاف بیع کے کہ اگر غلام کا مالک کسی سے یہ کہے کہ میں نے اس غلام کو کل تیرے ہاتھ ایک ہزار کے عوض میں فروخت کیا مگر تو نے قبول نہ کیا مشتری نے کہا میں نے قبول کرلیا تھا تو یہاں مشتری کی تصدیق کی جائیگی وجہ فرق یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے طلاق بالمال تعلیق ہوتی ہے اور طلاق کی تعلیق بیوی کے قبول کرنے پر موقوف نہیں پس بیوی شوہر کے حانث ہونے کی مدعی ہوئی اور شوہر منکر ہوا اس لئے شوہر کا قول معتبر ہوگا اور بیع کا اقرار کرلینا بعینہ قبولیت کا اقرار کرلینا ہے پس اقرار بیع کے بعد قبولیت سے انکار کرنا گویا بیع کا انکار ہے اس لئے بائع کا قول مسموع نہ ہوگا۔

قولہ ویسقط الخ مبارات مفاعلۃ کا مصدر ہے یقال بارئ الرجل امراتہ ہر ایک کا دوسرے سے بری ہونا یہاں اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی نے شوہر سے کہا مجھے اتنے مال پر بری کردے شوہر کہے کہ میں نے تجھے بری کردیا خلع اور مبارات زوجین میں سے ہر ایک کے ان

حقوق کو ساقط کر دیتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہوں جیسے مہر، نان، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ، نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کے بعد خلع یا مبارات ہو۔ سو اگر عورت کو طلاق بائن دے کر پھر دوبارہ نکاح کیا اور دوسرا مہر مقرر ہوا پھر عورت نے خلع کی خواہش ظاہر کی تو شوہر نکاح ثانی کے مہر سے بری ہوگا نہ کہ نکاح اول کے مہر سے نکاح سے متعلقہ حقوق کی قید سے دین خارج ہو گیا کہ خلع سے زوجین میں سے کسی کا قرض ساقط نہیں ہوتا امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلع اور مبارات سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جو زوجین کے مقرر کردہ ہوں ان کے علاوہ اور حقوق ساقط نہیں ہوتے امام ابو یوسف مسئلہ خلع میں، امام محمد کے ساتھ ہیں اور مسئلہ مبارات میں امام صاحب کے ساتھ۔ امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ خلع عقد معاوضہ ہے جس کی تاثیر صرف استحقاق مشروط میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے پر قرض ہو تو وہ ساقط نہیں ہوتا امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ مبارات گو مطلقاً جانبین سے براءت چاہتی ہے لیکن یہاں حقوق نکاح کے ساتھ مقید کیا جائیگا کیونکہ مبارات سے زوجین کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جو حقوق معاشرت کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں ان سے بری ہوں ان حقوق سے براءت مقصود نہیں ہوتی جو معاملہ کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مبارات کی طرح خلع بھی جانبین سے براءت چاہتا ہے کیونکہ خلع بمعنی فصل ہے اور فصل وجدائی کا تحقق اسی وقت ہوگا جب زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہے ورنہ منازعت پیش آئیگی۔

فائدہ: اس مسئلہ کی سولہ صورتیں ہیں کیونکہ بدل یا تو معین ہوگا یا غیر معین۔ معین ہو تو مہر ہوگا یا کوئی اور مال۔ مہر ہر تو کل معین ہوگا یا بعض۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو قسمیں ہیں قبل از دخول ہوگا یا بعد از دخول پھر مہر مقبوض ہوگا یا غیر مقبوض یہ تمام اقسام مع احکام، اس نقشہ سے معلوم کرو۔

عوض خلع
معین ہوگا — یا غیر معین
مہر ہوگا — یا غیر مہر
کل معین ہوگا — یا بعض بان خالعہا علی عشر مہرہا والمہر الف مثلاً
خلع قبل از دخول ہوگا — یا بعد از دخول
قبل از دخول ہوگا — یا بعد از دخول
مقبوض ہوگا — یا غیر مقبوض
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶

بری کل منہما عن حق الاخر مما لزم فی النکاح فی الصحیح
لہا المسمی ویسقط عنہ المہر بحکم الخلع۔
لہا المسمی لا غیر۔
لہا المسمی بالشرط ویسقط عنہ المہر بحکم الخلع۔
لہا المسمی بالشرط ویسلم لہا ما قبضت ولا یجب علیہا رد شیء منہ۔
یسقط الکل
یرجع علیہا بجمیعہ
لا یرجع علیہا بشیء استحساناً۔
یرجع علیہا بمأۃ درہم ویسقط کل المہر مأۃ بالشرط والباقی بحکم الخلع۔
سقط عنہ کلہ استحساناً العشر بالشرط والنصف بالطلاق قبل الدخول والباقی بحکم الخلع۔
یرجع علیہا بالمقبوض فقط استحساناً، یرجع علیہا بخمسین درہماً استحساناً لان ذلک عشر مہرہا قبل الدخول وبرئت عن الباقی بحکم لفظ الخلع۔

بَابُ الظِّهَارِ

باب ظہار کے بیان میں

هُوَ تَشْبِيهُ الْمَنْكُوحَةِ بِمُحَرَّمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّابِيدِ حَرُمَ الْوَطْئُ وَدَوَاعِيهِ بِاَنْتِ عَلَيَّ

ظہار تشبیہ دینا ہے بیوی کو ایسی عورت کیساتھ جو اس پر حرام ہو ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے شوہر پر وطی اور اس کے اسباب اس قول سے کہ تو مجھ پر

كَظَهْرِ اُمِّيْ حَتّٰى يُكَفِّرَ فَلَوْ وَطِئَ قَبْلَهٗ اِسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ فَقَطْ وَعَوْدُهٗ عَزْمُهٗ عَلَى وَطْيِهَا

مثل میری ماں کی پشت کے ہے یہاں تک کہ کفارہ دے اگر کفارہ سے قبل وطی کر لی تو صرف استغفار کرے اور عود سے مراد شوہر کا عزم وطی ہے

وَبَطْنُهَا وَفَخِذُهَا وَفَرْجُهَا كَظَهْرِهَا وَاُخْتُهٗ وَعَمَّتُهٗ وَاُمُّهٗ رِضَاعًا كَاُمِّهٖ

عورت کا پیٹ اس کی ران اور شرمگاہ اسکی پیٹھ کے حکم میں ہے شوہر کی بہن اس کی پھوپی اور رضاعی ماں حقیقی ماں کے حکم میں ہے

وَرَأْسُكِ وَفَرْجُكِ وَوَجْهُكِ وَرَقَبَتُكِ وَنِصْفُكِ وَثُلُثُكِ كَاَنْتِ وَاِنْ نَوٰى بِاَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ بِرًّا

عورت کو یہ کہنا کہ تیرا سر تیری شرمگاہ تیرا چہرہ تیری گردن تیرا نصف تیری تہائی ایسا ہے جیسے کوئی انت کہے اگر کوئی انت علی مثل امی سے اچھے سلوک

اَوْظِهَارًا اَوْطَلَاقًا فَكَمَا نَوٰى وَاِلَّا لَغَا وَبِاَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّيْ ظِهَارًا اَوْطَلَاقًا فَكَمَا نَوٰى

یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو نیت کے مطابق ہوگا ورنہ لغو ہوگا اور انت علی حرام کامی سے ظہار یا طلاق کی نیت کرے تب بھی نیت کے مطابق ہوگا

وَبِاَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّيْ وَنَوٰى طَلَاقًا اَوْ اِيْلَاءً فَظِهَارٌ وَلَاظِهَارَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِهٖ

اور انت علی حرام کظہر امی سے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور ظہار نہیں ہوتا مگر اپنی بیوی سے

فَلَوْ نَكَحَ اِمْرَأَةً بِلَا اَمْرِهَا فَظَاهَرَ مِنْهَا فَاَجَازَتْ بَطَلَ

پس اگر نکاح کیا کسی عورت سے اس کے حکم کے بغیر پھر اس سے ظہار کیا اور اس کے بعد عورت نے نکاح کو جائز کیا تو ظہار باطل ہوگا

اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ ظِهَارٌ مِنْهُنَّ وَكَفَّرَ لِكُلٍّ

تم سب مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہو یہ سب سے ظہار ہے اور ہر ایک کیلئے کفارہ دینا ہوگا۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** خلع کے ساتھ ظہار کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا ظہور بطریق نشوز ہوتا ہے خلع میں نشوز عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور ظہار میں مرد کی جانب سے۔ ظہار چونکہ کذب محض ہوتا ہے اور خلع میں یہ بات نہیں ہے اس لئے مصنف نے ظہار کو خلع سے مؤخر کیا ہے اور لعان پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ظہار لعان کی بہ نسبت اباحت سے قریب تر ہے اس واسطے کہ سبب لعان یعنی تہمت زنا کسی اجنبیہ کی طرف منسوب کر دینا موجب حد ہے اور موجب حد بلا شائبہ اباحت محض معصیت ہے۔

قولہ ہو تشبیہ الخ ظہار لغت کے اعتبار سے مصدر ہے یقال ظاہر، بین الثوبین ظہاراً، اوپر نیچے کپڑے پہننا، نیز اہل عرب ظاہر امراتہ، اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ (صحاح، مغرب) یہ اظہار حرمت کا ایک لطیف استعارہ ہے اور لفظ ظہر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سواری کی پشت موضع رکوب ہوتی ہے اور جماع کے وقت عورت بھی مرکوبہ ہوتی ہے پس رکوب ام رکوب دابہ سے مستعار ہے پھر رکوب زوجہ کو رکوب ام سے تشبیہ دیدی گئی فکانہ قال رکوبک للنکاح حرام علی (مصباح) اصطلاح شرع میں ظہار اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو منکوحہ کی قید سے باندی نکل گئی کہ باندی کے ساتھ ظہار صحیح نہیں محرمہ کی قید سے غیر محرمہ نکل گئی کیونکہ کسی حلال عورت کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار نہیں ہوتا علی التابید کی قید سے سالی اور مطلقہ ثلاث نکل گئی کیونکہ یہ گو حرام ہیں لیکن ان کی حرمت مؤبدہ نہیں مؤقتہ ہے۔

قولہ حرم الخ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے ''انت علی کظھر امی'' تو وہ مظاہر ہو گیا اب جب تک ظہار کا کفارہ نہیں دے گا اس وقت تک اس پر بیوی کے ساتھ وطی ودواعی وطی یعنی بوس وکنار وغیرہ سب حرام ہیں لقولہ تعالیٰ والذین یظاھرون من نسائھم الخ امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ دواعی وطی حرام نہیں کیونکہ حرمت کا ثبوت آیت مذکور سے ہے اور آیت میں تماس جماع سے کنایہ ہے جواب یہ ہے کہ تماس کے حقیقی معنی مس بالید کے ہیں اور جب حقیقت کا امکان ہے تو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ اگر مظاہر سفر سے واپس آئے تو وہ بلاشہوت (از راہ شفقت ومہربانی) بوسہ لے سکتا ہے بحر الرائق میں ہے کہ روایت میں سفر کی قید تحریف ہے کیونکہ بلاشہوت بوسہ لینا سفر وحضر دونوں میں درست ہے۔

قولہ وفلو وطی الخ اگر مظاہر کفارہ ظہار دینے سے پہلے وطی کرلے تو اس کو چاہئے کہ توبہ واستغفار کرے اور ظہار کا صرف ایک کفارہ ادا کرے کیونکہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کے بعد ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کرلی آنحضرت صلعم نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ چاندنی روشنی میں اس کی پازیب کی چمک دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا آپ نے فرمایا کفارہ ادا کرنے تک اس سے علیحدہ رہ[1] مؤطا مالک میں ''یکف عنھا حتی یستغفر اللّٰہ ویکفر'' کے الفاظ بھی موجود ہیں حضرت سعید بن جبیر دو کفاروں کے اور ابراہیم نخعی تین کفاروں کے قائل ہیں مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ و عودہ الخ یعنی آیت ظہار میں عود سے مراد مظاہر کا مظاہر منہا کے ساتھ وطی کا عزم وارادہ ہے مصنف اس عبارت سے وجوب کفارہ کا سبب بیان کررہا ہے سبب وجوب کفارہ کیا ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں نمبر ا سبب وجوب مجموعہ ظہار وعود ہے اکثر علماء کی رائے یہی ہے کیونکہ آیت میں فاسبیہ سے قبل یہی مذکور ہے نیز کفارہ عقوبت اور عبادت کے درمیان دائر ہے پس اس کے سبب کا خطر واباحت کے درمیان دائر ہونا ضروری ہے سو عقوبت کا تعلق محظور یعنی ظہار کے ساتھ ہے اور عبادت کا تعلق مباح یعنی عزم وطی کے ساتھ ہے۔ نمبر۲ ظہار سبب ہے اور عود شرط ہے۔ نمبر۳ اس کا عکس ہے۔ نمبر۴۔ ان میں سے ہر ایک سبب بھی ہے اور شرط بھی۔

قولہ والا لغاالخ اگر کوئی شخص انت علی مثل امی کہہ کر کرامت وبزرگی، ظہار وطلاق کسی کا ایک بھی ارادہ نہ کرے تو شیخین کے نزدیک کلام لغو ہو گا امام محمد کے نزدیک ظہار ہو گا کیونکہ جب ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو کل کے ساتھ بطریق اولیٰ ظہار ہو گا۔

قولہ وبانت علی حرام الخ اگر کوئی شخص انت علی حرام کظھر امی سے طلاق یا ایلاً کا ارادہ کرے تو امام صاحب کے نزدیک طلاق وایلاء نہ ہو گا بلکہ ظہار ہی ہو گا صاحبین کے نزدیک نیت کا اعتبار ہے کیونکہ کلام میں ان سب کا احتمال ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ کلام مذکور ظہار میں صریح ہے لہٰذا اسمیں نیت بھی کوئی عمل نہیں کرسکتی رہا لفظ حرام سو یہ مقتضی لفظ کی تاکید ہے نہ کہ تغییر۔

قولہ ولا ظہار الخ ہمارے نزدیک ظہار صرف اپنی بیوی سے ہو سکتا ہے باندی، ام ولد، مکاتبہ سے ظہار صحیح نہیں امام مالک کے یہاں صحیح ہے مگر آیت ظہار ان پر حجت ہے۔ کیونکہ عرف میں نساء رجل اس کی زوجات ہی کو کہتے ہیں نہ کہ باندی وغیرہ کو اگر کسی نے عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کرلیا اس کے بعد عورت نے نکاح جائز کیا تو ظہار باطل ہو جائیگا کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا ہے اس وقت وہ اس کی زوجہ نہیں تھی پس رکن ظہار یعنی تشبیہ محللہ بالمحرمہ نہیں پایا گیا۔

قولہ انتن الخ ایک شخص کے نکاح میں چند بیویاں تھیں اس نے سب سے کہا انتن علی کظھر امی تو یہ سب سے ظہار ہو گیا اور ہر ایک کا کفارہ دینا ہو گا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایک کفارہ کافی ہے یہ حضرات ایلاء پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرونگا پھر کسی ایک سے صحبت کرلے تو ایک کفارہ دینے سے سب عورتیں حلال ہو جائیں گی ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میں حرمت ثابت ہے اور کفارہ حرمت ہی ختم کرنے کیلئے ہے تو جب حرمت متعدد ہے تو کفارہ بھی متعدد ہو گا بخلاف ایلاً کے کہ اس میں کفارہ کا وجوب حرمت اسم باری عزاسمہ کی حفاظت کیلئے ہے اور وہ متعدد نہیں ہے۔

(۱)... ائمہ اربعہ، عبدالرزاق، حاکم عن ابن عباس ۱۲

فصل وَهُوَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ وَلَمْ يَجْزِ الْاَعْمٰى وَمَقْطُوْعُ الْيَدَيْنِ اَوْاِبْهَامَيْهِمَا اَوِ الرِّجْلَيْنِ وَالْمَجْنُوْنُ وَالْمُدَبَّرُ

(فصل) کفارۂ ظہار آزاد کرنا ہے ایک غلام کو اور نہیں جائز ہے نابینا اور دونوں ہاتھ یا دونوں انگوٹھے یا دونوں پاؤں کٹا ہوا اور دیوانہ اور مدبر اور

وَاُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِىْ اَدّٰى شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يُؤَدِّ شَيْئًا اَوِ اشْتَرٰى قَرِيْبَهٗ نَاوِيًا بِالشِّرَآءِ الْكَفَّارَةَ اَوْحَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهٖ

ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کچھ ادا کر دیا ہو اور اگر کچھ ادا نہ کیا ہو یا کسی نے اپنے قریبی رشتہ دار کو بہ نیت کفارہ خریدا یا اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے

عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا صَحَّ وَاِنْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرِكٍ وَضَمِنَ بَاقِيَهٗ

آزاد کیا پھر نصف باقی کو بھی کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا تو صحیح ہے اور اگر مشترک غلام کے نصف کو آزاد کیا اور باقی کا ضامن ہو گیا

اَوْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهٖ ثُمَّ وَطِئَ الَّتِىْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهٗ لَا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ مَايُعْتِقُ

یا اپنا نصف غلام آزاد کیا پھر وطی کر لی اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا پھر باقی کو آزاد کیا تو صحیح نہیں پس اگر نہ پائے غلام جس کو آزاد کرے

صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا رَمَضَانُ وَاَيَّامٌ مَنْهِيَّةٌ فَاِنْ وَطِئَهَا فِيْهِمَا لَيْلًا عَامِدًا اَوْيَوْمًا نَاسِيًا اَوْاَفْطَرَ اِسْتَانَفَ

تو دوماہ پے بہ پے روزے رکھے جن میں رمضان اور ایام منہیہ نہ ہوں اگر ان دوماہ میں رات کو یا دن کو بھول کر وطی کر لی یا روزہ افطار کر لیا تو ازسر نو

الصَّوْمَ وَلَمْ يَجُزْ لِلْعَبْدِ اِلَّا الصَّوْمُ وَاِنْ اَطْعَمَ اَوْاَعْتَقَ عَنْهُ سَيِّدُهٗ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الصَّوْمَ

رکھے اور نہیں جائز ہے غلام کے لئے مگر روزہ اگر چہ کھلائے یا آزاد کرے اس کی طرف سے اس کا آقا پس اگر وہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو

اَطْعَمَ سِتِّيْنَ فَقِيْرًا كَالْفِطْرَةِ اَوْقِيْمَتَهٗ فَلَوْ اَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُّطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهٖ فَفَعَلَ

تو ساٹھ مسکینوں کو کھلائے فطرہ کی طرح یا اس کی قیمت دے اگر کسی دوسرے کو اپنے کفارہ کی طرف سے کھلانے کا حکم کیا اور اس نے کھلا دیا

صَحَّ وَتَصِحُّ الْاِبَاحَةُ فِى الْكَفَّارَاتِ وَالْفِدْيَةِ دُوْنَ الصَّدَقَاتِ وَالْعُشْرِ

تب بھی کافی ہے اور صحیح ہے اباحت کفارات میں اور فدیہ میں نہ کہ صدقات اور عشر میں۔

کفارۂ ظہار کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وھو الخ ہو کا مرجع بتاویل تکفیر کفارہ ہے یعنی کفارہ ظہار ایک غلام آزاد کرنا ہے جس میں ہمارے نزدیک مسلم وکافر صغیر وکبیر مذکر ومؤنث سب برابر ہیں ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ کفارہ اللہ کا حق ہے پس اس کو اللہ کے دشمن پر صرف کرنا صحیح نہ ہوگا جیسے کافر پر مال زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ رقبہ مطلق ہے جس کا مصداق وہ ذات ہے جو ہر اعتبار سے مملوک ہو اور یہ چیز رقبہ کافرہ میں موجود ہے پس ایمان کی قید لگانا زیادتی علی الکتاب ہے جو جائز نہیں رہا کفارہ کا حق اللہ ہونا سو آزاد کرنے سے معتق کا مقصد یہ ہے کہ معتق اپنے آقا کی خدمات سے سبکدوش ہو کر مولیٰ حقیقی کی اطاعت میں لگ جائے اب اگر وہ اپنے کفر ہی پر ثابت رہتا ہے تو یہ اس کے سوء اعتقاد پر محمول ہوگا۔

قولہ ولم یجز الخ کفارہ میں ایسے غلام کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا جس کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہو جیسے نابینا جس کو بالکل نہ دیکھتا ہو یا اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں وغیرہ نیز مدبر، ام ولد اور مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ مال ادا کر دیا ہو اس کو آزاد کرنا بھی کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ من وجہ آزادی کے مستحق ہو چکے پس ان میں تحریر رقبہ کاملہ مفقود ہے۔

قولہ فان لم یؤد الخ یہاں سے ''صح'' تک تین مسئلے مذکور ہیں نمبر ا۔ کفارہ ظہار میں مکاتب غلام کو آزاد کیا جس نے ہنوز بدل کتابت ادا نہیں کیا تھا تو یہ ہمارے نزدیک صحیح ہے امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ وہ عقد کتابت کی وجہ سے حریت کا مستحق ہو چکا ہم یہ کہتے ہیں کہ محل رقت اور محل ملکیت دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ محل ملک ... سے عام ہے چنانچہ ملکیت آدمی کے علاوہ دیگر

اشیاء میں بھی مستحق ہوسکتی ہے لیکن رقیت مستحق نہیں ہوسکتی نیز بیع کے ذریعہ ملکیت زائل ہوجاتی ہے رقیت زائل نہیں ہوتی اور کتابت کی وجہ سے مکاتب کی ملکیت میں نقصان آتا ہے نہ کہ رقیت میں چنانچہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ جب تک مکاتب پر بدل کتابت کی کوئی چیز باقی رہے اس وقت تک وہ غلام ہی رہتا ہے۔ (۱) پس مکاتب کو آزاد کردینا ہے۔ نمبر۲۔ ایک شخص نے اپنے قریبی رشتہ دار (باپ بیٹے وغیرہ) کو ادائیگی کفارہ کی نیت سے خریدا تو کفارہ ادا ہوجائیگا کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے ''لن یجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ'' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔ نمبر۳۔ ایک شخص نے کفارہ میں نصف غلام آزاد کیا پھر وطی کرنے سے پہلے نصف باقی کو بھی کفارہ میں آزاد کردیا تو کفارہ ادا ہوجائیگا کیونکہ آزادی گو دو غلاموں کے ساتھ پائی گئی تاہم رقبہ کاملہ کا اعتاق پایا گیا لہٰذا کفارہ ادا ہوجائے گا۔

قولہ وان حرر الخ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک نے اپنا حصہ کفارہ میں آزاد کردیا اور باقی کی قیمت کا شریک کیلئے ضامن ہوگیا یا اپنا نصف غلام آزاد کیا اور باقی نصف آزاد کرنے سے پہلے مظاہر منہا سے وطی کرلی اس کے بعد نصف باقی کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا پہلی صورت میں تو اس لئے کہ نصف آخر کی مملوکیت میں نقصان اور استدامت رقیت میں فرق آگیا کیونکہ اب اس کا دوسرا مالک اس کو فروخت نہیں کرسکتا پس رقبہ کاملہ کا اعتاق نہ پایا گیا دوسری صورت میں اس لئے کہ رقبہ کا اعتاق وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اور یہاں قبل از وطی نصف آزاد کیا ہے۔

قولہ فان لم یجد الخ اگر مظاہر غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ روزے رکھے، کیونکہ آیت، **فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین** میں پے درپے ہونے کی شرط ہے اور یہ دو مہینے ایسے ہوں جن کے درمیان ماہ رمضان نہ ہو کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ ادا نہیں ہوتا اگر کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے گا تب بھی رمضان ہی کا ہوگا نیز ایام منہیہ یعنی ایام عیدین وایام تشریق بھی نہ ہوں کیونکہ اس کے ذمہ کامل روزے واجب ہوئے ہیں اور ان ایام میں منہی عنہ ہونے کی وجہ سے روزہ ناقص ہوتا ہے۔

قولہ فان وطیہا الخ اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا جان بوجھ کر مظاہر منہا سے وطی کرلی یا کسی عذر، مرض یا سفر کی وجہ سے افطار کرلیا تو طرفین کے نزدیک از سرنو روزے رکھنے پڑیں گے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر رات میں وطی کی تو استیناف کی ضرورت نہیں کیونکہ رات میں وطی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ پس روزوں کی ترتیب علی حالہ باقی رہی نیز روزوں کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر استیناف ضروری قرار دیا جائے تو کل روزوں کا مؤخر ہونا لازم آتا ہے اور عدم استیناف کی صورت میں بعض روزوں کی تاخیر لازم آتی ہے اس لئے عدم استیناف بہتر ہوگا طرفین یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نصاً شرط ہے اسی طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے۔ اب اگر شرط تقدیم فوت ہوگئی تو کم از کم شرط ثانی کی تعمیل ہونی چاہئے۔

تنبیہ: ابن مالک نے شرح مجمع میں اور قہستانی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ رات میں جان بوجھ کر وطی کرنا کفارہ کیلئے مضر ہے اور سہواً وطی کرنا مضر نہیں یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ کتب معتمدہ بدائع، مختار، اختیار، غایہ، عنایہ، بحر، تحفہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ عمد ونسیان دونوں برابر ہیں اور نظم مبسوط، ہدایہ، کافی، قدوری، مضمرات، زاہدی، نتف وغیرہ میں جو عمد کی قید ہے وہ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

قولہ وتصح الاباحۃ الخ جواز وعدم جواز اباحت کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی مشروعیت لفظ اطعام یا لفظ طعام کے ساتھ ہو اس میں اباحت جائز ہے جیسے کفارہ ظہار، کفارہ یمین، کفارہ افطار، کفارہ صید، فدیہ اور جس کی مشروعیت لفظ ایتا یا لفظ ادا کے ساتھ ہے اس میں تملیک شرط ہے اباحت کافی نہیں جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقہ، فطر۔

---

(۱)۔۔ ابوداؤد عن عمرو بن شعیب ۱۲

وَالشَّرْطُ غَدَاءَ انِ مُشْبِعَانِ اَوْغَدَاءٌ وَعَشَاءٌ وَاِنْ اَعْطٰى فَقِيْرًا وَاحِدًا شَهْرَيْنِ صَحَّ

اور شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو پیٹ بھر کر دو صبح یا دو شام یا ایک صبح اور ایک شام کھانا کھلائے اور اگر دیتا رہا ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک تو صحیح ہے

وَلَوْ فِيْ يَوْمٍ لاَ اِلاَّ عَنْ يَوْمِهٖ وَلاَ يَسْتَانِفُ لَوْ وَطِيَهَا فِيْ خِلاَلِ الْاِطْعَامِ وَلَوْ اَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ

لیکن ایک دن میں پوری مقدار دینا صحیح نہیں مگر اسی دن کی طرف سے اور از سر نو نہ کھلائے کھلانے کے درمیان وطی کرنے سے اگر کھلایا دو ظہاروں کی

سِتِّيْنَ فَقِيْرًا لِكُلِّ فَقِيْرٍ صَاعًا صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ اِفْطَارٍ وَظِهَارٍ اَوْحَرَّرَ عَبْدَيْنِ

طرف سے ساٹھ فقیروں میں سے ہر ایک کو ایک صاع تو ایک ظہار کی طرف سے ہوگا اور اگر کفارہ افطار و کفارہ ظہار کی طرف سے کھلایا یا دو غلام

عَنْ ظِهَارَيْنِ وَلَمْ يُعَيِّنْ اَحَدَهُمَا صَحَّ عَنْهُمَا وَمِثْلُهُ الصَّوْمُ وَالْاِطْعَامُ وَاِنْ حَرَّرَ عَنْهُمَا

دو ظہاروں کی طرف سے آزاد کئے اور معین نہ کیا تو دونوں کی طرف سے ہو جائیگا یہی حکم روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے کا ہے اور اگر دونوں کی طرف سے

رَقَبَةً اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ لاَ

ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک کفارہ ادا ہوگا اور اگر کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کی طرف سے ہو تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ :قولہ وان اعطی الخ ہر روز نئے فقیر کو کھلانا ضروری نہیں اگر ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک کھلاتا رہا تب بھی کفارہ ادا ہو جائیگا امام شافعی کے یہاں متفرق ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے کیونکہ آیت میں ستین سکینا کی تصریح ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ اطعام کا مقصد محتاج کی حاجت کو رفع کرنا ہے اور حاجت میں ہر روز تجدید ہے یعنی ہر روز آدمی کھانے کا محتاج ہے پس ہر دن ایک ہی فقیر کو کھلانا ایسا ہے جیسے ہر روز ایک نئے فقیر کو کھلانا، ہاں اگر ایک فقیر کو ایک ہی دن میں تیس صاع غلہ دیدیا تو جائز نہ ہوگا بلکہ صرف ایک ہی دن کا کفارہ ادا ہوگا کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً تجدد ہے نہ حکماً۔

قولہ ولو اطعم الخ ایک شخص نے دو کفاروں کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو یکبارگی ایک ایک صاع گیہوں دیئے تو اس طرح صرف ایک کفارہ ادا ہوگا کیونکہ دو کفاروں میں ایک سو بیس مسکینوں کو کھلانا ضروری تھا اب اس نے مقدار میں تو اضافہ کر دیا کہ بجائے نصف صاع کے ایک ایک صاع دیا لیکن عدد میں کمی کر دی یعنی بجائے ایک سو بیس کے صرف ساٹھ کو دیا حالانکہ عدد میں کمی کرنا جائز نہیں۔ نیز اتحاد جنس کی صورت میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اس لحاظ سے دو کفاروں کی نیت کرنا لغو ہوا اور مطلق ظہار کی نیت باقی رہی اور اس نے جو مقدار ادا کی ہے وہ ایک ظہار کی کفارہ بن سکتی ہے لہٰذا ایک کفارہ ادا ہو جائیگا رہا یہ سوال کہ اس نے ہر ایک کو نصف صاع کے بجائے ایک صاع دیا ہے سو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ نصف صاع کی مقدار جو مقرر کی گئی ہے وہ اس لئے نہیں کہ نصف صاع سے زائد جائز نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ نصف صاع سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

قولہ وعن افطار الخ اور اگر کفارہ ظہار و کفارہ افطار کی نیت سے ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو یکبارگی ایک ایک صاع دیا تو دونوں کی طرف سے ہو جائیگا کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں نیت معتبر ہے۔ اور ظہار کے دو کفاروں کی طرف سے دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک کو متعین نہیں کیا یا چار ماہ روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا اور تعیین نہیں کی تب بھی جائز ہے کیونکہ جنس متحد ہے اس لئے نیت تعیین کی ضرورت نہیں۔

قولہ وان حرر عنہا الخ اور اگر دو ظہاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو یہ ایک ظہار کی طرف سے صحیح ہوگا اب مظاہر کو اختیار ہے جس ایک کی طرف سے چاہے کفارہ قرار دے لے اور اگر کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا تو کسی ایک کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ غلام کافر ہو کہ وہ کفارہ ظہار کی طرف سے ہو جائیگا کیونکہ کفارہ قتل میں کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں پس وہ کفارہ ظہار کیلئے متعین ہو جائیگا۔

بَابُ اللِّعَانِ

باب لعان کے بیان میں

هِیَ شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْاَيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ وَالْغَضَبِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِیْ حَقِّهٖ وَمَقَامَ حَدِّ الزِّنَا

لعان چند گواہیاں ہیں جو مؤکد ہوتی ہیں قسموں کے ساتھ مشتمل ہوتی ہیں لعنت پر قائم مقام ہوتا ہے لعان حد قذف کے مرد کے حق میں اور حد زنا کے

فِیْ حَقِّهَا فَلَوْ قَذَفَ زَوْجَتَهٗ بِالزِّنَا وَصَلُحَا شَاهِدَيْنِ وَهِیَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا

عورت کے حق میں پس اگر تہمت لگائی اپنی بیوی کو زنا کی اور مرد و عورت گواہی کے لائق ہوں اور عورت ان میں سے جس کے تہمت لگانے والے کو

اَوْ نَفٰی نَسَبَ الْوَلَدِ وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ وَجَبَ اللِّعَانُ فَاِنْ اَبٰی حُبِسَ حَتّٰی يُلَاعِنَ

سزا ملتی ہو یا نفی کر دی بچہ کے نسب کی اور عورت مطالبہ کرے تہمت کی سزا کا تو لعان واجب ہوگا اگر شوہر انکار کرے تو اس کو قید کیا جائیگا یہاں تک کہ

اَوْ يُكَذِّبَ فَيُحَدُّ فَاِنْ لَاعَنَ وَجَبَ اللِّعَانُ عَلَيْهَا

لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پس اس کو سزا دی جائے پس اگر مرد لعان کرے تو عورت پر بھی واجب ہے

فَاِنْ اَبَتْ حُبِسَتْ حَتّٰی تُلَاعِنَ اَوْ تُصَدِّقَهٗ

اگر وہ انکار کرے تو قید کیجائیگی یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

تشریح الفقہ :قولہ ھی الخ لعان لغۃً مفاعلت کا مصدر ہے بمعنی پھٹکارنا اور رحمت خداوندی سے دور کرنا اصطلاح میں لعان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں امام مالکؒ وامام شافعی کے یہاں چار قسموں کا نام ہے جو شہادتوں کے ساتھ مؤکد ہوں پس ان کے یہاں اہل لعان وہی ہوگا جو اہل یمین ہو اور ہمارے یہاں اہل لعان وہ ہوگا جو اہل شہادت بھی ہو اور اہل یمین بھی ہو یعنی آزاد مسلمان عاقل بالغ پس غلام، کافر، صبی، مجنون، اہل لعان نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت "**فشهادة احد هم اربع شهادات بالله**" میں لفظ باللہ یمین کے اندر محکم ہے اور لفظ شہادت محتمل یمین ہے پس محتمل کو محکم پر محمول کیا جائے گا ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "اہل کفر و اہل اسلام اور غلام اور اس کی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے اس میں آنحضرت صلعم نے اشتراط اہلیت شہادت کی تصریح فرمائی ہے اور یہی آیت سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ آیت "**ولم یکن لهم شهداء الاانفسهم**" میں شہدائے سے انفسہم کا استثناء ہے معلوم ہوا کہ زوج شاہد ہے پھر **فشهادة احد هم اربع شهادات بالله** میں اور تصریح کی گئی ہے معلوم ہوا کہ رکن لعان شہادت ہے جو موکد بالیمین ہے اب یہ شہادت زوج کی جانب سے مقرون بہ لعنت اور اس کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوگی اور زوجہ کی جانب سے مقرون بالغضب اور اس کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوگی۔

قولہ فلو قذف الخ اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور زوجین میں شہادت کی اہلیت ہو یعنی وہ مسلمان عاقل بالغ آزاد ہیں اور عورت ان میں سے ہے جن کو تہمت لگانے والے پر حد قائم کی جاتی ہے یعنی فعل زنا اور تہمت زنا سے پاکدامن ہے یا شوہر نے اس کے بچہ کی نفی کر دی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بچہ نہ میرا ہے نہ اس کے شوہر سابق کا بلکہ زنا کا ہے اور عورت حد قذف کا مطالبہ کرے تو لعان واجب ہوگا اگر شوہر لعان سے انکار کر دے تو قید کر دیا جائیگا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھٹلائے اب اگر وہ اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد قذف جاری کی جائیگی یعنی اسی کوڑے لگائے جائینگے اور اگر وہ لعان کرے تو پھر عورت پر بھی لعان واجب ہوگا۔

تنبیہ: شرح وقایہ میں ہے کہ اگر عورت شوہر کی تصدیق کر دے تو اس سے بچہ کا نسب منتفی ہو جائیگا شارح نقایہ نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ بحر وغیرہ میں ہے کہ نسب کی نفی نہ ہوگی بلکہ بچہ ان دونوں کا قرار دیا جائیگا نیز قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ اگر عورت نے شوہر کی تصدیق کر دی تو اس پر حد قائم کی جائیگی یہ بھی غلط ہے کیونکہ حد تو ایک مرتبہ اقرار کر لینے پر بھی قائم نہیں ہوتی تو تصدیق کی وجہ سے کب قائم ہو سکتی [illegible] فی مجمع الانہر ۱۲۔

فَاِنْ لَمْ يَصْلِحْ شَاهِدًا حُدَّ وَاِنْ صَلُحَ وَهِيَ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا

اور اگر شوہر گواہی کے لائق نہ ہو تو اس کو سزا دیجائیگی اور اگر شوہر تو لائق شہادت ہو لیکن عورت ان میں سے نہ ہو جس پر تہمت لگانے والے کو سزا

فَلَاحَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ وَصِفَتُهُ مَانَطَقَ بِهِ النَّصُّ فَاِنْ تَلَاعَنَا بَانَتْ بِتَفْرِيْقِ الْحَاكِمِ

دیجاتی ہے تو اس پر نہ حد ہے نہ لعان اور لعان کا طریقہ وہ ہے جو قرآن میں مصرح ہے پس جب لعان کر چکیں تو عورت حاکم کی تفریق سے بائنہ

وَاِنْ قَذَفَ بِوَلَدٍ نَفَى نَسَبَهُ وَاَلْحَقَهُ بِاُمِّهٖ فَاِنْ كَذَّبَ نَفْسَهُ حُدَّ

ہو جائیگی اگر بچہ کے ذریعہ تہمت لگائی تو اس کا نسب ختم کر کے ماں کے ساتھ لگادے اور اگر اس نے اپنی تکذیب کردی تو سزا دیجائیگی

وَلَهُ اَنْ يَّنْكِحَهَا وَكَذَا اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ اَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ

اور وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح اگر بیوی کے علاوہ کسی اور کو تہمت لگائے اور اس کو سزا ملے یا عورت زنا کرے اور اس کو اس کی سزا ملے

وَلَا لِعَانَ بِقَذْفِ الْاَخْرَسِ وَبِنَفْيِ الْحَمْلِ وَتَلَاعَنَا بِزَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنْهُ

اور نہیں ہے لعان گونگے تہمت لگانے والے اور حمل کی نفی کرنے سے اور دونوں لعان کریں اس قول سے کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل اسی سے ہے

وَلَمْ يَنْفِ الْحَمْلُ وَلَوْنَفَى الْوَلَدَ عِنْدَ التَّهْنِيَةِ اَوِابْتِيَاعِ اٰلَةِ الْوِلَادَةِ صَحَّ وَبَعْدَهٗ لَا

اور حمل کی نفی نہ ہوگی اور اگر نفی کی بچہ کی مبارکبادی کے وقت یا اسباب ولادت کی خریداری کے وقت تو نفی صحیح ہے نہ کہ اسکے بعد

وَلَاعَنَ فِيْهِمَا وَاِنْ نَفَى اَوَّلَ التَّوْاَمَيْنِ وَاَقَرَّ بِالثَّانِيْ حُدَّ

اور لعان کرے دونوں صورتوں میں اور اگر جڑواں بچوں میں سے اول کی نفی اور دوسرے کا اقرار کرے تو سزا دیجائیگی

وَاِنْ عَكَسَ لَاعَنَ وَثَبَتَ نَسَبُهُمَا فِيْهِمَا

اور اسکے برعکس ہو تو لعان کرے اور نسب دونوں صورتوں میں ثابت ہوگا۔

تشریح الفقہ: **قولہ فان لم یصلح الخ** اگر شوہر غلام یا کافر ہونے کی وجہ سے شہادت کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور وہ بیوی پر تہمت لگادے مثلاً شروع میں زوجین کافر تھے اس کے بعد عورت اسلام لے آئی اور شوہر نے اسلام پیش کئے جانے سے پیشتر اس کو تہمت لگادی یا شوہر محدود فی القذف ہے تو شوہر پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ جب اس کی جانب سے لعان متعذر ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائیگا اور اگر شوہر تو شہادت کا اہل ہو لیکن عورت اہل شہادت میں سے نہ ہو مثلاً باندی یا کافرہ یا محدود فی القذف یا صغیرہ یا مجنونہ یا زانیہ ہو تو شوہر پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ عورت محصنہ نہیں ہے اور نہ لعان ہوگا کیونکہ عورت اہل شہادت میں سے نہیں ہے۔

قولہ فان تلاعنا الخ جب زوجین میں سے ہر ایک لعان کر چکے تو قاضی ان میں تفریق کردے گا اور تفریق قاضی سے عورت بائنہ ہو جائے گی امام زفر فرماتے ہیں کہ نفس لعان ہی سے فرقت واقع ہو جائیگی یہی امام سے مشہور روایت ہے اور یہی امام احمد سے مروی ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "لعان کرنے والوں میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا" (۱)۔ ہماری دلیل حضرت سہل بن سعد کی طویل حدیث ہے جس کے آخر میں عویمر عجلانی کا قول ہے۔ **کذبت علیھا یارسول اللہ** آپ نے فرمایا اس کو روک لے عویمر نے کہا اگر میں اس کو روکوں تو اس پر تین طلاقیں (۲) وجہ استدلال یہ ہے کہ عویمر نے آنحضرت صلعم کے پاس لعان کے بعد کہا **کذبت علیھا یارسول اللہ** ۱۵ اگر محض لعان سے فرقت ہو جاتی تو آپ ضرور ذکر فرماتے۔

فائدہ: تفریق میں قاضی کی ضرورت کہاں ہوتی ہے اور کہاں نہیں ہوتی؟ ان جگہوں کو بعض فضلا نے ان اشعار میں کیا ہے۔

(۱) .. ابوداؤد عن سہل بن سعد، دار قطنی عن ابن عمر، دار قطنی، احمد، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ عن علی، ابن مسعود، عمرو بن عمرو (موقوفا)

(۲) .. صحیحین، ابوداؤد (عن سہل بن سعد ۱۲)

في خيار البلوغ والا عتاق فرقة حكما بغير طلاق
فقد كفوا كذا ونقصان و نكاح فساده باتفاق
ملك احد الزوجين اوبعض زو ج وارتداد على الاطلاق
ثم جب وعنة ولعان واباء الزوج فرقته بطلاق
وقضاء القاضي في الكل شرط غير ملك وردة وعتاق

قوله وان قذف بولد الخ اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر کے بیوی کو تہمت لگائی تو قاضی بچہ کے باپ سے نسب کی نفی کر دے اور اس کا نسب اس کی ماں سے ثابت کر دے کیونکہ آنحضرت صلعم نے ہلال بن امیہ سے بچہ کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ لاحق فرما دیا تھا(۱)۔ اور اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری کر دی جائیگی کیونکہ اپنی ذات کی تکذیب کرنا خود پر وجوب حد کا اقرار کرنا ہے۔

فائدہ: بچہ کے نسب کی نفی کیلئے چند شرطیں ہیں نمبر ا تفریق حاکم، نمبر ۲ قرب ولادت یعنی شوہر نے بچہ کی نفی بوقت ولادت یا اس کے ایک دوروز بعد ہی کی ہو، نمبر ۳ نفی سے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار نہ کیا ہو نہ صراحۃ نہ دلالۃ، دلالۃ اقرار کی صورت یہ ہے کہ مثلاً لوگوں نے اس کو مبارکباد پیش کی اور وہ خاموش رہا، نمبر ۴ بوقت تفریق بچہ حیات ہو اگر اس کی موت کے بعد نفی کی تو نسب منقطع نہ ہوگا، نمبر ۵ تفریق کے بعد عورت اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ جنے، نمبر ۶ کسی وجہ سے ثبوت نسب کا شرعاً حکم نہ کیا گیا ہو صاحب بحر نے کچھ اور شرطیں بھی ذکر کی ہیں لیکن ان کے متعلق حموی نے کہا ہے کہ یہ شرطیں لعان کی ہیں نہ کہ نفی ولد کی اسی لئے صاحب بدائع نے ان کو حذف کر دیا۔

قوله وله ان ينكح الخ اگر زوج لاعن نے اپنی تکذیب کر دی تو وہ تفریق کے بعد طرفین کے نزدیک اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے امام زفر، ابو یوسف، مالک شافعی کے نزدیک نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ لعان کرنے والے تفریق کے بعد کبھی جمع نہیں ہو سکتے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ لعان شہادت ہے اور رجوع کے بعد شہادت باطل ہو جاتی ہے نیز تکذیب کے بعد لعان باقی نہیں رہا تو جو حرمت لعان کے سبب سے طاری ہوئی تھی وہ بھی زائل ہوگئی اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبیہ پر تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اس پر حد جاری کی گئی یا عورت نے زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی تو اس سے بھی نکاح صحیح ہے۔

قوله ولا لعان الخ اگر زوجین گونگے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک گونگا ہو اور اشارہ سے تہمت لگائے تو لعان نہ ہوگا امام مالک، امام شافعی اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کہتے ہیں کہ جس طرح گونگوں کے دیگر تصرفات بیع اور طلاق وغیرہ اشارہ سے صحیح ہیں اسی طرح تہمت قذف بھی صحیح ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لعان میں لفظ شہادت کا تلفظ رکن ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اشہد کے بجائے احلف کہے تو صحیح نہیں اور گونگے سے اشہد کا تلفظ ناممکن ہے لہذا لعان نہ ہوگا اسی طرح اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس میں بھی لعان نہ ہوگا کیونکہ قیام حمل متیقن نہیں ہو سکتا ہے اور بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو صاحبین کے نزدیک لعان ہوگا بشرطیکہ چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا۔

قوله وتلاعنا الخ اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی ہے تو وہ دونوں لعان کریں گے لیکن قاضی بچہ کے نسب کی نفی نہیں کرے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفی کر دی جائیگی کیونکہ ہلال بن امیہ نے اپنی حاملہ بیوی سے لعان کیا اور آنحضرت صلعم نے دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ عورت کے بیٹے کو ہلال کا بیٹا کوئی نہ کہے (ابوداؤد) ہم یہ کہتے ہیں کہ حمل پر اس کی ولادت سے قبل احکام مرتب نہیں ہوتے رہی حدیث مذکور سو آنحضرت صلعم کو بطریق وحی معلوم تھا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔

قوله وان نفی اول التوامين الخ عورت نے ایک بطن سے دو بچے جنے شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد جاری کی جائیگی کیونکہ دوسرے بچہ کا اقرار کر کے اس نے اپنی تکذیب کر دی اور اگر اس کا عکس ہو یعنی ثانی کی نفی کرے اور اول کا اقرار تو لعان کرے گا کیونکہ اول کا اقرار کر کے وہ عورت کی عفت کا قائل ہو گیا اور ثانی کی نفی کر کے اس پر تہمت لگا رہا ہے اس لئے لعان ہوگا لیکن دونوں صورتوں میں نسب کی نفی نہ ہوگی بلکہ بچے اسی کے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ وہ دونوں اسی کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

---

(۱) ... ابن راہویہ بیہقی عن ابن عباس ۱۲

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهٖ

باب نامرد وغیرہ کے بیان میں

وَهُوَ مَنْ لَّا يَصِلُ اِلَى النِّسَآءِ اَوْيَصِلُ اِلَى الثَّيِّبِ دُوْنَ الْاَبْكَارِ وَلَوْ وَجَدَتْ زَوْجَهَا
نامردوہ ہے جوعورتوں تک نہ پہنچ سکے یعنی صحبت نہ کر سکے یا بیاہی عورتوں سے صحبت پر قادر ہو نہ کہ کنواریوں سے ایک عورت نے اپنے شوہر کو

مَجْبُوْبًا فُرِّقَ فِي الْحَالِ وَاُجِّلَ سَنَةً لَوْعِنِّيْنًا اَوْخَصِيًّا فَاِنْ وَطِئَ
مقطوع الذکر پایا تو فی الحال تفریق کیجائیگی اور ایک سال کی مہلت دیجائیگی اگر نامرد یا آختہ ہو پس اگر وہ وطی پر قادر ہوجائے تو بہتر ہے

وَاِلَّا بَانَتْ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ اِنْ طَلَبَتْ فَلَوْ قَالَ وَطِئْتُ وَاَنْكَرَتْ
ورنہ عورت قاضی کی تفریق سے بائنہ ہوجائیگی بشرطیکہ وہ طلب کرے پس اگر شوہر کہے کہ میں نے وطی کرلی اور عورت انکار کرے

وَقُلْنَ هِيَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ فَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا صُدِّقَ بِحَلْفِهٖ
اور دوسری عورتیں کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو بیوی کو اختیار دیا جائیگا اور اگر وہ مرد رسیدہ ہو تو شوہر کی تصدیق کیجائیگی اس کی قسم کے ساتھ

وَاِنْ اِخْتَارَتْهُ بَطَلَ حَقُّهَا وَلَمْ يُخَيِّرْ اَحَدُهُمَا بِعَيْبٍ
اور اگر عورت نے شوہر کو پسند کرلیا تو عورت کا حق باطل ہوجائیگا اور انہیں سے کسی ایک کو اختیار نہ دیا جائیگا عیب کی وجہ سے

توضیح اللغۃ: عنین فعیل بمعنی مفعول ہے نامرد، ابکار جمع بکر دوشیزہ، مجبوب جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو، اُجّل تاجیل سے ہے مہلت دینا خصی جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں آختہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ عنین کو نکاح اور فرقت دونوں کے ساتھ نسبت ہے اس لئے مصنف نکاح اور طلاق دونوں سے فارغ ہو کر عنین وغیرہ کے احکام بیان کر رہا ہے عنین بروزن سکین لغت میں اس کو کہتے ہیں جو جماع پر قادر نہ ہو اور شریعت میں عنین وہ ہے جو عورت سے فرج میں جماع کرنے پر قادر نہ ہو یا صرف ثیبہ سے جماع کرسکتا ہو باکرہ سے نہ کرپاتا ہو جماع نہ کرسکنا مرض کی وجہ سے ہو یاضعیف الخلقۃ ہونے کی وجہ سے یا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے یا سحر وغیرہ کی وجہ سے۔

قولہ وجدت الخ بیوی نے شوہر کو مقطوع الذکر پایا تو ان کے درمیان فوراً تفریق کردی جائیگی کیونکہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں لفظ وجدت سے اس طرف اشارہ ہو کہ اگر عورت کو نکاح سے قبل شوہر کا حال معلوم ہو اور وہ اس پر راضی ہوگئی تو تفریق کا مطالبہ نہیں کرسکتی اور اگر شوہر نامرد یا خصی ہو تو ایک سال کی مہلت دی جائیگی، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے (۱) وجہ یہ ہے کہ سال چار مختلف فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے اگر نامردی پیدائشی نہ ہو کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو موسموں کی تبدیلی سے سال بھر میں دور ہوسکتی ہے پس اگر وہ صحت یاب ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی۔

فائدہ: سنہ تاجیل شمسی ہوگا یا قمری؟ ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے سنہ قمری معتبر ہے واقعات اور ولوالجیہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی کو صاحب بدایہ نے اختیار کیا ہے امام صاحب سے حسن کی روایت میں شمسی کا اعتبار ہے شمس الائمہ سرخسی قاضی خاں اور ظہیر الدین نے اسی کو پسند کیا ہے خلاصہ میں ہے کہ اس پر فتویٰ ہے قمری سال تین سو چون دن اور ثلث یوم وثلث عشر کا ہوتا ہے اگر چھ چاند تیس کے ہوں اور چھ انتیس کے اگر سات انتیس کے ہوں تو ایک دن بڑھ جائیگا اور پانچ تیس کے ہوں تو ایک دن کم ہوجائیگا اور شمسی سال تین سو پینسٹھ ایام اور ربع یوم کا ہوتا ہے۔

قولہ فلو قال الخ مدت تاجیل کے بعد شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں وطی کرچکا اور عورت اس کا انکار کرتی ہے تو ثقہ عورتوں کا قول معتبر ہوگا اگر وہ دیکھ کر یہ بتائیں کہ وہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار ہوگا اور اگر وہ یہ کہیں کہ ثیبہ ہو تو شوہر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا باکرہ اور ثیبہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ عورت دیوار پر پیشاب کرے اگر پیشاب دیوار پر پڑے تو باکرہ ہے اور اس کی ران پر بہے تو ثیبہ ہے یا اس کی پیشاب گاہ میں انڈے کی زردی ڈالی جائے اگر وہ داخل ہوجائے تو ثیبہ ہے ورنہ باکرہ۔

---

(۱).. عبدالرزاق، دار قطنی، ابن ابی شیبہ، محمد بن حسن عمر، ابن ابی شیبہ عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، دار قطنی عن ابن مسعود ابن ابی شیبہ دار قطنی عن المغیرہ ۱۲

بَابُ الْعِدَّةِ

باب عدت کے بیان میں

هِیَ تَرَبُّصٌ تَلْزَمُ الْمَرْأَةَ وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ لِلطَّلَاقِ اَوِ الْفَسْخِ ثَلَاثَةُ اَقْرَاءٍ اَیْ حِیَضٍ

عدت وہ انتظار ہے جو عورت کو لازم ہوتا ہے آزاد عورت کی عدت طلاق یا فسخ نکاح کے لئے تین قروء یعنی تین حیض ہیں

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ عدت چونکہ فرقت کا اثر ہے اس لئے فرقت کی جمیع انواع بیان کرنے کے بعد عدت کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ اثر موثر ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے عدۃ شمار اور گنتی کو کہتے ہیں یقال عدوت الشئی میں نے اس کو شمار کر لیا آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا ''متی تکون القیامۃ'' آپ نے فرمایا'' اذا تکاملت العدتان'' یعنی جب اہل بہشت اور اہل دوزخ کی شمار پوری ہو جائیگی شریعت میں عدت اس انتظار کو کہتے ہیں جو عورت یا مرد کو اسباب انتظار پائے جانے کے وقت لازم ہوا اسباب انتظار سے مراد وہ بیس مواضع ہیں جو مرد کو وطی کرنے سے مانع ہوتے ہیں جن کو فقیہ ابو اللیث نے ''خزانۃ الفقہ'' میں بالتفصیل بیان کیا ہے اصطلاح میں عدت اس توقف کو کہتے ہیں جو عورت کو زوال نکاح کے بعد لازم ہوتا ہے۔

قولہ عدۃ الحرۃ الخ اگر کوئی شخص اپنی حرہ بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دیدے یا ان میں بلا طلاق فرقت ہو جائے اور عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین قروء ہیں قال تعالیٰ ''والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء'' اس آیت میں ثلثۃ قروء سے مراد ہمارے نزدیک تین حیض ہیں صحابہ میں سے خلفاء اربعہ، عبادلہ ثلثہ۔ ابی بن کعب، معاذ، ابو الدرداء عبادۃ، ابو موسیٰ، معبد جہنی، عبداللہ بن قیس اور تابعین وغیرہ میں سے ابن المسیب، ابن جبیر، عطاء، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، قتادۃ، ضحاک، حسن مقاتل، شریک، ثوری، اوزاعی، ابن شبرمہ، سدی اور لغویین میں سے اصمعی، کسائی، فرا، اخفش، سب کا یہی قول ہے امام احمد اولاً طہر کے قائل تھے بعد میں آپ نے بھی رجوع کر لیا امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک تین طہر مراد ہیں حضرت عائشہ اور ابن عمر و زید بن ثابت سے یہی مروی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ ثلثۃ مونث ہے اور عدد کی تانیث تذکیر معدود پر دلالت کرتی ہے اور مذکر لفظ طہر ہے نہ کہ حیض اگر حیض مراد ہوتا تو ثلث قروء کہا جاتا ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ قروء حیض اور طہر میں مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے (قالہ ابن السکیت) اور مشترک لفظ بیک وقت اپنے ہر دو معنی کو شامل نہیں ہوتا (علی ماعرف فی الاصول) لامحالہ کسی ایک پر محمول کیا جائیگا، اب طہر پر تو محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ مشروع طلاق یہ ہے کہ طہر میں ہو اب جس طرح طہر میں طلاق واقع ہوگی یا تو اس کو شمار کیا جائیگا یا نہیں اگر شمار کیا جائے تو تین طہر کامل نہیں رہتے اور شمار نہ کیا جائے تو تین پر زیادتی لازم آتی ہے حالانکہ لفظ قروء خاص ہے جس میں کمی زیادتی جائز نہیں پس لامحالہ حیض پر محمول کیا جائیگا جس کی کئی وجہیں ہیں نمبر ۱ ثلثۃ قروء کے مقتضی پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے، نمبر ۲ عدت کی مشروعیت استبراء رحم کیلئے ہے اور استبراء رحم حیض کے ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد نے سبایا او طاس کے متعلق روایت کیا ہے، نمبر ۳، باندی کی عدت کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ اس کی عدت دو حیض ہیں اور ظاہر ہے کہ رقیت کی تاثیر تنصیف میں ہے نہ کہ لفظ طہر کو حیض کی طرف نقل کرنے میں پس یہ حدیث مشترک لفظ کیلئے بیان ہے رہا امام شافعی کا استدلال تانیث عدد کے ساتھ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شئی کیلئے دو اسم ہوں ایک مذکر ایک مؤنث جیسے لفظ بر اور حنطۃ اور تانیث حقیقی نہ ہو تو مذکر لفظ کی طرف اضافت کے وقت اس کے عدد کو مؤنث لاتے ہیں اور مؤنث لفظ کی طرف اضافت کے وقت عدد کو مذکر لاتے ہیں اور آیت میں لفظ ثلثۃ قروء کی طرف مضاف ہے جو مذکر ہے اور حضرت عمر و زید بن ثابت سے جو طہر مروی ہے سو امام طحاوی نے ان حضرات سے اس کے خلاف بھی روایت کیا ہے فتعارضت الروایۃ عنھما۔

اَوْثَلٰثَةُ	اَشْهُرٍ	اِنْ	لَمْ	تَحِضْ	وَلِلْمَوْتِ	اَرْبَعَةُ	اَشْهُرٍ	وَعَشْرٌ	وَلِلْاَمَةِ	قُرْاٰءٌ اِنْ

یا تین ماہ ہیں اگر اس کو حیض نہ آتا ہو اور وفات کیلئے چار ماہ دس دن ہیں اور باندی کی عدت دو قروء ہیں

وَنِصْفُ	الْمُقَدَّرِ	وَلِلْحَامِلِ	وَضْعُهٗ	وَلِزَوْجَةِ	الْفَارِّ	اَبْعَدُ	الْاَجَلَیْنِ

اور حیض نہ آتا ہو تو حرہ کی عدت کا نصف ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور زوجۃ الفار کی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے

وَمَنْ	اُعْتِقَتْ	فِیْ	عِدَّةِ	الرَّجْعِیِّ	لَاالْبَائِنِ	وَالْمَوْتِ	كَالْحُرَّةِ

اور جو عورت آزاد ہوجائے طلاق رجعی کی عدت میں نہ کہ بائن اور موت کی اس کا حکم مثل حرہ کے ہے۔

عدت وفات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ اوثلثۃ الخ اگر عورت کو عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے لقولہ تعالیٰ "واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر" یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ ہنوز وہ نو سال کی نہیں ہوئی تو اس کی عدت بھی یہی ہے لقولہ تعالیٰ واللائی لم یحضن۔

فائدہ: ظاہر الروایۃ میں سن ایاس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ جتنی عمر میں اس جیسی عورتوں کو حیض آنا بند ہوجائے اتنی عمر کا اعتبار ہے (اختیار) لیکن بعض روایات میں اس کی تعیین ہے جس میں مختلف اقوال ہیں نمبر ۱۔ ۷۰ سال یہ قول علامہ صفار کا ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امام محمد سے ایک روایت ہے، نمبر ۲۔ ۶۳ سال یہ بعض کا قول ہے۔ نمبر ۳۔ ۶۰ سال امام محمدؒ سے مروی ہے کہ آپ نے غیر رومی عورتوں کے حق میں یہی مدت رکھی ہے۔ نمبر ۴۔ ۵۵ سال یہ قول محمد بن مقاتل رازی کا ہے کہا گیا ہے یہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے صاحب مجمع الانہر نے ذکر کیا ہے کہ آج کل اسی پر فتویٰ ہے وھکذانقل القھستانی عن المفاتیح۔ نمبر ۶۔ ۳۰ سال جامع صغیر میں ہے کہ جب کوئی صغیرہ تیس سال کو پہنچ جائے اور حیض نہ آئے تو اس پر آئسہ کا حکم لگا دیا جائے گا۔

قولہ وللموت الخ اور اگر عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو تو اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ صغیرہ ہو یا کبیرہ مسلمہ ہو یا کتابیہ لقولہ تعالیٰ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشراً" نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے بجز اپنے شوہر کے اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے (متفق علیہ) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عورت کتابیہ اور مدخولہ ہو تو اس پر صرف استبراء واجب ہے اور اگر مدخولہ نہ ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں مگر آیت وحدیث مذکوران پر حجت ہے۔

قولہ وللامۃ الخ اگر باندی کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے "طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان" (۱) نیز رقیت منصف احکام ہے بدلیل قول باری فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب اس لحاظ سے اس کی عدت ڈیڑھ حیض ہوتی ہے مگر اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ حیض تجزی وانقسام کو قبول نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لو استطعت لجعلتھا حیضہ ونصفا" (۲) سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لئے باندی کی عدت پورے دو حیض ہیں اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت حرہ کی عدت کا نصف ہے یعنی طلاق یا فسخ کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفات کی صورت میں دو ماہ پانچ دن۔

قولہ والحامل الخ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے حرہ ہو یا باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجہا حمل زنا سے ہو یا نکاح سے لقولہ تعالیٰ "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" حضرت علی وابن عباس سے مروی ہے کہ اگر حاملہ متوفی عنہا زوجہا

---

(۱) تقدم اول الطلاق ۱۲ (۲) عبد الرزاق بیہقی، شافعی، ابن ابی شیبہ عن عمر ۱۲

ہوتو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے یعنی وضع حمل اور دس دن چار ماہ کا گزرنا ضروری ہے کیونکہ آیت اولات الاحمال اھ کا تقاضا تو یہ ہے کہ عدت وضع حمل ہو اور آیت ''والذین یتوفون اھ'' کا تقاضا یہ ہے کہ عدت دس دن چار ماہ ہے پس احتیاطاً دونوں کے درمیان جمع کیا جائیگا لیکن عام صحابہ اور عام علماء کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ۔ کا ایک ایسی ہی عورت کے بارے میں اختلاف ہوا حضرت ابوسلمہ نے کہا جب حمل وضع ہو گیا تو حلال ہو گئی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں ابوسلمہ کے ساتھ ہوں جب آپس میں مسئلہ طے نہ ہوا تو ان حضرات نے حضرت کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیج کر دریافت کرایا آپ نے فرمایا کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے چندروز بعد بچہ جنا آنحضرت صلعم سے عدت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''قد حللت فتزوجی من شئت (مؤطا مالک) نیز حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آیت ''واولات الاحمال اھ والذین یتوفون منکم اھ'' کے بعد نازل ہوئی ہے (۱) درمنثور میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ سات سال بعد نازل ہوئی ہے حضرت ابی بن کعب، عمر، ابن عمر، ابو ہریرہؓ، عائشہ، مسور بن مخرمہ سے حضرت ابن مسعود جیسا قول منقول ہے معلوم ہوا کہ حاملہ کے حق میں آیت والذین یتوفون اھ کا حکم منسوخ ہے نیز حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ''اگر عورت اس حال میں بچہ جنے کہ اس کا شوہر ابھی تخت پر ہی ہو تب بھی اس کی عدت گزر گئی نکاح کرسکتی ہے۔ (۲)

تنبیہ: حضرت علی و ابن عباس سے جو ابعد الاجلین مروی ہے صاحب معراج نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی عدت دس دن چار ماہ ہے جن میں تین حیض ہوں اور اسی کو فتاویٰ قاضی خان سے نقل کیا ہے مگر یہ موصوف کی بھول ہے کیونکہ یہ عدت تو زوجۃ الفار کی ہے حاملہ کی عدت میں حیض کو کوئی دخل نہیں اسی لئے محیط میں کہا ہے کہ عن علی تعتد با بعد الاجلین وھما الاشھر وضع الحمل یہی فتح القدیر میں ہے تعجب ہے کہ شیخ الادب مرحوم نے حاشیہ کنز میں بحوالہ شرح نقایہ وہی تفسیر نقل کردی جو صاحب معراج نے ذکر کی ہے اور کوئی تنبیہ نہیں فرمائی فتنبہ۔

قولہ وزوجۃ الفار لخ زوجۃ الفار اس عورت کو کہتے ہیں جس کی رضا کے بغیر اس کے شوہر نے مرض الموت میں طلاق دیدی ہو ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے بایں طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ انتظار کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گزر جائیں امام ابو یوسفؒ، مالکؒ، شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں کیونکہ عدت تو اس وقت واجب ہوتی ہے جب نکاح کا زوال وفات میں ہو اور یہاں طلاق کی وجہ سے نکاح قبل از موت زائل ہو چکا صرف حق ارث میں باقی ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح ارث میں باقی ہے تو احتیاطاً حق عدت میں بھی باقی رکھا جائیگا یہ تفصیل اس وقت ہے جب طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اگر رجعی طلاق ہو تو بالاتفاق اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

فائدہ: عدت ابعد الاجلین پانچ صورتوں میں ہوتی ہے نمبر ۱ عدت زوجہ فار جو اوپر مذکور ہوئی۔ نمبر ۲، زید کے نکاح میں ذوات الحیض میں سے دو مدخولہ عورتیں تھیں زید نے ان میں سے ایک کو متعین کر کے طلاق دیدی اور پھر زید کا انتقال ہو گیا اور یہ یاد نہیں رہا کہ ان میں مطلقہ کون ہے تو ہر عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر ۳، زید نے اپنی صحت میں دو بیویوں میں سے بلاتعیین کسی ایک کو تین بار طلاق دی اور تعیین کئے بغیر زید کا انتقال ہو گیا تو ہر عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر ۴ صحت کی حالت میں دو میں سے ایک کو بلاتعیین طلاق دی پھر مرض الموت میں مطلقہ کو معین کر دیا اور عدت گزرنے سے قبل شوہر کا انتقال ہو گیا تو مطلقہ کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر ۵۔ ام ولد کے آقا اور اس کے شوہر کا انتقال ہوا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس کا انتقال ہوا تو ام ولد کی عدت ابعد الاجلین ہے۔

قولہ ومن عتقت الخ ایک باندی طلاق رجعی کی عدت گزار رہی تھی کہ آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت حرہ کی عدت کی طرف منتقل ہو جائیگی یعنی اب اس کی عدت تین حیض ہوں گے اور اگر وہ طلاق بائن یا موت زوج کی عدت میں تھی اور پھر آزاد ہوگئی تو اس کی عدت وہی باندی والی عدت رہے گی وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور شوہر کی موت سے نکاح زائل ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ... بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بزار، طبری ۱۲ (۲) مالک، شافعی۔ عبدالرزاق۔ ابن ابی شیبہ ۱۲

وَمَنْ عَادَ دَمُهَا بَعْدَ الْاَشْهُرِ اِسْتَأنَفَ بِالْحَيْضِ وَالْمَنْكُوحَةِ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْأَةِ بِشُبْهَةٍ
اور جس عورت کو خون آنے لگے مہینوں کے بعد اس کی عدت حیض ہیں اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو
وَاُمِّ الْوَلَدِ الْحَيْضُ لِلْمَوْتِ وَغَيْرِهٖ وَلِزَوْجَةِ الصَّغِيْرِ الْحَامِلِ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَضْعُهُ
اور ام ولد کی عدت حیض ہیں موت وغیر موت ہر دو کیلئے اور بچہ کی بیوی کی عدت جو اسکی موت کے وقت حاملہ ہو وضع حمل ہے
وَلِلْحَامِلِ بَعْدَهُ الشُّهُوْرُ وَالنَّسَبُ مُنْتَفٍ فِيْهِمَا وَلَمْ تَعْتَدَّ بِحَيْضٍ طُلِّقَتْ فِيْهِ وَتَجِبُ
اور موت کے بعد حاملہ کی عدت مہینے ہیں اور نسب دونوں صورتوں میں منتفی ہوگا اور نہ شمار کرے اس حیض کو جس میں طلاق دیگئی ہے اور واجب ہوگی
اُخْرٰى بِوَطْيٍ الْمُعْتَدَّةِ بِشُبْهَةٍ وَتَدَاخَلَتَا وَالْمَرْئِيُّ مِنْهُمَا
دوسری عدت اگر معتدہ سے وطی بالشبہ ہوگئی ہو اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو خون دکھائی دے گا وہ دونوں سے شمار ہوگا
وَتَتِمُّ الثَّانِيَةَ اِنْ تَمَّتِ الْاُوْلٰى وَابْتِدَآءُ الْعِدَّةِ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالْمَوْتِ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ بَعْدَ التَّفْرِيْقِ اَوِالْعَزْمِ
اور پوری کرلے گی دوسری عدت اگر پہلی پوری کرچکی اور عدت کا آغاز طلاق اور موت کے بعد سے ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں تفریق یا ترک وطی
عَلٰى تَرْكِ وَطْيِهَا وَاِنْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِيْ وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ لَهَا مَعَ الْحَلْفِ
پر عزم کے بعد سے ہوتا ہے اگر عورت نے کہا کہ میری عدت گزر چکی اور شوہر نے اس کی تکذیب کی تو قول عورت کا معتبر ہوگا اسکی قسم کے ساتھ
وَلَوْنَكَحَ مُعْتَدَّتَهٗ وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْيِ يَجِبُ مَهْرٌ تَامٌّ وَعِدَّةٌ مُّبْتَدَاَةٌ وَلَوْطَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً لَمْ تَعْتَدَّ
اگر نکاح کیا اپنی معتدہ سے اور طلاق دیدی اس کو وطی سے پیشتر تو پورا مہر اور مستقل عدت واجب ہوگی اور اگر طلاق دی ذمی نے ذمیہ کو تو وہ عدت نہ گذارے۔

احکام عدت کی تفصیل

تشریح الفقہ: **قولہ ومن عاد الخ** ایک آئسہ مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ حیض آنا شروع ہوگیا تو اس کی مہینوں کی عدت باطل ہوگئی اب وہ از سرنو حیضوں کے حساب سے عدت گزارے کیونکہ عدت بالحیض اصل ہے اور عدت بالاشہر نائب اور نائب ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ تا اختتام حیات اصل سے ناامیدی ہو اور حیض آنے کے بعد ناامیدی نہیں رہی اس لئے عدت بالاشہر کا نائب ہونا باطل ہوگیا۔

فائدہ: آئسہ کے حیض جاری ہونے کی مراد میں چند اقوال ہیں۔ نمبر۱۔ حیض کا خون عادت قدیمہ کے موافق بکثرت جاری ہونے لگے ایک آدھ قطرہ یا تھوڑی بہت تری دیکھنے سے عدت بالاشہر باطل نہ ہوگی۔ نمبر۲، کثرت سیلان کے ساتھ ساتھ خون سرخ یا سیاہ ہو اگر خون سبز یا زرد یا مٹیالا ہو تو حیض نہ ہوگا۔ نمبر۳، خون کا کوئی رنگ متعین نہیں بلکہ اس کی عادت پر محمول ہے کہ قبل از ایاس زرد خون آتا تھا تو زرد اور کالا آتا تھا تو کالے کا اعتبار ہوگا علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں یہ تینوں قول ذکر کئے ہیں لیکن کسی کو ترجیح نہیں دی البتہ معراج الدرایہ میں ہے کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

قولہ بعد الاشہر الخ آئسہ کے حق میں عدت بالاشہر کا بطلان کب ہوگا؟ آیا عدت کے مہینے گزر جانے کے بعد خون دیکھے تب عدت بالاشہر باطل ہوگی یا اس سے قبل خون دیکھنے سے بھی عدت باطل ہو جائے گی اس میں چند اقوال ہیں۔ نمبر۱ مطلقاً خون دیکھنے سے عدت باطل ہو جائے گی صاحب ہدایہ اور غایۃ البیان والے کے نزدیک یہی مختار ہے۔ نمبر۲ خون دیکھنے سے مطلقاً عدت باطل نہ ہوگی مہینے گزرنے سے قبل دیکھے یا اس کے بعد علامہ اسیجابی کے نزدیک یہی مختار ہے۔ نمبر۳ مہینے گزرنے سے قبل خون دیکھے تو عدت باطل ہوگی ورنہ نہیں صدر الشہید اسی پر فتویٰ دیتے تھے جوہرہ اور مجتبیٰ میں ہے اور فتویٰ کیلئے مختار ہے اسی کو شہید، بھنسی ملاخسرو اور بلقانی نے پسند کیا ہے خلاصہ وغیرہ میں بھی اسی کی تصحیح ہے اور صحیح قدوری میں ہے کہ اس قول کی تصحیح ہدایہ کی تصحیح سے بہتر ہے نہر الفائق میں ہے کہ سب روایات میں یہی قول معتدل تر ہے۔ نمبر۴۔ ظاہر الروایہ کے اعتبار سے جس میں ایاس کی کوئی مدت مقرر نہیں عدت باطل ہو جائے گی اور جن روایات

مین ایاس کی مدت مقرر ہےان کے لحاظ سے عدت باطل نہ ہوگی صاحب ایضاح نے اسی کو اختیار کیا ہےاور فتاوی قاضی خان میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے اسی پر قدوری اور جصاص نے جزم ظاہر کیا ہے اسی کی صاحب بدائع نے نصرت کی ہے۔ نمبر ۵۔ اگر ابھی تک عورت کے آئسہ ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو تو عدت باطل ہو جائیگی ورنہ نہیں محمد بن مقاتل رازی کا یہی قول ہے اور اختیار میں اسی کی تصحیح ہے۔ نمبر ۶۔ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے عدت بالاشہر باطل ہوگی یعنی اگر زوج ثانی طلاق دے تو عورت حیض کے ذریعہ عدت گزار یگی نوازل میں اسی کی تصحیح ہے۔

قولہ والمنکوحۃ الخ جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا بایں طور کہ نکاح بلا گواہ ہوا ہو یا عدم حلت کا علم ہوتے ہوئے ذورحم محرم سے نکاح ہوا ہو نیز جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی جس کی ایک صورت یہ بھی ہو کہ نادانستہ غیر کی عورت سے نکاح کر لیا گیا ہو اور ام ولد جس کا آقا انتقال کر گیا ہو یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہو ان سب کی عدت حیض کے حساب سے ہے عدت وفات ہو یا عدت فرقت مطلب یہ ہے کہ اگر منکوحہ مذکورہ اور موطوہ مذکورہ حرہ ہو اور ذوات الحیض میں سے ہو تو ان کی عدت تین حیض ہیں اور باندی ہو تو دو حیض اور حاملہ ہو تو وضع حمل اور آئسہ ہو تو عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی **علی حسب مامر سابقا**۔

قولہ وزوجۃ الصغیر الخ ایک بچہ کی عورت تھی بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کی عدت طرفین کے نزدیک وضع حمل ہے امام ابو یوسف امام مالک امام شافعی فرماتے ہیں کہ دس دن چار ماہ ہے کیونکہ اس عورت کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اس واسطے کہ بچہ سے علوق ہو ہی نہیں سکتا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے زوج صغیر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو یعنی اس کی موت سے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچے جنے کہ اس صورت میں بالاجماع عدت وفات لازم ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آیت **واولات الاحمال** مطلق ہے حمل شوہر سے ہو یا غیر شوہر سے عدت وفات کی ہو یا طلاق کی اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

قولہ وجب عدۃ اخری الخ ایک عورت کسی کی عدت گزار رہی تھی کہ اس سے وطی بالشبہ ہوگئی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی یا وہ کسی کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا شوہر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عدت میں ہے بہر کیف اب اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو حیض عدت ثانیہ واجب ہونے کے بعد دکھائی دے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کا پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً عورت کو طلاق بائن ہوگئی اور اس کو ایک بار حیض آیا پھر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور وطی کے بعد تفریق ہوگئی پھر دوبارہ حیض آیا تو یہ تینوں حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے پس پہلا حیض اور بعد کے دو حیض مل کر پہلے شوہر کی عدت پوری ہوگئی اور دوسرے شوہر کی عدت کے صرف دو حیض ہوئے تو جب ایک اور حیض آئے گا تب دوسرے شوہر کی عدت پوری ہوگی خلاصہ یہ ہوا کہ پہلا حیض عدت کے ساتھ اور آخری حیض دوسری عدت کے ساتھ مخصوص ہے اور درمیان کے دو حیض دونوں عدتوں میں مشترک اور متداخل ہیں نیز اگر دونوں عدتیں مہینوں کے ذریعہ ہوں تب بھی تداخل ہوگا مثلاً آئسہ کی عدت میں وطی بالشبہ ہوگئی تو اگر پہلی عدت دوسری عدت سے قبل پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کو بھی مہینوں کے ذریعہ پورا کرنا ضروری ہے اور اگر عورت معتدۃ الوفات ہو اور اس سے وطی بالشبہ ہو جائے تو اس کی پہلی عدت مہینوں کے ذریعہ سے ہو یعنی دس دن چار ماہ اور دوسری عدت حیض کے ذریعہ اب اگر دس دن چار ماہ میں تین حیض بھی آجائیں تو بسبب تداخل دونوں عدتیں پوری ہو جائیں گی اور اگر اس مدت میں حیض جاری نہ ہو تو اس مدت کے بعد تین حیض کی عدت ثانیہ علیحدہ واجب ہوگی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ تَحِدُّ مُعْتَدَّةُ الْبَتِّ وَالْمَوْتِ بِتَرْکِ الزِّیْنَةِ وَالطِّیْبِ وَالْکُحْلِ وَالدُّهْنِ اِلَّا بِعُذْرٍ

(فصل) سوگ منائے وہ عورت جس کو طلاق بائن ملی ہو یا شوہر مر گیا ہو زیب و زینت خوشبو سرمہ اور تیل ترک کرنے کے ساتھ مگر عذر کی وجہ سے

وَالْحِنَاءِ وَلُبْسِ الْمُعَصْفَرِ وَالْمُزَعْفَرِ اِنْ کَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً وَلَوْ اَمَةً لَا مُعْتَدَّةَ الْعِتْقِ وَالنِّکَاحِ الْفَاسِدِ

اور مہندی اور سرخ و زرد کپڑے کو ترک کرنے کے ساتھ اگر عورت بالغہ مسلمہ ہو نہ سوگ منائے وہ عورت جو آزادی کی اور نکاح فاسد کی عدت میں ہو

وَلَاتُخْطَبُ مُعْتَدَّةٌ وَصَحَّ التَّعْرِيْضُ وَلَاتَخْرُجُ مُعْتَدَّةُ الطَّلَاقِ مِنْ بَيْتِهَا وَمُعْتَدَّةُ الْمَوْتِ تَخْرُجُ

اور پیام نکاح نہ دیا جائے معتدہ کو ہاں تعریض صحیح ہے اور نہ نکلے طلاق کی عدت والی عورت اپنے گھر سے اور وفات کی عدت والی عورت نکل سکتی ہے

يَوْمًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَتَعْتَدَّانِ فِيْ بَيْتٍ وَجَبَتْ فِيْهِ اِلَّا اَنْ تُخْرَجَ اَوْيَنْهَدِمَ

دن میں اور رات کے بعض حصہ میں اور یہ دونوں اسی گھر میں عدت گذاریں جس میں وہ واجب ہوئی ہے الا یہ کہ نکالدی جائے یا وہ منہدم ہو جائے

وَلَوْبَانَتْ اَوْمَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِي السَّفَرِ وَبَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا اَقَلُّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ اِلَيْهِ وَلَوْ ثَلٰثَةً

عورت سفر میں بائنہ ہوگئی یا اس کا شوہر مرگیا اور اس کے اور شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے تو اپنے شہر کو واپس آجائے اور اگر تین دن کا فاصلہ

رَجَعَتْ اَوْ مَضَتْ مَعَهَا وَلِيٌّ اَوْ لَا وَلَوْ فِيْ مِصْرٍ تَعْتَدُّ ثَمَّهٗ فَتَخْرُجُ بِمُحْرِمٍ

ہو تو چاہے واپس ہو جائے چاہے اپنے مقصد کی طرف چلی جائے خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو اور اگر ایسا اتفاق شہر میں ہو تو وہیں عدت گذارے پھر محرم کیساتھ نکلے

شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ تحد الخ احدت چوں اعدت احداداً اور حدت (ن،ض) چوں مدت وفرت حداداً، المراۃ شوہر کے مرنے پر سوگ منانا لیکن اصمعی نے صرف رباعی سے مانا ہے (مصباح) قاموس میں ہے کہ حاد اور محد وہ عورت ہے جو عدت کے سبب سے زینت ترک کرے خواہ طلاق بائن ہو یا رجعی عورت کافرہ ہو یا مسلمہ صغیرہ ہو یا کبیرہ لیکن شریعت میں معتدہ بائنہ یا معتدۃ الموت کے زینت اور خوشبو وغیرہ کے ترک کرنے کو حداد کہتے ہیں گویا لغوی معنی عام ہیں اور شرعی معنی خاص۔

قولہ معتدۃ الخ معتدۃ بائنہ اور معتدۃ الموت شوہر کے انتقال پر زینت کی اشیاء اور خوشبو، سرمہ، مہندی اور معصفر ومزعفر لباس اور تیل وغیرہ کے استعمال کو ترک کر کے سوگ منائے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے (۱) (حدیث قوبیب ہی میں گزر چکی) معتدہ البت کی قید سے مطلقہ رجعیہ اور بالغہ کی قید سے صغیرہ اور مسلمہ کی قید سے کافرہ نکل گئی بحر الرائق میں ہے کہ سات عورتوں پر سوگ نہیں نمبر ۱ کافرہ، نمبر ۲ صغیرہ، نمبر ۳ مجنونہ، نمبر ۴، معتدۃ العتق، نمبر ۵ معتدۃ النکاح الفاسد، نمبر ۶ معتدۃ الرجعی، نمبر ۷ معتدہ موطوہ بالشبہ۔

قولہ ولا تخطب الخ عدت والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے معتدہ بائنہ ہو یا رجعیہ، معتدۃ الوفاۃ ہو یا معتدۃ العتق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**ولا تعز مواعقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ**" نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر نکاح کا پیغام نہ دے" (۲) ہاں تعریض کی اجازت ہے بشرطیکہ عورت معتدہ الوفاۃ ہو یعنی گول مول پیام نکاح درست ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا مجھے آرزو ہے کہ حق تعالیٰ نیک بخت عورت عطا فرمائے بخاری میں حضرت ابن عباس سے تعریض کی یہی تفسیر منقول ہے۔

قولہ ولا تخرج الخ معتدہ بائنہ ہو یا رجعیہ اس کے لئے اس گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں جس میں وہ فرقت کے وقت تھی اس میں عدت پوری کرے **لقولہ تعالیٰ "ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ"** ابراہیم نخعی کے نزدیک فاحشہ سے مراد نفس خروج ہے اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ اس سے مراد زنا ہے سو اقامت حد کیلئے نکالی جاسکتی ہے ہاں معتدۃ الوفاۃ دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں نکل سکتی ہے کیونکہ اس کا نفقہ ورثہ پر نہیں ہوتا۔

---

(۱) الجماعۃ غیر الترمذی عن ام عطیہ، الجماعۃ غیر ابن ماجہ عن ام حبیبہ، مسلم عن حفصہ، صحیحین عن زینب بنت جحش ۱۲ (۲) صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

باب نسب ثابت ہونے کے بیان میں

وَمَنْ قَالَ اِنْ نَكَحْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ فَنَكَحَهَا فَوَلَدَتْ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ نَكَحَهَا لَزِمَ نَسَبُهُ

جس شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کیا اور چھ ماہ بعد اس کے بچہ ہوا تو اسکا نسب

وَمَهْرُهَا وَثَبَتَ نَسَبُ وَلَدِ مُعْتَدَّةِ الرَّجْعِيِّ وَاِنْ وَلَدَتْ لِاَكْثَرِ مِنْ سَنَتَيْنِ

اور عورت کا مہر لازم ہوجائیگا اور ثابت ہوگا نسب اس عورت کے بچہ کا جو طلاق رجعی کی عدت میں ہو اگرچہ وہ دو سال سے زائد میں پیدا ہوا ہو

مَالَمْ تُقِرَّ بِمُضِيِّ الْعِدَّةِ وَكَانَتْ رَجْعَةً فِي الْاَكْثَرِ مِنْهُمَا لَافِي اَقَلِّ مِنْهُمَا

جب تک کہ عورت عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے پس یہ ولادت رجعت ہوگی دو سال سے زائد کی صورت میں نہ کہ اس سے کم کی صورت میں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ عدت کی اقسام سہ گانہ، عدت بالحیض، عدت بالاشہر، عدت بوضع الحمل کے بیان سے فراغت کے بعد ثبوت نسب کو بیان کررہا ہے کہ باپ سے بچہ کا نسب کس صورت میں ثابت ہوگا اور کس صورت میں ثابت نہ ہوگا کیونکہ ثبوت نسب حمل کے آثار میں سے ہے اس لئے اس کو عدت کے بعد ذکر کرنا مناسب ہے۔

قولہ من قال الخ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق پھر اس سے نکاح کرلیا اور نکاح سے چھ ماہ بعد عورت کے بچہ پیدا ہوا تو بچہ کا نسب بھی ثابت ہوجائیگا اور مہر بھی لازم ہوجائیگا نسب تو اس لئے کہ عورت اس کا فراش ہے اور عقد نکاح کی حالت میں وطی متصور ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عین ایجاب وقبول کی حالت میں وطی ہوئی ہو اور اختتام نکاح اور انزال ساتھ ساتھ ہوا ہو اور ثبوت نسب کیلئے اتنا احتمال کافی ہے پس وطی طلاق کے بعد لازم نہ آئی اور مہر اس لئے لازم ہے کہ جب نسب ثابت ہوگیا تو حکماً وطی متحقق ہوئی لہٰذا مہر مؤکد ہوگیا۔

قولہ ویثبت الخ معتدہ رجعی جب تک اپنی عدت گزرجانے کا اقرار نہ کرلے اس وقت تک اس کے بچہ کا نسب ثابت ہی مانا جائے گا اگرچہ بچہ دو سال بعد پیدا ہوا ہو اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو دوم یہ کہ چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں پیدا ہوا ہو، سوم یہ کہ دو سال بعد پیدا ہو۔ تینوں صورتوں میں بچہ ثابت النسب ہوگا پہلی صورت میں تو اس لئے کہ بوقت طلاق حمل موجود ہے پس علوق قبل از طلاق ہوا لہٰذا نسب ثابت ہوگا اور بچہ کی پیدائش کے بعد وہ بائنہ ہوجائے گی کیونکہ وضع حمل کی وجہ سے اس کی عدت ختم ہوچکی دوسری صورت میں اس لئے کہ علوق یا تو حالت نکاح میں ہے یا حالت عدت میں بہر دو صورت نسب ثابت ہوگا اور وضع حمل سے بائنہ ہوجائے گی تیسری صورت میں اس لئے کہ علوق بعد از طلاق ہے پس ایک مسلمان کو تہمت زنا سے بچانے کیلئے یوں سمجھا جائیگا کہ اس نے رجوع کرلیا تھا بشرطیکہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو مگر اس نے اقرار کرلیا کہ میری عدت گزرگئی اور اتنی مدت میں عدت گزرنے کا احتمال بھی ہو یعنی امام صاحب کے نزدیک دو ماہ بعد اور صاحبین کے نزدیک انتالیس روز بعد بچہ پیدا ہوا ہو نسب ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو کہ اس صورت میں شرعاً عورت کی تکذیب ہوگی لہٰذا نسب ثابت ہوجائے گا۔

وَالْبَتِّ لِاَقَلَّ مِنْهُمَا وَاِلَّا لَا اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَهُ وَالْمُرَاهِقَةُ لِاَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ

اور معتدہ بائنہ کا بچہ اگر دو سال سے کم میں ہو تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں الا یہ کہ شوہر اس کا دعویٰ کرے اور مراہقہ کے بچہ کا نسب نو ماہ سے کم میں

وَاِلَّا لَا وَالْمَوْتِ لِاَقَلَّ مِنْهُمَا وَالْمُقِرَّةِ بِمُضِيِّهَا لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ

ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور معتدہ وفات کے بچہ کا نسب دو سال سے کم میں ثابت ہوگا اور جو عدت گذرنے کا اقرار کرتی ہو اس کے بچہ کا نسب چھ ماہ سے

مِنْ وَقْتِ الْاِقْرَارِ وَاِلَّا لَا وَالْمُعْتَدَّةِ اِنْ جَحَدَتْ وِلَادَتَهَا بِشَهَادَةِ
کم میں ثابت ہوگا اقرار کے وقت سے ورنہ نہیں اور اگر معتدہ کے بچہ کی ولادت کا انکار کر دیا گیا ہو تو اس کا نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی

رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَاَتَيْنِ اَوْ حَمْلٍ ظَاهِرٍ اَوْ اِقْرَارِهٖ بِهٖ اَوْ تَصْدِيْقِ الْوَرَثَةِ وَالْمَنْكُوْحَةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا اِنْ سَكَتَ
شہادت سے یا حمل ظاہر یا اسکے اقرار یا ورثہ کی تصدیق سے ثابت ہوگا اور منکوحہ کے بچہ کا نسب چھ ماہ یا اس سے زائد میں ثابت ہوگا اگر شوہر خاموش رہے

وَاِنْ جَحَدَ فَبِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ عَلَى الْوِلَادَةِ فَاِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَتْ
اور اگر وہ انکار کرے تو ولادت پر ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا پس اگر عورت کے بچہ ہوا پھر دونوں نے اختلاف کیا عورت نے کہا

نَكَحْتَنِيْ مُذْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا وَّادَّعَى الْاَقَلَّ فَالْقَوْلُ لَهَا وَهُوَ اِبْنُهٗ وَلَوْ عَلَّقَ طَلَاقَهَا
کہ تو نے مجھ سے چھ ماہ ہوئے نکاح کیا ہے اور شوہر نے اس سے کم کا دعویٰ کیا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اور بچہ شوہر کا ہوگا اور اگر معلق کیا اس کی طلاق

بِوِلَادَتِهَا وَشَهِدَتْ امْرَاَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ وَاِنْ كَانَ اَقَرَّ بِالْحَبَلِ طُلِّقَتْ بِلَاشَهَادَةٍ
کو بچہ ہونے پر اور ایک عورت نے گواہی دی ولادت پر تو طلاق نہ ہوگی اور اگر شوہر نے اقرار کر لیا حمل کا تو طلاق پڑ جائے گی بلا شہادت

ثبوت نسب کے بقیہ احکام

توضیح اللغہ: بت کاٹنا مراد طلاق بائن، مراہقہ قریب البلوغ عورت جحدت د سے ہے انکار کرنا۔ حبل حمل۔

تشریح الفقہ: قولہ والبت الخ اگر معتدہ بائنہ دو سال سے کم کی عمر میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ طلاق کے وقت حمل موجود ہونے کا احتمال ہے اور ثبوت نسب کیلئے احتمال کافی ہے اور اگر پورے دو سال میں یا دو سال سے زائد میں بچہ ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں علوق بالیقین طلاق کے بعد ہے ورنہ بچہ کا دو سال کی مدت سے زائد میں پیدا ہونا لازم آئے گا جو حدیث کے خلاف ہے پس وہ بچہ شوہر کا نہیں ہو سکتا ہاں اگر شوہر اس کا دعویٰ کرے تو نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس نے خود اپنے اوپر لازم کر لیا (فیه شئی فارجع الی المطولات)۔

قولہ والمراهقه الخ مراہقہ سے مراد وہ لڑکی ہے جو وطی کے لائق ہو لیکن علامات بلوغ ظاہر نہ ہوئی ہوں سو ایسی لڑکی اگر نو مہینے سے کم میں بچہ جنے (اور وہ مدخولہ ہو اور اس نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو نہ ہی اپنے حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو) تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر نو مہینے یا اس سے زائد میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر وہ دو سال تک بچہ جنے تو نسب ثابت ہو جائیگا گویا امام ابو یوسف نے مراہقہ کو کبیرہ پر قیاس کیا ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مراہقہ کے لئے عدت گزاری کا صرف ایک ہی طریقہ ہے یعنی مہینے پس مہینے گزرتے ہی شریعت کی جانب سے اس کی عدت گزر جانے کا حکم ہوگا اور دلالت کے حق میں حکم شرعی اس کے اقرار سے بھی بڑھ کر ہے تو اگر وہ انقضائے عدت کے اقرار کے بعد چھ مہینے میں بچہ جنے تب نسب ثابت نہیں ہوتا تو اس صورت میں بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔

قولہ والمقرة الخ معتدہ عورت نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا اور پھر اقرار کے وقت سے چھ ماہ کی مدت سے کم میں بچہ جنا تو نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہونے سے اس کی دروغ گوئی ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہوگیا کہ اقرار کے وقت رحم میں نطفہ نہ تھا پس انقضائے عدت کا اقرار باطل ہوگا اور نسب ثابت ہو جائیگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

قولہ والمعتدة الخ ایک عورت عدت میں تھی اس نے دعویٰ کیا کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے اور شوہر نے (جبکہ عدت طلاق کی ہو) یا ورثہ نے (جب عدت وفات کی ہو) ولادت کا انکار کیا تو اس صورت میں نسب ثابت ہونے کیلئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی

چاہئے اس کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا یا حمل ظاہر ہونا چاہئے حمل ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو یا کہ علامات حمل اس قدر ظاہر ہوں کہ ان سے حمل رہنے کا ظن غالب حاصل ہو جائے یا شوہر کا اقرار ہونا چاہئے کہ یہ حمل میرا ہے (اگر شوہر زندہ ہو) یا ورثہ کی طرف سے ولادت کی تصدیق ہونی چاہئے اگر یہ شہادتیں نہ ہوں تو امام صاحب کے نزدیک نسب ثابت نہ ہوگا صاحبینؒ کے نزدیک سب صورتوں میں صرف ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت کافی ہے اس واسطے کہ عدت قائم ہونے کی وجہ سے فراش قائم ہے اور فراش کا قائم ہونا نسب کو لازم و ثابت کر دیتا ہے پس یہاں نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو قیام فراش کی وجہ سے خود ہی ثابت ہے ضرورت صرف اس کی ہے کہ بچہ کا اس عورت سے ہونا معین ہو جائے اور وہ دایہ کی شہادت سے ہو سکتا ہے جیسے قیام نکاح کی حالت میں صرف دایہ کی شہادت سے نسب ثابت ہو جاتا ہے امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش قائم ہوتا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں عدت قائم نہیں اس واسطے کہ جب عورت وضع حمل کا اقرار کر رہی ہے تو عدت ختم ہو چکی اس لئے یہاں ابتداءً نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا شہادت کا کورم پورا ہونا چاہئے۔

قوله والمنكوحة الخ زید نے ایک عورت سے شادی کی اور چھ ماہ میں یا چھ ماہ کے بعد میں اس کے بچہ ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اقرار کر لے یا خاموش رہے لیکن اگر شوہر بچہ کا انکار کر دے تو پھر ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہوگا اور اگر ولادت کے بعد زوجین میں اختلاف ہو عورت کہے کہ تو نے میرے ساتھ چھ ماہ قبل نکاح کیا تھا اور شوہر اس سے کم کا دعویٰ کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا بلا یمین اور صاحبین کے مع یمین (اس پر فتویٰ ہے) اور بچہ شوہر کا قرار دیا جائیگا کیونکہ ظاہر حال عورت کا شاہد ہے۔

قوله ولو علق الخ زید نے اپنی بیوی کی طلاق کو ولادت پر معلق کیا اور کہا ان ولدت فانت طالق اس کے بعد ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو امام صاحب کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی صاحبین کے نزدیک طلاق ہو جائیگی کیونکہ جن امور پر مردوں کو آگہی نہیں ہو سکتی ان میں عورتوں کی شہادت کا مقبول ہونا حدیث سے ثابت ہے (۱) نیز جب ولادت پر عورت کی شہادت مقبول ہے تو جو اس پر مبنی ہے یعنی طلاق اس میں بھی مقبول ہوگی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت مرد کے حانث ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے اس لئے حجت تامہ کی ضرورت ہے رہا ولادت میں عورتوں کی شہادت کا مقبول ہونا سو وہ تو ضروری ہے اور طلاق ولادت کی ضروریات میں سے نہیں ہے کیونکہ طلاق ولادت سے فی الجملہ منفک ہو سکتی ہے اس لئے ولادت میں شہادت کے مقبول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ طلاق میں بھی شہادت مقبول ہو اور اگر شوہر نے ولادت سے قبل حمل کا اقرار کر لیا ہو تو بلا شہادت طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ حمل کا اقرار کرنا ولادت کا اقرار کرنا ہے صاحبین کے نزدیک دایہ کی شہادت ضروری ہے۔

وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ فَلَوْ نَكَحَ اَمَةً فَطَلَّقَهَا فَاشْتَرٰهَا فَوَلَدَتْ

حمل کی اکثر مدت دو سال ہیں اور کمتر مدت چھ ماہ پس اگر کسی باندی سے نکاح کیا اور اس کو طلاق دیدی پھر اس کو خرید لیا اسکے بعد چھ ماہ سے کم میں

لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ اِشْتَرٰهَا لَزِمَهٗ وَاِلَّا لَا وَمَنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اِنْ كَانَ فِيْ بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّيْ فَشَهِدَتْ اِمْرَاَةٌ

بچہ ہوا تو وہ اس کو لازم ہو جائیگا ورنہ نہیں جس شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر گواہی دی ایک عورت نے

بِالْوِلَادَةِ فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ اِبْنِيْ وَمَاتَ فَقَالَتْ اُمُّهٗ اَنَا اِمْرَاَتُهٗ

ولادت پر تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور جس نے کسی لڑکے کے متعلق کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور وہ یہ کہہ کر مر گیا پس لڑکے کی ماں نے کہا کہ میں اسکی

وَهُوَ اِبْنُهٗ مِنِّيْ يَرِثَانِهٖ فَاِنْ جُهِلَتْ حُرِّيَّتُهَا

بیوی ہوں اور یہ اسکا بیٹا ہے تو یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے پھر اگر اس کی آزادی معلوم نہ ہو

(۱) .. ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق عن الزہری وروی الدار قطنی عن حذیفہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ القابلہ ۱۲

فَقَالَ وَارِثُهُ اَنْتَ اُمُّ وَلَدِ اَبِیْ فَلاَ مِیْرَاثَ لَهَا

اور مرنے والے کے وارث کہیں کہ تو میرے باپ کی ام ولد ہے تو عورت کو میراث نہ ملے گی۔

حمل کی اکثر مدت واقل مدت اوراس سے متعلق مسائل

تشریح الفقہ: **قوله اکثر الخ** حمل کی اقل مدت تو بالاتفاق چھ ماہ ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**وحمله وفصاله ثلثون شهرا**'' یا دوسری جگہ ارشاد ہوا ''**وفصاله فی عامین**'' فصال کی دوسالہ مدت نکلنے کے بعد حمل کی اقل مدت چھ ماہ رہتی ہے نیز حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ جنین میں چار ماہ بعد نفخ روح ہوتا ہے اس کے بعد دو ماہ میں باقی خلقت پوری ہوتی ہے لیکن حمل کی اکثر مدت میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اکثر مدت دوسال ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حمل دوسال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا اگرچہ اتنی دیر ہو جتنی دیر چرخی گھومتے وقت اس کا سایہ ٹھہرتا ہے (۱) ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتا پس لامحالہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پس روایت گو مرفوع نہیں لیکن اس وقت قول صحابی، حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے کہ **کماحققه الحافظ فی النخبه** لیث بن سعد سے اکثر مدت تین سال مروی ہے امام شافعی کے نزدیک چار سال ہے یہی امام مالک اور امام احمد کا مشہور مذہب ہے امام مالک سے ایک روایت اور حضرت علی کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت پانچ سال ہے امام زہری سے چھ سال کی روایت ہے امام مالک سے دوسری روایت اور ربیعہ کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت سات سال ہے حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ان حضرات کے تمسکات وہ حکایات ہیں جو اس باب میں منقول ہیں چنانچہ حکایات میں ہے کہ عبدالعزیز ماجشونی، ہرم بن حیان اور محمد بن عبداللہ وغیرہ ہم چار چار سال بطن مادر میں رہے نیز ضحاک چار سال بعد ہنستا ہوا پیدا ہوا اسی لئے اس کا نام ضحاک ہوگیا مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے سوال حافظ بیہقی نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث امام مالکؒ کے سامنے ذکر کی آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے دیکھو محمد بن عجلان کی بیوی کے بارہ سال میں تین بچے پیدا ہوئے ہیں اور ہر بچہ چار چار سال میں ہوا ہے معلوم ہوا کہ حمل چار سال تک رہ سکتا ہے جواب یہ حکایات ہیں جو روایات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔

قوله فلو نكح الخ زید نے کسی کی باندی سے شادی کی اور دخول کے بعد اس کو بائن یا رجعی طلاق دیدی پھر اس کو خرید لیا تو اب اگر شراء کے وقت سے چھ ماہ قبل بچہ ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ شراء کی وجہ سے (غیر کے حق میں) اس کی عدت باطل نہیں ہوئی پس وہ معتدہ کا بچہ ہے اور علوق شراء سے پیشتر ہے اور اگر پورے چھ ماہ میں یا چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو شوہر کے دعویٰ کئے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس وقت علوق شرا کے بعد ہے پس بچہ مملوکہ باندی کا ہے اس لئے دعویٰ کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا۔

قوله ومن قال لامته الخ زید نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے اس کے بعد ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ یہاں شہادت کی ضرورت صرف تعیین ولد کیلئے ہے جس میں دایہ کی شہادت کافی ہے

قوله ومن قال لغلام الخ زید نے اپنے غلام کے متعلق کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے پھر زید کا انتقال ہوگیا اب غلام کی ماں کہتی ہے کہ میں زید کی بیوی ہوں اور یہ اس کا لڑکا ہے تو وہ دونوں زید کے وارث ہیں مگر استحساناً قیاس کی رو سے وارث نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ زید نے صرف نسب ہی کا تو اقرار کیا ہے اور ثبوت نسب کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً نسب نکاح صحیح، نکاح فاسد وطی بالشبہ ملک یمین وجہ استحسان یہ ہے کہ مسئلہ کا حکم اسی صورت مین ہے جب اس عورت کا آزاد ہونا اور غلام کی ماں ہونا اور نکاح کا صحیح ہونا متعین ہو یہاں تک کہ اگر عورت کی حریت معلوم نہ ہو تو وارث نہ ہوگی کیونکہ ظہور حریت دفع رقیت کیلئے حجت ہے نہ کہ استحقاق وراثت کیلئے۔۱۲۔

....

(۱) دارقطنی، بیہقی عن عائشہ ۱۲

بَابُ الْحِضَانَةِ

باب بچے کو گود لینے کے بیان میں

اَحَقُّ بِالْوَلَدِاُمُّهٗ قَبْلَ الْفُرْقَةِ وَبَعْدَهَا ثُمَّ اُمُّ الْاُمِّ ثُمَّ اُمُّ الْاَبِ ثُمَّ الْاُخْتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ لِاُمٍّ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذٰلِكَ

بچہ کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے فرقت سے پہلے ہو یا اسکے بعد پھر نانی پھر دادی پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر علاتی بہن پھر خالائیں اسی طرح

ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذٰلِكَ وَمَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ مُحْرِمِهٖ سَقَطَ حَقُّهَا ثُمَّ يَعُوْدُ بِالْفُرْقَةِ

پھر پھوپھیں اسی طرح اور جو عورت بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا اور جدائی کے بعد پھر لوٹ آئے گا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ منکوحہ اور معتدہ عورت سے ثبوت نسب بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کو بیان کررہا ہے کہ جو فرقت واقع ہونے کے بعد بچہ کی پرورش کرتی ہیں کیونکہ اس کے بغیر بچہ کی بقا کیلئے دشوار ہے حضانت بکسر حا حضن (ن) حضناً کا مصدر ہے بمعنی پرورش کرنا گود میں لینا (صراح قاموس) مصباح، بحرالرائق، نہر الفائق میں حاء کے فتحہ کو بھی جائز رکھا ہے۔

قولہ احق الخ بچہ کی پرورش کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مستحق اس کی ماں ہے فرقت سے قبل ہو یا فرقت کے بعد حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ: میرا شکم اس بچہ کیلئے اقامت گاہ اور میری چھاتی اس کے لئے مشکیزہ اور میری گود اس کیلئے گہوارہ رہی ہے اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور بچہ کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا تو بچہ کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے (۱) نیز حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ جمیلہ بنت ثابت کو طلاق دی اور اپنے لڑکے عاصم کو اس سے لینا چاہا جمیلہ نے انکار کیا اور معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے فرمایا: عمر! اس عورت کی گود اور اس کا فراش بچہ کیلئے تجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

قولہ ومن نکحت الخ اگر حاضنہ عورت بچے کے کسی غیر محرم کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ اجنبی شخص اپنی زوجہ کے پہلے شوہر کی اولاد سے عموماً خوش نہیں رہتا بلکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو بنظر حقارت اس پر خرچ کرتا ہو تو بطریق شرارت پس بچہ کو اس عورت کی پرورش میں رکھنا بچہ کیلئے مضر ہے ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے بجز حضرت حسن کے کہ ان کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا ایک روایت امام محمد سے بھی ہے جمہور کی دلیل روایت مذکور ہے جس میں "انت احق بہ مالم تنکحی" کی صراحت موجود ہے پھر اگر مستحق حضانت عورت کو اس کا شوہر طلاق بائن دیدے تو اس کا حق پھر عود کر آئے گا۔

ثُمَّ الْعَصَبَاتُ (۳) بِتَرْتِيْبِهِمْ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِهٖ حَتّٰى يَسْتَغْنِيَ وَقُدِّرَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ وَبِهَا.

پھر عصبات ارث کی ترتیب پر اور ماں اور دادی بچہ کی حقدار ہیں یہانتک کہ بچہ مستغنی ہو جس کا اندازہ سات سال کا ہو اور لڑکی کی حقدار ہیں

حَتّٰى تَحِيْضَ وَغَيْرُهُمَا اَحَقُّ بِهَا حَتّٰى تَشْتَهِيَ وَلَا حَقَّ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ وَلَدِهٖ

یہاں تک کہ وہ حائضہ ہوں اور ان کے سوا عورتیں لڑکی کی حقدار ہیں یہاں تک کہ وہ لائق خواہش ہو اور باندی اور ام ولد کو کوئی حق نہیں

مَالَمْ تُعْتَقَا وَالذِّمِّيَّةُ (۴) اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَمْ يَعْقِلْ دِيْنًا وَلَا خِيَارَ لِلْوَلَدِ

(۱) ابوداؤد، حاکم، دارقطنی، عبدالرزاق، ابن راہویہ عن ابی عمرو ۱۲ (۲) ابن ابی شیبہ عبدالرزاق، مالک بیہقی عن عمر بالفاظ مختلفہ ۱۲۔

(۳) .. لکن لاتدفع صبیته الیٰ عصبته غیر محرم کمولی العتاقة وابن العم تحرزاعن الفتنة واذالم یکن له عصبیة یدفع الی الاخ لام ثم الیٰ ولده ثم العم لام ثم الی الخال لابوین ثم لاب ثم لام لان لهولاء ولایة عند ابی حنیفته ثم اللّٰه بیرفی ذالک الی القاضی یدفعه الیٰ ثقة تحضنه حتی یستغنی لا الیٰ فاسق ماجن وهومن لایبالی قولا ولافعلالانه غیر مامون علیها ولا الیٰ غیر مامونة ایضا من النساء وفی المبسوط لواجتمعت اخوة او اعمام فی درجة واحدة فاولاهم اکثر هم صلاحاً وورعاً فان استووا فاکثر هم سنا ۱۲ حاشیه.

(۴) ای اذا اسلم زوج الذمیة وبینهما اولادصغارفالذمیة احق، بهذه الاولاد مالم یعقل الا دیان اویخاف ان یالفه الکفر لان الحضانته تبتنی علی الشفقة وهی اشفق علیه فیکون الدفع الیها انظرله مالم یعقل الادیان فاذا عقل ینزع منها لاحتمال الضرر ۱۲ زیلعی ومستخلص.

جب تک کہ وہ آزاد نہ ہوں اور ذمیہ اپنے مسلم بچہ کی حقدار ہے جب تک کہ وہ مذہب کو نہ سمجھے اور بچہ کو کوئی اختیار نہیں

وَلَاتُسَافِرُ مُطَلَّقَةٌ بِوَلَدِهَا اِلَّا اِلىٰ وَطَنِهَا وَقَدْ نَكَحَهَا ثَمَّهٗ

اور نہ سفر کرے مطلقہ عورت اپنے بچہ کیساتھ مگر اپنے وطن کی طرف جہاں اس کا نکاح ہوا تھا۔

قولہ ثم العصبات الخ متن میں مذکورہ شدہ حائضہ عورتوں کے بعد پرورش کا حق عصبات کو ہے اور عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ہے یعنی سب سے زیادہ مستحق باپ ہے پھر دادا پھر پردادا (وہکذا) اس کے بعد حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد پھر باپ شریک بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا پھر چچا کے بیٹے۔

قولہ والام والجدۃ الخ ماں اور دادی یا نانی (یا کوئی اور حاضنہ عورت) لڑکے کی پرورش کی اس وقت تک مستحق ہے جب تک کہ لڑکا عورتوں کے پاس رہنے سے مستغنی نہ ہو جس کی مدت بقول امام خصاف سات سال ہے عادۃ سات سال میں بچہ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے، بول و براز کے بعد خود طہارت حاصل کرنے لگتا ہے اس لئے اب اس کو عورتوں کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں رہی اب تو وہ مردوں کے اخلاق و آداب، تعلیم و تادیب اور نماز وغیرہ سیکھنے کا محتاج ہے اور ان امور کی تحصیل پر باپ ہی زیادہ قادر ہے۔

قولہ وبہا الخ اور ماں یا دادی لڑکی کی پرورش کی مستحق ہے یہاں تک کہ اس کو حیض آنے لگے یعنی بالغ ہو جائے خواہ بذریعہ حیض ہو یا بذریعہ احتلام ہو یا بذریعہ عمر ہو کیونکہ لڑکی حیض آنے سے قبل تک آداب نساء کاتنے، سینے، پرونے اور کھانے پینے وغیرہ امور کی محتاج ہے اور بلوغ کے بعد عفت و عصمت کی محتاج ہے اور اس پر باپ ہی زیادہ قادر ہے اور ماں اور دادی کے علاوہ حاضنہ عورتیں خالہ، پھوپھی وغیرہ لڑکی کی پرورش کی مستحق ہیں یہاں تک کہ لڑکی شہوت و رغبت کے لائق ہو جائے جس کی مدت بقول ابو اللیث نو برس ہے امام محمد سے ایک روایت ہے کہ ماں اور دادی یا نانی کے پاس بھی لڑکی نو برس سے زیادہ نہ رہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ النَّفَقَةِ

باب نفقہ کے بیان میں

تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلىٰ زَوْجِهَا وَالْكِسْوَةُ بِقَدْرِ حَالِهِمَا وَلَوْمَانِعَةً نَفْسَهَا لِلْمَهْرِ لَا نَاشِزَةً وَصَغِيْرَةً

واجب ہے بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر اور پوشاک دونوں کی حالت کے مطابق اگر چہ عورت روکنے والی ہو خود کو مہر کی خاطر نہ یہ کہ وہ سرکش ہو اور چھوٹی ہو

لَا تُوْطَأُ وَمَحْبُوْسَةً بِدَيْنٍ وَمَغْصُوْبَةً وَحَاجَّةً مَعَ غَيْرِالزَّوْجِ وَمَرِيْضَةً لَمْ تُزَفَّ وَلِخَادِمِهَا لَوْمُوْسِرًا

نا قابل وطی اور قرض کی وجہ سے قید ہو اور چھن گئی ہو اور غیر شوہر کے ساتھ حج کرنے والی ہو اور بیمار جو شوہر کے حوالے نہ ہوئی ہو اور اس کے خادم کا نفقہ اگر شوہر مالدار ہو

تشریح الفقہ: قولہ النفقہ الخ مادہ نفق لغۃً معنی پر دلالت کرتا ہے بذریعہ بیع ہو جیسے نفق البیع خرید و فروخت رائج ہو گئی یا بذریعہ موت ہو جیسے نفقت الدابۃ نفوقاً سواری مرگئی یا بذریعہ فنا ہو جیسے نفقت الدراھم درہم ختم ہو گئے ونفق الرجل آدمی محتاج ہو گیا صاحب بحر نے کہا ہے کہ یہاں جو نفقہ مراد ہو وہ نہ نفوق بمعنی ہلاک سے مشتق ہے اور نہ نفق اور نفاق سے بلکہ نفقہ اس چیز کا نام ہے جو آدمی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور شریعت میں نفقہ کے عام معنی اس معین خرچ کے ہیں جس پر بقاشئی موقوف ہو لیکن اس کا غالب استعمال طعام ولباس اور مکان، سکونت میں ہوتا ہے جیسا کہ امام محمد سے منقول ہے نفقہ کا وجوب قرآن و حدیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے

قال تعالیٰ وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف'' حدیث میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم پر دستور کے مطابق زوجات کا نفقہ لازم ہے وسلم عن جابر الطویل۔

قوله تجب الخ وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔ نمبر ۱، زوجیت، نمبر ۲، قرابت، نمبر ۳ ملکیت مصنف پہلے زوجہ کے نفقہ کو بیان کر رہا ہے کیونکہ کتاب النکاح سے یہاں تک بالاصالہ زوجہ کے احکام بیان ہوتے چلے آرہے ہیں اس لئے اس کو ماقبل کے ساتھ مناسبت ہے شوہر پر بیوی کا نفقہ...... یعنی کھانا پینا اور لباس واجب ہے خواہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ کتابیہ، صغیرہ ہو یا کبیرہ، غنیۃ ہو یا فقیرہ، باندی ہو یا آزاد، موطوءۃ ہو یا غیر موطوءۃ کیونکہ آیت ''وعلی المولود له اه'' میں کوئی تفصیل نہیں نیز اگر عورت مہر معجّل وصول کرنے کی وجہ سے خود کو شوہر کے حوالے نہ کرے اور وطی نہ کر دے تب بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا پھر نفقہ میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کا لحاظ ہے اگر دونوں ہیں تو نفقہ یسار واجب ہوگا اور دونوں نادار ہوں تو نفقہ اعسار اور اگر شوہر مالدار ہو اور عورت نادار تو مالدار عورتوں کے نفقہ سے کم ملے گا اور نادار عورتوں کے نفقہ سے زائد، هذا هو اختیار الخصاف وعلیه الفتوی۔

قوله لاناشزة الخ اگر عورت ناشزہ ہو یعنی خود کو شوہر سے روکے ہوئے ہو اور بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی ممکن نہ ہو یا وہ قید خانہ میں مقید ہو (قرض کی وجہ سے مقید ہو یا کسی نے ظلماً مقید کر دیا ہو) یا کوئی اس کو غصب کر لے گیا ہو یا عورت شوہر کے علاوہ کسی اور کے ساتھ حج کیلئے چلی گئی ہو اگر چہ وہ غیر اس کا ذی رحم محرم ہو یا عورت بیماری کی وجہ سے شوہر کے حوالے نہ ہوئی ہو تو ان سب صورتوں میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں کیونکہ نفقہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ عورت شوہر کے پاس اس کے حق کی وجہ سے محبوس ہوتی ہے اور صور مذکورہ میں یہ احتباس مفقود ہے۔

وَلاَ يُفَرَّقُ بِعِجْزِهِ عَنِ النَّفَقَةِ وَتُؤمَرُ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَيُتِمُّ نَفَقَةَ الْيَسَارِ بِطُرُوْهِ

اور جدائی نہ کیجائیگی اگر شوہر نفقہ سے عاجز ہو بلکہ حکم کیا جائے عورت کو شوہر کے نام سے قرض لینے کا اور پورا کیا جائیگا مالداری کا نفقہ مالداری پیش

وَاِنْ قَضٰى بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ[1] وَلاتَجِبُ نَفَقَةُ مَامَضَتْ اِلَّابِالْقَضَآءِ اَوِ الرِّضَاءِ وَبِمَوْتِ اَحَدِهِمَا تَسْقُطُ الْمَقْضِيَّةُ

آنے پر گو قاضی نفقہ مفلسی کا حکم کر چکا ہو اور نہیں واجب ہے نفقہ گزشتہ کا مگر قضا کے ساتھ یا رضا کیساتھ اور کسی ایک کے مرجانے سے مقرر کردہ نفقہ

وَلاتُرَدُّ الْمُعَجَّلَةُ وَيُبَاعُ الْقِنُّ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ وَنَفَقَةُ الْاَمَةِ الْمَنْكُوْحَةِ اِنَّمَا تَجِبُ بِالتَّبْوِئَةِ

ساقط ہو جاتا ہے اور واپس نہ لیا جائیگا پیشگی نفقہ اور فروخت کیا جائیگا غلام کو اس کی بیوی کے نفقہ میں اور منکوحہ باندی کا نفقہ شب باشی کرانے سے

وَالسُّكْنٰى فِيْ بَيْتٍ خَالٍ عَنْ اَهْلِهِ وَاَهْلِهَا وَلَهُمُ النَّظَرُ وَالْكَلَامُ مَعَهَا

واجب ہوتا ہے اور بیوی کو ایسے گھر میں رکھنا واجب ہے جو میاں بیوی کے اہل سے خالی ہو اور بیوی کے گھر والوں کو اس سے بات چیت کرنے اور

وَفُرِضَ لِزَوْجَةِ الْغَائِبِ وَطِفْلِهِ وَاَبَوَيْهِ فِيْ مَالٍ عِنْدَ مَنْ يُقِرُّ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ

دیکھنے کی اجازت ہے اور غائب شخص کے بیوی بچوں اور والدین کا نفقہ مقرر کیا جائیگا اس کے مال سے جو ایسے شخص کے پاس ہو جو مال کا اور زوجیت کا اقرار کرتا ہو

وَيُؤْخَذُ كَفِيْلاً مِنْهَا وَلِلْمُعْتَدَّةِ الطَّلَاقِ لاَ الْمَوْتِ وَالْمَعْصِيَةِ

اور عورت سے ایک ضامن لے لیا جائیگا اور نفقہ واجب ہے طلاق کی عدت والی کے لئے نہ وفات کی عدت والی اور ایسی جدائی کی عدت والی کیلئے جو عورت کی طرف سے ہو

نان نفقہ کے تفصیلی احکام

توضیح اللغۃ: استدانۃ قرض لینا، یسار مالداری، طرو پیش آنا، اعسار تنگدستی، قن غلام تبوئۃ شب باشی سکنی جائے رہائش۔

---

(۱) ..فی المغنیۃ الا عسار غیر مسموع وقال المطرزی انہ خطا محض وکانہم ارتکبوہ بابا ازدواجہ الیسار ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ ولایفرق الخ اگر شوہر عورت کے نفقہ سے عاجز ہو جائے اور نہ دے پائے تو اس کی وجہ سے ہمارے نزدیک زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت سے کہا جائیگا کہ وہ شوہر کے حوالہ پر کسی سے قرض لے لیا کرے حضرت عطاء حسن، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ حماد ظاہر یہ سب کا یہی قول ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مطالبہ کرے تو تفریق کر دی جائے گی کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "فامساک بمعروف او تسریح باحسان" اور امساک بالمعروف یہی ہے کہ شوہر عورت کے تمام حقوق مہر نان نفقہ وغیرہ ادا کرے اور جب وہ اس سے عاجز ہو گیا تو ضابطہ کے مطابق چھوڑ دینا متعین ہو گیا پھر امام مالک کے نزدیک یہ تفریق طلاق ہو گی اور امام شافعی و احمد کے نزدیک فسخ نکاح ہماری دلیل یہ ہے کہ "وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ ابتداء نکاح سے مانع نہیں تو بقاء بطریق اولیٰ مانع نہ ہو گا علاوہ ازیں تفریق میں شوہر کی ملک کا بطلان لازم آتا ہو اور قرض لینے میں اس کے حق کی تاخیر اور تاخیر حق بہ نسبت بطلان کے آسان ہے لہٰذا یہی بہتر ہو گا۔

قولہ ولاتجب الخ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کئی ماہ گزر گئے کہ اس کو نان نفقہ نہیں دیا اب عورت مطالبہ کرتی ہے تو گزشتہ ماہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب نہ ہو گا الا یہ کہ نفقہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا عورت نے نفقہ کی کسی مقدار پر شوہر کے ساتھ صلح کر لی ہو کہ اس صورت میں نفقہ واجب ہو گا ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قضاءِ قاضی اور مصالحت زوجین کے بغیر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہو گا کیونکہ مہر کی طرح نفقہ بھی حق واجب ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا تبرع ہے پس قضاءِ قاضی یا مصالحت زوجین کے بغیر اس کا وجوب مستحکم نہ ہو گا بخلاف مہر کے کہ وہ بضع محترم کا عوض ہے پس اس میں قضاءِ قاضی اور تراضی کی ضرورت نہیں۔

قولہ ولاترد المعجلۃ الخ زید نے اپنی بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیا پھر ان میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو شیخین کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لیا جائیگا امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زندگی کا نفقہ وضع کر کے باقی حساب لگا کر لے لیا جائیگا کیونکہ نفقہ احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور جب سال پورا ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا تو عورت بقیہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوئی شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا عطیہ ہے جس پر قبضہ ہو چکا اور صلات و عطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔

قولہ ونفقہ الامۃ الخ اگر کوئی شخص باندی کے ساتھ نکاح کر لے تو شوہر پر اس کا نفقہ اس وقت واجب ہو گا جب آقا ان کو علیحدہ مکان میں شب باشی کرائے اور باندی سے خدمت نہ لے ورنہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں۔

قولہ والسکنی الخ اس کا عطف النفقہ پر ہے جو شروع باب میں مذکور ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح شوہر پر بیوی کا نفقہ ضروری ہے اسی طرح اس کو ایسے مکان میں رکھنا بھی ضروری ہے جس میں زوجین کے اہل و عیال ماں بہن، بھائی، سسر، جیٹھ، دیور وغیرہ نہ ہوں قال تعالیٰ "اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم"۔

قولہ وفرض الخ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال کسی کے پاس بطور امانت یا بطور قرض ہو تو اس کی بیوی اور چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ اس کے مال سے مقرر کیا جائیگا اور بیوی جو مال نفقہ میں لے گی اس پر بیوی سے ایک ضامن لے لیا جائیگا جو اس پر قسم کھائے کہ شوہر نے اس کو نفقہ نہیں دیا اور عورت نہ ناشزہ ہے نہ مطلقہ (جس کی عدت گزر گئی ہو) لیکن نفقہ مقرر کرنے کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ امانت دار اور مقروض اس کا اقرار کرتے ہوں کہ فلاں غائب کا مال ہمارے پاس ہے دوسرے یہ کہ اس کا بھی اقرار کرتے ہوں کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے اور یہ بچے اسی کی اولاد ہیں اس اقرار کے بغیر نفقہ اس کے مال سے مقرر نہ ہو گا۔

قولہ ولمعتدۃ الطلاق الخ اگر مطلقہ عورت عدت میں ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مطلقہ ثلاث ہو یا طلاق بالعوض ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہاں اگر حاملہ ہو تو بالاجماع نفقہ واجب ہے لقولہ تعالیٰ "وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن" ائمہ ثلاثہ کی دلیل فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے کہ "ان

کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دیدی تھیں فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا تو آپ نے ان کیلئے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا(۱)۔ روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انما السکنیٰ والنفقۃ لمن کان یملک الرجعۃ''[۲]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت ''اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم'' میں علی الاطلاق سکنیٰ ضروری فرمایا ہے نیز دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مطلقہ ثلاث کیلئے سکنیٰ اور نفقہ ثابت[۳] ہے''۔ رہی حدیث فاطمہ سو وہ قابل حجت نہیں کیونکہ خود صحابہ نے اس کو رد کیا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ''ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ایک ایسی عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے جسکے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اس کو بات محفوظ رہی یا وہ بھول گئی (مسلم) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''فاطمہ کو کیا ہوا کہ وہ (لاسکنی لک ولا نفقہ) کہنے میں اللہ سے نہیں ڈرتی (بخاری) اسی طرح حضرت اسامہ بن زید، زید بن ثابت، مروان بن حکم، ابن المسیب، شریح، شعبی، حسن، اسود، ثوری، احمد بن حنبل سب نے اس کو رد کیا ہے وللمسئلۃ ذیل طویل ونحن مخافۃ التطویل طوینا الکشح عن التفصیل۔

وَرِدَّتُهَا بَعْدَ الْبَتِّ تُسْقِطُ نَفَقَتَهَا لَاتَمْكِيْنُ ابْنِهٖ وَلِطِفْلِهِ الْفَقِيْرِ

اور عورت کا مرتد ہو جانا طلاق بائن کے بعد ساقط کر دیتا ہے اس کے نفقہ کو نہ کہ شوہر کے لڑکے کو قابو دیدینا اور نفقہ واجب ہے اپنے محتاج بچے کا

وَلَاتُجْبَرُ اُمُّهٗ لِتُرْضِعَهٗ وَيَسْتَاْجِرُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا لَا اُمَّهٗ لَوْمَنْكُوْحَةً اَوْ مُعْتَدَّةً

اور ماں کو مجبور نہیں کیا جائیگا دودھ پلانے پر بلکہ اجرت پر لیگا اس کو جو بچہ کو ماں کے پاس دودھ پلائے نہ کہ اس کی ماں کو اگر وہ منکوحہ یا معتدہ ہو

وَهِيَ اَحَقُّ بَعْدَهَا مَالَمْ تَطْلُبْ زِيَادَةً وَلِاَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ لَوْ فُقَرَآءَ وَلَا نَفَقَةَ

اور ماں زیادہ حقدار ہے عدت کے بعد جبتک زیادہ نہ مانگے اور نفقہ واجب ہے باپ دادا دادی کا اگر وہ محتاج ہوں اور واجب نہیں ہوتا دین کے

مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا بِالزَّوْجِيَّةِ وَالْوِلَادَةِ وَلَا يُشَارِكُ الْاَبَ وَالْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ وَلَدِهٖ وَاَبَوَيْهِ اَحَدٌ

مختلف ہونے سے مگر زوجیت اور باپ بیٹا ہونے کے تعلق سے اور شریک نہ ہو باپ اور اولاد اور والدین کے نفقہ میں کوئی دوسرا شخص

وَلِقَرِيْبٍ مُحْرِمٍ فَقِيْرٍ عَاجِزٍ عَنِ الْكَسْبِ بِقَدْرِ الْاِرْثِ لَوْ مُوْسِرًا وَصَحَّ بَيْعُ عَرْضِ ابْنِهٖ

اور نفقہ واجب ہے رشتہ دار محرم کیلئے جو محتاج اور کمانے سے عاجز ہو بقدر وراثت مالدار ہو اور صحیح ہے اپنے بیٹے کے اسباب کو بیچنا نفقہ کے لئے نہ کہ

لَا عِقَارِهٖ لِنَفَقَتِهٖ وَلَوْ اَنْفَقَ مُوْدَعُهٗ عَلٰى اَبَوَيْهِ بِلَا اَمْرِهٖ ضَمِنَ وَاِنْ اَنْفَقَا مَا عِنْدَهُمَا

اس کی زمین کو اور اگر خرچ کیا مودع نے صاحب مال کے والدین پر بلا اجازت تو ضامن ہوگا اور اگر والدین نے خرچ کر لیا تو ضامن نہ ہونگے

لَا فَلَوْ قَضٰى بِنَفَقَةِ الْوِلَادِ وَالْقَرِيْبِ وَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ الْقَاضِيْ بِالْاِسْتِدَانَةِ

اگر قاضی نے ماں باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کیلئے نفقہ کا حکم کیا اور مدت گذر گئی تو ساقط ہو جائیگا الا یہ کہ حکم کر دے قاضی قرض لینے کا

وَلِمَمْلُوْكِهٖ فَاِنْ اَبٰى فَفِيْ كَسْبِهٖ وَاِلَّا اُمِرَ بِبَيْعِهٖ

اور نفقہ واجب ہے اپنے غلام کیلئے اگر آقا نہ دے تو غلام کی کمائی سے ہوگا ورنہ غلام کو فروخت کر دیا جائیگا

---

(۱) … الجماعۃ غیر البخاری عن فاطمہ ۱۲ (۲) دار قطنی بروایت ہشیم عن مجالد عن الشعبی، ابن اصبغ بروایت ابن عیینۃ عن مجالد عن الشعبی، احمد بروایت عبدۃ عن مجالد عن الشعبی، دار قطنی بروایت یسار وحصین ومغیرۃ وداود واسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی بیہقی بروایت فراس عن الشعبی ۱۲

(۳) .. ورواہ الطبرانی من قول ابن مسعود وعمر ۱۲۔

بقیہ احکام نفقہ

تشریح الفقہ: قولہ ولا تجب مع اختلاف الخ اگر دین مختلف ہو تو کسی کا نفقہ واجب نہیں نہ کافر کا مسلم پر نہ مسلم کا کافر پر سوائے بیوی اور اصول وفروع کے کہ ان کا نفقہ اختلاف دین کے باوجود واجب ہے وجہ یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا مدار بموجب نص قرآنی وراثت پر ہے اور مسلم و کافر کے مابین وراثت نہیں بخلاف زوجہ اور اصول وفروع کے کہ زوجہ کیلئے وجوب نفقہ کی علت احتباس ہے اور اصول وفروع میں علت وجوب جزئیت ہے اور احتباس وجزئیت میں اختلاف دین کی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

قولہ ولا یشارک الخ اولاد اور والدین کے نفقہ میں باپ اور بیٹے کا کوئی مشارک نہیں یعنی اولاد کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے نہ کہ کسی اور پر نیز باپ کا نفقہ فرزند ہی پر واجب ہے نہ کہ اس کے چچا وغیرہ پر اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر ہی پر واجب ہے نہ کہ غیر پر پس باپ کے ہوتے ہوئے اس کی اولاد کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں باپ مالدار ہو یا تنگدست یہ روایت قدوری کی ہے جس کو عام اصحاب متون نے اختیار کیا ہے اور شروح میں اسی روایت پر اتفاق واعتماد ہے اور یہی مفتی بہا ہے صاحب بحر نے جو کہا ہے کہ متون فقہ کو درست کرنا چاہئے کیونکہ اگر باپ تنگدست ہو تو اس کی اولاد کا نفقہ قرابت والوں پر واجب ہے یہ لائق التفات نہیں کیونکہ نقل مذہب کیلئے متون ہی مخصوص ہیں پھر صاحب نہر کا اس مقام پر خاموش رہنا اور صاحب بحر کی خام خیالی پر متنبہ نہ کرنا تعجب خیز بات ہے کیونکہ صاحب بحر پر اعتراض کرنا اور ایسے مقام میں بحث کرنا ان کی عام عادت ہے۔

كِتَابُ الْعِتَاقِ

هُوَ اِثْبَاتُ الْقُوَّةِ الشَّرْعِيَّةِ فِي الْمَمْلُوْكِ وَيَصِحُّ مِنْ حُرٍّ مُكَلَّفٍ لِمَمْلُوْكِهِ بِاَنْتَ حُرٌّ وَبِمَا

اور وہ ایک شرعی قوۃ ثابت کرنا ہے غلام کے لئے اور صحیح ہے آزاد عاقل بالغ سے جبکہ وہ کہے اپنے غلام سے کہ تو آزاد ہے اور ان الفاظ سے جن کے

يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْبَدَنِ وَعَتِيْقٌ وَمُعْتَقٌ وَمُحَرَّرٌ وَحَرَّرْتُکَ اَوْ اَعْتَقْتُکَ نَوَاهُ اَوْ لَا

ذریعہ کل کی تعبیر ہوتی ہے اور اس سے کہ تو آزاد شدہ یا آزاد کردہ ہے اور میں نے تجھے آزاد کردیا نیت کرے یا نہ کرے

وَبِلَا مِلْکَ لِیْ عَلَيْکَ وَلَا رِقَّ لِیْ وَلَا سَبِيْلَ لِیْ عَلَيْکَ اِنْ نَوَاه

اور اس سے کہ تجھ پر میری ملک میرا اختیار نہیں بشرطیکہ آزادی کی نیت کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ طلاق اور عتاق دونوں رفع قید میں مشترک ہیں طلاق میں قید نکاح مرتفع ہوتی ہے اور عتاق میں قید مملوکیت مگر نکاح کے ساتھ طلاق کی مناسبت تامہ ہے اس لئے طلاق کے بعد عتاق کو ذکر کر رہا ہے شریعت میں اسقاط حقوق کو بغرض اختصار چند اسما کے ساتھ ممتاز کیا گیا ہے چنانچہ اسقاط حقوق قصاص کو عفو کہتے ہیں اور اسقاط دین کو ابرا اور اسقاط حق وطی کو طلاق اور اسقاط ملک رقبہ کو اعتاق۔

قولہ هو اثبات الخ عتق اور عتاق لغۃً عتق (ض) کا مصدر ہے مملوکیت سے نکلنے کو کہتے ہیں (مغرب) نیز عتق بمعنی قوت بھی آتا ہے کیونکہ رق بمعنی ضعف ہے یقال ثوب رقیق، صوت رقیق اور عتق ازالہ ضعف کو کہتے ہیں جو قوت کو مستلزم ہے[1] (مبسوط) اصطلاح شرع میں عتاق اس قوت شرعیہ کا نام ہے جو غلام کو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شرعی تصرفات شہادت، ولایت وغیرہ کا اہل ہو جاتا ہے اسی قوت کے اثبات کا نام اعتاق ہے اس تعریف کے لحاظ سے اعتاق میں تجزی نہیں ہو سکتی صاحبین اسی کے قائل ہیں حدیث کے الفاظ وان لم یکن له مال قوم علیه فاستسعی العبد به غیر مشقوق علیه[2] اسی پر دال ہیں امام صاحب کے نزدیک اعتاق میں تجزی ممکن ہے کیونکہ ظاہر حدیث ''والافقد عتق منه ماعتق''[3] سے یہی معلوم ہوتا ہے پس امام صاحب کے نزدیک اعتاق کی

---

(۱) ... پس صاحب بحر نے جو یہ کہا ہے کہ ہذا اولی من قولہم ان العتق فی اللغۃ القوۃ لان اہل اللغۃ لم یقولوا عتق العبد اذا قوی وانما قالوا عتق العبد اذا اخرج عن المملوکیۃ'' قابل التفات نہیں ۱۲ (۲) ائمہ ستہ ۱۲ (۳) ائمہ ستہ۔

تعریف یوں ہوگی"ھو ازالة الملک عن المملوک"۔

فائدہ: عتق کی چار قسمیں ہیں عتق واجب جیسے کفارہ ظہار وقتل وافطار میں غلام آزاد کرنا قال تعالیٰ "فتحریر رقبة مومنة" عتق مندوب یعنی رضاء باری کیلئے آزاد کرنا حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص مسلمان کو آزاد کرے گا حق تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض میں آزاد کنندہ کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کرے گا"[۱] اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق نے تریسٹھ تریسٹھ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے عتق مباح جیسے کسی آدمی کی خاطر آزاد کرنا بعض نے اس کو مکروہ شمار کیا ہے بایں معنی کہ ایسا عمدہ کام بے فائدہ ہوگیا عتق حرام جیسے شیطان اور بت کے واسطے آزاد کرنا (بشرطیکہ تعظیم مقصود نہ ہو ورنہ کفر ہے)۔

قولہ ویصح الخ عتق ہر آزاد مکلف یعنی عاقل بالغ سے صحیح ہے خواہ صریح الفاظ کے ساتھ ہو یا کنایات کے ساتھ عتق کے صریح الفاظ انت حر، وجھک حر، انت عتیق الخ میں نیت کرے یا نہ کرے بہر دوصورت صحیح ہے کیونکہ نیت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں متکلم کی مراد میں اشتباہ ہو اور صریح الفاظ میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا لہٰذا نیت کی ضرورت نہیں ہاں کنائی الفاظ لا ملک لی علیک. لا رق لی علیک میں نیت شرط ہے کیونکہ ان میں عتق اور غیر عتق دونوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ سبیل وملک کی نفی بذریعہ بیع یا بذریعہ کتابت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفی بذریعہ عتق مراد ہو پس نیت کے بغیر غلام آزاد نہ ہوگا۔

وَبِهٰذَا ابْنِیْ اَوْاَبِیْ اَوْاُمِّیْ اَوْبِهٰذَامَوْلَائِیْ اَوْ یَا مَوْلَائِیْ اَوْ یَاحُرُّاَوْعَتِیْقُ عُتِقَ لَا بِیَاابْنِیْ وَیَااَخِیْ

اور اس سے کہ یہ میرا بیٹا یا باپ یا ماں یا مولیٰ ہے یا یوں کہے اے میرے مولیٰ اے آزاد اے عتیق لیکن اس سے آزاد نہ ہوگا کہ اے میرے بیٹے اے بھائی

وَلَاسُلْطَانَ لِیْ عَلَیْکَ وَبِاَلْفَاظِ الطَّلَاقِ وَبِاَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّوَعُتِقَ بِمَا اَنْتَ اِلَّاحُرٌّ وَبِمِلْکِ قَرِیْبٍ مُحْرِمٍ

تجھ پر مجھکو غلبہ نہیں اور نہ الفاظ طلاق سے اور نہ اس سے کہ تو مثل آزاد کے ہے اور آزاد ہو جائیگا اس سے کہ نہیں ہے تو مگر آزاد اور رشتہ دار محرم کے

وَلَوْکَانَ الْمَالِکُ صَبِیًّااَوْمَجْنُوْنًا وَبِتَحْرِیْرٍ لِوَجْهِ اللّٰهِ اَوْلِلشَّیْطَانِ اَوْلِلصَّنَمِ وَبِکُرْهٍ وَسُکْرٍ

مالک ہونے سے اگر چہ مالک بچہ یا دیوانہ ہو اور خدا کی رضا یا شیطان یا بت کیلئے آزاد کرنے سے اور زبردستی اور حالت نشہ میں آزاد کرنے سے

وَاِنْ اَضَافَهٗ اِلَی الْمِلْکِ اَوِ الشَّرْطِ صَحَّ وَلَوْحَرَّرَ حَامِلًا عُتِقَا وَاِنْ حَرَّرَهٗ عُتِقَ فَقَطْ

اگر منسوب کیا عتق کو ملک یا شرط کی طرف تو صحیح ہے اور اگر حاملہ کو آزاد کیا تو باندی اور حمل دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر حمل کو آزاد کیا تو صرف وہی

وَالْوَلَدُ یَتْبَعُ الْاُمَّ فِی الْمِلْکِ وَالْحُرِّیَّةِ وَالرِّقِّ وَالتَّدْبِیْرِ وَالْاِسْتِیْلَادِ وَالْکِتَابَةِ وَوَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ سَیِّدِهَا حُرٌّ

آزاد ہوگا اور بچہ تابع ہوتا ہے ماں کا ملک میں آزادی میں غلامی میں اور مدبر وام ولد اور مکاتب ہونے میں اور جو بچہ باندی کے آقا سے ہو وہ آزاد ہے۔

توضیح اللغۃ: مولیٰ بمعنی آقا آزاد وغیرہ صنم بت کرہ زبردستی سکر مستی یتبع تابع ہوتا ہے تدبیر مدبر بنانا:

تشریح الفقہ: قولہ وھذا ابنی الخ ہذا ابنی سے یا عتیق تک سب انت حر پر معطوف ہیں یعنی ان الفاظ سے بھی عتیق بلانیت صحیح ہے مگر ان میں قدرے تفصیل ہے اس لئے مصنفؒ نے الفاظ صریحہ کے ساتھ ذکر نہیں کیا تفصیل یہ ہے کہ یہاں تین الفاظ تو وہ ہیں جن سے نسب ثابت ہوتا ہے یعنی لفظ ابن لفظ اب لفظ ام تو ہذا سے جو اس نے غلام کی طرف اشارہ کیا ہے یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو غلام میں اس کا لڑکا ہونے کی صلاحیت ہوگی یا نہ ہوگی ان میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں غلام مجہول النسب ہوگا یا معروف النسب سو اگر غلام مجہول النسب ہو اور اس کا لڑکا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو مثلاً مالک کی عمر چالیس سال کی ہو اور غلام کی عمر بیس سال کی اور مالک کہے ھذا ابنی تو بالاجماع نسب بھی ثابت ہو جائیگا اور آزادی بھی ثابت ہو جائے گی اور غلام معروف النسب ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا لیکن آزاد ہو

---

[۱] [illegible] ۱۲

جائے گی اور اگر غلام لڑکا بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو مثلاً مالک کی عمر بیس سال کی ہو اور غلام کی عمر چالیس کی تو بلاشبہ نسب ثابت نہ ہوگا رہی آزادی سو امام صاحبؒ کے نزدیک آزادی ہو جائیگی غلام مجہول النسب ہو یا معروف النسب اور صاحبینؒ کے نزدیک آزادی بھی نہیں

ہوگی اسی طرح کی تفصیل ہذابی اور ہذہ امی کہنے میں ہے چوتھا لفظ مولی ہے جس میں اخبار اور ندا کا کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں عتق صحیح ہے خبر کی صورت میں تو اس لئے کہ لفظ مولیٰ گو معانی کثیرہ مالک، آزاد، ناصر، ابن العم وغیرہ کو شامل ہے چنانچہ ابن الاثیر نے بیس معانی سے زائد شمار کرائے ہیں لیکن جب کسی سے کہا جائے ہذا مولیٰ تو آزاد کے علاوہ اور کوئی معنی مناسب نہیں اس لئے یہ صریح الفاظ کے ساتھ لاحق ہے اور ندا کی صورت میں اس لئے کہ جب یہ صریح الفاظ کے ساتھ لاحق ہو گیا تو جیسے صریح الفاظ سے ندا کی صورت میں عتق صحیح ہے ایسے ہی اس سے بھی عتق صحیح ہوگا البتہ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلانیت صحیح نہیں وفی البحر زیادۃ تفصیل فطالعہ ان شئت۔

بَابُ الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهٗ

باب اس غلام کے بیان میں جس کا کچھ حصہ آزاد کیا جائے

مَنْ اَعْتَقَ بَعْضَ عَبْدِهٖ لَمْ يُعْتَقْ كُلُّهٗ وَيَسْعٰى لَهٗ فِيْمَا بَقِيَ وَهُوَ كَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ

جو شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے تو وہ کل آزاد نہیں ہوتا بلکہ وہ باقی میں سعایت کریگا اور وہ مکاتب کے حکم میں ہے اور اگر اپنا حصہ آزاد کیا تو شریک

فَلِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّحَرِّرَهٗ اَوْيَسْتَسْعِيَ وَالْوَلَاۗءُ لَهُمَا اَوْيُضَمِّنَ لَوْ مُوْسِرًا وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاۗءُ لَهٗ

کو اختیار ہے آزاد کرے یا سعایت کرائے اور ولاء دونوں کیلئے ہوگی یا ضامن بنادے اگر مالدار ہو اور وہ غلام سے لیلے اور ولاء صرف معتق کیلئے ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ بعض غلام آزاد کرنے کی بہ نسبت کل غلام آزاد کرنا کثیر الوقوع ہے اور ظاہر ہے کہ کثیر الوقوع شئے کے احکام کی ضرورت زیادہ واقع ہوتی ہے اس لئے عتق کل بیان کرنے کے بعد عتق بعض کو بیان کر رہا ہے نیز عتق کل متفق علیہ اور کثیر الثواب ہے اور عتق بعض مختلف فیہ اور قلیل الاجر ہے اس لئے بھی عتق بعض کو موخر کرنا مناسب ہے۔

قولہ من اعتق الخ اگر کوئی شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے خواہ وہ حصہ معین ہو جیسے نصف، ثلث، ربع وغیرہ یا غیر معین تو امام صاحبؒ اور حسن بصری کے نزدیک اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا نہ کہ کل اور غیر معین ہونے کی صورت میں معتق سے بیان کرایا جائیگا اب غلام اپنے باقی حصہ میں مالک کیلئے سعایت کرے گا یعنی اگر غلام کی قیمت سو روپے ہو تو پچاس روپے کما کر مالک کو دے گا اور پورا آزاد ہو جائیگا صاحبین ائمہ ثلاثہ، قتادہ، ثوری اور شعبی کے نزدیک بعض حصہ آزاد کرنے سے بھی کل آزاد ہو جائے گا اور غلام پر سعایت واجب نہ ہوگی یہ اختلاف دراصل اعتاق کی تفسیر پر مبنی ہے صاحبین کے نزدیک موجب اعتاق زوال رقیت ہے اور رقیت تجزی و تقسیم کو قبول نہیں کرتی تو عتق میں بھی تجزی نہ ہوگی امام صاحب کے نزدیک موجب اعتاق ازالہ ملک ہے جو بالاتفاق متجزی ہے پس اس کا ازالہ بھی متجزی ہوگا ہر ایک کی دلیل شروع باب میں گزر چکی ہے۔

قولہ وھو کالمکاتب الخ معتق البعض مکاتب کے حکم میں ہوتا ہے کہ نہ اس کی بیع جائز ہے اور نہ ہبہ مگر تین امور اس سے مستثنیٰ ہیں نمبرا، اگر سعایت سے عاجز ہو جائے تو غلامی کی طرف واپس نہ آئیگا بخلاف مکاتب کے کہ وہ بدل کتابت سے عاجز ہونے کی صورت میں پھر غلام ہو جاتا ہے، نمبر۲: اگر معتق البعض اور خالص غلام کو بیع میں جمع کیا جائے تو دونوں کی بیع باطل ہو جائے گی بخلاف مکاتب کے کہ مکاتب اور خالص غلام کی صورت میں صرف مکاتب کی بیع باطل ہوتی ہے۔ نمبر۳: اگر معتق البعض مقتول ہو جائے اور بقدر سعایت نہ چھوڑے تو اس کے قاتل پر قصاص واجب نہیں بخلاف مکاتب کے کہ اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

قولہ وان اعتق الخ ایک غلام کے دو مالک تھے ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کو چند چیزوں میں اختیار ہے اگر معتق مالدار ہو تو دوسرا شخص چاہے اپنا حصہ فی الحال آزاد کر دے اور چاہے تو معتق سے اپنے حصہ کی قیمت کا ضمان لے لے

اور چاہے تو غلام سے سعایت کرالے اگر وہ اپنا حصہ آزاد کرتا ہے یا غلام سے سعایت کراتا ہے تو ولاء دونوں مالکوں کیلئے ہوگی اور اگر معتق سے ضمان لیتا ہے تو معتق غلام سے اتنی قیمت وصول کرے گا اور ولاء صرف معتق کیلئے ہوگی اور اگر معتق تنگدست ہو تو شریک آخر چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے بہر دو صورت ولاء دونوں کیلئے ہوگی یہ حکم امام صاحبؒ کے نزدیک ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر معتق مالدار ہو تو شریک صرف ضمان دے گا اور تنگدست ہو تو غلام سے سعایت کرائیگا اور غلام سے وصول نہیں کر سکے گا اور ولاء ہر صورت میں معتق کیلئے ہوگی یہ اختلاف دو دقیق اصولوں پر مبنی ہے ایک اعتاق کو تجزی ہونے اور نہ ہونے پر دوسرے اس پر کہ امام صاحب کے نزدیک معتق کا مالدار ہونا سعایت عبد سے مانع نہیں اور صاحبین کے نزدیک مانع ہے۔

وَلَوْ شَهِدَ كُلٌّ بِعِتْقِ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ سَعٰى لَهُمَا وَلَوْعَلَّقَ اَحَدُهُمَا عِتْقَهٗ بِفِعْلِ فُلَانٍ

اگر گواہی دی ہر ایک نے اپنے شریک کے حصہ کے آزاد کرنے پر تو غلام دونوں کیلئے سعایت کریگا اور اگر ایک نے معلق کیا آزادی کو فلاں کے فعل پر

غَدًا وَعَكَسَ الْاٰخَرُ وَمَضٰى وَلَمْ يُدْرَ عُتِقَ نِصْفُهٗ وَسَعٰى فِيْ نِصْفِهٖ لَهُمَا

کل کے دن اور دوسرے نے برعکس کیا اور کل کا دن گذر گیا اور معلوم نہ ہوا تو نصف آزاد ہو جائیگا اور نصف میں دونوں کیلئے سعایت کریگا

وَلَوْحَلَفَ كُلٌّ وَاحِدٍ بِعِتْقِ عَبْدِهٖ لَمْ يُعْتَقْ وَاحِدٌ وَلَوْ مَلَكَ ابْنَهٗ مَعَ اٰخَرَ

اور اگر ہر ایک نے قسم کھائی اپنے غلام کی آزادی کی تو کوئی بھی آزاد نہ ہوگا جو شخص مالک ہوگیا اپنے بیٹے کا دوسرے کیساتھ

عُتِقَ حَظُّهٗ وَلَمْ يَضْمَنْ وَلِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّعْتِقَ اَوْ يَسْتَسْعِيَ وَاِنِ اشْتَرٰى نِصْفَهٗ اَجْنَبِيٌّ ثُمَّ الْاَبُ مَابَقِيَ فَلَهٗ اَنْ يُّضَمِّنَ الْاَبَ

تو اس کا حصہ آزاد ہو جائیگا اور ضامن نہ ہوگا اب اس کا شریک آزاد کرے یا سعایت کرائے اور اگر پہلے اجنبی نے ماقی کو خریدا تو شریک چاہے باپ

اَوْ يَسْتَسْعِيَ وَاِنِ اشْتَرٰى نِصْفَ ابْنِهٖ مِمَّنْ يَّمْلِكُ كُلَّهٗ لَايَضْمَنُ لِبَائِعِهٖ

سے تاوان لیلے چاہے سعایت کرالے اور اگر خریدا اپنے بیٹے کے نصف کو اس شخص سے جو کل کا مالک تھا تو باپ ضامن نہ ہوگا بائع کے لئے

عَبْدٌ لِمُوْسِرِيْنَ دَبَّرَهٗ وَاحِدٌ وَحَرَّرَهٗ اٰخَرُ يُضَمِّنُ السَّاكِتُ الْمُدَبِّرَ

ایک غلام ہے تین مالداروں کا ایک نے اس کو مدبر کیا دوسرے نے آزاد تو ضامن بنائیگا ساکت مدبر کو

وَالْمُدَبِّرُ الْمُعْتِقَ ثُلُثَهٗ مُدَبَّرًا لَا مَا ضَمِنَ وَلَهٗ قَالَ لِشَرِيْكِهٖ

اور مدبر ضامن بنائے گا معتق کو ثلث قیمت کا مدبر ہونیکی حالت میں نہ کہ اس قیمت کا جو اس نے دی ہے اگر کسی نے اپنے شریک سے کہا

هِيَ اُمُّ وَلَدِكَ فَاَنْكَرَ تَخْدِمُهٗ يَوْمًا وَتَتَوَقَّفُ يَوْمًا

کہ یہ باندی تیری ام ولد ہے اور شریک نے انکار کیا تو باندی ایک روز منکر کی خدمت کرے اور ایک روز بیٹھی رہے

تشریح الفقہ : قولہ ولو شهد الخ اگر ہر شریک دوسرے کے متعلق یہ کہے کہ تو نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور ہر ایک اس کا انکار کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک غلام دونوں کیلئے سعایت کرے گا دونوں مالدار ہوں یا کوئی ایک تنگدست ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق عتق کی اور اپنے متعلق مکاتب کی خبر دے رہا ہے پس ہر ایک کا قول خود اس کے حق میں مقبول ہوگا اور غلام ہر ایک کیلئے سعایت کرے گا نیز ولاء بھی ہر ایک کیلئے ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہے کہ میرا حصہ بجہت سعایت آزاد ہوا ہے صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو سعایت واجب نہیں کیونکہ معتق کا مالدار ہونا ان کے یہاں مانع سعایت ہے اور دونوں نادار ہوں تو دونوں کیلئے سعایت کرے گا کیونکہ وہ دونوں سعایت کے مدعی ہیں اور اگر ایک مالدار ہو تو غلام مالدار کیلئے سعایت کرے گا کیونکہ مالدار

(۱) آزاد کردہ غلام کی وراثت ۱۲۔

دوسرے شریک پر ضمان کا مدعی نہیں بلکہ غلام پر سعایت کا مدعی ہے بخلاف نادار کے کہ وہ مالدار پر ضمان کا مدعی ہے پھر ولاء چونکہ معتق کیلئے ہوتی ہے اور یہاں ایک دوسرے پر محول کر رہا ہے اس لئے جب تک کسی ایک کے اعتاق پر اتفاق نہ ہو اس وقت تک ولاء موقوف رہے گی۔

قوله ولو علق الخ غلام کے دو مالکوں میں سے ایک نے کہا کہ اگر کل زید گھر میں داخل ہو تو آزاد اس کے برعکس دوسرے نے کہا کہ اگر کل زید گھر میں داخل نہ ہو تو آزاد اور کل کا دن گزر گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ زید گھر میں داخل ہوا ہے یا نہیں تو شیخین کے نزدیک نصف غلام آزاد ہوگا اور نصف باقی میں دونوں شریکوں کیلئے سعایت کرے گا، امام محمد فرماتے ہیں کہ کل قیمت میں سعایت کرے گا کیونکہ ان میں سے جس ایک کے حق میں سقوط سعایت کا فیصلہ ہے وہ مجہول ہے اور قضا علی المجہول ناممکن ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں نصف سعایت کا سقوط متیقن ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک ضرور حانث ہے پس نصف سعایت کا سقوط متیقن ہوتے ہوئے کل سعایت کے وجوب کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

قوله ولو حلف الخ اگر دو مالکوں کے دو غلام جدا جدا ہوں اور ان میں سے ایک کہے کہ اگر زید کل گھر میں داخل ہو تو میرا غلام آزاد اور دوسرا کہے کہ اگر زید گھر میں داخل نہ ہو تو میرا غلام آزاد تو کوئی غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام اور حانث ہونے والا ہر دو مجہول ہیں بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ وہاں صرف حانث ہونے والا مجہول تھا نہ کہ غلام کیونکہ وہاں دونوں کا ایک ہی غلام ہے۔

قوله من ملک الخ اگر کوئی شخص شراء، ہبہ، صدقہ، وصیت، بدل، مہر یا میراث کے ذریعہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اپنے قریبی رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک قرابت والے کا حصہ بلا ضمان آزاد ہو جائے گا لیکن صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مالک مالدار ہے تو ضامن ہوگا اور نادار ہے تو غلام سعایت کرے گا البتہ وراثت کی صورت میں بالاتفاق ضمان نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناداری کی صورت میں اس کی ملکیت باقی رہے گی جو چاہے سو کرے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ان اسباب کی مباشرت کرنا ہی اس کا آزاد کرنا ہے پس اس نے اپنے شریک کا حصہ فاسد کر دیا لہذا ضامن ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم کا مدار سبب تعدی پر ہے اور یہاں تعدی موجود نہیں کیونکہ قریبی رشتہ دار کی آزادی اس کا اختیاری فعل نہیں لہذا ضمان واجب نہ ہوگا ہاں اس کے شریک کو اختیار ہوگا چاہے وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے اور اگر پہلے کسی اجنبی نے خریدا پھر مابقی کو اس کے باپ نے خرید لیا تو امام صاحب کے نزدیک اجنبی کو اختیار ہے چاہے باپ سے قیمت کا ضمان لے لے اگر وہ مالدار ہو کیونکہ یہاں اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے صاحبین کے نزدیک چونکہ معتق کا مالدار ہونا مانع سعایت ہے اس لئے ان کے یہاں صرف ضمان لے گا اور اگر قریبی رشتہ دار کو ایسے شخص سے خریدا جو اس کے کل کا مالک تھا تو مشتری بائع کیلئے ضامن نہ ہوگا مثلاً زید عمرو کا غلام ہے اور خالد کا بیٹا ہے اور خالد نے عمرو سے زید کا نصف حصہ خرید لیا تو خالد عمرو کیلئے ضامن نہ ہوگا کیونکہ خالد کی ملکیت میں زید کے داخل ہونے کی علت ایجاب وقبول ہے تو یہاں عمرو نے خالد کو خود ہی اپنا شریک بنالیا۔

قوله عبد لمو سرین الخ ایک غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک نے غلام کو مدبر کر دیا دوسرے نے آزاد اور تیسرا خاموش رہا یعنی نہ اس نے مدبر کیا نہ آزاد شریک اول کے مدبر کرنے سے دونوں شریکوں کے حصوں میں نقصان آ گیا اب ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصے میں تدبیر کتابت، ضمان، اعتاق اور سعایت کا حق تھا لیکن جب دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کا حق عتق میں متعین ہو گیا اور دوسرے اختیارات ساقط ہو گئے اب صرف تیسرے کا حق باقی رہا تو اس کیلئے ضمان دو طرف متوجہ ہوا ایک ضمان تدبیر دوسرا ضمان اعتاق اور ضمان چونکہ ضمان معاوضہ ہے یعنی مالک ہونے کا ضمان ہے اور ضمان اعتاق اتلاف ہے کیونکہ مدبر کا اجارہ اور استخدام درست ہے اور اعتاق میں یہ امور جائز نہیں اس لئے تیسرا شریک معتق سے ضمان نہ لے گا بلکہ مدبر کرنے والے سے خالص غلام کی تہائی قیمت لے گا اور مدبر کرنے والا معتق سے ضمان لے گا لیکن مدبر کرنے والے نے جتنا ضمان دیا ہو یعنی خالص غلام کی تہائی قیمت اتنا ضمان نہیں لے گا بلکہ مدبر کی تہائی قیمت لے گا اور مدبر کی قیمت خالص غلام کی قیمت سے تہائی کم ہوتی ہے کیونکہ مملوک کی تین قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں ایک وطی کرنا

دوسرے خدمت لینا تیسرے فروخت کرنا اور مدبر کرنے سے فروختگی..... کی منفعت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مدبر کی بیع جائز نہیں اس لئے مدبر کی ثلث قیمت کم ہوتی ہے سو اگر ایک غلام کی قیمت ۲۷ درہم ہوں تو شریک ثالث مدبر کرنیوالے تہائی قیمت یعنی ۹ درہم لے گا اور مدبر کرنے والا معتق سے ۶ درہم لے گا کیونکہ مدبر کی تہائی قیمت کم ہو کر ۱۸ درہم رہے اور ۱۸ کا ثلث ۶ درہم ہے۔

قوله ولو قال لشریکه الخ ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی ان میں سے ایک نے کہا یہ باندی میرے شریک کی ام ولد ہے اور شریک نے اس کا انکار کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک باندی ایک روز منکر کی خدمت کرے گی اور ایک روز توقف کرے گی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منکر خدمت نہیں لے سکتا بلکہ باندی سے اس کی نصف قیمت میں سعایت کرا سکتا ہے اس کے بعد باندی آزاد ہو جائے گی کیونکہ مقر نے اپنا اور اپنے شریک دونوں کا حصہ فاسد کر دیا اور بینہ نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب کرنا متعذر ہے اس لئے سعایت واجب ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مقر دو حال سے خالی نہیں صادق ہوگا یا کاذب، اگر صادق ہے تب تو خدمت کا پورا استحقاق منکر کو ہے اور اگر کاذب ہے تو منکر کو نصف خدمت کا حق ہے اور نصف متیقن ہے لہٰذا نصف ثابت کر دیا جائے گا۔

وَمَا لِاُمِّ وَلَدٍ تَقَوُّمٌ فَلاَ يَضْمِنُ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ بِاِعْتَاقِهَا لَهُ ثَلٰثَةُ اَعْبُدٍ قَالَ لِاثْنَيْنِ

اور نہیں ہے ام ولد کی کوئی قیمت پس ضامن نہ ہوگا شریکین میں سے کوئی اس کو آزاد کرنے سے ایک شخص کے تین غلام ہیں اس نے دو سے کہا

اَحَدُكُمَا حُرٌّ فَخَرَجَ وَاحِدٌ مِنْهَا وَدَخَلَ اٰخَرُ وَكَرَّرَ وَمَاتَ بِلاَبَيَانٍ عُتِقَ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ الثَّابِتِ

کہ تم میں سے ایک آزاد ہے پس ایک باہر گیا اور دوسرا آیا مالک نے پھر یہی کہا اور بلا بیان مر گیا پس جو غلام دونوں دفعہ موجود رہا اس کے تین ربع

وَنِصْفُ كُلٍّ مِّنَ الْاُخْرَيَيْنِ وَلَوْ فِي الْمَرَضِ قُسِّمَ الثُّلُثُ عَلٰى هٰذَا

اور دوسرے دو میں سے ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور اگر یہ صورت مرض میں ہو تو ترکہ کا سوم حصہ انہی سہاموں پر تقسیم کیا جائیگا

وَالْبَيْعُ وَالْمَوْتُ وَالتَّحْرِيْرُ وَالتَّدْبِيْرُ وَالْهِبَةُ بَيَانٌ فِي عِتْقِ الْمُبْهَمِ لاَ الْوَطْئُ وَهُوَ وَالْمَوْتُ بَيَانٌ فِي الطَّلاَقِ الْمُبْهَمِ

اور فروخت کرنا مرجانا آزاد کرنا مدبر کرنا بیان ہے عتق مبہم کا نہ کہ وطی کرنا اور وطی کرنا اور مرجانا بیان ہے طلاق مبہم کا

وَلَوْ قَالَ اَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِيْنَهُ ذَكَرًا فَاَنْتِ حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ ذَكَرًا وَّاُنْثٰى وَلَمْ يُدْرَ الْاَوَّلُ رَقَّ الذَّكَرُ

شوہر نے کہا کہ اگر پہلا بچہ جو تو جنے لڑکا ہو تو تو آزاد ہے پس اسکے لڑکا اور لڑکی دونوں ہوئے اور پہلا معلوم نہ ہوسکا تو لڑکا غلام رہے گا

وَعُتِقَ نِصْفُ الْاُمِّ وَالْاُنْثٰى وَلَوْ شَهِدَ

اور ماں اور اس کی لڑکی نصف آزاد ہوجائیگی اور دو آدمیوں نے گواہی دی

اَنَّهُ حَرَّرَ اَحَدَ عَبْدَيْهِ اَوْ اَمَتَيْهِ لَغَتْ اِلاَّ اَنْ تَكُوْنَ فِي وَصِيَّةٍ اَوْ طَلاَقٍ مُبْهَمٍ

کہ فلاں نے اپنے دو غلاموں یا باندیوں میں سے ایک کو آزاد کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہوگی الا یہ کہ وصیت یا طلاق مبہم میں ہو۔

تشریح الفقہ: قوله ومالام ولد الخ صاحبین کے نزدیک ام ولد متقوم ہے کیونکہ اس سے وطی کی جاتی ہے اس کا اجارہ درست ہے خدمت لینا بھی صحیح ہے یہ سب امور اس کے متقوم ہونے پر دال ہیں صرف اتنی بات ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں لیکن بیع کے عدم جواز سے تقوم ساقط نہیں ہوسکتا جیسے مدبر کی بیع ناجائز ہے اس کے باوجود وہ قیمتی ہے امام صاحب کے نزدیک ام ولد کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے بچہ نے اس کو آزاد کر دیا (۱) اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوئیں ایک حریت دوسرے زوال تقوم کیونکہ جب آدمی آزاد ہو جاتا ہے تو اس کی قیمت نہیں ہوسکتی اب حریت میں دوسری حدیث مرفوع معارض ہے کہ ''جب مالک سے باندی کے اولاد ہو جائے تو وہ مالک کی موت کے بعد آزاد ہوتی ہے (۲) پس زوال تقوم

(۱) ... ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی عن ابن عباس ۱۲ (۲) ابن ماجہ، حاکم ۱۲

بلا معارض باقی رہا اسی اختلاف پر مسئلہ متفرع ہے کہ اگر ایک باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے بچہ ہونے پر دونوں شریک دعویٰ کریں تو وہ دونوں کی ام ولد ہو جائے گی اب اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو آزاد کر دے تو امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا مالدار ہو یا نادار اور صاحبینؒ کے نزدیک نصف قیمت کا ضمان ہوگا اگر مالدار ہو ورنہ نصف قیمت میں سعایت واجب ہوگی۔

قولہ اعبد الخ ایک شخص کے تین غلام ہیں سعید، مرجان، فیروز اس نے سعید اور مرجان سے کہا: تم میں سے ایک آزاد اس کے بعد باہر چلا گیا اور مرجان وہیں ٹھہرا رہا اور تیسرا غلام فیروز آ گیا مالک نے پھر یہی کہا تم میں سے ایک آزاد اور بیان کئے بغیر مر گیا تو مرجان کے تین ربع آزاد ہو جائیں گے اور سعید و فیروز میں سے ہر ایک نصف نصف آزاد ہوگا کیونکہ ایجاب اول جو سعید اور مرجان کے درمیان دائر ہے اس سے سعید آدھا آزاد ہو جائے گا اور آدھا مرجان اور ایجاب ثانی داخل وثابت یعنی مرجان اور فیروز کے درمیان دائر ہے تو اس سے بھی دونوں نصف نصف آزاد ہونے چاہئیں مگر چونکہ مرجان ایجاب اول سے نصف آزاد ہو چکا اور نصف غیر آزاد ہو تو نصف غیر آزاد کا نصف یعنی ربع اور آزاد ہو جائے گا پس مرجان کا نصف حصہ ایجاب اول ہے اور ایک ربع ایجاب ثانی سے آزاد ہوا جس کا مجموعہ تین ربع ہیں اور سعید کا نصف حصہ ایجاب اول سے اور فیروز کا نصف حصہ ایجاب ثانی سے آزاد ہوا یہ تو شیخین کے نزدیک ہے امام محمد کے نزدیک جس طرح مرجان ایجاب ثانی سے چہارم حصہ آزاد ہوا ہے اسی طرح فیروز بھی چہارم حصہ آزاد ہوگا۔

قولہ ولو فی المرض الخ اور اگر صورت مذکورہ مالک کے مرض الموت میں ہو تو حساب مذکور کے مطابق ثلث مال کو ان تینوں غلاموں میں تقسیم کیا جائے گا اور سہام عتق کے مطابق ہر غلام کے سات سہام قرار دیئے جائیں گے کیونکہ یہاں ایسے مخرج کی ضرورت ہے جس میں نصف اور ربع ہو اور اس کا اقل مخرج چار میں سات سہام کی گنجائش نہیں اس لئے چار کو زیادہ کر کے سات قرار دیا جائے گا اور یہی سات سہام ثلث مال ہے پھر مرض الموت میں چونکہ عتق کا حکم وصیت کا حکم ہوتا ہے اس لئے ثلث میں جاری ہوگا مثلاً ہر غلام کی قیمت فرض کیجئے سات سو روپے ہے اور غلاموں کے.......... علاوہ مرنے والے کا اور کوئی مال نہیں تو اس کا کل مال اکیس روپیہ ہوا جس کا ثلث سات روپے ہے تو جب ثلث کو سات پر تقسیم کیا جائے گا تو ہر ایک کو ایک ایک سو روپیہ پہنچے گا تو سعید اور فیروز کے دو دو سو ساقط ہو جائیں گے کیونکہ ان کے دو سو سہام تھے اور مرجان کے تین سو ساقط ہوں گے کیونکہ اس کے تین سہام تھے پس سعید اور فیروز پانچ پانچ سو میں اور مرجان چار سو میں سعایت کرے گا **عند محمد یجعل الثلث اسد اساء لاجل ان الداخل لایستحق سوی الربع عندہ فنقص سھمہ لذالک وباقی العمل ماذ کرنا۔**

قولہ البیع الخ ایک شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا، تم میں سے ایک آزاد ہے تو یہ عتق مبہم ہے معلوم نہیں ان میں سے کس کی آزادی مراد ہے اس کے بعد مالک نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا یا ایک مر گیا یا ایک کو آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا تو فروخت کرنا یا مر جانا یا آزاد کرنا یا مدبر کرنا عتق مبہم کا بیان ہے اب دوسرا غلام آزادی کیلئے معین ہو گیا اسی طرح ہر وہ تصرف جو ملک صحیح میں ہو اور بلا ملک صحیح نہ ہو عتق مبہم کا بیان ہوتا ہے جیسے مکاتب کرنا، وصیت کرنا مملوک کا نکاح کرنا، ہبہ کرنا، خیرات کرنا وغیرہ اور اگر دو باندیوں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اور پھر ایک سے وطی کر لی تو امام صاحب کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان نہ ہوگا کیونکہ ملکیت دونوں میں ثابت ہے اس لئے وہ دونوں سے خدمت لے سکتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان نہ ہوگا کیونکہ ملکیت دونوں میں ثابت ہے اس لئے وہ دونوں سے خدمت لے سکتا ہے لیکن صاحبین اور امام شافعی وامام مالک کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان ہے دوسری باندی آزاد ہو جائیگی کیونکہ وطی صرف ملک میں حلال ہے اور ان میں سے ایک آزاد ہو تو اس نے ایک کے ساتھ وطی کر کے امتہ موطوۃ میں ملکیت کو باقی رکھا ہو تو دوسری باندی عتق کیلئے معین ہو گئی فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وھو الموت الخ ہو کا مرجع وطی ہے یعنی وطی اور موت طلاق مبہم میں بیان ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی دو بیویوں سے کہا تم میں سے ایک بائن ہے پھر کسی ایک کے ساتھ وطی کر لی تو دوسری بیوی کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ وطی کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مطلقہ مبہم سے مراد دوسری بیوی تھی اسی طرح اگر ایک کا انتقال ہو گیا تو دوسری جو زندہ ہے اس کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ جو مر چکی وہ محل طلاق نہیں رہی۔

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے اپنی حاملہ باندی سے کہا اگر تو پہلا بچہ مذکر جنے تو، تو آزاد ہے باندی کے لڑکی اور لڑکا دونوں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون ہوا تو لڑکا ہر حال میں غلام رہے گا اگر لڑکا پہلے ہوا تو اس لئے غلام رہے گا کہ بوقت ولادت اس کی ماں مملوکہ ہے کیونکہ اس کی آزادی وضع حمل کے بعد ہوگی اور لڑکی پہلے ہو تب بھی اس کی ماں آزاد نہ ہوئی کیونکہ عتق کی شرط نہیں پائی گئی اور جب کسی ایک کا پہلے ہونا معلوم نہیں تو ماں اور لڑکی دونوں نصف نصف آزاد ہوں گی اور اپنی نصف نصف قیمت میں سعایت کریں گی۔

قولہ ولو شھد الخ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں یا دو باندیوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی لغو ہے کیونکہ یہ گواہی عتق مبہم پر ہے جو مسموع نہیں ہوتی اور اگر گواہی وصیت یا طلاق مبہم پر ہو تو بالاجماع مقبول ہے فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق مبہم فرج کو بالاجماع حرام کر دیتی ہے اس لئے اس میں دعویٰ شرط نہیں کیونکہ یہ حق اللہ ہے نہ کہ حق العباد اور حق اللہ میں گواہی بلا دعویٰ مقبول ہے بخلاف عتق مبہم کے کہ وہ امام صاحبؒ کے نزدیک محترم شرمگاہ نہیں ہے اس لئے اس میں گواہی بلا دعویٰ مقبول نہ ہوگی لیکن اس مقام میں امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ احتیاط تحریم ہی میں ہے۔

بَابُ الْحَلْفِ بِالْعِتْقِ

باب آزادی پر قسم کھانے کے بیان میں

وَمَنْ قَالَ اِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ يَوْمَئِذٍ حُرٌّ عُتِقَ مَا يَمْلِكُ بَعْدَهٗ بِهٖ

کسی نے کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس روز جتنے میرے غلام ہوں سب آزاد تو اس شرط کے بعد جس کا مالک ہوگا وہ آزاد ہو جائیگا

وَلَوْ لَمْ يَقُلْ يَوْمَئِذٍ لَا وَالْمَمْلُوْكُ لَايَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ كُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ اَوْ اَمْلِكُهٗ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ اَوْ بَعْدَ مَوْتِيْ

اور اگر یومئذ نہ کہے تو آزاد نہ ہوگا اور لفظ مملوک حمل کو شامل نہیں ہوتا جو میرا غلام ہو یا میں اس کا مالک ہوں وہ پرسوں یا میرے مرنے کے بعد آزاد ہے

يَتَنَاوَلُ مَنْ مَلَكَهٗ مُذْ حَلَفَ فَقَطْ وَبِمَوْتِهٖ عُتِقَ مَنْ مَلَكَ بَعْدَهٗ مِنْ ثُلُثِهٖ

تو یہ شامل ہوگا صرف اس غلام کو جس کا وہ مالک ہو قسم کے وقت سے اور اس کے مرنے سے وہ غلام بھی تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا جس کا وہ مالک ہو شرط کے بعد

قولہ باب الخ عتق تنجیزی کے بیان سے فراغت کے بعد عتق تعلیقی کو بیان کر رہا ہے حلف بفتح حاء و کسر لام سماعی مصدر ہے اسی کا دوسرا مصدر بسکون لام ہے یقال حلف (ض) حلفاً قسم کھانا کبھی اس کے آخر میں تا مرہ بھی داخل ہو جاتی ہے قال الفرزدق۔

الم ترنی عاہدت ربی واننی لبین رتاج قائما ومقام
علی حلفه لااشتم الدھر مسلما ولاخارجا من فی زور کلام

حلف بکسر حا سکون لام عہد و پیمان کو کہتے ہیں یہاں حلف۔ سے مراد عتق کی تعلیق ہے۔

قولہ ومن قال الخ ایک شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس دن جو میرا غلام ہو وہ آزاد پھر گھر میں داخل ہو گیا تو ہر وہ

(۱) .. یعنی آزادی کو کسی شرط پر معلق کرنے کے بیان میں ۱۲۔

غلام آزاد ہو جائے گا جو بوقت دخول مملوک ہو خواہ تعلیق سے قبل اس کا مالک ہو یا تعلیق کے بعد کیونکہ یہاں یومئذ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں گھر میں داخل ہوں پس دخول کے وقت جو ملکیت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا اور اگر یومئذ کو ذکر نہ کرے صرف یوں کہے ان دخلت الدار فکل مملوک لی حر تو صرف وہی غلام آزاد ہوگا جو تعلیق کے وقت مملوک تھا کیونکہ لفظ لی ثابت اسم فاعل سے متعلق ہے جس میں مختار مذہب یہ ہے کہ وہ زمانہ حال کیلئے موضوع ہے نہ کہ استقبال کیلئے پھر لفظ مملوک سے مراد مملوک مطلق ہے یعنی جو بالقصد مملوک ہو اس لئے اس میں حمل داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ ماں کا تابع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی یہ کہے: کل مملوک لی حر اور وہ وصیت وغیرہ کے ذریعہ کسی حمل کا مالک ہو جائے تو حمل آزاد نہ ہوگا کیونکہ حمل بالتبع مملوک ہے نہ کہ بالقصد۔

قولہ کل مملوک الخ ایک شخص نے کہا: کل مملوک لی حر بعد غدیا کہا حر بعد موتی یا کلمہ لی کے بجائے کہا، کل مملوک املکہ حر بعد غد تو بعد غد کی صورت میں صرف وہی غلام آزاد ہوگا جو بوقت حلف مملوک تھا حلف کے بعد جس غلام کا مالک ہوگا وہ آزاد نہ ہوگا کلمہ لی کی وجہ تو پہلے گزر چکی املک کی صورت میں وجہ یہ ہے کہ صیغہ املک گو حال اور استقبال دونوں میں مستعمل ہے لیکن بوقت اطلاق عرفاً، شرعاً لغتہً ہر اعتبار سے زمانہ حال ہی مراد ہوتا ہے اور بعد موتی کی صورت میں جو غلام قبل از تعلیق تھا وہ مدبر مطلق ہوگا اور جو تعلیق کے بعد مملوک ہو وہ مدبر مقید ہوگا لیکن اگر مالک کا انتقال ہو جائے تو طرفین کے نزدیک دونوں غلام ثلث مال سے آزاد ہو جائیں گے کیونکہ یہاں ایجاب عتق اور ایجاب وصیت ہے اور وصیت حال واستقبال ہر دو کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت افلاس ثلث مال کی وصیت کرے اور وصیت کے بعد مال کا مالک ہو جائے تو اس میں وصیت جاری ہوتی ہے۔

بَابُ الْعِتْقِ عَلٰی جُعْلٍ

باب مال کے عوض آزاد کرنے کے بیان میں

حَرَّرَ عَبْدَهٗ عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَ عُتِقَ وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهٗ بِاَدَآئِهٖ صَارَ مَاذُوْنًا وَعُتِقَ

آزاد کیا اپنے غلام کو مال پر غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور اگر اس کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کی تو ماذون ہو جائے گا اور آزاد ہو جائے گا

بِالتَّخْلِيَةِ وَاِنْ قَالَ اَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِيْ بِاَلْفٍ فَالْقُبُوْلُ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَلَوْ حَرَّرَهٗ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً

مال حاضر کر دینے سے اگر کہا تو ہزار کے عوض میں میرے مرنیکے بعد آزاد ہے تو قبول کرنا موت کے بعد معتبر ہوگا اگر آزاد کیا ایک سالہ خدمت کے

فَقَبِلَ عَتَقَ وَخَدَمَهٗ فَلَوْ مَاتَ تَجِبُ قِيْمَتُهٗ وَلَوْ قَالَ اَعْتِقْهَا بِاَلْفٍ

عوض اور غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور خدمت کریگا اور اگر مالک مرجائے تو غلام کی قیمت واجب ہوگی کسی نے کہا کہ اس باندی کو ہزار کے عوض

عَلٰی اَنْ تُزَوِّجَنِيْهَا فَفَعَلَ فَاَبَتْ اَنْ تَزَوَّجَهٗ عُتِقَتْ مَجَّانًا

آزاد کر دے اس شرط پر کہ اس کا نکاح مجھ سے کریگا مالک نے آزاد کر دیا اور باندی نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو مفت آزاد

وَلَوْ زَادَ عَنِّيْ قُسِّمَ الْاَلْفُ عَلٰی قِيْمَتِهَا اَوْ مَهْرِ مِثْلِهَا وَتَجِبُ مَا اَصَابَ الْقِيْمَةَ فَقَطْ

ہو جائیگی اور اگر لفظ عنی بڑھا دیا تو ہزار کو باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائیگا اور جو حصہ قیمت کے مقابل ہوگا صرف وہی واجب ہوگا۔

قولہ باب الخ جعل بضم جیم لغۃً مزدوری کو کہتے ہیں جمع اجعال آتی ہے جعالہ اور جعیلہ بھی اسی معنی میں ہے بعد میں جنگ کرنے والوں کے وظیفہ کا نام ہو گیا یہاں عتق بشرط المال مراد ہے۔

قولہ حررہ عبدہ الخ ایک شخص نے اپنے غلام کو مال کے عوض میں آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو آزاد ہو جائے گا گو اس نے ابھی مال ادا نہ کیا ہو کیونکہ یہ معاوضہ مال بغیر المال ہے اور معاوضہ میں محض عوض قبول کرنے سے حکم ثابت ہو جاتا ہے مصنف نے

مال کو مطلق رکھا ہے جس میں مالی نقد سامان، حیوان، مکیل، موزون سب داخل ہے بشرطیکہ معلوم الجنس ہو اور مال صحیح ہو کیونکہ شراب اور خنزیر مسلم کے حق میں مال نہیں ہے اور اگر مالک نے غلام کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کی ہو تو غلام ماذون فی التجارۃ ہو جائے گا کیونکہ مالک نے اس کو ادائیگی مال کی رغبت دلائی ہے اور مال کی ادائیگی کسب وتجارت کے بغیر ہو نہیں سکتی تو گویا مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے پس جب غلام مالک کے پاس مال حاضر کردے گا آزاد ہو جائیگا۔

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے باندی کے آقا سے کہا کہ اپنی باندی ہزار درہم کے عوض میں آزاد کردے اس شرط پر کہ تو اس کا نکاح میرے ساتھ کرے آقا نے باندی کو آزاد کردیا اب باندی اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتی ہو تو باندی مفت آزاد ہو جائیگی کیونکہ عتاق میں اجنبی پر بدل عتق کی شرط لگانا صحیح نہیں (طلاق میں صحیح ہے) اور اگر قائل مذکور نے کلمہ عنی زائد کر کے یوں کہا، **اعتقها عنى بالف** اھ تو ہزار درہم باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم ہوں گے کیونکہ اب یہ کلام اقتضاء شرا کو شامل ہو گیا گویا اس نے یوں کہا کہ اس کو میرے ہاتھ فروخت کر کے میری طرف سے آزاد کردے پھر چونکہ اس نے رقبہ کے ساتھ نکاح کو ملا کر ہزار درہم کو مجموعہ کا عوض قرار دیا ہے اس لئے ہزار درہم مجموعہ پر تقسیم ہوں گے پس جو مقدار قیمت کے مقابلہ میں آئے گی وہ قائل مذکور پر واجب ہوگی اور جو مہر مثل کے مقابلہ میں آئے گی وہ ساقط ہو جائے گی۔

بَابُ التَّدْبِيْرِ

باب مدبر کرنے کے بیان میں

هُوَ تَعْلِيْقُ الْعِتْقِ بِمُطْلَقِ مَوْتِهٖ كَاِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّ وَاَنْتَ حُرٌّ يَوْمَ اَمُوْتُ اَوْ عَنْ دُبُرٍ مِّنِّیْ اَوْ اَنْتَ مُدَبَّرٌ

وہ معلق کرنا ہے آزادی کو اپنی مطلق موت پر مثلاً جب میں مرجاؤں تو تو آزاد یا تو آزاد ہے جس روز میں مرجاؤں یا میرے بعد یا تو مدبر ہے

اَوْ دَبَّرْتُكَ فَلاَ يُبَاعُ وَلاَ يُوْهَبُ وَيُسْتَخْدَمُ وَيُؤْجَرُ وَتُوْطَأُ وَتُنْكَحُ

یا میں نے تجھے مدبر کردیا پس نہ وہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے ہاں اس سے خدمت لیجائے مزدوری پر دیا جائے باندی ہو تو وطی کیجائے نکاح کیا جائے

وَبِمَوْتِهٖ عُتِقَ مِنْ ثُلُثِهٖ وَسَعٰى فِیْ ثُلُثَیْ قِيْمَتِهٖ وَلَوْ فَقِيْرًا وَكُلِّهٖ لَوْ مَدْيُوْنًا

اور اس کے مرنے سے آزاد ہو جائے گا تہائی مال سے اور سعایت کریگا دو تہائی قیمت میں اگر مالک فقیر ہو اور کل میں اگر مقروض ہو

وَيُبَاعُ لَوْقَالَ اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِیْ هٰذَا اَوْسَفَرِیْ اَوْ اِلٰی عَشَرِ سِنِيْنَ اَوْ عِشْرِيْنَ سَنَةً

اور فروخت کیا جاسکتا ہے اگر مالک کہے کہ اگر میں مرجاؤں اس مرض میں یا اس سفر میں یا دس یا بیس سال تک

اَوْ اَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِ فُلاَنٍ وَ يَعْتِقُ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ

یا تو آزاد ہے فلاں کے مرنے کے بعد اور آزاد ہوجائے گا اگر پائی گئی شرط۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** زندگی کے اعتاق کو بیان کرنے کے بعد اعتاق بعد الموت کو بیان کر رہا ہے **لان الموت يتلو الحيوة** اور تدبیر کو استیلاد پر مقدم کر رہا ہے اس واسطے کہ تدبیر غلام اور باندی دونوں کو شامل ہے بخلاف استیلاد کے کہ وہ صرف باندی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قولہ التدبیر الخ لغت میں تدبیر کے معنی کسی مقصد کیلئے منصوبہ بندی اور موت کے بعد غلام آزاد کرنے کے ہیں (مغرب ضیاء العلوم صحاح) اور اصطلاح میں تدبیر غلام کی آزادی کو علی الاطلاق اپنی موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہتے ہیں اطلاق کی قید سے تدبیر مقید نکل گئی جیسے **ان من مرضی هذا** اور **سفری هذا فانت حر** اور موت آقا کی قید سے وہ تعلیق نکل گئی جو کسی دوسرے کی موت کے ساتھ ہو جیسے انت حر بعد موت زید کہ یہ تدبیر نہیں ہے مطلق ہے نہ مقید بلکہ تعلیق بالشرط ہے گویا اس نے یوں کہا **ان مات زید فانت**

حر پس صاحب درر نے جو یہ تعریف کی ہے "هو التعليق المولى عتق مملوكه بالموت سوا كان موته اوموت غيره" یہ تعریف عام مشائخ کی عبارت کے خلاف ہے اور موصوف نے صاحب کنز، زیلعی، صاحب وقایہ اور شارح وقایہ صدر الشریعہ پر جو اعتراض کیا ہے وہ بے فائدہ ہے۔

قولہ فلا يباع الخ احناف کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں امام شافعی امام احمد کے یہاں بوقت ضرورت بیع جائز ہے نیز ہبہ اور صدقہ بھی درست ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک انصاری شخص نے (جو مقروض تھا) اپنے غلام کو مدبر کیا تھا اور اس کے پاس غلام کے سوا اور مال نہیں تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیم بن عبداللہ کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے فرمایا کہ اپنا قرض اسی قیمت سے ادا کر" ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "مدبر نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے" (۱) اس حدیث کے مرفوع ہونے میں گو بعض حضرات نے کلام کیا ہے لیکن موقوف کی تصحیح میں سب کا اتفاق ہے رہی حدیث جابر سو اس کے چند جواب ہیں نمبرا، ابتداء اسلام میں حر کی بیع جائز تھی بعد کو منسوخ ہوئی تو مدبر کی بیع بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ نمبر۲، دار قطنی نے امام ابو جعفر سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت جابر سے اس حدیث کا مشاہدہ ہوا کہ "مدبر غلام کی خدمت کی بیع ہوئی تھی" یعنی اس کا اجارہ ہوا تھا نہ کہ بیع رقبہ نمبر۳، حدیث جابر واقعہ حال ہے جس میں عموم نہیں ہوتا بخلاف حدیث ابن عمر کے کہ وہ قول ہے۔ نمبر۴، حدیث جابر مقید پر محمول ہے اور مدبر مقید کی بیع ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔

قولہ ويباع الخ یہاں سے عشرين سنة تک مدبر مقید کی صورتیں ہیں مدبر مقید اس کو کہتے ہیں جس کا عتق صرف موت پر نہ ہو بلکہ موت میں کسی زائد وصف کو ذکر کر دیا جائے مثلاً اس سفر میں یا اس مرض میں یا دس برس یا بیس برس تک کی موت وغیرہ مدبر مقید میں مالکانہ تصرفات بیع، ہبہ، رہن وغیرہ درست ہیں کیونکہ ان مدتوں میں آقا کی موت یقینی نہیں ہوتی بخلاف مطلق موت کے کہ وہ یقینی ہے رہی آخری صورت یعنی انت حر بعد موت فلان سو یہ تدبیر نہیں نہ مطلق نہ مقید بلکہ تعلیق ہے اگر شرط پائی گئی تو آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

بَابُ الاِسْتِيلَادِ

باب ام ولد بنانے کے بیان میں

اِذَا	وَلَدَتْ	اَمَةٌ	مِنَ	السَّيِّدِ	لَمْ	تُمْلَكْ	وَتُوْطَأُ	وَتُسْتَخْدَمُ	وَتُوْجَرُ

باندی کے بچہ ہوا اسکے آقا سے تو اسکو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہاں وطی کیجاسکتی ہے خدمت لیجاسکتی ہے اور مزدوری پر دیجاسکتی ہے

وَتُزَوَّجُ	فَاِنْ	وَلَدَتْ	بَعْدَهُ	ثَبَتَ	نَسَبُهُ	لِسَيِّدِهٖ	بِلَادَعْوَةٍ	بِخِلَافِ	الْاَوَّلِ	وَيَنْتَفِيْ	بِنَفْيِهٖ

اور نکاح کیا جاسکتا ہے اور اسکے بعد بچہ پیدا ہوا تو اسکا نسب بلادعوی ثابت ہو جائیگا بخلاف پہلے بچہ کے اور منفی ہو جائے گا اسکے انکار سے

وَعُتِقَتْ	بِمَوْتِهٖ	مِنْ	كُلِّ	مَالِهٖ	وَلَمْ	تَسْعَ	لِلْغَرِيْمِ

اور آزاد ہو جائے گی آقا کے مرنے سے کل مال سے اور سعایت نہ کریگی قرضخواہ کیلئے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ استحقاق عتق بعد الموت میں تدبیر اور استیلاد دونوں مشترک ہیں اس لئے استیلاد کو تدبیر کے ساتھ لا رہا ہے پھر تدبیر میں ایجاب عتق چونکہ الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس کی تقدیم مناسب ہے استیلاد لغۃً خواہش اولاد کو کہتے ہیں زوجہ سے ہو یا باندی سے لیکن فقہا کی اصطلاح میں باندی کے ساتھ خاص ہے۔

(۱) صحیحین، نسائی، ترمذی، دار قطنی عن جابر ۱۲۔ دار قطنی عن ابن عمر ۱۲

قولہ ولدت الخ جب آقا کے نطفہ سے باندی کے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس کی ام ولد ہو جاتی ہے اب نہ اس کی بیع جائز ہے نہ تملیک جمہور صحابہ اور تابعین اور فقہائے معتبرین کا یہی قول ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا ہے[1] نیز حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "جس باندی کے اس کے آقا سے بچہ ہو جائے تو اس کا آقا نہ اس کو فروخت کرے اور نہ ہبہ کرے ہاں زندگی بھر اس سے نفع اٹھائے اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہے"[2] پس بشر مریسی اور داؤد ظاہری جو جواز بیع کے قائل ہیں یہ کسی طرح صحیح نہیں۔

قولہ بخلاف الاول الخ ام ولد کے دوسرے بچہ کا نسب آقا کے اعتراف پر موقوف نہیں بلا اعتراف بھی ثابت ہو جائے گا بخلاف پہلے بچہ کے اس کا نسب آقا کے اعتراف پر موقوف ہے امام ثوری، شعبی، حسن بصری کا یہی قول ہے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر آقا کو وطی کا اقرار ہو تو بلا دعوے نسب ثابت ہو جائے گا گو آقا عزل کرتا ہو اس واسطے کے عقد نکاح جو مفضی الی الوطی ہے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو وطی سے بطریق اولیٰ نسب ثابت ہونا چاہئے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس باندی سے صحبت کرتے تھے اس کو حمل قرار پا گیا آپؓ نے فرمایا یہ میرا نہیں ہے کیونکہ میرا مقصد وطی سے صرف قضاءِ شہوت تھی نہ تحصیل ولد[3]۔

وَلَوْ اَسْلَمَتْ اُمُّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ سَعَتْ فِيْ قِيْمَتِهَا وَاِنْ وَلَدَتْ بِنِكَاحٍ فَمَلَكَهَا
اگر اسلام لے آئے نصرانی کی ام ولد تو سعایت کرے اپنی قیمت میں اور اگر باندی کے بچہ ہوا نکاح سے پھر شوہر اس کا مالک ہو گیا

فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَلَوْ ادَّعٰى وَلَدَ اَمَةٍ مُشْتَرِكَةٍ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَلَزِمَهٗ نِصْفُ قِيْمَتِهَا
تو وہ اسکی ام ولد ہو جائیگی اور اگر مشترک باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا تو نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اسکی ام ولد ہو جائے گی اور باندی کی نصف قیمت

وَنِصْفُ عُقْرِهَا لَا قِيْمَتُهٗ وَاِنِ ادَّعَيَا مَعًا ثَبَتَ مِنْهُمَا وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهِمَا
اور نصف عقر واجب ہو گا نہ کہ بچہ کی قیمت اور اگر دونوں شریکوں نے بچہ کا دعویٰ کیا تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائیگا اور وہ دونوں کی ام ولد ہو گی

وَعَلٰى كُلٍّ وَاحِدٍ نِصْفُ الْعُقْرِ وَتَقَاصَّا وَوَرِثَ مِنْ كُلٍّ اِرْثَ ابْنٍ وَوَرِثَا مِنْهُ اِرْثَ اَبٍ
اور ہر ایک پر نصف عقر واجب ہو گا اور مقاصہ ہو جائیگا اور بچہ ہر ایک سے پورے بیٹے کی وراثت پائیگا اور شریک باپ کا ورثہ پائیں گے

وَلَوْ ادَّعٰى وَلَدَ اَمَةِ مُكَاتَبِهٖ فَصَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ لَزِمَهُ النَّسَبُ وَالْعُقْرُ
اگر دعویٰ کیا اپنے مکاتب کی باندی کے بچہ کا اور مکاتب نے تصدیق کر دی تو نسب اور عقر

وَقِيْمَةُ الْوَلَدِ وَلَمْ تَصِرْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَاِنْ كَذَّبَهٗ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ
اور بچہ کی قیمت لازم ہو گی اور باندی اس کی ام ولد نہ ہو گی اور اگر مکاتب نے تکذیب کر دی تو نسب ثابت نہ ہو گا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اسلمت الخ اگر نصرانی کی ام ولد اسلام لے آئی تو نصرانی پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ قبول کر لے تو وہ اس کی ام ولد ہے ہی اور اگر قبول نہ کرے تو ام ولد خالص باندی ہونے کی ثلث قیمت میں سعایت کرے گی کیونکہ سعایت کی صورت میں جانبین کی رعایت ہے ام ولد کی تو یہ رعایت ہے وہ رقیت کی ذلت سے بچی آزاد ہو گئی اور نصرانی کی رعایت یہ ہے کہ مال سعایت ملنے سے اس کا ضرر ردور ہو گیا۔

قولہ فان ولدت الخ ایک شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ ہو گیا اس کے بعد شوہر کسی طریق سے اس کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو جائیگی کیونکہ بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں اسی سے ثابت ہے لہٰذا ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا لانہا تتبعہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ اس کی ام ولد نہ ہو گی جبکہ وہ ولادت کے بعد اس کا مالک ہوا ہو۔

قولہ ولو ادعیا الخ ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی ان میں سے ایک شریک نے اس کے ام ولد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس

(۱)... دار قطنی عن ابن عمر ۱۲، (۲)... مالک عن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲۔ (۳)... شارح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲۔

سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور مدعی پر باندی کی نصف قیمت اور نصف مہر مثل واجب ہوگا لیکن بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی کیونکہ ضمان یوم علوق کے لحاظ سے واجب ہے اور بچہ وقت علوق ہی سے ثابت النسب ہے پس حدوث ولد مدعی کی مالک میں ہوا نہ کہ شریک کی ملک میں۔

قولہ ولو ادعیا الخ اور اگر دونوں شریک مدعی ہوں تو بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد ٹھہرے گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوگا جواب یہ ہے کہ قیافہ شناسی حجت شرعیہ نہیں ورنہ لعان میں اسی کی طرف رجوع ہوتا بہرکیف باندی دونوں کی ام ولد ہوگی اب دونوں شریکوں پر نصف مہر مثل واجب ہوگا اور مقاصہ ہو جائے گا یعنی دونوں شریک اپنا اپنا حق باہم مجرا کرلیں گے اور بچہ ان دونوں شریکوں کا وارث ہوگا اور جو بیٹے کی وراثت ہوتی ہے وہ پوری پائے گا اور اگر پہلے بچہ کا انتقال ہو جائے تو دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور پدری ورثہ پائیں گے۔

قولہ ولو ادعی الخ آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی اس سے بچہ ہو گیا آقا نے بچہ کا دعوی کیا اور مکاتب نے اس کی تصدیق کر دی تو تصادق کی وجہ سے بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اور شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوگی اب آقا پر باندی کا مہر مثل اور بچہ کی قیمت واجب ہوگی لیکن باندی اس کی ام ولد نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں اور اگر مکاتب نے اس کی تکذیب کر دی تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ آقا کو کسب مکاتب میں تصرف کا حق نہیں اس لئے مکاتب کی تصدیق ضروری ہے۔

کِتَابُ الاَیْمَان

اَلْیَمِیْنُ تَقْوِیَۃُ اَحَدِ طَرَفَیِ الْخَبَرِ بِالْمُقْسَمِ بِہٖ فَحَلْفُہٗ عَلٰی مَاضٍ کَذِبًا عَمَدًا غُمُوْسٌ
یمین مضبوط کرنا ہے خبر کی دو طرفوں میں سے ایک کو مقسم بہ کے ذریعہ پس قسم کھانا گذشتہ پر جھوٹی جان بوجھ کر غموس ہے
وَظَنًّا لَغْوٌ وَاٰثِمٌ فِی الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِیْ
اور از راہ ظن لغو ہے اور گناہ گار ہوگا اول میں نہ کہ ثانی میں۔

قولہ کتاب الخ احکام عتاق کے بعد ایمان کو ذکر کر رہا ہے کیونکہ ان میں ایک خاص مناسبت موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح اعتاق میں ہزل واکراہ کا کوئی تاثیر نہیں اسی طرح ایمان میں بھی ان کی کوئی تاثیر نہیں نیز جس طرح اعتاق سے قوت حکمی حاصل ہوتی ہے اسی طرح یمین سے بھی قسم کھانے کے ارادہ میں پختگی آجاتی ہے ایمان یمین کی جمع ہے لغۃً لفظ یمین ہاتھ، قوت، اور قسم میں مشترک ہے چونکہ خدا کے نام سے قسم میں قوت وتاکید ہو جاتی ہے اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں عرف شرع میں خبر کی دو قسموں (صدق وکذب میں سے ایک کو مقسم بہ (خدا کا نام یا اس کی صفات) ذکر کر کے مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں۔

قولہ فحلفہ الخ یمین کی تین قسمیں ہیں یمین غموس، لغو، یمین منعقدہ، یمین غموس گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں مثلاً زید جانتا ہے کہ فلاں شخص نہیں آیا اور پھر قسم کھا کر کہے واللہ فلاں شخص آیا تھا مصنف نے اس میں ماضی کی قید لگائی ہے یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ شروح ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ یمین غموس میں ماضی کی شرط نہیں حال میں بھی ہو سکتی ہو غمس کے معنی ڈوبنے کے ہیں ایسی قسم کھانے والا چونکہ گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ کبائر گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا اور یمین غموس ہے[1] لیکن دنیا میں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے کفارہ واجب نہیں حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن المسیب، حسن بصری، اوزاعی، ثوری، لیث، ابوعبیدہ اس کے قائل ہیں یہی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد کا قول ہے امام شافعی اور زہری کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے کیونکہ یہ بما کسبت قلوبکم میں داخل ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت "ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ الخ میں کفارہ کو یمین منعقدہ پر مرتب فرمایا ہے اور یمین غموس یمین منعقدہ نہیں اس لئے اس میں کفارہ نہیں ہو سکتا نیز حدیث میں ہے کہ پانچ چیزیں کبائر میں سے ہیں لیکن ان میں کفارہ شرک نہیں اشراک باللہ قتل نفس عقوق والدین فرار عن الزحف یمین فاجرہ۔

قولہ وظناً الخ دوسری قسم یمین لغو ہے اس کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے احناف کے یہاں یمین لغو یہ ہے کہ اپنے گمان میں سچ جان کر جھوٹی قسم کھائے مثلاً پرسوں بارش نہیں ہوئی مگر زید کا غالب گمان یہ ہے کہ ہوئی تھی پس زید کا یہ کہنا واللہ پرسوں بارش ہوئی تھی یمین لغو ہے حسن بصری، مجاہد نخعی، زہری سلیمان، بن یسار، قتادہ، سدی مکحول کے یہاں بھی یمین لغو کی یہی تفسیر ہے۔ اب یمین غموس اور یمین لغو میں فرق صرف عمد کذب وعدم عمد کذب کے لحاظ سے ہے ماضی وحال کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں چنانچہ بدائع میں یہ چیز مصرح ہے پس اس کی تعریف میں بھی ماضی کی قید اتفاقی ہوئی نہ کہ احترازی امام شافعی وعکرمہ اور شعبی کے یہاں بات بات پر لفظ باللہ واللہ استعمال کرنا یمین لغو ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے یہی تفسیر مروی ہے[2] لیکن حضرت ابن عباس اور زرارہ بن ابی اوفی سے یمین لغو کی وہی تفسیر مروی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یمین لغو میں باتفاق ائمہ کوئی مواخذہ نہیں لقولہ تعالیٰ "ولا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم"۔

---

(۱)... بخاری عن عبداللہ ابن عمرو بن العاص ۱۲۔
(۲) بخاری، ابوداؤد، مالک عن عائشہ ۱۲۔

وَعَلٰی اٰتٍ مُنْعَقِدَةٌ وَفِیْهِ الْكَفَّارَةُ فَقَطْ وَلَوْ مُكْرَهًا اَوْ نَاسِيًا اَوْ حَنِثَ كَذٰلِكَ وَالْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ

اور آئندہ پر منعقدہ ہے اور کفارہ صرف اس میں ہے گو زبردستی یا بھول کر ہو یا حانث ہو جائے اسی طرح اور قسم خدا تعالیٰ کی اور رحمن ورحیم کی

وَعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ وَاُقْسِمُ وَاَحْلِفُ وَاَشْهَدُ وَاِنْ لَمْ يَقُلْ بِاللّٰهِ

اور اس کی عزت وبزرگی اور اس کی کبریائی کی ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں قسم کھاتا ہوں حلف اٹھاتا ہوں گواہی دیتا ہوں گو لفظ باللہ ذکر نہ کرے

وَلَعَمْرُ اللّٰهِ وَاَيْمُ اللّٰهِ وَعَهْدِ اللّٰهِ وَمِيْثَاقِهٖ وَعَلَيَّ نَذْرٌ وَنَذْرُ اللّٰهِ وَاِنْ فَعَلَ كَذَا فَهُوَ كَافِرٌ لَا بِعِلْمِهٖ وَغَضَبِهٖ

اور لعمر اللہ ایم اللہ سے اور عہد و پیمان خدا سے اور اس سے کہ مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر ہے اور اگر ایسا کروں تو کافر ہوں نہ کہ خدا کے علم وغضب

وَسَخَطِهٖ وَرَحْمَتِهٖ وَالنَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ وَالْكَعْبَةِ وَحَقِّ اللّٰهِ وَاِنْ فَعَلْتُهٗ فَعَلَيَّ غَضَبُهٗ اَوْ سَخَطُهٗ اَوْ اَنَا زَانٍ اَوْ سَارِقٌ اَوْ شَارِبُ

غصہ ورحمت نبی وقرآن اور کعبہ وحق اللہ کی قسم کھانے سے اور نہ اس سے کہ اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر خدا کا غضب یا غصہ ہے یا میں زانی چور شراب خور

خَمْرٍ اَوْ اٰكِلُ رِبًوا وَ حُرُوْفُهٗ الْبَاءُ وَالْوَاوُ وَالتَّاءُ وَقَدْ تُضْمَرُ وَكَفَّارَتُهٗ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ

سود خور ہوں اور حرف قسم یہ ہیں باء واو تاء اور کبھی حرف قسم پوشیدہ ہوتا ہے اور قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جیسا کہ ان دونوں

كَمَا فِي الظِّهَارِ اَوْ كِسْوَتُهُمْ بِمَا يَسْتُرُ عَامَّةَ الْبَدَنِ فَاِنْ عَجَزَ عَنْ اَحَدِهِمَا صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَةٍ وَلَا يُكَفِّرُ

کا ذکر کفارہ ظہار میں ہو چکا یا دس مسکینوں کی پوشاک ہے جو اکثر بدن کو چھپا لے اگر ان سے عاجز ہو تو تین روزے رکھے پے بہ پے اور نہ کفارہ

قَبْلَ الْحِنْثِ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّحْنَثَ وَيُكَفِّرَ

دے حانث ہونے سے پیشتر اور جو قسم کھالے کسی گناہ پر تو مناسب ہے کہ حانث ہو جائے اور کفارہ دے دے۔

تشریح الفقہ: قولہ وعلی آت الخ تیسری قسم یمین منعقدہ ہے اور وہ یہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے آئندہ کی قید اس لئے ہے کہ آیت میں ہے واحفظوا ایمانکم اور ظاہر ہے کہ حفاظت آئندہ ہی کے لحاظ سے ہی ہو سکتی ہے اس صورت میں قسم کے خلاف کرنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہے لقولہ تعالیٰ لکن یواخذکم بماعقدتم الایمان۔

قولہ فقط الخ علامہ زیلعی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہاں لفظ فقط بے معنی ہے کیونکہ جس طرح یمین غموس اور یمین لغو میں گناہ ہوتا ہے اسی طرح یمین منعقدہ میں بھی گناہ ہوتا ہے پس یہ کہنا کہ یمین منعقدہ میں صرف کفارہ ہے صحیح نہیں جواب یہ ہے کہ یہاں اثم کے لحاظ سے تخصیص مقصود نہیں بلکہ کفارہ کے لحاظ سے ہے یعنی کفارہ صرف یمین منعقدہ میں واجب ہے نہ کہ یمین غموس اور یمین لغو میں علاوہ ازیں یمین منعقدہ میں کبھی حانث ہو جانا واجب ہوتا ہے کبھی مستحب فلا یصح اطلاقہ۔

قولہ وایم اللہ الخ ایم بمعنی ایمن ہے اور ایمن کوفیوں کے نزدیک یمین کی جمع ہے ہمزہ اور نون کو برائے تخفیف حذف کر دیا گیا اور بصریوں کے نزدیک ایم اللہ بمعنی اللہ ہے بہر کیف لفظ ایم کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے ومنہ فی حدیث البخاری وایم اللہ ان کان تخلیقا بالامارة۔ لفظ ایم میں سیبویہ کے نزدیک بصریوں کا مذہب پسندیدہ ہے کیونکہ ایم میں ہمزہ اور یا کو بھی حذف کر دیتے ہیں صرف م اللہ کہتے ہیں حالانکہ جمع کا صرف ایک حرف پر باقی رہنا جائز نہیں زجاج، وابن کیسان نے کوفیوں کا مذہب اختیار کیا ہے کیونکہ افعل کے وزن پر مفرد نہیں آتا لفظ ایم میں بہت سی لغتیں ہیں ایم اللہ، ھیم اللہ، ایمن اللہ، ام اللہ، م اللہ، من اللہ۔

قولہ متتابعة الخ اگر کفارہ یمین میں غلام آزاد کرنے اور لباس دینے اور کھانے کھلانے سے عاجز ہو تو پے درپے تین روزے رکھے امام مالک فرماتے ہیں کہ تتابع ضروری نہیں، امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے کیونکہ آیت فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام میں تتابع کی قید نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود وابی ابن کعب کی مشہور قرات ثلثة ایام متتابعات (۱)

(۱).. ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن ابن مسعود، حاکم عن ابی بن کعب

روایت مشہورہ کے درجہ میں ہے فانهما یقران سماعا منه علیه السلام اور خبر مشہور سے زیادتی اور تقیید جائز ہے۔

قوله ولا یکفر الخ حانث ہونے سے قبل کفارہ دینا جائز نہیں امام شافعی کے یہاں کفارہ مال قبل از حنث جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''فکفر عن یمینک ثم ایت الذی هو خیر'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول کفارہ دے پھر قسم توڑے بعد میں کفارہ ادا کرے امام نسائی نے تو ''الکفارۃ بعد الحنث'' مستقل باب باندھا ہے اور عدی بن حاتم اور عبدالرحمٰن بن عمرہ وغیرہ سے روایات کی تخریج کی ہے نیز کفارہ کی مشروعیت گناہ چھپانے کے لئے ہے اور قبل از حنث کوئی گناہ ہی نہیں جس کو کفارہ چھپائے رہے۔ امام شافعی کے مستدلات سوان کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے صحیحین میں جو روایت ہے اس میں واؤ مطلق جمع کیلئے ہے نہ تعقیب کیلئے اور صحیحین کی روایت چونکہ صحت میں مقدم ہے اس لئے ابوداؤد کی روایت میں تاویل کی جائے گی لفظ ثم واؤ کے معنی میں ہے اور حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے ''ان ابابکر کان اذا حلف اه'' اس میں حنث مقدم ہے اور کفارہ کا عطف واؤ کے ساتھ ہے رہی ام سلمہؓ کی حدیث سو اس میں گو لفظ ثم ہے لیکن حنث مقدم ہے فکان سواء بسواء۔

قوله ینبغی الخ جو شخص کسی معصیت پر قسم کھالے مثلاً یوں کہے بخدا میں اپنے والدین سے نہ بولوں گا تو اس کو چاہئے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتری ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے'' قسم توڑنے میں دس صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

صور حنث مع احکام

نمبر شمار	محلوف علیہ	مثال	حکم
۱	فعل ہے اور معصیت ہے	واللّٰه لا قتلن الیوم زیدا	حنث واجب ہے
۲	ترک فعل ہے ==	واللّٰه لا اکلم الیوم ابی	==
۳	فعل ہے اور واجب ہے	واللّٰه لاصلین الیوم الظهر	پورا کرنا واجب ہے
۴	ترک فعل ہے ==	واللّٰه لا اشر بن الخمر	==
۵	فعل ہے اور غیر سے اولیٰ ہے	واللّٰه لاعطین الفقراء	قسم پر قسم رہنا افضل ہے
۶	ترک فعل ہے ==	واللّٰه لا اضرب من ضربنی	==
۷	فعل ہے اور اس کا غیر اولیٰ ہے	واللّٰه لا کل الیوم البصل	قسم توڑنا افضل ہے
۸	ترک فعل ہے ==	واللّٰه لا اضرب زوجتی شهراء	==
۹	فعل ہے اور محلوف علیہ وغیر محلوف علیہ دونوں برابر ہیں	واللّٰه لالبسن هذا الثوب	قسم پوری کرنا افضل ہے
۱۰	ترک ہے ==	واللّٰه لا اکل هذا الخبز	==

---

(۱) ابوداؤد، نسائی عن عبدالرحمٰن بن سمرہ ۱۲

(۲) حاکم عن عائشہ، طبرانی ام سلمہ ۱۲ (۳) مسلم عن ابی ہریرۃ صحیحین عن ابی موسی الاشعری، مسلم عن عدی بن حاتم ۱۲

(۴) صحیحین عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ، مسلم عن ابی ہریرۃ ۱۲

وَلَا كَفَّارَةَ عَلَى كَافِرٍ وَاِنْ حَنَثَ مُسْلِمًا وَمَنْ حَرَّمَ مِلْكَهُ لَمْ يَحْرُمْ وَاِنِ اسْتَبَاحَهُ كَفَّرَ

اور نہیں ہے کفارہ کافر پر اگر چہ حانث ہو اسلام کی حالت میں اور جو اپنی ملک کو حرام کرلے تو حرام نہ ہوگی پھر اگر اسکو مباح کرے تو کفارہ دے

وَكُلُّ حِلٍّ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْفَتْوٰى عَلٰى اَنَّهُ تَبِيْنُ امْرَأَتُهُ بِلَا نِيَّةٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا

ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے یہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگی اور فتویٰ اس پر ہے کہ اس کی بیوی بائنہ ہو جائیگی بلانیت جو شخص نذر مانے مطلق

اَوْ مُعَلَّقًا بِشَرْطٍ وَ وُجِدَ وَفٰى بِهٖ وَلَوْ وَصَلَ بِحَلْفِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَرَّ

یا کسی شرط پر معلق اور شرط پائی جائے تو اسے پوری کرے اور اگر ملادیا اپنی قسم کے ساتھ کلمہ ان شاء اللہ تو نکل جائیگا قسم سے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا کفارۃ الخ اگر کوئی کافر قسم کھا کر توڑ دے تو اس پر کفارہ نہیں خواہ کفر کی حالت میں ہو یا اسلام کی حالت میں امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں دلیل حق تعالےٰ کا ارشاد ہے "انھم لا ایمان لھم" نیز کافر یمین کا اہل نہیں کیونکہ یمین کی بنیاد باری تعالیٰ کے نام کی عظمت پر ہے اور کافر اپنے کفر پر مصر رہ کر باری عز اسمہ کے نام کی بے حرمتی کرتا ہے اور کفارہ کا بھی اہل نہیں کیونکہ کفارہ عبادت ہے امام شافعی امام احمد فرماتے ہیں کہ کافر پر مالی کفارہ واجب ہے وہ ظاہر آیت "وان نکثوا ایمانھم" پر عمل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں حقیقی یمین مراد نہیں بلکہ ظاہری یمین مراد ہے جو کفار اپنی سچائی ظاہر کرنے کے واسطے کھاتے ہیں۔

قولہ کل حل علی الخ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ کل حل علی حرام تو یہ تحریم کھانے پینے پر محمول ہے لیکن ابوبکر محمد بن الفضل، فقیہ ابوجعفر ابوبکر اسکاف ابوبکر بن سعید و دیگر مشائخ کا فتویٰ اس پر ہے کہ قائل مذکور کی بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر چند بیویاں ہوں تو سب ایک ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیں گی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر یہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قضاءً تصدیق نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ تحریم حلال کا غالب استعمال طلاق ہی میں ہے۔

قولہ ولو وصل الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ واللہ میں زید سے نہ بولوں گا اور متصلاً انشاء اللہ کہہ دیا تو اس کی قسم باطل ہوگئی یعنی زید کے ساتھ گفتگو کرنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من حلف علی یمین فقال انشاء اللہ فلاحنث علیہ" (نسائی) مصنف نے اتصال کی شرط لگائی ہے اس واسطے کہ قسم کے بعد منفصلاً انشاء اللہ کہنا معطل یمین نہیں ہے کیونکہ یہ مستلزم رجوع ہے اور ایمان میں رجوع جائز نہیں البتہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ استثناء منفصل بھی مبطل ہے مگر یہ روایت معمول بہا نہیں کیونکہ اس سے تمام عقود شرعیہ کا غیر ملزم ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر البطلان ہے۔

حکایت لطیفہ:

محمد بن اسحٰق صاحب مغازی منصور دوانقی خلیفہ عباسی کے پاس اپنی کتاب "المغازی" پڑھا کرتے تھے اتفاق سے ایک روز امام صاحب بھی مجلس میں موجود تھے محمد بن اسحٰق نے خلیفہ کو امام صاحب کے خلاف بھڑکانے کی غرض سے کہا کہ یہ شیخ (یعنی امام ابوحنیفہ) استثناء منفصل کے سلسلہ میں آپ کے جد امجد کی مخالفت کرتا ہے خلیفہ نے امام صاحب سے کہا کہ تمہارا یہ رتبہ کہ ہمارے دادا کی مخالفت کرتے ہو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص (یعنی محمد بن اسحٰق) آپ کی سلطنت مٹانا چاہتا ہے کیونکہ جب استثنا منفصل ہوگا تو لوگ قسمیں کھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور باہر نکل کر انشاء اللہ کہیں گے اور حانث نہ ہوں گے خلیفہ نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اظہار خفگی کے ساتھ محمد بن اسحٰق کو اپنے پاس سے اٹھادیا اور امام صاحب سے کہا کہ اس راز کو مخفی رکھنا۔

باب اليمين في الدخول والخروج والسكنٰى والاتيان وغير ذٰلك

باب داخل ہونے، نکلنے، رہنے اور آنے وغیرہ پر قسم کھانے کے بیان میں

حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا لَايَحْنِثُ بِدُخُوْلِ الْكَعْبَةِ اَوِالْمَسْجِدِ اَوِالْبِيْعَةِ اَوِالْكَنِيْسَةِ وَالدِّهْلِيْزِ وَالظُّلَّةِ وَالصُّفَّةِ وَفِيْ دَارٍ
قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا تو حانث نہ ہوگا کعبہ میں مسجد میں کلیسہ میں گرجا میں ڈیوڑی میں سائبان میں اور چبوترہ پر داخل ہونے سے اور اگر دار ا

لَا يَحْنِثُ بِدُخُوْلِهَا خَرِبَةً وَفِيْ هٰذِهِ الدَّارِ يَحْنِثُ وَاِنْ بُنِيَتْ دَارٌ اُخْرٰى بَعْدَ الْاِنْهِدَامِ وَاِنْ جُعِلَتْ بُسْتَانًا
کہا تو حانث نہ ہوگا اسکے ویران ہونیکے بعد داخل ہونے سے اور اگر اشارہ معین کیا تو حانث ہو جائیگا گو منہدم ہونیکے بعد دوسرا بنا دیا گیا ہو اور اگر باغ

اَوْ مَسْجِدًا اَوْ حَمَّامًا ہو اَوْ بَيْتًا لَا كَهٰذَا الْبَيْتِ فَهُدِمَ اَوْ بُنِيَ اُخْرٰى
یا مسجد یا گرمابہ یا کوٹھری بنادی گئی تو حانث نہ ہوگا جیسے کہے کہ اس کوٹھری میں داخل نہ ہونگا پھر وہ منہدم کردیجائے یا دوسری بنادیجائے

توضیح اللغۃ: سکنیٰ جائے رہائش، بیعہ کلیسا، نصاریٰ کا عبادت خانہ، کنیسہ گرجا، یہودیوں کی عبادت گاہ، دہلیز ڈیوڑھی، ظلہ سائبان، صفہ چبوترہ، خربہ ویران، بستان باغ، حمام گرمابہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ یمین کی بنیاد فعل شئی یا ترک شئی پر قائم ہے اس لئے ان افعال کو ذکر کر رہا ہے جن پر یمین منعقد ہوتی ہے پھر افعال چونکہ غیر محصور ہیں اور تمام کو ضبط کرنا ناممکن ہے اس لئے انہی افعال پر اکتفا کر رہا ہے جن کو فقہا عام طور سے ذکر کرتے ہیں اور وہ دو قسم کے افعال ہیں حسیہ اور شرعیہ مصنف ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں لا رہا ہے اور ان مین سے افعال حسیہ دخول دار وغیرہ کو مقدم کر رہا ہے اس واسطے کہ انسان کیلئے استقرار فی المکان کا مسئلہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔

قولہ حلف الخ مسائل یمین کا سمجھنا اصول ائمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اس لئے پہلے اصول دریافت کر لینا ضروری ہے امام شافعی کے یہاں یمین کا مدار حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالک کے یہاں استعمال قرآنی پر اور امام احمد کے یہاں نیت پر اور ہمارے یہاں عرف پر (بشرطیکہ حالف نے محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو) پس اگر کوئی شخص یوں کہے واللّٰہ لا اھدم بیتا تو امام شافعی کے یہاں مکڑی کا جالا توڑنے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ لغت میں مکڑی کے جالے کو بھی بیت کہتے ہیں اور اگر کوئی کہے واللّٰہ لا اکل لحما تو امام مالک کے یہاں مچھلی کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ قرآن میں مچھلی کو لحم سے تعبیر کیا گیا ہو قال تعالی "لتاکلوا منہ لحما طریا" جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب مسائل یمین کا سمجھنا آسان ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے واللّٰہ لا ادخل بیتا تو ہمارے نزدیک خانہ کعبہ، مسجد کنیسہ وغیرہ میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف میں بیت اس کو کہتے ہیں جو شب باشی کیلئے موضوع ہو اور امکنہ مذکورہ شب باشی کیلئے موضوع نہیں اور اگر کوئی یوں کہے واللّٰہ لا ادخل دارا تو اس کے ویران ہونے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا ہاں اگر وہ یوں کہے واللّٰہ لا ادخل ھذہ الدار تو ویران یا منہدم ہو جانے یا اس کی جگہ دوسرا مکان تعمیر ہو جانے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائیگا کیونکہ دار میدان کا نام ہے اور اس میں عمارت کا ہونا وصف ہے یقال دار عامرہ و دار غامرہ اور وصف کا اعتبار غیر معین میں ہوتا ہے نہ کہ معین میں تو پہلی صورت میں دار نکرہ غیر معین ہے اس لئے عمارت معتبر ہوگی اور ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا اور دوسری صورت میں دار اشارہ کی وجہ سے معین ہے لہٰذا وصف غیر معتبر ہوا پس ویران گھر میں داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائے گا اور اگر گھر کو باغ یا مسجد وغیرہ بنا دیا گیا تو وہاں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اب اس کا نام دار نہیں رہا بلکہ مسجد یا بستان وغیرہ نام ہو گیا۔

وَالْوَاقِفُ عَلَى السَّطْحِ دَاخِلٌ وَفِيْ طَاقِ الْبَابِ لاَ وَدَوَامُ اللُّبْسِ وَالرُّكُوْبِ وَالسُّكْنٰى كَالْاِنْشَاءِ

چھت پر کھڑا ہونے والا داخل کے حکم میں ہے نہ کہ دروازہ کی محراب میں داخل ہونے والا اور پوشاک سواری اور رہنے پر ٹھہرا رہنا گویا ابتداء کرنا ہے

لاَدَوَامُ الدُّخُوْلِ لاَيَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ اَوِ الْبَيْتَ اَوِ الْمَحَلَّةَ فَخَرَجَ وَبَقِيَ مَتَاعُهٗ وَاَهْلُهٗ حَنِثَ

نہ کہ داخل ہوئے رہنا اس مکان یا کوٹھری یا محلہ میں نہ رہیگا پس خود چلا گیا اور اسکا اسباب واہل وعیال وہیں رہے تو حانث ہو جائیگا

بِخِلاَفِ الْمِصْرِ لاَيَخْرُجُ فَخَرَجَ مَحْمُوْلاً بِاَمْرِهٖ حَنِثَ وَبِرِضَاهُ لاَ بِاَمْرِهٖ اَوْ مُكْرَهًا لاَ

بخلاف شہر کے، میں نہ نکلوں گا پس نکالا گیا اٹھا کر اس کے حکم سے تو حانث ہو جائیگا اور اگر اس کی رضا سے بلا حکم یا زبردستی نکالا گیا تو حانث نہ ہوگا

كَلاَ يَخْرُجُ اِلاَّ اِلَى الْجَنَازَةِ فَخَرَجَ اِلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى حَاجَةٍ اُخْرٰى لَمْ يَحْنَثْ وَلاَيَخْرُجُ اَوْ لاَيَذْهَبُ اِلٰى مَكَّةَ

جیسے نہ نکلونگا مگر جنازہ کے لئے پس نکلا اس کے لئے پھر کسی ضرورت سے چلا گیا، اگر کہا نہ نکلونگا یا نہ جاؤں گا مکے پھر مکہ کے ارادہ سے نکلا

فَخَرَجَ يُرِيْدُهَا ثُمَّ رَجَعَ حَنِثَ وَفِيْ لاَيَاْتِيْهَا لاَ حَتّٰى يَدْخُلَهَا لَيَاْتِيَنَّهٗ فَلَمْ يَاْتِهٖ حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِيْ اٰخِرِ حَيٰوتِهٖ

اور لوٹ آیا تو حانث ہو جائیگا اگر کہا کہ مکہ میں داخل نہ ہونگا تو حانث نہ ہوگا اسکے پاس ضرور آؤں گا اور نہ آیا مرنے تک تو حانث ہو جائیگا آخر حیات میں

لَيَاْتِيَنَّهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهِيَ اسْتِطَاعَةُ الصِّحَّةِ وَاِنْ نَوَى الْقُدْرَةَ دُيِّنَ لاَ تَخْرُجُ اِلاَّ بِاِذْنِيْ

ضرور آؤں گا اس کے پاس اگر ہو سکا تو ہو سکنا تندرستی پر محمول ہوگا اور اگر قدرت مراد لی تو دیانۃً مان لیا جائیگا مت نکل مگر میری اجازت سے

شُرِطَ لِكُلِّ خُرُوْجٍ اِذْنٌ بِخِلاَفِ اِلاَّ اَنْ اَوْ حَتّٰى وَلَوْ اَرَادَتِ الْخُرُوْجَ فَقَالَ اِنْ خَرَجْتِ اَوْضَرْبَ الْعَبْدَ

تو ہر بار نکلنے کیلئے اجازت شرط ہوگی بخلاف الا ان اور کلمہ حتی کے، بیوی نے نکلنا چاہا شوہر نے کہا اگر تو نکلی یا غلام کو مارنا چاہا

فَقَالَ اِنْ ضَرَبْتَ تَقَيَّدَ بِهٖ كَاجْلِسْ فَتَغَدَّ عِنْدِيْ فَقَالَ اِنْ تَغَدَّيْتُ

شوہر نے کہا اگر تو نے مارا تو یہ اسی نکلنے اور مارنے کیساتھ مقید ہوگا جیسے کسی نے کہا بیٹھ اور میرے پاس ناشتہ کر اس نے کہا اگر میں ناشتہ کروں

وَمَرْكَبُ عَبْدِهٖ كَمَرْكَبِهٖ فِي الْحِنْثِ اِنْ نَوٰى وَلاَدَيْنَ عَلَيْهِ

غلام کی سواری خود اسی کی سواری ہے اگر اس کی نیت کرے اور غلام پر قرض نہ ہو۔

قولہ والواقف الخ مکان کی چھت پر کھڑا ہونے والا گھر میں داخل ہونے والے کے حکم میں ہے یعنی اگر کوئی یوں کہے واللہ لا ادخل دارا اور پھر گھر کی چھت پر کھڑا ہو جائے تو متقدمین فقہا کے نزدیک حانث ہو جائیگا کیونکہ چھت بھی گھر کے حکم میں ہے چنانچہ سطح مسجد تک آنے سے معتکف کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور حائضہ اور جنبی کیلئے سطح مسجد پر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

فائدہ: متاخرین کے یہاں چھت پر آنے سے حانث نہ ہوگا اور متقدمین کے یہاں حانث ہو جائیگا ان دونوں قولوں میں بعض حضرات نے تطبیق دی ہے کہ متقدمین کے نزدیک گھر سے مراد وہ ہے جس کے ہر چہار طرف پردہ کی دیوار ہو اور متاخرین کے نزدیک وہ جس میں پردہ کی دیوار نہ ہو لیکن ابن کمال نے کہا ہے کہ اہل عجم کے عرف میں اس کو داخل دار نہیں کہتے لہٰذا حانث نہ ہوگا اسی پر فتوی ہے۔

قولہ ودوام اللبس الخ ایک شخص نے کہا بخدا میں یہ کپڑا نہ پہنوں گا حالانکہ وہی پہنے ہوئے ہے یا کہا کہ اس سواری پر سوار نہ ہوں گا اور اسی پر سوار ہے یا کہا کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا اور اسی میں ساکن ہے تو قسم کے بعد ایک ساعت پہننے اور سوار ہونے سے حانث ہو جائیگا اور اگر یوں کہا کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا تو قدرے ٹھہرنے سے حانث نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ جن افعال میں امتداد پایا جاتا ہے ان میں دوام فعل کا حکم بھی وہی ہے جو ابتدا فعل کا ہے جیسے رکوب، لبس، سکنیٰ وغیرہ اور جن میں امتداد نہیں ہے جیسے دخول، خروج، تطہیر وغیرہ ان کے دوام کا حکم ابتدا فعل کا حکم نہیں ہے۔

قوله لا یسکن الخ ایک شخص نے کہا کہ میں اس گھر میں یا اس مکان میں یا اس محلہ میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے نکل گیا لیکن اس کا ساز وسامان اور اہل وعیال سب وہیں ہیں تو حانث ہوجائے گا کیونکہ عرفاً سکونت وہیں کی سمجھی جاتی ہے جہاں اہل وعیال ہوں مثلاً اہل بازار تمام دن بازار میں رہتے ہیں لیکن وہیں کے کہلاتے ہیں جہاں ان کے اہل وعیال اور اسباب ہوتا ہے پھر امام صاحب اور امام احمد کے نزدیک پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی وہاں رہ گئی تو حانث ہوجائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے محیط اور فوائد ظہیریہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ضروری اسباب خانگی منتقل کر لینا کافی ہے یہی قول آسان تر ہے اور مشائخ نے اسی کو پسند کیا ہے عینی اور شرح مجمع وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اگر یوں قسم کھائی کہ اس شہر یا گاؤں میں نہ رہوں گا تو صرف اس کا نکل جانا کافی ہے اگرچہ اہل وعیال اسی شہر میں ہوں کیونکہ عرف میں اس کو اس شہر کا باشندہ شمار نہیں کیا جاتا۔

قوله فاخرج الخ ایک شخص نے کہا کہ میں مسجد سے نہ نکلوں گا پھر اس کو اس کے حکم سے اٹھا کر نکالا گیا تو حانث ہوجائیگا کیونکہ مامور کا فعل اٗمر کی طرف مضاف ہوتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسے وہ خود نکلا ہو اور اگر بلا حکم زبردستی اٹھا کر نکالا گیا ہو تو حانث نہ ہوگا اگرچہ وہ اکراہ کے بعد نکلنے پر راضی ہوگیا ہو اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں صرف جنازہ کیلئے نکلوں گا چنانچہ وہ جنازے کیلئے نکلا اور پھر کسی کام کیلئے چلا گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ گھر سے بارادہ جنازہ نکلنا شرط ہے اور وہ موجود ہے پس دوسری ضرورت کیلئے جانا یمین کیلئے مضر نہیں۔

قوله لا یخرج الخ ایک شخص نے کہا کہ میں مکہ کی طرف جاؤں گا یا نکلوں گا اور پھر مکہ کے ارادہ سے باہر نکلا اور مکہ پہنچنے سے پہلے واپس آگیا تو حانث ہوجائیگا کیونکہ خروج وذہاب کیلئے مقصود تک پہنچنا شرط نہیں بخلاف لفظ اتیان کے کہ اس کیلئے وصول شرط ہے اس لئے لفظ اتیان استعمال کرنے کی صورت میں حانث نہ ہوگا جب تک کہ وہ مکہ نہ پہنچ جائے۔

قوله لا تخرج الا باذنی الخ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا لا تخرج الا باذنی تو ہر بار نکلنے کیلئے اجازت شرط ہوگی اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت سے نکلی اور پھر بلا اجازت نکل گئی تو حانث ہوجائے گا اور اگر کلمہ حتی یا لفظ الا ان استعمال کیا تو ہر بار اجازت مشروط نہیں وجہ یہ ہے کہ الا باذنی میں با برائے الصاق ہے پس ہر خروج کا صفت اذن کے ساتھ ملصق ہونا ضروری ہے قال تعالی "ومانتنزل الا بامر ربک" ای لا یوجد نزول الا بھذہ الصفۃ بخلاف کلمہ حتی کے کہ وہ انتہا کیلئے ہے پس ایک مرتبہ اجازت کے ساتھ خروج متحقق ہونے سے یمین منتہی ہوجائے گی رہا الا ان سو وہ کلمہ حتی پر محمول ہے کیونکہ یہاں کلمہ ان کا مصدر یہ ہونا متعذر ہے سوال آیت "یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم" میں الا ان ہے حالانکہ نبی کے گھر میں داخل ہونے کیلئے ہر مرتبہ اجازت شرط ہے جواب ہر مرتبہ اجازت کا شرط ہونا آخر آیت سے ثابت ہے یعنی "ان ذلکم کان یؤذی النبی" سے کیونکہ ایذا ہر مرتبہ داخل ہونے میں موجود ہے یا اس لئے کہ غیر کی ملک میں بلا اجازت داخل ہونا حرام ہے۔

قوله ومرکب الخ ماذون فی التجارۃ اور مکاتب غلام کی سواری اس کے مالک کی نہیں ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ غلام پر دین مستغرق نہ ہو دوسرے یہ کہ حالف نے اس سواری کی نیت کی ہو سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ زید کی سواری پر سوار نہ ہوگا پھر زید کے ماذون فی التجارۃ یا مکاتب غلام کی سواری پر سوار ہوگیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر دین مستغرق نہ ہو اور حالف نے اس سواری کی نیت کی ہو تو حانث ہوجائے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام

باب کھانے پینے اور کلام کرنے پر قسم کھانے کے بیان میں

لایَأکُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخلَةِ حَنِثَ بِثَمَرِهَا وَلَوْ عَیَّنَ الْبُسْرَ اَوِ الرُّطَبَ اَوِ اللَّبَنَ لایَحْنِثُ بِرُطَبِهٖ وَتَمرِهٖ

نہ کھائے گا کھجور کے اس درخت سے تو حانث ہو جائیگا اس کے پھل سے اور اگر معین کیا کچے پختہ اور دودھ کو تو نہ حانث ہوگا اس کے پختہ اور خشک

وَشِیْرَازِهٖ بِخِلافِ هٰذَ الصَّبِیِّ وَهٰذ الشَّابِّ وَهٰذَ الْحَمَلِ لایَأکُلُ بُسْرًا فَاَکَلَ رُطَبًا لَمْ یَحْنِثُ وَفِیْ لایَأکُلُ رُطَبًا

اور دہی سے بخلاف اس بچے اور جوان اور اس حمل کے کہ نہ کھاؤں گا گدر کھجور پھر کھائی پختہ تو حانث نہ ہوگا نہ کھاؤں گا پختہ یا کچا

اَوْبُسْرًا اَوْلایَأکُلُ رُطَبًا وَلابُسْرًا حَنِثَ بِالْمُذَنِّبِ وَلاَ یَحْنِثُ بِشِرَآءِ کَبَاسَةٍ فِیْهَارُطَبٌ

یا نہ پختہ کھاؤں گا نہ خام تو حانث ہو جائیگا گدر کھانے سے اور حانث نہ ہوگا کچی کھجور کا خوشہ خریدنے سے جس میں کچھ پکی بھی ہوں

فِیْ لایَشْتَرِیْ رُطَبًا وَبِسَمَکٍ فِیْ لایَأکُلُ لَحمًا وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَالْاِنْسَانِ وَالْکَبِدُ وَالْکَرِشُ لَحْمٌ

اس قسم میں کہ میں تروتازہ کھجور نہ خریدوں گا اور مچھلی کھانے سے اس قسم میں کہ گوشت نہ کھاؤں گا اور خنزیر اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھ گوشت ہے

وَبِشَحْمِ الظَّهْرِ فِیْ لایَأکُلُ شَحمًا وَبِالْیَةٍ فِیْ لَحمًا اَوْ شَحمًا وَفِی الْخُبْزِ فِیْ هٰذِهِ الْبُرِّ وَفِیْ هٰذِهِ الدَّقِیْقِ

اور پیٹھ کی چربی سے چربی کی اور دنبہ کی چکی سے گوشت یا چربی کی اور روٹی سے اس گیہوں کی قسم میں اور اس قسم میں کہ اس آٹے کو نہ کھاؤنگا

حَنِثَ بِخُبْزِهٖ لابِسَفِّهٖ وَالْخُبْزُ مَا اعْتَادَ بَلَدُهٗ وَالشِّوَاءُ وَالطَّبْخُ عَلَی اللَّحْمِ

حانث ہو جائیگا اس کی روٹی سے نہ کہ اس کو خشک پھانکنے سے اور روٹی وہ ہے جس کے خوگر ہوں اہل شہر اور بھنا ہوا اور پکا ہوا محمول ہے گوشت پر

وَالرَّأسُ مَایُبَاعُ فِیْ مِصْرِهٖ وَالْفَاکِهَةُ بِالتُّفَّاحِ وَالْبِطِّیْخِ وَالْمِشْمِشِ لاالْعِنَبِ وَالرُّمَّانِ وَالرُّطَبِ وَالْقِثَّآءِ وَالْخِیَارِ

اور سری وہ ہے جو فروخت ہو اس شہر میں اور میوہ سیب اور خربوزہ اور زرد آلو ہے نہ کہ انگور انار تر کھجور کھیر اور ککڑی

وَالْاِدَامُ مَایُصْطَبَغُ بِهٖ کَالْخَلِّ وَالْمِلْحِ وَالزَّیْتِ لاَ اللَّحْمُ وَالْبَیْضُ وَالْجُبْنُ وَالْغَدَآءُ الْاَکْلُ مِنَ الْفَجْرِ اِلَی الظُّهْرِ

اور سالن وہ ہے جس میں روٹی تر کیجائے جیسے سرکہ نمک اور زیتون کا تیل نہ کہ گوشت اور انڈا اور پنیر اور غداء فجر سے ظہر تک کا کھانا ہے

وَالْعَشَآءُ مِنْهُ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ وَالسُّحُوْرُ مِنْهُ اِلَی الْفَجْرِ

اور عشاء نصف شب تک کا کھانا ہے اور سحور آدھی رات سے فجر تک کا کھانا ہے۔

توضیح اللغۃ: لبس پہننا نخلۃ کھجور کا درخت، ثمر پھل، بسر کچی کھجور، رطب پختہ تازہ کھجور، شیراز دہی، مذنب گدر کھجور جو ایک طرف سے پکنی شروع ہو گئی ہو کباسہ کھجوروں کا گچھا، کبد جگر کلیجہ، کرش اوجھ شحم چربی، الیۃ سیرین مراد دنبہ کی چکی، سف خشک آٹا پھانکنا، شوا، بمعنی مشوی بھنا ہوا طبخ بمعنی مطبوخ پکایا ہوا فاکھۃ میوہ، تفاح سیب، بطیخ خربوزہ، مشمش زرد آلود، عنب انگور، رمان انار، قثا کھیرہ، خیار ککڑی، ادام سالن، یصطبغ، اصتباغ، سالن لگانا، خل سرکہ، زیت روغن زیتون بیض، انڈے جبن پنیر۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ وجہ مناسبت تو ہم پہلے بیان کر چکے چند باتیں بطور اصول معلوم ہو جانی چاہئیں تا کہ مسائل سمجھنے میں دشواری نہ ہو نمبرا، کل کے معنی کسی ایسی چیز کو منہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچانا ہے جس کو چبایا جا سکے (خواہ بالفعل چبائے یا نہ چبائے) جیسے روٹی میوہ وغیرہ اور شرب کے معنی کسی ایسی چیز کو منہ کے راستے سے پیٹ میں پہچانا ہے جو چبانے کے لائق نہ ہو جیسے پانی، شہد وغیرہ پس ناک سے پانی کھینچ کر پیٹ میں لے جانا پچکاری سے پیٹ میں دوا پہچانا شرب نہیں ہے اور ذوق کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے کیلئے منہ

سے چکھنا ہو خواہ پیٹ میں جائے یا نہ جائے پس ہر اکل و شراب و ذوق میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر اکل و شرب ذوق ہے لیکن ہر ذواق اکل و شرب نہیں۔ نمبر۲، یمین جب کسی ایسی چیز کی طرف مضاف ہو جس کی حقیقت متعذر ہو تو حتی الوسع اس کو ایسی چیز پر محمول کیا جائے گا جو عرفاً اس کا محمل بن سکے تا کہ عاقل بالغ کا کلام لغو ہونے سے بچ جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مجبوراً کلام کو لغو کہا جائیگا۔ نمبر۳ اگر یمین کسی معین و حاضر شئی پر ایک خاص وصف کے ساتھ ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ وصف یمین کی طرف داعی ہے یا نہیں اگر وصف داعی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا اور اگر داعی نہ ہو تو صرف نکرہ میں اس کا اعتبار ہوگا معرفہ میں وہ وصف معتبر نہ ہوگا اگر یہ اصول ذہن نشین رکھو گے تو فہم مسائل میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ واللہ الموفق۔

قولہ لا یاکل الخ ایک شخص نے کہا لا اکل من هذه النخلة تو اس کا پھل کھانے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ یمین درخت کی طرف مضاف ہے اور درخت ماکول نہیں لہٰذا درخت کا پھل مراد ہوگا اور اگر یوں کہا لا اکل من هذا البسر او الرطب یا کہا لا اشرب من هذا اللبن تو پہلی صورت میں پختہ تر کھجور اور دوسری صورت میں کھجور اور تیسری صورت میں دہی کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ بسریت رطبیت صفات قسم کی طرف داعی ہیں لہٰذا قسم انہیں صفات کے ساتھ مقید ہوگی اور اگر یوں کہا لا اکلم هذا الصبی او هذا الشاب پھر ان کے بوڑھے ہو جانے کے بعد کلام کیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ صفات باعث یمین نہیں۔

قولہ یحنث بشراء الخ کسی نے قسم کھائی لا اشتری رطبا پھر ایک خوشہ خرما خریدا جس میں کچھ پکی کھجوریں بھی تھیں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ خریداری یکبارگی واقع ہوتی ہے اور مغلوب غالب کے تابع ہے ہاں اگر یوں قسم کھائی لا اکل رطبا پھر گدر کے ساتھ کچھ پکی کھجوریں بھی کھالیں تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اکل کا وقوع یکبارگی نہیں ہوتا لہٰذا یہاں مغلوب غالب کا تابع نہ ہوگا۔

قولہ ولحم الخنزیر الخ خنزیر کا گوشت اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھڑی گوشت میں داخل ہے لہٰذا ان کے کھانے سے حانث ہو جائیگا اگر اس نے یوں قسم کھائی ہو لا اکل لحما لیکن صحیح یہ ہے کہ خنزیر، آدمی کے گوشت سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کا کھانا متعارف نہیں۔

قولہ والفاکھه الخ فاکہہ (میوہ) اس کو کہتے ہیں جو غذا سے آسودہ ہو کر بطریق تلذذ کھایا جائے خشک ہو یا تر قبل از طعام ہو یا بعد از طعام پس سیب خربوزہ، زردآلو، شفتالو، انجیر بہی امرود، اخروٹ، بادام، پستہ، عناب، آم، جامن، فالسہ، کھنی، نارنگی، شریں لیموں، گنا اور بیر سب میوہ میں داخل ہیں کیونکہ لذت کے واسطے کھائے جاتے ہیں لہٰذا ان کے کھانے سے حانث ہو جائیگا۔ اگر اس نے قسم کھائی ہو کہ میوہ نہیں کھاؤں گا اور ککڑی، کھیرہ غیرہ میوہ میں داخل نہیں بلکہ سبزیوں اور ترکاریوں میں داخل ہے لہٰذا ان سے حانث نہ ہوگا رہا انگور، انار، اور تر کھجور سو ان میں اختلاف ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بھی میوہ میں داخل ہیں بلکہ عمدہ ترین میوہ جات میں شمار ہیں اور بطریق تلذذ کھائے جاتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک میوؤں میں داخل نہیں کیونکہ انگور اور تر کھجور سے غذا کا کام لیا جاتا ہے اور انار بطریق دوا استعمال ہوتا ہے پس تفکہ کے معنی میں قصور آ گیا اور دراصل یہ اختلاف اختلاف عادات پر مبنی ہے اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ قسم میں عرف کا اعتبار ہے پس اہل عرف جس کو میوہ شمار کرتے ہیں وہ میوہ ہیں اور موجب حنث ہے۔

قولہ والادام الخ ادام (سالن) وہ ہے جس میں روٹی تر ہو جائے مراد یہ ہے کہ دوسرے کا تابع ہو کر کھایا جائے بایں معنی کہ دوسرے کے ساتھ اختلاط ہو یا وہ عادۃً تنہا نہ کھایا جاتا ہو جیسے سرکہ، زیتون کا تیل، نمک (کہ منہ میں پگھل کر مخلوط ہو جاتا ہے) پس گوشت انڈا پنیر سالن میں داخل نہیں کیونکہ ان میں روٹی تر نہیں ہوتی نیز ان کو مستقل طور پر کھایا جاتا ہے امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادام ہر وہ چیز ہے جو اکثر روٹی کے ساتھ کھائی جائے اسی پر فتویٰ ہے۔

وَفِیْ اِنْ لَبِسْتُ اَوْاَکَلْتُ اَوْ شَرِبْتُ وَنَوٰی مُعَیَّنًا لَمْ یُصَدَّقْ اَصْلاً وَلَوْ زَادَ ثَوْبًا اَوْ طَعَامًا اَوْشَرَابًا دُیِّنَ

اگر میں پہنوں یا کھاؤں یا پیوں اور نیت کرے کسی خاص چیز کی تو تصدیق نہیں کیجائیگی بالکل اور اگر بڑھادے ثوبا یا طعاما یا شرابا تو دیانۃ تصدیق کیجائیگی

لَایَشْرَبُ مِنْ دَجْلَةٍ عَلَی الْکَرْعِ بِخِلَافِ مِنْ مَّآءِ دَجْلَةَ اِنْ لَمْ اَشْرَبْ مَآءَ هٰذَا الْکُوْزِ الْیَوْمَ فَکَذَا وَلَا مَآءَ فِیْهِ

میں دجلہ سے نہ پیونگا منہ سے پینا مراد ہوگا بخلاف اس کے کہ دجلہ کا پانی نہ پیونگا اگر نہ پیوؤں پانی اس کوزے کا آج تو ایسا ہے حالانکہ اس میں پانی

وَکَانَ فَصَبَّ اَوْ اَطْلَقَ وَلَا مَآءَ فِیْهِ لَایَحْنَثُ وَاِنْ کَانَ فَصَبَّ حَنِثَ

نہیں تھا مگر گرادیا گیا یا وہ مطلق بولے اور اس میں پانی نہ ہو تو حانث نہ ہوگا اور اگر اس میں پانی ہو اور گرادیا جائے تو حانث ہوجائیگا

لَوْحَلَفَ لَیَصْعَدَنَّ السَّمَآءَ اَوْ لَیَقْلِبَنَّ هٰذَاالْحَجَرَ ذَهَبًا حَنِثَ فِی الْحَالِ لِلْعِجْزِ لَا یُکَلِّمُهٗ فَنَادَاهُ وَهُوَنَائِمٌ فَاَیْقَظَهٗ

قسم کھائی کہ ضرور آسمان پر چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا بناؤں گا تو فی الحال حانث ہوجائیگا اس سے نہ بولوں گا پھر اس کو سوتے میں پکارا اور جگادیا

اَوْ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ وَلَمْ یَعْلَمْ فَکَلَّمَهٗ حَنِثَ لَا یُکَلِّمُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِیْنَ حَلَفَ

یا کہا کہ اس سے نہ بولوں گا مگر اس کی اجازت سے اس نے اجازت دی مگر معلوم نہ ہوا اور کلام کرلیا تو حانث ہوجائیگا اس سے ایک ماہ تک نہ بولوں گا

لَا یَتَکَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ اَوْسَبَّحَ لَمْ یَحْنَثْ یَوْمَ اُکَلِّمُ فُلَانًا عَلَی الْجَدِیْدَیْنِ

تو مہینہ قسم کے وقت سے ہوگا میں تکلم نہ کرونگا پھر قرآن یا تسبیح پڑھی تو حانث نہ ہوگا جس دن فلاں سے بولوں تو رات اور دن دونوں پر محمول ہوگا

فَاِنْ عَنَی النَّهَارَ خَاصَّةً صُدِّقَ وَلَیْلَةَ اُکَلِّمُهٗ عَلَی اللَّیْلِ اِنْ کَلَّمَهٗ اِلَّا اَنْ یَّقْدَمَ زَیْدٌ اَوْ حَتّٰی

اور اگر دن ہی مراد لے تو تصدیق کیجائے گی اور جس رات فلاں سے بولوں صرف رات پر محمول ہوگا اگر میں اس سے بولوں الا یہ کہ زید آجائے

اَوْ اِلَّا اَنْ یَّاْذَنَ اَوْ حَتّٰی فَکَذَا فَکَلَّمَهٗ قَبْلَ قُدُوْمِهٖ اَوْ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَبَعْدَهُمَا لَا فَاِنْ مَاتَ زَیْدٌ سَقَطَ الْحَلْفُ

یا وہ اجازت دے تو ایسا ہے پھر کلام کیا زید کے آنے یا اجازت دینے سے پہلے تو حانث ہوجائے گا اور ان کے بعد حانث نہ ہوگا اور اگر زید مرگیا

لَا یَاْکُلُ طَعَامَ فُلَانٍ اَوْ لَا یَدْخُلُ دَارَهٗ اَوْ لَا یَلْبَسُ ثَوْبَهٗ اَوْ لَا یَرْکَبُ دَابَّتَهٗ اَوْ لَا یُکَلِّمُ عَبْدَهٗ

توقسم ختم ہوجائے گی فلاں کا کھانا نہ کھائے گا یا اس کے گھر میں داخل نہ ہوگا یا اس کا کپڑا نہ پہنے گا یا اس کی سواری پر سوار نہ ہوگا یا اس کے غلام سے

اِنْ اَشَارَ وَقَدْ زَالَ مِلْکُهٗ وَفَعَلَ لَا یَحْنَثُ کَالْمُتَجَدِّدِ وَاِنْ لَمْ یُشِرْهُ لَا یَحْنَثُ بَعْدَ زَوَالِ

نہ بولے گا تو اگر اس نے اشارہ کیا اور اس کی ملک زائل ہوگئی پھر اس نے یہ کہا تو حانث نہ ہوگا زوال ملک کے بعد

وَحَنِثَ بِالْمُتَجَدِّدِ وَفِی الصَّدِیْقِ وَالزَّوْجَةِ فِی الْمُشَارِ حَنِثَ وَفِیْ غَیْرِ الْمُشَارِ لَا

اور حانث ہوجائے گا نئی خریدی ہوئی سے اور دوست اور بیوی کی صورت میں حانث ہوجائے گا مشار میں اور اگر اشارہ نہ کیا تو حانث نہ ہوگا

وَحَنِثَ بِالْمُتَجَدِّدِ لَا یُکَلِّمُ صَاحِبَ هٰذَا الطَّیْلَسَانِ فَبَاعَهٗ فَکَلَّمَهٗ حَنِثَ

اور حانث ہوجائیگا نئے دوست اور نئی بیوی سے اس چادر کے مالک سے نہ بولوں گا اس نے فروخت کردی اور اس نے کلام کیا تو حانث ہوجائیگا

وَالزَّمَانُ وَالْحِیْنُ وَمُنَکَّرُهُمَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَالدَّهْرُ وَالْاَبَدُ اَلْعُمْرُ وَدَهْرٌ مُجْمَلٌ

لفظ زمان وحین معرفہ ونکرہ کی مدت چھ ماہ ہے اور الدہر اور ابد کی مدت تمام عمر اور دہر مجمل ہے

وَالْاَیَّامُ وَاَیَّامٌ کَثِیْرَةٌ وَالشُّهُوْرُ وَالسُّنُوْنَ عَشَرَةٌ وَّمُنَکَّرُهَا ثَلٰثَةٌ

اور الایام ایام کثیرہ شہور سنون سے مراد دس ہوں گے اور ان کے نکرہ اسماء سے مراد تین ہوں گے۔

تشریح الفقہ : قولہ ان لبست الخ اگر کوئی یوں کہے ان لبست ، اکلت، شربت، فعبدی حر اور کوئی خاص چیز مراد لے مثلاً دودھ، روٹی وغیرہ تو اس کی تصدیق نہ ہوگی قضاءً نہ دیانۃً کیونکہ نیت کا اعتبار ملفوظ میں ہوتا ہے اور یہاں ملفوظ مذکور نہیں ہاں اگر وہ مفعول ذکر کردے مثلاً ان لبست ثوبا ، ان اکلت طعاماً، ان شربت لبناً، فعبدی حر اور پھر کسی خاص چیز کی نیت کرے تو تصدیق کی جائے گی مگر صرف دیانۃ کیونکہ اس صورت میں اس نے عام لفظ ذکر کیا ہے جو قابل تخصیص ہے اور تخصیص عام میں صرف دیانۃ تصدیق ہوتی ہے۔

قولہ ان لم اشرب الخ یہاں سے حنث تک جو مسئلہ مذکور ہے اس کی چار صورتیں ہیں اور چاروں کا حکم ایک قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک یمین کے منعقد ہونے اور باقی رہنے کیلئے یہ شرط ہے کہ آئندہ زمانہ میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہو کیونکہ قسم کھانے سے مقصود بالذات اس کو قائم رکھنا اور پورا کرنا ہے تو جس صورت میں قسم کو پورا کرنا محال ہو اس میں حنث بھی محال ہوگا کیونکہ ترک شئی وجود شئی کے بعد ہوتا ہے جب یہ قاعدہ معلوم ہوگیا تو اب دیکھو ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں اس پیالہ کا پانی نہ پیوں تو میری بیوی کو طلاق تو اس کی چار صورتیں ہیں یا تو کلام موقت ہوگا یعنی لفظ الیوم مذکور ہوگا یا غیر موقت ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو پیالے میں پانی ہی نہیں تھا یا پانی تو تھا مگر بعد میں گرا دیا گیا اگر کلام غیر موقت ہو اور پیالے میں پانی ہو تو اس صورت میں حانث ہو جائے گا کیونکہ قسم سے فارغ ہوتے ہی پانی پی کر قسم کو پورا کرنا ممکن تھا لہٰذا یمین منعقد ہوگئی اور گرانے کے بعد قسم کو پورا کرنا محال ہوگیا اس لئے حانث ہو جائے گا اور باقی تین صورتوں میں حانث نہ ہوگا کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں ابتداً اور پانی گرا دینے کی صورت میں بقاءً شرط یمین نہیں پائی گئی۔

قولہ حلف الخ آسمان پر چڑھنا فی نفسہ ممکن ہے چنانچہ صعود ملائکہ اور صعود انبیاء بالیقین ثابت ہے نیز بتحویل الٰہی پتھر کا سونا ہو جانا متکلمین کے نزدیک ممکن ہے لہٰذا یمین منعقد ہوئی لیکن حالف عادۃً صعود و تقلیب سے عاجز ہے اس لئے فی الحال حانث ہو جائیگا۔

قولہ لا یاکل الخ ایک شخص نے اشارہ سے معین کر کے کہا میں زید کا یہ کھانا نہ کھاؤں گا پھر زید کی ملکیت زائل ہونے کے بعد کھالیا یا زوال ملک کے بعد زید اور کھانے کا مالک ہوا اور حالف نے اس کو کھالیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے محلوف علیہ کو معین اور زید کی ملک کی طرف منسوب کر کے قسم کھائی ہے تو قسم کا انعقاد اس معین کھانے پر ہوا ہے اور جب ملک زائل ہوگئی تو یمین بھی ختم ہو جائیگی اور اگر محلوف علیہ کی طرف اشارہ نہ کرے صرف یوں کہے لا اکل طعام زید اور پھر زید کی ملک زائل ہونے کے بعد کھالے تو حانث نہ ہوگا اور اگر متجدد ہونے کے بعد کھائے تو حانث ہو جائے گا اسی پر دار، ثوب، دابہ، اور عبد کی صورتوں کو قیاس کرلو۔

قولہ وفی الصدیق الخ عمرو نے کہا کہ میں زید کے اس دوست سے یا زید کی اس بیوی سے نہ بولوں گا اس کے بعد زید کا دوست اس کا دشمن ہوگیا یا زید نے بیوی کو طلاق دیدی اور پھر عمرو نے ان سے گفتگو کی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ یہاں مقصود بالذات خود انہی سے نہ بولنا ہے زید کی طرف اضافت صرف تعریف کیلئے ہے اور اگر بلا اشارہ یوں کہا: میں زید کے دوست سے نہ بولوں گا اور پھر زید کی نسبت زائل ہوگئی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہاں مقصود بالھجر ان زید اور اس کا دوست دونوں ہو سکتے ہیں پس احتمال کی وجہ سے حانث نہ ہوگا اور اگر زید کا کوئی نیا دوست ہوگیا یا اس نے کوئی نئی شادی کرلی اور عمر نے ان سے تکلم کیا تو حانث ہو جائے گا۔

قولہ والزمان الخ ایک شخص نے قسم کھائی اور قسم میں لفظ حین یا لفظ زمان منکر یا معرفہ ذکر کیا تو احناف اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ابتدا حلف سے چھ ماہ تک وہ کام کرلیا جس پر قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا امام مالکؒ کے یہاں ایک سال پر اور امام شافعی کے یہاں ادنی مدت یعنی ایک ساعت پر محمول ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ حین کبھی قلیل زمانے کیلئے استعمال ہوتا ہے[1] اور کبھی چالیس[2] برس کیلئے اور چھ ماہ[3] متوسط درجہ ہے اس لئے یہی مراد ہوگا کیونکہ ساعت بھر عدم تکلم قسم کھانے پر موقوف نہیں بلا قسم بھی متصور ہو سکتا ہے اور چالیس سال کی مدت نہایت دراز ہے جو عموماً مقصود نہیں ہوتی تو متوسط درجہ متعین ہوگیا اور لفظ زمان حین کے معنی میں مستعمل ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

[1] ... قال اللہ تعالیٰ "فسبحان اللہ حین تمسون" ۱۲۔ [2] قال اللہ تعالیٰ "ہل اتی علی الانسان حین من الدہر" ۱۲۔
[3] قال اللہ تعالیٰ "توتی اکلہا کل حین" حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "حین" سے مراد چھ ماہ ہیں ۱۲۔

قوله والدھر الخ اگر کسی نے لفظ الدہر یا الابد معرفہ استعمال کیا تو پوری عمر مراد ہوگی اور نکرہ استعمال کیا تو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چھ ماہ پر محمول ہوگا لیکن امام صاحبؒ سے اس میں کوئی تحدید مروی نہیں توقف ہے کیونکہ لغات کا ادراک قیاس سے نہیں ہوتا اور عرف میں کوئی مدت معین نہیں لہٰذا توقف کیا جائے گا مگر فتویٰ صاحبین کا قول پر ہے۔

قوله والایام الخ اگر حالف نے لفظ الایام یا ایام کثیرۃ یا الشہور یا السون استعمال کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک الایام میں دس روز، الشہور میں دس ماہ اور السون میں دس سال مراد ہوں گے کیونکہ جمع معرف باللام کا اقصیٰ استعمال جمع کی طرف منصرف ہوتا ہے اور وہ دس ہے کیونکہ لغت عرف میں تین سے دس تک جمع استعمال ہوتا ہے یقال ثلٰثہ رجال الی عشرۃ رجال اور دس کے بعد مفرد استعمال ہوتا ہے یقال احد عشرہ رجلا صاحبین کے نزدیک الایام میں ہفتہ اور الشہور میں بارہ ماہ مراد ہوں گے کیونکہ معرف معہود کی طرف منصرف ہوتا ہے اور معہود ہفتہ کے ایام اور سال کے مہینے ہیں اور السنین میں کوئی عدد معہود نہیں لہٰذا پوری عمر پر محمول ہوگا اور اگر ان کو نکرہ ذکر کیا تو ہر ایک کو تین پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اقل جمع تین ہی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الیمین فی الطلاق و العتاق

باب طلاق دینے اور آزاد کرنے کی قسم کھانے کے بیان میں

اِنْ وَلَدْتِّ فَانْتِ كَذَا حَنِثَ بِالْمَيِّتِ بِخِلافِ فَهُوَ حُرٌّ فولَدَتْ وَلَداً ميتاً ثُمَّ اخرَ حَيّاً عتقَ الحيُّ وَحْدَهُ

اگر تو بچہ جنے تو ایسی ہے تو حانث ہو جائے گا مردہ بچہ ہونے سے بخلاف اس کے کہ وہ بچہ آزاد ہے اور وہ مردہ بچہ جنے پھر زندہ بچہ جنے کہ صرف زندہ

اَوَّلُ عَبْدٍ اَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ فَمَلَكَ عَبْدًا عُتِقَ وَلَوْ مَلَكَ عَبْدَيْنِ مَعًا ثُمَّ اٰخَرَ

آزاد ہوگا اول غلام جس کا مالک ہوؤں وہ آزاد ہے پھر مالک ہوا غلام کا آزاد ہوجائیگا اگر دو کا مالک ہو پھر تیسرے کا

لاَ يَعْتِقُ وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَلَوْ زَادَ وَحْدَهُ عَتَقَ الثَّالِثُ

تو کوئی غلام آزاد نہ ہوگا اگر لفظ وحدہ بڑھا دیا تو تیسرا غلام آزاد ہوجائیگا۔

تشریح الفقہ: قوله باب الخ اس باب کے مسائل بھی چند اصول سمجھنے پر موقوف ہیں نمبر ۱، مصنف نے اپنی کتاب الکافی میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کے مردہ بچہ پیدا ہو تو وہ مردہ اپنے حق میں ولد نہیں ہوتا چنانچہ نہ اس کا نام رکھا جاتا ہے نہ اس کو غسل دیا جاتا ہے نہ اس پر نماز پڑھی جاتی ہے نہ وہ وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے حق میں وصیت جاری ہوتی ہے اور نہ وہ آزاد ہوتا ہے لیکن دوسرے کے حق میں اس کا حکم ولد کا حکم ہے یعنی اگر اس کی ماں حاملہ ہو تو ولادت سے عدت گزر جائیگی اور اس کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس ہوگا اور اگر اس کی ماں باندی ہو تو ام ولد ہو جائیگی اور اگر اس کی ولادت پر طلاق معلق ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نمبر ۲، اول اس کو کہتے ہیں جس پر اس کا غیر مقدم نہ ہو اور آخر فرد لاحق کو کہتے ہیں یعنی آخر کے مفہوم میں فرد سابق کا وجود لازم ہو اور وسط اس کو کہتے ہیں جو دو برابر عددوں کے درمیان ہو۔ نمبر ۳، جو ذات امور ثلاثہ (اول، آخر، وسط) میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہو تو وہ کسی دوسرے کے ساتھ موصوف نہ ہوگی مثلاً جو ذات اولیت کے ساتھ موصوف ہو وہ آخرویت کے ساتھ موصوف نہ ہوگی کیونکہ ان میں منافات ہے لیکن فعل میں یہ بات نہیں وہ اولیت واخرویت کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے ان اصول کے بعد مسائل سمجھو ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ان ولدت فانت طالق اور اس کے مردہ بچہ پیدا ہوا تو حانث ہو جائے گا یعنی طلاق ہو جائے گی کیونکہ مردہ غیر کے حق میں ولد ہے اور اگر یوں کہا ان ولدت فھو حر اور عورت کے ایک مردہ اور ایک زندہ بچہ ہوا تو صرف زندہ بچہ آزاد ہوگا، کیونکہ مردہ اپنے حق میں ولد نہیں ہے صاحبین کے نزدیک زندہ بھی

آزاد نہ ہوگا کیونکہ مردہ بچہ کی ولادت سے یمین منحل ہو چکی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے حریت کو مولود کی صفت قرار دیا ہے تو یمین کو اسی کے ساتھ مقید کیا جائے گا صوناً لکلام العاقل عن اللغو۔

قوله اول عبدالخ ایک شخص نے کہا اول عبدا ملکه فهو حر پھر ایک غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا جو بالکل ظاہر ہے کیونکہ شرط پائی گئی لیکن اگر وہ دو غلاموں کا ایک ساتھ مالک ہوا پھر ایک تیسرے غلام کا مالک ہوا تو تینوں میں سے ایک بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ آزادی کی تعلیق ایک غلام کی ملک پر تھی جو دو کی ملک میں متحقق نہیں اور تیسرا غلام اول نہیں لہٰذا کوئی بھی آزاد نہ ہوگا ہاں اگر اس نے لفظ وحدہ زائد کر کے یوں کہا اول عبد املکه وحده تو تیسرا غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ پہلا غلام ہے جس کا تنہا مالک ہوا ہے۔

وَلَوْ قَالَ اٰخِرُ عَبْدٍ اَمْلِكُهٗ فَهُوَ حُرٌّ فَمَلَكَ عَبْدًا فَمَاتَ لَمْ يُعْتَقْ فَلَوْ اشْتَرٰى عَبْدًا ثُمَّ عَبْدًا اٰخَرَ فَمَاتَ

اگر کہا کہ آخری غلام جس کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر مالک ہوا ایک غلام کا اور مر گیا تو آزاد نہ ہوگا پس اگر خریدا ایک غلام پھر دوسرا اس کے

عَتَقَ الْاٰخِرُ مُذْ مَلَكَ كُلُّ عَبْدٍ لِّيْ بَشَّرَنِيْ بِكَذَا فَهُوَ حُرٌّ فَبَشَّرَهٗ ثَلٰثَةٌ مُتَفَرِّقُوْنَ

بعد مر گیا تو دوسرا آزاد ہو جائے گا مالک ہونے کے وقت سے جو غلام مجھے خوشخبری سنائے وہ آزاد ہے پس تین غلاموں نے علیحدہ علیحدہ خوشخبری سنائی

عُتِقَ الْاَوَّلُ وَاِنْ بَشَّرُوْهُ مَعًا عَتَقُوْا . وَصَحَّ شِرَآءُ اَبِيْهِ كَفَّارَةً لَاشِرَاءُ مَنْ حَلَفَ بِعِتْقِهٖ

تو پہلا آزاد ہوگا اور اگر سب نے سنائی تو سب آزاد ہو جائینگے اور صحیح ہے اپنے باپ کو خریدنا کفارہ کیلئے نہ کہ اس کو جس کی آزادی کی قسم کھا چکا

وَاُمِّ وَلَدٍ اِنْ تَسَرَّيْتُ اَمَةً هِيَ حُرَّةٌ

اور اپنی ام ولد کو اگر میں باندی کو حرم بناؤں تو وہ آزاد ہے۔

تشریح الفقہ: قوله ولو قال الخ ایک شخص نے کہا آخر عبدامکه فهو حر اس کے بعد ایک غلام کا مالک ہوا اور پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ آخر کے واسطے فرد سابق کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا اور اگر اس نے ایک غلام کے بعد دوسرا غلام خریدا اور پھر مر گیا تو دوسرا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی آزادی ملکیت کے وقت سے معتبر ہوگی کیونکہ اس کا آخر ہونا ملکیت کے وقت سے ثابت ہوا ہے لہٰذا اس کا عتق بھی ملکیت کے وقت سے ثابت ہوگا پس اگر وہ صحت کی حالت میں اس کا مالک ہوا تھا تو کل مال سے آزاد ہوگا ورنہ ثلث مال سے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزادی کا اعتبار موت کے وقت سے ہوگا اور ثلث مال سے آزاد ہوگا تندرستی میں مالک ہوا ہو یا بیماری میں۔

قوله کل عبدبشرنی الخ ایک شخص نے کہا کل عبد بشرنی بقدوم زید (مثلاً) فهو حر پھر تین غلاموں نے جدا جدا بشارت دی تو پہلا غلام آزاد ہوگا کیونکہ بشارت اس خبر کو کہتے ہیں جو مسرور اور خوش کن ہو اور اس کا تحقق اول سے ہو چکا حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے آپ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بمعیت ابوبکر صدیق وحضرت عمر گزر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص قرآن کو اس کی منزل من السما صفت پر پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اس طرح پڑھے جیسے ابن مسعود پڑھ رہا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت ابن مسعود کو اس کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد حضرت عمر نے، تو حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے ''بشرنی ابوبکر واخبرنی عمر'' پس آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو مبشر اور حضرت عمر کو مخبر فرمایا اور اگر تینوں غلاموں نے ایک ساتھ خوشخبری سنائی تو تینوں آزاد ہو جائیں گے کیونکہ بشارت کا تحقق تینوں سے ہوا ہو قال تعالیٰ وبشر وه بغلام حلیم۔

قوله وصح الخ یہ مسئلہ نیت کے ایک قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب نیت عتق کی علت اختیار کے ساتھ متصل ہو اور معتق کی

رقیت کامل ہو تو اس عتق سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور اگر نیت مقارن نہ ہو یا معتق کی رقیت کامل نہ ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوتا، اب ایک شخص نے ادائیگی کفارہ کی نیت سے اپنے باپ کو خریدا تو اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ عتق کی اختیاری علت خریدنا ہے اور خریدتے وقت نیت موجود ہے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا لیکن حدیث ”لن یجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ[1]“ ہماری موید ہے اور اگر وہ کسی غلام کے متعلق یہ کہہ چکا تھا کہ اگر میں اس کو خریدوں تو یہ آزاد ہے پھر اس کو کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خرید لے تو کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ یہاں علت عتق یمین ہے اور خریداری عتق کی شرط ہے پس نیت شرط کے ساتھ متصل ہوئی نہ کہ علت عتق کے ساتھ حالانکہ عتق کے ساتھ مقارن ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر کسی نے غیر کی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے کہا کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو میری قسم کے کفارہ کی طرف سے آزاد ہو اس کے بعد اس کو خرید لیا تو وہ آزاد ہو جائیگی لیکن کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ استیلاد کی وجہ سے اس کی حریت متحقق ہو چکی پس اس کی مملوکیت ناقص ہوگئی حالانکہ کفارہ کیلئے معتق کا کامل ہونا ضروری ہے۔

صَحَّ[2] لَوْفِیْ مِلْکِہٖ وَاِلَّا کُلُّ مَمْلُوْکٍ لِیْ حُرٌّ فِیْ[3] عَبِیْدِہٖ وَاُمَّھَاتِ اَوْلَادِہٖ وَمُدَبَّرِہٖ لَامُکَاتَبُہٗ[4]

تو یہ صحیح ہے اگر اس کی ملک میں ہو ورنہ نہیں میرا ہر غلام آزاد ہے تو اس کے تمام غلام اور امہات الاولاد اور مدبر آزاد ہو جائیں گے

ھٰذِہٖ طَالِقٌ اَوْ ھٰذِہٖ ھٰذِہٖ طُلِّقَتِ الْاَخِیْرَۃُ وَخُیِّرَ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَکَذَاالْعِتْقُ وَالْاِقْرَارُ

نہ کہ اس کے مکاتب غلام یہ طالق ہے یا یہ اور یہ تو تیسری مطلقہ ہو جائیگی اور پہلی دو کے متعلق شوہر کو اختیار ہوگا یہی حکم آزادی اور اقرار کا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ھذہ طالق الخ ایک شخص نے اپنی تین بیویوں کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ مطلقہ ہے یا یہ اور یہ تو بعد والی بیوی مطلقہ ہوگی اور دو کے متعلق شوہر کو اختیار ہوگا جس ایک کو چاہے طلاق دے لے کیونکہ شوہر نے پہلی دو عورتوں کے درمیان کلمہ او داخل کیا ہے جو مذکورہ شدہ دو امروں میں سے ایک کیلئے ہوتا ہے اور تیسری کا عطف ان دو میں سے اس عورت پر کیا ہے جس پر طلاق واقع ہوئی ہے تو مطلب یہ ہو گیا کہ تم دو عورتوں میں سے ایک مطلقہ ہے اور یہ مطلقہ ہے اسی طرح عتق اور اقرار ہے مثلاً کسی نے اپنے تین غلاموں سے کہا کہ یہ غلام آزاد ہے یا یہ اور یہ تو تیسرا آزاد ہو جائے گا اور دو میں تعیین عتق کا اختیار ہوگا یا کسی نے کہا کہ زید کے مجھ پر ہزار درہم ہیں یا خالد کے اور محمود کے تو پانچ سو درہم تو محمود کیلئے ہوں گے اور باقی پانچ سو میں مقر کو اختیار ہوگا چاہے زید کیلئے اقرار کرے چاہے خالد کیلئے۔

باب الیمین فی البیع والشراء والتزویج والصلوٰۃ والصوم وغیرھا
باب خرید و فروخت، نکاح اور نماز اور روزے وغیرہ کی قسم کھانے کے بیان میں

مَایَحْنَثُ بِالْمُبَاشَرَۃِ لَابِالْاَمْرِ اَلْبَیْعُ وَالشِّرَآءُ وَالْاِجَارَۃُ وَالْاِسْتِیْجَارُ وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَالْقِسْمَۃُ

جن امور میں خود کرنے سے حانث ہوتا ہے نہ کہ حکم کرنے سے وہ یہ ہیں خرید و فروخت مزدوری پر دینا مزدوری پر لینا صلح بعوض مال تقسیم کرنا

---

(۱) ای لوقال ان تسریت امۃ فہی حرۃ فتسری امۃ کانت فی ملکہ یوم حلف عتقت لان الیمین انعقدت فی حقہا لانہا تناول مملوکۃ فی ذالک الوقت علی العموم لکون الامۃ نکرۃ فی سیاق الشرط وھو کالنفی ۱۲۔ زیلعی ؒ۔

(۲) لان المطلق ینصرف الی الکامل وملکہ لہولا کامل لانہ یملکہم رقبۃ ویدا ۱۲ زیلعی ؒ

(۳) ای لایعتق مکاتبوہ بہذا اللفظ لان الملک فیہ ناقص لانہ خرج من ملک المولی یدا ولہذا لایملک المولی اکسابہ ولیس لہ ان یطا مکاتبۃ ۱۲، زیلعی

(۴) ... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔

وَالْخُصُومَةُ وَضَرْبُ الْوَلَدِ وَمَايَحْنِثُ بِهِمَا النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْخُلْعُ وَالْعِتْقُ وَالْكِتَابَةُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ عَمْدٍ وَالْهِبَةُ
مقدمات کی جوابدہی کرنا لڑکے کو مارنا اور جن میں دونوں سے حانث ہوتا ہے وہ یہ ہیں نکاح طلاق خلع آزاد کرنا کتابت قتل عمد سے صلح کرنا ہبہ
وَالصَّدَقَةُ وَالْقَرْضُ وَالْإِسْتِقْرَاضُ وَضَرْبُ الْعَبْدِ وَالذَّبْحُ وَالْبِنَاءُ وَالْخِيَاطَةُ وَالْإِيْدَاعُ وَالْإِسْتِيْدَاعُ
صدقہ قرض دینا قرض لینا غلام کو مارنا ذبح کرنا مکان وغیرہ بنانا سینا امانت سونپنا امانت رکھنا
وَالْإِعَارَةُ وَالْإِسْتِعَارَةُ وَقَضَاءُ الدَّيْنِ وَقَبْضُهُ وَالْكِسْوَةُ وَالْحَمْلُ
عاریت پر دینا عاریت پر لینا قرض چکانا قرض وصول کرنا پوشاک دینا کسی چیز کو اٹھانا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب کے مسائل سمجھنے کیلئے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ عقود تین قسم پر ہیں اول وہ جن کے حقوق عاقد اور مباشر سے متعلق ہوں (بشرطیکہ عاقد میں اہلیت ہو) جیسے خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ دوم وہ جن کے حقوق عاقد سے متعلق نہ ہوں بلکہ جس کے واسطے عقد ہوا ہے اس سے متعلق ہوں جیسے نکاح، طلاق، عتاق، کتابت، وغیرہ سوم وہ جن میں حقوق ہی نہ ہوں جیسے اعارہ، اور ابراء وغیرہ قسم اول میں خود کرنے سے حانث ہوگا اور ثانی وثالث میں خود کرنے سے بھی حانث ہو جائے گا اور مامور یعنی وکیل کے کرنے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

قولہ مایحنث الخ جن عقود میں حالف خود اپنے کرنے سے حانث ہوتا ہے نہ کہ حکم کرنے سے وہ عقود یہ ہیں بیع، شرا، اجارہ، اھ سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہ کروں گا پھر اس نے بذات خود بیع کی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس کے وکیل نے بیع کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ فعل کا وجود وکیل سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں پس موکل کی طرف سے فعل بیع نہ حقیقۃً پایا گیا نہ حکماً لہٰذا حانث نہ ہوگا اسی پر باقی عقود کو قیاس کر لو۔

قولہ مایحنث بھما الخ اور وہ عقود جن میں ذاتی مباشرت سے بھی حانث ہو جاتا ہے اور مامور کے کرنے سے بھی یہ ہیں نکاح، طلاق، خلع، الخ سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکاح نہ کروں گا تو حانث ہو جائے گا خواہ بذات خود نکاح کیا ہو یا اس کے وکیل نے اس کا عقد کیا ہو وعلی ہذا القیاس بقیۃ العقود:

فائدہ:

صاحب نہر نے وہ عقود جن میں حالف اپنے فعل اور وکیل کے فعل ہر دو سے حانث ہوتا ہے چوالیس گنائے ہیں بائیس تو یہی جو کتاب میں مذکورہ ہیں یعنی نکاح، طلاق الخ اور باقی یہ ہیں۔ ہدم، قطع، قتل، شرکت، ضرب زوجہ، ضرب ولد صغیر، تسلیم، شفعہ، اذن، نفقہ، وقف، قربانی، حبس، تعزیر (بہ نسبت حاکم) حج، وصیت، حوالہ، کفالہ، قضا، شہادت، اقرار، تولیت وفی النہر عن، **شارح الوھبانیۃ ان والدہ نظم مالا حنث فیہ بفعل الوکیل مشیر االی حنثہ فیما بقی فقال.**

بفعل وکیل لیس یحنث حالف . مبیع شرا اصلح مال خصومۃ

اجارۃ استیجار الضرب لابنہ . کذا قسمتہ والحنث فی غیر اثبت

وَدُخُولُ اللَّامِ عَلَى الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَالْاِجَارَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَالْخِيَاطَةِ وَالْبِنَاءِ كَاِنْ بِعْتُ لَکَ ثَوْبًا لِاِخْتِصَاصِ الْفِعْلِ

اور لام کا داخل ہونا بیع شراء اجارہ زرگری درزی گری اور بناء پر جیسے یوں کہے کہ اگر بیچوں میں تیرے واسطے کپڑا فعل کے اختصاص کے لئے ہوتا ہے

بِالْمَحْلُوْفِ عَلَيْهِ بِاَنْ كَانَ بِاَمْرِهٖ كَانَ مِلْكُهٗ اَوْلَا وَعَلَى الدُّخُوْلِ وَالضَّرْبِ وَالْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْعَيْنِ

محلوف علیہ کے ساتھ بایں معنی کہ وہ اس کی اجازت سے ہوا ہے خواہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو اور دخول وضرب اکل وشرب اور عین شي پر داخل ہونا

كَاِنْ بِعْتُ ثَوْبًا لَکَ لِاِخْتِصَاصِهَا بِهٖ بِاَنْ كَانَ مِلْكُهٗ اَمَرَهٗ اَوْ لَا

جیسے اگر بیچوں میں تیرا کپڑا اس شي کے اختصاص کیلئے ہوتا ہے محلوف علیہ کیساتھ بایں معنی کہ وہ اس کی ملک ہے حکم کیا ہو یا نہ کیا ہو

وَاِنْ نَوٰى غَيْرَهٗ صُدِّقَ فِيْمَا عَلَيْهِ اِنْ بِعْتُهٗ اَوِ ابْتَعْتُهٗ فَهُوَ حُرٌّ فَعَقَدَ بِالْخِيَارِ

اور اگر اس کے علاوہ کی نیت کرے تو تصدیق کیجائیگی اس صورت میں جس میں اس کا نقصان ہو اگر اس کو بیچوں یا خریدوں تو آزاد ہے پھر معاملہ خیار

حَنِثَ وَكَذَا بِالْفَاسِدِ وَالْمَوْقُوْفِ وَلَا بِالْبَاطِلِ اِنْ لَمْ اَبِعْ فَكَذَا فَاَعْتَقَ اَوْ دَبَّرَ حَنِثَ[1] قَالَتْ

کیساتھ کیا تو حانث ہوجائیگا اسی طرح بیع فاسد اور موقوف ہے نہ کہ باطل اگر نہ بیچوں تو ایسا ہے پھر آزاد کیا یا مدبر کر دیا تو حانث ہوجائیگا بیوی نے کہا

تَزَوَّجْتَ عَلَيَّ فَقَالَ كُلُّ امْرَاَةٍ لِيْ فَهُوَ طَالِقٌ طُلِّقَتِ الْمُحَلِّفَةُ[2] عَلَيَّ الْمَشْيُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ اِلَى الْكَعْبَةِ

کہ تو نے مجھ پر نکاح کرلیا شوہر نے کہا میری ہر بیوی طالق تو قسم کھلانے والی بھی مطلقہ ہوجائیگی مجھ پر پیادہ پا جانا ہے خانہ خدا یا کعبہ کی طرف

حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ مَاشِيًا فَاِنْ رَكِبَ اَرَاقَ دَمًا بِخِلَافِ الْخُرُوْجِ[3] اَوِ الذَّهَابِ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ اَوِ الْمَشْيِ اِلَى الْحَرَمِ اَوِ الصَّفَا

تو حج یا عمرہ کرے پیدل اگر سوار ہوگا تو خون دینا ہوگا بخلاف خانہ خدا کی طرف نکلنے یا جانے یا حرم محترم یا صفا وَمروہ کی طرف پیادہ پا روانہ ہونے کے

وَالْمَرْوَةِ عَبْدُهٗ حُرٌّ اِنْ لَمْ يَحُجَّ الْعَامَ فَشَهِدَا بِنَحْرِهٖ بِالْكُوْفَةِ

میرا غلام آزاد اگر اس سال حج نہ کروں پس دو آدمیوں نے کوفہ میں قربانی کرنے کی گواہی دی تو آزاد نہ ہوگا

لَمْ يَعْتِقْ وَحَنِثَ فِيْ لَا يَصُوْمُ[4] بِصَوْمِ سَاعَةٍ بِنِيَّةٍ وَفِيْ صَوْمًا اَوْ يَوْمًا بِيَوْمٍ

اور حانث ہوجائیگا اس میں کہ روزہ نہ رکھونگا نیت کے ساتھ ایک ساعت روزہ رکھنے سے اور ایک روزے اور ایک دن کے روزے کی قسم میں تمام دن روزہ رکھنے سے

وَفِيْ لَا يُصَلِّيْ بِرَكْعَةٍ وَفِيْ لَا يُصَلِّيْ صَلٰوةً بِشَفْعٍ اِنْ لَبِسْتُ مِنْ غَزْلِکِ فَهُوَ

اور اس میں کہ نماز نہ پڑھونگا ایک رکعت پڑھنے سے اگر پہنوں تیرا کاتا ہوا

هَدْيٌ فَمَلَکَ قُطْنًا فَغَزَلَتْهُ وَنَسَجَ وَلَبِسَ فَهُوَ هَدْيٌ وَلُبْسُ خَاتَمِ ذَهَبٍ وَعِقْدِ لُؤْلُؤٍ كَلُبْسِ حُلِيٍّ لَا

تو وہ ہدیہ ہے پھر وہ مالک ہوا روئی کا اور عورت نے اس کو کاتا پھر بنوایا اور اس نے پہنا تو وہ ہدیہ ہوگا پہننا سونے کی انگوٹھی یا موتیوں کا ہار زیور پہننا ہے

خَاتَمُ فِضَّةٍ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ اَوْ حَصِيْرٍ اَوْ لَا يَنَامُ عَلٰى هٰذَا الْفِرَاشِ فَجَعَلَ فَوْقَهٗ فِرَاشًا اٰخَرَ

نہ کہ چاندی کی انگوٹھی زمین پر نہ بیٹھونگا پھر فرش یا ڈائی پر بیٹھا یا کہا کہ نہ سوؤنگا اس فرش پر پھر اس پر دوسرا فرش بچھا کر سوگیا

---

[1] لتحقق العجز عن البیع لفوات محلہ ۱۲

[2] لان ذکر کلمۃ کل دال علیٰ ان مرادہ العموم فیعمل بعموم اللفظ دون خصوص السبب ۱۲ عنایہ

[3] حیث لایلزمہ شئی لان التزام الحج او العمرۃ بہذہ العبارات غیر متعارف ۱۲ زیلعی

[4] ای لوحلف لایصوم فنوی الصوم وامسک ساعۃ ثم افطر یحنث لوجود الشرط اذا الصوم ہو الامساک عن المفطرات علی قصد التقرب وقد وجد لان الشارع فی الفعل یسمّی فاعلا زیلعی۔

فَنَامَ عَلَیْهِ اَوْ لَا یَجْلِسُ عَلٰی هٰذَا السَّرِیْرِ فَجَعَلَ فَوْقَهٗ سَرِیْرًا اٰخَرَ لَایَحْنَثُ
یا کہا کہ اس تخت پر نہ بیٹھونگا پھر اس پر دوسرا تخت لگا کر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا
وَلَوْجَعَلَ عَلَی الْفِرَاشِ قِرَامًا اَوْعَلَی السَّرِیْرِبِسَاطًا اَوْحَصِیْرًا حَنِثَ
اور اگر بچھایا فرش پر پلنگ پوش یا تخت پر فرش یا چٹائی تو حانث ہوجائیگا۔

توضیح اللغۃ: صیاغۃ: زرگری، محلفہ: قسم کھلانیوالی، مشی: پیدل چلنا، شفع: دورکعت، غزل: کاتنا، قطن: روئی، نسج: بننا، عقد: ہار، لؤلؤ: موتی، حلی: زیور، خاتم: انگوٹھی، بساط: بچھونا، حصیر: بوریا، چٹائی، قرام: سرخ ونقشین پردہ، پلنگ پوش۔

تشریح الفقہ: قولہ ودخول اللام الخ ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوسکتے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ جن افعال میں نیابت جاری ہوسکتی ہے جیسے بیع' شراء' اجارہ' صیاغت' خیاطت' بناء تو ان افعال پر لام اختصاص کا داخل ہونا مقتضی توکیل ہوتا ہے تاکہ لام محلوف علیہ کے ساتھ اس فعل کے اختصاص کا فائدہ دے خواہ اس کی ملکیت ہو یا نہ ہو اور وجہ یہ ہے کہ لام اختصاص کیلئے موضوع ہے اور اختصاص امر کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا اور امر مفید توکیل ہے مثلاً کسی نے قسم کھائی ان بعت لک ثوباً فعبدی حر پھر مخاطب کے حکم کئے بغیر کپڑا فروخت کرڈالا تو حانث نہ ہوگا خواہ مخاطب اس کا مالک ہو یا نہ ہو کیونکہ یہاں توکیل نہیں پائی گئی۔ اور اگر مخاطب اپنے مملوک یا غیر مملوک کپڑے کو فروخت کرنے کیلئے متکلم کو وکیل بنائے اور پھر متکلم مذکور اس کو فروخت کرے تو حانث ہوجائے گا کیونکہ توکیل پائی گئی۔ یہ تفصیل تو اس وقت ہے جب لام ایسے فعل پر داخل ہو جس میں نیابت جاری ہوسکتی ہو۔ اور اگر ایسے فعل پر داخل ہو جس میں نیابت جاری نہ ہوسکتی ہو جیسے دخول ضرب' اکل' شرب وغیرہ مثلاً یوں کہے ان دخلت لک دارا فعبدی حر یا لام عین شئی یعنی ذات پر داخل ہو مثلاً یوں کہے ان بعت ثوباًلک فعبدی حر۔ تو لام کا داخل ہونا مقتضی ملک ہوگا یعنی اس بات کا کہ مخاطب محلوف علیہ کا مالک ہو خواہ اس کا حکم ہو یا نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہوا ملک کی طرف سوا گر کوئی یوں کہے ان بعت ثوباًلک فعبدی حر۔ یا کہے ان اکلت طعاماً فعبدی حر۔ اور پھر مخاطب کا مملوک کپڑا فروخت کردے یا اس کا کھانا کھالے تو حانث ہوجائیگا اور اگر اس کا غیر مملوک کپڑا فروخت کرے تو حانث ہوگا۔

قولہ وان نوی غیرہ الخ اور اگر متکلم مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں خلاف مقتضی ظاہر کلام کی نیت کرے تو جس صورت میں اس پر سختی لازم آئے اس میں تو دیانۃً اور قضاءً ہر دو اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائیگی۔ اور جس صورت میں اس کی سہولت لازم آئے اس میں اس کی صرف دیانۃً تصدیق کی جائے گی نہ کہ قضاءً مثلاً اس نے پہلی صورت میں مخاطب کا مملوک کپڑا اس کے حکم کے بغیر فروخت کیا اور اختصاص سے ملک کی نیت کی تو حانث ہوجائے گا۔ اگر وہ اختصاص ملک کی نیت نہ کرتا تو حانث نہ ہوتا۔ یا دوسری صورت میں مخاطب کا غیر مملوک کپڑا اس کے حکم سے فروخت کیا اور اختصاص سے امر کی نیت کی تو حانث ہوجائے گا۔ اگر وہ اختصاص امر کی نیت نہ کرتا تو حانث نہ ہوتا' ان دونوں مسئلوں کو برعکس کردینے سے تخفیف کی صورت ہوجائے گی۔ فافہم۔

قولہ ان بعتہ الخ مالک نے اپنے غلام کے متعلق کہا ان بعتہ فھو حر۔ پھر اس کو بشرط خیار فروخت کردیا تو حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ بیع بشرط الخیار سے مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی۔ پس وجود شرط کے وقت اس کی ملکیت موجود ہے۔ اور شرط عتق یعنی بیع پائی گئی لہٰذا حانث ہوجائیگا۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے غلام کے متعلق کہا ان اشتریتہ فھو حر۔ پھر اس کو بشرط خیار خرید لیا تو وہ بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ یہاں بھی وجود شرط کے وقت مشتری کی ملک موجود ہے۔ صاحبین کے نزدیک تو اس لئے کہ ان کے یہاں مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک گو مشتری مالک نہیں ہوتا لیکن ان کے نزدیک بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ یہاں مشتری نے

عتق کو معلق کیا ہے اور شرط پائے جانے کے وقت معلق بھی منجز کے مانند ہوتا ہے۔ پس گویا اس کے خریدنے کے بعد یوں کہا ''انت حر'' پس اس کے ذریعہ سے وہ عقد شراء کو نافذ کرنیوالا ہوا اور ملک ثابت ہوئی۔ اسی طرح بیع فاسد وشراء فاسد اور بیع موقوف میں بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ بیع فاسد شرعاً بیع ہے جس سے بعض احکام ثابت ہوجاتے ہیں اور بیع موقوف بھی بیع ہے گو وہ نافذ نہیں ہوتی۔ لیکن بیع باطل کی صورت میں حانث ہوگا۔ کیونکہ وہ بیع نہیں نہ حقیقۃً نہ حکماً۔

قوله عبده حر الخ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا ''ان لم احج هذا العام فانت حر'' اس کے بعد مالک کہتا ہے کہ میں نے اس سال حج کرلیا اور غلام نے اس کا انکار کیا اور دو گواہ پیش کئے جنہوں نے گواہی دی کہ اس نے کوفہ میں قربانی کی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص یوم نحر کو کوفہ میں قربانی کرے وہ اس سال حج نہیں کرسکتا کیونکہ کوفہ کعبہ سے بہت دور ہے۔ مگر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ گواہی حج کی نفی پر ہے اور نفی کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔

سوال نفی کی گواہی اس وقت مقبول نہیں ہوتی جب شاہد کا علم اس کو محیط نہ ہو ورنہ مقبول ہوتی ہے اور یہاں شاہد کا علم محیط ہے کیونکہ کوفہ میں قربانی کے ثبوت سے حج کا منتفی ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔

جواب بینات کی مشروعیت اثبات کے لئے ہے نہ کہ نفی کے لئے اس لئے شہادت مسترد ہوگی ولا یفرق بین نفی و نفی تیسیرًا للامر و دفعاً للحرج۔

باب الیمین فی الضرب و القتل وغیر ذٰلک

باب مار پیٹ اور قتل وغیرہ کی قسم کھانیکے بیان میں

اِنْ ضَرَبْتُکَ اَوْکَسَوْتُکَ اَوْ کَلَّمْتُکَ اَوْدَخَلْتُ عَلَیْکَ تَقَیَّدَ بِالْحَیٰوۃِ بِخِلَافِ الْغُسْلِ وَالْمَسِّ وَالْحَمْلِ

تجھے ماروں یا پہناؤں یا تجھ سے بولوں یا تیرے پاس آؤں یہ افعال مقید ہوں گے زندگی کے ساتھ بخلاف غسل وحمل کے اور چھونے کے اپنی بیوی کو

لَاَضْرِبُ اِمْرَأَتَهٗ فَمَدَّ شَعْرَهَا اَوْخَنَقَهَا اَوْ عَضَّهَا حَنِثَ[1] اِنْ لَمْ اَقْتُلْ فُلَانًا فَکَذَا وَهُوَمَیِّتٌ اِنْ عَلِمَ بِهٖ حَنِثَ

نہ ماروںگا پھر اس کے بال کھینچے یا گلا گھونٹا یا کاٹ کھایا تو حانث ہوجائیگا اگر فلاں کو قتل نہ کروں تو ایسا ہے حالانکہ وہ مرچکا تو اگر اس کو معلوم ہے تو حانث ہوگا

وَاِلَّا لَا مَادُوْنَ الشَّهْرِ قَرِیْبٌ وَهُوَ وَمَافَوْقَهٗ بَعِیْدٌ لَیَقْضِیَنَّ دَیْنَهٗ الْیَوْمَ فَقَضَاهُ زُیُوْفًا اَوْبَنَهْرَجَةً

ورنہ نہیں ایک ماہ سے کم قریب ہے اور ایک ماہ یا اس سے زائد بعید ہے ضرور چکادونگا فلاں کا قرض آج پھر ادا کئے ایسے جو کھوٹے ہوں

اَوْ مُسْتَحَقَّةً بَرَّ[2] وَلَوْ رَصَاصًا[3] اَوْ سَتُّوْقَةً لَا وَالْبَیْعُ بِهٖ قَضَاءٌ لَا الْهِبَةُ

یا نہ چلتے ہوں یا اور کے ہوں تو قسم سے نکل جائیگا اور اگر رانگ کے یا تین پرت کے ہوں تو نہیں اور قرض کے عوض بیچنا چکانا ہے نہ کہ ہبہ کرنا

لَایَقْبِضُ دَیْنَهٗ دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهٗ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَقْبِضَ کُلَّهٗ مُتَفَرِّقًا لَا بِتَفْرِیْقٍ ضَرُوْرِیٍّ

اپنا قرض ایک ایک درہم کرکے نہ لونگا پھر بعض پر قبضہ کیا تو حانث نہ ہوگا جبتک کہ تمام قرض بلا تفریق ضروری متفرق طور پر وصول نہ کرے

اِنْ کَانَ لِیْ اِلَّا مِائَةٌ اَوْ غَیْرُ اَوْ سِوٰی فَکَذَا لَمْ یَحْنَثْ بِمِلْکِهَا[4] اَوْ بَعْضِهَا لَا یَفْعَلُ کَذَا تَرَکَهٗ اَبَدًا[5] لَیَفْعَلَنَّ

اگر میرے پاس مال ہو سوائے سو کے تو ایسا ہے تو حانث نہ ہوگا سو یا اس سے کم کی ملکیت سے ایسا نہ کرونگا تو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے ضرور کرونگا

---

[1] لان الضرب اسم لفعل مؤلم وقد تحقق بهذه الاشياء ۱۲ [2] لانها معيبة والعيب لا يعدم الجنسية ۱۲ [3] لانما ليسا من جنس الدراهم ۱۲ [4] لان غرضه نفی ما زاد علی المائة ۱۲
[5] لان الفعل يقتضی مصدرا منكرا والنكرة فی النفی تعم ۱۲ [6] لان النكرة فی الاثبات تخص والواحد هو المتيقن ۱۲
[7] لان الريحان اسم لنبات لا ساق له وله رائحة مستلذة وليس لهما ذالك ۱۲

بَرَّ بِمَرَّةٍ وَلَوْ حَلَّفَهٗ وَالٍ يُعَلِّمَهٗ بِكُلِّ دَاعِرٍ يَدْخُلُ الْبَلَدَ تَقَيَّدَ بِقِيَامِ وِلَايَتِهٖ

تو ایک بار کرنے سے قسم پوری ہوجائے گی حاکم نے قسم کھلائی کہ ضرور مطلع کریگا ہر اس مفسد سے جو شہر میں داخل ہو تو قسم اس کی حکومت تک محدود ہوگی

بَرَّ بِالْهِبَةِ بِلَا قَبُوْلٍ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لَايَشُمُّ رَيْحَانًا لَا يَحْنِثُ بِشَمِّ وَرْدٍ وَ يَاسَمِيْنٍ

قسم پوری ہوجاتی ہے ہبہ کرنے سے گو قبول نہ کرے بخلاف بیع کے ریحان نہ سونگھونگا تو حانث نہ ہوگا گلاب اور چنبیلی سونگھنے سے

وَبَنَفْسِجٍ وَالْوَرْدُ عَلَى الْوَرَقِ حَلَفَ لَايَتَزَوَّجُ فَزَوَّجَهٗ فُضُوْلِيٌّ وَاَجَازَ بِالْقَبُوْلِ حَنَثَ

بنفشہ اور گلاب محمول ہوگا پنکھڑی پر قسم کھائی کہ نکاح نہ کرونگا پھر فضولی نے نکاح کردیا اور اس نے زبان سے جائز کردیا تو حانث ہوجائیگا

وَبِالْفِعْلِ لَا وَدَارُهٗ بِالْمِلْكِ وَالْاِجَارَةِ حَلَفَ بِاَنَّهٗ لَامَالَ لَهٗ وَلَهٗ دَيْنٌ عَلٰى مُفْلِسٍ اَوْمَلِيٍّ لَمْ يَحْنِثْ

اور فعل سے ہو تو نہیں مکان کا اعتبار ملک اور کرائے سے ہے قسم کھائی کہ میرا مال نہیں حالانکہ مفلس یا نادہندہ مالدار پر اس کا قرض ہے تو حانث نہ ہوگا

توضیح اللغۃ: مس: چھونا، مد: کھینچنا، خنق: گلا گھونٹنا، زیوف: کھوٹے جن کو بیت المال نہ لے، بنہرجہ: جن کو عام تجار نہ لیتے ہوں، رصاص: سیسہ، قلعی مراد بالکل کھوٹے درہم، ستوقۃ: کھوٹے درہم جن پر چاندی کا ملمع ہو، داعر: شریر، ریحان: خوشبودار پودہ، ورد: گلاب، یاسمین: چنبیلی بنفسج: بنفشہ، ورق پتا ملی: مالدار۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب کے مسائل سمجھنے کیلئے بھی ایک قاعدہ سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ جن امور میں مردہ اور زندہ دونوں شریک ہوں ان میں قسم موت وحیات دونوں حالتوں میں واقع ہوتی ہے جیسے نہلانا' اٹھانا' چھونا وغیرہ۔ اگر ان امور کا ارتکاب کریگا حانث ہوجائیگا۔ زندہ کیساتھ کرے یا مردہ کیساتھ۔ اور جو امور زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے فروخت ومسرت یا رنج وغم پہنچانیوالے امور۔ تو ان میں قسم زندگی کیساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ اگر ایسے امور مردہ کیساتھ کریگا تو حانث ہوگا۔

قولہ اومستحبۃ بر الخ شیخ اکمل ولوالجی نے آخر کتاب الشفعہ میں ذکر کیا ہے کہ کھوٹے درہم پانچ مسئلوں میں کھرے درہموں کے حکم میں ہیں۔ (۱) قسم کھائی کہ قرض چکا ئیگا پھر کھوٹے درہم ادا کئے تو حانث نہ ہوگا۔

(۲) کسی نے کھرے درہموں کے عوض میں گھر خریدا اور قیمت میں کھوٹے ادا کئے تو شفیع کھرے درہم دیکر گھر لیگا۔

(۳) کھرے درہموں کا ضامن ہوا اور کھوٹے ادا کئے تو مکفول عنہ سے کھرے لیگا۔

(۴) کھرے درہموں سے کوئی چیز خریدی اور قیمت کھوٹی دی پھر اس کو منفعت سے فروخت کیا تو راس المال جید ہوگا۔

(۵) ایک شخص کا قرض کھرے درہموں کا تھا اس نے کھوٹے درہم لیکر صرف کردیئے پھر ان کا کھوٹ معلوم ہوا تو پھر اس سے کھرے درہم نہیں لے سکتا۔

قولہ ان لم اقتل الخ کسی نے کہا اگر میں زید کو قتل نہ کروں تو میرا غلام آزاد حالانکہ زید پہلے ہی مر چکا اگر حالف کو بوقت حلف زید کی موت کا علم ہو تو انعقاد یمین کی وجہ سے فی الحال حانث ہوجائے گا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ زید میں حیات پیدا کرسکتے ہیں اس لحاظ سے وہ زید کو قتل کرسکتا ہے مگر عادۃً ایسا نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوجایا کرے اس لئے وہ قتل کرنے سے عاجز ہے پس یہ صورت صعود سماء کی نظیر ہوگئی۔ اور اگر اس بوقت حلف زید کی موت کا علم نہ ہو تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت اس نے یمین اس حیات پر منعقد کی ہے جو زید میں ہو۔ اور یہ متصور نہیں ہوسکتا پس یہ صورت کوزماء کی نظیر ہوگئی جب اس میں پانی نہ ہو اور یہ دونوں مسئلے گزر چکے۔

قولہ والبیع الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج فلاں کا قرض چکا دونگا پھر اس نے اپنا سامان قرضخواہ کے ہاتھ قرض کے عوض میں فروخت کردیا تو قرض ادا ہوگیا اب حانث ہوگا اور اگر قرض خواہ نے مقروض کو اپنا قرض ہبہ کردیا تو یہ قضاء دین نہیں بلکہ اس کی طرف سے اسقاط ہے۔

قولہ لایقبض الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اپنا قرض ایک ایک درہم وصول نہ کرونگا پھر اس نے تھوڑا قرض وصول کیا مثلاً پانچ یا دس درہم تو جب تک پورا قرض متفرق طور سے وصول نہ کرلے حانث نہ ہوگا ہاں اگر قرض بتفریق ضروری متفرق وصول کیا تو حانث ہوگا۔ مثلاً قرض کوئی وزنی چیز تھی اور وہ سب ایک بار وزن نہیں ہوسکتی تھی اس لئے چند بار وزن کرکے وصول کیا تو حانث نہ ہوگا۔

قولہ ولو حلفہ الخ: ایک شخص سے حاکم نے قسم کھلوائی کہ جو مفسد شخص شہر میں داخل ہو اس کی ضرور اطلاع کرے گا اس نے قسم کھائی تو قسم گو مطلق ہے لیکن اس حاکم کی حکومت باقی رہنے تک مفید ہوگی کیونکہ مطلق یمین دلالت کی وجہ سے مقید ہو جاتی ہے اور یہاں قسم لینے سے حاکم کا مقصد مفسدین کے فساد کو دور کرنا ہے اور زوال حکومت کے بعد دفع فساد ممکن نہیں لہٰذا یمین اس کی حکومت کے ساتھ مفید ہوگی۔

قول یبر الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ ضرور ہبہ کرونگا چنانچہ اس نے کوئی چیز ہبہ کی مگر موہوب لہٗ نے قبول نہیں کی تو اس کی قسم پوری ہوگئی۔ اب وہ حانث نہ ہوگا اور اگر یہ قسم کھائی کہ فروخت کرونگا پھر اس نے کوئی چیز فروخت کی لیکن مشتری نے بیع قبول نہیں کی تو یہاں قسم پوری نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہبہ تبرع ہے جس میں موہوب لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں بخلاف بیع کے کہ وہ عقد معاوضہ ہے اور جانبین سے فعل کا مقتضی ہے۔ اس لئے مشتری کے قبول کئے بغیر تمام نہ ہوگا۔

قولہ حلف لایتزوج الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اپنا نکاح نہ کرونگا پھر کسی فضولی نے اس کا نکاح کردیا اور حالف نے اجازت قولی سے نکاح جائز کردیا تو حانث ہوجائیگا یہی مختار ہے (تبیین) اسی پر عام مشائخ ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے (خانیہ) پس جامع الفصولین میں جو یہ کہا ہے کہ اجازت قولی سے بھی حانث نہ ہوگا صحیح نہیں۔ کیونکہ اجازت قولی بمنزلہ وکالت کے ہے گویا اس نے اولاً اس کو وکیل بنایا۔ اور اگر اجازت فعلی سے جائز کیا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ محلوف علیہ تزوج ہے اور تزوج سے مراد عقد ہے۔ اور عقد قول کے ساتھ خاص ہے۔ فعل سے نہیں ہوتا۔

قولہ وداوہ الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہونگا۔ پھر اس کے مملوکہ مکان میں یا کرایہ کے مکان میں داخل ہوگیا تو حانث ہوجائیگا کیونکہ دار سے مراد عرفاً اس کا مسکن ہے۔ پس جس گھر میں وہ رہتا ہو وہ قسم میں داخل ہوگا خواہ مملوک ہو یا بطریق اجارہ ہو یا بطریق اعارہ ہو ایک شخص نے قسم کھائی کہ میرا کچھ مال نہیں ہے حالانکہ مفلس مقروض پر اس کا کچھ دین ہے۔ تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کو عرفاً مال نہیں کہا جاتا۔

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

اَلْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالزِّنَا وَطْئٌ فِيْ قُبُلٍ خَالٍ عَنْ مِلْكٍ وَشُبْهَةٍ وَيَثْبُتُ بِشَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ

حدوہ سزا ہے جوفرض کی گئی ہے حق اللہ کے لئے اور زنا وہ صحبت ہے جو ایسی شرمگاہ میں ہو جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اس کا ثبوت چار آدمیوں کی

بِالزِّنَا لَا بِالْوَطْئِ وَالْجِمَاعِ فَيَسْئَلُهُمُ الْاِمَامُ عَنْ مَاهِيَّتِهٖ وَكَيْفِيَّتِهٖ وَمَكَانِهٖ وَزَمَانِهٖ وَالْمَزْنِيَّةِ

گواہی سے ہوتا ہے لفظ زنا کیساتھ نہ کہ وطی اور جماع کیساتھ پس پوچھے حاکم زنا کی حقیقت اسکی کیفیت اس کی جگہ اور وقت اور مزنیہ عورت کو

فَاِنْ بَيَّنُوْهُ وَقَالُوْا رَاَيْنَاهُ وَطِيَهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحَلَةِ وَعُدِّلُوْا سِرًّا وَّجَهْرًا

اگر وہ بیان کردیں اور کہیں کہ ہم نے اس کو اس طرح وطی کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں اور خفیہ وعلانیہ ان کی تعدیل ہو جائے

حُكِمَ بِهٖ وَبِاِقْرَارِهٖ اَرْبَعًا فِيْ مَجَالِسِهِ الْاَرْبَعَةِ كُلَّمَا اَقَرَّ رَدَّهٗ وَسَئَلَهٗ

تو حاکم زنا ہونے کا حکم لگادے اور ثابت ہوتا ہے زانی کے اقرار کرنے سے چار مرتبہ چار مجلسوں میں جب بھی وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو ہٹادے

كَمَا مَرَّ فَاِنْ بَيَّنَهٗ حَدَّهٗ فَاِنْ رَجَعَ عَنْ اِقْرَارِهٖ قَبْلَ الْحَدِّ اَوْ فِيْ وَسَطِهٖ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ

اور سوال کرے امور مذکورہ کا اگر وہ بیان کردے تو حد لگائے اور اگر اقرار سے رجوع کرلے حد سے پہلے یا اس کے درمیان تو اس کو رہا کردے

وَنُدِبَ تَلْقِيْنُهٗ بِلَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ لَمَسْتَ اَوْ وَطِئْتَ بِشُبْهَةٍ فَاِنْ كَانَ مُحْصَنًا رَجَمَهٗ فِيْ فَضَآءٍ حَتّٰى يَمُوْتَ

اور مستحب ہے اس سے یہ کہنا کہ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا چھویا ہوگا یا شبہ سے صحبت کی ہوگی پس اگر وہ محصن ہو تو سنگسار کرے میدان میں یہاں تک کہ مرجائے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ الایمان کفارہ پر مشتمل تھی اور کفارہ عبادات اور عقوبت کے درمیان دائر تھا تو کتاب الایمان کے بعد کتاب الحدود کو لانا مناسب ہے۔ کیونکہ حدود خالص عقوبات ہیں۔ حدود کی چھ قسمیں ہیں حد زنا۔ حد شرب خمر، حد مسکرات، حد قذف، حد سرقہ، حد قطع طریق ہر ایک کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔

قولہ الحد الخ حد کے لغوی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چنانچہ اہل عرب دربان اور جیلر کو حداد کہتے ہیں کیونکہ دربان اندر آنے سے اور جیلر باہر نکلنے سے روکتا ہے۔ حدود خالصہ کو بھی حدود اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اسباب عقوبات کے ارتکاب سے روکتی ہیں اصطلاح شرع میں حد اس عقوبت مقدرہ معینہ کو کہتے ہیں جو بندگان خدا کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کیلئے بجہت حق اللہ فرض ہوئی ہے۔ حد کی تعریف میں لفظ عقوبت جنس ہے جس میں تمام حدود داخل ہیں اور مقدرہ فصل ہے جس سے تعزیر نکل گئی کہ اس کی کوئی مقدار معین نہیں اور اللہ کی قید سے قصاص خارج ہو گیا کیونکہ قصاص حق عبد ہے نہ کہ حق اللہ۔

قولہ والزنا الخ زنا کے لغوی معنی کا بیان ہے (فانھما سواء فیه) یعنی زنا لغۃ اور شرعاً اس صحبت کو کہتے ہیں جو ایسی شرمگاہ میں ہو کہ ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو۔ قبل کی قید سے وطی فی الدبر نکل گئی کہ اسکو زنا نہیں کہتے اور خال عن ملک کی قید سے اپنی منکوحہ اور اپنی باندی کیساتھ وطی نکل گئی اور شبہہ کی قید سے وطی بالشبہہ نکل گئی جیسے اپنے والد کی باندی کیساتھ وطی کرنا پس زنا کی پوری تعریف ہوگئی۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ تعریف اس زنا کی نہیں جس سے حد واجب ہوتی ہے (کما توھم الزیلعی والعینی) بلکہ مطلق زنا کی تعریف ہے اور موجب حد زنا کی تعریف یہ ہے۔ ھو وطئی مکلف ناطق طائع فی قبل مشتھاۃ حالا او ماضیا خال عن ملکه و شبهة فی دار الاسلام او تمکینھما من ذالک او تمکینه" وہ یعنی زنا عاقل بالغ بولنے والے کا بخوشی صحبت کرنا ہے بالفعل یا باعتبار ماضی لائق شہوت عورت کی ایسی شرمگاہ میں کہ جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو یا مرد کا یا عورت کا وطی پر قابو دیدینا ہے۔ مکلف کی قید سے بیہوش مجنون اور بچہ نکل گیا کہ انکا جماع کرنا موجب حد نہیں۔ ناطق کی قید سے گونگا نکل گیا اگرچہ وہ اشارہ سے زنا کا اقرار کرلے کہ اس پر بوجہ

شبہ حد واجب نہیں، طائع کی قید سے مکرہ، قُبل کی قید سے وطی فی الدبر، مشتہاۃ کی قید سے صغیرہ نکل گئی خال عن ملکہ کی قید سے اپنی منکوحہ اور باندی کیساتھ وطی کرنا خارج ہوگیا شبہ ملک کی قید سے اپنے والد کی باندی اور مکاتب اور عبد ماذون کی باندی اور مال غنیمت سے حاصل ہونیوالی باندی کیساتھ قبل از تقسیم غازی کا وطی کرنا خارج ہوگیا' دارالاسلام کی قید سے وہ وطی نکل گئی جو دارالحرب میں ہوئی ہو کہ اس پر حد واجب نہیں۔ اور تمکینہ کی قید سے وہ صورت داخل ہوگئی جس میں مرد چت لیٹ جائے اور عورت اس کے آلہ تناسل کو فرج میں داخل کرلے کہ دونوں پر حد جاری ہوگی اور تمکینہا سے عورت کا فعل داخل ہوگیا کہ عورت کا فعل گو وطی نہیں کہلاتا لیکن تمکین کی وجہ سے اس پر بھی حد لازم ہے پس موجب حد زنا کی یہ مکمل تعریف ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ ہر زنا موجب حد نہیں۔

قولہ وثبت الخ زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوگا قال تعالیٰ **فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم** پھر گواہی میں صرف وطی اور جماع کی شہادت کافی نہیں بلکہ صراحۃً لفظ زنا کیساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ وطی اور جماع میں ملک یا شبہ ملک کا احتمال ہے پھر جب وہ شہادت دیں تو حاکم ان سے زنا کی حقیقت دریافت کرے اور پوچھے کہ زنا کس طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی' کہاں ہوا' دارالاسلام میں یا دارالحرب میں' کب ہوا؟ عنقریب یا بہت پہلے' بچپن میں یا بلوغ کے بعد' اور کس کے ساتھ ہوا؟ ان سوالات کی ضرورت اس لئے ہے کہ ممکن ہے زنا زبردستی ہوا ہو۔ یا دارالحرب میں ہوا یا اپنے لڑکے کی باندی سے ہوا ہو اور گواہ ان چیزوں سے ناواقف ہوں اسلئے حاکم پوری تحقیق کرے تاکہ کسی حیلہ سے حد ٹل جائے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''حد کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو''[۱]

قولہ وباقرارہ الخ اگر زانی خود چار بار چار مجلسوں میں زنا کا اقرار کرلے تب بھی زنا کا ثبوت ہو جائیگا جس کی صورت یہ ہیکہ جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹادے اور وہ پھر آکر اقرار کرے اسی طرح چار مرتبہ اقرار کرے اور حاکم اس سے بھی مذکورہ بالا سوالات کرے جب وہ ان تمام باتوں کو کما حقہ بیان کردے تو حاکم اس کو زنا کی سزا دے۔ چار مرتبہ اقرار کرنا ہمارے نزدیک شرط ہے۔ امام شافعی کے یہاں ایک مرتبہ کافی ہے کیونکہ اقرار مظہر زنا ہے اور تکرار اقرار سے ظہور زنا میں کوئی زیادتی نہیں آتی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلعم نے ماعز اسلمی کے چار بار اقرار سے قبل ثبوت زنا کا حکم نہیں فرمایا[۲]۔ اگر اس سے کمتر میں زنا ظاہر ہوتا تو آپ تاخیر نہ فرماتے۔

قولہ فان رجع الخ اگر مقر اقرار کے بعد حد سے پیشتر یا حد کے درمیان اقرار سے رجوع کرلے تو چھوڑ دیا جائیگا۔ امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک حد جاری ہوگی کیونکہ حد اس کے اقرار سے واجب ہوئی ہے پس رجوع یا انکار سے ساقط نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا رجوع خبر ہے جس میں صدق کا بھی احتمال ہے اور یہاں اس کی تکذیب کرنیوالا بھی نہیں تو اقرار میں شبہ آگیا اور حدود ادنی شبہ سے ٹل جاتی ہیں۔

قولہ فان کان محصناً الخ اگر زانی محصن ہو تو قاضی اس کو میدان میں سنگسار کرے یہاں تک کہ وہ مرجائے مگر وجوب رجم کیلئے شرط یہ ہے کہ پہلے گواہ سنگسار کریں اگر انہوں نے انکار کردیا تو رجم ساقط ہوجائیگا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شرط نہیں بلکہ انکا حاضر رہنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل حضرت علی کی روایت ہے کہ ''جب آپ کے سامنے گواہ زنا کی شہادت دیتے تو آپ شاہدوں کو سنگساری کا حکم دیتے پھر آپ خود پتھر مارتے اس کے بعد عام لوگ سنگسار کرتے تھے''[۳] اگر زانی کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو تو پہلے امام سنگسار کرے پھر عام لوگ۔

وَيَبْدَأُ الشُّهُودُ بِهٖ فَاِنْ اَبَوْا سَقَطَ ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ وَيَبْدَأُ الْاِمَامُ لَوْ مُقِرًّا ثُمَّ النَّاسُ

اور سنگسار کرنا گواہ شروع کریں اگر وہ انکار کریں تو حد ساقط ہوجائیگی پھر حاکم پھر دوسرے لوگ اور حاکم شروع کرے اگر زانی مقر ہو پھر اور لوگ

---

[۱] ترمذی حاکم، دار قطنی، بیہقی عن عائشہ، ابن ماجہ، ابویعلی عن ابی ہریرہ، دار قطنی عن علی ۱۲۔

[۲] صحیحین عن ابی ہریرہ وجابر بن عبداللہ مسلم عن جابر بن سمرہ وابن عباس مسلم ابوداؤد نسائی عن بریدہ ابوداؤد نسائی احمد بن نعیم ابن ہزال احمد عن ابی ذر احمد ابن راہویہ ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲

[۳] ابن ابی شیبہ بیہقی احمد

وَلَوْ غَيْرَ مُحْصِنٍ جَلْدَهُ مِأَةً وَنِصْفٌ لِلْعَبْدِ بِسَوْطٍ لَا ثَمْرَةَ لَهُ مُتَوَسِّطًا

اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے اور آدھے مارے جائیں غلام کے ایسے کوڑے کیساتھ جس میں گرہ نہ ہو درمیانی ضرب کیساتھ

وَنَزَعَ ثِيَابَهُ وَفَرَّقَ عَلَىٰ بَدَنِهٖ اِلَّا رَأْسَهُ وَ وَجْهَهُ وَيُضْرَبُ الرَّجُلُ قَآئِمًا فِي الْحُدُوْدِ غَيْرَ مَمْدُوْدٍ

اور کپڑے نکالدیئے جائیں اور بدن کے متفرق حصہ پر مارے جائیں سر اور چہرہ اور شرمگاہ کو بچا کر اور حد لگائی جائے مرد کو کھڑا کر کے غیر ممدود[1]

وَّلَا يُنْزَعُ ثِيَابُهَا اِلَّا الْفَرْوَءَ وَالْحَشْوَ وَتُضْرَبُ جَالِسَةً وَيُحْفَرُ لَهَا فِي الرَّجْمِ لَا لَهٗ

اور عورت کے کپڑے نہ اتارے جائیں سوائے پوستین اور روئی دار کے اور حد لگائی جائے بٹھلا کر اور گڑھا کھود لیا جائے اس کو سنگسار کرنے کیلئے

وَلَايَحُدُّ عَبْدَهٗ اِلَّابِاِذْنِ اِمَامِهٖ وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ الْحُرِّيَّةُ وَالتَّكْلِيْفُ وَالْاِسْلَامُ وَالْوَطْئُ بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ

نہ کہ مرد کے لئے اور مالک حد نہ لگائے غلام کو حاکم کی اجازت کے بغیر اور رجم کیلئے محصن ہونا یہ ہے کہ آزاد ہو عاقل بالغ ہو مسلمان ہو اور نکاح صحیح

وَهُمَا بِصِفَةِ الْاِحْصَانِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ وَالْجَلْدِ وَالنَّفْيِ

کیساتھ اس حال میں وطی کر چکا ہو کہ دونوں صفت احصان پر ہوں اور نہ جمع کیا جائے کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا اور جلا وطن کرنا

وَلَوْ غَرَّبَ بِمَا يَرٰى صَحَّ وَالْمَرِيْضُ يُرْجَمُ وَلَا يُجْلَدُ حَتّٰى يَبْرَأَ

اور اگر حاکم مصلحۃً جلا وطن کرے تو درست ہے اور بیمار سنگسار کیا جائے لیکن کوڑے نہ مارے جائیں یہاں تک کہ تندرست ہو جائے

وَالْحَامِلُ لَاتُحَدُّ حَتّٰى تَلِدَ وَتَخْرُجَ مِنْ نِّفَاسِهَا لَوْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدُ

اور حاملہ کو حد نہ لگائی جائے جب تک کہ وہ بچہ جن کر نفاس سے فارغ نہ ہو لے اگر اس کی حد کوڑے ہوں۔

توضیح اللغۃ: اَبٰی: باء انکار کرنا، جلدہ کوڑے لگائے، سوط: کوڑا، درہ، ثمرۃ مراد گرہ، فرو پوستین، حشو روئی بھرا ہوا کپڑا یحفر گڑھا کھودا جائے۔ نفی جلاوطن کرنا، غرب جلاوطن کیا۔

تشریح الفقہ: قولہ واحصان الرجم الخ سنگسار کرنے کے لئے زانی کا محصن ہونا شرط ہے۔ اگر محصن نہ ہو تو سنگسار نہیں کیا جائیگا۔ اور محصن ہونے کیلئے سات شرطیں ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو رجم نہ ہوگا۔ (۱) آزاد ہونا' غلام اور باندی محصن نہیں کیونکہ مملوک بذات خود نکاح صحیح پر قادر نہیں۔ (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا' مجنون اور صغیر عدم اہلیت عقوبت کی وجہ سے محصن نہیں۔ (۴) مسلمان ہونا' کافر محصن نہیں۔ (۵) وطی کا ہونا۔ (۶) بوقت دخول نکاح صحیح کیساتھ جماع کا ہونا جس نے بلا شہود نکاح کیا ہو وہ محصن نہیں اسی طرح جس نے عورت کی طلاق کو اس کے نکاح پر معلق کر کے پھر اسکے ساتھ نکاح کیا ہو وہ بھی محصن نہیں۔ (۷) بوقت وطی زوجین کا اس صفت احصان کیساتھ متصف ہونا' جس شخص نے کتابیہ ذمیہ یا صغیرہ یا مجنونہ سے نکاح کر کے قربت کی ہو وہ محصن نہیں کیونکہ زوجہ عدم اسلام یا عدم تکلیف کیوجہ سے محصنہ نہیں' اسی طرح جس شخص نے عدم احصان کی حالت میں محصنہ عورت سے قربت کی اور بعد میں وہ محصن ہو گیا تو وہ بھی رجم کے حق میں محصن نہیں' شرط۔ (۸) یعنی مسلمان ہونے میں اختلاف ہے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک احصان کے لئے زانی کا مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی اور یہودیہ کو سنگسار کیا تھا۔[2] ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا وہ محصن نہیں''[3] اور امام شافعی کے متدل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بحکم تورات رجم

---

[1] غیر ممدود سے مراد یہ ہے کہ زمین پر لٹکا کر نہ ماریں یا کوڑا ابار کر گھسیٹیں کہ زخم کردے یا کوڑا مارتے وقت ہاتھ کو سر پر کھینچیں تاکہ چوٹ سخت نہ لگے ۱۲ احسن

[2] ائمہ ستہ، ابن حبان عن ابن عمر۔ (۳) ابن راہویہ، دار قطنی عن ابن عمر۔

کا حکم فرمایا تھا کیونکہ اس وقت تک آیت رجم نازل نہیں ہوئی تھی اس کے بعد آیت رجم بلاشرط اسلام نازل ہوئی پھر رجم کا حکم بشرط اسلام ہوا (کذا فی الفتح) علاوہ ازیں ہماری دلیل قولی حدیث ہے اور وہ ایک واقعہ جزئیہ ہے والباب الحد۔

فائدہ: صاحب عمدہ نے فاکہانی مالکی سے یہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں شروط احصان کو جمع کیا گیا ہے۔

شروط احصان اتت ستة فخذ ها عن النص مستفهما
بلوغ وعقل وحرّية و رابعها كونه مسلما
وعقد صحيح ووطئى مباح متى اختل شرط فلا يرجما

یعنی شروط احصان چھ ہیں ان کو نص سے دریافت کر (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) وطی مباح۔ جب ان میں سے کوئی شرط مختل ہو تو رجم نہ ہوگا اس میں ایک شرط یعنی وقت دخول زوجین کا صفت احصان کے ساتھ متصف ہونا متروک ہے وقد جمعها ابن وهبان فقال

شرائط احصان به الرجم قرروا بلوغ و عقل و اسلام يحرر
نكاح صحيح والدخول بهابه وكل من الزوجين بالوصف ينظر

قوله ولايجمع الخ اہل ظاہر اور امام احمد کے نزدیک جلد و رجم کے درمیان اور امام شافعی و امام احمد کے نزدیک جلد و نفی کے درمیان جمع کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ کنوارے مرد کو کنواری عورت کیساتھ کوڑے مارنا اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ مرد کو شادی شدہ عورت کیساتھ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا[1] ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک جمع مذکور جائز نہیں۔ کیونکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے ماعز وغیرہ کو رجم کیا اور کوڑے مارے۔ معلوم ہوا کہ جمع مذکور منسوخ ہے چنانچہ حازمی نے 'الناسخ والمنسوخ' میں ذکر کیا ہے ماعز کی حدیث روایت کرنیوالے حضرت سہل بن سعد' ابن عباس اور متاخر الاسلام صحابہ کی ایک جماعت ہے۔ اور حضرت عبادہ کی حدیث کا حکم ابتدا میں تھا اور دونوں زمانوں کے درمیان ایک طویل مدت ہے۔ منذری نے اپنی مختصر میں بیان کیا ہے کہ جلا و رجم کے درمیان جمع کرنے کی طرف جو حضرات گئے ہیں وہ حضرت علی' ابی بن کعب' ابن مسعود اور حسن بصری ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق' عمر بن الخطاب' زہری' نخعی' ابوحنیفہ' مالک' شافعی اور سفیان سب کا یہی قول ہے کہ شادی شدہ کو سنگسار کیا جائیگا کوڑے نہیں مارے جائیں گے اور دلیل بخاری کی حدیث عسیف ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس میں صرف رجم کا تذکرہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع مذکور کا حکم منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ متاخر الاسلام ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے آنحضرت صلعم نے اسلئے مارے کہ آپکو اس کے محصن ہونیکا علم نہیں تھا پھر اس کا محصن ہونا معلوم ہوا تو آپ نے سنگسار کیا' ابوداؤد اور نسائی کے الفاظ (فامر به النبى صلعم فجلد ثم اخبر انه كان قد احصن فامربه فرجم) اس کے شاہد عدل ہیں۔ بہرکیف از روئے حد جمع مذکور جائز نہیں ہاں اگر حاکم تعزیزاً جلاوطن کرنا مناسب سمجھے تو جمع کرسکتا ہے۔ روایات میں جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرو حضرت عثمان سے جلد و نفی کے درمیان جمع کرنا مروی ہے وہ اسی پر محمول ہے[2]۔

قوله والحامل الخ اگر زانیہ عورت حاملہ ہو تو حد وضع حمل کے بعد جاری ہوگی کیونکہ اس سے قبل بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ پھر اگر حد کوڑوں کی ہو تو نفاس سے فراغت موخر ہوگی اور سنگساری ہو تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم کی جائیگی الا یہ کہ کوئی بچہ کی پرورش کرنیوالا نہ ہو کہ اس صورت میں حد اس وقت قائم کی جائیگی جب بچہ روٹی وغیرہ کھانے لگے حدیث غامدیہ سے یہی ثابت ہے[3]۔

---

(۱) مسلم عن عبادہ بن الصامت ۱۲

(۲) ترمذی، نسائی، حاکم، دارقطنی، مالک عن ابی بکر و عمر عبدالرزاق عن ابی بکر، ابن ابی شیبہ عن عثمان ۱۲ (۳)۔ مسلم عن بریدہ و عمران بن حصین ۱۲

باب الوطئ الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہٗ

باب اس وطی کے بیان میں جو موجب حد ہے اور وہ جو موجب حد نہیں ہے

لَا حَدَّ بِشُبْهَةِ الْمَحَلِّ وَإِنْ ظَنَّ حُرْمَتَهٗ كَوَطْيِ أَمَةِ وَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَمُعْتَدَّةِ الْكِنَايَاتِ وَبِشُبْهَةِ الْفِعْلِ

نہیں ہے حد شبہۂ محل سے گو اس کی حرمت کا ظن غالب رکھتا ہو جیسے اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی یا معتدہ کنایات کے ساتھ وطی کرنا اور حد نہیں شبہ فعل سے

إِنْ ظَنَّ حِلَّهٗ كَمُعْتَدَّةِ الثَّلٰثِ وَأَمَةِ أَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهٖ وَسَيِّدِهٖ وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ فِي الْأُوْلٰى فَقَطْ

اگر ظن رکھتا ہو اس کی حلت کا جیسے معتدۃ الثلث کیساتھ یا اپنے والدین یا اپنی بیوی یا آقا کی باندی کیساتھ وطی کرنا اور نسب ثابت ہوگا صرف پہلی

وَحُدَّ بِوَطْيِ أَمَةِ أَخِيْهِ وَعَمِّهٖ وَإِنْ ظَنَّ حِلَّهٗ وَامْرَأَةٍ وَجَدَ

صورت میں اور حد لگائی جائیگی اپنے بھائی اور چچا کی باندی کیساتھ وطی کرنے سے گو اس کی حلت کا ظن رکھتا ہو اور اس عورت کیساتھ وطی کرنے سے

عَلٰى فِرَاشِهٖ لَا أَجْنَبِيَّةٍ زُفَّتْ إِلَيْهِ وَقِيْلَ لَهٗ هِيَ زَوْجَتُكَ

جس کو پایا ہو اپنے بستر پر نہ کہ اس اجنبیہ کیساتھ وطی کرنے سے جس کو بھیج دیا گیا ہو شب زفاف میں اسکے پاس اور کہہ دیا گیا ہو کہ یہ تیری بیوی ہے

وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَ بِمُحْرَمٍ نَكَحَهَا وَبِأَجْنَبِيَّةٍ فِيْ غَيْرِ الْقُبُلِ وَبِلِوَاطَةٍ

اور اس پر مہر واجب ہے اور اس محرم کیساتھ وطی کرنے سے جس سے نکاح کر لیا اور اجنبیہ کیساتھ وطی کرنے سے پیشاب گاہ کے ماسوا میں اور لواطت سے

وَبَهِيْمَةٍ وَبِالزِّنَا فِيْ دَارِ حَرْبٍ أَوْ بَغْيٍ وَبِزِنَا حَرْبِيٍّ بِذِمِّيَّةٍ فِيْ حَقِّهٖ

اور چوپائے کیساتھ وطی کرنے سے اور زنا کرنے سے دار الحرب میں یا سرکشوں کے یہاں اور حربی کے زنا کرنے سے ذمیہ کیساتھ حربی کے حق میں

وَبِزِنَا صَبِيٍّ أَوْ مَجْنُوْنٍ بِمُكَلَّفَةٍ بِخِلَافِ عَكْسِهٖ وَبِزِنَا بِمُسْتَاجَرَةٍ وَبِإِكْرَاهٍ وَبِإِقْرَارٍ

اور بچہ یا دیوانے کے زنا کرنے سے کسی مکلفہ کیساتھ بخلاف اس کے عکس کے اور زنا سے کرایہ کی عورت کیساتھ اور زبردستی زنا کرنے سے اور اقرار کرنے سے

إِنْ أَنْكَرَهُ الْآخَرُ وَمَنْ زَنٰى بِأَمَةٍ فَقَتَلَهَا لَزِمَ الْحَدُّ وَالْقِيْمَةُ وَالْخَلِيْفَةُ يُؤْخَذُ بِالْقِصَاصِ وَبِالْأَمْوَالِ لَا بِالْحَدِّ

جبکہ دوسرا انکار کرتا ہو جس نے زنا کیا باندی کیساتھ اور اسکو مار ڈالا تو لازم ہوگی حد اور قیمت اور خلیفہ سے مواخذہ کیا جائے قصاص کا اور مالوں کا نہ کہ حد کا

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ حقیقت زنا اور اس کی حد کا طریقہ بیان کرنیکے بعد اس باب میں موجب حد وطی کی تفصیلات بیان کر رہا ہے۔

فائدہ: ابن حزم وغیرہ اہل ظاہر گو شبہات کی وجہ سے اسقاط حد کے منکر ہیں لیکن احادیث موقوعہ' آثار صحابہ اور اتفاق فقہا' سے سقوط حد ثابت ہے اس لئے اس کا انکار قابل التفات نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "ادرؤ الحدود ما استطعتم"[1] حدود کو ٹالو جہاں تک ہو سکے' روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے "ادرء وا الحدود بالشبہات"[2] حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "اگر میں شبہات کیوجہ سے حدود کو معطل کروں تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں ان کو شبہات کے ہوتے ہوئے قائم کروں"[3] حضرت معاذ ابن مسعود اور عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ جب تجھے حد میں شبہ پڑ جائے تو اس کو ٹال دے"[4]

قولہ لاحد بشبہۃ الخ شبہ اس کو کہتے ہیں جو شئی ثابت کے مشابہ ہو اور نفس الامر میں ثابت نہ ہو بالفاظ دیگر شبہ وغیرہ واقع کو کہتے ہیں جو امر واقعی سے مشابہت رکھتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شبہ فی المحل جس کو شبہ حکمیہ اور شبہ ملک بھی کہتے ہیں' دوسرے شبہ فی الفعل جسکو اشتباہ بھی کہتے ہیں' شبہ فی المحل میں محل سے مراد وہ عورت ہے جس سے وطی کی گئی ہو اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں محل میں بہ رقبہ یا شبہ

---

(۱) ... ابو یعلی عن ابو ہریرۃ (۲) ... ابو حنیفہ عن ابن عباس، بیہقی عن علی (فی الخلافیات) ۱۲ (۳) ابن ابی شیبہ ۱۲ (۴) ..... ابن ابی شیبہ دار قطنی ۱۲

ملک وطی یعنی جس عورت سے صحبت کی ہے اس میں حلال ہونیکا شبہ ہوا اس کی چند صورتیں ہیں (۱) اپنے لڑکے یا پوتے کی باندی کیساتھ وطی کرنا وجہ شبہ حدیث ہے۔ انت ومالک لابیک[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال ہے' پس لڑکے اور پوتے کی باندی کے ساتھ وطی کی حلت کا شبہ پیدا ہو گیا۔ گو بنظر ادلہ شرعیہ واقع میں اس کی حلت ثابت نہیں (۲) معتدہ کنایات کے ساتھ وطی کرنا' وجہ شبہ صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ کنایات سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یا طلاق بائن بعض صحابہ سے مروی ہے کہ کنایات سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں[2] تو اس سلسلہ میں گو مختار یہی ہے کہ طلاق بائن واقع ہوتی ہے[3] تاہم حلت وطی کا شبہ پیدا ہو گیا۔ شبہ محل کی یہ دونوں صورتیں متن میں مذکور ہیں۔ (۳) فروخت کردہ باندی کیساتھ قبل از تسلیم بائع کا وطی کرنا' وجہ شبہ یہ ہے کہ بائع کا جو قبضہ وطی پر مسلط تھا وہ اب بھی باقی ہے (فصارت الشبهة فی المحل) (۴) شوہر کا اپنی باندی کے ساتھ وطی کرنا جس کو اپنی بیوی کے مہر میں مقرر کیا ہوا ور ابھی وہ باندی زوجہ کے قبضہ میں نہیں گئی (والشبهة لقیام ملک الید) (۵) شریکین سے ایک کا مشترکہ باندی کیساتھ نکاح کرنا (والشبهة لقیام الملک فی النصف) (۶) مال غنیمت میں آنیوالی باندی کیساتھ قبل از تقسیم غازی کا وطی کرنا (والشبهة لثبوت حق الغانمین بعد الا ستیلاد) (۷) خرید کردہ باندی کیساتھ قبل الاستبراء وطی کرنا۔ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ (۸) اس بیوی کے ساتھ وطی کرنا جو بوجہ ارتداد شوہر پر حرام ہو گئی ہو چنانچہ مشائخ نے ارتداد زوجہ سے عدم فرقت کا فتوی دیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی صورتیں کتب فقہیہ کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہیں یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ صاحب در اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے جو چھ کی تصریح کی ہے اس سے حصر مقصود نہیں۔ بہر کیف شبہ محل کی صورتوں میں حد نہیں اگر چہ زانی حرمت محل کا گمان رکھتا ہو۔ کیونکہ شبہ محل میں اسقاط حد کا مدار دلیل شرعی پر ہے نہ کہ زانی کے اعتقاد پر۔

قولہ وبشبهة الفعل الخ دوسری قسم شبہ فعل ہے یعنی صحبت میں حلت کا شبہ ہو اس سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے بشرطیکہ زانی نے حلت وطی کا گمان کیا ہو اس کی بھی چند صورتیں ہیں (۱) تین طلاقوں کی عدت والی عورت سے جماع کرنا۔ مطلقہ ثلث کی حرمت گو قطعی ہے لیکن بعض احکام نکاح یعنی وجوب سکنی' منع خروج اور ثبوت نسب وغیرہ کے باقی رہنے کی وجہ سے حلت کا شبہ پڑ سکتا ہے۔ (۲) والدین کی یا اپنی بیوی کی یا اپنے آقا کی باندی سے جماع کرنا۔ اس میں اتصال املاک کیوجہ سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ لڑکے کو اپنے باپ کی باندی پر ولایت ہے۔ جیسے باپ کو بیٹے کی باندی پر ولایت ہے "وعلی هذاالقیاس". (۵) مرتہن کا مرہونہ باندی کیساتھ وطی کرنا بروایت کتاب الحدود (اگر مرتہن یہ کہے کہ میں نے مرہونہ باندی کی حرمت جانتے ہوئے اس سے وطی کی ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کتاب الرہن کی کہ اس پر حد نہیں اس وقت یہ مسئلہ شبہتہ المحل کی فروع سے ہوگا۔ دوسری روایت کتاب الحدود کی ہے کہ اسپر حد واجب ہے۔ (۶) طلاق بعوض مال کی عدت والی یا مختلعہ عورت کیساتھ وطی کرنا وغیرہ ان سب صورتوں میں حد ساقط ہے بشرطیکہ وطی کنندہ اپنے گمان میں حلال جانتا ہو ورنہ حد لازم ہوگی۔

---

(۱) ابن ماجه، طبرانی، بیهقی (فی دلائل البنوة) عن جابر، ابن حبان عن عائشه، بزار، طبرانی عن سمرة بن حبذب بزار، ابن عدی عن عمر، طبرانی ابن عدی عن ابن مسعود، ابویعلی، بزارعن ابن عمر ۱۲

(۲)...... عبد الرزاق عن عمروابن مسعود، عبدالرزاق عن زید بن ثابت، جابر بن عبدالله وابن عباس وعمر، شافعی، مالک، عن زید بن ثابت، عبدالرزاق، مالک، شافعی عن ابن عمر ۱۲

(۳)...... مالک، شافعی عبدالرزاق عن ابن عمر، ابن ابی شیبه، مالک، محمد بن الحسن، دارقطنی عن علی، ترمذی عن ابی هریرة.

باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها

باب زنا پر گواہی دینے اور اس سے رجوع کرنیکے بیان میں

شَهِدُوْا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ سِوٰی حَدِّ الْقَذْفِ لَمْ یُحَدَّ وَضَمِنَ السَّرِقَةَ وَلَوْ اَثْبَتُوْا زِنَاهُ بِغَائِبَةٍ حُدَّ

گواہی دی کسی پرانی موجب حد بات پر حد قذف کے علاوہ تو حد نہ لگائی جائے گی اور تاوان دیگا مال کا اور اگر ثابت کیا اس کا زنا کسی غائبہ کیساتھ تو حد

بِخِلَافِ السَّرِقَةِ وَلَوْ اَقَرَّ بِالزِّنَا بِمَجْهُوْلَةٍ حُدَّ وَاِنْ شَهِدُوْا بِذٰلِکَ لَا

لگائی جائیگی بخلاف چوری کے اور اگر اقرار کیا نامعلوم عورت کیساتھ زنا کرنے کا تو حد لگائی جائیگی اور اگر گواہوں نے اس کی گواہی دی تو نہیں

کَاخْتِلَافِهِمْ فِیْ طَوْعِهَا اَوْ فِی الْبَلَدِ وَلَوْ کَانَ عَلٰی کُلِّ زِنًا اَرْبَعَةٌ وَلَوْ اِخْتَلَفُوْ فِیْ بَیْتٍ وَاحِدٍ

جیسے گواہوں کا اختلاف کرنا بخوشی زنا ہونے میں اور شہر میں گو ہر زنا پر چار گواہ ہوں اور اگر ایک ہی کوٹھری کے بارے میں اختلاف کریں

حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَلَوْشَهِدُوْا عَلٰی زِنَا امْرَأَةٍ وَهِیَ بِکْرٌ اَوِ الشُّهُوْدُ فَسَقَةٌ اَوْشَهِدُوْا عَلٰی شَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ

تو مرد و عورت دونوں کو حد لگائی جائیگی اور اگر گواہی دی کسی عورت کے زنا پر حالانکہ وہ باکرہ ہے یا گواہ فاسق ہیں یا چار گواہوں کی شہادت پر گواہی دی

وَاِنْ شَهِدَ الْاُصُوْلُ اَیْضًا لَمْ یُحَدَّ[1] اَحَدٌ وَلَوْکَانُوْا عُمْیَانًا اَوْمَحْدُوْدِیْنَ اَوْثَلٰثَةً حُدَّالشُّهُوْدُ لَاالْمَشْهُوْدُ عَلَیْهِ

اگرچہ وہ اصل شاہد بھی گواہی دیں تو کسی کو حد نہیں لگائی جائیگی اور اگر گواہ نابینا یا محدود یا تین ہوں تو گواہوں کو حد لگائی جائیگی نہ کہ مشہود علیہا کو

وَلَوْ حُدَّ فَوُجِدَ اَحَدُهُمْ عَبْدًا اَوْ مَحْدُوْدًا حُدُّوْا

اور اگر حد لگادی گئی پھر گواہوں میں سے کوئی غلام یا محدود نکلا تو سب کو حد لگائی جائیگی

وَاَرْشُ[2] ضَرْبِهٖ هَدَرٌ وَاِنْ رُجِمَ فَدِیَتُهٗ عَلٰی بَیْتِ الْمَالِ

اور اس کی ضرب کا تاوان معاف ہے اور اگر سنگسار کردیا گیا تو اس کی دیت بیت المال سے دیجائیگی۔

توضیح اللغۃ: متقادم گذشتہ، پرانی بات، سرقہ چوری، طوع رضامندی، فسقہ، جمع فاسق، عمیان جمع اعمٰی نابینا، ارش تاوان مراد وہ صرفہ جو دو ادادارو میں خرچ ہوا ہو۔ ھدر معاف ہے۔ دیۃ خونبہا۔

تشریح الفقہ: قولہ شہدوا الخ شاہدوں نے ایک پرانی بات پر گواہی دی جو موجب حد تھی۔ تو ان کی شہادت مسترد ہوگی اور حد قائم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے۔ اسواسطے کہ شاہد حدود کو دو چیزوں میں اختیار ہے۔ ایک ادائے شہادت میں دوسرے پردہ پوشی میں۔ تو اتنی تاخیر یا تو پردہ پوشی کی وجہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے۔ اگر پردہ پوشی کی وجہ سے تھی تو اب گواہی دینا کینہ اور عداوت پر دال ہے۔ اور اگر پردہ پوشی کی وجہ سے نہیں تھی تو تاخیر کی وجہ سے فاسق ہوا اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں۔ لیکن حد قذف اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں تقادم کے بعد بھی گواہی مقبول ہے کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

اور اس میں دعوی کرنا شرط ہے پس شہادت دینے میں گواہوں کا تاخیر کرنا انعدام دعوی پر محمول ہوگا یعنی یہ سمجھا جائیگا کہ گواہوں نے اس لئے تاخیر کی کہ صاحب حق کی طرف سے دعوی نہیں تھا۔ پھر اگر گواہوں نے ایک مدت کے بعد سرقہ پر گواہی دی تو گو سارق پر حد

---

[1] اما فی المسئلة الاولی فلان الزنی لاتحقیق مع بقاء البکارة واما فی الثانیة فلاشتراط العدالة ولم توجد واما فی الثالثة فلان الشهادة علی الشهادة لاتجوز فی الحدود ۱۲

[2] ھو اجرة الطبیب وثمن الادویة او ان یقوم المجلو دعبدا سلیما عن ہذا الاثر ویقوم وبہ ہذا الاثر وینظر ما نقص بہ عن القیمة فیؤخذ من الدیة مثلہ ۱۲ الطحاوی

[3] انہ حصل بقضاء القاضی وخطاءہ فی بیت المال ۱۲ مجمع الانہر

واجب نہ ہوگی لیکن اسباب مسروقہ کا تاوان ضرور لیا جائیگا۔ لان تاخير الشاهد لتاخير الدعوى لايلزم تفسيقه۔

قوله ولو اثبتوا الخ گواہوں نے زید کا ایسی عورت کیساتھ زنا کرنا ثابت کیا جو غائب ہے۔ (اور شاہد اس کو پہچانتے ہیں۔) تو بالاتفاق زید پر حد زنا قائم کی جائیگی۔ اور اگر کسی غائب کے مال کی چوری پر گواہی دی تو گواہی مقبول نہ ہوگی۔ دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ سرقہ میں دعوی کرنا شرط ہے اور جب مسروق منہ غائب ہو۔ تو دعویٰ معدوم ہوا لہذا شہادت مقبول نہ ہوگی بخلاف زنا کے کہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے۔

قوله وان اقر الخ وان اقر سے اربعۃ تک چار مسئلے ہیں جن میں سے صرف ایک میں حد واجب ہے تین میں واجب نہیں۔ (۱) ایک شخص نے اپنے متعلق زنا کا اقرار کیا لیکن وہ مزنیہ عورت سے ناواقف ہے تو اس صورت میں حد واجب ہے۔ کیونکہ اس کے اقرار سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ موطوئۃ اس کی بیوی یا اس کی باندی نہیں تھی ورنہ اس سے ناواقف ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ (۲) شاہدوں نے ایک شخص کے متعلق زنا پر گواہی دی لیکن وہ مزنیہ کو نہیں جانتے تو حد لازم نہ ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی یا اس کی باندی ہو اور گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں۔ (۳) دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کے ساتھ اس کی رضا مندی سے زنا کیا ہے اور دو نے گواہی دی کہ زبردستی زنا کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک دونوں پر حد نہیں نہ مرد پر نہ عورت پر کیونکہ یہاں دو مختلف زنا ہیں جن پر گواہی دی جارہی ہے ایک زنا بالرضا دوسرے زنا بالجبر اور دونوں کے گواہ ناقص ہیں۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مرد پر حد لازم ہے۔ (۴) شاہدوں نے زنا پر گواہی دی اور موضع زنا میں اختلاف ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دو گواہوں نے شہادت دی کہ زنا کوفہ میں ہوا ہے اور دوسرے گواہوں نے شہادت کہ بصرہ میں ہوا ہے تو مرد اور عورت دونوں پر حد نہیں کیونکہ اختلاف مکان کی وجہ سے فعل زنا مختلف ہوا اور دونوں کے گواہ ناقص ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چار گواہوں نے شہادت دی کہ زنا پیر کے روز کوفہ میں دس بجے ہوا اور دوسرے چار گواہوں نے شہادت دی کہ پیر کے روز دس بجے بصرہ میں ہوا ہے تو دونوں پر حد نہیں ہے کیونکہ شخص واحد کا ایک ہی ساعت میں دو مختلف و متساعد جگہوں میں ایسا کرنا محال ہے۔

قوله ولو اختلفو الخ دو گواہوں نے شہادت دی کہ زید نے گھر کے فلاں گوشہ میں زنا کیا ہے۔ اور دو گواہوں نے شہادت دی کہ گھر کے فلاں گوشہ میں زنا کیا ہے درآنحالیکہ گھر چھوٹا سا ہے تو دونوں پر حد قائم کی جائیگی مگر استحساناً کیونکہ رفع اختلاف ممکن ہے بایں طور کہ ابتدا ایک گوشہ میں ہوئی ہو اور انتہا دوسرے گوشہ میں۔

قوله ولو كانو االخ چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی لیکن چاروں نابینا یا محدود فی القذف تھے تو مشہود علیہ یعنی مرد اور عورت پر حد نہیں بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ اسواسطے کہ جب ان کی شہادت سے مال ثابت نہیں ہوتا جو صرف شبہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے تو حد زنا جو ذرا سے شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے بطریق اولیٰ ثابت نہ ہوگی مطلب یہ ہے کہ وہ شہادت کے اہل نہیں۔ نیز اگر گواہ تین ہوں تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ شہادت کا نصاب پورا نہیں، چنانچہ ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع بن الازرق نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے متعلق شہادت دی تو حضرت عمر نے تینوں پر حد جاری کی تھی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَلَوْ	رَجَعَ	اَحَدُ	الْاَرْبَعَةِ	بَعْدَ	الرَّجْمِ	وَغُرِمَ	رُبُعَ	الدِّيَةِ	وَقَبْلَهٗ	حُدُّوْا

اور اگر رجوع کرلیا چار گواہوں میں سے ایک نے رجم کے بعد تو حد لگائی جائیگی اور چوتھائی دیت کا تاوان دیگا اور اگر رجم سے قبل رجوع کرے تو

وَلَا	رَجْمَ	وَلَوْ	رَجَعَ	اَحَدُ	الْخَمْسَةِ	لَا	شَيْءَ	عَلَيْهِ	فَاِنْ	رَجَعَ	اٰخَرُ	حُدَّا

سب کو حد لگائی جائیگی اور رجم ثابت نہ ہوگا اور اگر رجوع کیا پانچ میں سے ایک نے تو اس پر کچھ نہیں ہاں اگر ایک اور رجوع کرلے تو دونوں کو حد لگائی جائیگی

وَغَرِمَا رُبْعَ دِيَةِ الْمَرْجُوْمِ وَضَمِنَ الْمُزَكِّي[1] دِيَةَ الْمَرْجُوْمِ اِنْ ظَهَرُوْا عَبِيْدًا كَمَا لَوْ قُتِلَ مَنْ اُمِرَ بِرَجْمِهٖ

اور چوتھائی دیت کا تاوان دینگے اور ضامن ہوں گے مزکی سنگسار شدہ کی دیت کے اگر وہ غلام نکلے جیسے کوئی قتل کر دے اس کو جس کے رجم کا حکم کیا گیا

فَظَهَرُوْا كَذٰلِكَ وَاِنْ رُجِمَ فَوُجِدُوْا عَبِيْدًا فَدِيَتُهٗ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَوْ قَالَ شُهُوْدُ الزِّنَا تَعَمَّدْنَا النَّظَرَ

تھا پھر وہ غلام نکلے اور اگر رجم کر دیا گیا پھر گواہ غلام نکلے تو اس کی دیت بیت المال میں ہوگی اگر زنا کے گواہوں نے کہا کہ ہم نے قصداً دیکھا تھا

قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمْ وَلَوْ اَنْكَرَ الْاِحْصَانَ فَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ اَوْ وَلَدَتْ زَوْجَتُهٗ مِنْهُ رُجِمَ

تو ان کی شہادت مقبول ہوگی اور اگر زانی انکار کرے اپنے محصن ہونے کا اور ایک مرد اور دو عورتیں اس کے محصن ہونے پر گواہی دیں

یا اس کی بیوی کے بچہ ہو اس سے تو رجم کیا جائیگا

تشریح الفقہ: قولہ رجع احد الاربعۃ الخ چار گواہوں کی شہادت سے مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا اس کے بعد ان میں سے ایک نے شہادت سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنیوالے پر حد قذف جاری کیجائیگی کیونکہ اس کی شہادت منقلب بقذف ہوگئی اور اس پر ربع دیت کا تاوان بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ اتلاف نفس ان کی شہادت کیوجہ سے ہوا ہے۔ اور جب اس نے رجوع کر کے اقرار کر لیا کہ اتلاف نفس بلا حق ہوا ہے تو اس کے حساب سے دیت کا تاوان واجب ہوگا۔

قولہ ولو رجع احد الخمسۃ الخ پانچ گواہوں کی شہادت سے مشہود علیہ کو سنگسار کیا گیا اس کے بعد پانچ میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو رجوع کرنیوالے پر نہ حد ہے نہ تاوان کیونکہ شہادت کا کامل نصاب باقی ہے۔ اور اعتبار باقی رہنے والے گواہوں کا ہے۔ نہ کہ رجوع کرنیوالوں کا۔ لیکن اگر پانچوں کیساتھ ایک اور رجوع کرلے تو دونوں پر حد بھی لازم ہوگی اور ربع دیت کا تاوان بھی دینگے۔

قولہ وضمن المزکون الخ قبول شہادت کیلئے شاہدوں کی عدالت کے ثبوت کی ضرورت تھی کچھ لوگوں نے ان کے متعلق بیان کیا کہ یہ اہل شہادت ہیں یعنی آزاد ہیں مسلمان ہیں پس ان کی شہادت کیوجہ سے مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام تھے یا کافر تھے اور جنہوں نے یہ خبر دی تھی کہ گواہ عادل ہیں انہوں نے بھی رجوع کر لیا اور کہہ دیا کہ ہم ان کو جانتے تھے لیکن ہم نے قصداً جھوٹ بولا تھا تو یہ تزکیہ کرنیوالے مرحوم کی دیت کے ضامن ہونگے۔ اسی طرح اگر قاضی نے تعدیل شہود کے بعد ایک شخص کو سنگسار کر دینے کا حکم دیا تھا کسی نے اس کو رجم کے بجائے قتل کر دیا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ جن گواہوں کی شہادت سے رجم کا حکم کیا گیا تھا وہ شہادت کے اہل نہ تھے۔ تو قاتل پر مقتول کی دیت کا ضمان لازم ہے۔ اور اگر اس شخص کو سنگسار کر دیا گیا جس پر رجم کا حکم ہوا تھا پھر گواہ غلام نکلے تو مرجوم کی دیت بیت المال سے ادا ہوگی۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

باب شراب نوشی کی حد کے بیان میں

مَنْ شَرِبَ خَمْرًا فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدٌ اَوْ كَانَ سُكْرَانًا وَلَوْ بِنَبِيْذِ التَّمْرِ وَشَهِدَ رَجُلَانِ

کسی نے شراب پی پس اس کو گرفتار کر لیا گیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود تھی یا وہ مست تھا گو نبیذ ہی سے ہو اور دو آدمیوں نے گواہی دی

اَوْ اَقَرَّ مَرَّةً حُدَّ اِنْ عُلِمَ شُرْبُهٗ طَوْعًا وَصَحَا وَاِنْ اَقَرَّ اَوْ شَهِدَا بَعْدَ مُضِيِّ رِيْحِهَا لَا لِبُعْدِ الْمَسَافَةِ

یا اس نے ایک بار اقرار کیا تو حد لگائی جائیگی اگر اس کا بخوشی پینا معلوم ہو اور افاقہ میں ہو اور اگر اقرار کیا یا گواہی دی بو ختم ہونے کے بعد بلا دوری فاصلہ

---

[1] مزکی اس کو کہتے ہیں جو گواہوں کا حال ٹھیک ٹھیک بتائے کہ وہ قابل شہادت ہیں ۱۲

اَوْ وُجِدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ اَوْ تَقَيَّاهَا اَوْ رَجَعَ عَمَّا اَقَرَّ اَوْ اَقَرَّ سُكْرَانُ بِاَنْ زَالَ عَقْلُهُ

یا پائی گئی اس سے شراب کی بو یا اس نے قئے کردی یا اقرار سے رجوع کرلیا یا مستی میں اقرار کیا بایں طور کہ اس کی عقل زائل ہو چکی تھی تو حد نہ لگائی جائیگی

لاَ وَحدُّ السُّكْرِ وَالْخَمْرِ وَلَوْشَرِبَ قَطْرَةً ثَمَانُوْنَ سَوْطًا وَلِلْعَبْدِ نِصْفُهٗ فُرِّقَ عَلٰى بَدَنِهٖ كَحَدِّ الزِّنَا

اور مستی اور شراب نوشی کی حد گو ایک ہی قطرہ پیے اسی کوڑے ہیں اور غلام کیلئے اس کا آدھا ہے اور حد زنا کی طرح یہ بھی بدن کے متفرق حصہ پر لگائی جائے گی

تشریح الفقہ :قولہ حدالشرب الخ وجوب حد شرب کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) منہ میں شراب کی بو کا موجود ہونا (اگر شراب پی ہو (۲) مستی کا ہونا (اگر شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور چیز پی ہو) (۳) دو مردوں کی شہادت کا ہونا یا شارب کا اقرار کرنا (۴) بخوشی پینا (۵) نشہ کا اتر جانا۔

قولہ من شرب الخ جس شخص نے شراب پی اور اس حالت میں گرفتار ہوا کہ شراب کی بو اس کے منہ میں موجود تھی یا شراب کے علاوہ کسی دوسری نشہ آور چیز کے پینے سے مست ہو۔ اگرچہ وہ نبیذ پینے سے ہو۔ اور دو مرد شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود اقرار کرلے تو اس کے حد شرب لگائی جائیگی۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خواہش سے شراب پی ہے۔

قولہ سکران الخ وجوب حد کے حق میں سکران کی تفسیر امام صاحب نے نزدیک یہ ہے کہ عورت کو مرد سے زمین کو آسمان سے امتیاز نہ کر سکے۔ کیونکہ حد ایک عقوبت ہے لہٰذا اس میں انتہائی سبب کا اعتبار ہوگا۔ "لاتقربو الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون" اسی کا مؤید ہے اور حق حرمت میں اس کا اعتبار ہے کہ اس کا اکثر کلام بیہودہ ہو۔ صاحبین، امام مالک، امام شافعی کے نزدیک دونوں کے حق میں سکران کی تفسیر۔۔۔۔ وہی ہے جو امام صاحب کے یہاں حق حرمت میں ہے "قال فی المبسوط والیہ مال اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی"۔

قولہ وحد السکر الخ حد شرب خمر میں کوڑوں کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہے۔ "من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ"[2] البتہ کوڑوں کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک چالیس کوڑے ہیں لیکن بقول اصح امام کو اسی کوڑے مارنا بھی جائز ہے۔ اگر اس کو مصلحت معلوم ہو اور امام صاحب کے نزدیک اس کی مقدار اسی کوڑے ہیں یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں صحابہ کے مشورہ سے یہی طے ہوا تھا اسی پر صحابہ کا اجماع ہے۔[1]

---

(۲)......ابن ابی شیبہ عن علی وابن عباس بخاری عن، السائب، مسلم عن انس، حاکم دارقطنی عن ابن عباس، عبدالرزاق عن عمر ۱۲

(۱) اصحاب السنن غیر الترمذی، ابن حبان، حاکم، عبدالرزاق، احمد عن ابی ہریرہ، ائمہ ستہ ونسائی فی سننہ الکبریٰ، ابن حبان، حاکم عن معاویہ، نسائی، حاکم عن ابن عمر، ابوداؤد عن قبیصہ، نسائی (فی سننہ الکبری) بزار عن جابر، ابن حبان عن الخدری، حاکم، عبدالرزاق احمد، ابن راہویہ، طبرانی عن عبداللہ بن عمرو، حاکم، طبرانی عن جریر وشرحبیل بن اوس، بزار طبرانی عن غطیف بن عیاض، حاکم عن الشرید بن سوید (بالفاظ مختلفہ)۔

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

باب تہمت زنا کی حد کے بیان میں

وَهُوَ كَحَدِّ الشُّرْبِ كَمِّيَّةً وَ ثُبُوتًا فَلَوْ قَذَفَ مُحْصِنًا اَوْ مُحْصِنَةً بِزِنًا حُدَّ بِطَلَبِهٖ مُفَرَّقًا

وہ حد شرب کی طرح ہے مقدار میں بھی اور ثبوت میں بھی سو اگر تہمت لگائی محصن یا محصنہ کو زنا کی تو حد لگائی جائیگی اس کے طلب کرنے سے

وَلَا يُنْزَعُ غَيْرُ الْفَرْوِ وَالْحَشْوِ وَاِحْصَانُهٗ بِكَوْنِهٖ مُكَلَّفًا حُرًّا مُسْلِمًا عَفِيْفًا عَنِ الزِّنَا فَلَوْ قَالَ لِغَيْرِهٖ

اور نہ نکالا جائیگا اس سے پوستین اور روئی دار کے علاوہ اور اس کا محصن ہونا عاقل بالغ آزاد مسلمان اور زنا سے پاکدامن ہونا ہے پس اگر کسی سے کہا

لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ لَسْتَ بِابْنِ فُلَانٍ فِيْ غَضَبٍ حُدَّ وَفِيْ غَيْرِهٖ لَا كَنَفْيِهٖ عَنْ جَدِّهٖ

تو اپنے باپ کا نہیں یا تو فلاں کا بیٹا نہیں غصہ کی حالت میں تو حد لگائی جائے گی اور بغیر غصہ کے نہیں جیسے نفی کرنا اس کی اس کے دادا سے

وَقَوْلِهٖ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ وَيَا ابْنَ مَآءِ السَّمَآءِ وَنِسْبَتِهٖ اِلٰى عَمِّهٖ اَوْ خَالِهٖ اَوْ رَابِّهٖ وَلَوْ قَالَ

اور جیسے کسی عربی سے کہنا اے نبطی اور اے آسمان کے پانی کے بیٹے اور جیسے اس کے چچا یا ماموں یا پرورش کنندہ کی طرف منسوب کرنا اگر کہا

يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهٗ مَيِّتٌ فَطَلَبَ الْوَالِدُ اَوْ وَلَدُهٗ حُدَّ وَلَا يَطْلُبُ وَلَدٌ وَعَبْدٌ

کہ اے زانیہ کے بیٹے حالانکہ اس کی ماں مردہ ہے پس مطالبہ کیا والد نے یا بیٹے نے یا پوتے نے تو حد لگائی جائیگی اور نہیں مطالبہ کر سکتا بیٹا یا غلام

اَبَاهُ وَسَيِّدَهٗ بِقَذْفِ اُمِّهٖ وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ الْمَقْذُوْفِ لَا بِالرُّجُوْعِ وَالْعَفْوِ

اپنے باپ اور آقا سے اپنی ماں پر تہمت لگانے کے باعث اور حد باطل ہو جاتی ہے مقذوف کے مرجانے سے نہ کہ رجوع اور معاف کرنے سے

وَلَوْ قَالَ زَنَاْتَ فِي الْجَبَلِ وَعَنٰى الصُّعُوْدَ حُدَّ وَلَوْ قَالَ يَازَانِيْ وَعَكَسَ حُدَّا وَلَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ يَازَانِيَةُ

اگر کہا زنات فی الجبل تو حد لگائی جائے گی اور اگر کہا اے زانی دوسرے نے بھی یہی کہا تو دونوں کو حد لگائی جائیگی اگر بیوی سے کہا اے زانیہ بیوی نے

وَعَكَسَتْ حُدَّتْ وَ لَا لِعَانَ وَلَوْ قَالَتْ زَنَيْتُ بِكَ بَطَلَا

اس کو کہا زانی تو ہے تو عورت کو حد لگائی جائیگی اور لعان نہ ہوگا اور اگر یہ کہا کہ میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے تو دونوں باطل ہو جائینگی

وَاِنْ اَقَرَّ بِوَلَدٍ ثُمَّ نَفَاهُ يُلَاعِنُ وَاِنْ عَكَسَ حُدَّ وَالْوَلَدُ لَهٗ فِيْهِمَا وَلَوْقَالَ لَيْسَ بِابْنِيْ وَلَابِابْنِكِ

اگر بچہ کا اقرار کر کے نفی کر دے تو لعان کرے اور اس کا عکس کرے تو حد لگائی جائے بچہ دونوں صورتوں میں اسی کا ہوگا اگر کہا یہ نہ میرا بیٹا ہے نہ تیرا

بَطَلَا وَمَنْ قَذَفَ امْرَاَةً وَلَمْ يُدْرَ اَبُوْ وَلَدِهَا اَوْ لَاعَنَتْ بِوَلَدٍ اَوْ رَجُلًا

تو دونوں باطل ہو جائینگے جس نے تہمت لگائی ایسی عورت کو جس کے بچہ کا باپ معلوم نہیں یا بواسطہ ولد لعان کر چکی یا ایسے شخص کو تہمت لگائی جس نے

وَطِئَ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ اَوْ اَمَةً مُشْتَرَكَةً اَوْ مُسْلِمًا زَنٰى فِيْ حَالِ كُفْرِهٖ اَوْ مُكَاتَبًا

غیر ملک میں وطی کی تھی یا مشترک باندی سے وطی کی یا ایسے مسلمان کو تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں زنا کیا تھا یا ایسے مکاتب کو تہمت لگائی

مَاتَ عَنْ وَفَآءٍ لَايُحَدُّ وَحُدَّ قَاذِفُ وَطْءِ اَمَةٍ مَجُوْسِيَّةٍ وَحَآئِضٍ وَمُكَاتَبَةٍ

جو بدل کتابت چھوڑ کر مرگیا تو حد نہیں لگائی جائیگی حد لگائی جائیگی آتش پرست باندی حائضہ اور مکاتبہ کیساتھ وطی کرنیوالے کے تہمت لگانے والے کو

وَمُسْلِمٍ نَكَحَ اُمَّهٗ فِيْ كُفْرِهٖ وَمُسْتَامِنٍ

اور اس مسلمان پر تہمت لگانے والے کو جس نے کفر کی حالت میں اپنی ماں سے نکاح کیا ہو حد لگائی جائیگی اس مستامن کو جس نے تہمت لگائی ہو

قَذَفَ مُسْلِمًا وَمَنْ قَذَفَ اَوْ زَنٰی اَوْ شَرِبَ مِرَارًا فَحُدَّ فَهُوَ لِكُلِّهٖ

مسلمان پر جس نے تہمت لگائی یا زنا کیا یا شراب پی چند بار پھر حد لگادی گئی تو یہ حد کل امور کی طرف سے ہوگی۔

تشریح الفقہ : قولہ القذف الخ کے لغوی معنی پتھر پھینکنا ہے اور شرعاً زنا کی تہمت لگانا' قذف باجماع ائمہ کبار میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سات مہلک گناہوں سے بچو" (ان میں سے ایک زنا کی تہمت لگانا ہے) البتہ شیخ حلیمی شافعی کے نزدیک غیر محصنہ یعنی صغیرہ یا مملوکہ یا بے حیا آزاد عورت کو تہمت لگانا گناہ کبیرہ نہیں صغیرہ ہے۔ (کذافی النہر) مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ فقہاء نے جو احصان کی شرط لگائی ہے وہ وجوب حد کے لئے ہے نہ کہ کبیرہ ہونے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذمی کو تہمت لگائیگا اس پر قیامت کے روز آگ کے کوڑے پڑیں گے۔

تنبیہ : صاحب بحر نے بحوالہ جمع الجوامع شوافع کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے یہاں خلوت میں زنا کی تہمت لگانا صغیرہ ہے۔ مگر یہ انتساب صحیح نہیں۔ اولاً اس لئے کہ قذف کا گناہ صغیرہ ہونا صرف حلیمی کے نزدیک ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ثانیاً اس لئے کہ جمع الجوامع میں ابن عبدالسلام کی یہ عبارت منقول ہے "الظاهر ان قذف المحصن فی خلوة لیس بکبیر ة موجبة للحد" اور اس سے صغیرہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ کلام جب چند قیود کیساتھ مقید ہو تو صرف آخری قید کی نفی مقصود ہوتی ہے پس موجب حد ہونیکی نفی ہوئی نہ کہ کبیرہ ہونیکی۔ "کذاقال المحشی اللقانی" اس تقریر سے صاحب بحر کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "قواعدنا لاتاباہ" ای لماقالہ ابن عبدالسلام۔

قولہ یاابن ماء السماء الخ یاابن ماء السماء کہنے پر حد قذف نہیں۔ کیونکہ اس سے جودوسخا' حسن وصفا کی تشبیہ مراد ہوتی ہے چنانچہ ابو مزیقیا عامر بن حارثہ کا لقب ماء السماء تھا اس واسطے کہ قحط سالی کے زمانہ میں اپنا مال بارش کی طرح بہاتا تھا۔ اسی طرح ام المنذر حسن وجمال کیوجہ سے ملقب بماء السماء تھی اور نعمان بن المنذر کا لقب بھی کثرت سخاوت کی وجہ سے ابن ماء السماء تھا۔

(غایۃ البیان)

قولہ ولو قال زنات الخ ایک شخص نے کسی سے کہا زنات فی الجبل اور پہاڑ پر چڑھنا مراد لیا تو شیخین کے نزدیک اس کو حد لگائی جائیگی۔ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک حد نہیں لگائی جائیگی کیونکہ زنات مہموز کے حقیقی معنی چڑھنے کے ہیں قالت امراة من العرب

اشبه ابا ملک اواشبه جمل ۔ ولا تکونن کهلوف وکل
لصبح فی مضجعه قد انجدل وارق الی الخیرات زناء فی الجبل

شیخین یہ فرماتے ہیں زناء مہموز فاحشہ اور بدکاری میں مستعمل ہے اور غیظ وغضب کی حالت میں یہی معنی متعین ہیں۔

قولہ وعکست الخ شوہر نے بیوی سے کہا کہ یازانیہ بیوی نے کہا لابل انت یعنی میں زانیہ نہیں بلکہ تو زانی ہے تو عورت پر حد قائم ہوگی اور لعان نہ ہوگا کیونکہ حد زوجہ اور سقوط لعان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیں جمع ہوں اور ایک حد کے مقدم کرنے میں دوسرے حد کا اسقاط ہو تو حد ٹالنے کی غرض سے مسقط حد کی تقدیم ضروری ہے پس عورت پر حد قائم کی جائیگی تاکہ وہ لعان کے لائق نہ رہے کیونکہ محدود فی القذف لعان کا اہل نہیں ہوتا بخلاف لعان کے کہ اس کی تقدیم سے حد باطل نہیں ہوتی۔ سوال قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہوا کہ جب دو حدیں جمع ہوں اور لعان حد نہیں ہے۔ جواب لعان کی مشروعیت بھی انزجار کیلئے ہے پس لعان حد ہی کے معنی میں ہے۔

قولہ ولو قال زنیت بک الخ شوہر نے بیوی سے کہا کہ یازانیہ بیوی نے جواب دیا کہ میں نے تجھ سے زنا کیا ہے۔ تو شک کیوجہ سے حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ عورت کی مراد میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ زنا مراد ہو جو قبل از نکاح ہے دوسرے وہ زنا جو نکاح کے بعد ہو یعنی اس نے نکاح کے جماع کو زنا سے تعبیر کیا ہو پہلی صورت میں حد واجب ہوئی نہ کہ لعان کیونکہ بیوی نے شوہر کی

تصدیق کی اور شوہر نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ اور دوسری صورت میں لعان واجب ہوا نہ کہ حد کیونکہ قذف مرد کی جانب سے ہوا نہ کہ عورت کی طرف سے۔ پس حد اور لعان دونوں کے ثبوت میں شک پڑ گیا لہٰذا دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

قوله وان اقر الخ شوہر نے اوّلاً بچہ کا اقرار کیا پھر اس کی نفی کر دی تو لعان واجب ہوگا کیونکہ اقرار کی وجہ سے نسب ثابت ہو چکا۔ اب اس کے انکار سے وہ قاذف ہو گیا اور قاذف پر لعان ہے اور اگر اس نے اولاً بچہ کی نفی کی بعد میں اس کا اقرار کر لیا تو مرد پر حد قائم ہو گی کیونکہ جب اس نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان باطل ہو گیا اور اصل یعنی حد باقی رہی۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ یہ بچہ میرا ہے نہ تیرا تو حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ شوہر ولادت کا منکر ہے۔ اور انکار ولادت سے قاذف نہیں ہوتا۔

قوله ومن قذف امراة الخ یہاں سے ''لا یحد'' تک چھ مسئلے مذکور ہیں اور سب کا حکم سقوط حد ہے (۱) اس عورت پر تہمت لگائی جس کے بچہ کا باپ معلوم نہیں۔ (۲) اس عورت پر تہمت لگائی جو نفی ولد کی وجہ سے لعان کر چکی تھی۔ ان دونوں صورتوں میں قاذف پر حد اس لئے نہیں کہ عورت کی طرف سے زنا کی علامات موجود ہیں۔ (۳) اس شخص پر تہمت لگائی جس نے ملک غیر میں وطی کی۔ (۴) یا مشترک باندی سے وطی کی۔ ان دونوں صورتوں میں شرط احصان مفقود ہے اس لئے حد نہیں (۵) اس مسلمان پر تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں زنا کیا تھا۔ قاذف پر حد اسلئے نہیں کہ وہ صادق ہے کیونکہ اس سے شرعاً زنا کا تحقق ہوا ہے۔ (۶) اس مکاتب پر تہمت لگائی جو اتنا ترکہ چھوڑ کر مرا جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے۔ قاذف اس لئے نہیں کہ ایسے مکاتب کی حریت میں صحابہ کا اختلاف ہے پس شبہ پیدا ہو گیا۔

قوله وحد الخ یہاں سے ''فی کفرہ'' تک چار مسئلے ہیں جنکا حکم وجوب حد ہے۔ (۱) مجوسیہ باندی کیساتھ وطی کرنیوالے پر تہمت لگائی۔ (۲) اپنی حائضہ بیوی (۳) یا مکاتبہ باندی سے وطی کرنیوالے پر تہمت لگائی (۴) اس مسلمان پر تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں ایسی عورت سے نکاح کیا تھا جو اس پر شرعاً حرام ہے۔ ان چاروں صورتوں میں قاذف پر حد لازم ہے اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسی وطی کرے جس کی حرمت لعینہ ہو تو اس کے قاذف پر حد نہیں اور اگر وطی کی حرمت بغیرہ ہو تو قاذف پر حد ہے اور غیر ملک میں وطی حرام لعینہ ہے اور اپنی ملک میں بھی وطی حرام لعینہ ہے اگر حرمت موبدہ ہو اور اگر حرمت موقت ہو تو حرام لغیرہ ہے اور یہاں چاروں صورتوں میں اپنی ملک ثابت ہے ۲ ، ۴ میں ملک نکاح اور ۱ ، ۳ میں ملک یمین اور ۲ میں گو وطی حرام ہے مگر حرمت موقت ہے لہٰذا ہر صورت میں قاذف پر حد ہے لیکن ۴ میں صاحبین کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں کافر کا نکاح اپنی محرمہ عورت کے ساتھ صحیح نہیں۔

(فَصْلٌ فِي التَّعْزِيْرِ) وَمَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكًا اَوْ كَافِرًا بِالزِّنَا اَوْ مُسْلِمًا بِيَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ يَا خَبِيْثُ يَا لِصُّ يَا فَاجِرُ يَا مُنَافِقُ

(فصل سزا کے بیان میں) جس نے تہمت لگائی غلام کو یا کافر کو زنا کی یا کسی مسلمان کو یہ کہکر کہ اے فاسق اے کافر او خبیث او چور اے فاجر اے منافق

يَا لُوْطِيُّ يَا مَنْ يَّلْعَبُ بِالصِّبْيَانِ يَا اٰكِلَ الرِّبٰوا يَا شَارِبَ الْخَمْرِ يَا دَيُّوْثُ يَا مُخَنَّثُ يَا خَائِنُ يَا ابْنَ الْقَحْبَةِ يَا زِنْدِيْقُ

او لوطی اے بچوں سے کھیلنے والے اے سود خور اے شراب خور او بے غیرت او ہیجڑے او خائن او رنڈی زادے او بے دین

يَا قَرْطَبَانُ يَا مَاوَى الزَّوَانِيْ اَوِ اللُّصُوْصِ يَا حَرَامْزَادَهْ عُزِّرَ وَبِيَا كَلْبُ يَا تَيْسُ يَا حِمَارُ يَا خِنْزِيْرُ يَا بَقَرُ حَيَّةُ

او بے حیا اور رنڈیوں یا چوروں کے اڈے او حرام زادے ان سب میں سزا دیجائیگی اور اے کتے او پہاڑی بکرے او گدھے او سور او بیل او سانپ

حَجَّمُ يَا بَغَّاءُ يَا مُوَاجِرُ يَا وَلَدَ الْحَرَامِ يَا عَيَّارُ يَا نَاكِسُ يَا مَنْكُوْسُ يَا سُخْرَةُ يَا ضُحْكَةُ يَا كَشْخَانُ

او بے غیرت او بدکار او بھاڑو او حرام کے بچے او آوارہ او سرنگوں او اوندھے او مسخرے او ٹھٹھے باز او بے شرم

يَا اَبْلَهُ يَا مُوَسْوِسُ يَا مَنْحُوْسُ لَا وَاَكْثَرُ التَّعْزِيْرِ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطًا وَّاَقَلُّهٗ ثَلٰثَةٌ وَصَحَّ حَبْسُهٗ بَعْدَ الضَّرْبِ

او بے وقوف او موسوس کہنے میں سزا نہیں اور تعزیر کے زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں اور کم از کم تین اور صحیح ہے اس کو قید کرنا پٹائی کے بعد

وقال الشافعی یجب الدیة فی بیت المال، لنا انه مامور وفعل المامور لا یتقید بالسلامة ۱۲

وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حُدَّ اَوْ عُزِّرَ فَمَاتَ فَدَمُهٗ هَدَرٌ

اور سب سے زیادہ سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد زنا کی پھر حد شرب کی پھر حد قذف کی جس کو حد لگائی گئی یا سزا دی گئی اور مر گیا تو اس کا خون رائگاں ہے

بِخِلَافِ الزَّوْجِ اِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهٗ لِتَرْکِ الزِّيْنَةِ اَوِ الْاِجَابَةِ اِذَا دَعَاهَا اِلٰى فِرَاشِهٖ

بخلاف شوہر کے جب وہ سزا دے بیوی کو ترک زینت پر یا بات نہ ماننے پر جبکہ وہ بلائے اس کو صحبت کے لئے

اَوْ تَرْکِ الصَّلٰوةِ وَالْغُسْلِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ

اور نماز و غسل ترک کرنے پر اور گھر سے باہر جانے کو ترک کرنے پر

توضیح اللغۃ: تعزیر سزا دینا، دیوث بے غیرت جو اپنی بیوی کے پاس اجنبی کو دیکھ کر عار محسوس نہ کرے، قحبہ رنڈی، قرطبان معرب لتبان مرادف دیوث، یا وہ شخص جو آدمیوں کو امر قبیح کے لئے جمع کرے۔ زوانی جمع زانیہ، تیس جنگلی بکرا۔ بغاء وہ شخص جو اغلام کرائے مواجر وہ شخص جو اپنی بیوی کو زنا کے واسطے اجرت پر دے مراد ٹھیکہ کرنیوالا اغیار آوارہ گرد ناکس کمزور۔ منکوس دوبارہ بیمار ہونیوالا مسخرہ جس سے لوگ مسخرہ پن کریں۔ ضحکہ جس پر لوگ ہنسیں کشخان بیوی کے حق میں بے غیرت۔

تشریح الفقہ: **قولہ فصل الخ** زواجر مقدرہ یعنی حدود بیان کرنے کے بعد زواجر غیر مقدرہ یعنی تعزیرات بیان کر رہا ہے۔ نفس تعزیر کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ آیت "**واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا**" میں تادیب ازواجات کو مار دینے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے کہ حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں[1]' نیز جب بچے دس برس کے ہو جائیں تو ترک صلوٰۃ پر تعزیر ثابت ہے[2]' اس کی مشروعیت پر صحابہ کا اجماع بھی ہے۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ پر زجر و توبیخ ہو تا کہ ارتکاب فواحش کی عادت نہ پڑے۔

قولہ فی التعزیر الخ لغت میں تعزیر مطلق تادیب کو کہتے ہیں ترشروئی کے ساتھ ہو یا سخت گوئی کے ساتھ' گوشمالی کے ساتھ ہو یا زدوکوب کیساتھ۔ دو چار ضربوں کیساتھ ہو یا دس پانچ کے ساتھ۔ (درمنح' زیلعی) صاحب قاموس نے کہا ہے کہ تعزیر کا اطلاق اس مار پر ہوتا ہے جو مقدار حد سے کم ہو۔ ابن حجر مکی نے اس کی تغلیط کی ہے کیونکہ یہ تعزیر کے شرعی معنی ہیں نہ کہ لغوی مگر یہ تغلیط بے جا ہے کیونکہ صاحب قاموس نے صرف اوضاع لغویہ ہی کا التزام نہیں کیا بلکہ اس کی عادت کہ وہ منقولات شرعیہ اور اصطلاحیہ حتی کہ الفاظ فارسیہ کو بھی تکثیر فوائد کے پیش نظر ذکر کر دیتا ہے۔

(طحطاوی عن ابی السعود)

قولہ و من قذف الخ تعزیر و عدم تعزیر میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مخاطب کو ایسے فعل اختیاری کی طرف منسوب کرے جو شرعاً حرام ہو اور عرفاً باعث عار ہو تو اس میں قائل پر تعزیر ہے اور اگر وہ فعل منسوب اختیاری نہ ہو یا اختیاری ہو مگر شرعاً حرام نہ ہو یا شرعاً حرام ہو مگر عرفاً باعث عار نہ ہو تو اس میں تعزیر نہیں' اس قاعدہ کی پیش نظر جملہ الفاظ کا حکم بسہولت معلوم ہو سکتا ہے۔

قولہ و اکثر التعزیر الخ امام صاحب کے نزدیک تعزیر کی اکثر مقدار انتالیس کوڑے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ظاہر روایت کے اعتبار سے پچھتر کوڑے ہیں۔ امام محمد کو بعض حضرات نے امام صاحب کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے امام ابو یوسف کے ساتھ تعزیر میں اصل دلیل یہ حدیث ہے "من بلغ حداً فی غیر حد فھو من المعتدین" یہ حدیث گو مرسل ہے لیکن امام صاحب اور اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت اور قابل عمل ہے اور حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ تعزیر کی مقدار حد سے کم ہونی چاہیے۔ تو امام صاحب نے

---

[1] صحیحین

[2] بیہقی، محمد عن النعمان بن بشیر ۱۲

بنظر احتیاط غلام کی حد سے (جو چالیس کوڑے ہیں) ایک کوڑا کم کر دیا۔ امام ابو یوسف نے احرار کی حد کا اعتبار کیا۔ کیونکہ حریت اصل ہے۔ پھر ہشام کی روایت تو یہی ہے کہ اناسی کوڑے ہیں یہی مقتضی قیاس ہے اور یہی امام زفر فرماتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف سے ظاہر روایت یہ ہے کہ پچھتر کوڑے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حر کی انتہائی حد سو کوڑے ہیں اور غلام کی انتہائی حد پچاس کوڑے ہیں۔ پس ہر ایک کا نصف ہونا چاہیے یعنی پچاس حر کی حد کے اور پچاس غلام کی حد کے اس لحاظ سے تعزیر کی اکثر مقدار پچھتر کوڑے ہوئی۔ سوال صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ غیر حد میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارنا چاہیے[1]۔ جواب صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ منسوخ ہے۔ ورنہ صحابہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ کیونکہ وہ احکام شرعیہ میں اعلم الناس ہیں۔

كِتَابُ السَّرِقَةِ

هِيَ اَخْذُ مُكَلَّفٍ خُفْيَةً قَدْرَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةٍ مُحْرَزَةٍ بِمَكَانٍ اَوْ حَافِظَةٍ فَيُقْطَعُ اِنْ اَقَرَّ مَرَّةً

وہ لینا ہے مکلف کا پوشیدہ طور پر ڈھلے ہوئے دس درہموں کے بقدر جو محفوظ ہو کسی جگہ یا کسی نگہبان کے ذریعہ پس ہاتھ کاٹا جائیگا اگر اقرار کرلے ایک بار

اَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ وَلَوْ جَمْعًا وَالْاٰخِذُ بَعْضُهُمْ قُطِعُوْا اِنْ اَصَابَ لِكُلٍّ نِصَابٌ

یا گواہی دیں دو مرد اور اگر چرانے والی ایک جماعت ہو اور لینے والا بعض ہو تو سب کا ہاتھ کاٹا جائیگا اگر پہنچے ہر ایک کو بقدر نصاب۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ چونکہ حدود سے مقصود حفظ نفس، حفظ عقل اور حفظ آبرو ہے، اس لئے مصنف نے حدود کو مقدم کیا۔ اور مال سے جان اور آبرو کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے حدود کے بعد سرقہ کو بیان کرنا مناسب ہے۔

قولہ ھی الخ سرقہ بفتح سین وکسر راء ہے۔ اور راء کا سکون بھی جائز ہے۔ لغۃً دوسرے کی کوئی چیز چھپا کر لینے کو کہتے ہیں۔ یقال **سرق منه مالاً سرقاً وسرقةً**، اور کبھی مال مسروق کو بھی مجازاً سرقہ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (مغرب) اور شریعت میں سرقہ کی دو تعریفیں ہیں۔ ایک حرمت کے اعتبار سے۔ دوسرے ترتب حکم شرعی کے لحاظ سے۔ سرقہ باعتبار حرمت اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی چیز چھپا کر ناحق لے لی جائے خواہ وہ چیز بقدر نصاب ہو یا نہ ہو۔ اور باعتبار ترتب حکم شرعی سرقہ کی تعریف وہ ہے جو مصنف نے ہی اخذ مکلف اھ سے ذکر کی ہے۔ یعنی ترتب حکم شرعی کے لحاظ سے سرقہ اس کو کہتے ہیں کہ عاقل بالغ شخص کسی دوسرے کی ایسی چیز چھپا کر لے جس کی قیمت سکہ دار دس درہموں کے برابر ہو اور مکان یا کسی محافظ کے ذریعہ سے محفوظ ہو۔ مصنف نے اخذ کو مطلق رکھا ہے۔ جو اخذ حقیقی و اخذ حکمی دونوں کو شامل ہے۔ اخذ حقیقی جیسے خود کسی چیز کو محفوظ جگہ سے نکال لے۔ اخذ حکمی جیسے چند سارق مکان میں داخل ہوں اور مال چرا کر ایک شخص کی پیٹھ پر لاد کر گھر سے باہر نکلیں۔ تو سب کے ہاتھ کاٹے جائینگے مکلّف کی قید سے صغیر اور مجنوں نکل گئے کہ ان پر قطع ید نہیں ہاں مال کا تاوان ضرور ہے۔ خفیہ کی قید سے غارتگری، زبردستی اور ہاتھ سے اچک لینا سرقہ کی تعریف سے نکل گیا۔ پھر اگر چوری شہر کے اندرون میں ہوئی ہو تو ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی اخفا شرط ہے اور اگر رات میں چوری ہوئی ہو تو صرف ابتدا میں اخفا شرط ہے۔ پس اگر چور رات میں خفیۃً داخل ہوا پھر ظاہر ہو کر مال لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ قدر عشرۃ دراہم کی قید سے وہ مقدار سرقہ کے حکم سے نکل گئی جو اس سے کم ہو۔ (وسیاتی) مضروبۃ کی قید سے کچی چاندی کے دس ٹکڑے جن کی قیمت دس درہم سے کم ہو خارج ہوگئے۔ کہ ان میں قطع ید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ درہم اسی کو کہتے ہیں جو سکہ دار ہو جیسا کہ مغرب میں ہے تو پھر مضروبۃ قید کی ضرورت نہیں۔ محرزۃ کی قید سے غیر محفوظ سامان نکل گیا جیسے وہ کھیتی جو ابھی تک کٹی نہ ہو وغیرہ ذالک۔

قولہ قدر عشرۃ دراھم الخ ہر مال مسروق میں ہاتھ کاٹا جائیگا یا اس کی کوئی مقدار معین ہے۔؟ اس میں اختلاف ہے۔ حسن بصری، داؤد ظاہری اور خوارج کے نزدیک قطع ید کے لئے کوئی مقدار معین نہیں کیونکہ آیت "**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما**" میں اطلاق ہے کوئی مقدار معین نہیں، جواب یہ ہے کہ اگر آیت کو اطلاق ہی پر رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ گیہوں کے ایک دانہ میں

(۱) صحیحین عن ابی ہریرہ، بخاری عن جابر بن عبداللہ، طبرانی عن ابی ہریرہ۔

بھی قطع ید ہو حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں اطلاق مراد نہیں بلکہ مقید ہے اور ایک مخصوص مقدار مراد ہے مگر اس مخصوص مقدار کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ربع دینار ہے۔ اور امام مالک و امام احمد کے نزدیک تین درہم ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربع دینار میں ہاتھ کاٹو اس سے کم میں نہ کاٹو (۱) نیز حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قطع ید ایک ڈھال کی چوری میں تھا جس کی قیمت تین درہم تھی (۲) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ڈھال کی کم از کم قیمت تین درہم منقول ہے اور کمتر مقدار متیقن ہے۔ لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا۔ سوال متفق علیہ حدیث سے ایک رسی اور بیضہ میں بھی قطع ید ثابت ہے۔ پھر تین درہم کی تعیین چہ معنیٰ دارد؟ جواب حدیث مذکور "**لاتقطع ید السارق فی ربع دینا رفصاعداً**" کیوجہ سے اس حدیث میں تاویل لازمی ہے۔ یعنی ربع دینار والی رسی اور بیضہ سے مراد بیضۃ الحدید[۳] ہے۔ احناف کے یہاں سرقہ کا نصاب دس درہم ہے کیونکہ ڈھال کی قیمت تین درہم سے زیادہ بھی ثابت ہے۔ اور حدود کے باب میں اکثر پر عمل کرنا اولی ہے۔ کیونکہ یہ "**ادرء وا الحدود ما استطعتم**" کے منشا کے مطابق ہے۔ پھر دس درہم کی تعیین حدیث سے ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قطع ید نہیں ہوا مگر ایک ڈھال میں اور اسوقت اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی[۴] اس روایت میں ایمن کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ صحابی ہیں یا تابعی۔ سو امام شافعیؒ، حاکم ابن ابی حاتم، ابن عبدالبر وغیرہم کی تحقیق یہ ہے کہ صحابی ہیں، ابن اسحٰق نے تو یہاں تک ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوم حنین میں شریک تھے۔ اور عباس کے ان اشعار میں یہی مراد ہیں۔

نصرنا رسول اللّٰہ فی الدار سبعۃ　　وقد فرمن قدفرعنہ فاقشعوا

وثامننا لاقی الحمام بنفسہ　　بما مسہ فی الدین لایتو جع

مگر یہ اختلاف کچھ مضر نہیں کیونکہ اگر یہ صحابی ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ اور اگر تابعی ہیں تو حدیث مرسل ہے۔ اور حدیث مرسل ہمارے نزدیک اور اکثر اہل علم کے نزدیک قابل حجت ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کو دیگر روایات کی تائید بھی حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قطع ید نہیں مگر دس درہم میں[۵] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ ڈھال کے سرقہ میں کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی[۶] آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم میں سارق کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی[۷] آثار بھی اسی کے موید ہیں[۸]

قولہ فیقطع الخ چور جب چوری کا ایک مرتبہ اقرار کرلے یا دو مرد گواہی دیدیں تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ مصنف نے مرۃً کی قید سے امام ابو یوسف کے قول کی تردید کی ہے۔ کیونکہ آپ کے یہاں دو مجلسوں میں دوبار اقرار کرنے سے چوری ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس تردید کی ضرورت نہیں کیونکہ امام ابو یوسف سے رجوع ثابت ہے۔ رجلان کی قید اس لئے ہے کہ ثبوت سرقہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور اگر چوری میں ایک گروہ شریک ہو اور مال لینے والے بعض ہوں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے بشرطیکہ ہر ایک کو بقدر نصاب مال پہنچا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ چور عام طور سے ایسا ہی کرتے ہیں کہ بعض مال نکالنے کیلئے اندر چلے جاتے ہیں اور بعض دیکھ بھال کیلئے باہر کھڑے رہتے ہیں اگر سب کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو چوروں کے ہاتھ ایک اچھی ترکیب آجائیگی اور چوری کا دروازہ کھل جائیگا۔

---

(۱)...... احمد عن عائشہ، بخاری ومسلم علی غیر لفظہ ۱۲ (۲)...... صحیحین عن ابن عمر ۱۲

(۳)...... فی روایۃ البخاری قال الاعمش کانوا یرون انہ بیض الحدید والحبل کانوا یرون انہ منہ لایساوی دراہم ۱۲

(۴)...... طحاوی طبرانی عن ام ایمن، نسائی، حاکم عن ابن ام ایمن ۱۲

(۵)...... طبرانی دار قطنی عن ابن مسعود ۱۲ (۶)...... ابوداؤد، نسائی، حاکم ۱۲

(۷)...... نسائی، ابن ابی شیبہ، دار قطنی، احمد ابن راہویہ، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲

(۸)...... عبدالرزاق طبرانی، عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن عمر ۱۲

وَلا يُقْطَعُ بِخَشَبٍ وَحَشِيْشٍ وَقَصَبٍ وَسَمَكٍ وَصَيْدٍ وَطَيْرٍ وَزَرْنِيْخٍ وَمَغرَةٍ وَنُورَةٍ وَفَاكِهَةٍ رَطْبَةٍ اَوْعَلٰى شَجَرٍ
اور ہاتھ نہ کاٹا جائیگا لکڑی گھاس نرکل مچھلی پرند شکار ہڑتال گیرو چونے اور ترمیوہ میں اگرچہ درخت پر ہو

وَلَبَنٍ وَلَحْمٍ وَزَرْعٍ لَمْ يُحْصَدْ وَاَشْرِبَةٍ وَطَنْبُوْرٍ وَمُصْحَفٍ وَلَوْ مُحَلّٰى وَبَابِ مَسْجِدٍ وَصَلِيْبِ ذَهَبٍ وَشِطْرَنْجٍ وَنَرْدٍ[1]
اور دودھ گوشت بے کٹی کھیتی اشربہ ستار اور قرآن کی چوری میں گو زیور سے آراستہ ہو اور باب مسجد سونے کی صلیب شطرنج نرد

وَصَبِيٍّ حُرٍّ وَلَوْ مَعَهُ حُلِيٌّ وَعَبْدٍ كَبِيْرٍ وَدَفَاتِرَ بِخِلَافِ الصَّغِيْرِ وَدَفَاتِرِ الْحِسَابِ وَكَلْبٍ وَفَهْدٍ وَدُفٍّ وَطَبْلٍ
آزاد بچہ کی چوری میں گو اسکے ساتھ زیور اور بڑے غلام اور دفاتر کی چوری میں بخلاف نابالغ غلام اور حسابی دفتروں کے اور کتے چیتے دف ڈھول

وَبَرْبَطٍ وَمِزْمَارٍ وَبِخِيَانَةٍ وَنَهْبٍ وَاخْتِلَاسٍ وَنَبْشٍ وَمَالِ عَامَّةٍ اَوْ مُشْتَرَكٍ وَمِثْلِ دَيْنِهِ وَبِشَيْءٍ قُطِعَ
سارنگی آلات سرود چرانے خیانت کرنے لوٹنے اچک لینے کفن مال عام مال مشترک اور بقدر قرض مال چرانے میں اور ایسی چیز چرانے میں جس

وَلَمْ يَتَغَيَّرْ وَيُقْطَعُ بِسَرِقَةِ السَّاجِ وَالْقَنَا وَالْاَبْنُوْسِ وَالصَّنْدَلِ وَالْفُصُوْصِ الْخُضْرِ
میں ہاتھ کاٹا گیا ہو اور وہ بدلی نہ ہو اور ہاتھ کاٹا جائیگا سال کی لکڑی نیزے کی چھڑ آبنوس صندل سبز نگینے

وَالْيَاقُوْتِ وَالزَّبَرْجَدِ وَاللُّؤْلُؤِ وَالْاَوَانِيْ وَالْاَبْوَابِ الْمُتَّخَذَةِ مِنَ الْخَشَبِ
یاقوت زمرد موتی برتن اور دروازوں کی چوری میں جو لکڑی کے بنے ہوئے ہوں۔

موجب قطع وغیر موجب قطع اشیاء کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولا یقطع الخ بخشب سے ولم یتغیر تک اڑتیس چیزیں جو مصنف نے شمار کرائی ہیں ان میں ہمارے نزدیک قطع ید نہیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باستثناء طین وتراب اور سرقین ہر چیز میں قطع ید ہے جبکہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے' ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کی چوری میں قطع ید ہے۔ جو عزیز ونفیس مال ہو اور دار الاسلام میں مباح الاصل نہ پایا جاتا ہو درانحالیکہ وہ غیر مرغوب ہو' عزیز ونفیس مال کی قید سے گھاس اور نرکل وغیرہ مملوک چیزیں نکل گئیں کہ ان میں قطع ید نہیں۔ اور مباح الاصل کی قید سے گیرو وغیرہ نکل گیا۔ اس سلسلہ میں اصل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیر وخسیس چیزوں میں قطع ید نہیں ہوتا تھا[1]

قولہ وبشیء الخ ایک شخص نے زید کی کوئی چیز چرائی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ چیز زید کے پاس واپس ہو گئی اور ابھی اس میں کوئی تغیر نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے پھر چرالی تو اب وہ دوبارہ قطع ید نہ ہوگا استحساناً' قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ دوبارہ قطع ید ہو۔ یہی امام ابو یوسف سے ایک روایت اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "فان عاد فاقطعوا[2]" نیز دوسری بار چرانا بھی کامل سرقہ ہے بلکہ پہلے سرقہ سے قبیح تر ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ زجر وتنبیہ ہو چکی اور پھر بھی باز نہ آیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک بار قطع ید ہونے سے عصمت محل ساقط ہو گئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاغرم علی السارق بعد قطع یمینہ[3]" اور سقوط عصمت محل موجب انتفاء قطع ید ہے

سوال قطع ید کیوجہ سے گو عصمت ساقط ہو گئی لیکن جب شئی مسروق مالک کے پاس واپس ہو گئی تو عصمت پھر لوٹ آئی لہٰذا قطع ید ہونا چاہئے۔

جواب عصمت گو لوٹ آئی لیکن اتحاد ملک اور اتحاد محل کے لحاظ سے اب بھی سقوط عصمت کا شبہ باقی ہے اور شبہ کے ہوتے ہوئے حد قائم نہیں ہوتی اور اگر شئی مسروق کی ذات متغیر ہو گئی مثلاً سوت کی چوری میں قطع ید ہوا تھا جب سوت واپس ہوا تو مالک نے اس کا کپڑا بنوالیا یا سبب ملک میں تبدیلی آ گئی مثلاً قطع ید کے بعد مالک نے فروخت کر کے پھر خرید لیا اور سارق نے پھر چرایا تو دونوں صورتوں میں قطع ید ہوگا کیونکہ یہاں عین شئی بدل گئی پہلی صورت میں بالذات اور دوسری صورت میں بالسبب پس اتحاد ملک یا اتحاد محل جو شبہ تھا وہ ختم ہو گیا لہٰذا قطع ید ہوگا۔

(۱) ابن ابی شیبہ عن عائشہ (۲) ابوداود عن جابر، دارقطنی عن ابی ہریرہ ۱۲
(۳) دارقطنی، نسائی، بزار، طبرانی، بیہقی عن عبدالرحمن بن عوف (بالفاظ مختلفہ) (علیہ ۱) ایک قسم کا کھیل ہے جس کو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا۔

فَصْلٌ فِي الْحِرْزِ وَمَنْ سَرَقَ مِنْ ذِيْ رَحِمٍ مُحْرِمٍ لَابِرَضَاعٍ وَمِنْ زَوْجَتِهٖ وَزَوْجِهَا وَسَيِّدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ

(فصل محفوظ جگہ کے بیان میں) جس نے مال چرایا اپنے غیر رضاعی قریبی محرم کا یا اپنی بیوی کا یا اپنے شوہر کا یا اپنے آقا کا یا آقا کی بیوی کا

وَزَوْجِ سَيِّدَتِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَخَتَنِهٖ وَصِهْرِهٖ وَمِنْ مَغْنَمٍ وَحَمَامٍ وَبَيْتٍ أُذِنَ فِيْ دُخُوْلِهٖ لَمْ يُقْطَعْ

یا اپنی مالکہ کے شوہر کا یا اپنے مکاتب کا یا داماد کا یا خسر کا یا غنیمت کا یا حمام کا یا ایسے گھر کا جس میں آنے کی اجازت ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ واجب القطع اور غیر واجب القطع مال مسروق کے بیان سے فراغت کے بعد حرز کو ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ وجوب قطع ید کے لئے مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ مگر حرز مال چونکہ امر خارجی ہے اس لئے اس کو بعد میں لا رہا ہے۔ حرز لغۃً محفوظ جگہ کو کہتے ہیں "یقال احرزہ اذا جعلہ فی الحرز (مغرب) شرعاً اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں عادۃً مال کی حفاظت کیجائے جیسے مکان، دکان، خیمہ، صندوق وغیرہ۔

قولہ ومن سرق الخ جو شخص اپنے کسی قرابت دار محرم کی کوئی چیز چرا لے اور قرابت رضاعت کے ناطے سے نہ ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ اصول و فروع کے مال سے عموماً انتفاع حاصل کیا جاتا ہے اور کوئی ناگواری نہیں ہوتی۔ پس شبہ پیدا ہو گیا۔ عدم رضاعت کی قید اس لئے ہے کہ اگر قرابت دار نسباً محرم نہ ہو رضاعت کے سبب سے ہو مثلاً چچا بیٹا کا رضاعی بھائی ہو کہ وہ نسباً قرابت دار ہے اور رضاعت کے اعتبار سے محرم ہے تو اس کی چیز چرانے سے قطع ید ہوگا۔

قولہ برضاع الخ علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ رضاعی باپ بیٹے یا بھائی کا مال چرانا موجب قطع ید ہے اور یہ ذی رحم محرم میں داخل نہیں لہٰذا لابرضاع کی ضرورت نہیں۔ علامہ عینی اور صاحب نہر نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس قید کی ضرورت ہے کیونکہ قرابت نسبی اور محرمیت رضاعی کا اجتماع جائز ہے۔ اس واسطے کہ قرابت صرف نسبی ہوتی ہے اور محرم کبھی نسبی ہوتا ہے کبھی رضاعی پس محرم رضاعی کو خارج کرنے کیلئے لابرضاع کی ضرورت ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ یہ ان حضرات کی غفلت ہے کیونکہ بوقت شرح علامہ زیلعی کے پیش نظر کنز کا جو نسخہ رہا ہے وہ ان الفاظ کیساتھ ہے "ذی رحم محرم منہ" تو چچا کا بیٹا جو رضاعی بھائی ہو وہ اس سے خارج ہو گیا کیونکہ محرم رضاعی ہے نہ کہ محرم نسبی فقولہ بلا رضاع لم یفد شیئاً فافہم۔

قولہ ومن زوجۃ الخ شوہر بیوی کی کوئی چیز چرا لے یا بیوی شوہر کی کوئی چیز چرا لے تو ہمارے نزدیک قطع ید نہیں اگرچہ چوری زوجین کے حرز خاص سے ہو اس واسطے کہ زوجین کے مال میں بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا ہے پس حرز میں شبہ آ گیا، امام شافعی کے اس سلسلہ میں تین قول ہیں (۱) قطع ید ہے امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ۲ قطع ید نہیں ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔ ۳ اگر شوہر بیوی کا مال چرائے تو قطع ید ہے اور بیوی شوہر کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔

قولہ وختنہ الخ اگر کوئی اپنے داماد یا سسر کا مال چرا لے تو اس میں بھی امام صاحب کے نزدیک قطع ید نہیں صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قطع ید ہے کیونکہ یہاں مال اور حرز میں کوئی شبہ نہیں جس کی وجہ سے قطع ید نہ ہو، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اختتان و اصہار کے مابین انبساط ہوتا ہے نیز وہ ایک دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔ پس حرز میں شبہ موجود ہے اس لئے قطع ید نہ ہوگا "وفی المجمع ان قول الامام ہو الاصح" اسی طرح اگر کوئی مال غنیمت چرا لے تو اس میں بھی قطع ید نہیں گو اس میں چور کا حصہ نہ ہو۔ کیونکہ مال غنیمت مباح الاصل ہے پس شبہ آ گیا روایت میں ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے مال غنیمت چرایا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا[۱] نیز حضور صلعم کی خدمت میں ایک غلام کو پیش کیا گیا جس نے مال خمس میں چوری کی تھی تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹا نہیں بلکہ یہ فرمایا "مال اللہ سرق بعضہ بعضاً[۲]"۔

---

[۱] عبد الرزاق، دار قطنی (فی المؤتلف والمختلف) ۱۲ منہ .. ابن ماجہ، بیہقی، عبد الرزاق عن ابن عباس ۱۲

وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَرَبُّهُ عِنْدَهُ قُطِعَ وَاِنْ سَرَقَ الضَّيْفُ مِمَّنْ اَضَافَهُ اَوْ سَرَقَ شَيْئاً
اور جو چرائے مسجد سے اسباب اور اس کا مالک اس کے پاس ہو تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر چرائی مہمان نے میزبان کی کوئی چیز یا کسی نے کوئی چیز چرائی
وَلَمْ يُخْرِجْهُ مِنَ الدَّارِ لَا وَاِنْ اَخْرَجَهُ مِنَ الْحُجْرَةِ اِلَى الدَّارِ اَوْ اَغَارَ مِنْ اَهْلِ الْحُجَرِ عَلٰى حُجْرَةٍ اَوْنَقَبَ
اور مکان سے نہیں نکالی تو ہاتھ نہ کاٹا جائے اور اگر نکال لایا اس کو حجرہ سے مکان تک یا غارت گری کی حجرہ والوں میں سے کسی نے دوسرے پر یا نقب
فَدَخَلَ وَاَلْقٰى شَيْئًا فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ اَخَذَهُ اَوْ حَمَلَهُ عَلٰى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَاَخْرَجَهُ يُقْطَعُ وَاِنْ نَاوَلَهُ الْاٰخَرُ
لگا کر داخل ہوا اور کوئی چیز راہ پھینک دی پھر اس کو اٹھا لیا یا گدھے پر لاد دی اور ہانک کر نکال لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر دیدی دوسرے کو کوئی چیز
مِنْ خَارِجٍ اَوْ اَدْخَلَ يَدَهُ فِي بَيْتٍ وَاَخَذَهُ اَوْطَرَّ صُرَّةً خَارِجَةً مِنْ كُمٍّ اَوْسَرَقَ مِنْ قِطَارٍ بَعِيْرًا اَوْ حِمْلًا لَا
گھر کے باہر سے یا گھر میں ہاتھ داخل کر کے لے لی یا ہمیانی کاٹ ڈالی جو آستین سے باہر تھی یا چرالیا قطار سے اونٹ یا اس کا بوجھ تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا
وَاِنْ شَقَّ الْحِمْلَ فَاَخَذَ مِنْهَا اَوْسَرَقَ جَوَالِقَ فِيْهِ مَتَاعٌ وَرَبُّهٗ يَحْفَظُهٗ اَوْنَائِمٌ عَلَيْهِ
اور اگر شلیطے کو چیر کر کچھ لے لیا یا گون چرالی جس میں اسباب تھا اور اس کا مالک اس کی حفاظت کر رہا تھا یا اس پر سویا ہوا تھا
اَدْخَلَ يَدَهُ فِي صُنْدُوْقٍ اَوْ فِي جَيْبِ غَيْرِهٖ اَوْ فِي كُمِّهٖ فَاَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ
یا صندوق میں یا کسی کی جیب یا آستین میں ہاتھ ڈال کر مال لے لیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔

توضیح اللغۃ: متاع سامان ضیف مہمان، اغار غارتگری کی، حجر جمع حجرہ، نقب سوراخ کرلیا، ناول دیدیا، طر کاٹ دیا، صرہ ہمیانی۔ کم آستین، جوالق گون جس میں غلہ بھرا جاتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ من المسجد الخ مسجد سے مراد ہر وہ جگہ ہے جو حرز شرعی نہ ہو۔ پس اس میں راہ اور جنگل بھی داخل ہے۔ ربہ سے مراد صاحب مال ہے مصنف نے اس کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ صاحب مال کا کسی خاص صفت پر ہونا شرط نہیں۔ بلکہ عام ہے سویا ہوا ہو یا بیدار۔ عندہ سے مراد یہ ہے کہ صاحب مال ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ اپنا سامان دیکھ رہا ہو خواہ اس کے سر کے نیچے ہو یا پہلو میں ہو یا سامنے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اپنے سامان کے پاس سویا ہو یا بیدار اور چور اس کا سامان چرالے تو ہاتھ کاٹا جائیگا' حدیث میں ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ اپنے سر کے نیچے سامان رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے۔ کسی نے آپ کا سامان چرالیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا۔[1]

(فائدہ): حرز کی دو قسمیں ہیں۔ حرز مکان' حرز نگہبان' حرز مکان کے ہوتے ہوئے حرز نگہبان کا اعتبار نہیں' کیونکہ حرز مکان حرز نگہبان سے قوی تر ہے۔ پس حمام میں حرز نگہبان معتبر نہیں کیونکہ وہ خود محرز ہے اور مسجد میں معتبر ہے۔ کیونکہ مسجد حفاظت اموال کے لئے نہیں بنائی جاتی پس اگر مسجد میں صاحب مال اپنے مال کے پاس موجود ہو اور پھر کوئی چرالے تو قطع ید ہوگا ورنہ نہیں۔

قولہ ان سرق ضیف الخ اگر مہمان میزبان کے گھر سے کوئی چیز چرالے تو قطع ید نہیں کیونکہ میزبان کی طرف سے جو مہمان کو داخل ہونیکی اجازت مل گئی ہے۔ اس کی وجہ سے مکان اس کے حق میں حرز نہیں رہا۔ نیز اب وہ اہل خانہ کا ایک فرد ہو گیا۔ پس اس کا فعل خیانت ہوگا نہ کہ سرقہ۔ اور اگر چور نے کوئی چیز چرائی اور گھر سے باہر نہیں نکالی تب بھی قطع ید نہیں کیونکہ دار کل حرز واحد ہے پس اس سے نکالے بغیر چوری ثابت نہ ہوگی۔

قولہ وان اخرجہ الخ یہاں سے قطع تک چار مسئلے مذکور ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم قطع ید ہے۔ ایک بہت بڑے مکان میں متعدد حجرے ہیں اور حجرے والے اس گھر کے صحن کے محتاج نہیں بلکہ وہ اس سے اس طرح مستفیض ہوتے ہیں جیسے راہ اور میدان سے۔

---

[1] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم مالک، احمد عن صفوان ۱۲

اب چور نے اس مکان کے کسی حجرے سے کوئی چیز چرائی اور صحن خانہ تک لیا آیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ ہر حجرہ ساکن حجرہ کے لحاظ سے مستقل حرز ہے اس لئے مزید اخراج ضروری نہیں۔۲۔ اہل حجرہ میں سے کسی نے دوسرے حجرہ والے پر غارتگری کی اور کوئی چیز چرالی تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ (والوجہ ماذکرنا)۳۔ ایک چور نے نقب لگایا اور گھر میں داخل ہوگیا وہاں سے کوئی چیز بقدر نصاب اٹھا کر باہر پھینکدی اور پھر باہر نکل کر اٹھا لے گیا تو قطع ید ہوگا۔ کیونکہ باہر پھینکنا ایک حیلہ اور تدبیر ہے اور جو چوروں کی عام عادت ہے اس لئے نقب لگانا داخل ہونا پھینکنا پھر اٹھانا سب ایک ہی فعل شمار ہوگا۔۴۔ سارق نے مال مسروق جانور پر لادا۔ پھر جانور کو باہر نکال لیا تو قطع ید ہوگا۔ کیونکہ جانور کا چلنا اور نکلنا اسی کی طرف منسوب ہے۔

قولہ وان ناول الخ یہاں بھی چار مسئلے ہیں جن کا حکم عدم قطع ید ہے ا۔ چور نقب لگا کر گھر میں گیا۔ اور وہاں سے مال اٹھا کر دوسرے آدمی کو دیدیا۔ جو گھر سے باہر تھا تو کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ پہلے چور سے اخراج نہیں پایا گیا اور دوسرے سے ہتک حرز پس کسی ایک پر بھی سرقہ صادق نہ آیا۔ ۲۔ چور نے نقب لگایا اور نقب کے باہر سے گھر میں ہاتھ ڈال کر مال نکال لیا تو قطع ید نہ ہوگا۔ **لعدم ہتک**[1] **الحرز** ۳۔ ایک شخص کی ہمیانی آستین سے باہر تھی چور نے اس کو پھاڑ کر روپیہ نکال لیا تو قطع ید نہ ہوگا **لعدم ھتک الحرز** ۴۔ سارق نے اونٹوں کی قطار سے ایک اونٹ کی یا اس پر لدے ہوئے بوجھ کی چوری کی تو قطع ید نہیں اس واسطے کہ قطار ہانکنے اور چلانے والے سے نگہبانی مقصود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ہتک حرز محقق ہو بلکہ صرف قطع مسافت اور نقل متاع مقصود ہوتا ہے۔

فَصْلٌ فِیْ کَیْفِیَّۃِ الْقَطْعِ وَاِثْبَاتِہٖ وَیُقْطَعُ یَمِیْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ

(فصل ہاتھ کاٹنے کی کیفیت اور اس کے اثبات کے بیان میں) چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹ کر داغ دیا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ وتقطع الخ اگر چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائیگا اور گرم تیل سے داغا جائیگا' ہماری نزدیک وجوباً اور امام شافعی کے نزدیک استحباباً۔ نفس قطع کا ثبوت تو نص قرآنی سے ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**السارق والسارقۃ**" اور داہنے ہاتھ کی تعیین حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت "**فاقطعوا ایمانھما**" سے ہے جو مشہور ہے اور پہنچے سے کاٹنا متوارث ومتواتر ہے اور بعض احادیث سے بھی ثابت[2] ہے۔ پس خارجیوں کا یہ کہنا کہ ہاتھ کو مونڈھے سے کاٹنا چاہیے مخالف اجماع ہے۔ اور داغ اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس سے خون بند ہوجاتا ہے یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو گرفتار کر کے لایا گیا آپ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو اور داغ لگادو[3]' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قطع ید اور داغنے کے بعد گلے میں لٹکانا بھی مسنون ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم ہر قطع میں ثابت نہیں۔ دوسرے یہ کہ روایت مذکورہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے معلول ہے۔

وَرِجْلُہُ الْیُسْرٰی اِنْ عَادَ فَاِنْ سَرَقَ ثَلٰثًا حُبِسَ حَتّٰی یَتُوْبَ وَلَمْ یُقْطَعْ کَمَنْ سَرَقَ

اور بایاں پاؤں کاٹا جائے اگر دوبارہ چوری کرے اور اگر تیسری بار چوری کرے تو قید کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے جیسا اس کے کہ جو چوری کرے

وَاِبْھَامُہُ الْیُسْرٰی مَقْطُوْعَۃٌ اَوْ شَلَّاءُ اَوْ اِصْبَعَانِ مِنْھَا سِوَاھَا اَوْ رِجْلُہُ الْیُمْنٰی مَقْطُوْعَۃٌ وَلَایَضْمِنُ بِقَطْعِ الْیُسْرٰی مَنْ

اور اس کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا لنجا ہو یا انگوٹھے کے علاوہ دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو اور ضامن نہ ہوگا بایاں کاٹنے سے وہ شخص

---

(۲)...... دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، ابن عدی عن عبداللہ بن عمرو، ابن ابی شیبۃ عن رجاء بن حیوۃ (مرسلاً)

(۳)...... حاکم عن ابی ہریرہ، دار قطنی، ابوداؤد، عبدالرزاق (مرسلاً ۱۲)

(۱)...... لان الرباط من خارج فبالطر لا یتحقق، الصرۃ داخل الکم یتحقق الاخذ من الخارج ۱۲

أُمِرَ بِخِلَافِهِ وَطَلَبُ الْمَسْرُوْقِ مِنْهُ شَرْطٌ لِلْقَطْعِ وَلَوْ مُوْدَعًا أَوْغَاصِبًا أَوْ صَاحِبَ الرِّبٰوا وَيُقْطَعُ بِطَلَبِ الْمَالِكِ

جس کو اس کے خلاف کا حکم کیا گیا ہو اور مسروق منہ کا طلب کرنا شرط ہے قطع ید کے لئے گو وہ امانت دار یا غاصب یا سود خور ہو اور ہاتھ کاٹا جائے مالک کی

لَوْ سَرَقَ مِنْهُمْ لَابِطَلَبِ الْمَالِكِ وَالسَّارِقِ لَوْ سَرَقَ مِنْ سَارِقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا

درخواست پر اگر چرایا ہو انہی کے پاس سے نہ کہ مالک یا چور کی درخواست پر اگر چرایا ہو چور کے پاس سے قطع ید کے بعد اور جس نے کوئی چیز چرائی

وَرَدَّهُ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ إِلٰى مَالِكِهِ أَوْمَلَكَهُ بَعْدَ الْقَضَاءِ أَوْ ادَّعٰى أَنَّهُ مِلْكُهُ أَوْ نَقَصَتْ[1] قِيْمَتُهُ مِنَ النِّصَابِ

اور نالش سے پہلے ہی مالک کے پاس واپس کر دی یا چور اس کا مالک ہو گیا قضاء کے بعد یا اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک ہے یا اسکی قیمت نصاب

لَمْ يُقْطَعْ وَلَوْ أَقَرَّا بِسَرَاقَةٍ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا هُوَ مَالِيْ لَمْ يُقْطَعَا وَلَوْ سَرَقَا وَغَابَ أَحَدُهُمَا

سے کم ہو گئی تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اگر دو نے چوری کا اقرار کیا پھر ایک نے کہا کہ یہ میرا مال ہے تو کسی کا ہاتھ نہ کٹیگا اگر دو نے چوری کی اور ایک غائب

وَشَهِدَا عَلٰى سَرِقَتِهِمَا قُطِعَ الْاٰخَرُ وَلَوْ أَقَرَّ عَبْدٌ بِسَرِقَةٍ قُطِعَ وَتُرَدُّ السَّرِقَةُ إِلَى الْمَسْرُوْقِ مِنْهُ

ہو گیا اور دو گواہوں نے چوری پر گواہی دی تو موجود کا ہاتھ کٹیگا اگر غلام نے چوری کا اقرار کیا تو اس کا ہاتھ کٹیگا اور مال مسروق منہ کو دلایا جائیگا

وَلَايُجْمَعُ قَطْعٌ وَضِمَانٌ وَتُرَدُّ الْعَيْنُ لَوْ قَائِمًا وَلَوْ قُطِعَ لِبَعْضِ السَّرِقَاتِ لَايَضْمَنُ شَيْئًا

اور قطع ید اور تاوان جمع نہیں ہوتے اور عین شئی واپس کی جائے گی اگر موجود ہو اگر ہاتھ کاٹا گیا کچھ چوریوں کے عوض تو ضامن نہ ہوگا اور کسی چیز کا

وَلَوْ شَقَّ فِي الدَّارِ ثُمَّ أَخْرَجَهُ قُطِعَ وَلَوْ سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَأَخْرَجَهَا[2] لَا وَلَوْ صَنَعَ الْمَسْرُوْقَ دَرَاهِمَ

اگر چوری کردہ مال کو گھر میں چیر ڈالا پھر نکال لیا تو ہاتھ کٹیگا اور اگر بکری چرا کر ذبح کر کے نکال لیا تو ہاتھ نہ کٹیگا اگر چوری کردہ مال کے روپے یا

أَوْ دَنَانِيْرَ قُطِعَ وَرَدَّهَا وَلَوْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ فَقُطِعَ لَا يُرَدُّ وَلَا يَضْمَنُ وَلَوْ اسْوَدَّ يُرَدُّ[3]

اشرفیاں بنالے تو ہاتھ کٹیگا اور واپس کریگا اگر کپڑے کو سرخ رنگ لیا اور ہاتھ کاٹ دیا گیا تو نہ کپڑا لوٹایا جائیگا نہ ضمان دیگا اور اگر سیاہ رنگا تو کپڑا لوٹایا جائیگا

توضیح اللغۃ: ابہام انگوٹھا، شلاء ید شلاً، النجا ہاتھ، مودع جسکے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی گئی ہو صبغ رنگنا۔

تشریح الفقہ: قولہ ورجلہ الیسری الخ اگر چور دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے کیونکہ یہ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور ٹخنے سے کاٹنا حضرت عمرؓ کے فعل سے ثابت ہے۔ پھر اگر تیسری بار چوری کرے تو قطع ید نہ ہوگا۔ بلکہ قید کیا جائیگا یہاں تک کہ اس سے توبہ کے آثار ظاہر ہوں کیونکہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب چور چوری کرے تو میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹونگا اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پیر کاٹونگا۔ اور تیسری بار چوری کرے تو قید رکھونگا یہاں تک کہ اس سے آثار خیر ظاہر ہوں۔ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں چور کو ایسا کر کے چھوڑوں کہ نہ اس کے ہاتھ رہے جس سے وہ کھائے یا استنجا کرے اور نہ پاؤں رہے جس سے وہ چلے[4] مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو صحابہ نے حضرت علی کے قول کے مطابق مشورہ دیا اور اسی پر اجماع ہو گیا' امام شافعی کے نزدیک تیسری بار کی چوری میں بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کی چوری میں داہنا پاؤں کاٹا جائیگا کیونکہ حدیث میں

۱...... عن محمد تقطع وہو قول زفر والائمۃ الثلاثۃ اعتبار بالنقصان فی العین ۱۲ مجمع

۲...... ای لا یقطع لان السرقۃ تمت علی اللحم ولا قطع فیہ ۱۲ زیلعی

۳...... عند الطرفین الان السواد عند محمد زیادۃ لکنہ لا یقطع حق المالک وعند ابی حنیفۃ السواد نقصان یوجب انقطاع حق المالک ۱۲ بحرائق

۴...... محمد بن الحسن، دار قطنی، عبد الرزاق، بیہقی، ابن ابی شیبہ عن علی ۱۲

ہے کہ "چار بار کی چوری سے ایک چور کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور پانچویں مرتبہ پھر اس نے چوری کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کر ڈالنے کا حکم فرمایا اور قتل کیا گیا[۱]" جواب یہ ہے کہ یہ روایت گو بطرق متعددہ مروی ہے لیکن بقول امام نسائی حدیث منکر ہے، مصعب بن ثابت راوی قوی نہیں۔ اور محمد بن یزید کے متعلق کلام ہے اور عائذ بن حبیب شیعہ ہے اور اگر کسی درجہ میں اس کی صحت تسلیم کر لی جائے تو یہ سیاست پر محمول ہے۔ یا منسوخ ہونے پر اور دلیل اجماع صحابہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ نیز پانچویں بار کی چوری میں قتل کا حکم سب کے نزدیک بطریق سیاست ہے نہ کہ بطریق حد۔

قولہ کمن سرق الخ اگر چور کے ہاتھ کا انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا شل ہو یا انگوٹھے کے علاوہ ہاتھ کی دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا شل ہوں یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو یا شل ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ گرفت اور رفتار کی منفعت ان ہی پر موقوف ہے۔ پس اس حالت میں کاٹنا درحقیقت ہلاک کرنا ہے اس لئے اس کو قید کیا جائے گا۔

قولہ ولا یضمن الخ حاکم نے حداد سے کہا کہ چور کا داہنا ہاتھ کاٹ دے اس نے بجائے داہنے کے بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام صاحب کے نزدیک کاٹنے والا تاوان نہ دیگا عمداً کاٹا ہو یا خطاءً صاحبین کے نزدیک عمداً کاٹنے کی صورت میں تاوان دیگا۔ امام زفر کے نزدیک خطاء کی صورت میں بھی ضمان ہوگا۔ کیونکہ اس نے معصوم ہاتھ کاٹا ہے۔ اور حقوق العباد میں خطا معاف نہیں ہوتی۔ چنانچہ قتل خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطا اجتہادی ہے۔ کیونکہ نص قرآنی میں یمین کی تعیین نہیں اور اجتہادی خطاء معاف ہوتی ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک معصوم جانب کو کاٹا ہے اور تاویل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس نے قصداً ظلم کیا ہے لہذا معاف نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک ہاتھ کو کاٹا اور اس کے ہم جنس دوسرے ہاتھ کو باقی رکھا۔ جو اس سے بہتر ہے۔ یعنی داہنا ہاتھ پس اس کو اتلاف شمار نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ ولو سرقا الخ دو آدمیوں نے چوری کی اور ایک غائب ہو گیا اور دو گواہوں نے چوری پر گواہی دی تو جو چور حاضر ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ دوسرے کا غائب ہونا خود اس کے حق میں ثبوت سرقہ کے لئے مانع ہے۔ نہ کہ حاضر کے حق میں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے سارق غائب آ کر سارق حاضر کے متعلق کوئی شبہ بیان کر دے سو اس کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ شبہۃ الشبہہ ہے اور مسقط حد شبہ ہے۔ نہ کہ شبہۃ الشبہہ۔

قولہ ولا یجتمع الخ چور نے چوری کی اور اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب اگر عین شئی اس کے پاس موجود ہو تو مالک کو واپس کر دی جائیگی کیونکہ وہ اسی کی ملک پر باقی ہے۔ اور اگر وہ ہلاک ہو گئی ہو تو چور پر تاوان نہ آئیگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو اس پر تاوان نہیں[۲]" ابن سیرین، نخعی، شعبی، قتادہ اور حضرت حسین سے بھی یہی منقول ہے۔

قولہ ولو صبغہ الخ چور نے کپڑا چرایا اور اس کو سرخ رنگ لیا پھر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ تو شیخین کے نزدیک اس سے نہ کپڑا واپس لیا جائیگا نہ اس کی قیمت کا تاوان، امام محمد کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائیگا اور رنگ سے جو زیادتی ہوئی ہے وہ واپس کر دی جائے گی۔ اور اگر سیاہ رنگ لیا تو طرفین کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتیں میں برابر ہیں۔

(۱)..... ابوداؤد، دارقطنی عن جابر، نسائی طبرانی، حاکم عن حارث بن حاطب ۱۲
(۲) طبرانی عن عبدالرحمٰن بن عوف (فی تہذیب الآثار)

باب قطع الطریق

باب رہزنی کے بیان میں

قولہ باب الخ سرقہ صغریٰ (چوری) کے بیان سے فراغت کے بعد سرقہ کبریٰ (راہزنی) کے احکام بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ اول کثیر الوقوع ہے اور ثانی قلیل الوقوع، راہزنی گو علانیہ ہوتی ہے تاہم حکام اور نائبین سے پوشیدہ ہی ہوتی ہے۔ اسلئے بنا بر مجاز اس کو بھی سرقہ کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں (۱) راہزن صاحب قوت وحشمت ہوں یا کوئی ایسا باقوت ہو جو امتناع پر قادر ہو۔ (۲) راہزنی شہر سے باہر ہو۔ شہر میں راہزنی نہیں ہوتی۔ البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک رات کے وقت میں شہر کے اندر بھی متحقق ہوسکتی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے (اختیار) (۳) دار الاسلام میں ہو (۴) مال ماخوذ بقدر نصاب ہو (۵) راہزن صاحب مال کے قرابت دار نہ ہوں (۶) راہزن قبل از توبہ گرفتار ہوں۔ توبہ کے بعد گرفتار ہونے سے حد ساقط ہو جائے گی۔

(شبلی، نہر، درر المنتقی)

اُخِذَ قَاصِدُ قَطْعِ الطَّرِيْقِ قَبْلَهٗ وَحُبِسَ حَتّٰى يَتُوْبَ وَاِنْ اَخَذَ مَالاً مَعْصُوْماً قُطِعَ يَدُهٗ وَرِجْلُهٗ

پکڑ لیا گیا رہزنی کا قصد کنندہ رہزنی سے قبل تو اس کو قید رکھا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اگر لے چکا مال معصوم تو کاٹا جائے اس کا ہاتھ پاؤں

مِنْ خِلَافٍ وَاِنْ قَتَلَ قُتِلَ حَدًّا وَاِنْ عَفَى الْوَلِيُّ وَاِنْ اَخَذَ وَقَتَلَ قُطِعَ وَقُتِّلَ وَصُلِّبَ

برخلاف اگر کسی کو مار ڈالا تو قتل کیا جائے گو ولی معاف کردے اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو ہاتھ کاٹا جائے قتل کیا جائے سولی پر چڑھایا جائے

اَوْ قُتِّلَ اَوْ صُلِّبَ وَيُصَلَّبُ حَيًّا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَيُبْعَجُ بَطْنُهٗ بِرُمْحٍ

یا صرف قتل یا صرف سولی پر چڑھایا جائے اور زندہ کو سولی پر لٹکایا جائے تین دن تک اور اس کے پیٹ میں نیزے سے چونکے لگائے جائیں

حَتّٰى يَمُوْتَ وَلَمْ يَضْمَنْ مَا اَخَذَ وَغَيْرُ الْمُبَاشِرِ كَالْمُبَاشِرِ وَالْقَتْلُ بِالْعَصَا وَالْحَجَرِ كَالسَّيْفِ

یہاں تک کہ مر جائے اور ضامن نہ ہوگا اس مال کا جو اس نے لیا ہو اور غیر مرتکب مثل مرتکب کے ہے اور لاٹھی پتھر مثل تلوار کے ہے

وَاِنْ اَخَذَ مَالًا وَجَرَحَ قُطِعَ وَبَطَلَ الْجَرْحُ وَاِنْ جَرَحَ فَقَطْ اَوْ قَتَلَ فَتَابَ اَوْ كَانَ بَعْضُ الْقُطَّاعِ غَيْرُ مُكَلَّفٍ

اگر اس نے مال بھی لیا اور زخمی بھی کیا تو ہاتھ پاؤں کاٹا جائیگا اور زخم کا قصاص باطل ہوگا اگر صرف زخمی یا قتل کیا پھر توبہ کرلی یا کوئی ڈاکو غیر مکلف

اَوْ ذَا رَحِمٍ مُحْرِمٍ مِنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ اَوْقَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ عَلَى الْبَعْضِ اَوْ قَطَعَ الطَّرِيْقَ لَيْلاً اَوْنَهَارًا بِمِصْرٍ اَوْبَيْنَ

یا مقطوع علیہ کا قرابتدار ہو یا اہل قافلہ ایک دوسرے پر رہزنی کریں یا ڈاکو ڈکیتی ڈالے رات کو یا دن کو شہر میں یا دو شہروں کے بیچ میں تو حد نہ ہوگی

مِصْرَيْنِ لَمْ يُحَدَّ فَاَقَادَ الْوَلِيُّ اَوْعَفٰى وَمَنْ خَنَقَ فِي الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهٖ

پس ولی قصاص لے یا معاف کرے جس نے گلا گھونٹا شہر میں کئی بار تو اس کو قتل کیا جائے۔

توضیح اللغۃ: یبعج: البطن چونکا لگانا، رمح نیزہ، قطاع جمع قاطع ڈاکو، خنق گلا گھونٹنا۔

تشریح الفقہ: قولہ اخذ الخ راہزن کے چند احوال ہیں (۱) راہزنی کے ارادہ سے نکلا اور کوئی چیز لینے اور کسی کو قتل کرنے سے پہلے گرفتار کرلیا گیا۔ تو اس صورت میں اس کو قید کیا جائیگا انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ اہ" میں نفی ارض سے یہی مراد ہے (۲) راہزنی کیلئے نکلا اور مال معصوم یعنی کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے چکا تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائیگا قال اللہ تعالیٰ "او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف" (۳) مال وال تو نہیں لیا لیکن کسی کو قتل کر ڈالا تو اس کو قتل کیا جائیگا اور یہ قتل بنا بر حد کے ہوگا نہ کہ از روئے قصاص یہاں تک کہ اگر اولیائے مقتول معاف کریں تو معاف نہ ہوگا کیونکہ یہ حق شرع ہے نہ کہ حق عبد (۴) مال بھی لیا

اور کسی کو قتل بھی کر ڈالا تو اس صورت میں حاکم کو چند امور کا اختیار ہے داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے پھر قتل کر دے اس کے بعد سولی پر لٹکا دے یا صرف قتل کر ڈالے یا صرف سولی پر چڑھا دے۔

قولہ والعصا الخ راہزن کی لاٹھی اور پتھر کا حکم تلوار کا سا ہے یعنی گو امام صاحب کے نزدیک پتھر اور لاٹھی کے ذریعہ قتل کرنے سے قصاص نہیں لیکن یہاں ہر صورت میں قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ جزا الطریق قصاص نہیں بلکہ جزا محاربہ ہے پس لاٹھی اور تلوار میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

قولہ وان اخذ الخ مال لیا اور کسی کو زخمی بھی کر دیا۔ تو اس صورت میں داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائیگا۔ اور زخم کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ قطع ید اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے کما مر۔

قولہ وان جرح الخ ان چھ مسئلوں میں حد نہیں۔ (۱) صرف زخمی کیا (۲) قتل کیا اور گرفتاری سے قبل توبہ کر لی (۳) راہزنوں میں کوئی غیر مکلف ہو جیسے بچہ، دیوانہ (۴) یا مقطوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو (۵) اہل قافلہ نے ایک دوسرے پر ڈکیتی ڈالی ہو۔ (۶) کسی نے رات کو یا دن کو ایک شہر میں یا دو شہروں کے درمیان راہزنی کی ہو۔ ان تمام صورتوں میں حد ساقط ہے۔ البتہ حقوق العباد کا مواخذہ ضروری ہوگا۔ یعنی قتل عمد کی صورت میں قصاص اور اخذ مال کی صورت میں مال واپس کرنا اگر موجود ہو ورنہ ضمان دینا واجب نہ ہوگا۔

كِتَابُ السِّيَر

اَلْجِهَادُ هُوَ فَرْضُ كِفَايَةٍ اِبْتِدَاءً فَاِنْ اَقَامَ بِهٖ قَوْمٌ سَقَطَ عَنِ الْكُلِّ وَاِلَّا اَثِمُوْا بِتَرْكِهٖ

جہاد فرض کفایہ ہے ابتداء میں کہ اگر کچھ لوگ کریں تو سب سے ساقط ہوجائیگا ورنہ سب گنہ گار ہونگے

وَلَا يَجِبُ عَلٰى صَبِيٍّ وَامْرَاَةٍ وَ عَبْدٍ وَ اَعْمٰى وَ مُقْعَدٍ وَ اَقْطَعَ

اور واجب نہیں ہے بچے پر عورت پر غلام پر اندھے پر اپاہج پر اور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے پر۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ حدود و جہاد ہر دو کا مقصد دفع فساد عن العباد ہے۔ مگر حدود کا معاملہ مسلمانوں سے متعلق ہے اور جہاد کفار سے ہوتا ہے اسلئے حدود کے بعد جہاد کو لا رہا ہے۔ سیر سیرۃ کی جمع ہے بمعنی عادت، طریقہ، طرز زندگی اور ہیئت، یقال ھو حسن السیرۃ وہ اچھی عادت والا ہے۔ اصطلاح میں اس کا اطلاق کفار کیساتھ جنگ کرنے اور اسکے متعلقات پر ہوتا ہے۔ جیسے لفظ مناسک کا اطلاق افعال حج پر امام شافعی کے نزدیک اس کا سبب کافروں کا کفر ہے اور ہمارے نزدیک ان کا برسر پیکار ہونا ہے۔

قولہ الجہاد الخ اگر بعض کے کرنے سے مقصد حاصل ہو جائے سب کی ضرورت واقع نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ کہ بعض کے کر لینے سے فرضیت سب سے ساقط ہو جائیگی اور اگر سب کی ضرورت ہو مثلاً دشمن مسلمانوں پر چڑھ آیا ہو تو اس وقت فرض عین ہے۔ نفس فرضیت کی دلیل اوامر قطعیہ ہیں۔ جیسے "قاتلوا المشرکین کافۃ، قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ" وغیرہ۔ سوال ان آیات کے عموم سے بچہ اور دیوانہ، عورت اور مریض مخصوص ہے۔ اور عام خص عنہ البعض ظنی الدلالۃ ہوتا ہے۔ جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ جواب بچہ اور دیوانہ کا خروج عقلاً ثابت ہے اور ایسی تخصیص سے عام ظنی نہیں ہوتا۔ اور عورت اور مریض ابتدا ہی سے جہاد کے مخاطب نہیں اور فرض کفایہ ہونا اس لئے ہے کہ جہاد فرض لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے کیونکہ یہ فی نفسہ افساد ہے یہ تو صرف دین الٰہی کو غالب کرنے اور مسلمانوں سے شر دور کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ تو جب یہ مقصد بعض سے حاصل ہو جائے تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جائیگا۔ سوال ظاہر آیات سے تو جہاد فرض عین معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرض کفایہ کہنا کیسے صحیح ہوا؟ جواب حق تعالیٰ نے آیت "لا یستوی القاعدون" کے آخر میں "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" فرمایا ہے کہ اگر جہاد ہمیشہ فرض عین ہوتا تو قاعدون سے نیکی کا وعدہ نہ ہوتا بلکہ وہ مستحق عذاب ہوتے۔

وَفَرْضُ عَيْنٍ اِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ فَتَخْرُجُ الْمَرْأَةُ وَالْعَبْدُ بِلَا اِذْنِ زَوْجِهَا وَسَيِّدِهٖ وَكُرِهَ الْجُعْلُ اِنْ وُجِدَ فَيْءٌ

اور فرض عین ہے اگر دشمن چڑھ آئے پس عورت بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا جہاد کے لئے نکلے اور مکروہ ہے مزدوری اگر بیت المال میں

وَاِلَّا لَا فَاِنْ حَاصَرْنَاهُمْ نَدْعُوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَسْلَمُوْا وَاِلَّا اِلَى الْجِزْيَةِ

مال پایا جائے ورنہ نہیں پس اگر ہم کافروں کا محاصرہ کریں تو ان کو اسلام کی دعوت دینگے اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ طلب کریں گے

فَاِنْ قَبِلُوْا فَلَهُمْ مَالَنَا وَعَلَيْهِمْ مَاعَلَيْنَا وَلَا نُقَاتِلُ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَى الْاِسْلَامِ

اگر وہ قبول کرلیں تو ان کے لئے وہ ہے جو ہمارے لئے ہے اور ان پر وہ ہے جو ہم پر ہے اور ہم نہ لڑینگے اس سے جس کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو

وَنَدْعُوْا نَدْبًا مَنْ بَلَغَتْهُ وَاِلَّا نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَنُحَارِبُهُمْ بِنَصْبِ[1] الْمَجَانِيْقِ وَحَرْقِهِمْ[2]

اور اسلام کی طرف بلائیں گے استحبابا اس کو جس کو دعوت پہنچ چکی ہو ورنہ اللہ کی مدد طلب کر کے ان سے لڑینگے منجنیقیں قائم کرنے ان کو جلانے

وَغَرْقِهِمْ وَقَطْعِ اَشْجَارِهِمْ وَاِفْسَادِ زُرُوْعِهِمْ وَرَمْيِهِمْ وَاِنْ تَتَرَّسُوْا بِبَعْضِنَا وَنَقْصُدُهُمْ

اور ڈبونے اور ان کے درخت اجاڑنے اور کھیتی برباد کرنے اور تیروں کی بھرمار کرنیکے ساتھ گو وہ ہم میں سے کسی کو سپر بنالیں اور ہم انہی کی نیت

وَنُهِيْنَا عَنْ اِخْرَاجِ مُصْحَفٍ[3] وَامْرَأَةٍ فِيْ سَرِيَّةٍ يُخَافُ عَلَيْهِمَا وَغَدْرٍ[4] وَغُلُوْلٍ وَمُثْلَةٍ

کرینگے اور منع کیا گیا ہے ہم کو قرآن اور عورت کو ایسے لشکر میں لیجانے سے جس میں ان پر خوف ہو اور دغا اور مال غنیمت میں خیانت اور مثلہ کرنے

وَقَتْلِ امْرَأَةٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَشَيْخٍ فَانٍ وَاَعْمٰى وَمُقْعَدٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ اَحَدُهُمْ ذَارَأْيٍ فِي الْحَرْبِ اَوْ مَلِكًا وَقَتْلِ اَبٍ

اور عورت اور غیر مکلف اور پیر فرتوت اور اندھے اور اپاہج کو قتل کرنے سے الا یہ کہ کوئی ان میں سے ذی رائے یا بادشاہ ہو اور مشرک باپ کے قتل کرنے سے

مُشْرِكٍ وَلْيَأْبَ الْاِبْنُ لِيَقْتُلَهٗ غَيْرُهٗ وَنُصَالِحُهُمْ وَلَوْ بِمَالٍ اِنْ خَيْرًا وَنَنْبِذُ

اور بیٹے کو چاہئے کہ وہ رک جائے تا کہ کوئی دوسرا اس کو مار ڈالے اور ہم ان سے صلح کریں گے گو بذریعہ مال ہو بشرطیکہ بہتر ہو اور صلح توڑ ڈالیں گے

لَوْ خَيْرًا وَنُقَاتِلُ بِلَا نَبْذٍ لَوْ خَانَ مَلِكُهُمْ وَالْمُرْتَدِّيْنَ بِلَامَالٍ فَاِنْ اُخِذَ لَمْ يُرَدَّ

اگر بہتر ہو اور ان سے لڑینگے صلح توڑے بغیر اگر ان کا بادشاہ خیانت کرے اور مرتدین سے لڑینگے مال لئے بغیر لیکن اگر لے لیا گیا تو واپس نہ کیا جائے

وَلَمْ نَبِعْ سَلَاحًا مِنْهُمْ وَلَانَقْتُلُ مَنْ اَمَنَهٗ حُرٌّ اَوْ حُرَّةٌ وَنَنْبِذُ لَوْ شَرًّا

اور ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت نہ کرینگے اور ان سے نہ لڑینگے جس کو کسی آزاد مرد یا عورت نے پناہ دیدی ہو اور توڑ ڈالیں گے اگر امن دینا برا ہوں

وَبَطَلَ اَمَانُ ذِمِّيٍّ وَاَسِيْرٍ وَتَاجِرٍ وَعَبْدٍ مَحْجُوْرٍ عَنِ الْقِتَالِ

اور ذمی اور قیدی اور تاجر اور قتال سے روکے گئے غلام کا امن دینا باطل ہے۔

توضیح اللغۃ: ھجم اچانک آ جانا۔ جعل جنگ کرنے والے کا وظیفہ، مجانیق جمع منجنیق، قلعہ کی دیوار پر پتھر وغیرہ پھینکنے کی مشین، حرق جلانا، اشجار جمع شجر درخت، زروع جمع زرع کھیتی، تترس اپنے آپ کو ڈھال سے چھپانا، سریۃ دستہ فوج، غدر عہد شکنی، غلول مال غنیمت میں خیانت کرنا، مثلہ ناک کان کاٹنا، مقعد: اپاہج، لیاب ابی یابی سے ہے انکار کرنا مراد رکنا، ننبذ، العہد توڑنا۔ خان خیانت کی، سلاح ہتھیار، عبد محجور: وہ غلام جس کو لڑائی کی اجازت نہ ہو۔

۱؎ کما نصب علیہ السلام علی الطائف[1] ۱۲ ۲؎ لانہ علیہ السلام احرق البویرۃ[2] (وہی نخل بنی النضیر) ۱۲ ۳؎ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسافروا بالقرآن فی ارض العدو[3] ۱۲
۴؎ قال علیہ السلام لاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا[4] ۱۲ (۱)...... ترمذی، ابوداؤد (مرسلا) ابن سعد (فی الطبقات) ۱۲ (۲)...... ائمہ ستہ ۱۲
(۳)...... الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عمر ۱۲ (۴)...... الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ فرض الخ اگر دشمن یک بارگی ہجوم کر آئے خواہ دشمن کافر ہو یا باغی تو جہاد فرض عین ہے اور تمام اہل اسلام کو نکلنا ضروری ہے۔ اگرچہ اہل حقوق اجازت نہ دیں۔ چنانچہ بیوی بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا بھی جہاد میں شرکت کریں گے۔ شرح ملتقی میں ہے کہ اگر دارالاسلام کے کسی شہر پر کفار ہجوم کر آئیں اور وہاں کے قریب والے لوگ دفع پر قادر ہوں تو ان کے حق میں جہاد فرض عین ہے۔ اور ان کے سوا دور والوں پر فرض کفایہ ہے اور اگر نزدیک والے عاجز ہوں یا کاہلی کریں تو دور والوں پر بھی فرض ہے' اسی طرح شدہ شدہ تمام اہل مشرق و اہل مغرب پر فرض عین ہوگا۔

قولہ و کرہ الجعل الخ فئی اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بلا قتال حاصل ہو۔ جیسے خراج اور جزیہ اور غنیمت اس کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتال حاصل ہو۔ مگر یہاں فئی مال غنیمت کو بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المال میں کوئی مال موجود ہو تو حاکم کو جہاد کے لئے رغبت سے مال لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ بیت المال ایسی ہی ضرورت کے لئے ہے نہ کہ حکام کے عیش و آرام کے لئے۔

قولہ فان حاصر ناھم الخ اگر مسلمان کافروں کا محاصرہ کرلیں تو اولاً ان کو اسلام کی طرف بلایا جائیگا۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اسلام کی دعوت دیئے بغیر قتال نہیں کیا[1]۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے اس انکار کریں تو پھر جزیہ دینے کی درخواست کی جائے بشرطیکہ وہ اہل جزیہ ہوں یعنی اہل کتاب یا آتش پرست یا عجمی بت پرست ہوں عرب کے مشرک اور مرتد نہ ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء جیوش کو اسی کا حکم فرمایا ہے[2]۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو مظلوم ہونے کی صورت میں ان کے لئے انصاف ہوگا جیسا کہ اہل اسلام کیلئے ہے اور ظالم ہونے کی صورت میں ان سے انتقام لیا جائیگا جیسا کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر اللہ کا نام لیکر ان سے قتال کیا جائیگا۔

قولہ ونصالح الخ اگر مسلمانوں کے حق میں کفار سے مصالحت کرلینا بہتر ہو تو صلح کرلینا جائز ہے اگرچہ صلح مال پر ہو۔ یعنی ان سے مال لیکر یا ان کو مال دیکر ہر صورت سے صلح کرنا جائز ہے قال تعالیٰ "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جایئے' یہ آیت گو مطلق ہے لیکن صلح بالاجماع بقید مصلحت مقید ہے اگر مصلحت نہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں۔

قولہ وننبذ الخ پھر اگر مسلمانوں کے حق میں صلح کو توڑ دینا بہتر ہو تو توڑ دینا بھی درست ہے۔ اب اگر ہنوز صلح کی مدت باقی ہو تو نقض صلح کا اعلان کر دیا جائیگا۔ تا کہ عہد شکنی کہ جو حرام ہے لازم نہ آئے قال تعالیٰ "واما تخافن من قوم خیانۃً فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحبّ الخائنین، ای، علیٰ سواء منکم ومنھم فی العلم بذلک" اور اگر صلح کی پوری مدت گزر چکی ہو تو اعلان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ صلح خود ہی باطل ہوگئی۔ اور اگر ان کے بادشاہ کی طرف سے خیانت ظاہر ہو تو نقض صلح کا اعلان کئے بغیر ان سے قتال کیا جائیگا کیونکہ حدیبیہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ان کے نقض عہد اور خیانت کی وجہ سے قتال کیا تھا۔

قولہ ولم نقتل الخ اگر کوئی مسلمان آزاد مرد یا عورت کسی کافر کو امن دیدے تو اس کو قتل نہیں کیا جائیگا اگرچہ امن دینے والا فاسق یا نابینا یا شیخ فانی ہو یا وہ بچہ اور غلام ہو جن کو لڑنے کی اجازت ہو۔ کیونکہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے حضرت ابوالعاص کو اور ام ہانی بنت ابی طالب نے حضرت عقیل کو امن دیا اور آپ نے اس کا جائز رکھا اور فرمایا "یجیز علی المسلمین ادناھم"[3]۔

قولہ وبطل الخ صحت امان محل خوف کے ساتھ مخصوص ہے تو جو شخص قتال نہیں کرسکتا اس کا امان دینا بے معنی ہے لہٰذا ذمی کا کسی کافر کو امان دینا باطل ہے۔ کیونکہ اہل اسلام پر ذمی کو ولایت نہیں۔ ہاں اگر امیر لشکر اس کو حکم کرے تو صحیح ہے۔ (بحر' نہر' زیلعی' در' عالمگیری) اسی طرح مسلمان قیدی اور مسلم تاجر جو دارالحرب میں ہو اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود کفار کے امان میں ہے' اسی طرح جس غلام کو قتال کی اجازت نہ ہو۔ اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں' امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے لقولہ علیہ السلام "ذمۃ المسلمین واحدۃ لیسعی بھا ادناھم" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی حیثیت سے امان بھی جہاد ہے۔ اور غلام محجور عن القتال ہے تو وہ امان کے سلسلہ میں بھی محجور ہوگا۔

---

[1] عبدالرزاق، حاکم، احمد طبرانی عن ابن عباس ۱۲ ع..... [2] الجماعۃ الا البخاری بریدۃ ۱۲ [3]..... طبرانی عن انس ۱۲

باب الغنائم وقسمتها

باب مال غنیمت اور اسکی تقسیم کے بیان میں

وَقِسمَتُهَا مَافتَحَ الْإِمَامُ عُنوَةً قَسَمَ بَيْنَنَا اَوْ اَقَرَّ اَهلَهَا وَوَضَعَ الْجِزيَةَ وَالْخِرَاجَ وَقَتَلَ الْاُسَارٰى

جس شہر کو امام غلبۃً فتح کرے تو اس کو ہمارے درمیان تقسیم کردے یا اس کے باشندوں کو برقرار رکھے اور جزیہ اور خراج مقرر کردے اور قیدیوں کو

اَوِ اسْتَرَقَّ اَوْ تَرَكَ اَحْرَارًا ذِمَّةً لَّنَا وَحَرُمَ رَدُّهُمْ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ وَالْفِدَآءُ وَالْمَنُّ وَعَقْرُ مَوَاشٍ

مار ڈالے یا غلام بنالے یا ان کو آزاد چھوڑ دے ذمی بنا کر اور حرام ہے ان کو دار الحرب واپس کرنا اور فدیہ لینا اور احسان کرنا اور ان مویشیوں کی کونچیں

اِنْ شَقَّ اِخْرَاجُهَا فَتُذْبَحُ وَتُحْرَقُ وَقِسْمَةُ الْغَنِيمَةِ فِيْ دَارِهِمْ لَا الْاِيْدَاعُ وَبَيْعُهَا قَبْلَهَا

کاٹنا جن کا نکالنا مشکل ہو بلکہ ان کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا نہ کہ سپرد کرنے کی غرض سے اور قبل از تقسیم اس کو

وَشَرِكَ الرِّدْءُ وَالْمَدَدُ فِيْهَا لَا السُّوْقِيُّ بِلَاقِتَالٍ وَلَامَنْ مَّاتَ فِيْهَا وَبَعْدَ الْاِحْرَازِ فِيْ دَارِنَا

فروخت کرنا اور شریک ہوگی کمک اور مدد مال غنیمت میں نہ کہ بازاری لوگ بلا قتال کے اور نہ وہ جو مر جائے دار الحرب میں اور دار الاسلام میں جمع

يُوْرَثُ نَصِيبُهُ وَيُنْتَفَعُ فِيْهَا بِعَلَفٍ وَطَعَامٍ وَّسَلَاحٍ وَدُهْنٍ بِلَاقِسْمَةٍ

ہونے کے بعد اس کا حصہ وارثوں کو دیا جائیگا اور نفع اٹھایا جاسکتا ہے چارہ سے اور کھانے سے اور لکڑی سے اور ہتھیار سے اور تیل سے بلا تقسیم

وَلَا يَبِيعُهَا وَبَعْدَ الْخُرُوْجِ مِنْهَا لَا وَمَا فَضَلَ رُدَّ اِلَى الْغَنِيمَةِ

اور ان کو فروخت نہ کرے اور دار الحرب سے نکلنے کے بعد نفع اٹھانا جائز نہیں اور جو بچ جائے وہ مال غنیمت میں واپس کردیا جائے

وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَ نَفْسَهُ وَطِفْلَهُ وَكُلَّ مَالٍ مَعَهُ اَوْ وَدِيْعَةٍ عِنْدَ مُسْلِمٍ

جو ان میں سے اسلام لے آئے وہ بچالیگا اپنی جان کو اور لڑکے کو اور ہر اس مال کو جو اس کے ساتھ ہو اور اس ودیعت کو جو کسی مسلمان

اَوْ ذِمِّيٍّ دُوْنَ وَلَدِهِ الْكَبِيْرِ وَزَوْجَتِهِ وَحَمْلِهَا وَعِقَارِهِ وَعَبْدِهِ الْمُقَاتِلِ

یا ذمی کے پاس ہو نہ کہ اپنے بڑے بیٹے اور بیوی اور اس کے حمل اور اپنی زمین اور اپنے جنگی غلام کو

توضیح اللغۃ: غنائم جمع غنیمت، عنوۃ بطور قہر وغلبہ، اسرٰی جمع اسیر قیدی۔ فداء مال جو چھڑانے کیلئے دیا جائے منّ احسان کرنا عقر کونچیں کاٹنا۔ مواش جمع ماشیۃ ڈھور، رد، مدد، سوقی بازاری، علف چارہ حطب لکڑی، سلاح ہتھیار، دہن تیل۔

تشریح الفقہ: قوله مافتح الخ جس شہر کو امام بطور قہر وغلبہ فتح کرے اس کے متعلق اسکو اختیار ہے چاہے خمس نکال کر باقی کو غازیوں کے درمیان تقسیم کردے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا اس صورت میں وہ زمین غازیوں کی مملوک ہوجائیگی اور اس میں عشر معین ہوگا اور چاہے تو وہاں کے کافروں کو بطور احسان برقرار رکھے جیسا حضرت عمر نے عراق میں کیا تھا کہ ان کے گھروں اور زمینوں کو انہیں کے تصرف میں رکھا اس صورت میں ان پر جزیہ اور خراج مقرر کیا جائیگا۔ "قیل الاول اولیٰ عند حاجة الغانمين ١٢"۔

قوله وقتل الاسرى الخ اور جن کافروں کو قید کرلیا گیا ہو ان کے متعلق امام کو اختیار ہے چاہے قتل کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کو قتل کیا تھا بشرطیکہ وہ مسلمان نہ ہوگئے ہوں اور چاہے تو ان کو غلام بنائے رکھے کیونکہ اس صورت میں دفع شر کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامل منفعت ہے۔ اور چاہے تو ان کو آزاد ذمی بنا کر چھوڑ دے جیسا کہ حضرت عمر نے کیا تھا بشرطیکہ وہ مشرکین اور مرتدین نہ ہوں کہ ان کا ذمی ہونا جائز نہیں۔ کما سیأتی۔

قولہ وحرم الخ کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں ان کو ازراہ احسان بدون کسی معاوضہ کے رہا کر دینا جائز نہیں کیونکہ فتح کے بعد غازی لوگ ان کے مالک ہو گئے تو اب مفت چھوڑنے میں ان کی حق تلفی ہے' امام شافعی نے اس کو جائز رکھا ہے۔ اور دلیل یہ آیت ہے۔ (۱ **فاما منا بعد واما فداء**) یعنی اس کے بعد یا تو احسان کیجیو یا کچھ معاوضہ لیجیو۔ جواب یہ ہے کہ یہ آیت سیف "قتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے منسوخ ہے کیونکہ من وفداء سورۃ محمد میں مذکور ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اور آیت سیف سورۃ براءۃ کی ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی' حضرت قتادہ' ضحاک' سدی' ابن جریج اوزاعی اسی طرف گئے ہیں۔ نیز جو کفار اہل اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آجائیں ان کو مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں چھوڑنا جائز نہیں۔ تمامی جنگ سے پہلے یا اس کے بعد کیونکہ وہ تقویت حاصل کر کے پھر لڑائی کا سامان بن جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک تمامی جنگ سے قبل مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور یہی امام صاحب سے ظاہر الروایہ ہے کیونکہ تخلیص مسلم کافر کے قتل سے بہتر ہے۔

قولہ وعقر مواش الخ اگر مال غنیمت میں کچھ مویشی ہوں اور ان کو دارالاسلام میں لانا شاق ہو تو ان کی کونچیں نہ کاٹی جائیں کیونکہ یہ حرام ہے بلکہ ان کو ذبح کر کے جلا دیا جائے۔ ذبح سے پیشتر جلانے کی اجازت نہیں کیونکہ جاندار کو آگ میں جلانا سوائے خدا کے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر جانوروں کو لانا مشکل ہو تو جلایا نہ جائے بلکہ دارالحرب میں چھوڑ دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے علاوہ کسی اور غرض سے بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے[1]' ہم کہتے ہیں کہ کسی غرض صحیح کے پیش نظر جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان وشوکت پامال کرنے سے زیادہ صحیح غرض اور کیا ہو سکتی ہے۔

قولہ وقسمة الغنيمة الخ اور دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ امام کے پاس بار برداری کا کوئی انتظام نہ ہو اور اس غرض سے وہ بطور امانت غازیوں پر تقسیم کر دے تا کہ وہ اس بہانے سے دارالاسلام میں پہنچ جائے اور وہاں پھر از سر نو تقسیم ہو تو جائز ہے' امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر مشرکین کو شکست فاش ہو چکی ہو تو دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں یہی حضرت عطاء کا قول ہے۔ بلکہ امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ بعجلت تمام دارالحرب ہی میں تقسیم کر لینا چاہیے۔ بجز قیدیوں کے کہ ان کی تقسیم دارالاسلام ہی میں آکر کی جائے گی اور یہ اختلاف دراصل اس بات پر متفرع ہے کہ ہمارے نزدیک غازیوں کا حق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ دارالاسلام میں آکر جمع نہ ہو جائے اور ان حضرات کے یہاں غلبہ حاصل کر لینے کے بعد غازیوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ (**والادلة فی المطولات**)۔

قولہ وشرک الخ جو مدد اور کمک غازیوں کو دارالحرب میں جا کر ملے وہ استحقاق غنیمت میں غازیوں کے برابر ہے پس وہ بھی مال غنیمت میں شریک ہوں گے لیکن لشکر والوں میں سے جو لوگ بازاری ہوں وہ شریک نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کا وہاں جانا قتال کی نیت سے نہیں۔ ہاں اگر وہ کفار سے قتال کریں تو بیشک شریک ہوں گے۔ "**وعند الشافعی فی قول یسهم لهم مطلقاً**"۔

قولہ وینتفع فیها الخ غازی لوگ دارالحرب میں مال غنیمت چارہ، کھانا، لکڑی، ہتھیار، تیل وغیرہ قبل از تقسیم بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ احادیث سے اس کی اجازت ثابت ہے[2]' مصنف نے ان اشیا کے انتفاع کو مطلق رکھا ہے لیکن صاحب وقایہ نے ہتھیار کے انتفاع کو مقید بحاجت کیا ہے اور ظہیریہ میں کل اشیا کے انتفاع کو امام کی اجازت کیساتھ مقید کیا ہے۔

۱۔ ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲

۲۔ ابوداؤد عن عبداللہ بن مغفل، بخاری عن ابن عمر ابوداؤد عن عبداللہ بن ابی اوفی بیہقی عن ہانی ۱۲

فَصلٌ فِي قِسمَةِ الغَنِيمَةِ لِلرَّاجِلِ سَهمٌ وَلِلفَارِسِ سَهمَانِ وَلَو لَهُ فَرَسَانِ وَالبَرَاذِينُ كَالعِتَاقِ

(فصل) پیادہ پا کے لئے ایک حصہ ہے اور سوار کے لئے دو حصے اگرچہ اس کے پاس دو گھوڑے ہوں اور ترکی گھوڑا عربی گھوڑے کے مانند ہے

لَا لِلرَّاحِلَةِ وَالبَغلِ وَالعِبرَةُ لِلفَارِسِ وَالرَّاجِلِ عِندَ المُجَاوَزَةِ وَلِلمَملُوكِ وَالمَرأَةِ وَالصَّبِيِّ وَالذِّمِّيِّ

نہ کہ اونٹ اور خچر اور اعتبار سوار ہونے اور پیادہ پا ہونے میں دارالاسلام سے بڑھنے کے وقت کا ہے اور غلام عورت بچے اور ذمی کے لئے

الرَّضخُ لَا السَّهمُ وَالخُمسُ لِليَتَامٰى وَالمَسَاكِينِ وَابنِ السَّبِيلِ وَقُدِّمَ ذَوِي القُربٰى الفُقَرَآءُ مِنهُم عَلَيهِم

تھوڑا سا عطیہ ہے نہ کہ پورا حصہ اور پانچواں حصہ یتامیٰ مساکین اور مسافروں کے لئے ہے اور مقدم کیا جائیگا ان میں سے قرابت دار فقراء کو ان پر

وَلَا حَقَّ لِاَغنِيَائِهِم وَذِكرُ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّبَرُّكِ وَسَهمُ النَّبِيِّ عَلَيهِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوتِهِ كَالصَّفِيِّ

اور مالداروں کا کوئی حق نہیں اور اللہ کا ذکر صرف تبرک کے لئے ہے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ آپ کی وفات کے سبب ختم ہو گیا جیسے صفی ختم ہو گیا

وَاِن دَخَلَ صَمعٌ ذُو مَنعَةٍ دَارَهُم بِلَا اِذنٍ خُمِّسَ فِيمَا اَخَذُوا وَاِلَّا لَا وَلِلاِمَامِ اَن يُّنَفِّلَ

اور اگر داخل ہوئی کوئی طاقتور جماعت دار الحرب میں بادشاہ کی اجازت کے بغیر تو خمس لیا جائیگا اس مال کا جو وہ لائیں ورنہ نہیں اور امام یہ کہہ کر زیادہ

بِقَولِهِ مَن قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ وَبِقَولِهِ لِلسَّرِيَّةِ جَعَلتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعدَ الخُمُسِ

دینے کا وعدہ کر سکتا ہے کہ جو کسی کو قتل کریگا اس کا ساز و سامان اسی کو ملے گا یا لشکر کے کسی دستہ سے کہہ دے کہ میں نے تمہارے لئے خمس کے بعد چوتھائی

وَيُنَفِّلُ بَعدَ الاِحرَازِ مِنَ الخُمُسِ فَقَط وَالسَّلَبُ لِلكُلِّ اِن لَم يُنَفِّل

مقرر کر دی اور جمع کرنیکے بعد زیادہ عطیہ صرف خمس میں سے دیا جائیگا اور مقتول کا ساز و سامان سب کے لئے ہوگا اگر زیادہ دینے کا وعدہ نہ کیا ہو

وَهُوَ مَركَبُهُ وَثِيَابُهُ وَسَلَاحُهُ وَمَا مَعَهُ

اور سلب مقتول کی سواری اس کے کپڑے اور ہتھیار اور ہر وہ مال ہے جو اس کے ساتھ ہو

سوار اور پیادہ پا کے درمیان مال غنیمت تقسیم کرنیکا بیان

توضیح اللغۃ: راجل پیادہ پا، فارس شہسوار، سہم حصہ، براذین جمع برذون: اسپ ترکی، عتاق عمدہ نسل والا عربی گھوڑا، راحلۃ اونٹ بغل خچر، عبرۃ اعتبار، رضخ تھوڑا سا عطیہ، صفی مال غنیمت کا وہ حصہ جو سردار اپنے لئے خاص کر لے، منعۃ شان و شوکت، ینفل حصہ سے زائد دے، سلب مقتول کا ساز و سامان۔

تشریح الفقہ: قولہ للراجل الخ غازیوں میں سے جو لوگ سوار ہوں امام اعظم اور امام زفر کے نزدیک ان کے دو حصے ہیں۔ اور جو لوگ پیادہ پا ہوں ان کا ایک حصہ ہے۔ حضرت علیؓ و ابو موسیٰ اشعریؓ سے بھی یہی مروی ہے' صاحبین' ائمہ ثلاثہ' ابن عباس' مجاہد' حسن' ابن سیرین' عمر بن عبدالعزیز' اوزاعی' ثوری' لیث' اسحاق' ابو عبیدہ' ابن جریر اور دیگر اہل علم کے نزدیک سوار کے تین حصے اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہے' گویا امام صاحب کے ہاں سوار اور سواری کا ایک ایک حصہ ہے اور ان حضرات کے ہاں گھوڑے کے دو حصے ہیں۔ دلیل حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے دو حصے مقرر فرمائے۔ اور گھوڑے سوار کا ایک حصہ۔"[1] اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں[2] "امام ابو حنیفہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے دو حصے مقرر فرمائے[3]" تو اس سلسلہ میں ہر دو قسم کی روایتیں موجود ہیں اور متعارض ہیں اس لئے امام صاحب نے دو حصوں کو وجوب پر اور تین حصوں والی روایات

(۱)...... الجماعۃ الا النسائی عن ابن عمر ۱۲ (۲)...... ابو داؤد عن ابی عمرۃ طبرانی، دار قطنی عن ابی، رہم و ابی کبشہ، بزار، دار قطنی، عن المقداد ابن راہویہ عن ابن عباس، احمد، دار قطنی عن الزبیر دار قطنی عن جابر و ابی ہریرہ و سہل بن ابی حثمہ، طبرانی عن عمر ۱۲ (۳)...... ابو داؤد عن مجمع طبرانی عن المقداد، واقدی عن الزبیر ابن مردویہ (فی تفسیر، فی سورۃ الانفال) عن عائشہ، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر، تفصیل کے لئے فتح، کشف، شرح نقایہ ملاحظہ ہو ۱۲۔

کو تنفیل یعنی انعام پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ ابطال روایت کی بہ نسبت جمع بین الروایات ہی اولیٰ ہے۔

قوله ولو له فرسان الخ اگر کوئی غازی دو گھوڑے لیکر جائے تو طرفین کے نزدیک اس کو ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کے دو دو حصے ملیں گے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے دو گھوڑوں کے دو دو حصے مقرر فرمائے تھے۔[۱] طرفین فرماتے ہیں کہ قتال دو گھوڑوں پر نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی گھوڑے پر ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایک ہی گھوڑے کا حصہ مقرر کیا جائیگا۔ نہ کہ دو کا جیسا کہ تین اور چار گھوڑوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ رہا حضرت زبیر کا قصہ سو اول تو صحیح روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار حصے عطا کئے تھے ایک خود ان کا ایک ان کی والدہ حضرت صفیہ کا اور دو ان کے ایک گھوڑے کے[۲] اور اگر پانچ کی روایت صحیح بھی ہو تو وہ تنفیل پر محمول ہے یعنی پانچواں حصہ بطور انعام تھا جیسا کہ آپ نے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے عطا کئے تھے حالانکہ آپ پیادہ پا تھے اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہوتا ہے۔[۳]

قوله والعبرة الخ سوار اور پیدل کے حصوں کا استحقاق وقت مجاوزت کے لحاظ سے ہے یعنی اگر دارالاسلام سے جدا ہوتے وقت سوار تھا تو سوار کا اور پیادہ پا تھا تو پیدل کا حصہ پائے گا پس اگر کوئی غازی دارالحرب میں سوار ہو کر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ دو حصوں کا مستحق ہے۔ اور اگر دارالحرب میں پیدل گیا اور وہاں جا کر گھوڑا خرید لیا تو ایک حصہ کا مستحق ہوگا امام شافعی کے یہاں تمام ہونے کا وقت معتبر ہے۔ "**کذافی عامة الکتب والظاهر من مذهبه انه یعتبر مجرد شهود الوقعة**"۔

قوله والخمس الخ آیت "**واعلموا انما غنمتم من شیء الخ**" میں مال غنیمت کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں اللہ کیلئے اور اللہ کے رسول کے لئے اور رسول کے قرابتداروں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کیلئے ہے اس میں لفظ اللہ جمہور کے نزدیک افتتاح کلام میں محض تعظیم و تبرک کے لئے ہے۔ جیسا کہ آیت "**قل الانفال لله والرسول الخ**" میں آیا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کو حصہ کی ضرورت نہیں حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے حضرت ابو العالیہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا حصہ خانہ کعبہ کی تعمیر اور مساجد کی ضروریات میں صرف ہوگا یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ تعمیر کعبہ اور مساجد کی ضروریات کو پورا کرنا اہل اسلام کا فرض ہے۔ نیز آنحضرت صلعم کا حصہ بھی آپ کی وفات کے بعد جمہور کے نزدیک ساقط ہوگیا۔ کیونکہ اب آپ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ آپ کا حصہ ہتھیاروں اور اسباب جہاد کی خرید میں صرف کرتے تھے۔ پھر اقارب کی خبر گیری انسان کی ذاتی حوائج میں داخل ہے اور جب آنحضرت صلعم ذاتی حوائج بشریہ سے مبرا ہوگئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہوگئے پس خمس کے مصارف صرف تین رہے۔ یتامیٰ، مساکین اور مسافرین جن میں جمہور کے نزدیک آنحضرت صلعم کی قرابت اور غیر قرابت کی کچھ قید نہیں کوئی البتہ امام زین العابدین کے نزدیک ان میں قرابت کی قید ہے۔

قوله وقدم الخ اعطاء خمس میں محتاج قرابتدار بنو ہاشم جو اصناف ثلثہ ہی میں سے ہیں یتامیٰ اور مساکین و مسافرین پر مقدم کئے جائیں گے یعنی بنو ہاشم کا یتیم اور یتیموں پر مقدم ہوگا اور ان کا مسکین دوسرے مسکینوں پر وہکذا۔

قوله وان دخل الخ اگر مسلمانوں کی کوئی باقوت جماعت دارالحرب مال لائے تو اس میں سے خمس لیا جائیگا اور صاحب قوت نہ ہو تو نہیں لیا جائیگا۔ کیونکہ خمس وظیفہ غنیمت ہے اور غنیمت وہ ہے جو غلبہ کیساتھ حاصل ہو پس ان کا لایا ہوا مال چھین جھپٹ کہلائیگا نہ کہ غنیمت۔

قوله وللامام الخ لوگوں کو قتال پر اکسانے کیلئے یا یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا تو مقتول کافر کا سب ساز و سامان اسی کو دیا جائیگا یا کسی دستہ کے متعلق کہدے کہ تم کو چوتھائی غنیمت ملے گی "**لا نه نوع تحریض و هو مندوب قال تعالیٰ. یاایها النبی حرض المؤمنین علی القتال**"۔

---

(۱)...... دار قطنی عن ابی عمرة، عبدالرزاق، واقدی عن الزبیر ۱۲ (۲)...... دار قطنی، احمد ۱۲
(۳)...... مسلم، ابن حبان، قاسم بن سلام عن سلمہ ۱۲ اعہ...... طبری عن ابن عباس، حاکم عبدالرزاق عن الحسن بن محمد بن الحنفیہ ۱۲

باب استیلاء الکفار

باب کافروں کے غلبے کے بیان میں

......التقیید بالترک والروم اتفاقی والمراد بهما الکفار من بلدین ۱۲

سَبَی التُّرکُ الرُّومَ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَکُوْهَا وَمَلَکْنَا مَا نَجِدُهٗ مِنْ ذٰلِکَ اِنْ غَلَبْنَا عَلَیْهِمْ

اہل ترک نے رومیوں کو قید کرلیا اور ان کا مال لے لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور ہم جو کچھ پائیں اس کے مالک ہو جائیں گے اگر ہم ان پر

وَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَکُوْهَا فَاِنْ غَلَبْنَا عَلَیْهِمْ فَمَنْ وَجَدَ مِنَّا مِلْکَهٗ قَبْلَ الْقِسْمَةِ اَخَذَهٗ

غالب ہوجائیں اور اگر وہ ہمارے مالوں پر غالب ہوجائیں تو جو اپنی کوئی شئ پائے تقسیم سے پہلے تو اس کو مفت لے لے

مَجَّانًا وَبَعْدَهَا بِالْقِیْمَةِ وَبِالثَّمَنِ لَوِ اشْتَرٰی تَاجِرٌ مِنْهُمْ وَاِنْ فُقِئَ عَیْنُهٗ وَاُخِذَ اِرْشُهٗ

اور تقسیم کے بعد قیمت کے ساتھ اور ثمن کے ساتھ اگر خرید لیا ہو تاجر نے کافروں سے گو اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی ہو اور تاوان لے لیا گیا ہو

فَاِنْ تَکَرَّرَ الْاِسْرُ وَالشِّرَاءُ اَخَذَ الْاَوَّلُ مِنَ الثَّانِیْ بِثَمَنِهٖ ثُمَّ الْقَدِیْمُ بِالثَّمَنَیْنِ وَلَمْ یَمْلِکُوْا حُرَّنَا

پس اگر قید ہونا اور خرید کرنا مکرر ہو تو مشتری اور دوسرے سے دام دیکر لے پھر پہلا مالک دونوں دام دیکر لے اور کافر مالک نہ ہوں گے ہمارے آزاد

وَمُدَبَّرَنَا وَاُمَّ وَلَدِنَا وَمُکَاتَبَنَا وَنَمْلِکُ عَلَیْهِمْ جَمِیْعَ ذٰلِکَ وَاِنْ نَدَّ اِلَیْهِمْ جَمَلٌ فَاَخَذُوْهُ

مدبر ام ولد اور مکاتبوں کے اور ہم ان کے سب لوگوں کے مالک ہوجائیں گے اور اگر کوئی اونٹ ان کے یہاں بھاگ گیا اور انہوں نے پکڑ لیا

مَلَکُوْهُ وَلَوْ اَبَقَ اِلَیْهِمْ قِنٌّ لَا فَلَوْ اَبَقَ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَاشْتَرٰی رَجُلٌ

تو مالک ہوجائیں گے اور اگر کوئی غلام ان کے یہاں بھاگ گیا تو مالک نہ ہونگے اور اگر غلام گھوڑے اور اسباب کے ساتھ بھاگ گیا اور کوئی شخص

کُلَّهٗ مِنْهُمْ اَخَذَ الْعَبْدَ مَجَّانًا وَغَیْرَهٗ بِالثَّمَنِ وَاِنِ ابْتَاعَ مُسْتَامِنٌ عَبْدًا مُؤْمِنًا وَاَدْخَلَهٗ دَارَهُمْ

ان سے خرید کرلے آیا تو غلام کو مفت اور اسباب کو قیمت کیساتھ لے سکتا ہے اگر کوئی مستامن کسی مؤمن غلام کو خرید کر اپنے ملک میں لے جائے

اَوْ اٰمَنَ عَبْدٌ ثَمَّهٗ فَجَآئَنَا اَوْ ظَهَرْنَا عَلَیْهِمْ عُتِقَ

یا کوئی غلام وہیں مسلمان ہوکر ہمارے پاس آجائے یا ہم ان پر غالب ہوجائیں تو غلام آزاد ہوجائیگا۔

توضیح اللغۃ: استیلاء غلبہ حاصل کرنا، سبی قید کیا، مجانا مفت، فقئی عینہ اسکی انکھ پھوڑ دی گئی، ارش دیت، الاسر: قید کرنا، ند۔البعیر، اونٹ کا بدک کر بھاگ جانا، ابق قن غلام بھاگ گیا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان غلبوا علی اموالنا الخ اگر حربی کافر مسلمانوں کے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے امام مالک کے یہاں دار الحرب میں لے جانا ضروری نہیں محض غلبہ پالینے سے ہی مالک ہوجائینگے۔امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک امام مالک کے قول کے موافق اور ایک ہمارے قول کے موافق۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفار مالک ہی نہ ہونگے۔کیونکہ مسلمان کا مال ہر طرح سے معصوم ہے "لقولہ علیہ السلام، فاذاقالو ھاعصموا منی دمائھم وموالھم" ہماری دلیل یہ آیت ہے "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم الخ" اس آیت میں مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ فقیر وہی ہوتا ہے جو کسی شئی کا مالک نہ ہو تو اگر کفار حصول غلبہ کی وجہ سے ان کے اموال کے مالک نہ ہوں تو مہاجرین کو فقراء کہنا صحیح نہیں۔کیونکہ اب تو وہ اغنیا ہیں۔

قوله وان غلبنا الخ حربی کافر مسلمانوں کا مال دار الحرب لے گئے اس کے بعد مسلمان ان پر غالب آ گئے تو اب جو مسلمان غازیوں کے درمیان مال تقسیم ہونے سے پہلے اپنی کوئی مملوک شئی پائے تو وہ اس کو مفت لے سکتا ہے۔ اور اگر تقسیم ہو چکی ہو تو پھر وہ بلا قیمت نہ لے سکے گا قیمت دینی پڑے گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر صاحب مال اپنی چیز قبل از تقسیم پائے تو وہ اس کا حق دار ہے اور اگر تقسیم کے بعد پائے تو وہ قیمت کے ساتھ لے سکتا ہے[1]۔ اگر کوئی تاجر اس چیز کو حربیوں سے خرید کر دار الاسلام میں لے آئے تو پھر اس قیمت کے ساتھ لینا ہوگا جس کے عوض وہ تاجر نے خریدی ہے اگر چہ وہ مملوک غلام ہو اور اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی ہو یا مشتری نے اس کا خون بہا لیا ہو اس واسطے کے اوصاف کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں پڑتی۔

قوله فان تکرر الخ ایک شخص کا غلام کوئی حربی کافر گرفتار کر کے دار الحرب لے گیا اور کوئی تاجر اس کو خرید کر دار الاسلام میں لے آیا اس کے بعد کافر پھر اس کو گرفتار کر کے لے گیا اور کوئی دوسرا تاجر خرید کر پھر دار الاسلام میں لے آیا تو مشتری اول اس غلام کو مشتری ثانی سے اس قیمت کے عوض لیگا جس کے عوض مشتری ثانی نے خریدا ہے کیونکہ گرفتاری مشتری اول کی ملک پر واقع ہوئی ہے لہٰذا وہی مقدم ہوگا اس کے بعد اس کا پہلا مالک دو قیمتیں دے کر لیگا کیونکہ غلام مشتری اول کو دو قیمتوں میں پڑا ہے۔

قوله وانّ ندّ الخ اگر مسلمانوں کا کوئی جانور کافروں کے یہاں بھاگ کر چلا گیا اور انہوں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور اگر کوئی غلام بھاگ کر ان کے یہاں چلا گیا تو غلام کے مالک نہ ہوں گے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جانوروں کا پانی ذات پر تصرف اور قبضہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ دار الاسلام سے نکلنے کے بعد وہ ظاہر ہو اور ملک کفار کے لئے مانع ہو بخلاف غلام کے کہ وہ جب تک دار الاسلام میں ہے اس وقت تک آقا کے تصرف کی وجہ سے اس کا تصرف ساقط الاعتبار ہے اور جب وہ دار الاسلام سے چلا گیا تو آقا کا تصرف زائل ہو گیا اور اس کا خود اپنا تصرف ظاہر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ معصوم بنفسہ ہو گیا لہٰذا وہ محل ملک نہ رہا۔

قوله وان ابتاع الخ ایک مستامن کافر نے مومن غلام کو دار الاسلام میں خریدا اور دار الحرب لے گیا تو وہ غلام امام صاحب کے نزدیک مفت آزاد ہو جائیگا۔ کیونکہ مسلمان کو کفر کی ذلت سے بچانا ضروری ہے۔ لہٰذا تباین دارین کو اعتاق کے قائم مقام کر دیا جائیگا اسی طرح کوئی غلام دار الحرب سے دار الاسلام لے آئے اور پھر دار الاسلام میں آ جائے یا کافروں پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے تو وہ غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی آزادی کا فیصلہ کیا اور ارشاد فرمایا۔ "هم عتقاء لله"[2]۔

باب المستامن[3]

باب مستامن کے بیان میں

دَخَلَ تَاجِرُنَا ثَمَّهُ حَرُمَ[4] تَعَرُّضُهُ لِشَيْءٍ مِّنْهُمْ فَلَوْ اَخْرَجَ شَيْئًا مَلَكَهُ[5] مَحْظُوْرًا

ہمارا کوئی تاجر وہاں گیا تو اس کے لئے ان کی کسی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے اور اگر وہ کوئی چیز لے آئے تو مالک ہو جائیگا مگر بطریق ممنوع

فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ فَاِنْ اَدَانَهُ حَرْبِيٌّ اَوْ اَدَانَ حَرْبِيًّا اَوْ غَصَبَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ

لہٰذا اس کو خیرات کردے پس اگر اسکو کوئی حربی یا وہ کسی حربی کو کچھ ادھار بیچے یا ان میں سے کوئی دوسرے کی چیز غصب کرے

---

(۱) ......دار قطنی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲

(۲) ......احمد ابن ابی شیبہ، طبرانی عن ابن عباس، ابوداؤد، (فی المراسیل عن عبدربہ بن الحکم، بیہقی عن عبداللہ بن مکرم الثقفی ۱۲)۔

(۳) اخرہ عن الاستیلاء لانہ یکون بالقہر والاستئمان یکون بعد القہر ۱۲ بحر

(۴) لانہ ضمن بالاستئمان ان لا یتعرض لہم فالتعرض بعد ذلک غدر وہو حرام ۱۲

(۵) لورود الاستیلاء علی مال مباح الا انہ حصل بسبب الغدر فاوجب خبثا فیؤمر بالتصدق ۱۲ از زیلعی وکشف

وَخَرَجَا اِلَيْنَا لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ وَكَذَا لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَامَنَا وَاِنْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ

اور پھر ہمارے پاس آئیں تو قاضی کچھ فیصلہ نہ کرے اسی طرح ہے اگر کافروں نے یہ کیا ہو اور پھر مستامن ہو گئے ہوں اور اگر وہ مسلمان ہو کر آئے

قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا لَا بِالْغَصَبِ مُسْلِمَانِ مُسْتَامِنَانِ قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ تَجِبُ الدِّيَةُ فِيْ مَالِهٖ

ہوں تو قرض کا فیصلہ کیا جائیگا نہ کہ غصب کا دو مسلمان مستامنوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی

وَالْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأِ وَلَاشَيْءَ فِي الْاَسِيْرِ وَغَيْرِهٖ سِوَى الْكَفَّارَةِ فِي الْخَطَأِ

اور خطاء کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا اور کچھ نہیں دو قیدیوں میں سوائے کفارہ کے خطاء کی صورت میں

كَقَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا اَسْلَمَ ثَمَّهٗ

جیسے کوئی مسلمان اس مسلمان کو قتل کر دے جو وہیں اسلام لے آیا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان ادانہ الخ. ایک مسلمان تاجر امن لیکر دار الحرب گیا وہاں کسی حربی نے اس کو خرید وفروخت وغیرہ کے ذریعہ مقروض کر دیا۔ یا مسلمان تاجر نے حربی کو مقروض کر دیا یا ان میں سے کسی نے دوسرے کی کوئی چیز غصب کر لی اور پھر دونوں فیصلہ کے لئے دار الاسلام نکل آئے تو حاکم ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہ کرے گا۔ اس واسطے کہ فیصلہ کے لئے ولایت کا ہونا ضروری ہے اور یہاں قاضی کو ولایت حاصل نہیں کیونکہ مقروض ہونا دار الحرب میں واقع ہوا ہے اور وہاں اسلام کی حکومت نہیں جو قاضی اس کے متعلق کچھ فیصلہ کرے اور بوقت قضا بھی حربی مستامن پر ولایت نہیں کیونکہ اس نے گزشتہ زمانہ میں اسلامی احکام کا التزام نہیں کیا بلکہ آئندہ کیلئے کیا ہے۔ اور غصب کی صورت میں اس لئے کوئی فیصلہ نہ ہوگا کہ دار الحرب قہر وغلبہ کا ملک ہے پس جو شخص کسی کے مال پر غالب ہوگا وہ اس کا مالک ہو جائیگا البتہ مسلمان کو شئی مغصوب واپس کر دینے کا فتویٰ دیا جائے گا (زیلعی) محقق کمال الدین نے یہ بھی کہا ہے کہ دین کی ادائیگی کا بھی فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً مطلب یہ ہے کہ جبراً حکم نہ کیا جائے گا بلکہ شرعی مسئلہ بتا دیا جائے گا اور اگر یہ دونوں فیصلہ چاہنے والے حربی ہوں اور ان میں وہ امور پیش آئیں جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ دونوں امن لیکر دار الاسلام میں آئیں تب بھی یہی حکم ہے کہ کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا لیکن اگر یہ حربی مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آئے تو ادائیگی دین کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن غصب کی صورت میں پھر بھی کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔

فَصْلٌ لَا يُمَكَّنُ مُسْتَامِنٌ فِيْنَا سَنَةً وَقِيْلَ لَهٗ اِنْ قُمْتَ سَنَةً تُوْضَعُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةُ فَاِنْ مَكَثَ بَعْدَهٗ سَنَةً

(فصل) نہ رہنے دیا جائیگا مستامن ہم میں ایک سال بلکہ کہہ دیا جائیگا کہ اگر سال بھر ٹھہرا تو تجھ پر جزیہ مقرر ہو جائیگا اب اگر وہ اس کے بعد بھی سال

فَهُوَ ذِمِّيٌّ فَلَمْ يُتْرَكْ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِمْ كَمَا لَوْ وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ اَوْ نَكَحَتْ ذِمِّيًّا لَا عَكْسُهٗ

بھر ٹھہرے تو ذمی ہو جائیگا اور دار الحرب جانے نہ دیا جائیگا جیسا کہ اگر اس پر خراج مقرر ہو جائے یا کوئی عورت ذمی سے نکاح کر لے نہ کہ اس کا عکس

فَاِنْ[1] رَجَعَ اِلَيْهِمْ وَلَهٗ وَدِيْعَةٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ اَوْ لَهٗ دَيْنٌ عَلَيْهِمَا حَلَّ دَمُهٗ

پس اگر وہ کفار کی طرف لوٹ جائے اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اس کی امانت ہو یا اس کے ذمہ ان کا قرض ہو تو اس کا خون حلال ہوگا۔

(مستامن دار الاسلام میں ایک سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا)

تشریح الفقہ: قولہ لا یمکن الخ حربی کافر کا ہمیشہ دار الاسلام میں رہنا جائز نہیں مگر دو شرطوں میں سے ایک کے ساتھ یا تو وہ غلام ہو یا جزیہ دینا قبول کر لے پس اگر حربی امن لے کر دار الاسلام میں آ جائے تو وہ پورے ایک سال تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے صاف طور پر کہہ دیا

[1] ای فان رجع الحربی المستامن الی دار الحرب وترک ودیعۃ عند مسلم او ذمی او دینہ علیہما حل دمہ بالعود الی دار الحرب لانہ ابطل امانہ بہ فعاد حربیا ۱۲ زیلعی

جائے گا کہ اگر تو ایک سال تک ٹھہرے گا تو ہم تجھ پر جزیہ مقرر کردیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر حربی زیادہ مدت تک ٹھہرے گا تو وہ کافروں کا جاسوس بن جائے گا۔ اس لحاظ سے اس کا دارالاسلام میں آنا ضرر سے خالی نہیں مگر بالکل روکا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ اس صورت میں غلہ وغیرہ کی آمد منقطع ہوجائے گی۔ اور تجارتی کاروبار کا دروازہ بند ہوجائے گا اس لئے ایک سال کی مدت کو حد فاصل قرار دیا جائیگا کیونکہ اس مدت میں جزیہ واجب ہوجاتا ہے۔

قوله فان مكث الخ اگر حربی مستامن امام کے صاف صاف کہہ دینے کے بعد بھی سال بھر تک ٹھہرے تو وہ ذمی ہے۔ اب وہ دارالحرب واپس جانا چاہے تو نہیں جاسکتا کیونکہ عقد ذمہ منعقد ہوجانے کے بعد ٹوٹا نہیں کرتا۔ اس طرح اگر حربی مستامن پر جزیہ مقرر ہوجائے یا کوئی حربیہ مستامنہ عورت کسی ذمی کیساتھ شادی کرلے اور پھر وہ دارالحرب جانا چاہے تو وہ روک لیا جائے گا کیونکہ شادی کرنے کی وجہ سے وہ حربیہ ذمیہ ہوگئی "**الالتزامها المقام معه**" لیکن اس کا عکس نہیں، یعنی اگر کوئی حربی شخص کسی ذمیہ عورت سے شادی کرلے تو وہ اس کی وجہ سے ذمی نہیں ہوگا۔ "**لعدم التزامه المقام فی دار.نالتمكنه من طلاقها فلا يمنع من الخروج الى دار الحرب**"۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِنْ اُسِرَ اَوْظُهِرَعَلَيْهِمْ فَقُتِلَ سَقَطَ دَيْنُهُ وَصَارَتْ وَدِيْعَتُهُ فَيْئًا وَاِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَيْهِمْ
اگر وہ قید کرلیا جائے یا ان پر غلبہ حاصل ہوجائے اور وہ مارا جائے تو اس کا قرض جاتا رہیگا اور اس کی امانت غنیمت ہوجائیگی اور اگر وہ بلا غلبہ مارا گیا

اَوْ مَاتَ فَقَرْضُهُ وَوَدِيْعَتُهُ لِوَرَثَتِهِ فَاِنْ جَآئَنَا حَرْبِيٌّ بِاَمَانٍ وَلَهُ زَوْجَةٌ ثَمَّهُ
یا اپنی موت مرگیا تو اس کا قرض اور امانت اس کے ورثہ کے لئے ہے ایک حربی امن لے کر ہمارے یہاں آیا اور دارالحرب میں اس کی بی بی اور بچہ

وَوَلَدٌ وَمَالٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَذِمِّيٍّ وَحَرْبِيٍّ فَاَسْلَمَ هٰهُنَا ثُمَّ ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَالْكُلُّ فَيْءٌ فَاِنْ اَسْلَمَ ثَمَّهُ
اور کچھ مال کسی مسلمان یا ذمی یا حربی کے پاس ہے وہ یہاں مسلمان ہوگیا اور کافر مغلوب ہوگئے تو کل اشیاء غنیمت ہوں گی اور اگر وہاں مسلمان ہوکر

فَجَائَنَا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَوَلَدُهُ الصَّغِيْرُ حُرٌّ مُسْلِمٌ وَمَا اَوْدَعَهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ لَهُ
ہمارے یہاں آیا اور کافروں پر غلبہ ہوگیا تو اس کا چھوٹا بچہ آزاد مسلمان ہوگا اور جو اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت رکھی ہو وہ اسی کی ہے

وَغَيْرُهُ فَيْءٌ وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَاءً لَا وَلِيَّ لَهُ اَوْحَرْبِيًّا جَآئَنَا بِاَمَانٍ
اور اس کے علاوہ سب غنیمت ہے اور جو شخص خطاء کسی مسلمان کو مار ڈالے جس کا کوئی ولی نہ ہو یا کسی کافر کو مار ڈالے جو امن لے کر ہمارے یہاں

فَاَسْلَمَ فَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ لِلْاِمَامِ وَفِي الْعَمَدِ الْقَتْلُ اَوِ الدِّيَةُ لَا الْعَفْوُ
آ گیا تھا اور مسلمان ہوگیا تھا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے اور اگر عمداً مار ڈالا تو اس میں قصاص یا دیت ہے نہ کہ عفو۔

تشریح الفقہ:

قوله فان اسر الخ اگر حربی مستامن دارالحرب واپس چلا جائے تو اس کا امان باطل ہوجاتا ہے لیکن صرف اس کی ذات کے حق میں۔ رہا اس کا مال جو وہ دارالاسلام میں چھوڑ گیا ہے۔ سو اس کے حق میں امان باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ باقی رہتا ہے اسی لئے اس کا مال خود اس کو اور اگر وہ مرجائے تو اس کے ورثہ کو دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں حربی مستامن کے اس مال کا حکم بیان کر رہا ہے۔ جو وہ دارالاسلام میں چھوڑ جائے۔ سو اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں جن میں سے تین صورتوں میں حربی مستامن کا قرض (جو کسی مسلمان یا ذمی کے ذمہ ہو) ساقط اور اس کا مال ودیعت (جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ہو) غنیمت ہوجاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) مسلمان دارالحرب پر غالب

آجائیں اور حربی مذکور کو قید کرلیں (۲) یا غلبہ حاصل کر کے اس کو قتل کر دیں (۳) غلبہ حاصل کئے بغیر اس کو قید کر لیں۔ مصنف کا قول ''فان اسر'' اور ''او (ظہر علیہم)'' ایک اور دو کا بیان ہے۔ ان صورتوں میں اس کی ودیعت کا غنیمت ہو جانا اس لئے ہے کہ وہ ودیعت تقدیراً اسی کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ مودع کا قبضہ مودع کے قبضہ کی مانند ہوتا ہے۔ ''فیصیر فیئاً تبعالنفسہ'' اور دین کے ساقط ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ دین پر قبضہ کا اثبات مطالبہ ہوتا ہے اور یہاں مطالبہ ساقط ہو چکا۔ جس کے ذمہ وہ دین ہے اس کا قبضہ عام لوگوں کے قبضہ سے اسبق ہے لہٰذا دین اسی کے لئے مخصوص ہوگا' چوتھی صورت یہ ہے کہ مسلمان دارالحرب پر غالب آجائیں اور حربی مذکور بھاگ نکلے' پانچویں صورت یہ ہے کہ مسلمان غلبہ حاصل کئے بغیر اس کو قتل کر دیں۔ یا وہ خود اپنی موت مر جائے۔ جس کو مصنف نے ''وان قتل ولم یظھر اومات'' سے بیان کیا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں حربی مذکور کا مال علی حالہ رہتا ہے۔ پس اگر وہ زندہ ہو تو اس کو دیا جائیگا۔ ورنہ اس کے ورثہ کو ملے گا۔

قولہ وان جاء نا الخ حربی کافر مسلمان سے امان لیکر دارالاسلام میں آ گیا۔ اور اپنے بیوی بچے (کچھ بالغ کچھ نابالغ) دار الحرب میں چھوڑ آیا اور کسی مسلمان یا ذمی یا حربی کے پاس اس کا کچھ مال بھی ہے۔ اب وہ یہاں آکر مسلمان یا ذمی ہو گیا اور مسلمانوں نے دارالحرب پر غلبہ پالیا تو اس مستامن کی بیوی' اولاد اور مال مذکور سب فئی یعنی مال غنیمت شمار ہوگا۔ بیوی اور بالغ اولاد تو اس لئے کہ بچہ جو باپ کے تابع ہو کر مسلمان قرار پاتا ہے وہ اس وقت ہے جب دارین متحد ہوں اور یہاں دارین متباین ہیں۔ کیونکہ بچہ دارالحرب میں ہے اور باپ دارالاسلام میں ہے۔ جو یہیں مسلمان ہوا ہے اور اس کا مال مذکور اس لئے غنیمت ہوگا کہ حربی مذکور کی صرف جان محفوظ ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کا ''مال لاختلاف الدارین ''فبقی الکل غنیمة''۔

قولہ وان اسلم ثمہ الخ اور اگر حربی مذکور دارالحرب میں ہی مسلمان ہو گیا۔ اور اپنی بیوی' بچے اور مال وہیں چھوڑ کر دارالاسلام میں آ گیا۔ پھر دارالحرب پر مسلمان غالب آ گئے تو اس کو نابالغ اولاد باپ کے تابع ہو کر آزاد اور مسلمان قرار پائیگی کیونکہ اس صورت میں دار متحد ہے۔ اس لئے کہ باپ وہیں رہتا ہوا مسلمان ہوا ہے جہاں اولاد ہے۔ اور اس کا جو مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ودیعت ہو وہ اسی کا رہے گا۔ ''لا نہ فی ید محترمة ویدہ کیدہ وما سوی ذلک فھو فئی''۔

قولہ ومن قتل مسلماً الخ کسی نے ایسے مسلمان کو خطاءً قتل کر دیا جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ یا ایسے حربی کو خطاءً قتل کیا جو امان طلب کر کے دارالاسلام میں آکر مسلمان ہو گیا تھا تو ان دونوں صورتوں میں مقتول کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی۔ جس کے وصول کرنے کی ذمہ داری امام پر ہوگی۔ وہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کریگا۔ اور اگر قتل مذکور عمداً ہو تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائیگا یا دیت لی جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ امام کی صواب دید پر ہے قصاص اور دیت میں سے جو مناسب ہو وہ کرے۔ یہ نہیں کہ مفت معاف کر دے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فاضل دارالعلوم دیوبند یوپی۔

باب العشر والخراج والجزیة

باب عشر وخراج اور جزیہ کے بیان میں

فَصْلٌ فِی الْعُشْرِ وَالْخِرَاجِ وَالْجِزْیَةِ اَرْضُ الْعَرَبِ وَمَااَسْلَمَ اَهْلُهٗ اَوْ فُتِحَ عُنْوَةً وَقُسِمَ بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ عُشْرِیَّةٌ

عرب کی زمین اور وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہوگئے ہوں یا غلبۃً فتح کی گئی ہو اور غازیوں میں تقسیم کردی گئی ہو عشری ہے

وَالسَّوَادِ وَمَا فُتِحَ عُنْوَةً وَاُقِرَّ اَهْلُهٗ عَلَیْهِ اَوْ صَالَحَهُمْ خِرَاجِیَّةٌ وَ لَوْ اُحْیِیَ مَوَاتٌ

اور سواد عراق اور وہ زمین جو غلبۃً فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو برقرار رکھا گیا ہو یا صلحاً فتح کی گئی ہو خراجی ہے اور اگر ویران زمین کو زندہ

یُعْتَبَرُ بِقُرْبِهٖ وَالْبَصْرَةُ عُشْرِیَّةٌ وَخِرَاجُ جَرِیْبٍ یَصْلُحُ لِلزَّرْعِ صَاعٌ وَدِرْهَمٌ

کرلیا گیا تو اس کے قرب کا اعتبار ہوگا اور بصرہ عشری ہے اور قابل زراعت زمین میں ایک جریب کا خراج ایک صاع اور درہم ہے

وَفِیْ جَرِیْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِی الْکَرْمِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ

اور ترکاری کی زمین میں ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں اور انگور اور کھجور کے گھنے درختوں والی زمین میں ایک جریب کا خراج دس درہم ہیں

وَاِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُظِفَ نُقِصَ بِخِلَافِ الزِّیَادَةِ وَلَاخِرَاجَ اِنْ غَلَبَ عَلَی الْاَرْضِ الْمَآءُ

اور اگر زمین مقرر کردہ مقدار کی متحمل نہ ہو تو محصول کم کردیا جائے بخلاف زیادتی کے اور خراج نہیں ہے اگر غالب ہوجائے زمین پر پانی

اَوِ انْقَطَعَ اَوْ اَصَابَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ وَاِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا اَوْ اَسْلَمَ اَوِ اشْتَرٰی مُسْلِمٌ اَرْضَ خِرَاجٍ

یا وہ منقطع ہوجائے یا کھیتی کو کوئی آفت پہنچ جائے اور اگر اس کا مالک اس کو بیکار کردے یا وہ مسلمان ہوجائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے

تَجِبُ وَلَا عُشْرَ فِیْ خَارِجِ اَرْضِ الْخِرَاجِ

تو خراج واجب ہوگا اور عشر نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** جس چیز کے ذریعہ حربی مستامن ذمی ہوجاتا ہے اس کے بیان کرنے کے بعد وظائف مالیہ کو ذکر کررہا ہے۔ جو ذمی پر ہونے کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ پھر عشر میں چونکہ معنی عبادت ہیں بخلاف خراج کے کہ وہ عقوبت محضہ ہے۔ اسلئے عشر کو مقدم کررہا ہے۔ عشر بضم عین دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔ اور خراج (مثلثۃ الخاء) اس کو کہتے ہیں جو غلام سے یا زمین کی پیداوار سے برآمد ہو۔ یعنی زمین وغیرہ کا محصول جزیہ اس مال کو کہتے ہیں جو مقہور کفار سے ان کے نفوس کے بدلے وصول کیا جائے۔

قولہ ارض العرب الخ کل کی کل اور وہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا ہو اور ہر وہ ملک جو بزور بازو وشوکت اسلام فتح کیا گیا ہو اور اس کی زمین غازیوں کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو۔ وہ سب عشری ہیں۔ کیونکہ عرب کے قبائل جو مسلمان ہوجاتے تھے ان کی زمینیں انہی کی ملک رہتی تھیں اور مفتوحہ زمین غازیوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ وہ غازیوں کی ملک ہوتی تھی۔ ان سب زمینوں پر کسی قسم کا کوئی خراج نہ تھا۔ البتہ اس کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر تھا۔ عرب کی زمین سے عشر کے سوا اور کسی قسم کا خراج لینا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین سے اس لئے عرب کی کل زمین عشری ہے۔

فائدہ: امام کرخی نے ذکر کیا ہے کہ عرب سے مراد زمین حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف، جنگل ہے بعض نے مکہ مکرمہ کو تہامہ میں داخل مانا ہے تہامہ وہ زمین ہے جو نجد سے نشیب میں ہے اور نجد اونچی زمین کا نام ہے اور حجاز اس زمین کا نام ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان فاصل ہے سرزمین عرب کی حدود یہ ہیں عذیب اور انتہاء یمن یعنی ارض مہرہ سے حدود شام تک طولاً اور جدہ اور اس کے ماوراء یعنی ساحل سے حدود شام تک عرضاً یمن اور ارض مہرہ کی انتہاء سے مراد سقط اور عدن کے درمیان کا مقام ہے۔

قولہ والسواد الخ سواد عراق کی زمین اور ہر وہ زمین جو قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو یا وہ صلحاً فتح کی گئی ہو یہ سب زمینیں خراجی ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق پر اس کے فتح ہونے کے بعد خراج ہی مقرر فرمایا تھا[1] جس کی تفصیل یہ ہے حضرت عمر کے زمانہ میں سواد عراق حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیرون عرب میں یہ پہلی عظیم الشان فتح تھی۔ حضرت عمر نے وہاں کی زمین غازیوں کے درمیان تقسیم کرنے کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو رائیں مختلف ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم نہ کیجئے تاکہ یہ مسلمانوں کا متفقہ سرمایہ رہے۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ اگر آپ نے اس کو تقسیم کردیا تو قوم کے ہاتھ میں بہت بڑی زمین ہوجائے گی اور ہوسکتا ہے کہ اس طرح ساری زمین شخص واحد کے ہاتھ میں چلی جائے اور بعد میں آنیوالے مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ ہم

---

[1] قاسم بن سلام (فی کتاب الاموال) عن ابراہیم التیمی، عبدالرزاق عن ابی مجلز، ابن ابی شیبہ عن ابی عون محمد بن عبید اللہ ۱۲

نے اس کو لڑ کر فتح کیا ہے لہٰذا ہمارے درمیان تقسیم کیجئے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو صرف حاضرین پر تقسیم کیا تھا۔ لیکن آخر میں یہی طے پایا کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی زمین وہیں کے کافروں کو دی اور ان کی ذات پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا اور تمام صحابہ نے اس سے اتفاق کیا۔

فائدہ: سواد عراق کی حدود یہ ہیں۔ عذیب سے عقبہ حلوان تک عرضاً اور علث سے عبادان تک طولاً ''عذیب بالتصغیر بنی تمیم'' کے ایک چشمہ کا نام ہے یہ کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے۔ یہیں عرب کے انتہا ہے اور سواد عراق کی ابتداء ہے۔ حلوان بضم حاء مہملہ ایک شہر کا نام ہے۔ ''علث بفتح عین مهمله وسكون لام وثاء مثلثه دجله'' کے مشرقی جانب میں ایک قریہ ہے جو عراق کی حد ہے۔

''عبادان بفتح عین مهمله و تشديد باء'' بصرہ کے پاس مشہور جزیرہ ہے سراج میں ہے کہ عراق کا طول مسافت کے لحاظ سے بائیس دن کی راہ ہے اور عرض دس دن کی راہ ہے صاحب بحر نے شرح وجیز سے نقل کیا ہے کہ سواد عراق کا طول ایک سو ساٹھ فرسنگ ہے اور عرض اسی فرسنگ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت حذیفہ کو بھیجا تا کہ سواد عراق کی پیمائش کریں انہوں نے کل زمین کی پیمائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی اور اسی پر خراج مقرر ہوا ایک جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے۔ شاہ کسریٰ کے ذراع سے جو سات مشت کا ہوتا تھا عام ذراع چھ مشت کا ہوتا ہے۔

(کذا فی المغرب)

قولہ وخراج جریب الخ میں جس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور اس میں کاشت ہو سکتی ہو اس کے ایک جریب کا خراج ایک درہم اور قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع غلہ ہے جو سب سے کم خراج ہے اور جو زمین اس سے بہتر ہو جس کو ارض رطبہ کہتے ہیں جس میں کدو، تربوز، بیگن اور دیگر ترکاریاں ہوتی ہوں اس کے ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں اور یہ اوسط درجہ کا خراج ہے اور جو زمین اس سے بھی اعلیٰ ہو جس میں انگور یا کھجور کے گھنے درخت ہوں اور پیداوار زیادہ ہوتی ہو اور محنت کم ہوتی ہو اس کے ایک جریب کا خراج دس درہم ہیں حضرت عمر نے اہل سواد پر خراج مقرر کیا تھا اس کی یہی تفصیل مروی ہے۔

قولہ وان لم تطق الخ جس زمین پر خراج کی کوئی مقدار مقرر کی گئی ہو اور زمین اس کی متحمل نہ ہو تو مقدار مقررہ میں کمی کی جا سکتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ جو مقدار اوپر مذکور ہوئی اس میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اگرچہ زمین اس کی متحمل ہو۔

قولہ ولا خراج الخ اگر کسی زمین پر پانی غالب آ جائے یا آبپاشی منقطع ہو جانے کی وجہ سے زمین پیداوار کے لائق نہ ہو رہی یا کھیتی پر کوئی سماوی آفت پہنچ جائے تو خراج معاف ہو جائیگا لیکن اگر کاشتکار کی کاہلی اور غفلت کیوجہ سے قابل زراعت زمین معطل ہو جائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے یا اور کسی طرح حاصل کر لے تو خراج ادا کرنا پڑے گا۔

قولہ ولا عشر الخ خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں یعنی عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہوتے امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں مختلف سببوں کیوجہ سے دو محلوں میں واجب ہوتے ہیں اس لئے ان کے جمع ہونے میں کوئی منافات نہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو غلبۃً فتح کی گئی ہو اور عشر اس میں واجب ہوتا ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔[1]

---

(۱)...... لا تجتمع العشر والخراج عندنا کما لا تجتمع العشر مع الزکوۃ وزکاۃ التجارۃ وصدقۃ الفطر وحد وعقر وجلد ورجم وقطع وضمان وتیمم ووضوء وحبل وحیض ونفاس وقد حصلها البعض الی نیف وعشرین ۱۲

فَصلٌ فِی الْجِزْیَةِ لَوْ وُضِعَتْ بِتَرَاضٍ لَایُعْدَلُ عَنھَا وَاِلَّا یُوْضَعُ عَلَی الْفَقِیْرِ الْمُعْتَمِلِ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ اِثْنَیْ عَشَرَ دِرْھَمًا

(فصل) جزیہ اگر طرفین کی رضامندی سے مقرر ہو تو اس سے عدول نہ کیا جائیگا ورنہ مقرر کیا جائیگا فقیر پر جو کما سکتا ہو ہر سال میں بارہ درہم

وَعَلٰی وَسْطِ الْحَالِ ضِعْفُهٗ وَعَلَی الْمُکْثِرِ ضِعْفُهٗ

اور درمیانی حال والے پر اس کا دوگنا اور مال دار پر اس کا دوگنا

جزیہ کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ الجزیۃ الخ جزیہ لغۃً بمعنی جزاء ہے بایں معنی کہ یہ قتل کا بدلہ ہوتا ہے یعنی اگر کافر جزیہ نہ دیتا تو قتل کیا جاتا اس کی جمع جزی ہے جیسے لحیۃ کی جمع لحی، جزیہ کی دو قسمیں ہیں جزیہ صلحی اور جزیہ قہری اگر وہ جزیہ کوئی مقدار بطور صلح و رضا معین ہو جائے تو اس سے عدول جائز نہیں کیونکہ اس کو بدل ڈالنا عہد شکنی ہے اور اگر بطور صلح معین نہ ہو بلکہ کافروں کے مغلوب ہونے اور ان کو املاک پر قائم رکھنے کے بعد ٹھہرا ہو تو اس کے تین درجے ہیں (۱) اگر کافر غریب ہو لیکن کھاتا کماتا ہو تو اس پر بارہ درہم سالانہ جزیہ مقرر ہوگا اور یہ ماہوار ایک درہم لیا جائے گا (۲) اگر اوسط درجہ کا آدمی ہو تو اس سے سالانہ چوبیس درہم لئے جائیں گے (۳) اور اگر مالدار ہو تو سالانہ اڑتالیس درہم لئے جائیں گے امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقیر ہو یا مالدار ہر ایک سے ایک دینار لیا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو فرمایا تھا کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرو[1] مصنف عبدالرزاق میں عورت سے بھی ایک دینار لینے کا حکم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے وہی مقدار منقول ہے جو اوپر مذکور ہوئی[2] رہی حدیث معاذ سو وہ بطریق صلح لینے پر محمول ہے "ولذا امر بالا خذمن الحاملة ولا جزیہ علیھما"۔

وَتُوْضَعُ عَلٰی کِتَابِیٍّ وَمَجُوْسِیٍّ وَوَثَنِیٍّ عَجَمِیٍّ لَاعَرَبِیٍّ وَمُرْتَدٍّ وَصَبِیٍّ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ وَمُکَاتَبٍ وَزَمِنٍ وَاَعْمٰی وَفَقِیْرٍ

اور مقرر کیا جائیگا کتابی پر آتش پرست پر اور عجمی بت پرست پر نہ کہ عربی بت پرست مرتد بچہ عورت غلام مکاتب اپاہج اندھے نہ کما سکنے والے فقیر

غَیْرِ مُعْتَمِلٍ وَرَاھِبٍ لَایُخَالِطُ وَتَسْقُطُ بِالْاِسْلَامِ وَالتَّکْرَارِ وَالْمَوْتِ

اور ایسے گوشہ نشین پر جو لوگوں سے میل جول نہ رکھتا ہو اور ساقط ہو جاتا ہے مسلمان ہونے اور مرجانے اور مکرر ہونے سے۔

تشریح الفقہ: قولہ وضع الخ اہل کتاب یہودی ہوں یا نصرانی اور مجوسی یعنی آتش پرست پر جزیہ مقرر کیا جائیگا۔ لقولہ تعالیٰ (من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة") نیز تین فریقوں کا جزیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا اس سے اول نجران اور ایلا کے لوگوں کا جو نصرانی تھے دوم دومۃ الجندل کا جس میں اکثر عرب کے یہود تھے اور یمن کے یہود کا سوم ہجر کے مجوس کا البتہ بت پرستوں سے جزیہ لینے میں اختلاف ہے کیونکہ کسی بت پرست سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزیہ لینا ثابت نہیں امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور بت پرست سب کا جزیہ قبول کرنا درست ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف اہل کتاب سے جزیہ لینا درست ہے بت پرستوں سے نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اہل کتاب کی قید ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل کتاب ہی سے لیا ہے جواب یہ ہے کہ آتش پرست اور بت پرست میں کوئی فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مجوسیوں کی حالت بت پرستوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ بت پرست خالق کے قائل ہیں اور مجوسی خالق خیر و خالق شر علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں مجوسی محرمات ابدیہ یعنی اپنی بیٹی اور بہن سے نکاح درست

---

(۱) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم عن معاذ ۱۲

(۲) ......ابن ابی شیبہ، ابن زنجویہ، ابن سعد عن عمر رضی اللہ عنہم ۱۲

کہتے ہیں بت پرست ان لغویات سے دور ہیں تو ان خرابیوں کے باوجود مجوسیوں سے جزیہ لیکر ان کو ان کے دین پر رہنے کی اجازت ہے تو بت پرستوں کو یہ اجازت کیوں نہ حاصل ہوگی، رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بت پرستوں سے جزیہ نہ لینا سو اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جب جزیہ کا حکم نازل ہوا اس سے پہلے تقریباً تمام بت پرست قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا اور اس کے بعد بت پرست قبائل سو جنگ کی نوبت نہیں آئی اہل کتاب سے مقاتلہ ہوا اور انہی پر جزیہ مقرر رہا۔

قولہ لاعربی الخ احناف وموالک کے یہاں گو اہل کتاب اور بت پرستوں پر جزیہ ہے مگر خالص عرب کے بت پرست اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں پیدا ہوئے اور ان ہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا وہ اس کے معنی اور فصاحت و بلاغت سے زیادہ واقف ہیں پس ان کا کفر شدید تر ہے لہٰذا حکم بھی سخت ہوگا یعنی یا اسلام قبول کریں یا مقتول ہوں نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ "جزیرہ عرب میں دو دین نہیں ہو سکتے"[1] اس لئے جزیہ لیکر وہاں بت پرستی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

قولہ والتکرار الخ اگر کسی سے چند سالوں کا جزیہ نہ لیا گیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک سالہائے گزشتہ کا جزیہ ساقط ہو جائے گا اور صرف سال رواں کا جزیہ لیا جائے گا صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگا بلکہ گزشتہ سالوں کا بھی جزیہ وصول کیا جائے گا یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے کیونکہ ہر سال کا جزیہ مستقل طور پر واجب ہے لہٰذا تاخیر سے ساقط نہ ہوگا امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جزیہ بطور عقوبت واجب ہوتا ہے اور جب عقوبات مجتمع ہوں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے لہٰذا ایک ہی سال کا واجب ہوگا۔

وَلَايُحْدَثُ[2] بِيعَةٌ وَلَاكَنِيسَةٌ فِيْ دَارِنَا وَيُعَادُ الْمُنْهَدِمُ وَيُمَيَّزُ الذِّمِّيُّ عَنَّا فِي الزِّيِّ وَالْمَرْكَبِ وَالسَّرْجِ

اور کوئی نیا کلیسہ اور گرجا دار الاسلام میں نہ بنایا جائے ہاں منہدم کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے اور ممتاز رکھا جائے ذمی کو ہم سے ہیئت اور سواری اور زین

فَلَايَرْكَبُ خَيْلًا وَلَايَعْمَلُ بِالسِّلَاحِ وَيُظْهِرُ الْكُسْتِيجَ وَيَرْكَبُ سَرْجًا كَالْأَكُفِّ وَلَايَنْقُضُ عَهْدُهُ بِالْإِبَاءِ عَنِ الْجِزْيَةِ

میں پس نہ وہ گھوڑے پر سوار ہو اور نہ ہتھیار استعمال کرے اور ظاہر رکھے زنار کو اور سوار ہو پالان جیسی زین پر اور نہیں ٹوٹتا اس کا عہد ذمہ جزیہ سے

وَالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ وَقَتْلِ مُسْلِمٍ وَسَبِّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلْ بِاللَّحَاقِ ثَمَّهُ

انکار کرنے مسلمان عورت کیساتھ زنا کرنے مسلمان کو مار ڈالنے اور حضور ﷺ کی شان میں بدگوئی کرنے سے بلکہ ٹوٹتا ہے دار الحرب چلے جانے

اَوْ بِالْغَلَبَةِ عَلٰى مَوْضِعٍ لِلْحَرْبِ وَصَارَ كَالْمُرْتَدِّ وَيُؤْخَذُ مِنَ التَّغْلِبِيِّ وَالتَّغْلِبِيَّةِ بِالْغِيْنِ

یا لڑائی کی تیاری کیلئے کسی جگہ پر غالب آجانے سے ان چیزوں سے وہ مرتدین کی مانند ہو جاتے ہیں اور لیا جائے تغلبی مرد و عورت سے جو بالغ ہوں

ضِعْفَ زَكٰوتِنَا وَمَوْلَاهُ كَمَوْلَى الْقُرَيْشِ فِي الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ وَمَالُ التَّغْلِبِيِّ وَهَدِيَّةُ اَهْلِ الْحَرْبِ وَمَااَخَذْنَا مِنْهُمْ

ہماری زکوٰۃ سے دو چند اور ان کا آزاد کردہ غلام قریشیوں کے آزاد کردہ کی طرح ہے اور جزیہ اور تغلبی کا مال اور کافروں کا ہدیہ اور جو مال ہم ان سے

بِلَا قِتَالٍ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِنَا كَسَدِّ الثُّغُوْرِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِيْرِ وَالْجُسُوْرِ

بلا قتال حاصل کریں اس کو ہماری بہتری میں صرف کیا جائے مثلاً حد بندی اور چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنے

وَكِفَايَةِ الْقُضَاةِ وَالْعُمَّالِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيهِمْ وَمَنْ مَاتَ فِيْ نِصْفِ السَّنَةِ حُرِمَ عَنِ الْعَطَاءِ

اور قاضیوں عالموں سپاہیوں اور ان کی اولاد کے روزینے میں اور جو شخص مرجائے سال کے بیچ میں تو وہ محروم ہوگا سالانہ بخشش سے۔

توضیح اللغۃ: بیعۃ کلیسا، کنیسہ گرجا، زی ہیئت، سرج زین، کستیج زنار کے علاوہ ایک دھاگا جس کو ذمی اپنے لباس پر باندھتے تھے اکف

---

[1] ابن راہویہ، عبد الرزاق عن ابی ہریرۃ ۱۲ [2] لقولہ علیہ السلام، لاخصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ (بیہقی، قاسم بن سلام، ابن عدی مرفوعاً وابو الاسود موقوفاً علی عمر ۱۲

جمع اکاف پالان، سب گالی دینا ضعف دوچند، ثغور جمع ثغر سرحد قناطر قنطرۃ پل، بلند عمارت، جسور جمع جسر پل ذراری جمع ذریۃ:

تشریح الفقہ: قولہ ویو خذمن تغلبی الخ تغلبی تغلب (بکسر لام) ابن وائل بن ربیعہ کی طرف منسوب ہے یہ عرب کی ایک قوم تھی' جو زمانہ جہالت میں نصرانی ہوگئی تھی حضرت عمر نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ جس طرح تم عربوں سے یعنی مسلمانوں سے مال کا صدقہ وصول کرتے ہو اسی طرح ہم سے لے لو حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم مشرکوں سے صدقہ نہیں لے سکتے اس پر ان میں سے کچھ ناراض ہو کر روم چلے گئے اور کچھ منتشر ہو گئے آخر نعمان بن زرعہ کے مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ ان سے جزیہ میں دگنی زکوٰۃ لی جائے اور صدقہ کے نام سے لی جائے چنانچہ اسی پر معاہدہ ہو گیا اور چونکہ زکوٰۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے بھی دگنی زکوٰۃ مقرر ہوئی۔

قولہ ومولاہ الخ تغلبی کے آزاد غلام سے بھی جزیہ اور خراج لیا جائے گا جیسا کہ قرشی کے آزاد غلام سے لیا جاتا ہے اور حدیث ''ومولیٰ القوم منھم بالا جماع'' حرمت صدقہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جس قوم کو صدقہ لینا درست نہیں تو اس قوم کے آزاد غلام کو بھی صدقہ لینا درست نہیں۔

باب المرتدین

باب مرتدین کے بیان میں

يُعْرَضُ الْاِسْلَامُ عَلَى الْمُرْتَدِّ وَتُكْشَفُ شُبْهَتُهٗ وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ

پیش کیا جائے گا اسلام مرتد پر اور دور کیا جائیگا شبہ اور قید رکھا جائیگا تین روز تک پس اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا

وَاِسْلَامُهٗ اَنْ يَّتَبَرَّءَ عَنِ الْاَدْيَانِ سِوَى الْاِسْلَامِ اَوْ عَمَّا انْتَقَلَ اِلَيْهِ وَكُرِهَ قَتْلُهٗ

اور اس کا مسلمان ہونا یہ ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ تمام دینوں سے یا جس کی طرف وہ مائل ہوا ہے اس سے بیزار ہو اور مکروہ ہے اس سے قبل اس کو قتل

وَلَمْ يَضْمَنْ قَاتِلُهٗ وَلَاتُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ بَلْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ

کرنا لیکن اس کا قاتل ضامن نہ ہوگا اور نہ قتل کیجائے مرتدہ عورت بلکہ قید کیجائے یہاں تک کہ اسلام لے آئے

وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ مَالِهٖ زَوَالًا مَوْقُوْفًا فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَ مِلْكُهٗ

اور زائل ہو جاتی ہے مرتد کے مال سے اس کی ملکیت بزوال موقوف کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت لوٹ آئے گی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ کفر اصلی کے احکام سے فراغت کے بعد کفر طاری کے احکام بیان کر رہا ہے' مرتد لغت میں مطلقاً پھر جانیوالے کو کہتے ہیں۔ ایمان سے پھرے یا غیر ایمان سے اور اصطلاح شرع میں خاص کر دین اسلام سے پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں ارتداد ظاہری کا رکن ایمان کے بعد زبان پر کلمہ کفر جاری کرنا ہے اس کی صحت کے لئے عقل و ہوشیاری اور خود مختاری شرط ہے پس مجنون و بے ہوش وسواسی طفل نافہم' مست اور اس شخص کا مرتد ہونا صحیح نہیں جس پر زبردستی کی گئی ہو اشباہ میں ہے کہ اگر مست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرے تو قتل کیا جائے گا اور قصور معاف نہ ہوگا لیکن بحرالرائق میں یہ قید ہے کہ اس کا سکر حرام چیز سے ہو اور اس نے نشہ آور چیز بخوشی استعمال کی ہو ورنہ وہ مجنون کے مانند ہے۔

قولہ یعرض الخ جو شخص مرتد ہو جائے تو حاکم اس پر اسلام پیش کرے بطریق استحباب (صحیح مذہب یہی ہے) اور یہ دین کے معاملہ میں اس کو جو شبہ پیدا ہو گیا ہو اس کو دور کیا جائے اور تین روز تک قید میں رکھا جائے بشرطیکہ وہ مہلت طلب کرے امام شافعی کا بھی صحیح

مذہب یہ ہے اب اگر وہ اسلام قبول کرلے تو بہتر ہے ورنہ قتل کردیا جائے "لقوله صلعم' من بدل دينه فاقتلوه' "۔ (۱)

قوله ولا تقتل الخ اگر کوئی عورت مرتد ہوجائے خواہ وہ آزاد یا باندی ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید رکھا جائیگا جب تک کہ وہ اسلام نہ لائے ائمہ ثلاثہ لیث' زہری' نخعی' اوزاعی' مکحول اور حضرت حماد فرماتے ہیں کہ اس کو بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ حدیث مذکور میں کلمہ من عام ہے جو مرد و عورت ہر دو کو شامل ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلعم نے قتل نساء سے منع فرمایا ہے۔ (۲)

قوله ويزول الخ مرتد کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے مگر بزوال موقوف یعنی اگر وہ مسلمان ہوجائے تو اس کی ملک لوٹ آئے گی صاحبین کے نزدیک اس کی ملک زائل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ مکلف ہے اور مال کے بغیر کوئی معاملہ نہیں کرسکتا لہٰذا جب تک وہ قتل نہ ہو اس وقت تک ملک باقی رہے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ حربی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مقہور ہے اور مقہوریت مملوکیت کی علامت ہے جو موجب زوال ملک ہے مگر چونکہ اس پر اسلام قبول کرنا ضروری ہے اور اسلام قبول کرنے کی امید بھی ہے اس لئے زوال ملک کو موقوف رکھا جائے گا۔

وَاِنْ مَاتَ عَلٰى رِدَّتِهٖ وَرِثَ كَسْبَ اِسْلَامِهٖ وَارِثُهُ الْمُسْلِمُ بَعْدَ قَضَآءِ دَيْنِ اِسْلَامِهٖ وَكَسْبُ رِدَّتِهٖ

اور اگر مرجائے یا قتل کردیا جائے ارتداد پر تو وارث ہوگا اس کے اسلام کی کمائی کا اس کا مسلم وارث اسلامی قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور اس کے ارتداد

فَیْءٌ بَعْدَ قَضَآءِ دَيْنِ رِدَّتِهٖ وَاِنْ حُكِمَ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُهٗ وَاُمُّ وَلَدِهٖ

کی کمائی غنیمت ہوگی ارتدادی قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور اگر حکم کردیا گیا اس کے دارالحرب جاملنے کا تو اس کا مدبر اور اس کی ام ولد آزاد ہوجائیگی

وَحَلَّ دَيْنُهٗ وَتَوَقَّفَ مُبَايَعَتُهٗ وَعِتْقُهٗ وَهِبَتُهٗ فَاِنْ اٰمَنَ نَفَذَ وَاِنْ هَلَكَ بَطَلَ

اور اس کا قرض حلال ہوجائیگا اور موقوف ہوگا اس کا فروخت کرنا اور آزاد کرنا اور ہبہ کرنا پس اگر وہ ایمان لے آئے تو نافذ ہوں گے ورنہ باطل

وَاِنْ عَادَ مُسْلِمًا بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهٖ فَمَا وَجَدَهٗ فِیْ يَدِ وَارِثِهٖ اَخَذَهٗ وَاِلَّا لَا وَلَوْ وَلَدَ اَمَةٌ لَهٗ نَصْرَانِيَّةٌ

اور اگر وہ مسلمان ہوکر آجائے دارالحرب جاملنے کے بعد تو جو کچھ وہ اپنے ورثہ کے بعد پائے اس کو لے لے ورنہ نہیں اور اگر بچہ جنا اس کی نصرانی

لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ اِرْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِیَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَهُوَ اِبْنُهٗ حُرٌّ وَلَا يَرِثُهٗ

باندی نے چھ ماہ کے اندر اس کے مرتد ہونے سے اور مرتد نے اس کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور بچہ اس کا بیٹا ہوگا آزاد مگر اس کا وارث نہ ہوگا

وَلَوْ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الْاِبْنُ اِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ اَوْلَحِقَ بِدَارِالْحَرْبِ وَاِنْ لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهٖ

اور اگر باندی مسلمان ہو تو بچہ وارث ہوگا اگر وہ ردت پر مرجائے یا دارالحرب میں جاملے اور اگر مرتد اپنے مال کے ساتھ دارالحرب چلا گیا

فَظُهِرَ عَلَيْهِ فَهُوَ فَیْءٌ فَاِنْ رَجَعَ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ وَذَهَبَ بِمَالِهٖ وَظُهِرَ عَلَيْهِ فَلِوَارِثِهٖ

پھر اس پر غلبہ حاصل ہوگیا تو وہ غنیمت ہوگا اور اگر وہ دارالاسلام واپس ہوکر مال لیجائے پھر اس پر غلبہ حاصل ہوجائے تو اس کا مال اس کے ورثہ کا ہوگا

فَاِنْ لَحِقَ وَقُضِیَ بِعَبْدِهٖ لِاِبْنِهٖ فَكَاتَبَهٗ فَجَآءَ مُسْلِمًا فَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَآءُ لِمُوَرِّثِهٖ

پس اگر وہ دارالحرب چلا گیا اور اس کے بیٹے کیلئے اس کے غلام کا حکم کردیا گیا اور پھر وہ مسلمان ہوکر آگیا تو مکاتب اور ولاء اس کے مورث کیلئے

فَاِنْ قَتَلَ مُرْتَدٌّ رَجُلًا خَطَئًا وَلَحِقَ اَوْقُتِلَ فَالدِّيَةُ فِیْ كَسْبِ الْاِسْلَامِ وَلَوِارْتَدَّ بَعْدَ الْقَطْعِ عَمَدًا

ہوگی اگر مرد کسی کو خطاءً قتل کرکے دارالحرب چلا جائے یا مارا جائے تو دیت اسلامی کمائی سے ادا ہوگی اور اگر مرتد ہوگیا عمداً ہاتھ کاٹنے کے بعد

۱۔ بخاری ابن شیبہ، عبدالرزاق عن ابن عباس، طبرانی عن معاویہ بن حیدۃ وعائشہ ۱۲

۲۔ ..... الجماعۃ الا ابن ماجہ ۱۲

فَمَاتَ مِنْهُ اَوْلَحِقَ فَجَآءَ مُسْلِمًا مِنْهُ ضَمِنَ الْقَاطِعُ نِصْفَ الدِّيَةِ فِيْ مَالِهِ
اور وہ اس کی وجہ سے مرگیا یا دار الحرب چلا گیا اور مسلمان ہو کر آ گیا پھر اس کی وجہ سے مرگیا تو قاطع اپنے مال میں سے نصف دیت کا ضامن ہوگا

لِوَرَثَتِهٖ فَاِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَاَسْلَمَ وَمَاتَ ضَمِنَ وَلَوْ اِرْتَدَّ مُكَاتَبٌ وَلَحِقَ
مرتد کے ورثہ کے لئے اور اگر وہ دار الحرب نہ جائے اور مسلمان ہو کر مر جائے تو کل دیت کا ضامن ہوگا اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے

فَاُخِذَ بِمَالِهٖ وَقُتِلَ فَمُكَاتَبَتُهٗ لِمَوْلَاهُ وَمَابَقِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَلَوْ اِرْتَدَّ زَوْجَانِ فَلَحِقَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا
اور مع مال گرفتار ہو کر مارا جائے تو بدل کتابت اس کے آقا کا ہوگا اور باقی اس کے ورثہ کا اگر زوجین مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے وہاں ان کے بچہ ہوا

وَوُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ فَيُجْبَرُ الْوَلَدُ عَلَى الْاِسْلَامِ لَا وَلَدُ الْوَلَدِ
اور ایک پوتا بھی ہو گیا اور سب پر غلبہ حاصل ہو گیا تو دونوں بچے غنیمت ہوں گے اور لڑکے کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا نہ کہ پوتے کو

وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الْعَاقِلِ صَحِيْحٌ كَاِسْلَامِهٖ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ وَلَايُقْتَلُ
سمجھدار بچے کا مرتد ہونا صحیح ہے جیسے اس کا اسلام لانا اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا جان سے نہ مارا جائیگا۔

مرتدین کے احکام کی تفصیل!

تشریح الفقہ : قولہ فان مات الخ اگر مرتد بحالت ارتداد مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کے مسلمان ورثہ دور اسلام کی کمائی کے وارث ہونگے اور اسی کمائی سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا جو اس کے ذمہ اسلام کے زمانہ کا ہوگا اور زمانہ ارتداد کی کمائی غنیمت ہوگی اور جو قرضہ زمانہ ارتداد کا ہوگا وہ اسی کمائی سے چکایا جائے گا' صاحبین کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی ورثہ کیلئے ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کو غنیمت میں داخل کیا جائے گا کیونکہ مرتد کافر کا وارث نہیں ہوتا اب یہ مال چونکہ ایک حربی کا ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ردت کے بعد مرتد کی ملکیت اس کے ان دونوں کمائیوں میں باقی ہے (کما مر) پس اس کے مرنے کے بعد یہ ملک اس کے ورثہ کے طرف منتقل ہو جائیگی اور ردت سے تھوڑے قبل کے زمانہ کی طرف مسند ہوگی **فیکون توریث المسلم لا توریث المسلم من الکافر**" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دور اسلام کی کمائی تو مسند ہو سکتی ہے کیونکہ ردت سے قبل موجود ہے لیکن دور ردت کی کمائی میں یہ چیز نہیں چل سکتی کیونکہ وہ ردت سے قبل موجود ہی نہیں۔

قولہ وتوقف الخ مرتد کے تصرفات چار قسم پر ہیں اول وہ امور جو کمال ولایت پر موقوف نہیں ہیں جیسے استیلاد' طلاق' قبول ہبہ' تسلیم شفعہ' اپنے ماذون غلام کو تصرف سے باز رکھنا ان امور میں مرتد کا تصرف بالاتفاق نافذ ہے دوم وہ امور جن کی صحت اعتقاد ملت پر منحصر ہے جیسے نکاح کرنا (منکوحہ مسلمہ ہو یا کافرہ اصلیہ ہو یا مرتدہ) ذبیحہ' شکار کرنا' گواہی دینا' وراثت ان میں مرتد کا تصرف بلا تفاق باطل ہے سوم وہ امور جو دینی مساوات پر منحصر ہیں جیسے شرکت معاوضہ یا ولایت متعدیہ پر منحصر ہے جیسے اپنے چھوٹے بچے پر تصرف ان میں مرتد کا تصرف بلا تفاق موقوف ہے چہارم وہ امور جن میں مبادلہ بالمال ہو جیسے خرید و فروخت' عقد صرف' عقد سلم' عتق' تدبیر' کتابت' ہبہ' رہن' اجارہ' صلح عن الاقرار' قبض دین' وصیت' ان میں مرتد کا تصرف امام صاحب کے نزدیک موقوف ہے اور صاحبین کے نزدیک نافذ۔

قولہ ولو ولدت الخ مرتد کی باندی نصرانیہ (یعنی کتابیہ) کے پورے چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ ہوا اور مرتد نے اس کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ ام ولد ہونا حقیقت ملک پر موقوف نہیں اور وہ بچہ آزاد ہوگا اور اسی مرتد کا ہوگا لیکن وہ اس مرتد کا وارث نہ ہوگا کیونکہ اس کا علوق مرتد کے نطفہ سے ہوا ہے لہٰذا وہ بھی مرتد ہوگا وجہ یہ ہے کہ والدین میں سے بہتر دین والے کا تابع ہوتا ہے اور یہاں اس کی ماں کتابیہ ہے اور باپ مرتد تو بچہ ماں کا تابع ہونا چاہیے مگر چونکہ اسلام کی وجہ سے باپ پر جبر ثابت ہوتا ہے تو بچہ پر بھی

ثابت ہوگا پس بچہ کا ظاہر ہر حال اسلام پر دال ہے اور جب باپ مرتد رہا تو بچہ بھی مرتد رہے گا اور ایک مرتد دوسرے مرتد کا وارث نہیں ہوگا یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب باندی کتابیہ ہو اور اگر وہ مسلمہ ہو تو بچہ وارث ہوگا چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو یا اس سے زائد میں کیونکہ اس وقت بچہ ماں کا تابع ہے اور مسلمان ہے اور مسلمان مرتد کا وارث ہوتا ہے جبکہ مرتد مر جائے یا دار الحرب میں جا ملے۔

قولہ ولو ارتد بعد القطع الخ ایک شخص نے قصداً کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا وہ مرتد ہو گیا اور اسی زخم کے صدمہ سے مر گیا یا دار الحرب چلا گیا اور حاکم نے اس کے لحوق کا فیصلہ بھی کر دیا پھر وہ مسلمان ہو کر آ گیا اور اسی زخم کے سبب سے مر گیا تو دونوں صورتوں میں قاطع پر نصف دیت کا تاوان ہوگا اور جو وہ مرتد کے ورثہ کو دے گا جان کی دیت واجب نہ ہوگی کیونکہ "سرایت الی النفس" کا حلول محل غیر معصوم میں ہوا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر وہ شخص دار الحرب نہیں گیا بلکہ دار الاسلام میں رہتا ہوا ہی مسلمان ہو گیا اور اسی زخم میں مر گیا یا دار الحرب چلا گیا لیکن حکم لحوق سے قبل واپس آ گیا اور پھر زخم کی وجہ سے مر گیا تو ان دونوں صورتوں میں قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی کیونکہ ان صورتوں میں وہ بوقت سرایت بھی معصوم الدم تھا ان چاروں صورتوں میں یہ حکم شیخین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے امام محمد وزفر کے نزدیک چاروں صورتوں میں نصف دیت ہے۔

قولہ ولو ارتد الزوجان الخ زوجین مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے اور وہاں ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا پھر اس بچہ کے بھی ایک بچہ ہو گیا اور ان سب پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا اور ان کے قبضہ میں آ گئے تو بیٹا اور پوتا دونوں غنیمت ہونگے کیونکہ بیٹے کی ماں مرتدہ ہے۔ اور مرتدہ کو قتل نہیں کیا جا سکتا بلکہ باندی بنایا جاتا ہے اور حریت ورقیت میں بیٹا ماں کا تابع ہوتا ہے اس لئے غنیمت ہوں گے اب بیٹے کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ دین کے بارے میں اولاد والدین کے تابع ہوتی ہے تو جب والدین کو اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے تو بیٹے کو بھی مجبور کیا جائیگا رہا پوتا سو اس کے متعلق اجبار وعدم اجبار دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔

قولہ وارتداد الصبی الخ اگر کوئی بچہ سمجھدار ہو اور وہ اسلام قبول کرلے یا (العیاذ باللہ) مرتد ہو جائے تو احکام دنیویہ کے لحاظ سے یہ قابل اعتبار ہوگا یا نہیں؟ سو اول کی بابت امام زفرؒ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعتبار نہ ہوگا کیونکہ دین کے بارے میں بچہ والدین کے تابع ہوتا ہے اس لئے اس کو اصل نہیں ٹھہرا سکتے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ بچپن میں اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صحیح قرار دیا جس پر حضرت علیؓ کا افتخار مشہور ہے دوم کی بابت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارتداد تو مضرت محضہ ہے اس لئے اس کو صحیح نہیں مان سکتے "ولهما انها موجودة حقيقة ولا مرد للحقيقة"۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب البغاۃ

باب باغیوں کے بیان میں

خَرَجَ قَوْمٌ عَنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ وَغَلَبُوْا عَلٰى بَلَدٍ دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَكَشَفَ شُبْهَتَهُمْ وَبَدَءَ بِقِتَالِهِمْ

کچھ مسلمان امام کے فرمان سے باہر ہو کر کسی شہر پر غالب آ گئے تو امام ان کو اپنی اطاعت کیلئے کہے اور ان کے شبہ کو دور کرے اور ان سے لڑائی شروع

وَلَوْكَانَ لَهُمْ فِئَةٌ اُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاُتْبِعَ مُوَلِّيْهِمْ وَاِلَّا لَا وَلَمْ يُسْبَ ذُرِّيَّتُهُمْ وَحُبِسَ

کرے اور اگر ان کی کوئی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو مار ڈالے اور بھاگنے والوں کا پیچھا کرے ورنہ نہیں اور ان کی اولاد کو قید نہ کرے

اَمْوَالُهُمْ حَتّٰى يَتُوْبُوْا وَاِنِ احْتَاجَ ـ قَاتَلَ بِسِلَاحِهِمْ وَخَيْلِهِمْ

اور ان کے مالوں کو روک لے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں اور اگر ضرورت ہو تو انہی کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کو کام میں لائے

وَاِنْ قَتَلَ بَاغٍ مِثْلَهُ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَجِبْ[1] شَيْءٌ وَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰى اَهْلِ مِصْرٍ فَقَتَلَ مِصْرِيٌّ مِثْلَهُ

اور اگر باغی نے دوسرے باغی کو مار ڈالا پھر ان پر غلبہ حاصل ہو گیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر باغی کسی شہر پر غالب آ گئے اور شہری نے دوسری شہری کو

فَظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ قُتِلَ[2] بِهٖ وَاِنْ قَتَلَ عَادِلٌ بَاغِيًا اَوْقَتَلَهُ بَاغٍ وَقَالَ اَنَا عَلٰى حَقٍّ وَرِثَهُ

مار ڈالا پھر شہر پر غلبہ ہو گیا تو قاتل کو قتل کیا جائیگا اور اگر عادل باغی کو یا باغی عادل کو مار ڈالے اور باغی کہے کہ میں حق پر ہوں تو قاتل وارث ہوگا

وَاِنْ قَالَ اَنَا عَلٰى بَاطِلٍ لَا وَكُرِهَ بَيْعُ السَّلَاحِ مِنْ اَهْلِ الْفِتْنَةِ وَاِنْ لَمْ يَدْرِ اَنَّهٗ مِنْهُمْ لَا

اور اگر وہ یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں تو وارث نہ ہوگا اور مکروہ ہے ہتھیار فروخت کرنا اہل فتنہ کے ہاتھ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے تو مکروہ نہیں

تشریح الفقہ: قولہ خرج قوم الخ جب مسلمانوں کی کوئی جماعت امام حق کی اطاعت سے باہر ہو کسی شہر پر غالب آ جائے تو امام انکو اپنی اطاعت کی طرف بلائے اور امام کیفر مانبرداری کے سلسلہ میں انکو جو شکوک وشبہات ہوں انکو دور کرے اور اگر وہ کسی جگہ جمع ہوں تو ان سے ابتداءً بھی قتال کرنا حلال ہے تاکہ انکی جمعیت پریشان ہو کر ٹوٹ جائے کیونکہ انکا اسطرح جمع ہونا ظاہراً قتال کی دلیل ہے اور شئی کا حکم اس کی دلیل پر دائر ہوتا ہے، اور اگر ان کی کوئی ایسی جماعت ہو کہ یہ لوگ جن سے مل کر مضبوط ہو جائیں تو ان کے زخمیوں کو امام قتل کر ڈالے اور جو فرار ہو جائے ان کا پیچھا کرے لیکن ان کی ذریت کو قید نہ کرے کیونکہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں قتل اسیر وکشف ستر اور اخذ مال سے منع فرمایا تھا[3] (ابن ابی شیبہ)

قولہ وان قتل عادل الخ اگر عادل آدمی نے کسی باغی کو قتل کر دیا تو قاتل مقتول باغی کا وارث ہوگا خواہ باغی یہ کہے کہ میں حق پر ہوں یا یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں کیونکہ حق کی وجہ سے قتل کرنا مانع ارث نہیں ہے، اور اگر کوئی باغی عادل کو قتل کر ڈالے اور یہ کہے کہ میں حق پر ہوں تب بھی قاتل وارث ہوگا لیکن اگر باغی قاتل یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں تو وارث نہ ہوگا۔

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

وَنُدِبَ اِلْتِقَاطُهٗ وَوَجَبَ اِنْ خَافَ الضَّيَاعَ وَهُوَ حُرٌّ وَنَفَقَتُهٗ فِىْ بَيْتِ الْمَالِ كَاِرْثِهٖ

مستحب ہے اس کو اٹھا لینا اور ضروری ہے اگر ضائع ہونے کا خوف ہو اور وہ آزاد ہوگا اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا جیسے اس کی میراث

وَجِنَايَتِهٖ وَلَا يَاْخُذُ مِنْهُ اَحَدٌ وَثَبَتَ[4] نَسَبُهٗ مِنْ وَاحِدٍ وَمِنْ اِثْنَيْنِ وَاِنْ وَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً بِهٖ

اور جنایت اور بچہ کو اٹھانے والے سے کوئی نہ لے اور ثابت ہو جائیگا اس کا نسب ایک شخص سے بھی اور دو سے بھی اور اگر کوئی اس کی مخصوص علامت

فَهُوَ اَحَقُّ وَمِنَ الذِّمِّيِّ وَهُوَ مُسْلِمٌ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِىْ مَكَانِ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَمِنْ عَبْدٍ وَهُوَ حُرٌّ

بتادے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے اور ذمی سے بھی اور بچہ مسلمان ہوگا اگر وہ ذمیوں کے محلہ میں نہ ہو اور غلام سے بھی اور بچہ آزاد ہوگا

وَلَايُرَقُّ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَاِنْ وُجِدَ مَعَهٗ مَالٌ فَهُوَ لَهٗ

اور غلام نہ بنایا جائیگا مگر بینہ کے ساتھ اور اگر اس کے پاس مال ملے تو وہ اسی کا ہے

وَلَايَصِحُّ[5] لِلْمُلْتَقِطِ عَلَيْهِ نِكَاحٌ وَبَيْعٌ وَاِجَارَةٌ وَيُسَلِّمُهٗ فِىْ حِرْفَةٍ وَيَقْبِضُ هِبَتَهٗ

اور صحیح نہیں ہے اٹھانے والے کے لئے اس کا نکاح کرنا اور بیچنا اور مزدوری پر دینا ہاں اسکو کسی پیشہ پر لگادے اور اس کے لئے ہبہ کو قبول کرے۔

---

[1] لان القصاص لایمکن استیفاءہ الابمنعۃ ولا ولایۃ للامام علیہم حالۃ القتل ۱۲ [2] لانہ ح لم تنقطع ولایۃ الامام ۱۲ [3] ..... وقولہ فی الاسیر مؤول بما اذا لم یکن لہم فئۃ ۱۲

[4] لانہ ثبت حق الحفظ لہ لسبق یدہ ۱۲

[5] لانعدام سبب الولایۃ من القرابۃ والملک والسلطنۃ ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ مصنف جہاد کے بعد لقطہ اور لقیط کو بیان کر رہا ہے اس واسطے کہ جس طرح جہاد میں جان و مال ہر دو معرض ہلاکت میں ہوتے ہیں اسی طرح لقطہ (پڑا ہوا مال) اور لقیطہ (پڑا ہوا بچہ) خطرہ میں ہوتا ہے۔ اور لقیط کو اس لئے مقدم کر رہا ہے کہ اس کا تعلق جان سے ہے اور جان مال پر مقدم ہے لقیط بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اس کا کوئی ولی معلوم نہ ہو گویا اس پر لقیط کا اطلاق ما یؤول کے اعتبار سے ہے جیسے "من قتل قتیلا فلہ سلبہ" شریعت میں لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے محتاجی یا تہمت زنا کے خوف سے پھینک دیا ہو۔

قولہ ندب الخ اگر لقیط کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو اٹھا لینا مستحب ہے کیونکہ اس میں ایک تو شفقت ہے۔ دوسرے ایک جان کو جلانا ہے جو سب آدمیوں کو جلانے کے برابر ہے۔ "قال تعالیٰ من احیا ھا فکا نما احیا الناس جمعیاً" اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر اٹھانا ضروری ہے۔

قولہ ھو حر الخ بتبعیت دار الاسلام مسلمان اور آزاد قرار دیا جائے گا خواہ اس کا اٹھانے والا آزاد ہو یا غلام کیونکہ بنی آدم میں اصل آزاد ہونا ہی ہے۔ رقیت تو امر عارض ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے مقرر ہوگا۔ حضرت عمر اور حضرت علی سے یہی مروی ہے جیسا کہ اس کی میراث بیت المال میں جاتی ہے۔ اور اس کے قصوروں کا تاوان بیت المال سے دیا جاتا ہے۔

قولہ و من اثنین الخ اگر لقیط کے متعلق دو آدمی یہ دعویٰ کریں کہ بچہ ہمارا ہے اور کوئی مرجح موجود نہ ہو تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا جیسے کوئی باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں شریک بچہ کا دعویٰ کریں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔

کتاب اللقطۃ

لُقَطَۃُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ اَمَانَۃٌ اِنْ اَخَذَھَا لِیَرُدَّھَا عَلٰی رَبِّھَا وَاَشْھَدَ وَعَرَّفَ اِلٰی

حل و حرم کی پڑی ہوئی چیز امانت ہے اگر اٹھایا ہو اس کو مالک کے پاس لوٹا دینے کی نیت سے اور گواہ بنا لیا ہو پس وہ اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ

اَنْ عَلِمَ اَنَّ رَبَّھَا لَایَطْلُبُھَا ثُمَّ تَصَدَّقَ فَاِنْ جَآءَ رَبُّھَا نَفَّذَہٗ

غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرتا ہوگا پھر اس کو صدقہ کر دے اب اگر اس کا مالک آ جائے تو چاہے اس کو نافذ کر دے اور چاہے

اَوْضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ وَصَحَّ اِلْتِقَاطُ الْبَھِیْمَۃِ وَھُوَمُتَبَرِّعٌ فِی الْاِنْفَاقِ عَلَی اللَّقِیْطِ وَاللُّقْطَۃِ وَبِاِذْنِ الْقَاضِیْ تَکُوْنُ دَیْنًا

تو اٹھانے والے کو ضامن بنا دے اور صحیح ہے چوپائے کو پکڑ لینا اور وہ متبرع ہوگا لقیط اور لقطہ پر خرچ کرنے میں اور قاضی کے حکم سے مالک کے ذمہ

وَلَوْ کَانَ لَھَا نَفْعٌ اٰجَرَھَا وَاَنْفَقَ عَلَیْھَا وَاِلَّا بَاعَھَا وَمَنَعَھَا مِنْ رَّبِّھَا

قرض ہوگا اور اگر اس سے کوئی نفع ہو سکتا ہو تو اجرت پر دیدے اور اجرت سے اس پر خرچ کرتا رہے ورنہ فروخت کر دے اور اس کو مالک سے روک

حَتّٰی یَاْخُذَ النَّفَقَۃَ وَلَا یَدْفَعُھَا اِلٰی مُدَّعِیْھَا بِلاَ بَیِّنَۃٍ فَاِنْ بَیَّنَ عَلَامَتَھَا حَلَّ الدَّفْعُ بِلَاجَبْرٍ

سکتا ہے خرچہ وصول کرنے تک اور اس کے دعویٰ کرنے والے کو نہ دے بدون بینہ کے پس اگر وہ اس کی نشانی بتا دے تو دیدینا جائز ہے مگر جبر نہیں

وَیَنْتَفِعُ بِھَا لَوْ فَقِیْرًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ عَلٰی اَجْنَبِیٍّ وَصَحَّ عَلٰی اَبَوَیْہِ وَزَوْجَتِہٖ وَوَلَدِہٖ لَوْفُقَرَآءَ

اور اس سے خود نفع اٹھالے اگر محتاج ہو ورنہ کسی کو خیرات کر دے اور اپنے والدین اور بیوی بچوں پر بھی صدقہ کر سکتا ہے اگر وہ محتاج ہوں۔

(۱) ...... مالک شافعی بیہقی، عبد الرزاق۔
ابن سعد، عن عمر، عبد الرزاق عن علی ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ اللقطۃ الخ التقاط سے ہے بمعنی اٹھانا لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑی ہوئی چیز اٹھانے والے کو کہتے ہیں اور قاف کے سکون کے ساتھ اس چیز کو کہتے ہے کہ جو اٹھائی جائے جیسے ضحکہ بفتح حاء اسم فاعل ہے اور حاء کے سکون کیساتھ اسم مفعول ہے یہ خلیلن نحوی کی رائے ہے۔ اصمعی ابن الاعرابی اور فراء نے اسم مفعول ہونے کی حالت میں قاف کے فتحہ کو جائز رکھا ہے۔

قولہ لقطۃ الحل الخ افتادہ چیز حرم کی ہو یا غیر حرم کی۔ کم ہو یا زائد بہرحال اٹھالینا بہتر ہے اور اگر اس کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہو تو پھر ضروری ہے بشرطیکہ وہ مالک کے پاس پہنچانے کی نیت سے اٹھائے اور اس پر لوگوں کو گواہ کرلے یعنی یہ کہہ دے کہ جس کو تم گمشدہ کی تلاش کرتا پاؤ اس کو میرے پاس بھیجدیجیو۔ پس جب وہ اس نیت سے اٹھائے تو وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی یعنی اگر بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان نہ ہوگا اب اس کو چاہیئے کہ ابواب مساجد بازاروں اور عام راستوں میں اس کا اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ غالب گمان ہوجائے کہ اب اس کا مالک تلاش کرتا ہوگا خواہ وہ شئی کم ہو یا زائد۔ امام اعظم اور ائمہ ثلاثہ کا یہی قول ہے پھر اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس کو خیرات کردے اور اگر خود ضرورت مند ہو تو خود بھی منتفع ہوسکتا ہے۔

قولہ فان جاء الخ اگر افتادہ چیز کو اٹھانے والے نے صدقہ کردیا اس کے بعد اس کا مالک آگیا تو اختیار ہے چاہے اس کے صدقہ کو جائز کردے اس صورت میں وہ ثواب پائے گا اور چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر صرف کیا ہے "والا باحۃ من جھۃ الشرع لا تنا فی الضمان حقا للعبد"۔

قولہ وھو متبرع الخ لقیط اور لقطہ اٹھانے والا جو کچھ ان پر خرچ کریگا وہ تبرع اور احسان ہوگا۔ مالک سے اس خرچ کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہاں اگر قاضی نے کہدیا ہو کہ ان پر خرچ کرتا رہ بعد کو مالک سے لے لینا تو اس صورت میں وہ مالک کے ذمہ دین ہوتا رہے گا۔

محمد حنیف گنگوہی۔

کتاب الأبق

اَخْذُهٗ اَحَبُّ اِنْ قَوِیَ عَلَیْهِ وَمَنْ رَدَّهٗ مُدَّةَ سَفَرٍ فَلَهٗ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا وَلَوْ قِیْمَتُهٗ اَقَلَّ مِنْهُ

بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اچھا ہے اگر اس پر قادر ہو اور جو اس کو مدت سفر سے واپس کرے اس کو چالیس درہم ملیں گے گو غلام کی قیمت اس سے کم ہو

وَمَنْ رَدَّهٗ لِاَقَلَّ مِنْهَا فَبِحِسَابِهٖ وَالْمُدَبَّرُ وَاُمُّ وَلَدٍ کَالْقِنِّ وَاِنْ اَبَقَ مِنَ الرَّادِّ

اور جو اس سے کم فاصلہ سے واپس کریگا تو اسی حساب سے پائیگا اور مدبر اور ام ولد خالص غلام کے مثل ہیں اور اگر واپس کرنے والے کے پاس سے

لَایَضْمِنُ وَیُشْهِدُ اَنَّهٗ اَخَذَهٗ لِیَرُدَّهٗ وَجُعْلُ الرَّهْنِ عَلَی الْمُرْتَهِنِ وَاَمْرُ نَفَقَتِهٖ کَاللُّقَطَةِ

بھاگ جائے تو ضامن نہ ہوگا اور گواہ بنالے کہ میں نے اس کو واپس کرنے کے لئے پکڑا ہے اور رہن کی اجرت مرتہن پر ہے اور بھاگے ہوئے غلام کا حکم لقطہ کا سا ہے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ لقطہ اور لقیط کیساتھ اس کتاب کی مناسبت عروض تلف و زوال ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ لقطہ اور لقیط میں عروض تلف ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور آبق میں انتفاع مولیٰ کے اعتبار سے آبق اباق سے ہے از راہ شرارت و سرکشی غلام اور باندی کے چلے جانے کو کہتے ہیں (کذا عرفہ ابن الکمال) اس تعریف میں وہ غلام بھی داخل ہے جو آقا کے مستاجر اور عاریت پر لینے والے اور امانت دار اور اس کے وصی کے پاس سے بھاگ جائے۔

قولہ اخذہ الخ گریختہ غلام کو پکڑ لینا مستحب ہے۔ بشرطیکہ پکڑنے والا اس کی حفاظت پر قادر ہو اور آقا تک پہنچا سکے۔ اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو پھر وہ استحباب نہیں ہے۔ اب جو شخص اس کو پکڑ کر لائے گا اگر وہ مدت سفر یعنی تین روز کی مسافت سے پکڑ کر لائے تو اس کا محنتانہ چالیس درہم ہیں۔ اگرچہ غلام کی قیمت اس سے کم ہو اور اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لائے تو محنتانہ اسی حساب سے ہوگا۔ امام

شافعی فرماتے ہیں کہ آقا کے شرط کئے بغیر محنتانہ نہ ملے گا۔اور مقتضی قیاس بھی یہی ہے۔کیونکہ آخذ تو اس سلسلہ میں متبرع ہے پس گمشدہ غلام کی مثل ہو گیا۔ہماری دلیل یہ ہے کہ نفس مزدوری پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔البتہ مقدار میں اختلاف ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے چالیس درہم مروی ہے۔اور حضرت عمر وحضرت علیؓ سے ایک دینار یا بارہ درہم نیز حضرت عمر سے چالیس درہم مروی ہیں (۱) پس ہم نے مسافت سفر میں چالیس درہم واجب کئے اور اس سے کم میں چالیس سے کم توفیقاً وتلفیقاً بین الآثار۔

قوله وان ابق الخ اگر غلام واپس کرنے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو ضامن نہ ہوگا۔کیونکہ اس کے پاس غلام امانت تھا اور امانت میں بلا تعدی ضمان نہیں ہوتا اگر وہ غلام کو اپنے کسی ذاتی کام میں لگائے اور غلام بھاگ جائے تو ضامن ہوگا۔

قوله وجعل الرهن الخ اگر عبد مرہون مرتہن کے پاس سے بھاگ جائے تو اس کی واپسی کا محنتانہ مرتہن پر واجب ہے بشرطیکہ اس کی قیمت دین کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر قیمت زائد ہو تو مرتہن پر محنتانہ دین کے بقدر ہوگا اور باقی محنتانہ راہن پر ہوگا۔لان حقه بالقدر المضمون۔

کتاب المفقود

هُوَ غَآئِبٌ لَمْ يُدْرَ مَوْضِعُهٗ وَحَيٰوتُهٗ وَمَوْتُهٗ وَيَنْصِبُ الْقَاضِي مَنْ يَّأْخُذُ حَقَّهٗ وَيَحْفَظُ مَالَهٗ

مفقود وہ غائب ہے جس کی جگہ اور موت وحیات معلوم نہ ہو ایسے شخص کے لئے قاضی کسی کو مقرر کردے جو اس کا حق وصول کرے اور اس کے مال کی

وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيُنْفِقُ مِنْهُ عَلٰى قَرِيْبِهٖ وِلَادًا وَزَوْجَتِهٖ وَلَايُفَرِّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا

حفاظت کرے اور سربراہکاری کرے اور خرچ کرے اس کے مال سے رشتہ ولادت کے قرابتداروں پر اور اس کی بیوی پر اور قاضی اس کے اور اس کی

وَحُكِمَ بِمَوْتِهٖ بَعْدَ تِسْعِيْنَ سَنَةً وَتَعْتَدُّ اِمْرَأَتُهٗ وَوُرِثَ مِنْهُ حِيْنَئِذٍ لَا قَبْلَهٗ

بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے اور نوے سال کے بعد اس کی موت کا حکم کردے اور اس کی بیوی عدت گذارے اور اس وقت اس کا ترکہ تقسیم

وَلَايَرِثُ مِنْ اَحَدٍ وَلَوْكَانَ مَعَ الْمَفْقُوْدِ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهٖ لَمْ يُعْطَ شَيْءٌ

کیا جائے نہ کہ اس سے قبل اور وہ کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے کچھ نہ پاتا ہو تو اس کو کچھ نہیں ملیگا

وَاِنْ انْتَقَصَ حَقُّهٗ بِهٖ يُعْطٰى اَقَلَّ النَّصِيْبَيْنِ وَيُوْقَفُ الْبَاقِيْن كَالْحَمْلِ[۲]

اور اگر اس کا حق کم ہوجاتا ہو تو اس کو کمتر ملیگا اور باقی رکھ چھوڑیں گے حمل کی طرح۔

تشریح الفقه :قوله هو غائب الخ شریعت میں مفقود اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور نہ یہ معلوم ہو کہ آیا وہ زندہ ہے یا مرچکا ایسے شخص کے احکام میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حق میں زندہ شمار ہوتا ہے تو اسکی بیوی کسی دوسرے کیساتھ شادی نہ کریگی اور نہ اس کا مال وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور نہ اس کا اجارہ فسخ ہوگا الی غیر ذلک اور دوسرے کے حق میں مردہ شمار ہوتا ہے پس وہ کسی دوسرے کا وارث نہ ہوگا اور اگر کوئی اس کے لئے وصیت کر کے مرگیا تو وہ مفقود وصیت کے مال کا مستحق نہ ہوگا۔بلکہ اس کا حصہ اس کے ہمعصروں کی موت تک محفوظ رکھ دیا جائیگا۔

قوله ولايفرق الخ مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چار برس تک لاپتہ رہے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے اور عورت عدت وفات گزار کر جس سے چاہے نکاح کرلے۔کیونکہ حضرت عمر نے اس شخص کے متعلق یہی حکم فرمایا تھا کہ جس کو رات میں جن اٹھالے گئے تھے[۳] ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مفقود کی

---

۱ عبدالرزاق طبرانی، بیہقی عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن عمر وعلی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ عن عمرو بن دینار (مرسلا) ۱۲

۲ فلو کان مع الحمل وارث آخر لایسقط بحال ولایتغیر بالحمل یعطی کل نصیبہ وان کان ممن یسقط بالحمل لایعطی شیئا۔وان کان ممن یتغیر یعطی الاقل ۱۲

۳ ……ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، دار قطنی ۱۲

عورت اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کو (موت یا طلاق) خبر پہنچے"[1] نیز حضرت علی فرماتے ہیں کہ وہ عورت مبتلا گئی ہے پس اس کو صبر کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ شوہر کی موت معلوم ہو جائے یا طلاق کی اطلاع پائے"[2] ابو قلابہ، جابر بن زید، شعبی، نخعی، سب کا یہی قول ہے۔ اور امام مالک کا حضرت عمر کے قول سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر سے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لینا ثابت ہے۔[3]

قولہ وحکم بموتہ الخ جب مفقود کی عمر کے نوے سال گزر جائیں تو قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے اور اس کی بیوی عدت وفات گزارے کیونکہ آدمی عادۃً نوے سال سے زیادہ نہیں جیتا۔ (اسی پر فتویٰ ہے) ظاہر الروایہ کے لحاظ سے موت کا حکم اس وقت لگایا جائیگا جب اس کے تمام ہمعصر لوگ ختم ہو جائیں گے[4] کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی ہمعصروں سے زیادہ کمتر زندہ رہتا ہے۔ ۳۰، ۶۰، ۸۰، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۰ سال گزر جانے کے بعد موت کا حکم لگانے کے اقوال بھی ہیں مگر غیر معمول بہا ہیں۔

قولہ ولو کان الخ اگر مفقود کیساتھ کوئی ایسا شخص ہو جو مفقود کی موجودگی میں محجوب ہو جاتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہ دیا جائیگا اور اگر کوئی ایسا وارث ہو کہ وہ محجوب نہ ہوتا ہو بلکہ اس کا حق کم ہو جاتا ہو تو اس کے دو حصوں میں سے کمتر حصہ دیا جائے گا اور باقی محفوظ رکھ دیا جائے گا مثلاً ایک شخص دو بیٹیاں، ایک مفقود بیٹا، ایک پوتا یا پوتی چھوڑ کر مرا اور مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے اور بیٹے کے مفقود ہونے میں سب ورثہ کا اتفاق ہے تو دونوں بیٹیوں کو نصف حصہ دیا جائے گا کیونکہ نصف بہر صورت متیقن ہے اور نصف باقی کو محفوظ رکھا جائے گا۔ اور پوتے یا پوتی کو کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ یہ محجوب ہیں۔ اگر مفقود زندہ ہو تو یہ میراث کے مستحق نہیں۔

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

وَهِيَ ضَرْبَانِ شِرْكَةُ الْمِلْكِ وَهِيَ اَنْ يَّمْلِكَ اِثْنَانِ عَيْنًا اِرْثًا اَوْ شِرَاءً وَكُلٌّ اَجْنَبِيٌّ فِيْ قِسْطِ صَاحِبِهٖ

شرکت ملک یہ ہے کہ مالک ہو جائیں دو آدمی کسی چیز کے بطریق ارث یا بطریق خرید اور ان میں سے ہر ایک اجنبی ہوتا ہے دوسرے کے حصہ میں

وَشِرْكَةُ الْعُقُوْدِ اَنْ يَّقُوْلَ اَحَدُهُمَا شَارَكْتُكَ فِيْ كَذَا يَقْبَلُ الْاٰخَرُ

اور شرکت عقد یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا اس کو قبول کرے۔

تشریح الفقہ :قولہ کتاب الخ جس طرح مفقود کا مال شخص حاضر کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اسی طرح شریکین میں سے ہر ایک کا مال دوسرے کے پاس امانت ہوتا ہے اس مناسبت سے مصنف کتاب المفقود کے بعد کتاب الشرکۃ کو لا رہا ہے۔ نفس شرکت کی مشروعیت کتاب اللہ سے بھی ہے۔ قال تعالیٰ "فھم شرکاء فی الثلث" اور حدیث سے بھی ہے "ففی الحدیث عن السائب انہ قال طلبنی علیہ السلام، کنت شریکی فی الجاھلیۃ کنت خیر شریک لاتداری ولاتماری،[4] وقال علیہ السلام، قال اللہ تعالیٰ، انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما اہ[5]" شرکت لغت میں دو حصوں کو اس طرح مخلوط کرنا اور ملانا ہے کہ امتیاز اور جدائی باقی نہ رہے۔ نیز عقد شرکت کو بھی کہتے ہیں اگرچہ اس میں اختلاط نہ ہو لان العقد سبب لہ اصطلاح شرع میں شرکت اس عقد کو کہتے ہیں جو راس المال اور منفعت دونوں میں واقع ہو پس اگر راس المال میں شرکت نہ ہو صرف منفعت میں ہو تو اس کو مضاربت کہیں گے اور اگر صرف راس المال میں ہو تو اس کو بضاعت کہیں گے۔

....

۱؎ دار قطنی عن المغیرہ، والحدیث ضعفہ ابو حاتم وعبد الحق وابن القطان وغیرہم ۱۲ ۲؎ ..... عبد الرزاق عن علی ۱۲

۳؎ ..... ذکر عبد الرحمٰن بن ابی لیلی ثلث قضیات رجع فیہا عمر الی قول علی امراءۃ المفقود، امراءۃ ابی کنف والمرأۃ التی تزوجت وقولنا فی الثلاثۃ قول علی ۱۲

۵؎ ..... ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد حاکم ۱۲ ۶؎ ..... ابو داؤد، حاکم عن ابی ہریرۃ ۱۲

۴؎ واختلفوا بموت اقرانہ فقیل من جمع البلاد قیل من بلدہ وھو الاصح وھذا ارفق وقال شیخ الاسلام انہ احوط واقیس ۱۲ مجمع

قولہ شرکۃ الملک الخ شرکت کی دوقسمیں ہیں۔شرکت املاک' شرکت عقود۔شرکت املاک یہ ہے کہ دو آدمی وراثت' خرید ہبہ' صدقہ' استیلاء' اختلاط وغیرہ میں سے کسی طریق سے شئی معین کے مالک ہوجائیں' اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی محض ہوتا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی مضر تصرف نہیں کرسکتا شرکت عقد یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں فلاں چیز میں تیرا شریک ہوں اور دوسرا اس کو قبول کرلے۔اس کی چند قسمیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

وَهِيَ مُفَاوَضَةٌ اِنْ تَضَمَّنَتْ وَكَالَةً وَكَفَالَةً وَتَسَاوَيَا مَالًا وَتَصَرُّفًا وَدَيْنًا فَلَا تَصِحُّ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ

اور وہ شرکت مفاوضہ ہے اگر شامل ہو وکالت اور کفالت کو اور دونوں برابر ہوں مال اور تصرف اور دین میں پس شرکت مفاوضہ صحیح نہیں آزاد اور غلام

وَصَبِيٍّ وَبَالِغٍ وَمُسْلِمٍ وَكَافِرٍ وَ مَايَشْتَرِيْهِ كُلٌّ يَقَعُ مُشْتَرَكًا اِلَّاطَعَامَ اَهْلِهٖ وَكِسْوَتَهُمْ وَكُلُّ دَيْنٍ

بچے اور بالغ مسلمان اور کافر کے درمیان اور جو کوئی چیز خریدے گا وہ مشترک واقع ہوگی سوائے گھر والوں کی خوراک اور پوشاک کے اور جو قرضہ

لَزِمَ اَحَدَهُمَا بِتِجَارَةٍ اَوْغَصَبٍ اَوْ كَفَالَةٍ لَزِمَ الْاٰخَرَ وَتَبْطُلُ اِنْ وُهِبَ لِاَحَدِهِمَا

لازم ہوا ان میں سے ایک کو تجارت یا غصب یا کفالت کے باعث تو وہ دوسرے کو بھی لازم ہوگا اور باطل ہوجائیگی اگر ہبہ کردیا گیا کسی ایک کو

اَوْ وَرِثَ مَايَصِحُّ فِيْهِ الشِّرْكَةُ لَاالْعُرُوْضُ وَلَايَصِحُّ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ بِغَيْرِ النَّقْدَيْنِ وَالتِّبْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ

یا وراثت میں پالیا کوئی ایسا مال جس میں شرکت صحیح ہے نہ کہ سامان اور صحیح نہیں شرکت مفاوضہ وشرکت عنان روپیہ اشرفی کچی چاندی اور رائج پیسوں

وَلَوْ بَاعَ كُلٌّ نِصْفَ عَرَضِهٖ بِنِصْفِ عَرَضِ الْاٰخَرِ وَعَقَدَ الشِّرْكَةَ صَحَّ عِنَانٌ

کے بغیر اور اگر ہر ایک اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے سامان کے عوض فروخت کرکے عقد شرکت کرلیں تو صحیح ہے اور شرکت عنان ہے

اِنْ تَضَمَّنَتْ وَكَالَةً فَقَطْ وَتَصِحُّ مَعَ التَّسَاوِيْ فِي الْمَالِ دُوْنَ الرِّبْحِ وَعَكْسِهٖ وَبِبَعْضِ الْمَالِ وَخِلَافِ الْجِنْسِ

اگر صرف وکالت کو شامل ہو اور یہ صحیح ہے اگر صرف مال میں برابری ہو نہ کہ نفع میں یا اس کا برعکس ہو یا بعض مال میں شرکت ہو یا خلاف جنس ہو

وَعَدَمِ الْخَلْطِ وَطُوْلِبَ الْمُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ فَقَطْ وَرَجَعَ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ وَتَبْطُلُ بِهَلَاكِ الْمَالَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا

یا ہر ایک جدا جدا ہو اور مطالبہ کیا جائیگا قیمت کا صرف مشتری سے اور وہ رجوع کریگا اپنے شریک پر اتنے حصہ میں اور یہ شرکت باطل ہوجاتی ہے قبل

قَبْلَ الشِّرَاءِ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا شَيْئًا بِمَالِهٖ وَهَلَكَ مَالُ الْاٰخَرِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا

از شراء ایک یا دونوں مالوں کے ہلاک ہوجانے سے اور اگر ایک نے اپنے مال سے کچھ خریدا اور دوسرے کا مال ہلاک ہوگیا تو خرید کردہ اسباب

وَرَجَعَ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ وَتَفْسُدُ اِنْ شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِنَ الرِّبْحِ

دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور اتنی قیمت میں شریک پر رجوع کریگا اور فاسد ہوجائیگی اگر کسی ایک کے لئے چند درہم نفع کے مقرر کردیئے گئے

وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْ شَرِيْكَيِ الْعِنَانِ وَالْمُفَاوَضَةِ اَنْ يُّبْضِعَ وَيَسْتَاجِرَ وَيُوْدِعَ وَيُضَارِبَ

اور شرکت عنان ومفاوضہ کے ہر شریک کو اختیار ہے کہ وہ مال بطور بضاعت یا ٹھیکہ پر یا بطور امانت یا مضاربت پردے

وَيُوَكِّلَ وَيَدُهٗ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ

یا کسی کو وکیل بنائے اور مال میں ہر ایک کا تصرف بطریق امانت ہوگا۔

شرکت مفاوضہ وشرکت عنان کا بیان

تشریح الفقہ :قولہ وھی مفاوضۃ الخ مصنف کے لحاظ سے شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں مفاوضہ' عنان' تقبل' وجوہ' مفاوضہ تفویض بمعنی مساوات سے ہے یعنی ہر چیز میں برابر ہونا اس کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ وکالت اور کفالت ہر دو کو متضمن ہو

یعنی شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور اس کی طرف سے کفیل بھی ہو تا کہ مقصود یعنی خرید کردہ شئی میں شرکت کا واقع ہونا متحقق ہوسکے کیونکہ ایک شریک جو چیز خریدے گا اس کو دوسرے کی ملک میں اسی وقت داخل کرسکتا ہے جب اس کو اس کی ولایت حاصل ہو اور یہاں ولایت وکالت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ (۲) دونوں شریک مال میں برابر ہوں (۳) تصرفات میں برابر ہوں (۴) دین میں برابر ہوں یہ بھی یاد رہے کہ ائمہ ثلاثہ شرکت مفاوضہ کے جواز کے قائل نہیں امام مالک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ **لا اعرف ما المفاوضۃ** اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اس میں مجہول الجنس کی وکالت اور کفالت ہوتی ہے اور یہ جائز نہیں لیکن استحساناً جائز ہے[1] اور وجہ جواز تعامل ناس ہے کہ عام طور سے اس قسم کا معاملہ بلا نکیر کیا جاتا ہے۔ اور تعامل ناس کے سامنے قیاس متروک ہوتا ہے رہا مجہول الجنس کی وکالت کا ناجائز ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ وکالت بالمجہول کو قصداً جائز نہیں ضمناً جائز ہے۔ جیسے بضمن مضاربت مجہول شئی کی خریداری کی وکالت ہوتی ہے۔

تنبیہ: مصنف نے شرکت عقد کی مذکورہ چار قسمیں کی ہیں جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شرکت تقبل و وجوہ میں شرکت مفاوضہ وعنان نہیں ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے بہتر تقسیم یہ ہے کہ شرکت یا تو بالمال ہوگی یا بالاعمال یا بالوجوہ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں مفاوضہ وعنان، پس کل چھ قسمیں ہوئیں۔ زیلعی، طحاوی، کرخی، صاحب ذخیرہ وغیرہ نے یہی ذکر کیا ہے۔

قولہ فلا تصح الخ مساوات فی التصرف پر تفریع ہے یعنی ایک آزاد اور غلام کے درمیان بچے اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ صحیح نہیں کیونکہ آزاد عاقل بالغ آدمی تصرفات کا مالک نہیں نیز طرفین کے نزدیک مسلم وکافر کے درمیان صحیح نہیں کیونکہ مساوات فی الدین مفقود ہے۔ البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔

قولہ ومایشتریہ الخ جب شروط مذکورہ کی موجودگی میں شرکت مفاوضہ صحیح ہوجائے تو شریکین میں سے جو شخص کوئی چیز خریدیگا وہ مشترک واقع ہوگی کیونکہ مقتضی عقد مساوات ہے اور شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہے پس کسی ایک کا خریدنا گویا دوسرے کا خریدنا ہے البتہ جو چیزیں دائمی ضروریات میں داخل ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے اہل وعیال کے لئے کھانا، سالن، لباس رہنے کیلئے گھر خریدنا اور باجازت شریک وطی کے لئے باندی خریدنا وغیرہ کیونکہ جو چیز دلالت حال کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ زبانی شرط کے برابر ہوتی ہے۔

قولہ وتبطل الخ جن چیزوں میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم ودنانیر اگر ان میں سے کوئی شئی ایک شریک بطریق ہبہ یا بطریق وارثت حاصل کرلے تو اس میں شرکت مفاوضہ باطل ہوجائیگی۔ کیونکہ شرکت مفاوضہ میں جس طرح ابتداً مالی مساوات شرط ہے اس طرح بقاءً بھی شرط ہے اور صورت مذکورہ میں بقاءً مساوات مفقود ہے البتہ اگر بطریق مذکور کوئی سامان یا زمین حاصل کرے تو شرکت مفاوضہ باطل نہ ہوگی کیونکہ ان میں شرکت ہی صحیح نہیں لہٰذا مساوات بھی شرط نہ ہوگی۔

قولہ ولو باع الخ دو آدمیوں کے پاس کچھ سامان تھا ان میں سے ہر ایک نے نصف حصہ دوسرے کے نصف حصہ کی عوض فروخت کردیا اسکے بعد دونوں شریک ہوگئے تو شرکت صحیح ہے خواہ شرکت مفاوضہ ہو یا شرکت عنان کیونکہ وہ دونوں عقد بیع کے ذریعہ قیمت میں شریک ہوگئے (بشرکت ملک) کہ کسی ایک کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں رہا اس کے بعد عقد شرکت کیوجہ سے یہ شرکت ملک شرکت عقد ہوگئی کہ اب ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کرسکتا ہے۔

قولہ وعنان الخ شرکت عقد کی دوسری قسم شرکت عنان ہے جو صرف متضمن وکالت ہوتی ہے۔ اس میں دونوں شریکوں کا مال اور نفع برابر ہو یا کم وبیش دونوں تجارت کریں یا صرف ایک بہر صورت شرکت عنان صحیح ہے لیکن اگر پورا نفع کسی ایک کیلئے قرار دیدیا گیا تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں شرکت ہی نہیں رہتی بلکہ بضاعت یا قرض ہوجاتا ہے۔ اگر پورا نفع عامل کے لئے ہو تو قرض اور صاحب مال کیلئے تو بضاعت اور اگر شریکین میں سے ہر ایک کے بعض مال کے ذریعہ ہو تب بھی شرکت صحیح ہے کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں نیز مختلف الجنس کے ساتھ بھی صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں عنان کے لئے اختلاط بھی شرط نہیں، نیز مختلف الجنس کے ساتھ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں عنان کے لئے اختلاط بھی شرط نہیں۔

---

(۱)...... فی الحدیث، فاوضوا فانہ اعظم للبرکۃ۔ مجمع الانہر

وَتقبّلٌ اِن اشْتَرَکَ خَیّاطَانِ اَوْ خَیّاطٌ وَصَبَّاغٌ عَلٰی اَنْ یَّتقبّلاَ الْاَعْمَالَ وَیَکُوْنُ الْکَسْبُ بَیْنَھُمَا وَکُلُّ عَمَلٍ یَّتقبَّلُہٗ

اور تقبل ہے اگر شریک ہو جائیں دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز اس شرط پر کہ دونوں کام لیا کریں اور کمائی بانٹ لیا کریں اب جو کام کوئی ایک

اَحَدُھُمَا یَلْزَمُھُمَا وَکَسْبُ اَحَدِھِمَا بَیْنَھُمَا وَوُجُوْہٌ اِن اشْتَرَکَا بِلَا مَالٍ عَلٰی اَنْ یَّشْتَرِیَا بِوُجُوْھِھِمَا

لیگا وہ دونوں کو لازم ہوگا اور کمائی دونوں میں مشترک ہوگی اور شرکت وجوہ ہے اگر شریک ہو جائیں بلا مال اس شرط پر کہ اپنی وجاہت سے مال خرید کر

وَیَبِیْعَا وَیَتَضَمَّنُ الْوَکَالَۃَ فَاِنْ شَرَطَا مُنَاصَفَۃَ الْمُشْتَرٰی اَوْمُثَالَثَتَہٗ فَالرِّبْحُ کَذٰلِکَ وَبَطَلَ شَرْطُ الْفَضْلِ

فروخت کریں گے اور یہ وکالت کو شامل ہوتی ہے پس اگر نصفا نصفی یا ایک تہائی اور دو تہائی کی شرط کی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور زیادتی کی شرط باطل ہوگی

فَصْلٌ فِی الشَّرِکَۃِ الْفَاسِدَۃِ وَلَاتَصِحُّ الشَّرِکَۃُ فِی احْتِطَابٍ وَاصْطِیَادٍ وَاسْتِقَاءٍ وَالْکَسْبُ لِلْعَامِلِ وَعَلَیْہِ اَجْرُ مِثْلِ

(فصل) اور صحیح نہیں ہے شرکت لکڑی چننے، شکار کرنے اور پانی اٹھانے میں اور کمائی کام کرنے والے کی ہوگی اور اس پر دوسرے کے لئے واجبی

ما لِلْاٰخَرِ وَالرِّبْحُ فی الشَّرِکَۃِ الْفَاسِدَۃِ بِقَدْرِ الْمَالِ وَاِنْ شُرِطَ الْفَضْلُ وَتَبْطُلُ الشَّرِکَۃُ بِمَوْتِ اَحَدِھِمَا وَلَوْ حُکْمًا

مزدوری ہوگی اور نفع شرکت فاسدہ میں بقدر مال ہوتا ہے گو زائد کی شرط کرلی گئی ہو اور شرکت باطل ہو جاتی ہے کسی ایک کے مرنے سے گو مرنا حکما ہو

وَلَمْ یُزَکِّ اَحَدُھُمَا مَالَ الْاٰخَرِ بِلَا اِذْنِہٖ فَاِنْ اَذِنَ کُلٌّ وَاحِدٍ وَاَدَّیَا مَعًا ضَمِنَا

اور زکوٰۃ نہ دے دوسرے کے مال کی اس کی اجازت کے بغیر پس اگر ہر ایک نے اجازت دیدی اور دونوں نے ایک ساتھ ادا کردی تو ضامن ہوں گے

وَلَوْ مُتَعَاقِبًا ضَمِنَ الثَّانِیْ وَاِنْ اَذِنَ اَحَدُ الْمُفَاوِضَیْنِ بِشِرَآءِ اَمَۃٍ لِیَطَأَھَا فَفَعَلَ فَھِیَ لَہٗ بِلَا شَیْءٍ

اور اگر یکے بعد دیگرے ادا کی تو بعد والا ضامن ہوگا اور اگر مفاوضہ کے کسی ایک شریک نے باندی خریدنے کی اجازت دی وطی کرنے کے لئے اور

اس نے خریدلی تو باندی خریدنے والے کی ہوگی بلا عوض۔

شرکت تقبل و وجوہ کا بیان

توضیح اللغۃ: خیاط درزی، صباغ رنگریز۔ مناصفہ نصفا نصف، احتطاب لکڑی جمع کرنا، اصطیاد شکار کرنا، استقاء پانی طلب کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ وتقبل الخ شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت تقبل ہے۔ جس کو شرکت صنائع، شرکت اعمال، شرکت ابدان بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو اہل حرفت مثلاً دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز اس پر متفق ہو جائیں کہ ہر ممکن الاستحقاق عمل قبول کیا کرینگے اور جو کچھ کمائی ہوگی اس میں دونوں شریک ہونگے اب شریکین میں سے جو شخص کوئی کام لے گا وہ دونوں کو لازم ہوگا۔ اور جو مزدوری ایک شریک کے کام کرنے سے حاصل ہوگی وہ بموجب شرط دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی گو دوسرے نے کام نہ کیا ہو "وعند الشافعی لا تجوز ھذہ الشرکۃ"۔

قولہ و وجوہ الخ شرکت عقد کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی وجاہت اور اپنے اعتماد و اعتبار کے ذریعہ تاجروں کے یہاں سے سامان ادھار لاتے اور فروخت کر کے نفع میں شریک ہوتے ہیں شرکت کی یہ صورت بھی صحیح ہے اس میں خریدی ہوئی چیز کے اعتبار سے نفع تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی اگر دونوں شریکوں نے کوئی چیز نصفا نصف خریدی تو نفع بھی نصفا نصف ہوگا اور اگر ایک نے ایک تہائی خریدی اور دوسرے نے دو تہائی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اگر کسی شریک نے زائد نفع کی شرط لگائی تو شرط باطل ہوگی ھذہ الشرکۃ لاتجوز عندالشافعی ومالک۔

شرکت فاسدہ کا بیان

قوله فصل الخ اس فصل میں شرکت فاسدہ کے احکام مذکور ہیں شرکت فاسدہ وہ ہے جس میں صحت شرکت کی شروط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے جو چیزیں مباح الاصل ہیں جیسے لکڑی شکار وغیرہ انکے حاصل کرنے میں شرکت صحیح نہیں۔ کیونکہ شرکت متضمن وکالت ہوتی ہے اور مباح اشیاء کی تحصیل میں وکالت متصور نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مباح چیزوں کا خود موکل مالک نہیں ہوتا تو اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام کرنیکا بھی مالک نہ ہوگا۔

قوله والكسب الخ ایک شخص نے کوئی مباح چیز حاصل کی اور دوسرے نے اس کی اعانت کی تو وہ حاصل کرنے والے کی ہوگی۔ اور اعانت کرنیوالے کی جتنی واجبی مزدوری مروجہ دستور کے مطابق ہوتی ہو اتنی مزدوری ملے گی۔ یہ حکم امام محمد کے نزدیک ہے جس کے متعلق حموی نے مفتاح سے نقل کیا ہے کہ فتوی کے لئے یہی مختار ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی معین کو اجرت ہی ملے گی۔ لیکن حاصل کردہ شئی کی نصف قیمت سے زیادہ نہ دی جائیگی۔ غایۃ البیان میں ہے کہ یہ قول مبنی بر استحسان ہے۔

قوله والربح الخ اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو اس میں جو نفع ہوگا وہ مال کی مقدار کے بموجب ہوگا اگر چہ زائد کی شرط کرلی گئی ہو اب اگر سب مال ایک ہی شریک کا ہو تو دوسرے شریک کو اس کی محنت کی اجرت دی جائیگی۔ قنیہ میں ہے کہ ایک شخص ناؤ کا مالک ہے اس نے اپنے ساتھ چار شخص شریک کئے اس شرط پر کہ وہ ناؤ چلائیں اور جو نفع ہو اس کا پانچواں حصہ مالک کا اور باقی چاروں کے درمیان برابر تو یہ شرکت فاسد ہے اور جو کچھ نفع ہوگا وہ سب مالک کا ہوگا اور ان چاروں کے لئے واجبی مزدوری ہوگی۔

قوله لم يزك الخ ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ نہ دے کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک کو جو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوٰۃ ان میں سے نہیں ہے اور اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو ادائیگی زکوٰۃ کی اجازت دے دی تھی اور ہر ایک نے ایک ساتھ زکوٰۃ دے دی تو دونوں ضامن ہونگے اور دونوں باہم مجرا کرلیں گے۔ اور اگر دونوں نے یکے بعد دیگرے ادا کی تو جس نے بعد میں ادا کی ہو وہ ضامن ہوگا۔

قوله وان اذن الخ شرکتِ مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو برائے وطی باندی خریدنے کی اجازت دی اور اس نے باندی خرید لی تو باندی خاص اسی خریدنے والے کی ہوگی اور کچھ دینا نہ پڑے گا کیونکہ وطی کے لئے خریدنے کی اجازت دینا ہبہ کو متضمن ہے کیونکہ یہاں وطی حلال ہونے کے لئے ہبہ کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ **وقالا يضمن حصة شريكه وهو قول الائمة الثلاثة۔**

كِتَابُ الْوَقْفِ

هُوَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ
وہ روکنا ہے عین شئ کو واقف کی ملک پر اور خیرات کرنا ہے منفعت کو۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ شرکت کیساتھ وقف کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں سے اس مال کا انتفاع مقصود ہوتا ہے جو اصل مال پر زائد ہو۔مگر شرکت میں اصل مال صاحب مال کی ملک پر رہتا ہے۔اور وقف میں اکثر علما کے نزدیک مالک کی ملک سے نکل جاتا ہے۔وقف لغۃ بمعنی حبس ہے یعنی روکنا چنانچہ موقف الحساب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ قیامت کے روز حساب کے لئے روکے جائیں گے۔

قولہ ھو حبس الخ اصطلاح شرع میں وقف اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اپنی ملک میں روکے رکھے اور اسکی منفعت خیرات کردے۔

و ھذا علی مذھب الامام۔صاحبین کے نزدیک وقف یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی ملک پر روک لے اور اس کا نفع جس پر چاہے وقف کردے۔

وَالْمِلْكُ يَزُوْلُ بِالْقَضَاءِ لَا اِلٰى مَالِكٍ وَلَا يُتِمُّ حَتّٰى يُقْبَضَ وَيُفْرَزَ
اور ملک زائل ہو جاتی ہے قاضی کے حکم سے اور دوسرا مالک نہیں ہوتا اور وقف پورا نہیں ہوتا یہاں تک کہ قبضہ کرلیا جائے اور علیحدہ کردیا جائے

وَيَجْعَلَ اٰخِرَهٗ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ وَصَحَّ وَقْفُ الْعِقَارِ بِبَقَرِهٖ وَاَكَرَتِهٖ وَمُشَاعٍ
اور اس کی صورت انجام ایسی کردی جائے کہ منقطع نہ ہو اور صحیح ہے زمین کا وقف اس کے بیلوں اور کارندوں کیساتھ اور ایسی مشاع چیز کا جس کے جواز

قَضٰى بِجَوَازِهٖ وَمَنْقُوْلٍ فِيْهِ تَعَامُلٌ وَلَا يُمَلَّكُ وَلَا يُقْسَمُ وَاِنْ وَقَفَ عَلٰى اَوْلَادِهٖ وَيُبْدَءُ مِنْ غَلَّتِهٖ بِعِمَارَتِهٖ
کا حکم ہوگیا ہو اور ایسی منقول شئ کا جس میں تعامل ہو اور وقف کی نہ تملیک کیجائے نہ تقسیم گو اولاد پر کیا ہو اور وقف کی پیداوار سے اولاً اسکی مرمت

بِلَا شَرْطٍ وَلَوْ دَارًا فَعِمَارَتُهٗ عَلٰى مَنْ لَّهُ السُّكْنٰى وَلَوْ اَبٰى اَوْعَجَزَ عَمَّرَ الْحَاكِمُ بِاُجْرَتِهٖ
کیجائے بلا شرط بھی اور اگر موقوف مکان ہو تو اس کی مرمت اس میں رہنے پر ہے اگر وہ انکار کرے یا عاجز ہو تو حاکم اس کی اجرت سے مرمت کرائے

وَصَرَفَ نَقْضَهٗ اِلٰى عِمَارَتِهٖ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ وَاِلَّا يُحْفَظُ لِيُحْتَاجَ وَلَا يَقْسِمُ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ
اور اس کا ملبہ اسی کی عمارت میں لگایا جائے اگر ضرورت ہو ورنہ ضرورت کیلئے محفوظ رکھا جائے اور مستحقین وقف کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے

وَاِنْ جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْجَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ صَحَّ وَيُنْزَعُ لَوْ خَآئِنًا
اگر واقف نے وقف کی پیداوار یا اس کی تولیت اپنے لئے کرلی تو درست ہے اور وقف کو اس سے نکال لیا جائیگا اگر وہ خیانت کرے

كَالْوَصِيِّ وَيَنْصِبُ غَيْرَهٗ وَاِنْ شَرَطَ اَنْ لَّا يُنْزَعَ
جیسے وصی۔گو اس نے نہ نکالنے کی شرط کرلی ہو۔

احکام وقف کی تفصیل

توضیح اللغۃ: یفرز، علیحدہ کردیا جائے، عقار زمین، اکرۃ کاشتکار لوگ، اکار کی جمع ہے مشاع مشترک غیر منقسم۔نقض ٹوٹ پھوٹ۔

تشریح الفقہ: قولہ و الملک الخ مبسوط کی روایت کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقف صحیح نہیں کیونکہ منفعت معدوم ہوتی ہے اور تصدق بالعدوم جائز نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وقف سب کے نزدیک جائز ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں یعنی واقف کو

ربع.....اجمعت الامۃ علی جوازہ و قد صح انہ علیہ السلام تصدق بسبع حوائط فی المدینۃ ۱۲ مجمع

ابطال وقف کا اختیار ہے اس لئے امام صاحب کے یہاں وقف کی ملک کا زوال بلا حکم قاضی نہ ہوگا۔ کیونکہ جن مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے ان میں قاضی کے حکم کی ضرورت ہوگی ہے۔ امام محمد کے نزدیک واقف کی ملک اس وقت زائل ہوتی ہے جب وقف کا کوئی متولی مقرر ہوجائے اور شئے موقوف اس کے قبضہ میں دیدی جائے مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ ولا یتم الخ طرفین کے نزدیک تمامیت وقف کے لئے موقوف کا مقبوض ہونا اور اس کا ممتاز ہونا ضروری ہے۔ یعنی اگر شئی موقوف قسمت پذیر ہو تو اس کو تقسیم کر کے جدا کرنا ضروری ہے کیونکہ امام محمد کے یہاں قبضہ شرط ہے اس لئے ان کے یہاں وقف مشاع جائز نہیں بخلاف امام ابو یوسف کہ ان کے یہاں قبضہ شرط نہیں اس لئے وقف مشاع جائز ہے لیکن تحمل القسمۃ کا وقف بالاتفاق جائز ہے سوائے مسجد اور مقبرے کے کہ ان کا وقف عدم احتمال قسمت کے باوجود تمام نہیں ہوتا۔ مشائخ بلخ نے امام ابو یوسف کے قول کو اور مشائخ بخارا نے امام محمد کے قول کو لیا ہے خلاصہ بزازیہ، ولوالجیہ، شرح مجمع تجنیس اور غایۃ البیان میں ہے کہ وقف مشاع میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے۔

قولہ ویجعل الخ طرفین کے یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وقف کی صورت انجام اس طرح کردی جائے کہ وہ منقطع نہ ہو بلکہ جاری رہے یعنی انجام کار وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے مثلاً اگر چند خاص لوگوں پر وقف کیا جن کا کسی زمانہ میں نہ ہونا بھی ممکن ہے تو یہ کہدے کہ انکے نہ رہنے کے وقت وقف کا نفع فقیروں اور علماء کو پہنچے۔ امام ابو یوسف سے اس کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ تابید وقف ضروری ہے لیکن ذکر دوام شرط نہیں اور یہی صحیح ہے دوم یہ کہ تابید دوام شرط نہیں۔

قولہ وصح الخ تنہا زمین کو وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ یہ متعدد صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا ایک مکان مکہ میں اور حضرت عمر نے اپنا مکان مروہ کے قریب اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنا مکان مدینہ میں اور حضرت علی نے اپنی زمین اور مکان مصر میں وقف کیا تھا۔ نیز حضرت عثمان نے ایک چشمہ پینتیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کیا تھا۔ لیکن اشیاء منقولہ کو وقف کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر زمین کو اسکے بیلوں اور کارندوں کیساتھ وقف کرے تو صحیح ہے کیونکہ مقصود کے لحاظ سے یہ چیزیں تابع ارض ہیں۔ **ومحمد مع ابی یوسف فی جواز وقف المنقول تبعاً۔**

قولہ و مشاع الخ اور مشاع یعنی تہائی یا نصف زمین کا وقف بھی درست ہے۔ بشرطیکہ قاضی نے اسکے جواز کا حکم کردیا۔ ہو کیونکہ جواز وقف مشاع مختلف فیہ ہے اس لئے قاضی کا حکم ضروری ہے۔ اسی طرح جو چیزیں منقولی ہوں اور ان میں پہلے سے وقف ہوتا آیا ہو انکا وقف بھی درست ہے جیسے تبر، آرہ، کلہاڑی، بسولہ، تابوت، قرآن پاک، کتابیں وغیرہ **وامام الکراع والسلاح فلا خلاف فیہ بین الشیخین للآثار المشھورۃ فیہ۔**

قولہ ولا یملک الخ جب وقف باجتماع شروط وارتفاع موانع تمام ہوجائے تو نہ اسکی بیع جائز ہے نہ تملیک نہ عاریت پر دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ رہن رکھا جاسکتا ہے اور نہ مستحقین وقف کے درمیان تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس واسطے کہ موقوف علیہم کا حق منافع وقف میں ہے نہ کہ عین وقف میں اور تملک وقسمت اس کے منافی ہے۔

قولہ وان جعل الخ اگر واقف نے وقف کی بعض یا کل آمدنی گویا اسکی تولیت کو اپنے لئے شرط قرار دے لیا تو شیخین کے نزدیک صحیح ہے۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتیں صحیح نہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک پہلی صورت صحیح نہیں۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موقوفہ صدقہ سے کھاتے تھے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب آپ پہلے شرط لگا لیتے ہوں۔ کیونکہ بلاشرط کھانا تو بالاجماع جائز نہیں معلوم ہوا کہ اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانا صحیح ہے۔

(وفیہ تامل)

فَصْلٌ مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لَمْ یَزَلْ مِلْکُہٗ عَنْہُ حَتّٰی یُفْرِزَہٗ مِنْ مِلْکِہٖ بِطَرِیْقِہٖ

(فصل) جس نے مسجد بنائی تو اس سے اس کی ملک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو راستہ کیساتھ اپنی ملک سے جدا کردے

وَيَأْذَنُ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَإِنْ صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهُ

اور نماز پڑھنے کی اجازت دیدے پس اگر اس میں کوئی ایک شخص بھی نماز پڑھ لے تو اس کی ملکیت زائل ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ من بنی الخ جو شخص مسجد بنادے تو وہ اسی کی ملک رہے گی جب تک وہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ کے جدا نہ کردے اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیدے، ملک سے جدا کرنا۔ تو اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے نہیں ہوسکتی اور نماز کی اجازت دینا اس لئے ضروری ہے طرفین کے نزدیک وقف میں تسلیم یعنی قبضہ کرانا ضروری ہے اور یہاں حقیقی قبضہ متعذر ہے۔ اس لئے وقف سے جو مقصود ہے یعنی نماز پڑھنا اس کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام کردیا جائیگا۔ اب اگر اجازت کے بعد ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک ختم ہوجائیگی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے اتنا کہدیا کہ میں نے اس کو مسجد بنادیا تو صرف اتنا کہنے ہی سے اس کی ملک زائل ہوجائے گی۔ کیونکہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں۔

وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ اَوْفَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَهُ اِلَى الطَّرِيْقِ وَعَزَلَهُ

اور جو شخص مسجد بنائے جس کے نیچے تہ خانہ ہو یا اس کے اوپر بالاخانہ ہو اور اس کا دروازہ راستہ کی طرف کرکے اس کو جدا کردے

اَوِاتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهٖ مَسْجِدًا وَاَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فِيْهِ لَهُ بَيْعُهُ وَيُوْرَثُ عَنْهُ

یا اپنے گھر کے اندر مسجد بنائے اور اس میں لوگوں کو آنے کی اجازت دیدے تو وہ اس کو فروخت کرسکتا ہے اور ورثہ اس کے وارث ہونگے

وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً اَوْخَانًا اَوْرِبَاطًا اَوْمَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْهُ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ

اور جو شخص سقاوہ یا سرائے یا لشکر کے پڑاؤ کے لئے کوئی جگہ یا قبرستان بنائے تو اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کا حکم کرے

وَاِنْ جُعِلَ شَيْئًا مِنَ الطَّرِيْقِ مَسْجِدًا صَحَّ كَعَكْسِهٖ

اور اگر کچھ راستہ مسجد بنادیا گیا تو درست ہے جیسے اس کا عکس صحیح ہے۔

توضیح اللغۃ: سرداب تہ خانہ، عزل جدا کردیا۔ سقایہ: پانی جمع کرنے کی جگہ، پیاؤ: خان، سرائے، رباط وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کے لئے قیام کرے، مقبرہ قبرستان۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن جعل الخ ایک شخص نے مسجد بنائی اور اس کے نیچے ایک تہ خانہ بنایا۔ یا اس کے اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف نکال کر اس کو اپنی ملک سے علیحدہ کردیا یا اپنے مکان میں ایک مسجد بنائی اور لوگوں کو آنے کی اجازت دیدی تو ان سب صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک مالک اس کو فروخت کرسکتا ہے اور اگر وہ مرجائے تو ترکہ میں اس کے وارثوں کو ملے گی، مطلب یہ ہے کہ وہ مسجد وقف کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ اس میں حق العبد باقی ہے لہٰذا وہ خالص خدا کے لئے نہ ہوئی۔

قولہ وان جعل الخ اگر مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو اور حسب ضرورت راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کردیا جائے یا اطراف کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کردی جائے۔ یہ جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسجد حرام کی توسیع اسی طرح کی تھی، نیز اگر مسجد کے حصہ میں سے کچھ زمین راہ میں شامل کردی گئی تو یہ بھی جائز ہے۔

نحمداللہ الذی من علینا باتمام المجلد الاول ونرجوا من رحمۃ الواسعۃ

ان یتم المجلد الثانی فی ایام معدودۃ علیہ نعتمد وبہ نستعین

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ